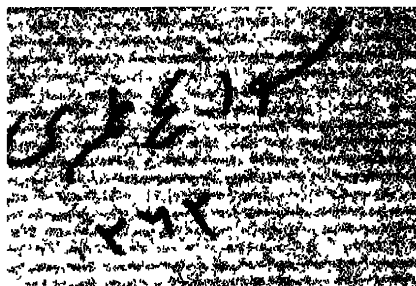


شہید اعظم

حصہ اول

یعنی

حضرت امام حسین علیہ السلام کی سوانح عمری

مؤلفہ

سید ریاض علی ریاض

مؤلف

الکلام و امامت تاریخی حیثیت سے وغیرہ

باہتمام سید محمد عبدالعلی [illegible] کے

مطبع [illegible] واقع محلہ [illegible] گنج بنارس میں چھپی

شکریہ

یہ ناچیز کوشش اُس قدر دانی کے شکریہ مین پیش کیجاتی ہی جو الکرار کے متعلق قوم سے ظاہر ہوئی۔ نیز شہید اعظم حصہ اوّل کے زیر طبع ہونیکی اطلاع پر قوم کے ہر طبقہ کی لوگون نے جس طرح اسکا خیر مقدم کیا وہ ہر طرح ہمت افزا ہی۔ شکریہ۔

مؤلف

معذرت

مین متاسف ہون کہ یہ حصہ کتابت اور طبع کا اس سے بہتر نمونہ پیش نکرسکا۔ اگرچہ مجھے دو کاتب اور مطبع بدلنا پڑا۔ غلطیان بھی رہ گئین۔ انمین زیادہ تر ایسی ہین جنمین میرا قصور نہ تھا۔ حاشیہ کی غلطیان عموماً وہ ہین کہ چھاپنے مین حروف اُڑ گئی ہین۔ معذرت۔

ریاض



فہرست انڈکس ابواب

مقدمہ از صفحہ ۱ تا ۵۰

کتاب کے اُن مختلف مضامین کے اشارے جنھین مؤلف اختصاراً یا توضیحاً درج کرنا چاہتا ہے۔ مؤلف کی روش اور معاملات۔

باب اول از صفحہ ۵۱ تا ۱۶۱

ولادت حسین کے قبل سے رحلت رسول تک (رسول کی تجہیز و تکفین)

ہادی عالم کی بعثت کے وقت مذاہب کی حالت۔ نبوت بعض انبیا اور اُنکے اصول کے متعلق اشارے۔ خانہ کعبہ۔ عرب کی معاشرتی ملکی۔ اخلاقی۔ مذہبی اور علمی حیثیت۔ نبی عربی کے متعلق اشارے۔ نصب حجراسود۔ وطن فروش عرب۔ حلف الفضول حضرت خدیجہ کی توجہ۔ خاندان ہاشم کا متعلق شجرہ اور عربون کے ساتھ احسانات۔ نبی عربی کی طفلی۔ ابو طالب۔ قریش کا ابو طالب پاس وفد اور رسول کا جواب۔ حضرت خدیجہ کا عقد اور اُنکی مدد کا درجہ۔ علی کی ولادت۔ فاطمہ زہرا کی ولادت۔ وراثت صفات۔ بشیر و نذیر انبیا۔ مسئلہ شفاعت۔ ذوالعشیرہ۔ عرب کے بندہ زر ہونیکی مثالین۔ ہجرت حبشہ شعب ابو طالب۔ دعوت اسلام۔ مدینہ مین اسلام۔ ہجرت نبی۔ جنگ بدر۔ عقد مواخات۔ غزوہ عشیرہ۔ علی و فاطمہ کا عقد۔ واقعہ عریض۔ بنی قینقاع۔ ولادت حسن۔ جنگ اُحد۔ واقعہ رجیع۔ حمرالاسد۔ غزوہ بنی نضیر۔ ولادت حسین۔ حدیث افک۔ جنگ خندق۔ صلح حدیبیہ۔ فتح خیبر۔ خمس اور بنو ہاشم۔ فدک۔ فتح مکہ۔ غزوہ حنین محاصرہ طائف۔ موتہ۔ وادی الرمل۔ غزوہ تبوک۔ واقعہ عقبہ۔ سورہ برات۔ مباہلہ اہلبیت۔ حسین کے متعلق طفلگی زمانہ کی روایتین۔ واقعہ بنو ضلیع۔ علی یمن بھیجے گئے۔ حجۃ الوداع۔ واقعہ عقبہ کی ملتوی وجہ۔ دروازونکے بند کرنیکا حکم۔ تیار داری کی درخواست جیش اُسامہ۔ ازواج رسول کا دو گروہ۔ امامت مسجد کا واقعہ مشتوکہ اشارہ۔ قصہ قرطاس۔ ہادی کی آخری وصیتین۔

باب اول کا خلاصہ (واقعات کا نشو) از صفحہ ۱۶۱ تا ۱۸۰

شرح واقعات اور تبصرہ۔ شہدائے مذاہب اور تاریخی شجاعون کا تذکرہ۔ مثالین کہ قومین اپنے مشاہیر کی

یادگار قایم کرتی ہین۔

باب دویم از صفحہ ۱۸۰ تا ۲۱۲

رسول کی تعمیرات عملت کا انہدام (تجاہل)

اہلبیت اور اُنکے مویّدین حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش

رحلت رسول کے بعد مخالف طبائع کا عمل۔ ثقیفہ بنی ساعدہ۔ بیعت ابوبکر۔ واقعہ ثقیفہ کے متعلق جناب امیر کے الفاظ۔ اہلبیت پر بیعت کا تشدد۔ بیعت ثقیفہ کی نیت۔ بڑی جماعتین اور بیعت ابوبکر۔ واقعہ فدک۔ مانعین زکوٰۃ کا قتل۔ شرکائے دفن رسول کے نام۔ جناب امیر رحلت رسول کے بعد۔ حضرت فاطمہ کا اثر غم۔ طاہرہ کی علالت اور مخاطبہ سیدہ کی وصیتین اور رحلت۔ حسنین۔ دفن۔ قبر علیہ مدینہ کہتے ہین۔ حافظ نذیر احمد صاحب کے بعض خیالات۔

باب دویم کا خلاصہ (واقعات کا نشو) از صفحہ ۲۱۲ تا ۲۲۴

شرح و تنقید واقعات۔

باب سیوم

رسول اور اہلبیت کے نام وحقوق وغیرہ کے زایل کرنے کی کوششین (غفلت) از صفحہ ۲۲۵ تا ۲۷۳

قابل توجہ عمال۔ علی کی غیر مخالفانہ روش۔ خلیفہ کا انتخاب۔ ایک فطری سوال۔ علی انتخاب کے متعلق۔ خلیفہ ثانی اور عمال کی تقرری۔ عمر کا خطبہ اور حسین ترتیب دیوان۔ مقدمہ زنا۔ معاویہ۔ دمشق کا عامل۔ دور ثانی کے بعض عمال حضرت شہربانو۔ شیرین۔ تقسیم غنیمت اور حسین خمس۔ بنوہاشم اور عہد عمر اور عباس کا مکالمہ۔ شعائر اللہ کی تعظیم آرایش کعبہ۔ رسول کا یادگار درخت۔ روایت حدیث کا انسداد۔ ایک خطبہ۔ ابا حفصہ کا قاتل۔

باب چہارم از صفحہ ۲۷۳ تا ۳۰۵

مرکزی خلاف ورزیون کی ترقی اور اُسکا اثر

خلیفہ ثانی کا مقرر کردہ اصول انتخاب۔ طریقہ انتخاب کے متعلق علی اور عباس۔ ابن عوف کی کارگذاری بنی امیہ اور عثمان کا انتخاب۔ مقداد اور ابن عوف کی گفتگو۔ انتخاب عثمان کے متعلق علی اور مورخین۔ ابوسفیان اور حسین۔ عثمان کا پہلا خطبہ۔ قتل ہرمزان۔ عمال کا تقرر و تبدل۔ مسلمان سپاہیون مین غنیمت کیلیے جنگ

حسین اور افریقہ۔ مال غنیمت اور مروان۔ ابن عاص کا عزل۔ فتح قبرس۔ ولید کی شکایت۔ فداء ثالث وغیرہ
طبرستان اور حسین۔ احراق مصاحف۔ خلیفہ عمر اور خلیفہ۔ جناب امیر اس زمانہ کے متعلق۔ اصحاب رسول کا
وفد۔ عمار کے ساتھ برتاؤ۔ ابوذر کا شام اور مدینہ سے اخراج۔ رحلت ابوذر۔ سعید کا طرز عمل۔ مالک اشتر
کی جلاوطنی شکایتی وفود۔ مشورہ۔ اہل کوفہ کی صلاح۔ اہل کوفہ کے نام خلیفہ کا خط اور اسکا جواب۔ رسول کی
انگوٹھی۔ عام شکایات اور جناب امیر کی وساطت۔ خلیفہ کی تقریر۔ صلاح اور معاویہ۔ مصر کا وفد خلیفہ کا حکم
محمد ابن ابی بکر کی تقرری اور قتل کا فرمان۔ اصحاب پر اسکا اثر۔ مقدمہ۔ جماعت کو عزل کا اختیار نہ دینے کے لئے
ابن عمر کی صلاح۔ علی کی سفارت کا اثر اور پھر خلیفہ اور مروان کا طرز عمل۔ علی کنارہ کشی کا عہد کرتے ہیں۔
وفود کے تصفیہ کن شرائط۔ خلیفہ اور محاصرین کا مکالمہ۔ علی نے پانی بھیجا۔ حضرت عائشہ حج کے لئے روانہ ہوئیں
طلحہ اور عثمان۔ حسنین محافظ در۔ محمد ابن ابی بکر اور عثمان۔ رحلت۔ انتقام۔ اسوقت کے عمال۔

باب چہارم کا نشو اور واقعات کا خلاصہ از صفحہ ۳۰۵ تا ۳۴۳

شرح و تنقید واقعات

باب پنجم۔ از صفحہ ۳۴۴ تا ۳۸۸

رسول کے بعد کے نظام کا سکون اور دوبارہ حرکت

علی کی خلافت کے لئے بلا فصل خواہش کی مثال۔ خلافت کا پیشکش اور علی۔ متخلفین بیعت۔ علی کی بیعت کے واقعات تقسیم
بیت المال اور مساوات پہ تجانب کی شکایت۔ تخلف اور اسکی وجہ۔ معاویہ اور دریافت حالات۔ بنی امیہ شام جانے لگے۔
طلحہ و زبیر بصرہ اور کوفہ کی حکومت طلب کرتے ہیں۔ عائشہ رحلت عثمان اور خلافت علی سنکر۔ تہیہ خروج۔ امامت نماز کا جھگڑا
اور تصفیہ۔ حضرت ام سلمہ اور عائشہ۔ ابوموسیٰ اور بیعت علی۔ علی کے عمال کی روانگی۔ شام کے قاصد کا بیان۔ شورش کی خبریں اور
علی بنی امیہ اور اصحاب جمل میں اختلاف۔ اصحاب جمل اور بصرہ۔ جناب امیر کی روانگی۔ علی کے قاصد اور ابوموسیٰ۔ کوفہ میں علی
کوفی مددگار اور علی۔ اصحاب جمل کی آمادگی جنگ۔ احنف کا سوال۔ جناب امیر کا خطبہ اور اصحاب جمل کے نام خط۔ جواب اور سفارت
علی کا جنگی خطبہ۔ تعبیہ جنگ۔ زبیر اور علی۔ جنگ جمل۔ امیرالمومنین کا اعلان اور اسیران جنگ کے ساتھ برتاؤ۔ حضرت عائشہ کے بعض
خیالات اور کوششیں۔ فتح کا اثر کوفہ۔ معاویہ کی چیرہ دستی۔ صفین کی تیاری۔ ابن عاص اور معاویہ کا سمجھوتہ۔ شرحبیل ابن سمط کا مکر
ابن عمر معاویہ کے پاس۔ فوجوں کی روانگی صفین میں جناب امیر کا خواب۔ کنار فرات جنگ۔ سفارت۔ قاتلان عثمان کا سوال اور جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شہید اعظم

یعنی

حضرت امام حسین علیہ السلام کی سوانح عمری

پہلا حصہ

مقدمہ

واقعہ کا سبب اور نتیجہ

کسی بڑے واقعہ کے قبل اسکے اسباب مجتمع ہوتے رہتے ہیں اور وقوع کے بعد اسکے نتائج ایک زمانہ تک اثر دکھلاتے رہتے ہیں۔ اگر کسی بڑے واقعہ کو دیکھنے کے بعد اسکے نتائج پر غور نہ کرنا غفلت و کم نظری ہے اسیطرح اسکی نسبت اس ضعف تصور سے کام لینا کہ وہ بڑے اسباب کا نتیجہ نہ تھا نتیجہ کو بغیر سبب کے مہیا کر دینا ہوگا۔

پیش نظر تحریر متذکرہ صدر خیال کا نتیجہ ہے۔

شہادت حسین کی عظمت بمقابل ملل ماضیہ

یہہ ہم سب لوگوں کے اچھی طرح ذہن نشین ہوگیا ہے کہ حسینؑ کی شہادت ایک ایسا واقعہ عظیم ہے جیسا نہ کبھی کہیں ہوا ہے نہ خود تاریخ اسلام اسکا مقابل لا سکی ملل ماضیہ اور انکی تاریخ اگر اسیطرح قبول کیجائے جسطرح اسوقت ہمارے سامنے موجود ہے جب بھی انکا کوئی شہید یا سلسلۂ شہدا مشکل سے ہمارے شہید کی عظمت و شرافت اعمال کے مقابلہ کا حوصلہ کر سکے گا۔ اولیای مذاہب اور انکی تکلیفیں حسینؑ کے انبوہ مصائب میں چھپتی ہوئی نظر آئینگی بعض ٹھہر جائینگی اور کسی سپاہ کا چیرنے والا انتہا آور دان شہیدا جرات کے سامنے گونگا ہو جائیگا جبکہ ہمارے شہید کا خون ہے ایسی صلیب سیدہ جسم کی جو کہ لیلیٰ حسینؑ کے ہمراہ بیس میں چبھنے والے بیشمار تیر اور نیزے کی انیوں کی مثال سے حقیقت لے ہونگی ہمارے شہید کی تاریخ ہے اس حیثیت کی تاریخ جو دشمنوں کے قلم و زبان نے ہمارے حوالہ کی حسینؑ کا دوست

حسین کی شہادت کے واقعات کیونکر ملے

واقعہ نگار کوئی زندہ نہ چھوڑا گیا اگر کوئی واقعہ نگاری کرسکتا تھا تو علی ابن الحسین اور مخدرات عصمت امام

زین العابدین علیہ السلام اپنی قید سے بہت پہلے بستر علالت پر مقید تھے۔ اور پردہ نشین بیبیان حسینؑ کی زندگی تک بیرونی حالات سے بہت کچھ بیخبر تھین لیکن حسینؑ کی شہادت کے بعد نہ صرف علی ابن الحسین اپنے بستر بیماری سے اُٹھے کہ وہ اسکے بعد کے واقعات دیکھین بلکہ مخدرات عصمت نے بھی یہ دیکھا کہ ہمین اپنے تقاضاے غیرت کے خلاف عام نگاہین دیکھنی ہونگی۔

افراد اور انکے خصائل پر اجتہاد کی آسانی

کوئی وقت ہو اُسکے متعلق سمجھنے کی ضرورت کے موافق ان مظلومون کی تاریخ ہے۔ فن تاریخ کا ترقی لیا ہوا تھا در الخالیکہ انکے پیشتر کے اولیاء اور شہدا کا زمانہ اس حیثیت کا نہ تھا جس مین واقعات اور افراد کے خصائل پر اجتہاد تاریخی کی ایسی آسانیان ہون جیسی انکے زمانہ مین تھین خود اسلام جو اس واقعہ سے ۶۰ برس قبل سے نشو ونما پا رہا تھا اُسکے متعلق ایک فرانسیسی مورخ بہت کچھ صحیح ریمارک کرتا ہے کہ "یہ ایک مذہب کا تعجب خیز منظر پیش نظر کرتا ہے جسکا دن کی صاف روشنی مین وجود ہو رہا ہے" یہ سب تاریخی زمانہ کی آنکھون کا دیکھا واقعہ ہے حسین کی شہادت نے تاریخ اسلام پر عام اس سے کہ وہ گذشتہ ہو یا آیندہ ایسی تیز روشنی ڈالی جس سے بہت سے ایسے واقعات کا اصلی رنگ معلوم ہو گیا جو بغیر اس قوی اشارہ کے بے توجہی سے گذر جاتے بلکہ انکی غرض اور حقیقت بمشکل چھپائے چھپ سکتی ہے۔

شہادت حسین سے بہت سے واقعات کا اصلی رنگ معلوم ہو گیا۔

مؤلف کا کام

جو کچھ مجھے اپنے اس سب سے پُر غم فرض کے متعلق کرنا ہے وہ یہ ہے کہ مین اس دعوی پر قناعت نکرون کہ شہادت حسین ایک واقعہ عظیم ہے بلکہ یہہ دکھاؤن بھی کہ حقیقتاً یہہ نہ صرف اسلام بلکہ عالم کی تاریخ کے مشہور واقعات مین ایک سرمایۂ حیرت اور عظیم سانحہ ہے جس حد تک حسین کی سوانح عمری بلا کسی زیادہ غیر متعلق اثر کے قبول کر سکے میرا فرض اسی پر تمام نہ ہو جائیگا کہ مین سانحہ کو بحیثیت اُسکے سانحہ ہونیکے بیان کردون اور بس نہیں یہہ وحشت تو بہت کچھ زمانہ حال کے اس جائز مورخانہ اعتراض کی تائید ہوگی کہ واقعہ کو صرف بیان کر دینا قصہ خوانی سے زیادہ مفید نہین ہے بلکہ اس کتاب کی یہہ غرض بھی ہوگی کہ وقعہ نہ صرف من حیث الواقعہ بیان کیا جائے بلکہ اُسکے پس و پیش پر بے جذبہ احتیاط سے نظر ڈالی جائے۔ اس سے امید کیجاتی ہے کہ جب حجاب دور کر دیئے جائینگے تو واقعہ اپنی مجموعی حیثیت سے اُس سے زیادہ سمجھ مین آئیگا جسقدر صرف بحیثیت واقعہ پڑھ جانے کے سمجھ مین آتا کیونکہ اب نہ صرف اسباب بلکہ تاریخ نے بھی اُسکے سمجھنے مین مدد دی ہوگی۔

اسباب شہادت کا خاصہ

فطری ہے اس خیال کا پیدا ہونا کہ "انا قتیل العبرۃ" کہنے والے کے اسباب شہادت جنکی پہلی ہی پر ایک عالم شاہد اور مظلومیت پر ایک زمانہ اشک حسرت بہا رہا ہے نہایت مسلسل۔ خلاف انسانیت۔ بیرحمانہ اور

ایسی مصلحت کے تابع ہونگے جسمین شخصی اور قومی ثقافت سے تجاہل کیا جاسکتا ہوگا۔ اور خود غرضیونکی حفاظت کیسے ہی کریہہ و ظالمانہ فعل کے کرنے سے رعشہ نہ پیدا کرتی ہوگی۔ بلکہ بدترین کسی تھراہٹ کے پیدا ہونے کو نتیجہ حاصل کرنے کے جوش میں کمزوری سمجھتے ہونگے اور اپنی عدم ہمدردانہ ضد کو استقلال سمجھکر اپنے فعل کا جواز اور اپنا اطمینان کرلیتے ہونگے۔ اگرچہ اس جواز اور انکے اس اطمینان نے کیسا ہی فساد اور ایسی ہی تکلیف انکی روش کے خلاف شخص یا اشخاص کیلئے کیون نہ پیدا کردی ہو۔ یا۔ وہ زمانہ کیلئے ایسی ہی بری مثال کیون نہ ہو۔

افسوس ایسا ہی تھا! مثالین شاذ نہین ہین۔ اور اگر کسی دانست مین شاذ ہون بھی تو وہ اندر اور اسباب جنسے مثالونکی سی صورت تیار ہوتی ہے کسی طرح شاذ نہین ہین۔

حسین کے پہلے اور حسین کے زمانہ کی مصلحت کا فرق

وہ اسباب جنکا نتیجہ شہادت حسین تھی اپنی ساخت کے لحاظ سے کبھی نرم لیکن ضدی اور مسلسل۔ اور کبھی سخت لیکن رشتے کے قطع کرنے والے نہ تھے۔ ایسا نہ ہونا سوچی ہوئی مصلحت بلکہ نا مقبولیت پیدا نہ کرنیکا خیال تھا ورنہ حسین۔ یا انکے پہلے انکی مصلحت کے شریک یا دوسرے لفظونمین۔ وہ جنکی مصلحت کے حسینؑ عامل تھے بہت پیشتر قتل ہوگئے ہوتے۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ ان مصلحت مین فرق نہ تھا۔ اگر تھا تو سختی کے درجہ کا۔ اختیار اور حکومت کے ساتھ رشتہ کو قطع کردینے کی سی سختی نہ کرنے کیوجہ سے گذشتہ تدبیرین کامیاب ہوئے۔ اس وجہ سے کہ ظاہری بے عنوانیونکے نہ ہونے کے سبب سے لوگ تجاہل مین رہے۔ یا۔ لوگ اس تدبیری اندرونی رفتار نا موافقت کی گرفت اور صحیح اندازہ نہ کرسکے۔ درانحالیکہ جسوقت حسینؑ شہید ہوئے رشتے اسقدر کھچ گئے تھے کہ بجز ٹوٹ جانے کے کوئی صورت نہ رہگئی تھی۔ یہہ کچھ اتفاقی اور لاعلمانہ نہ تھا۔ بلکہ اسوقت کے مدبرین گذشتہ روش اور اسکے اثر کو تولنے کے بعد۔ اب اس حد تک سختی کرنے کو اپنے لیئے مخدوش نہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ حسینؑ کی مصلحت ایسی اور اسقدر کمزور ہوتی چلی آئی ہے کہ اس سے کسی قسم کا خوف نہین ہے اور اسمین اب اٹھان کی قوت باقی نہین ہے۔ اسلیئے اس حالت کو کچھہ دنون اور عالم نزع مین رہنے دینا ایک اپنے لیئے غیر ضروری اور مخدوش وجوہ کے۔ بقا کی طرف رجعت کے توہم کو۔ موریان دینا ہے۔

بنی امیہ کی تباہی کا سبب

ملکی رقابت کے اس لطیف توہم نے۔ درانحالیکہ ملکی رقابت کا خواب بھی نہین دیکھا جاسکتا تھا۔ بنی امیہ کو تباہ کرنیکی حد تک تباہ کیا۔ طلبائے تاریخ کے لیئے تصور کی یہہ سب سے حیرت خیز خوراک ہوگی کہ اس حالت مین جسکی بے قوتی کا صحیح اندازہ کیا گیا تھا کسطرح ایسی بے رکاوٹ قوت پیدا ہوگئی جو مرتب

فوجوں کے ریلے خزانوں کی پُر قوت امداد اور سیاسی موقع شناس نگاہوں کے اندازہ پر غالب آگئی ایک آگ تھی جسے
عالم غیب سے نظر آنے والی مقدس وحسین دامن سے ہوا دے رہا تھا یعنی آگ بھڑکتی تھی اُسکی روشنی پس پوشیدہ رہا تی تھی اسکی
سخت گرمی دشمنان آل رسالت کی ہڈیوں کے مغز جلا رہی تھی انکے بیہودہ حدت سے جلے تھے لیکن اسکی خوشگوار گرمی
عامۂ مسلمین کی رگوں میں تیزی پہنچاتی ہمدردی اور اتفاق پیدا کرتی تھی یا نہیں گذشتہ غائبانہ استناط پر جوش ثابت
ہوتا تھا اور اب اسمیں مطلق شبہہ نہ رہگیا تھا کہ یہ کہ بنی امیہ اسلام اور … دشمن ترین دشمن ہیں اور اسلئے مطلق وہ
اس قابل نہیں ہیں کہ مسلمانوں کے والی امر ہو سکیں نتیجہ یہہ ہوا کہ بنی امیہ کی حکومت چند دنوں تک شہید کی صداقت
اور صحیح پیشین گوئی کے موافق آپس کی عداوتوں سے دم توڑتی رہی اُسوقت بھی مشہور راپ کا بیٹا عبدالملک
اپنے مشہور عامل حجاج کو لکھتا ہی کہ مجھے آل رسول کے خون سے بچانا بنی امیہ ہمیشہ کے لیے ذلیل
ذلت سے ڈوب گئے کہ اونہیں اپنی اظہار قومیت سے بڑھکر کوئی شرم کی بات نہ تھی اگر … انکی نعشیں باہر پھینکی
کے ستم میں دفن کے قابل نہ سمجھی گئیں بلکہ اس سے زیادہ مناسب مقامات پر … تو انکی لاشوں کا انبار جا رہی
اپنے پیچھے ہوئے نیا … سے گلیوں میں صدا لگاتا … میں ہوں ناصر کا آخری بادشاہ جس سے عبرت حاصل کرو

شہید جسکی بیشمار مصیبتوں پر اسکی قاتل قومیت پیاسی بھی تھی اپنی شہادت کے بعد صرف
ایک بات کا پیاسا معلوم ہوتا ہی اور وہ یہہ کہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن دنیا سے مٹ دیئے جائیں یہ پیاس بھی
وہ مٹ گئے حسین اپنی غرض شہادت میں کامیاب ہوئے اسکے ساتھ ہی لوگوں میں حسین کے ساتھ جس درجہ کی
ہمدردی اور محبت پیدا ہوگئی وہ توقع کے شبہہ جسقدر بالاتر تھی اسیقدر ہمدردی کرنے والوں میں آپس میں
ایسی یکجہتی اور محبت پیدا کرتی تھی جیسا کہ انہیں اپنی نسبی یگانگت میں حاصل ہونا ناممکن تھا اس لیے کہ
حسین کے ساتھ ہمدردی کے جذبات ان عناصر سے بنے تھے جو اہل عالم کے نزدیک ہمیشہ قابل وقعت تھا لوگوں
میں ایسا ہیجان پیدا ہوگیا علی خصائل قومی اور خصوصیات ذاتی کی پرجوش قدرشناسی تھی اور جو جہان حدت ما
اور تربیت خصائل کا پہلا زینہ ہی وہان ترتیب قومیت کے مرکز سے چند یادہ ہی سینہ مجدد ثانی تھے حسین نے
دین کو زندہ کیا حسینی … روشن اور بلند مینار بنگئے جسکا سایہ صالح صفات
انسانی کی پرورش کرتا ہے

گذشتہ سطروں کے اشارہ کے اعتبار سے یہہ خیال … ہوگا کہ واقعۂ شہادت کا نتیجہ نہایت عظیم تھا
حسین و … آگ … اس ہر کو قبول کرنے میں متردد ہو تو یہہ زیادہ واضح ہوگا اس واقعہ نے

مختلف الاثر ہیجان

حسین کے ساتھ ہمدردی کے جذبات

جوش ہمدردی جوش عداوت پہ غالب آگیا

جیسا جوش ہمدردی پیدا کیا وہ ان قابلیتوں سے بہتر تھا کہ دشمنان حسینؑ کے جوش عداوت پر غالب آجاتا۔

کیسے کوئی اس انقلاب عظیم پیدا کرنے والے واقعہ کو [illegible] توجہ کی گذرتی ہوئی نگاہ سے دیکھ سکتا ہے بلکہ یہہ یقین ہے کہ اگر کسی قدر زیادہ اور [illegible] اسکی کل عقلی اور فطری تاریخ اور اُسکا ہر پہلو کسی [illegible] گذرتی ہوئی توجہ کو [illegible] اور [illegible] آگے نہ بڑھنے دیگی جب تک شخص [illegible] پسندی کی کا [illegible] تعبیر پیدا ہوئے۔ [illegible] ان صورتوں کے جنمین توجہ [illegible] شخص نے قیز مصلحت سمجھ لیا ہو

صائب توجہ سے بہکانے کی عام [illegible] ہوئے ہم ایک مسلمان کے اس مشہور فقرہ پر توجہ دلاتے ہیں کہ حسینؑ اپنے نانا کی تلوار سے قتل ہوئے" [illegible] کو اس فقرہ کی دورنگی ایک مسلمان صناع ذہن کی [illegible] معلوم ہوگی جسمین الرسول کی تلوار کی [illegible] واقعہ [illegible] سخت اور [illegible] طعنہ تذکرہ کیا گیا ہے تو [illegible] سے زیادہ تکلیف دہ یہہ عکس ہے کہ رسول کی مصلحت نے حسینؑ کو قتل کیا جسکے معنی یہہ ہیں کہ جو کچھ سختیاں حسینؑ پر [illegible] ہیں انہیں رسول کی مصلحت میں غوطہ دیکر نرمی پیدا کیگئی ہے یا الزام کا رُخ پھیر دیا گیا ہے۔ ذلیل دنیا پسندی۔ جوش عداوت اور توہم نے جو مصلحت گڑھی تھی اُسے وہ لباس پہنایا گیا ہے جسے منجھی ہوئی نگاہ فوراً دیکھ کر بتا دیگی کہ ناموزونیت کا بہترین نمونہ ہے۔ [illegible] جو عناصر قومیت پیدا کر دیتے اور جن قوتوں سے مسلح کیا اب وہی کمال ناحسان شناسی سے انکی اولاد پر صرف کی جارہی تھی اور یہہ ذلیل ہنسی ہنسی جارہی تھی کہ حسین اپنے نانا کی تلوار سے قتل ہوئے۔ اس فقرہ میں یہہ خیال بھی نفوذ کیا ہوا ہے کہ حسینؑ اُسکے ہاتھ سے قتل ہوئے جسے مسلمانوں نے خلیفہ رسول سمجھا تھا اور اس لیئے کوئی شخص [illegible] جسکے خیال کو خلیفہ اپنی روش کے خلاف سمجھے قابل تعذیر ہے اور یہہ سختی اور تعذیر قابل الزام نہیں ہے۔

مین کافی یقین سے کہہ رہا ہوں کہ کہنے [illegible] کے اس فقرہ میں مقصود نہ حیرت یا تاسف [illegible] کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ اس فقرہ کی ترکیب بجز اس خیال کے جو ظاہر کیا گیا اور کسی تاویل سے ممکن نہیں۔ نہ اُس سے علیحدہ اُسکے الفاظ کوئی دوسری بو دے رہے ہین۔

مزید تائید اس خیال [illegible] ہوتی ہے کہ جس زمانہ میں یہہ خلاف واقعہ بیرحمانہ اور اسلام آزار فقرہ مسلمان سمجھی جانیوالی زبان نے ادا کیا اُس نے کسیطرح وجہ حسینؑ کی مدد نہیں کی بلکہ وہ ہمیشہ اُن لوگوں کیلیئے [illegible] یزید کے مظالم اور مصلحت کی مختلف لفظوں میں تائید کرتے رہے۔ وہ زمانہ ایسا نہ تھا جس میں کوئی ظاہر میں حسینؑ کی تائید میں کچھ کہنے کی جرأت کرتا۔ جرأت خودکشی ہوتی

واقعہ شہادت کیونکر دیکھا جاسکتا ہے

صاحب تعجب کے گمراہ کرنیکی مثالیں اور انکی طینت دیکھو صواعق محرقہ

اسیطرح گذشتہ فقرہ سے کم مدبرانہ لیکن اُس سے زیادہ پُرقوت مضر عملی حیثیت سے۔ یہہ فقرہ ہے کہ واعظ پر حسینؑ کا ذکر حرام ہے۔ نہیں معلوم فتویٰ دیتے وقت مفتی کو یہہ یاد تھا یا نہین کہ وہ شارع اسلام کے نواسہ کے ذکر کے متعلق اپنے اسلامی احسان شناسی پر عکس ڈال رہا ہے۔ دین کے آلون کے بیجا مصرف کی ایسی بچوں مثال شاید ہی کوئی لائی جاسکتی ہو لیکن اس فتوی سے زیادہ حیرت خیز اُن مسلمانون کا اقتضاے اسلام ہے جو آجتک اس فقرہ کو دُہرا دیتے ہین بغیر اس پہلو پر نظر ڈالے جسپر گذشتہ سطرون مین توجہ دلائی گئی یا بلا یہہ سوچے ہوئے کہ اس فقرہ کی مصلحت اُسکے بانیان مصلحت اور گرد و پیش کے اتفاقات کو فنا ہوئے صدیان گذر گئین کبھی وقت تھا کہ ایسا کہنا۔ کہنے والون مین امید منفعت پیدا کرتا تھا اور تاویل حکومت کے ماتحتی مین تھی۔ اب یہہ اشتہار فروشی سے زیادہ نافع نہین ہے لیکن یہہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اب وہ زمانہ نہین ہے بلکہ ایسا کہنا کہنے اور سننے والے دونون کے لیئے مضر ہے۔ اسیلئے کہ اس سے وہ اکیلی امید کہ ہم سب نبی کے نواسہ کی ہمدردی پر متفق ہوکر اپنے گذشتہ نااتفاقیون کے کارنامون کو بھلا دینگے۔ کمزور ہوتی ہے۔

نواسہ رسول کی ہمدردی اتفاق کا ایک مرکز ہے۔

مجھے گذشتہ دونون فقرون کے متعلق اسقدر اور کہنا ہے کہ ان دونون جملون کی مصلحت مین بعینہ وہ فرق ہے جو یزید کے پہلے اور یزید کی مصلحت مین فرق تھا۔ یہہ بھی کہنا ہے کہ کہنے والے کی دوربینی کے ساتھہ انصاف سمجھتا ہون کہ وہ اسباب شہادت حسینؑ کو خوب سمجھا تھا۔ وہ یزید کی مصلحت کا حامی ہوتا اگر اسے یہہ دکھائی نہ دے گیا ہوتا کہ نگاہین اُس سے بہت آگے بڑھ سکتی ہین۔ جسکے سمجھنے کا راستہ نہایت ہموار ہوگیا ہے۔ مین ہر زمانہ مین ان فقرات کے درجہ مضرت کا مناسب تمیز نہین کر سکتا لیکن یہہ کہہ سکتا ہون کہ یہہ تلوار سے زیادہ خوفناک کوشش تھی جس سے خاندان رسالت کا نام مٹایا جارہا تھا! ان لوگون نے اپنے مقتول آلہ قتل اور جوش کو ایسی قبر کے حوالہ نہین کیا جو زمانہ کے ساتھہ مٹ جاتی ہو بلکہ ان چیزون کو شیشہ کی قبر مین دفن کیا جس سے اگر مقتول سے ہمدردی کرنے والونکی نفرت اور حقارت آجتک زندہ ہے تو فتوی دینے والون کی مصلحت کے ساتھہ دینے والے ابتک اُنکے عکس کو دیکھتے ہین اور اُسکی حفاظت کرتے ہین مین تصفیہ نہین کر سکتا کہ کون زیادہ قابل الزام ہے وہ جس نے قتل کیا یا وہ جسنے قاتلانہ مصلحت کی حمایت کی اور اُسے کاغذ کی ہمیشہ بولنے والی زبان کے حوالہ کردیا۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ متذکرہ صدر فقرات اپنے شمائل اور طینت مین مسلمانون کے پسند کے لائق نہین ہوسکتے۔

فتوی دینے والے اسباب شہادت حسین کو خوب سمجھتے تھے۔

مسلمانونکی پسند کے مخالف شمائل و طینت

ہماری قوم کے کل جاہل اور عالم افراد پیدائش سے لیکر موت تک سب سے زیادہ اس امر کے تمنی معلوم ہوتے ہین کہ دوسری مجلس مین پہلی مجلس سے زیادہ ماتم کرین حسینؑ کی وہ مظلوم صورت جن پر انکے عزیز ترین رفقا کا غم نقش ہو انکے سامنے آکر گویا کہتی ہو کہ: "من کیستم کہ گریہ بحالم کنی و لے، چی شاید ز نرگس شہلا گریستن"

ہمارے بچے - جوان - بوڑھے - لڑکیان - مائین - بہنین اسطرح اس زمانہ گذرنے کے باوجود بجتے ہوئے غم مین روتی ہین جسطرح وہ اپنے عزیز ترین پر نہ روئی تہین - اگر ہم اپنے سر پیٹ کو دیتے ہین تو وہ بھی ہمارے ساتھ اپنے سر کے بال کہول دیتی ہین اور اپنے اسباب آرائش کو اس طرح بہولجاتی ہین کہ گویا انہین انکی نمائش سے کبھی کوئی اُناثی کمزوری یا پرذوق رغبت ہی نہ تھی - ہر ایک کا جوش غم اس خیال سے بڑہتا جاتا ہی کہ تقیہ آل رسالت کو کربلا سے دمشق تک رونیکا وقت تہا اور نہ رونیکی اجازت تھی - اُنہین تجربہ اور یقین تہا کہ ہمین روتے دیکھکر کوئی بیرحم ہاتھ ہمدردی کے لیئے نیزے کی انی بڑہا دے گا -

اسطرح ہمارے افراد خاندان اور قوم اس مظلوم کے ماتم مین متفق ہی - ایک خیال - ایک ہمدردی - غم - غصہ - نفرت - حقارت - محبت - پسندیدگی کے جذبات ایک وقت مین قوم کے ادنی سے لیکر اعلی تک تقسیم ہوتے رہتے ہین - ایک دریا لہرین لیتا رہتا ہی اور کبھی ہم اپنے قومی غم کی مجلسین تمام نہین کرتے جب تک ہم یالیتنی کنت معہم فافوز فوزاً عظیما - نہ کہہ لین

لیکن قوم کا زیادہ حصہ جاہل ہی - اگرچہ مشکل سے اُسکے حسینؑ کی کوئی مصیبت ہی جسے اُسکا ہر فرد نہ جانتا ہو مگر نہ اُسے اسباب شہادت حسین معلوم ہین اور نہ وہ کڑیان جنکے جوڑ دینے سے یہہ خوفناک زنجیر بنجاتی ہی مضمون اسقدر آسان نہین ہی کہ وہ کند اور بسیط نہ ہوسکنے والے خیال کے اندر آسانی سے سما سکے اور نہ خود قوم کے وہ لوگ جن پر پڑہے لکھے کا اطلاق ہوتا ہی عموماً تاریخ اور خصوصاً فلسفہ تاریخ اسلام اور اُسکے ان باریک نکات پر توجہ کرتے ہین - بہت سے ایسے ضرور ہین جو ان واقعات اور اشارات سے واقف ہین جنسے اسباب شہادت سمجھے جاتے ہین لیکن اُنہین بھی اسکا قابل تعریف اندازہ نہین - اسکے عکس مین بے احتیاط غلو اور بے جا یزہ مبالغہ نے بھی اثر کیا -

واقعہ خوانون مین سب ایسے نہ تھے جو مضامین الفاظ اور انداز کے مشکل انتخاب کا صحیح حس رکہتے - اُنہین اکثر غلو کے ایسے کمزور احتیاط کے فقرون سے کہ "کوئی مصیبت ایسی نہ تھی جو امام حسینؑ پر روز عاشورہ نہین

غم حسین کا اثر

جذبات کی ہمرنگی

اسباب شہادت کی عام لاعلمی جو تفریط کہی جائے -

اولاً انتخاب الفاظ کی دشواری اور بے احتیاطی

ضرورت ہی تھی یا جس صورت سے اس امر مین ترقی لانے مین اہتمام کیا جائے اور جسطرح کوشش اسمین صرف ہو وہ سب ایک حد تک قابل قبول ہو" یا "مصائب و فضائل کی روایتون مین زیادہ تحقیق کے درپے نہون بشرطیکہ وہ خلاف ضروریات مذہب نہو" مدد ملی - انہین "کوئی" "جسطرح" "جس صورت" "تحقیق کے درپے نہ ہون" مین پوری اور بے ربط وسعت نظر آئی - اور پھر اسکے بعد جولانی طبیعت اور جدت تصنیف کا روکنا مشکل ہو گیا - انہون نے ذمہ دارون یا صاحب حس لوگون کی خاموشی سے نفع اٹھایا بلکہ بے احتیاط ہوتے گئے - انکی چاشنی سامعین کا مذاق خراب کرتی رہی اور گویا یہہ بھی ایک واقعہ خوانی کی ایک مستند شان ہو گئی - بقول السید امیر علی صاحب جیسا وہ اپنی ہسٹری آف اسلام مین تحریر کرتے ہین کہ "اثر کے دائرہ کے وسیع ہونے یا زمانہ کے گذرنے سے قصے اور کہانیون کا پیدا ہونا لابدی ہے کہ وہ بادشاہون اور لوگون کے مزاج اور مذاق کے موافق ہو - انسان کی اس فطری خواہش کے اثر سے کہ وہ اپنے مخصوص مذہب کے احکام کو اپنے خاص میلان سے دیکھے کسی مذہب کو مفر نہین"

مذہب کے عام وسیع مفہوم سے قطع نظر کرکے مین اسوقت اپنی قوم کے سب سے دلپسند شغل کا تذکرہ کر رہا ہون ایسے لوگ ہین جو اب بھی ذکر حسینؑ کی مخالفت کو ایک رسمی ورثہ سمجھتے ہین وہ اکثر پیش پا افتادہ اعتراضات کو اپنی تائید سمجھنے لگے ہین اور اس سمجھانے کو بھی کہ ہم خود تمہارے اعتراض کے مفہوم سے دور ہین اسے اپنی اصلی وجہ عداوت کے جوش مین تجاہل کے ساتھہ سنتے ہین - اسلیئے کہ انکی تمام غرض یہہ ہے کہ وہ غیر صریح پہلوون سے اس امر مین کامیاب ہون کہ ذکر حسین نہ کیا جائے - انکی غرض اپنے تمام تمسخر سارے طنز اور کل پہلوون سے اصلاح نہین ہے بلکہ محو کر دینا ہے مجھے اسکے لیئے صرف یہہ کہنا ہے کہ اگر صدیون کے تجربہ نے اب تک یہہ انکے ذہن نشین نہ کیا ہو کہ حسینؑ کے ساتھہ جوش عداوت پر انکے ساتھہ جوش محبت و ہمدردی ہمیشہ غالب رہا تو وہ پھر دیکھین گے کہ کسطرح باوجود تمام نئی تراش خراش کی مخالفتون کے ذکر حسینؑ اس جہاز کیطرح جو سخت طوفان کے بعد نسبتاً کمزور تلاطم مین خوشنمائی سے پانی چیرتا ہوا سینہ تانے طاؤس کیطرح بڑھتا چلا جاتا ہے - روز افزون ترقی پر ہے -

ذکر حسینؑ کے معترضین کی غرض -

ذکر حسینؑ کا نشو

اس جگہ مجھے ان لوگون سے بھی یہہ کہنا ہے جو خواہان اصلاح ہین کہ سر کے بل کسی امر کی

مصلحین سے ایک لفظ

اصلاح مین جلدی کرنا اس قدر بلا مضر ہو کہ تباہی اپنی حالت پر چھوڑ دیجائے تباہی اپنی معمولی روش سے
شاید اس قدر جلد اپنی خوفناک حد تک نہ پہونچیگی جسقدر اصلاح کی فوری کوشش رسومات پیشین سے چھیڑ کر
ایک بیمعنی انقلاب پیدا کرے گی اور اسلیئے کچھہ زمانہ تک تباہی کو گرم رفتار کردیگی ۔ سوچی ہوئی آہستہ قدم مثال
تدریجی اصلاح جس سے لوگ مصلح کے خیالات کے خوگر ہوتے جائین غالباً مفید ہوگی نا سونچنے سے کہین زیادہ
مشکل ہے ۔ بلا نظام مذہبی کی موجودہ عملی عدم ترتیب اور مُفلسانہ بے انتظامی مین مسلمانون کے کسی رسوم بیچ کے
پیچھے پڑنا عقل کے خلاف ہوگا جب تک اصلاح شدہ رسم کا نمونہ پیش نکیا جائے یا قایم مقام طرز عمل کی
آسانیان مہیا نہ کردیجائین ۔

اسباب شہادت کا خلاصہ

واقعہ شہادت اگر مختصر لفظون مین سمجھایا جائے یا اگر تمام کا خلاصہ کسی مختصر عبارت مین سما کر مجسم کیا جائے
تو یہہ کہا جاسکتا ہو کہ ایک بڑی جماعت ہمیشہ اس امر کی درپے تھی کہ "نبوت اور خلافت ایک خاندان
مین نہ ہو" اور دوسری جماعت کریم النفسانہ شان سے اگر خلافت نہ ملنے پر متاسف نہ تھی تو اس پر
ہمہ تن کوشان تھی کہ وہ مذہب کا اصلی وقار قایم رکھے ۔ ایک اپنی کوشش مین اس پر آمادہ تھی کہ
اپنی مصلحت پر زور دیتی جائے اگرچہ وہ اسلام کے خلاف اور بانی اسلام کے ساتھہ نا احسان شناسی
کیون نہ ہو اور دوسری اس استقلال سے مسلح تھی کہ اپنے قایم شدہ حق سے انکار نہ کرے اور
دوسرے غیر مستحق کو جائز ذمہ دار دین نہ سمجھنے مین اگرچہ تمام قابل شمار تکلیفین بھی گذر جائین تو وہ
حیرت خیز صبر کے ساتھہ برداشت کیجائے ۔

اس مشکل جزر و مد اور کشاکش کا نقشہ ایسے کسی واقعہ خوان کے ہاتھون کھچا ہوا دیکھنا جسنے دو فریق
کے اس عروج و زوال کی کوشش پر کمزور توجہ بھی نہین کی ہے جسمین طبائع کی مشکل شان اور
خاموشانہ رفتار خیال کی گرفت اور عمل کی تنقید کرنی ہے ۔ اس عظیم الشان واقعہ کو ناقدری اور بے
توجہی سے ایسے خیال اور ایسی زبانون کے حوالہ کردینا ہے جو شایان سے بہت پیچھے ہین ۔ اس سے یہہ نہ
سمجھنا چاہیئے کہ مین یہہ چاہتا ہون کہ بعض مشہور مثالین اس انداز اور ان الفاظ مین بیان کیجائین

روش مصلحت

جو عام مجالس مین ہر طبقہ کے سامعین کے لیئے موزون نہ ہون ۔ ایسا کرنا عام توجہ مین انقباض پیدا
کرے گا اور یہہ مفید غرض کہ ذکر حسین عم عام کیا جائے ۔ فوت ہوجائیگی ۔ یہہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے
کہ ایسی روش اختیار کرنے والا کسی طرح مقبولیت نہ حاصل کرے گا ۔ بلکہ وجہ حسین عم کو اپنی نافہمانہ

رفتار کے جوش مین نقصان پہونچا لگی کہ زمانہ حال کے کشاکش کی تاریخ نے اگر اس غیر مفید عنصر کو واقعہ کی ایک جزو قرار دیا تو گویا معلمانہ روش جسکی اب تک مفید تقلید کی گئی ہے عقل کے سایہ سے دور کر کے بلا احتیاط جذبات کے تابع کر دی گئی۔ اور دلپسند لفظون مین سمجھاؤن کہ کیسی ہی جوش خیز حالت مین حسینؑ کے صبر کی پیروی سب سے اچھی مصلحت ہوگی۔

ذکر حسینؑ کے شایان ہاتھون مین رہنے کا اثر۔

لیکن بہرحال مین بغیر کہے نہین رہ سکتا کہ اگر ذکر حسینؑ اس سے زیادہ شایان لوگون کے ہاتھون مین رہتا جیسا اب تک رہا تو غالباً ہم اپنی قوم اور افراد کو عملاً زیادہ لطیف الخیال۔ زیادہ حق پسند۔ زیادہ مستقل اور زیادہ ملا اور رچا ہوا پاتے۔ انکے خصائل قومی اور روح مذہب کی دوبارہ نمود اگر ایسے سنوارنے والون اور رہنماؤن کے زیر ہدایت رہتی جو مناسب تعمیر کے لایق ہوتے تو ہمارا اس سے زیادہ قوی نتیجہ ہونا جیسا ہم اپنے کو پاتے ہین عجب خیز ہوتا۔ جسطرح ہم اسوقت اپنے عین وجود یا فنا ہو جانے کو سب سے بڑا معجزہ سمجھتے ہین۔ یہہ معجزہ صادر نہین ہو سکتا تھا اگر شہادت حسینؑ کا ایسا قوی سبب نہ ہوتا۔

قربانی کی عظمت وجہ کی عظمت ہے

شہادت حسینؑ نہین ہو سکتی تھی اگر وجہ شہادت اس قدر عظیم نہ ہوتی۔ یا کیسے قیاس کی جرأت کیجا سکتی ہے کہ ایسی عظیم الشان قربانی کسی معمولی یا کمزور وجہ کے لیئے گوارا کیجا سکتی تھی۔

حسینؑ کا مقدس خون آثار حیات کا ذریعہ ہے

لیکن حسینؑ کا مقدس خون اسلام کے مُرجھائے ہوئے پھول کے ساتھ یہہ کر سکتا تھا کہ اُسمین پھر ایسی زندگی کے آثار پیدا ہو جائین جس سے مناسب آبیاری کے ساتھ گذشتہ حُسن کی تحریرین واضح ہوتی جائین اور ایک زمانہ اُسے پھر تازگی کا شباب سمجھنے لگے لیکن یہہ نہین ہو سکتا تھا کہ وہ ہر زمانہ مین اس مناسب آبیاری کے ذمہ دار بھی ہو سکتے بلکہ شخص چاہیئے تھا جسے حسینؑ کی روح اقدس اپنے سایہ سے ہدایت کرتی رہتی۔ ایسے اشخاص چاہیئے تھے جو صفات حسنیہ کے صحیح حس اور زندہ ادراک کے قابل ہوتے۔

کیسے لوگ ذکر حسینؑ کے شایان تھے

شہادت حسینؑ کا اثر

فنا نہ ہونا حسینؑ نے روک دیا اور گویا اگر ہمارے پیچھے ایک فولادی دیوار بنادی کہ ہم ایڑیون کے بل نہ ہٹین تو آگے بڑھنے کے لیئے ایک صاف کیا ہوا میدان دکھا دیا۔ زوال کا رکجانا ترقی نہین ہے۔

اگرچہ زوال کے رُک جانے پر ترقی کی کوشش ممکن ہے۔ درانحالیکہ زوال کے رُکنے کے قوی اسباب ہونے پر تمام کوششین زوال کے روکنے کے لیئے صرف کیجاتین نہ آگے بڑھنے اور ترقی کے لیئے۔ اسکے بعد اسکی ضرورت تھی کہ ہم ایسی قوی رہنمائی کے تابع رکھے جاتے جو ہمین چلاتی۔ چلاتی رہتی اور چلنے کی قابلیتون سے مسلح کرتی رہتی۔ یہہ ایسی مصلحت کا کام نہ تھا جسمین تنگدستی کا وہم بھی کیا جاتا بلکہ وہ شہادت حسینؑ کے

اسی طرح مسلسل سپائدار اور قوی ہوتی صفات قومی کا بنانا یا روبہ زوال ہونے کے بعد سنبھالنا معمولی دماغ اور ارادے کا کام ہے اور نہ تھوڑی دیر کا مشغلہ بلکہ یون کہا جاسکتا ہے کہ اس بڑے کام کی کوئی حد نہین ہے اور نہ اس ترقی کی تکمیل کے لیے کوئی زمانہ اسکی انتہا ہے۔

زیر بحث مضمون اس قدر دلچسپ ہے کہ ناظر کو اسمین تھوڑی دیر اور اُلجھائے رکھنا شاید مقصد کا لحاظ کرنے پر بھی خلاف موقع نہ ہو خصوصاً جبکہ ہمین آخر مین اسکے اشارات کی ضرورت ہوگی۔

صفات قومی کا کمال کا اساس

نبی عربی کی تعریف بحیثیت قوم گر کے یہہ نہین ہے کہ اُنہون نے قوم مین صفات قومی کو کامل کردیا نہین بلکہ "دین کو کامل کردیا" "وہ دین" جسکی غیر قومین معترف ہین کہ اپنے تعجب خیز اخوت پھیلانے اور تسویہ حقوق بین الاقوام اصول کی قوت سے دنیا مین حیرت خیز اثر ڈال گیا ڈال رہا ہے اور ڈالے گا

اسلام اور شارع کے ساتھہ غیر مسلم مورخین کا طرز عمل۔

اس جگہہ مین عام مورخین عالم کو جنہین اسلام کے سمجھنے مین دلچسپی ہے اور جنہین خواہمخواہ اس مصلحت کا ساتھہ نہین دینا ہے کہ حتی الوسع بے احتیاطی سے بھی اسلام اور شارع اسلام کی تعریف نہ کیجائے اس امر پر توجہ دلاؤن گا کہ محض اصول اسلام اور اُسکے شعور سے باقی اسلام کو سمجھانا کافی ہے جبتک اُسمین ذات رسول شامل نہ کیجائے کیسا ہی عمدہ اصول اثر نہین کیا کرتا جب تک کہ اُسکے سمجھانے اور سُنانے والی ذات نہین ہوتی۔ اور ایسی ذات جو عمدہ اصول کے ساتھہ اثر ڈالتی ہے کبھی یہہ عالم نہ پیدا کرتی جب تک اُسمین شایان قابلیتین نہ ہوتین عموماً غیر قوم مورخین نے جہان اس مفید نکتہ سے اعراض کیا ہے وہان ہر مفید اور عمدہ صورتون کو اس رنگ مین دیکھا یا دکھایا ہے جس سے نہ جاننے والا بہیانک ہو۔ وہی خوبیان جو اُنکے کسی ہیرو اور قوم کی گرامی مائیہ ناز ہوتین ہمارے لیے عیب کہی جاتی ہین اور ایسا کہنے کے لیئے بظاہر ایماندارانہ احتیاط سے پتیر سے بدلے جاتے ہین۔ وہی اصول جنہین وہ ہمارے صدیون کے بعد اختیار کرتے اُنکے لیے عقل اور انصاف کی حد لیکن ہمارے لیئے زمانہ متوسط کی کمی ترقی کہی جاتی ہے۔ ہمارے افعال اور اُنکے اچھے نتائج مین خواہمخواہ بُری غرض تلاش کیجاتی بلکہ ضرب دیجاتی ہے بعض اوقات ہمارے ساتھہ ہمدردی اور ہمین صلاحین دینے کے جوش سے اُنکا اسقدر پیٹ پھولجاتا ہے جس سے اُنہین آسانی سے سانس لینا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ اب یہہ دیکھنے والے کا کام ہوگا کہ وہ سانپ کے بیرونی جسم کیطرح خوشنما ہین یا وہ بھلے معلوم ہونے والے پھل ہین جو زہر آلود نہین کیئے گئے ہین ہماری قابل تعریف باتون کا

اسلیے اعتراف نہین کیا جاتا یا اُٹھ نہ اسلیے مذمت کیجاتی ہو کہ ہم اسپر ثابت اور قایم ہوجائین ایسا تشتہ

ہم لوگون کا مقدس فرض قرار دیتی ہین کہ ہم دیکھین کہان مختلف الحیثیت اثرون نے ہمین اصل مرکز سے کسقدر ہٹا

دیا ہے لیکن اسلام ہر وقت ان صلاح کارون اور ایسے ہی عذر خواہون کو یقین دلاتا ہو کہ وہ بغیر انکی صلاح اور

عذر خواہی کی جنگ زرگری کے بھی مستغنی ہے اور اسمین صلاح دینے والون کی شخصیت بہچاننے کی کافی صلاحیت

ہو۔ وہ جانتا ہو کہ شہد کی مکھی کا لعاب دہن شیرین ہے لیکن نیش بھی کافی ایذا رسان ہو۔

قوم گر نے کیا کیا

بہرحال نبی عربی نے اگر افراد مین مجموعہ صفات کہا دیا تو قوم مین صفات قومی کے آثار روشن کر دیئے اور یہہ سب حیرت خیز

تھوڑے وقت مین تھوڑے وقت مین ایسے زبردست قومی عناصر عادت اور خیال مین جاری

وساری کر دے جنہے اور بھی عجب خیز اثر ڈالا ہوتا اگر سانچہ بدل نہ گیا ہوتا۔ اسوقت بجاے فاتحانہ

سانچہ بدلنے کا نظام قومی پر مضر اثر

تہلکہ کے جنہے ساخت قومیت سے مستغنی کر دیا۔ امن اور رفع فساد کی ہر جگہ حرکت ہوتی رہتی یہہ وہ

حالتین اپنی ٹھوس جسامت اور قوی روحانیت سے اس ہیبت خیز شان اور عقلی متانت سے

بڑہتین جسکے مقابلہ کی نہ کسی کو قوت ہوتی اور نہ تھی اور نہ انصاف اسکے مخالفت کی وجہ پاتا

یہہ صورت بہت کچھ نظر انداز کی گئی۔ اور زیادہ تر اس شجاعانہ شان سے بلالحاظ اعتدال کام

لینا مفید سمجھا گیا جسے اصول اور ذات دونون نے منجملہ دیگر صفات کے پالا تھا۔

مین کہہ رہا ہون کہ رسول نے "دین کو کامل کر دیا" اس سے مین یہہ سمجھانا چاہتا ہون کہ

قوت یکجہتی مین ہے اور مذہب یکجہتی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اسلام یا نبی عربی کا دین

بلحاظ مذہب جوش اور برادرانہ لحاظ اب بھی دیگر اقوام مین ممتاز ہے۔ اب اسکے بعد یہہ

سوال کرنا چاہتا ہون کہ آخر رسول نے اسکی کیا کوشش کی کہ قوم مین صفات قومی کو

کامل کر دیتے۔ دراں حالیکہ یہہ معلوم ہے کہ صفات قومی کی تعمیر ایک دن کا کام نہین ہو۔ نادری

کا الہام دیم جینی مصلح زمانہ حال کے اس خیال کے موافق معلوم ہوا ہو کہ قومیت تابع نموی تابع

صنعتگری نہین ہو" رسول نے کوئی کوشش اسکے ہمیشگی کے لیے کی یا نہین یا محض اپنے زمانہ

کی ترقی اور کوشش پر قناعت کر لی؟

سوال کا جواب اس حدیث کے مضمون سے

یہہ کہنا بہت کافی ہوگا کہ "اثنا عشر نقیبا" کا یہہ صاف مطلب تہا کہ رسول نے اپنے بعد

خصائص قومی کی تعمیر کے لیے کچھ لوگ یکے بعد دیگرے مقرر فرمائے تھے حقیقتاً "نقیب" کا تنہا لفظ

سمجھانے کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ مفہوم زیادہ تر "اثنا عشر" کی تعداد میں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہہ عدد ایک زمانہ کے لیے کافی ہے یعنی اس عدد کے نقبا کے وجود کا بغیر ایک وسیع زمانہ کے جسمین یہہ لوگ نقابت کرتے رہتے خیال کرنا خالی از عقل ہے۔

ائمہ کی دو صورتین

انکا کیا کام ہوتا ہے؟ بعض کے نزدیک "امام کو صاحب اخلاق حمیدہ۔ اپنی زندگی مین ناقابل اعتراض یا افضل الناس ہونیکی ضرورت نہیں ہے جبکہ وہ مختار بالغ سمجھدار اور خلافت کے معمولی انصرام کار کی قابلیت رکھتا ہے سو وہ خلافت کا شایان ہے" دوسرے کے نزدیک "امام کو اولاد رسول ہونے کے علاوہ چند صفتون سے متصف ہونا چاہیئے سو وہ معصوم ہو۔ اسکے عادات و اطوار اعلیٰ ترین ہون اور سچائی مین سب ممتاز ہو" بغیر اسکے کہ ان دونون فقرات اور دعوے کا تنقیدی جائزہ لیا جائے ظاہری نگاہ مین بھی پہلا کسی

پہلی نوعیت کے امام کی تعریف کا تجزیہ

مذہب کا امام نہین سمجھا جا سکتا بلکہ اگر کوئی بے حد مصر ہو تو یہہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسے مذہب کا امام جسنے اخلاق کو طلاق دیدیا ہو حقیقت تو یہہ ہے کہ یہہ تعریف ایک شخصی خود مختار اور مطلق العنان بادشاہ کی ہے جو یہہ بھی اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے کہ وہ اصول اخلاق کا پابند رہے مانا کہ ضرور نہین کہ وہ عادات و اطوار مین عامہ ناس سے کم ہو لیکن یہہ تعریف ایسے امام کی روحانی اطاعت سے فطرتاً ایک طبعی انقلاب پیدا کرتی ہے جب تک اطاعت کرنے کے کچھہ اور ذرایع نہ ہون طبیعت پر کیا فطری دباو ایسے شخص کا ہو سکتا ہے جسکے خصائص اخلاقی نہ مستند ہین نہ جنکی تعمیر آیندہ کے لیئے کوئی چھوٹا سا دعوی ہے۔ بلکہ دوسرے پہلو سے یہہ سمجھنے کی کافی آزادی ہے کہ امام کو اپنے اس منصب کے وسیع ذرایع سے بمقابلہ عامہ ناس حدود اخلاقی پر پوری اور بے پرسش دستبرد کا اختیار ہے۔ اسکی مثالین اموی اور عباسی دور مین کافی سے زیادہ ملتی ہین اور ایسی تعریف کرنے والون مین۔ شاہزادی۔ جام شراب اور کثیر انعام کی امید اور شاعرانہ غلو پیدا کر دیتی ہے سو سمجھنے والا سوچ سکتا ہے کہ کیا کسی نبی اور قوم گر کی امت کے والی امر ایسے ہی ہوتے ہین؟

دوسرا مضر پہلو

اختلاف نقابت کا دوسرا مضر پہلو یہہ تھا کہ آل رسالت کا جا ہوا اور مستند تقدس اگر امامت کا معیار ہوتا تو کسی کو عذر کی گنجائش نہ ہوتی بلکہ ایک قوی مرکز اور تربیت خصائل کے لیئے ایک زبردست سانچہ ہوتا اور نہ کبھی شبہہ کیا جا سکتا نہ ضرورت ہوتی کہ سانچہ بدل گیا۔ گذشتہ میلان طبعی کی تاریخ بھیانک نہ کرتی اور کیسی ہی خاموشی سے دل یہہ سوال نہ کرتا کہ تم کون ہو جسکی روحانی اطاعت کو ہم اپنے ذمہ واجب کر لین۔ تم کون ہو جبکہ ہم مسائل ناممکن الحل مین اپنا پنچ قرار دین اور تم کس

خصوصیت سے ہمارے رسول کے بعد نقابت کا حق رکھتے ہو؟

تیسرا پہلو

تیسرا مضر پہلو یہہ تھا کہ اگر خلیفہ اور امام ایک شخص تھا اور وہ اپنی رحلت کے وقت کسی کو امام بنا سکتا تھا یا لوگ اُسے پسند اور مقرر کرتے تھے تو اس نئے نائب کو نہ اپنے امام پیشین کے مصالح ملت معلوم تھے اور نہ اُسے مصالح ملک و ملت ودیعت کیجاتی تھی۔ اس سے نہ صرف مصلحت کا سلسلہ شکست ہو جاتا تھا بلکہ مرتے ہوئے امام کو خود اس نوعی طریقہ نے اس نہایت مفید نکتہ کیطرف سے لاپرواہ کر رکھا تھا کہ وہ آیندہ کسی کو اس بڑے منصب کے لیئے تیار کرے۔ عامہ ناس کو نئے چنے ہوئے امام کیطرف سے نہ یہہ اطمینان تھا کہ وہ گذشتہ امام کے زیر تربیت رہا ہے۔ اور نہ اُنہیں یہہ اطمینان تھا کہ وہ اس منصب کی خدمتین عموناً اُنکے تسکین کر لینے کے لایق کر چکا ہے بلکہ فطرتاً اُنہیں ایک زمانہ تک تردد اور شک لاحق رہتا ہوگا۔ حق تو یہہ ہے کہ یہہ اصول انتخاب بجاے نبوت یا امامت روحانی کی تاریخ کے قطعاً شاہی تاریخ کا ایک ورق ہے۔

چوتھا پہلو

اختلاف کا چوتھا مضر پہلو یہہ تھا کہ ایک امام کے زمانہ سے دوسرے امام کے زمانہ تک تشنگی ہی یعنی امام کی پسند مین ایک امام سے دوسرے امام تک ایسی صاف جست کیگئی ہو کہ اگرچہ درمیان مین اکثر لوگ بڑے شد و مد سے حکومت کر چکے لیکن وہ امام نہین سمجھے گئے یعنی بہت سا زمانہ بغیر کسی نقیب کے گذر اور انحالیکہ اثنا عشر کی تعداد بھی ابھی پوری نہ ہوئی تھی اور اس طرح اس عدد کا مفید استمرار اور سلسلہ درمیانی بے اثری سے نقصان اُٹھا تا تھا۔ سب سے طویل جست کی موٹی مثال عمر ابن عبد العزیز سے خاندان بنی عباس تک چلی گئی ہے۔

پانچوان پہلو

اختلاف کا پانچوان مضر پہلو یہہ ہے کہ اس حیثیت کی امامت قبول کرنیوالے خود اپنے حلقہ مین تجویز نقبا مین اختلاف کرتے ہین۔

چھٹا پہلو

چھٹا مضر نتیجہ یہہ ہے کہ عامۂ مسلمین مسئلۂ "نقیب" اور "نقابت" کو مختلف فیہ جانتے ہین۔ اور حقیقتاً یہی مسلمانوں کی ہر طرح کی تباہی کی اصل ہوا تھا اور اب بھی ہے۔ اس اختلاف کو شورش نے اور بہت سے ضمنی ٹکڑے کیئے جو آخر مین زمانہ کے ساتھ علیحدگی مین ممتاز ہوتے گئے۔ یہہ ایک خوفناک تلوار تھی جو اسلام کے فولادی جسم پر اپنی برش آزما رہی تھی۔

مسئلۂ امامت کے اختلاف کا اثر

اکثر لوگ مسئلۂ امامت کے اختلاف کو ہلکے دل سے علما اور مورخین کا اختلاف کہکر خاموش ہو جاتے ہین

اگر ایسا ہی ہوتا تو شاید مجھے پیمانک ہونے کی ضرورت نہ تھی کاش ان اختلافات کا ایسا ہی اثر ہوتا۔
لیکن افسوس یہی مسلمانوں کے اختلاف کی جڑ ہے کسی قوم کے پڑھے لکھے افراد عامۂ ناس کی عقل۔
آنکھیں اور زبان ہیں۔ انکے اختلافات نسبتاً انکے قوی اور مہذب دل و زبان سے منتقل ہوتے ہوئے
جب عامۂ ناس کے دل و زبان تک پہونچتے ہیں تو قوت صبر اور تہذیب کی کمی کیوجہ سے ایک عام تہلکہ
کے باعث ہوتے ہیں۔ باوجود اصولی اختلاف کے بھی۔ اختلاف کرنیوالے علما کا اسلامی فرض ہوگا کہ
عامۂ ناس کے ایسے کسی مضر ہیجان کی لگام آری کیئے رہیں اور عامۂ ناس کا فرض ہوگا کہ ذلک دینے
والے علما سے انکی مقبولیت سلب کرلیں۔ اختلاف کے کبھی یہہ معنی نہ ہونے چاہئیں کہ اہل اسلام جزئی اصولی
اختلافات سے کوئی قومی اختلاف کا شبہہ کرے یا جس سے ہم قدر مشترک کو اسقدر بہولجائیں کہ معاشرتی
یکجہتیوں میں کوئی فرق پایا جاسکے۔ ہم سب اور اسلام کی گود کے پالے ہیں۔ یہی وہ منتر ہونا چاہئے اور
ہے جو اختلاف کا بہوت بہگا دیتا ہے۔ ہم لوگ پہلے مسلمان ہیں اسکے بعد شیعہ سنی اور اہلحدیث وغیرہ
ہیں۔ واقعات جو گذر گئے وہ نہ شیعہ تھے نہ سنی تھے نہ اہلحدیث بلکہ زمانہ کی ایک سانس تھے جس سے
تاریخ حاملہ ہوئی۔ مصلحتیں جو اسکی موجد تہیں فنا ہوگئیں۔ معیار اسلامی ہمیشہ باقی رہیگا اب
ہمیں انہیں تاریخی تجربہ اخلاقی فوائد اور اسلامی اصول کی روشنی میں دیکھنا ہوگا۔

علما اور عامۂ ناس کا اہم ترین فرض

ایک سچی بات

گذشتہ سطروں کا اختلاف اگرچہ اسلام کیلئے ہر طرح کے پرمضرت سامانوں سے مسلح تہا لیکن پھر بھی
کہا جاسکتا تہا کہ یہہ یا تو کتابوں کے خاموش اور رازدار سینوں یا لوگوں کے دماغ میں دفن ہے لیکن
یہہ یہیں تک نہ رہا بلکہ اس نے یہہ بھی اپنی بے قناعتی کی روش کے شایان سمجہا کہ ایک ظاہری
شکل بھی اختیار کرتا اور خانہ کعبہ ماتمی لباس سے اپنے آغوش کو مصلوں میں تقسیم کیا ہوا دیکھتا
رہتا۔ وہ جگہ جو خداے صمد کی عبادت کیلیئے مرکز قرار دیگیئی تھی جہاں مسلمان بلا لحاظ فطری
تقسیم قومیت۔ نوعیت انسانی۔ زبان۔ مراسم اور عادات ایک جگہ جمع ہوکر توحید کا خوشگوار گہونٹ
پیتے اور اسلام کی یکسان عمومیت اور عادلانہ پرلطف سایہ کی کیفیت کو اپنی یاد میں ہمیشہ قائم
رکھتے وہاں اب اپنی تمام مشقتوں کے بعد اپنے کو اس عبرت خیز نظارہ سے
بھی باز نہیں رکھ سکتے۔

اختلاف کی یادگاری

ذرا سوچو اس حالت کو کہ گویا رسول پھر سے دنیا میں بہیجے گئے ہیں اور وہ نہ صرف اسلام کو

مختلف فرقون مین تقسیم کیا ہوا بلکہ خود کعبہ اور طریقہ عبادت کو بہی ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دیکہتے ہین بہ سوقت آنحضرت
مکہ کی وہ گہاٹیان یاد کرتے تہے جب بیعت لیرہے تہے دامن کوہ اور گہاٹیون مین آدمیون کی زندہ ندی بہری
تہی اور یدخلون فی دین اللہ افواجا کی پیشین گوئی پوری ہو رہی تہی۔ اسی چوٹی سے اب خانہ کعبہ کی
گود کے مصلے دکہائی دیتے تہے۔ رسول یاد کرتے ہین کہ ہم نے واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا بہی کہا تہا
اور اسی وقت انہین اُن فرقون کی فہرست سنائی جاتی ہے جو اُنکے بعد سے آجتک مرتب ہوئی ہے!

وجہ نہ تہی یورپین مورخین کو وہ کچہہ سوچنے اور صلاحین دینے کی جس سلسلہ خیال کو انہون نے
اپنی تحریرون مین ظاہر کرنا مناسب سمجہا ہے اگر ایسی ظاہری صورتون سے اُنکے آمادہ کرنے مین مدد نہ کی
ہوتی۔ اُنکے سیاسی رموز مین ڈوبی ہوئی تحریر کو مسلمان بغیر اُنکے نتائج اور انعکاس کو قبول کیے ہوئے
بہی اسطرح پڑہ سکتے ہین کہ اپنی واقعی مُضر حالتون کی اصلاح کرین۔

امامت مسلمین کا بہی ایک رُخ نہ تہا جس کا تذکرہ صدر سطرون مین اشارہ کیا گیا بلکہ اسکے علاوہ بہی تہا
جسے اجماع یا مصالح کی اُن روش سے کوئی تعلق نہ تہا جن پر چلنا اور چلانا مذکورہ حیثیت کے ائمہ کے
موافق تہا۔ یہہ دوسرا سلسلہ علی اور اولاد رسول کا تہا۔

اسمین کوئی شبہہ نہین کہ اگر پہلا گروہ ائمہ اختیارات اور عام ناس پر اسطرح قابض نہ ہوجاتا جو ایک
واقعہ تاریخی ہے تو موخرالذکر گروہ ائمہ امت رسول کا بے مضرت اور بے اعتراض قائم مقام ہوتا
اس لیے کہ ذیل کی باتین نہ ہوتین۔

عرب کی ایسی عموماً بندۂ زر قوم جب یہہ دیکہتی تہی کہ ایک ہر حیثیت سے بے حق شخص ایک دوسرے
حیثیت سے حقدار شخص کے مقابلہ مین رسول کا قائمقام بنجا سکتا ہے اور اسطرح اختیارات
اور حکومت پر قابض ہوتا ہے تو وہ اُمرا اُسکے افراد کیون نہ محض اختیارات اور حکومت کا حوصلہ
کرین۔ سوا اسکے یہ کہ رسول کی قائمقامی کو نہ صرف قابلیت یا عدم قابلیت کی بحث رسول کی تجہیز
و تکفین کے ہم وقت سقیفہ بنی ساعدہ کے مشہور جلسہ مین تجاہل پیدا کرنے کی کسیقدر ممتاز
قابلیت سے اُٹہا دی گئی تہی بلکہ آیندہ ایسے ہی سوال پیدا ہونے کو قد ولیت علیکم ولست بخیر
کم کہکر انکساری سے روک دیا تہا کیون نہ یہہ حالت اور یہہ فقرہ ایسے ہی حوصلہ کرنے والون کے
لیے مشعوق تہا لیکن بلاشبہہ خلافت رسول کے تقدس کے لیے یہہ مہلک ضرب تہی۔

قوم گرسن [illegible] کو کیونکر دیکہتا

دوسری نوعیت کے آئمہ

انکی امامت بے مضرت اور بے اعتراض ہوتی

مضر باتون کی مثالین

افضلیت کو اٹہا دیا جا [illegible] کے تقدس کیلیے مہلک ضرب تہی

خصائص کا تغیر

خصوصیت اختیارات کے حاصل کرنیکا شوق اور لنا تار مسئلہ افضلیت کا درمیان سے اٹھا دیا جانا بلکہ اسکے بعد
اختیارات حاصل کر لینے والون کا اپنی اپنی جگہ مضبوط او رقایم کرنیکے لیئے خالص آتشی ذرایع استعمال کرنا اور ان کو
امیدین دلا دلا کے انکے حوصلون کی آگ کو اسیطرح بھڑکانا تھا جس سے لوگ نہ صرف اپنے گزشتہ تعمید
خصائل کے اعتبار سے پست ہو جاتے بلکہ آیندہ اس نئے قسم کی تعمیر کے خوگر ہوتے جاتے جو اپنی ساخت
کے اعتبار سے کیسا ہی محکم کیون نہ ہو لیکن رسول کی تعمیر سے بہت کچھہ الگ تھا۔ بہت درست کہا ہے کسی نے
"جیسا خدا ہوگا ویسے ہی اُسکے پرستش کرنیوالے ہونگے" یا مجھے آدمی دکھا دو مین اُنکے اصول بتا دون گا
آدمی اس چیز کی اخلاقی طینت کے مشابہ ہوتا جاتا ہے جسکی اُسکے دل مین وقعت ہے۔ یا جسکی کسی
طرح پیروی کرتا ہے۔ یہہ اُسکی طبیعت پر عمل کرتی رہتی ہے اور وقعت کرنے والا اپنے کو اُسکے مثل
بنانیکی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اُسکے عنایات کا منتظر رہتا ہے اور اُسکے ارادون کی موافقت
کرتا جاتا ہے۔

مددگارون کی حرکتون سے چشم پوشی

یہہ صورتین اسکی بھی مقتضی تھین کہ اپنے مددگارون کی عامہ ناس پر مضرت رسان کارروائیون پر
باز پرس نہ کیجاتی جس سے اپنے دائرہ کے لوگ امت پر کسی قدر مطلق العنانی سے دستبرد کا موقع
پالے اور اُس دستبرد سے زیادہ نقصان رسان اثر اُسکی اس طرح کی حفاظت کا تھا کہ "وہ تلوار نیام
مین نہین رکھی جاسکتی جسے خدا نے کھینچا ہو" یا کسی حد کے روندنے والے کو "سیف خدا"
کا ایسا مقدس خطاب دیدیا جائے۔

اُلجھے رکھنے کے ذرایع

امیدین دلانے کا اقتضا یہہ تھا کہ وہ لوگ جنہین امیدین دلائی تھین امید کے شایان کسی ایسے کام
مین اُلجھے رہتے جو دونون کے لیئے مفید ثابت ہو۔ اُلجھنے کے ذرایع چاہیئے تھے ذرایع پیدا کیئے
گئے اور سب سے پہلے اس وضع کے نقیب نے رسول کی امت کے خون کو اپنے اوپر جائز کرکے اپنی نہان
قوت کے اجتہاد کا اثر آیندہ ہر زمانہ مین جاری کر دیا۔ یہہ سختی اسلیئے جائز سمجھی گئی کہ کچھہ لوگون نے رسول کا
نقیب سمجھنے اور بیت المال کو بارونق بنانے مین دلچسپی سے انکار کیا تھا۔ گویا بڑی نافرمانی تھی۔ ایک تو یہہ کہ
انکا انکار کرنا ایسے نقیب کے اختیار کی نفی تھی۔ دوسرے ایسے حوصلون کے قاضی الحاجات کی زیارت
جسے وہ لوگ جو دار الحکومت مین امیدون سے [illegible] کیئے گئے تھے گرفت کے باہر ہوجاتے تھے [illegible]
امیدون کا [illegible] ایک سخت ناگوار بات تھی۔ وہ یہہ کہ ان انکار کرنیوالون کو [illegible]

پہلی نوعیت کے احکام
دوسری نوعیت
انکے موید جو [illegible]
کے ساتھ [illegible]

نزدیک رسول کا نقیب دوسرا تھا اور ایک تیسرا مسئلہ پیش کر رہا تھا کہ اگر تم ہو سکتے ہو اور حق دار
گروہ نہیں ہو سکتا تو ہم کیون نہ ہون حالت نازک تھی کیونکہ یہ باتین جو ہو رہی تھیں صاحب
اختیار گروہ کے لیے انکی کوئی کوشش وہ حق دار کے لیے ہو یا اپنے لیے دونون طرح مضر تھی۔ تو بھی
سخت احکام اور دھمکیون کے ساتھ روانگی گئین۔ سلانے کی کوششین کیگئین۔ آخر مین ٹھنڈا فولاد
گرمیون کے سرد کرنے کے لیے کام مین لایا گیا۔ اور یہ سختی تھی ان کارروائیون کے کہ اگرچہ انکار کرنے
والون کا ایک افسر جان بچانے کی مصلحت سے ساتھ ہو گیا مگر دل جانا نہ اس خوفناک یادداشت
کو دماغ سے نکال سکا اور نہ ٹھنڈی سانس روک سکا۔ نقیب کے سپاہیون نے عہد کے بعد
ایفا کے وقت حیرت خیز تاویل کی اور یہ کارروائیان یا تو "خدا نے سینہ کھول دیا" اور "یا
مصلاح دین" کے تقدس مین ڈوبے ہوئے فقرون مین ظہور کرتی تھین۔

غلط اندازی یا صحیح — نصرت کا برمحل صرف

وہ یک طرفہ جلسہ جو پہلے گروہ ائمہ کے لیے اختیار بخش ثابت ہوا اور جسکے باضابطہ ثابت کرنے مین کافی
عرقریزی کیگئی ہے اصول انتخاب کے لحاظ سے قابل تعریف ہو یا نہو لیکن اس سے انکار نہ کیا جا سکیگا
کہ انصار کو اوس و خزرج مین تقسیم کرنے اور پرانی کشیدگیان بلکہ عرب کے طینت کے برے عناصر کے
زندہ کرنے کا بہترین ثبوت تھا جسکے دبانے اور اصلاح مین بانی قوم نے بہت سی زحمتین گوارا فرمائی
تھین۔ بنی امیہ کا پرانا مقتدر گروہ اور بنی ہاشم کے ایک دن پہلے حاکم جماعت اس نامعلوم اور
گویا پردہ نشین جلسہ کی کارروائیون سے ناموافق تھی اور اسیطرح اسکے بھی مین ثبوت ہین کہ مقتدر
افراد مہاجرین بھی دوبارہ انتخاب چاہتے تھے جس سے گزشتہ انتخاب پر عکس پڑتا تھا خود یہ انصاف کی
خواہش نہ صاحب اختیار گروہ نے قبول کی اور نہ بجز عام ملکی چالون کے اس کا مسئلہ آئین کی عام خواہش
کے موافق فیصلہ کیا۔ اس سے مین یہ سمجھانا چاہتا ہون کہ بعض کی درحقیقت تعجیل خواہش اور اوس
خواہش کے جلو دار اعمال نے جسکی نیت کے حسن اور قبح سے اسوقت بحث نہین ہے یہ افسوسناک
نتیجہ پیدا کیا کہ وہ بڑے بڑے قومی گروہ خیالات مین متفرق ہو گئے جو ایک دن پہلے ایک تھے بعض کو
بعض سے شکایتین پیدا ہو گئین۔ ایثار ہمدردی اور یکجہتی غرض معدوم ہو گئی۔ کہنے والا
کہہ سکتا ہے کہ اس جلسہ نے لوگون نے رسول کو تو دفن نہ کیا لیکن ان صفات کو دفن کرنے مین
بہت جلدی کی جو انہون نے قوم مین پیدا اور زندہ کی تھین یقیناً اس نقصان کے اندازہ کرنے

اختیار بخش جلسہ کی مضرتین

قومی عناصر کی فنا

مین مبالغہ ممکن نہین ہے۔

نقابت کے اس اصول کی مخالفت مین خاندان امیہ کے مشہور ترین شخص کا یہہ فقرہ ہمیشہ کیلئے یادگار رہا جو تاریخ کے رازدار سینون مین محفوظ ہے کہ "اگر تم کہو تو مدینہ کو سوار اور پیادون سے بھر دون"

زبردست مخالف کی خریداری اور اُسکا آیندہ اثر

خودغرضانہ ہوشمندی سے اسکا علاج کیا گیا اور اس مخالف انتخاب کے دو لڑکے کیلئے بعد دیگرے شام کے ایسے زرخیز ملک اور فوجی اور ملکی افسری کے ایسے بڑے عہدون پر بحال کیئے گئے۔ اس سے یہہ پُرحوصلہ گروہ اگرچہ ایک زمانہ کے لیئے قانع اور خاموش ہو گیا لیکن شام بنی امیہ کی آبادی کا مرکز اور قلعہ ہو گیا۔ اسی جگہ سے اس منتقم گروہ کی بنیاد مضبوط ہونے لگی مجھے اس وقت بحث نہین ہے کہ ایسے قسم کہائے ہوئے دشمنان آل ہاشم کو جیت کر قوی کرنا کہان تک نیت اور غرض پر شبہہ وارد کر سکتا ہے۔ لیکن اسلام کی تاریخ نے جلی حرفون سے لکھا ہے کہ مختیار سپرد کرنیکی اس تجویز نے وہ دانستہ ہو یا نادانستہ؟ اپنی دانست مین خاندان رسالت کا نام مٹا ہی دیا۔ اور مٹانا کسے کہتے ہین اگر حرملہ ابن کاہل اسدی کے تیر اور چہہ مہینہ کے بچے کے خون آلود گلوے نازنین کی شرح اسکے علاوہ کچھہ اور نہین ہے۔ بنی ہاشم سے اختیار لے لینا جسکی ابتدا تھی بنی ہاشم پر اُسی مصلحت کی پیروی سے اختیار صرف کرنا اُسکی انتہا تھی۔

آیندہ زوال کے اسباب کو ذمہ دار پہلی نوعیت کے نقبا تھے۔

بعض اوقات چھوٹے اسباب بھی بڑے نتائج پیدا کر لیتے ہین چہ جائیکہ ایسے اسباب جو ابتدا ہی مین بڑی مخالفت کے عناصر سے پُر ہون۔ اسطرح کی حکومتین جب فتوحات سے دم لیتی ہین تو اندرونی عناصر تفرقہ اپنا اثر دکہاتے تھے۔ فوجی جوش۔ گھر کی ناموافقتین۔ حسد۔ ناتربیت یافتہ حوصلہ۔ عدم ہمدردی۔ کمی ایثار۔ یکجہتی غرض کی فراموشی کسی اصلی فرض کے زندہ احساس کی کمی۔ اور اُسکی طرف سے صاحب اختیار نقبا کی سوتوجہی بلکہ تجاہل۔ روحانی مرکز کی بگڑی ہوئی ابتدا اور اُسکی طرف سے پیدا کی ہوئی خیالات کی پاشانی۔ موجودہ نقیب کا روحانیت کیطرف سے طبعی استغناء۔ انہین بیکاری مین مشغول رہتا تھی اور وہ دیکھتے تھے کہ جاہ طلب وہ دشمن جنکو ہمنے اپنی تلوارون سے مرعوب کر لیا اس اندرونی دشمن کے مقابلہ مین حقیقت تھے حقیقت تو یہہ ہے کہ انہین [illegible] معنی [illegible] مخالفتین اور اسکا [illegible] اثر ایک زمانہ تک [illegible]



یہہ معلوم ہوا۔ اس کے صحیح کرنے کی کمی یا گرفت کے بعد اسکے روکنے کے ذرائع کی کمی تو ان دونون کے نقائص کا باعث ہوئی ہین۔ انہین اسکے پرمضرت اثر کا احساس کیونکر ہوتا اسلیے کہ وہ تو ان اشغال مین مصروف تھے جو نہین بتائے گئے تھے یہہ مسئلہ نقابت سے انہین اسکے سمجھنے مین کوئی مدد نہ ملی تھی بلکہ تجاہل مین پرورش پا رہے تھے۔

تنگ مصلحتی کی شکلین جو اخوت و مساوات کے منافی تھین۔

ایک وقت تھا کہ ابتدا مین بعض لوگ حکومت پر قابض ہو کر مصالح ملک و ملت کو آپس مین محدود رکھکر عامہ ناس کو جاہل اور عدم ہمدرد رکھتے تھے پھر یہہ نمو ہوا کہ مسلمین عرب کے مقابلہ مین غیر عرب مسلمین التسویہ حقوق کا دعوی نہین کر سکتے۔ وہ ملکی امورات مین ہون یا مذہبی۔ اور پھر یہہ ترقی تھی کہ بنی امیہ بجاے عام ہمدردی کے صرف بنی امیہ کے ساتھہ ہمدردی کرنا اور اختیارات کا آپس مین رکھنا اسلام کے شایان سمجھے تھے۔

کون کہتا کہ یہہ ترکیبین قوم گر کی عالمگیر اسلامی مساوات۔ اخوت۔ اور معاشرت کا خون ہے کس کے پاس ایک سے زیادہ زبان تھی کہ وہ کسی ایک کے کٹ جانے پر اسکا غم نہ کرتا اور دوسرے سے کام لیتا کسکی آواز اسقدر بلند اور قوی تھی جو یہہ سُناتا کہ تم ایک عظیم الشان ساخت قومیت کو منہدم کر رہے ہو مگر یہہ کہ حسینؑ مظلوم کے گلوے بریدہ کی خون آلود رگین نقابت کرتین۔

مصلحت کی ابتدا اُسکے سمجھنے مین باسع تھی۔

گذشتہ اشارون کے اعتبار سے یہہ ظاہر ہو گا کہ جب نقیب کی ضرورتین اُسے بعض مصالح کے ایجاد پر آمادہ کرتی تھین تو اگرچہ وہ ابتدائً چھوٹی معلوم ہوتی ہون اور اس وجہ سے عملی تجربہ لوگون کو نہ ہونے کی وجہ سے بار برس نہ بھی کیجاتی ہو لیکن جسوقت کچھہ ہی دن کے بعد مبالغہ کیا جاتا تھا اور جب لوگ اُسے سمجھتے تھے تو اگرچہ وہ مخالفت کرنے کی قوت نہ بھی پاتے ہون تاہم ذمہ داران نقابت اور اُنکے جلوداروں سے مخالفت اور بد دلی کا سرمایہ مستقل اور زیادہ ہوتا جاتا تھا بہ استثنا اُن لوگون کے جنکے لیے ایسی کارروائیان زرخیز ثابت ہوتی ہون۔

بڑی بڑی تاریخی شہادتون مین سے اگر کوئی مثال طلب کیجائے تو شاید یہہ فقرہ جو ایک ذمہ دار نقیب کے لیے ایک اُسی کی جماعت کے نزدیک قابل اعتبار زبان سے ادا ہوا تھا کافی ہو گا کہ "ابھی رسول کا کفن پرانا نہین ہوا لیکن آپکی سنت پرانی ہو گئی" (اس جملہ کی واقعیت صحت اثر کو ہر طرح اُنکا اسلامیات جانتا ہے۔)

یہہ تاریخی مثالین ممکن ہے کہ کسی کے نزدیک اب بھی قابل اعتبار نہ ہون لیکن یہ انکی گذشتہ

ہوگئین لیکن اُس سے سمجھنا ہوگا کہ بڑی باہرین لنشو ولید کا سوتہ اپنی جگہ ایسا ہوتا ہی جیسے کسی
نالہ کہ بہتے ہوئے بچے کا مٹی کا گھروندا تہوڑا روک سکتا ہی لیکن آخر مین یہی جب دریا ہوجاتا ہے تو
سلطنتون کے انجنیر اُسکے پہچاننے اور تابع کرنے کی اپنے مین قابلیت نہین دیکھتے۔ مضرت کا وجہ
تمیز اس سے ہوگا کہ قابل اعتراض حالتین صاحب اثر اور صاحب اختیار لوگون سے سرزد
ہوئی تہین مصلحتین یا تو اُنہین کی ایجاد کردہ تہین یا اُنکے انداز او برتاؤ سے اُنکی پیروی کرنے
والون مین وہ محرک ہوتا تہا جو مفید پہلو اور نتیجہ سے معرا تہا۔ بڑون کی باتین مثالین ہوتی ہین۔

چھوٹی باتون کا بڑا نتیجہ

اسطرح ایک زمانہ آتا ہی جسمین قوم کے بڑے اور چہوٹون مین سے کسی کا کوئی صحا اخلاق
اور قومیت نہین ہوتا کیونکہ ایک مسلسل پر مضرت اثر اور اُسکے بعد اُسکی عادت اُنہین اُنکے بقاے
قومی کی صفات سے خالی کردیتی ہے۔ مین ڈاردن کی ذہانت کا اسقدر معترف نہین ہون جسقدر
اُسکے عکس مین آدمی اور قوم کے مسخ ہوجانے کا قائل ہون۔ ہم ڈاردن کی تہیوری کی کڑیان کیون صحراؤن
مین ڈہونڈہتے پہرین جب کہ اُس سے بدرجہا اچہا کام سامنے ہی کہ آدمی آدمی رکہا جائے اور جانور
نہ ہونے دیا جائے۔

انہدام اساس

دوسرے گروہ ائمہ کا امت رسول پر حاکم ہونا قطعاً بلامضرت ہوتا۔ متذکرہ صدر اصولی غلطیان نہ
ہوتین۔ اسلیے کہ ان غلطیون کا پیدا ہونا اول الذکر اصول امامت سے تہا جو نہ صرف بادی النظر
مین بے اصول بلکہ آیندہ بے اصولیون کے ایجاد کا محرک تہا۔ اصولی غلطیان کل ڈہانچی کے شکست پر
منتہی ہوتی ہین اگرچہ فروعات کی ترتیب کیسی ہی دوربینی اور احتیاط سے کیون نہ کی گئی ہون اس
اصول سے ملکی معاشرتی اور اخلاقی اعتبار فنا ہوگیا اور اُسکے گردوپیش کے اتفاقات نے مل جل کر
اُسکے سمجہانے مین کوئی کسر اُٹہا نہ رکہی اور نہ حالات کے پوست کندہ ہونے پر بجز غرض کے علاوہ
کسی بے تعلق شخص کیلئے کوئی دلکشی باقی رہگئی۔ اُلجہنین پیدا ہوئین یہہ واقعہ ہے۔ نہ ان کو موقع
ملتا ہو سیاسی بازی جیتنے کے لیے خلاف معمول کوششون کی ضرورت ہوتی اور نہ اُلجہنین پیدا ہوتین
اُلجہنون سے میرا مطلب وہ طبعی انقلاب ہے جو حضرت رسول کے تعلیمی اثر اور مقدس خاتمہ کے بعد قطعاً
نئی روش پر لوگون کے خیال کو لگا دیتا اور نئی روش نے لوگون کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلیے وہ کوششین
ضرور کیہین جنسے نفس اسلام کے ساتھ مضر اثر کیا اور چونکہ یہ کوششین بقاے قومیت کیلئے خلاف ہے

ملال نہین جب اُسی تعلیم اور روش طبع پر تاخیر کر دیا گیا تو صلاحیت کہین جو اب تک کمی منحصر آتی تھی
بہت کچھ کمزور ہو گئی تھی اور نتیجہ یہہ ہوا کہ اس روش کے نقیب خود اُسی جال مین اُلجھ گئے جسکے حلقے انہین
نے پہیلایا تہا اور ابتدا مین جسنے اختیار و حکومت پر قابض کر دیا تہا تخت بالا ہوا اور شیرازہ بکھر گیا وہ قوم اب
نہ تھی جسکی وحدت نے اسے سنبھالی تھی اب نہ قوم تھی اور نہ تخت۔

نفع اور نقصان کا موازنہ

یقیناً مین مبالغہ نہین کرتا اگر یہہ کہتا ہون کہ فارس اور شام نہین بلکہ اُن تمام فتوحات کو ایک
طرف رکہو جو ملکی اسلام کے عروج کے زمانہ مین ہوئین اور ایک طرف اُن مضر ترین کو رکہو جو
گذشتہ اسباب نے پیدا کئین اور جنکے اسوقت سمجھنے مین زیادہ دشواریان نہین ہین تو یہہ طے کر لینا
آسان ہوگا کہ آگ کی طرح پہیلنے والی فتوحات کا ہونا اور اُسکا اُن اسباب سے تباہ ہو جانا
اسقدر مفید نہ تہا جیسا اُن اصولی غلطیون کیوجہ سے دیرپا مضر اثر ہوا مسلمان اسیلئے بڑہتے تھے
کہ اُسے خود اپنے ہاتھ سے تباہ کرین مجھے اسلام کی تاریخ مین اس سے زیادہ واضح کوئی بات
نہین دکہائی دیتی۔

بہسپائی اسلام کی پیشگی ہوئی تعمیر صفات کی بدولت تھی۔

اگر عروج اس مفہوم مین تہا کہ مسلمانون مین بمقابلہ دیگر اقوام کے زیادہ شجاعت استقلال اور دیگر اقوام کے
ساتھہ عمدہ برتاؤ کا خیال تہا تو مین بھولا ہوا مرثیہ یاد دلاؤن گا کہ اُسی مرحوم اسلام کا صدقہ تہا
جسکی عظیم ذمہ داری اور عالمگیری کا مشکل مسئلہ ہمارے ملک کے ذلیل ترین پنچایت اسکے انصاف
اور توجہ سے بھی کم وقعتی سے دیکہا گیا میرا یہہ عرض کرنا مائل تفتیش کے لیئے شاید زیر لطف توجہ
کے قابل ہو کہ قومی کی یہہ صفات نہ ان نقیبان نے پیدا کی تہین اور نہ اسکے قائم رکہنے کی ادنی
کوشش کی تھی جس کوشش کو ہم اغراض فتوحات سے مستثنی کر کے تعمیر قومی کے حوالہ کر سکین۔

مثالین جمعیت اسلامی کا شاخسانہ تہا اختیار ابو محجن اور تعلیم کا اثر

مین ابو محجن کے ترک شراب۔ خالد کی کوشش بجہ غزل وغیرہ کا منکر نہین ہون لیکن اگر ابو محجن کے
ترک شراب کے خیال کیوجہ سے اُسکے افسر کے انعام سے زیادہ دکہاتی ہے تو خالد کی خاموشی کو
اُسکے افسر کی اندازہ اور موقع شناسی کی کمی یا عدم احتیاط سے زیادہ قابل ستائش سمجھتا
ہون سند سب اگر ایک کے ترک شراب کا باعث تہا تو دوسرے مین وہ اطاعت جو مذہب نے
سکہائی تھی فرمانبرداری کی محرک تھی۔ انکا ایسے مواقع پر اپنے نفس کے ساتھہ اجتہاد کرنا
اسلام کے اثر سے تھا نقیب کے تعلیم اور اثر کے خیال کی اُس مین ع جبلت تھی اور

نہ ہمکو کوئی سایہ سمجھنے کے وجوہات دکھائی دیتے ہین گذشتہ زمانہ یا اوایل مین عروج کے اسباب وہ تہوڑی سی خوبیان تہین جو عادات و خیالات مین چھپی چھپائی سی تہین۔ نقیب ہونے یا اسکے بعد کے ایک آدھ مقام قایم مقام ہم اس تعریف کے مستحق نہ تھے کہ انہون نے حفاظت کی کوشش کی تھی۔ زمانہ کے اندر سے نئے جہان نقیبہ خوبیون کو قومی حافظہ سے خارج کر دیا وہان برائیون اور انتشار قومی کا سود بڑہتا گیا۔ عناصر قومیت کسی جلد مین نہین رہتے بلکہ قوم کی عادات اور خیال مین رہتے ہین اور اسیطرح منتقل ہوتے رہتے ہین۔

قومی حافظہ۔

ثانی الذکر گروہ ائمہ کا امت رسول کا عنان گیر ہونا بے اعتراض بھی ہوتا اسلیئے کہ عالم اسلام کے نزدیک رسول کا ہر طرح کا حق ناقابل اعتراض تہا۔ لوگ تسلیم کر چکے تھے اور اس تسلیم کی بنا پر خاندان رسالت مین سے کسی کو چاہتے تھے۔ لوگون کا ایسا چاہنا بعض کے لئے باعث اضطراب تہا۔ ان کے نقیب ہونے پر کسی کو یہہ کہنے کی ضرورت ہوتی کہ ہم مدینہ کو سوار اور پیادون سے بھر دینگے اور نہ مانعین زکوۃ کو قتل کرنا اور قتل ہونا خواہ مخواہ بھلا معلوم ہوتا نہ مغرور عرب یہہ کہہ سکتے کہ ہم کسی کم درجہ نسب اور منزلت شخص کو اپنا افسر قبول نہین کر سکتے۔ نہ انصار کے ایسے مقتدر گروہ کا افسر ایک زمانہ تک آزار کنارہ کشی مین اپنی تسکین سمجھتا۔

دوسری نوعیت کے ائمہ کی بے مضرتی کی مثالین۔

ثانی الذکر گروہ ائمہ کا امام ہونا نہ صرف بے مضرت اور بے اعتراض ہوتا بلکہ مفید بھی ہوتا۔ بے مضرت اور بے اعتراض کے معنی عموماً ضرور یہہ نہین ہین کہ وہ پر فوائد اور مقبول بھی ہوتا لیکن اس مخصوص موقع کے لیئے یہہ سوچنے کے کافی وجوہات ہین کہ وہ مقبول اور مفید بھی ہوتا۔ یہہ کیا کم مفید تہا کہ اسقدر مضرتین نہ ہوتین جو زوال قومی کی وجہ اولی ہوئین۔ جب مخالفت مین آوازین نہ آتین بلکہ رسول کے تعلیمی اثر کو زیر تربیت طبیعتین۔ خاندانی مستند شرافت اور اسکی طبعی جہانگیر خوبیان ذمہ دار ہوتین تو اسکے مقبول نہ سمجھنے مین عالم کے تجربہ اور اخلاقی اعتبار کا منکر ہونا ہوگا خصوصاً ایسی حالت مین کہ لوگ کسی دوسرے اثر سے متاثر نہ ہوئے ہوتے۔

مفید ہونے کی وجوہات

مقبول سمجھنے کے لیئے متذکرہ صدر فقرات "ہم مدینہ کو سوار اور پیادون سے بھر دینگے" یا "خاندان رسالت مین سے کسی کو چاہنا" یا مانعین زکواۃ کا ان کے حقوق کی تائید کرنا یا انصار کا ایسی ہی خواہش کرنا کافی اور اسکا ثبوت ہے کہ بہر ارتقا رسالت کے عنان گیر اسلام ہونے کو کسی خیال ناواقفیت سے

مقبولیت

نہ کیجیہ سا ہتا بلکہ غیر مقدم کر کے بیٹھا یا کسی خود غرضانہ سفارش کے تیار تھا بلکہ نہ صرف ہونے پر رسول کے بعد کوئی
انقلاب نہایت محسوس نہ کرتا اس سے یہ بھی خیال نہ ہوتی حوصلہ اور خود غرضی میں تحریک نہ ہوتا اور گویا رسول
کی تعلیم اور اثر میں ایک تسلسل سی پیدا ہوتی جاتی اور قوم یکجہتی اور ترقی خصائل کی طرف حرکت کرتی رہتی۔

دوسری نوعیت کے اماموں کے تعلیمی فقرات

غور کرو اسوقت کو جبکہ گروہ ثانی کا نقیب اول اپنی معجز نما زبان اور سند ملک لینے والے فقرات کے ساتھ رسول
کے منبر پر ہے (سچ کہا ہے کسی نے کہ منبر کی لکڑیاں اسی کی تلوار سے بنی ہیں) کوئی شتر نشین یا شام کا گروہ
اُسے مخالفت کیلئے للکارتا نہیں۔ رہا للکار تو اُسے بے حق کرنے بھی جماعت تیار کر لینے اور قوت حاصل کرنیکے
بعد بھی جو ایک زمانہ کی بے توفیقی کے بعد اُسکی بظاہر تھوڑی دیر کی قوت کے اثر میں کمی پیدا کرتی تھی) اُسکے آدمی
بنانے والے خطبے پڑھو تو تمہیں کسی زبان کے سمجھانے سے پہلے خود یقین ہو جائیگا کہ علم من اللہ نبی کا شاگرد
بول رہا ہے۔ تم اسکا بھی یقین کروگے کہ اُسکے زیر تربیت اور مصلحت کے موافق نقبا کا سلسلہ امت رسول کے
لیئے مفید ہوتا۔ وہی اپنے بستر احتضار سے کہتا تھا کہ "اپنے درمیانی تنازعات کے صلح ہو آنحضرت فرماتے
تھے کہ اپنی ذات اور اپنے گروہ کی اصلاح تمام روزہ و نماز سے افضل ہے" فرماتا تھا کہ "جب تک بنی آدم
ایک دوسرے سے موافقت رکھتے ہیں اور برائی نہیں کرتے اُنکے قبضے سے انتظام اور حکومت نہیں
نکلتی جب اسکے خلاف آپسمیں نزاع جائز رکھتے تو کاموں میں خلل پڑتا ہے جسکا نتیجہ تباہی ہے"
کبھی اسپر متاسف تھا کہ "مشاہرا ہیں متروک اور ناپید ہو گئی ہیں" اور کبھی اسپر سرد آہ بھرتا تھا کہ
"ہر اہل و نااہل دینی اور دنیوی امور میں رائے زنی کرنے لگا۔ تلون مزاجیاں دامنگیر ہو گئیں" اور کبھی
مفید امورات میں باوجود بے قوت ہونے کے صاحب اختیار لوگوں سے شرط کرتا تھا کہ "اپنے
ہوائے نفس کی پیروی نہ کروگے" اسکے علاوہ اسکی مثالیں آئینگی کہ اس سلسلہ کے ائمہ نے باوجود
بے اختیاری کے اجماع امت کا کس درجہ لحاظ کیا اگرچہ وہ ذاتی طور سے انکے لیے مفید نہ ہوتا۔

انکا محض وجود لطافت اسلام کی بقا کا باعث تھا

انکا نقیب ہونا مفید ہوتا۔ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بھی یہ کہنا قرین انصاف ہوگا کہ ہمیں سلسلہ
کو بے اختیاری یا بے اختیاری کے بعد اختیار حاصل ہونے میں اگرچہ دشواریاں ہر وقت ملحوظ
رہتی تھیں اور اس سے گویا انہیں کبھی وہ آزادانہ موقع ہی نہیں ملا کہ وہ تربیت اور تعمیر قومی کے
فرائض ادا کر سکتے۔ تاہم انکا محض وجود لطافت اسلام کی قائم رہنے کا باعث ہوا اور گو یہ انکی
جہلا کے [illegible] بھی تھا اور اکثر اسکا موقع نہ تھا کہ اپنے خیالات اور فقرات سے تعلیم کر سکتے لیکن [illegible]

خاموشی مین طریقہ تعلیم

طریقہ تعلیم یعنی خود اپنا عمل اُسوقت تک مفید ثابت ہوتا ہے جبتک تبرک گوشہ یا گوئی ابن ہنیک کا سا قیدخانہ انہین لوگون کی نگاہ سے بالکل مخفی نہ کردیتا تھا۔ انکا عمل لوگون پر اثر کرتا تھا لوگ دیکھتے تھے۔ ورشت خو محافظ قیدخانہ اپنے مقدس اسیر کا قیدی بنجاتا تھا۔

حسینؑ کے سلسلہ ائمہ پر انکے پہلے اور بعد کی سختیون کے مدارج اور وجہ

مین جس سلسلہ کو سمجہانا چاہتا ہون اسکے لحاظ سے یہہ کہدینا ضروری ہوگا کہ حسینؑ کے پہلے اُنکے سلسلہ ائمہ پر اسقدر ظاہری تشدد بجز بعض فوری گذرتی ہوئی حالتون کے نہ تہا جسقدر انکے زمانہ اور انکے بعد تہا۔ اسکی وجہ ظاہر ہے کہ انکے پہلے ائمہ کا زمانہ رسولؐ سے قریب تر تہا کچھہ دیکھنے والے لوگ تھے اور اسلئے انپر زیادہ سختی کرنا مصلحت کے خلاف تہا۔ دوسرا خیال یہ حسینؑ کے بعد سلسلہ ائمہ کے زمانہ مین کئی پشتین مخالفت مین بسر کرچکی تہین بلکہ ان کے پیٹ سے مخالفتون کے ساتہہ پیدا ہوئی تہین سختیان اسقدر بڑہگئی تہین کہ بجاے امام اور نقیب کی زبان کے اسکے پاؤن کی زنجیر اُسکے مظلومی کی نقابت کرتی تھی۔ یا کوئی مظلوم امام اپنے کسی پہچاننےوالے کے مخاطب ہونے پر اُسے محتاط اشارون سے روکتا تہا۔ حقیقی اسلام کے یہہ قیامت تک غم کیلئے کافی ہے کہ توہین آل رسالت مین اسقدر ہمتین بڑہ گئین اور بڑہ گئی تہین کہ کوئی ان ائمہ کے منہ پر سب کرتا تہا

انکی روشنی

اور جب یہہ اپنے کرم اور عفو سے اُسکی طرف سے منہ پہیر لیتے تھے تو وہ دوسری طرف بھی آکر کہتا تہا کہ تہنے تمہاری ہی سب کی ہے اور وہ یادگار رسول جواب مین فرماتا تہا کہ مین نے اُسے بھی اعراض کیا۔ پھر بھی جسطرح حسینؑ کے پہلے اُنکے سلسلہ ائمہ نے جہان تھوڑا اصلاح کی کوشش سے یہہ سمجہا دیا کہ ہم بہت کچھہ کرسکتے تھے اگر ہمارے ہاتہہ کہلے ہوتے۔ اسیطرح بعد کے خاموش ائمہ نے اس بڑی قربانی کے بعد بھی باوجود اسکے کہ ہر سنگریزہ اور مسامات فضامین مدعا خاموش قتل یا زہر نفوذ کیا ہوا تہا اپنی مقدس کوشش کے اثار چھوڑے۔ یزید کا دربار ہو یا اموی بادشاہ کو سکہ کی اصلاح لینی ہو۔ مامون کا دربار ہو یا امت رسول کو کسی عید مین عبادت کیلئے لیجانا ہو متوکل کے سامنے اپنے خلاف خواہش اشعار پڑھنے ہون یا ہشام کا ایسا شاگرد چھوڑنا ہو جو یار کلی کے مشہور مکالمہ کے صدیون پہلے اُسکی ابتدا کرے یہہ سب معا اپنے تاریخی اثار کے انہین گوشہ نشینون کی روشنی تھی۔ یہہ لوگ علم اور عقل کو زندہ کرتے تھے اور تہوڑی سختی کی کمی انکو دائرہ تعلیم اور روشنی کو وسیع دیکہنا شروع کرتی تھی۔ دربار اگر سیاسی مسائل اور فتوحات کی پیچیدگیون مین اُلجھتا تہا تو یہہ لوگ دماغون کے الجہنین دور کرتے تھے خیالات کو ہموار کرتے تھے اور کچھہ ایسی روحانی لذت اور علمی چاشنی پیدا کردیتے

کہ لوگ جو مانتے ہوں اُنکے اُن سے ایک ایک بات پوچھنے آتے تھے۔

انکے کلام کی سند اور انتہا

انہوں نے آپس کے مصلّے نہیں بنائے۔ ایک امام دوسرے کی گرما گرم مخالفت سے متنفر تھا۔ انہیں پطرس اور پولوس کی ایسی مشہور عداوت اور حسد نہ تھا۔ بلکہ یہہ مقدس سلسلہ اپنے کلام کی سند اپنے مقدس پیشرو سے لاتا تھا یہانتک کہ وہ جناب رسالت مآب پر منتہی ہوتا تھا۔ اس سے نہ صرف صدق کلام اور کلام کے قبول کیلئے یہہ سلسلہ ایک ثبوت تھا بلکہ ایک امام نقیب گذشتہ کی تعلیم اور تربیت میں بسر کرتا ہوا اس قابل ہوتا تھا کہ وہ آیندہ کا امام ہو سکے۔

میں حسینؑ سے ہمدردی کرنے والوں کی تعمیر قومی اور ذکر حسینؑ کرنے والونکی عموماً انکی قابلیت اور تعمیر کی کمزوری پر افسوس کرتا ہوا ناظر کو کسیقدر زیادہ بلند لے گیا اور رسول کے وقت سے اُنکی تعمیرانہ مصلحت اور خواہش۔ اسکی پاشانی کے اسباب اور وجوہات پر اسلیئے متوجہ ہوگیا کہ قوم کی حالت رسول کے بعد کی مصلحت۔ اسکا اثر مسئلہ نقابت کا حسینؑ سے تعلق اور اُنکی کوشش اچھی طرح سمجھہ میں آجائے جو اس قربانی کی عظمت کے سمجھنے میں معین ہو لیکن ہر حیثیت کے ذاکرین حسینؑ کو دوبارہ مخاطب کرنے کے قبل میں حسینؑ کے بعد کے ائمہ کا اسلیئے ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ خود اُنکی کوشش سمجھہ میں آجائے جو شہادت کے قرب زمان کے لحاظ سے تھی۔

شہادت حسین کو حسین کے بعد کے ائمہ نے تعمیر قومی کیلئے ضروری سمجھا۔

حسینؑ کے بعد کے ائمہ نے اس مہتم بالشان قربانی کو تعمیر قومی کیلئے ضروری اور اصل ذریعہ سمجھا میں آسانی مد نظر رکھکر اعمال عاشورہ اور زیارت کا تذکرہ کر دیتا اور بس لیکن اس شبہہ کے ساتھہ آگے بڑھنے کو دل نہیں چاہتا کہ مبادا ناظر ان اشارات الفاظ اور اُنکے تموج سے بے ہوش گذر جائے جسپر توجہ دلانا میرا مقصود ہے۔ غور کے قابل

اعمال عاشورہ

ہیں یہہ احکام جنکے معنے موقع اور حالت میں مخفی ہیں کہ اچھے کپڑے پہنو۔ پاک صاف رہو۔ صحرا یا بام خانہ پر رہو۔ آستین اُلٹی رہے محزون رہو۔ عمل عاشورہ میں شخص۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون رضاً بقضائہ و تسلیماً لامرہ کہتا ہوا کبھی آگے بڑھتا ہے کبھی پیچھے ہٹتا ہے۔ اسکا نفس ایک عالم میں ڈالدیا جاتا ہے جس سے وہ اپنے اس انتشارانہ عمل میں حسینؑ کی اُس حالت کا زندہ احساس کرتا ہے جب وہ حضرت

ایک حالت

اپنی ناقابل بیان حالتوں میں کبھی سوچتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ کبھی سوچنے کے لیئے دم لیتے ہیں۔ کبھی کوئی دردانگیز صدا یا خیال پیچھے ہٹاتا ہے۔ اور یہی تسلیم و رضا کے الفاظ زبان اقدس پر جاری ہوکر یا تو خیالات اور ارادہ کا تصفیہ کر دیتے ہیں۔ صبر کی ہمت دلاتے ہیں یا الفاظ کی صدا

بازگشت حالت یا خیال کے تکلیف دہ احساس سے تھوڑی دیر غافل کر دیتی ہے یا تھوڑی تسکین ہو جاتی ہے۔

اعمال عاشور بجا لانے والا کہتا ہے کہ "لقد عظمت الرزیۃ وجلت المصیبۃ بک علینا وعلی جمیع اہل الاسلام" (بتحقیق کہ آپ کی وجہ سے ماتم اور مصیبت ہم پر اور جمیع اہل اسلام پر بزرگ ہو گئی) "ف... اللہ امۃ اسست اساس الظلم والجور علیکم اہل البیت" (پس خدا... کرے اس گروہ پر جنہوں نے تم اہلبیت کیلئے ظلم و جور کی بنیاد ڈالی) اسکے بعد دشمنوں کے ہر تعلق سے برائت ظاہر کرتے ہوئے "انی سلم لمن سالمکم وحرب لمن حاربکم" (میں اُس سے صلح کرتا ہوں جس نے آپ سے صلح کی اور جنگ کرنے والا ہوں اُس سے جو آپ سے جنگ کرے) اللہم عجل فرج آل محمد واجعل صلواتک علیہ وعلیہم واستنقذہم من ایدی المنافقین... وافتح لہم فتحا یسیرا واتح لہم روحا وفرجا قریبا واجعل لہم من لدنک علی عدوک وعدوہم سلطانا نصیرا (خداوندا آل محمد کی کشائش کا رہیں جلدی کر۔ اُس پر اور اُن پر درود بھیج اور اُنہیں منافقین کے ہاتھوں سے خلاصی دے... اُنہیں آسان فتح دے۔ اُنکے لئے کشائش اور راحت جلد مہیا کر دے۔ اور انہیں اپنی طرف سے اپنے اور اُنکے دشمنوں پر غلبہ پانے والا کر دے) فانک ضمنت اعزازہم بعد الذلۃ وتکثیرہم بعد القلۃ واظہارہم بعد الخمول (پس بدرستیکہ تو ضامن ہوا اُنکے اعزاز کا بعد ذلت کے اور اُنکی کثرت کا بعد قلت کے اور ظاہر کرنیکا بعد گمنامی کے)

نزاعی اور دفاعی عہد۔

دعا جو زبان رکھتی ہے

حسینؑ کی زیارت پڑھنے والا اُنہیں مشاہیر انبیا کی صفات کا وارث کہکر پکارتا ہے (السلام علیک یا وارث آدم صفوۃ اللہ...) اور نہ صرف اُنکے برگزیدہ باپ طاہرین اور اُنکی ہدایت یافتہ اور ہدایت کنندہ اولاد پر سلام بھیجتا ہے بلکہ اُن پر بھی جو ساتھ شہید ہوئے اور جنکی پاک روحیں اُنکی ہم جوار ہیں۔ یہ فقرات سرسری طور پر کہیں کہیں سے زاد المعاد سے چن لیے گئے ہیں۔ ان کل فقرات میں جہاں غم کی گہری لکیر پڑی ہوئی ہے وہاں ذات حسینی سے جو جملہ صفات کی مرکز تھی ہمدردی کرنے ہمدردی کرنے والوں کی کہتی دشمنوں سے برائت تسلیم و رضا کا سبق عبادت سے تزکیہ اور یکجہتی غرض کی کوشش کیگئی ہے۔ یہ دعائیں اہلبیت رسول کے ساتھ ایک نزاعی اور دفاعی عہد ہے (دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے دشمن)

زیارت

کوشش اسی پر تمام نہ ہو گئی تھی بلکہ اگر کوئی مظلوم امام مظلوم حسینؑ کا نام سنکر تمام عمر متبسم نہ ہوتا تھا تو شعرا کو مرثیہ کہنے کے صلہ میں انعام سے زیادہ داد دیجاتی تھی۔ یکجہتی غرض کی کوشش گھر سے شروع ہوتی تھی۔ اگر اہلبیت طہارت پس پردہ خاموش آنسوؤں سے روتے تھے تو امام کے دیکھنے والے شاعر کے دل

رلانے والے الفاظ کے علاوہ امام کے اثر سے متاثر ہوتے تھے۔ کیا کوئی اسے غم کا کمزور اثر کہہ سکتا ہے کہ حضرت رباب ایک برس تک چھت کے نیچے نہ بیٹھیں۔ یا امام مظلوم بیمار کربلا کی نگاہوں کے سامنے یہہ واقعہ عظیم چالیس برس تک تازہ رہا۔

لیکن ائمہ کی ان کوششوں کو اولیت کا درجہ حاصل نہ تہا بلکہ ابتدا خود حسینؑ ہی نے کی تھی اور جو اہلبیت کے دمشق تک جانے اور مدینہ کی واپسی تک ہیجان پیدا کرنے والے اسباب مہیا کر چکی تھی۔ ائمہ کی کوششوں کو نہ صرف واقعہ شہادت بلکہ خود ان اسباب سے مدد ملی جو حسینؑ پیدا کر چکے تھے۔ مثلاً مسیو ماربین کے لفظوں مین حسینؑ کا یہہ فرمانا کہ میرے قتل ہو جانے کے بعد اور ان جانکاہ مصائب گذر جانے کے بعد خداوند عالم ایک جماعت کو آمادہ کرے گا جو حق کو باطل سے جدا کریگی۔ اور ہماری قبرون کی زیارت کرینگے اور ہماری مصیبتون پر روئینگے اور دشمنان آل محمد کو اچھی طرح ہلاک کرینگے۔ یہہ لوگ خدا کے دین اور میرے نانا کی شریعت کی ترویج کرینگے اور مین اور میرے جد بزرگوار انہین دوست رکھین گے اور وہ قیامت کے دن ہمارے ساتہہ محشور ہونگے" نہ صرف اندازہ کے باہر ہیجان غم سے آپسمین محبت پیدا کرتا تہا بلکہ انہین یہہ شریفانہ ہمت دلائی تھی کہ وہ اُس دین کی حمایت کرینگے جسکی روحانیت قائم رکھنے کے لئے حسین شہید ہو رہے ہین۔ انہین عظیم الشان اخلاقی انداز پر آمادہ کیا تہا کہ وہ حق و باطل مین امتیاز کرین۔ بلاشبہہ یہہ نبیانہ پیشین گوئی نمود اور نشو نما سے قومی کی باعث اور منتہی ہوئے دین کے لطافت قائم رکہنے کیوجہ اعلیٰ ہوئی۔

حسینؑ کے الفاظ جو آئندہ اساس جماعت ہوئے

حسینؑ اور دیگر ائمہ کی ان کوششون کے بعد ان کوششون کے واضح اثر کے سمجھنے کیلئے ملوک ویالمہ اور فاطمی خلفا کے زمانہ کے اعمال عاشورا اور انکے درباری مجالس دیکہنے سے کوشش کا بلوغ ذہن نشین ہو گا جو اسکے بعد حسین کے مجالس عزا کے عالمگیر ہونے یا انکے حاضرین کو حق و باطل مین تمیز کرنیوالے افراد اور قوم بنانے کا مقصد اور مدرسہ تہا۔ انہین کوششون کا نتیجہ ہی کہ آج عالم سوز عاشور کو حسینؑ سے ہمدردی کرنے والون کا قومی دن سمجہتا ہی حالانکہ ہمیں اس سے اسکی خاص فطری شان سے گرا دین یا سنجیدگی اور اثر کے درجہ کو گنوا کر غفلت یا بے تمیز رونق کے حوالہ کرین۔

قومی دن

حسین کی مجالس عزا کے اثر کے متعلق مسیو ماربین کے یہہ فقرات زیادہ واضح ہونگے کہ حسینؑ تمام روحانیین مین زیادہ تر حضرت مسیح سے مشابہ تھے مگر انکے (حسینؑ کے) مصائب شدید تر اور سخت تر تھے اور ابتدا سے پیشرفت

مجالس

تابعان حسینؑ کے بھی پیروان مسیح کے قرون اولیٰ کی طرح تھے اگر یہی لوگ بجائے پیروان حسینؑ کے اصول اولیہ کی پیروی اختیار کرلیتے جو بانی خود مسلمانوں میں پیدا ہوگئے پیروان حسینؑ کو انکے عمل سے نہ روکتے تو نہیں دو مذہب سے ایک مذہب عالم کے قرون عدیدہ تک عالمگیر ہوجاتا چنانچہ پیروان حسینؑ کی روک تھام کے موانع جب اٹھ گئے تو یہہ معلوم ہوتا ہے کہ یہہ مذہب تمام طبقات اسلامی کو اور دیگر مذاہب کو سیل کی طرح احاطہ کیے لیتا ہے"۔

مین نے یہہ اشارہ تمام کر چکا کہ حسینؑ کے قبل اور بعد تعمیر قومی کی کیا کوششیں ہوئی تھیں اور کیسے کیسے موانع پیش آگئے جس سے اور زیادہ کامیابی کا ہونا تعجب خیز تھا لیکن افسوس کہ انا اور مقامات مین جب لوہ جہاں حسینؑ کے نام کے بلند کرنے کی کوشش موانع کے مقابل نہوتی تھیں نہ ذکر حسینؑ کا ہمارے خصائل پر اور زیادہ مفید اثر نہونا میری گذشتہ سطور کے موافق اس وجہ سے بھی تھا کہ ذکر حسینؑ کرنے والے زیادہ تر اس درجہ کے نہ تھے جو صفات حسینیہ اور انکے اعلیٰ اغراض کا صحیح اندازہ کر سکتے اور ہم مین اس عمدہ صفات پیدا کرنے والے واقعہ کی خوبیوں کو جاری اور قایم کردیتے۔ واقعہ کا فطری اثر عدم تربیت۔ بے قاعدگی اور سمجھانے والے کی کمی سے سربمہر رہا تھا۔

اس کہنے سے میرا مطلب یہہ نہیں ہے کہ مین یاس کا اثر ڈال رہا ہوں۔ نہیں نہیں مین سب سے آخری شخص ہوں گا جو اسکا مرثیہ کہے کہ وقت گذر گیا ہم اپنے عیوب سے اسوقت تک خالی اور صفات سے اسوقت تک آراستہ ہو سکتے ہیں جبتک ہم مین کا ایک بھی باقی ہے لو وہ اسلام اور حسینؑ پر قایم ہے کم سے کم وہی ایک شخص مثال ہوگا میں اس خیال کے ان غافل کاہل اور شکستہ خیال میرے بانوں میں نہیں ہوں جو یہہ سمجھتے ہوں کہ حسینؑ کی شہادت کا خصلت اثر تمام ہو چکا یا حسینؑ کو جو کچھہ کرنا تھا کر چکے نہیں واللہ حسینؑ کا عمل اپنے پیشتر کے جاری قوانین آلہی کیلئے جہاں ایک سخت جھنجھوڑتی وہاں آیندہ کیلئے ایک ایسی تھرتھراہٹ تھی جسمیں سکون نہیں ہے قبل اسکے پیاسے رہ رہ جسکے بچے کو قتل کرادے جنکے منہ سے دودھ کی بو آتی ہو اسکے خون کو اپنے ہاتھوں سے منہہ پر ملکر یہہ کہو کہ بار الٰہا مین ہر حال صابر ہوں" لیکن شریفانہ غیرت مین فرق آگے نہ صبر مین شکستگی پیدا ہو اور نہ خلاف نفس اعمال کی پیروی کیلئے ایک قدم آگے بڑھے بلکہ جوں جوں تکلیفیں بڑھتی جائیں اپنی سچائی کے یقین کے ساتھہ تشدد جبر کی قوت اور برائی سے نفرت کا اندازہ زیادہ ہوتا جائے تاریخ عالم مین حسینؑ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے یہی سمجھا یا اسے الٰہی قانون بنایا عملاً علم النفس کا یہہ قانون سمجھایا کہ نفس انسانی کی قوت تمام شمار کیے جانے کے قابل حیثیتوں سے زیادہ ہے حسینؑ کی شہادت کا اثر قوانین آلہی کی طرح غیر فانی ہوگیا حسینؑ نے مذہب کے اس زوال کو روکا

واقعہ کے فطری اثرین کونسی چیزین مانع تھین۔

اسلام مذہب امید ہے مذہب یاس نہین ہے حسینؑ کی شہادت کی حرکت ختم نہیں ہو سکتی

شہادت کی عالمگیر مقبولیت کے عناصر کی وجہ سے ہے

مین جان پیدا کردی جو مردہ حیثیت سے گنگ اخلاق کتابی شان مین پڑا تھا انجیل کا یہہ فقرہ کہ مبارک ہین وہ لوگ
جنہین راستبازی کیلئے تکلیف دیجاتی ہے آسمانون کی حکومت اُنکے لیئے ہی حسین سے زیادہ کسی سے چسپیدگی نہین رکھتا
بغیر ایسے حسین کے عالم ہمارے لیئے ایک غیر مرتب ڈھیر ہے۔

رکاوٹین

اس اختلاف بین الائمہ کی تاریخی ابتدا کا ذکر جسنے جماعتین تیار کین اور جسکے وسیع معنے اور اثر کیطرف توجہ دلائی گئی
عام اس سے کہ وہ کیسی ہی سنجیدہ حیثیت سے کیون نہ کیا گیا ہو تمام اسلامی فرقون کا لحاظ کرکے ساتھ ہی عقل
سے علیحدہ اور محض اعتقاد کو پیش نظر رکھکر ایسا نہین ہے جسکی نسبت یہہ کافی اطمینان سے سوچا جاسکے
کہ وہ ہر ایک کو متوجہ کرسکیگا اس وجہ سے کہ توجہ کی راہ مین ایسی ایسی خیالی اور ناممکن البیان رکاوٹین پیدا
کیگئی ہین جو ایک ایسے شخص کیلئے جو عقل اور تاریخ سے کام لینا چاہتا ہے بہت کچھ مضحکہ خیز ہونگی لیکن وہ شخص جو سبب
شہادت حسین سمجھنا چاہتا ہو وہ یا تو ان واقعات اور اشارات پر ٹھنڈے دل سے نظر کرتا جائے جسمین یقیناً شاعرانہ
مضمون آفرینی نہین کیگئی ہے یا قطعاً اس مصلحت کی پابندی کرے جسنے ذکر حسین کو ذاکر پر حرام کیا ہے۔ آنکھ

واقعہ سمجھنے کے
استفہامی الفاظ

کان بند کرلے پھر کوئی مورخ کیا معنی مسبب الاسباب کو بھی اُسکے سمجھانے کیلیئے اپنی عادت بدلنی پڑیگی
جو لوگ ایسے معاملات مین بھی جسمین مفید حیثیت سے اپنا اختیار تمیزی صرف کرسکتے ہین آنچہ اُستاد ازل گفت ہمان
می گوئیم کے عادی ہین اُنسے کچھہ کہنا عبث ہے لیکن اُس شخص کیلیئے جو اس عظیم الشان واقعہ کو سمجھنا چاہتا ہے کسی
کسی کا ان فطری سوالات سے روکنا مشکل ہے کہ کیا کیون کسلئے کیونکر کب کسنے ؟

اختلاف بین الائمہ
حسین تک پہونچتے
پہونچتے سمجھنے کے
قابل ہو گیا تھا۔

یہہ اختلاف بین الائمہ اپنے اسباب اور ساخت کے اعتبار سے جسطرح قدم بڑہاتا تھا وہ حسین تک پہونچتے
پہونچتے نہ صرف کافی طور سے حسین کے سمجھنے کے لائق ہو گیا تھا اور پہچاننے کے قابل صورت مین آگیا تھا
بلکہ یہہ کہنا اور واضح ہوگا کہ حسین اُس خاص سلسلہ کے ایک فرد تھے جسپر مخالف گروہ کے ائمہ یا مخالف
ائمہ گروہ کا سب سے زیادہ مخالفانہ اثر پڑتا تھا۔ اور اسلیئے وہ اسکا پورا اندازہ کرسکتے تھے۔ رسول کی رحلت

زمانہ کی مقدار
اور سمجھنے کی
آسانیان

کیوقت حسین سات برس کے تھے اور شہادت کیوقت ۵۷ برس کے یعنی اختلافات اور اُسکے اثر کو اپنے
سلسلہ پر سمجھنے کیلیئے نصف صدی ملی تھی۔ اور یہہ وقت ایسا نہ تھا جو رحلت رسول اور اپنی شہادت
کے درمیانی زمانہ مین خاموشی سے گذر گیا ہو۔ بلکہ وہ وقت تھا جسکے واقعات نے آیندہ اسلام کی ہر
حیثیت کی قسمت کا فیصلہ کردیا یہہ نکتہ حسین کی روش کے اس خاص پہلو کے سمجھنے مین مدد دیگا کہ
ایسا نہ تھا کہ حسین کو اپنے گرد و پیش کے طبائع اور واقعات نہ معلوم ہون جس سے اُنہین کسی امر مین فیصلہ

کرینگے مناسب ذرائع نہ ملتے ہوں۔ اور سب سے بڑی یہہ غرض بھی ہوگی کہ اس سمجھنے مین مدد ملے کہ حسین کا وہ مستقل جبر و عزم
ارادہ جسنے سب کچھہ بہکر تمام مصیبتوں کو گوارا کر لیا کس سرمایہ نفرت سے اسقدر مصمم تہا کہ انہین ایسے زمانہ مین زندہ رہنا
ناگوار ہوگیا تہا اور آیا انکی نفرت ایک وجدانی لہر تھی جسے پیشتر کے خیال سے مدد نہ ملی ہو یا جیسا اوپر کہا گیا
انہین اپنے سلسلہ کے ساتھہ ایک مانسکی مسلسل نا ملایم برتاؤ دیکھتے دیکھتے اسقدر کوفت ہوگئی تھی کہ
وہ آیندہ اس توہین کو گوارا کرنا نہ چاہتے تھے اور اپنے خودداری کی ذلت سمجھتے تھے۔ اور اب بقول مسیو ماربین غور و فکر
اور علم و ارادہ کے ساتھہ مقتول ہو جانے پر آمادہ ہوگئے تھے"

حسین کی شہرت

میدان کربلا کے وہ تعجب خیز حسینا جنکے مخصوص واقعات کی زندگی چند مہینیا اور زیادہ خاص کہنے کیلئے چند دنون
یا روز عاشورہ کی ہے انہوں نے ایکدن یا چند مہینون مین کیا کیا کہ وہ خدا کے بعد عالم مین سب سے زیادہ مشہور
ہوگئے؟ اب ناظر کو بہترین غور سے یہہ دیکھنا ہوگا کہ انکی یہہ شان طبیعت انہین واقعہ کے ساتھہ ہی

نموی صفات کا سلسلہ

پیدا ہوگئی یا ترقی صفات اور نمو سے خصائل کے آثار اور ابتدا کچھہ دنون قبل یا بہت پیشتر سے تہی وہ ہیبات
کیسے اور کیا تھے۔ وہ کون سے نفوس تھے جنکے زیر تربیت رہنے سے حسین ایسے کھرے حق رو بنگئے اور انکے حالات جاننے
والے کو یہہ یقین ہوگیا کہ انہین حق سے بال برابر ہٹنے کی قابلیت ہی نہین رہی حسین کی اس مخصوص عبرت خیز زندگی
کے افعال مین گذشتہ زمانہ کی کونسی مثالونکے آثار پائے جاتے ہین اور واضح لفظونمین حسین کس خاندان کے

وراثت صفات

صفات کے وارث اور مظہر تھے۔ کون سے گرد و پیش کے واقعات اور آثار نے انہین عظیم المرتبت بنانے
مین مدد دی۔ انکی تربیت اور خیالات کے کون سے نفوس رہنما تھے۔ یا حسین کے افعال اور خصائل کے
سمجھنے کیلئے کن طبایع سے مدد لینی ہوگی میرا خیال ہے کہ شاید یہہ تنقیحات وہ فطری روش ہون جنسے
خصایص حسین کے متعلق طبعی تفتیش کی جرأت کیجاسکے لیکن مین حسین کو وہان سمجھونگا جہان سمجھہ سکتا
ہون وہان نہین جہان میری کوشش اور الفاظ جواب دیتے ہین۔ غالباً اکثر مقامات پر ہر قوم کا ناظر
اس خیال کا ساتھہ دیگا کہ اس جگہ حسین کا سمجھنا ناممکن ہے اسلیئے کہ ویسی مثالین تاریخ عالم نہ دیسکینگی
چہ جائیکہ انسانی تجربہ اُسکی تکرار کرتا ہو اور اسلیئے ہر انسان اُسکے اندازہ کے قابل ہو۔

نہ صرف نوعی بلکہ روحانی امام

حسین صرف نوعی مفہوم مین ہمارے قومی ہیرو نہین ہین بلکہ روحانی حیثیت سے بھی انہین تمام
عالم اسلام امام جانتا ہے اس جگہ یہہ فرق ملاحظہ طلب ہوگا۔ کہ وہ امام جسکی مذہبی تقلید بلحاظ حکومت
لوگون نے گلے مین ڈال لی ہو اُس امام سے اپنی روحانی حیثیت مین مختلف الاثر ہے جسے اپنے پہلے کے

دو صورتیں

پہلی صورت

امام سے تقلید اور تعلیم روحانی کا ادعا ہو یہہ پہلی صورت مذہبی حیثیت سے اسقدر مفید نہین ہو جسقدر سیاسی
اغراض کے لحاظ سے جسمین اکثر غیر مفید اثر ڈالنے کیلئے ملک نے مذہب کو ساتھہ رکھنا ضروری سمجھا ہے
اور اسلئے کہ غرض اولی ملک ہی یعنی مذہب تغیر پسند ضروریات ملکی کے لحاظ سے
ہمیشہ مفید ملکی حیثیت کی تاویلات اور روش کا تابع ہی اور اسلئے وہ ان وسیع تاویلات اور اسکے جلو گیر
اغراض اور انکے اس حیثیت کے اثر اور تاویل کرنیوالے کے طبایع اور خیالات کے رنگ مین ڈبویا جاتا رہتا ہی
یہہ مخلوط صورت قایم نہین رہتی اور آخر مین یا تو حکومت کی دلچسپیان مذہبی شاخ سے بے توجہ کر دیتی ہین یا
اس بے توجہی کے عالم مین کوئی دوسرا گروہ مذہب کے سنبھالنے کو کھڑا ہوتا ہی یا بادشاہ اپنی طرف سے
کچھہ لوگونکو رسومات اور ضروریات مذہب کیلئے مقرر کرتا ہی یہہ جہان قوت مذہبی کے ضعف کی صورت ہے
وہان مذہب مصالح حکومت کا تابع ہی اور ایک ایسی جماعت تیار کرتا ہی جنکی خودغرضیان مذہب کی روحانیت
کو بہت کچھہ صدمہ پہونچاتی ہین علماء یہود کی تاریخ ہو یا تاریخ دین مسیحی کوئی ان آثار سے خالی نہین ہی اور
افسوس ہی کہ اسلام جسکی بنا ایسی تہی کہ وہ کبھی اس صورت مین مسخ ہوتا آخر روش کے تغیر سے اس حالت
مین پہونچ گیا۔

دوسری صورت

دوسری صورت یہہ ہی کہ جسمین غرض اولی مذہب ہی عام اس سے کہ امامت روحانی کے ساتھہ حکومت
دنیاوی ہو یا نہو مثلاً رسول قبل ہجرت بغیر صاحب اختیار ہونیکے بھی ہمارے پیشوائے روحانی تھے جسطرح حکومت
کے بعد تھے لیکن رسول کے بعد خلفا کو حکومت سے قطع نظر کرکے امامت روحانی کے کسی خیال سے عامہ ناس
کی نگاہ مین وقعت نہین رہ گئی اسکے مقابلہ مین اگرچہ ایسے خلفا کے مقابلہ مین رسول کی اولاد جو سلسلہ امامت
مین تہی باوجود حاکم نہونیکے آجتک بلکہ خود مخالف زمانہ مین بھی پیشوائے روحانی سمجھے گئے اگرچہ اسے مخفی کیا

ہونہاری قوت

نہ مٹایا گیا اور اسکی صیر کی کوششین ہوئین کہ اسلام کیلئے انکے ہوتے ہوئے رقیب علما تیار کیے
جائین جس سے اولاد رسول کی مذہبی عزت کو صدمہ پہونچے اس خاص شاخ مین بھی ہونہاری قوت
کی عظمت کے آثار رسول کے بعد سے دکھائی دیتے ہین۔

شناخت کے ذرایع

امامت روحانی اور ائمہ روحانی کی صاف صحیح اور قوت دار شناخت یقیناً اس سے زیادہ ممکن
نہین ہی کہ تاریخ اسلام مین دیکھو کہ حکومت و حاکم باوجود تمام اختیارات پر قابض ہونیکے اپنے تمام اختیارات
کی قوت اور آلہ ہوتے کون کس پر بیکس مظلوم اور گوشہ نشینونکو تغیر یا کچھ نہ کیا سکے مٹا دیکھتے جتنے تھے ڈر سے

فرق

شہادت کی عظمت سمجھنا اسباب [illegible] سمجھنے پر موقوف

مولف کے غرض کی مزید تفصیل کی ضرورت

انسانی برداشت [illegible] انداز حسین [illegible] خیر صبر کی قدر [illegible]

رہتے تھے۔ واضح ہستی سمجھتے تھے کہ ہماری ہوتے ہوئے یہہ کیون یہی محسوس نہ تے تھے کہ ہم باوجود اپنی نمائشون چیزونکے
ان بے سرو سامانونکے سامنے کوئی وزن نہیں رکھتے۔ اسی عبدالملک ہشام سلیمان اور مامون وغیرہ خوب سمجھتے
تھے اور عمر و فرزدق وغیرہ وغیرہ لوگ انکو خوب سمجھتے تھے۔ کوئی اگر امام جسم تہا تو کوئی امام قلب تہا۔ برا فرق تھا۔
بہر حال جب ہم ان اسباب پر ناظر کو توجہ دلا چکینگے جنکا نتیجہ قتل حسین تہا تو دیکھنے سے سمجھ میں آسانی ہوگی کہ ایسے
خوفناک آتش فشان کے خاموش کرنے یا اسکی قوت گہٹانے کیلئے کیسے شخص کی ضرورت ہوتی اور جو قوم کے دلون
اور خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا کرنیکی قابلیت رکہتا۔ وہ قابلیت کیسی سخت اور کسقدر معرکہ کی تہی۔
اگر حسین کلی یا جزی حیثیت سے بھی کامیاب ہوئے تو انہون نے عزیز اسلام پر کوئی احسان کیا یا نہیں۔ عالم کو بے
غرضی ایثار نفس صبر استقلال حق روی غیرت حمیت اور حمایت وجہ حق کا ناقابل مقابلہ سبق دیا
یا نہیں۔ اور دیا تو اسمین کیا قوت تھی۔
اس بات کے سمجھنے کیلئے کہ آیا حسین نے اسلام پر کوئی احسان کیا یا نہیں مجھے کسی حد تک تاریخی واقعات
لکھنے ہونگے وہ واقعات جنمین یہہ کہا جا سکے کہ رسول نے کیا کہا تہا علی کیا کرتے رہے تھے حسن نے کیا کیا اور
حسین کیلئے کیا کرنا رہگیا تہا۔ اسکے لئے تغیرات پر توجہ دلانی ہوگی مسلمانونکے مختلف طبقات پر نظر ڈالنی ہوگی
یہہ سب اسلئے ہوگا کہ آیا اسلام کے مفہوم میں ایسا انقلاب ہوا تہا یا نہیں جس سے یہہ قیاس کیا جا سکے کہ وقت
آگیا تہا کہ ایسی عظیم الشان قربانی سے دماغ اور خیالات مین ایک سخت ہیجان پیدا کیا جاتا۔ حضرت رسول
جناب امیر اور حضرت امام حسن کے حالات صرف اسقدر لکھے جائینگے جنمین حسین کے حالات سے موافقت یا اثر کا
رابطہ ہے۔ یہہ کہ مین ان نفوس قدسی کی پوری سوانح عمریان لکہون گا خلاف تھا جسکو نہ مین ساتھ ہی چلنا ہوگا۔
حسین کے مصائب اور انکے مصائب مین انکی شان کی وہ شخص قدر کریگا جو اپنے مصائب اور اپنے اسوقت
کے انداز پر غور کریگا کون نہیں جانتا کہ انسان تہوڑی سی تکلیفون سے ایسا حواس باختہ ہو جاتا ہے
جسکی کہانیان کہی جاتی ہین۔ اگرچہ یہہ تکلیفین فطری حیثیت سے اسکے متعلق ہو گئی تہین ایسا بھی ہوا ہے
کہ مصائب کی عدم برداشت نے حدود اخلاق سے مطلق العنان بلکہ ملحد بنا دیا ہے یہہ سب اسلئے کہ واقعات
کی رفتار اسکی خواہش کے موافق کیون نہ ہوئی۔ یا خدا موم کا کیون نہ ہوا جو اسکے ارادہ کی گرمی سے پگہلتا جاتا۔ ان
حالتون کے بعد جسمین مصیبت اور انسانی برداشت کے درجہ اور دماغ کے متاثر ہونے پر غور کیا جا چکا ہوگا جب حسین
کے سلسلہ مصائب پر غور اور انکے ٹہنڈے سنجیدہ صبر اور بے لغزش حواس بلکہ اسکی ترقی پر نظر ڈالی جائیگی تو اسوقت

حقیقتاً صبر بلا وہ ہوا اس لئیے دونون لفظ پیشتر سے زیادہ گرانقدر معلوم ہونگے قطع نظر اس سے کہ آپ اسکے عامل ہو
کیا سمجھینگے اور جب ان مشکل و قیمتین خلوص اور اقرار توحید پائینگے تو عظمت خداوندی کی عظیم الشان لہرین موجزن ما
ہوئی دکھائی دینگی اور آپکو اسکے سمجھنے مین آسانی ہوگی کہ ایسے لوگ کسی بڑے انعام کے شایان ہین یہی لوگ وجود
خداوندی کے نقیب اور مکارم اخلاق کے مظہر صفات ہین انکا وزن یقین دوسرون پر اثر ڈالنے کی قابلیت رکھتا ہے
مجھے گمان ہے کہ بعض لوگ میرے اس کہنے پر غیر شعورانہ حیرت جاہز کرینگے کیونکہ حسین کے واقعات کو دیکھنے کیلئے نہین
لکھے جاتے ہین حسین کی ہمدردی کو تو تمہاری انسانیت کے رشتون سے مطالبہ ہے بلکہ مین اسلئے پیش کرونگا کہ تم خوش ہو اپنی
جگہ سے اچھل جاؤ اور تمہارے دل کا ہر ریشہ چیخ اُٹھے کہ ایسے بندے چاہئین تیری خدائی کیلئے!

حسین ؑ کی مصیبت کی یہہ بھی شان نہین ہے کہ انپر کوئی صبر آزما مصیبت پڑی کوئی نہین بہت سی ایک سے
ایک بڑھکر اور پھر ایک مصیبت دوسرے کا پیش خیمہ تھی مختصر لفظون مین شہید ہوتے وقت حسین کو یہہ تسکین نہ تھی کہ
ہمنے جام شہادت نوش کیا اور تکلیفین کم ہوگئین بلکہ یہہ بھی یقین تھا کہ ابھی سب سے بڑی توہین یعنی اہلبیت
کی اسیری باقی ہے اسکے لئے حسین ؑ نے پسماندونکو تیار کیا حسین ؑ کی اس وصیت نے اہلبیت ؑ کی وہ حسین پسند
شرافت قایم رکھی جسنے اس شرف الشرفا کیوجہ کو بڑی ہمدردی سے انکی توہین کرتے وقت توہین کرنے والے ذلیل ہوتے
تھے اور یہہ سمجھتے تھے کہ انکی عظمت کو گھٹا دینا ہمارے اختیار مین نہین ہے۔

شہادت حسین ؑ کا اطلاق صرف حسین ؑ کی شہادت اور اہلبیت کی اسیری پر نہین ہوتا بلکہ اسلام کے بقیہ بہترین نفوس کے خلوص
جانبازی و حمایت حق کی مدد و خطرون کیطرف سے لاپروائی کا وہ عدیم المثال تذکرہ ہے جسکا طرفی آیندہ مین اور ابن مریم
الیاز جو نفیس اور جوڑ دیا انکے رفقا کسی مناسب پیکر کیلئے خیال حفاظ نہین کرسکتے ایسے ماموم کیلئے حسین ؑ کی
ایسا امام اور ایسے امام کیلئے ایسے ہی پیرو ہونے چاہئیے تھے جسے شاعر بھی نیم متحیرانہ وجد اور نیم حیرت سے کہتا ہے کہ
اللہ اللہ امام ایسا ہو پیرو ایسے!

انکا شوق شہادت ایک دوسرے پر سبقت کرنا انکا ایسے وقت حفظ مراتب کا خیال انکا زندگی سے متنفر
کی حد تک متنفر ہو جانا اسلئے کہ ایسے لوگون کے گرد و پیش کے حالات انکی برداشت کی حد کے باہر ہو رہے تھے۔
ایسی حالتین ہین جو تصور دماغ کو اپنی طرف کھینچتی ہین اور وہ سوچتا ہے کہ کیا اسکا خواب بھی دیکھا جا سکتا
تھا کہ انہین اس خلوص حق دوستی اور جانبازی کے عوض مین کسی دنیاوی آسایش کی امید تھی اسکی
عظمت مین جو زیادتی ہوتی ہے جب اسپر غور کیا جاتا ہے کہ انہین یاد تھا کہ ایسے لوگ تھے جو بڑے عابد اور زاہد تھے

اون کی تقدس کا موثر فرق مخالف معترف تھا۔ انہین اسلام کی نمود اور ترقی کا مشالیہ تھا۔

دنیا کی دلفریبیان پیش کیگئی ہین

اسکے عکس مین حسین کے ساتھ چھوڑ دینے پر دنیا کی دلفریبیان سال و جاہ کے حوصلے اور زندگی کے اقرار کیئے گئے تھے لیکن ان بندگان حق کیلئے حسین کے لب تشنہ اور فاقہ کش ذات سب کچھ تھی۔ انہون نے فاقہ پیاس اور شہادت گوارا کی اور دشمنون کے وعدون کو انکے منہ پر کھینچ مارا کبھی حق و باطل کے تصفیہ اور پسندیدگی کی انتہائی راہ کو ایسا روکھا وقت نہین ملا

مرقع

مرقع کھینچ جا دینگے جسمین نئی دلہن اپنے شوہر کو حسین پر صدقے ہونیکے لیئے بھیج رہی ہے شوہر اپنی بیبیونکو طلاق دیرہے ہین اسلیئے کہ اپنی شہید ہونیکا یقین ہے عورتین اپنی اس شرعی مجبوری پر کہ انہین اجازت جہاد نہین ہے تاسف کرتی ہین۔ مائین اپنے بچون کی محبت بھول گئین اور اپنے لخت جگر کو آغوش سے کھینچکر حسین پر صدقے ہونے کیلئے بھیجتی ہین اور وہ بخشنے کی شرط زخم کھانا اور شہید ہونا قرار دیرہی ہین۔ باپ اپنے بیٹے کو آنکھ کے سامنے دم توڑتے دیکھتا ہے اور اسکے اس منظر کو دیکھکر کہتا ہے کہ شکستہ بوڑھے رعشہ دار ہاتھونسے تلوارین اٹھا رہے ہین۔ بچے قتل ہو رہے ہین جنکو کوئی ایذا دینے کے خیال پر دنیا کا سب سے بڑا بے رحم نامرد شرمائے گا!

ناظر سے یہ خواہش کرنا بیجا نہوگا کہ وہ اسپر غور کرے کہ عورتون بچون بوڑہون اور دوستون کا ایسا سمجھا ہوا خالص مخلصانہ جوش کبھی اور کبھی انکی نگاہ سے گذرا ہے اور اگر کوئی انمین سے کسی خاص شان کو دکھا گیا تو آیا ان اسباب و اتفاقات مین جنمین حسین اور انکے رفقا گھرے ہوئے تھے۔ جو قصہ کوئی مقابلہ کیلئے لاتا ہے اسکا بہروپ کسی خاص غرض سے اسکا حامل ہوا وہ فوری جوش تھا یا متین اور سنجیدہ تصفیہ آیا اسکے لیئے کوئی دوسری راہ مصائب سے بچنے کیلئے دکھائی گئی تھی یا نہین یا اسے بجز جان دینے کے چارہ نہ تھا میرے یہ استفہام مجھے یقین ہے کہ انکی حیثیت سے بڑھکر تحدی کی حد تک پہنچ گئے ہین لو مین اسمین کوئی نرمی نہین پیدا کرنا چاہتا۔

دو اور باتین جسکی مولف کی غرض نما سے زیادہ نہین

ضمناً ہم دو باتون کا اور تذکرہ کرینگے جنکے لیئے اگرچہ ہمارے پاس بدرست عقلی ثبوت نہ بھی ہون لیکن ہمین یقین ہے کہ انسے اعراض کرنا واقعہ پر شوق انصاف ایک نمایان شان سے چشم پوشی ہوگی لیکن میری غرض تاریخی مذاق تحریر کے لحاظ سے یہ نہ ہوگی کہ اس سے خواہ مخواہ ناظرین پر کوئی خاص اثر پڑے بلکہ یہ بہت کچھ انسانی طبائع کے رجحان پر موقوف ہے کیون ایسا ہوا ہم اسکے لیئے نہ میرے پاس دو اور دو چار کیطرح کوئی ہندسوی ثبوت ہے اور نہ غالباً طبیعت انسانی پر ایسے اتفاقات کے منکر کے پاس کوئی تسکین دلانے والے ثبوت ہین سکو جہان یہ سب کچھ ہو وہان انسانی تجربہ مجبور ہو کر سے یہ کہلوا رہا ہے کہ اسکا امکان نہ صرف حسین کے ساتھ تھا بلکہ تمام انسانون کے لیئے ویسا ہی جگہون اور قوم سے ہے۔

خواب

میری غرض شہادت حسینؑ کے متعلق بہت سے خواب سے ہی خواب۔ جیسے فرعون مصر ابراہیم اور یوسف دیکھ
سکتے تھے اور جنکی تعبیر یوسف اور اکثر انبیاء بنی اسرائیل کو بادشاہوں کی نگاہ میں وقعت دے سکتی تھی۔
جیسے خود حسینؑ کے جد بھی پیغمبر خاتم ہو سکتے تھے اور جیسے مولانا و مقتدانا علی ابن ابی طالب ملاحظہ فرماتے
تھے اور حسینؑ کو جنکی نصیحت فرما سکتے تھے۔ وہی خواب حسینؑ بھی دیکھ سکتے تھے۔ میں اپنی روشن تحریر
سے معترض کیلئے استشہاد کرتا اگر مختلف زمانہ کے مکاشفات کے الفاظ اور خیالات میں ویسی یکجہتی نہ ہوتی جیسے
کہ شہادت حسینؑ کے لیئے ہوئی۔

ناظرین میں سے کم و بیش اکثر کو ایسے خواب دیکھنے کا اتفاق ہوا ہوگا جسکی تعبیر قریب بہ قریب ویسی ہی تھی
جیسا اس عالم میں دیکھا تھا اگرچہ خواب دیکھنے اور تعبیر پانے کے درمیانی زمانہ میں اسپر مطلق غور نہ
کیا ہو اور تعبیر پانے پر انہیں معاً خیال آگیا ہو کہ ہمنے ایسا خواب دیکھا تھا۔ یہہ یاد آجانا حافظہ کی
تازگی تھی لیکن یہہ کسیطرح خیال میں نہ تھا کہ ہمنے کبھی اس مضمون خواب پر اپنی یاد میں غور کیا ہو یا اپنے
سوچنے اور خواب دیکھنے کے درمیانی زمانہ میں متصلاً اس مضمون پر مصر رہے ہوں۔ ورنہ یہہ معلوم کر لینا
آسان ہوتا کہ ہمارا یہہ خواب ایک بہت پیشتر یا کچھہ قبل سوچے ہوئے سلسلہ کی تازگی تھی اگرچہ ہمیں سوچنے
کے وقت اسکا احساس نہ ہوا ہو ورنہ ہمیں اس سے تسکین ہے کہ تعبیر خواب کی مثال بیداری کے اس نتیجہ غور کیطرح ہے جسکا
وہی نتیجہ ہوا جسے وقوع کے قبل ہم طے کر چکے تھے۔ اگرچہ یہہ بجای خود خدا کی بڑی رحمت ہے لیکن خواب میں ہم تماشہ گر
نہیں ہوتے بلکہ تماشائی ہوتے ہیں۔

نفس انسانی کی انہی عظیم الشان اور پر اسرار قوتوں کا ذکر ہے کہ اسکے انتہائی لطف و قرینہ کا میدان کسقدر وسیع یا کسقدر محدود
ہے اسکو کون معلوم کر سکتا ہے یہہ سب میرے تصفیہ سے بالاتر ہے لیکن یہہ کہنا شاید کوئی بحث نہ ہو کہ نفس کی تمام
عظمت اسی کی تربیت اور بے آلودگی پر موقوف ہے ہم اکثر اسکا احساس نہیں کرتے کہ ہمارے نفس پر کیسی ایسی قدرتیں
نامتناہی خزانہ قدرت سے چلتی رہتی ہیں لیکن انسان ہی اسکا احساس کرتا ہے اگرچہ اسکی تمیز کرنے والے معنی پھر
ملے جاتی رہتی ہیں یہہ سب اسکے لیئے آسان معلوم ہوتا ہے جو حس اور تمیز کرنے کے بعد قدرت سے مطالعہ کرتا
اور سمجھنے سے اپنی عقل کو معطل نہیں کر دیتا یا ایک بے معنی تخیل سمجھکر اسے اندازہ کے قابل نہیں سمجھتا کون
کہہ سکتا ہے کہ یہہ اسیقدر قوانین قدرت نہیں ہیں جو مطالعہ فطرت کے آسانی سے سمجھ میں آ سکتے ہیں بلکہ ان
قوانین میں قدرت کی گونگی زبان اسکے لیئے گویا ہو جاتی ہے جو اسکے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اگرچہ

اسکے بعد وہ خود کو نکا کیون نہ ہو جاتا ہو۔

تنہا اتفاق نہ تہا

کوئی شخص کسی خواب کو جو تعبیر کی طرف لیجائے اتفاق کہہ سکتا ہی اس سے اُسکی عظمت مین کمزوری پیدا ہوتی ہی لیکن ہم کسی تنہا اتفاق کا ذکر نہین کر رہے ہین بلکہ خواب کے وجود تاریخی کی مثالین اور تجربہ انسانی کے اندر داخل ہونے کے دعوی کے بعد یہہ بھی کہہ رہے ہین کہ ہم جس خواب کا ذکر کر رہے ہین اُسکی تکرار دو مختلف پاک دماغون مین اتفاق حد سے کچہہ زیادہ ہوئے اور اُنہون نے اسے کوئی بے معنی تخیل یا خواب کو اُسکے عام مفہوم مین بحقیقت نہین سمجہا بلکہ اُنپر وہ اثر ہوا جیسے کسی کم عین واقعہ کے بعد ہوتا یہہ اُنکا صحیح حس تمیز اور معنی فہمی تھی۔

خواب کو خواب نہ سمجہا

پیشینگوئی کی احادیث

ہماری دوسری بات شہادت حسین کے متعلق پیشین گوئی کی احادیث ہین جسکے متعلق ہم تہوڑی دیر مین ذکر کرین گے۔

سوانح نویس کی دشواریان

ہماری دانست مین جو کچہہ لکہا جانیوالا ہی وہ اُس سے بہت کم ہی جو لکہا جانا چاہیئے تہا نہ وہ حیثیت جو اُس وقت سوانح عمری کی ہونی چاہیئے ایک تیرہ صدی قبل گذرے ہوئے بزرگ کے متعلق مرتب ہونی دشوار ہے آسانی ہوتی اگر ان مشاہیر کے انداز رفتار گفتار شغل پسندیدگی معاملت وغیرہ وغیرہ کی حکایتین پوری حیثیت اور آسانی سے دستیاب ہوتین اور اگر کوئی واقعہ ہوتا تو اُسکے اسباب محنت اور سمجہداری سے مرتب کیے ہوئے ملتے جس سے ہر شخص کو نتیجہ نکالنا سہل ہوتا۔ وای بر حالی اس بزرگ کے جسکی سوانح عمری لکہے جانے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

اسکی دشواریان سمجہنا مشکل نہین ہی ایک بات ہو تو کہی جائے۔ وہ شخص جس سے اور جسکے خاندان سے ملکی سیاسی معاشرتی مخالفت اور مغائرت پیدا کرنے کیلئے کل کوششین صرف کیگئین اُسکی پوری حالت کیلئے کتوجہ دوری کرے جتنے مخالف گروہ کے وہ خفیہ احکامات دیکھے ہون جو عاملون کو دیئے گئے اور خصوصیت پاشی سے جو انکو اپنا فدای بنالینے کا طریقہ معلوم تہا۔ اور جو اُن کل ممکن وسایل کو جو اُنکی غرض پوری کرنے کیلئے کارآمد ہو سکین صرف کرتے تھے۔ بہت سی دستاویزین جو مکمل حیثیت سے واقعہ کے سمجہنے مین معین ہوتین ایک آدھ فقرہ سے زیادہ نہین ملتین۔

اکثر حالات نہایت مفید واقعات کے اشارہ اور نام لینے کے علاوہ مورخین نے تفصیل کا کوئی خیال نہ کیا اور نہ انہون نے آیندہ نسلون کی پیاس بجہانے کا خیال کیا جس [illegible] واقعہ کو وہ سن گئے

ختم کیے دیتے ہیں اُسکے متعلق بہت سے فطری سوالات سے کسی کو روکنا اُسکے ساتھ بیرحمی ہی بہت سے مقامات پر تاریخ اسطرح خاموش ہی کہ موقع کی تاریکی سے دم گھٹنے لگتا ہی اور بجز اسکے کہ معلوم حالات سے نامعلوم حالات کے لیے قیاس سے مدد لیجائے اور کوئی دوسری صورت راستہ ٹٹولنے اور نتیجہ سمجھنے کی سمجھ مین نہین آتی۔ تاریخ کی بدنصیبی سے وہ مقامات ایسے نہین ہین جنپر بلا کافی غور کے گذر جانا مناسب حال اور واقعہ نگاری کے قرین انصاف ہو۔ اسکے ملزم ہم نہین ہین کہ کیون ہماری تاریخ پوری نہین ہی جو حکومت ہماری تاریخ پر قابض تھی۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ ہم اکثر مقامات پر لنگڑے لولے واقعات کو مسلم واقعات سمجھکر آگے بڑھنے پر مجبور ہونگے۔

ہم کیونکر بڑھینگے

وہ واقعات جو حسینؑ کے سمجھنے مین مدد دیتے اُنہین جہان متذکرہ صدر دشواریون کا سامنا ہو وہان متعصب مورخین کی ناانصافی اور غلط اندازی سے کم مقابلہ نہین ہی یا اسیطرح کی اور بعض حسد اور ذلیل نمایش تحقیق مین ڈبوئی ہوئی کوششین جنسے اتر زایل کرنے کی آمادگی ظاہر کیگئی۔

اکثر ایسے لوگون نے جنکے دوستدار حسینؑ ہونے مین ہمین کوئی شبہہ نہین اپنی پست درجہ عقل اور معلومات اور ناقہمانہ کوشش ترقی کے جوش مین ایسی ایسی کہانیان بھی کہی ہین جب سے اُنہون نے قصص الانبیا کی نیم تاریخی حیثیت کو اپنے درجے سے اور بھی گرادیا ہی اُنہون نے ایک نئی تالمود بنانی چاہی ہی اور یہہ سب غالبًا اسلیے کہ ملتے جلتے قصے حسینؑ کے واقعات بیان کرنے مین چاشنی پیدا کرینگے انکی قوت تخیل نے عادت الٰہی سے شہوکر کھانے کا کہین ارادہ ہی نہین کیا ہی ورنہ انہین اسکا خیال رہا ہی کہ ہم اپنے معلومین سے ایسی باتین تو نہین کہہ رہے ہین جو ان نفوس قدسی کے خصایل کے منافی ہو۔

قوت تخیل کا مصرف

بہرحال جو کچھہ دستیاب ہوا وہ بھی گذشتہ مشکلات کا خیال کرکے بڑی حد تک قابل تسکین ہی اگرچہ اکثر واقعات اور اشارات لفظ اور عبارت کی صداہت دیتی ہی لیکن اُسکی صدای بازگشت نہایت ہی عظیم ہی گو اکثر فقرات اور الفاظ نہایت مختصر ہین مگر وہ ہین وہ دیکھ کر معلوم ہونگے اور اپنی کا میابی کی تحریک سے تاریخ کی چادرون اور اُسکے تاریک مقامات کو روشن کرینگے یہہ پوری طرح سمجھ مین آجائیگا کہ یہہ چھوٹی سی لڑائی کی نسبت اکثر آزاد خاندانی تھی یا کل کا مجموعہ تھی حسینؑ سے لڑنے کیلئے یزید کے سپاہی اور افسر کس معنی مین آئے تھے اور بھیجے گئے تھے کیا دشمنان کے عام مفہوم مین اطاعت کرنے یا اس سے کچھ زیادہ تھا کس غرض کے لوگ بھیجے گئے تھے اور حسینؑ کے معین تھے بیشتر کس طبقے کے لوگ تھے جو یہہ سمجھتا یا سمجھتا کہ حق و باطل کا مجمع لڑ رہا تھا۔

آیندہ کے لیے قابل لحاظ باتین

میں اب تک بعض دشواریاں بیان کر رہا تھا جنکا تعلق کچھ تو زمانہ سے تھا جنمیں یہہ واقعات ہوئے کچھ مورخین کی قطع و برید یا تعصب سے اور کچھ تاریخ نویسی کے مذاق سے اب میں اسپر کسی حد تک نظر ڈالتا ہوں کہ واقعات کا بہ حیثیت موجودہ حسینؑ کے ہمدردوں نے ایسا جائزہ کیوں نہ لیا جو ایک زمانہ حال کی اشتہا کے موافق سوانح عمری کی صورت میں ہوتا۔

واقعات کا جائزہ کیوں نہ لیا گیا

یہہ تو سب جانتے ہیں کہ سنہ ۴ ہجرت کے شعبان کے مہینہ میں حسینؑ پیدا ہوئے اور یہہ کہ حسینؑ والدین کی طرف سے ہاشمی تھے اور کوئی مسلمان جس قوم کی تعداد اسوقت تک عالم میں تیس اور چالیس کروڑ کے درمیان ہے یا جو آج سے سنہ [illegible] ہجری تک ملت اسلام میں پیدا ہونے سے مشرف ہوئے ایسا نہیں ہے جو یہہ نہ جانتا ہو کہ انکے پدر بزرگوار مادر گرامی اور جد عالیمقدار کا نام کیا ہے یہہ علم ہر مسلمان جاہل اور عالم میں قدر مشترک ہے اور اسکے بعد بغیر کسی کوشش کے خاندان نبوت کے زیادہ ترتیبی سلسلہ کے لحاظ سے لوگوں میں ایک روحانی وقعت پیدا ہوتی ہے جسکے بعد وہ کسی تفتیش اور اضافہ معلومات کو اعتقاد کی موجودگی میں غیر ضروری سمجھکر اسطرح چپ ہو جاتے ہیں کہ حقیقتاً انکے سمجھنے اور انکے متعلق وہ معلومات حاصل کرنے کے خیال کی جس سے انکے سمجھنے میں مدد ملتی۔ صورت کیا معنے صورت کا معمولی سے معمولی خاکہ بھی کھنچنے نہیں پاتا اور خیال ہی اپنی جگہ وجود پذیر نہیں ہوتا تو اسکے ترجمان یعنی الفاظ ہی کیوں نہ پیدا ہوتے اور جب الفاظ نہ تھے تو کیونکر سمجھنے کوئی دفتر ہوتا اور ایک خیال کو دوسرے سے مدد ملسکتی۔ اور جب شرح نفس کے مؤلف نہ تھے تو اعتقاد کا وجود کیونکر ہوتا حسینؑ یا انکے ابائے طاہرین کے سمجھنے کی روش زیادہ تر ایسی تھی اور ہے جسطرح وہ بچہ جسکے منہ میں ابھی الفاظ نہیں ہیں کسی مٹھائی کو پہچانکر دوڑتا تو ضرور ہے لیکن نہ وہ اسکے فوائد سے واقف ہے اور نہ اسکے عناصر اور ساخت اور بنانے والے و بازار سے واقف ہے جہاں ملسکتی ہو۔ نہ یہہ جانتا ہے کہ اسے کیا کہیں اور اسکے متعلق کیا کہیں۔ ماں باپ کے ہاتھ دینے سے آشنا ضرور ہے کہ وہ صورت آشنا ہے اور لذت کا حس اسمیں پیدا ہو کر اسکی طرف اسکے تمام اعضا کو پھیر دیتا ہے۔ اس کا ہمکنا ساری گویائی ہے جو اسکی داستان شوق کہتی ہے۔

انکو سمجھنے کی فطری کوششیں کیوں نہ ہوئیں

اعتقاد کی کفایت نے آگے بڑھنے نہ دیا

اتفاق ہے کہ ہم حسینؑ کے نام سے وراثتاً واقف ہوتے آئے ہیں۔ ادب اور محبت کا ایک ورثہ ہے جو ہم تک پہونچا ہے لیکن ہم میں سے نناوے فیصدی تو یہہ بھی نہیں جانتے کہ ان نفوس قدسی سے اس اتفاقی وابستگی کو کیا کہیں اور یہہ سمجھنا تو بہت بہت دور ہے کہ ادب اور محبت نے ہمپر کیا کیا لازم ٹھہرایا ہے اور ہم کہاں تک بجا لائے

محبت کے فرائض

اپنے خیال مین انکے مناسب ادب اور محبت کے فرائض کی شناخت سے کمی کرتے ہین۔ اور ہمین یہہ بھی خیال نہین ہوتا کہ ہمنے کوئی خلاف ورزی بھی کی یا نہین۔ ہم کو احساس نہین ہو سکتا تہا جبتک کہ ہم اُنکو نہ پہچانتے۔ اُنکی صفات سے واقف نہ ہوتے اُنکے عمل اور طریقۂ عمل کی خوبیان سمجہانے کیلئے مناسب الفاظ نہ ہوتے۔ کہان سے ہوتے!

ضعف احساس کمی معرفت کی وجہ سے

دوسرا درجہ

اور بلند ہو اور اُنہین دیکہو جو حسینؑ اور واقعات سے واقف ہین۔ یہہ اپنے اظہار وفا مین سرشار ہین اُنہین حسینؑ کے نام کی محبت سچ مچ اثر خیز حالت تک ہے۔ اُنہین اُنکے واقعات کی تکرار مین ایک غیر فانی لطف ہے اور اُنکا تمام اظہار وفا اور اخلاص اپنی یہہ شرح کر سکتا ہے کہ ہم رسولؐ کی غدیہ اُمت کے اُس گرانقدر لحاظ اور اُس روش کا جسکا ترجمہ لا یرید منکم جزاءً ولا شکوراً سے ہوتا ہے شکورانہ جواب دی رہے ہین جو اُنکے آخری لحظہ تک اُنہین ہمارے متعلق فراموش نہین ہوا اور اسکے بعد وہ بھی کہو جاتے ہین۔

بلند تر درجہ

بلندترین درجہ اُنکا ہے جو قدیم نظام تعلیمی کے اعتبار سے ممتاز حیثیت رکہتے ہین۔ وہ واقعات حسینؑ سے نہ صرف واقف ہین بلکہ وہ تاریخ اسلام کی واقعہ دانی مین بھی کسی کمی کے مورد الزام نہین ہین۔ اُنکی تمام کوشش اس مصلحت کی پیروی ہے کہ ذکر حسینؑ حتی الوسع عام کیا جاے اور اُنکی غم انگیز حالت سے لوگون مین ہمدردی پیدا ہو۔ وہ اپنی تقاریر مین فلسفۂ اخلاق کے لطیف سے لطیف مضمون کو اُٹہا نہین رکہتے۔ وہ شجاعت۔ سخاوت۔ شرافت۔ ایثار نفس۔ زہد۔ تقوی۔ غرضکہ کل عمدہ صفات کی روایتین بیان کر جاتے ہین یہہ سب ممدوح ہے لیکن اُنکی مثال اُس سائنٹسٹ کی سی ہے جو گوشت خون اور ہڈی کے اجزا علحدہ علحدہ کر سکتا ہو لیکن روح نہ پیدا کر سکتا ہو۔ اور جو روح کے سمجہانے کیلئے ایسے خیالات سے ہمکتا ہو کہ ہمارے مادے اجزا کا انتہائی نشو روح ہے یا سمجہنے کیلئے چھوڑ دیتا ہے بلکہ جو اپنے قیاسات مین اس حد تک بھی نہ پہونچا ہو کہ ہماری مادی امتزاج کی ایک کیفیت کا نام روح ہے۔ سائنٹسٹ اپنے غلط یا صحیح قیاسات کے ساتھہ مسلسل کوشش کر رہا ہے دنیا ایک وجہ سے ہم حسینؑ کے نام کا ماہر [illegible] سمجہنے کی امید کرتے۔ اُنکی مقصودون کا راستہ تعارف علمی کی ترتیب نہین ہے اُنکی سی شکور ضرور ہے لیکن مسئلہ نفس کی تفسیر اور اُسکی خصوصیات کے صحیح تعارف کی کوشش پہونچنا نہین ہے تو اس سے باوجود ذکر کی تکرار کے یہہ امید دور ہے کہ ہم مین اُنکی تحریری معرفت سے وہ کیفیت پیدا ہو سکیگی جسے ہم معنوی دائرہ محبت کہہ سکین بلکہ اسکا نتیجہ محض یہہ ہوگا کہ ہم اُنکے دشمنونکو پہچانین اور اُنسے نفرت کرین

محض ذکر کی تکرار تمام تر مفید نہین ہے [illegible]

مجھے اسمین عذر نہین ہی کہ برائی کا پہچاننا اور اُس سے نفرت کرنا بھلائی کا پہلا قدم ہی لیکن شر سے محض نفرت خیر کیطرف کوئی عملی حرکت نہین ہی ۔ ہمنے اگر ایسا نہ کیا تو اچھا بھی نہ کیا یعنی وہ جنسے بہتر امر کی امید کیجاتی اُنھون نے ایک امر کے دو پہلو مین سے پست تر کو قبول او اپنا طرز عمل قرار دیا ایسا کرنا قبیح ہو یا نہو لیکن قابل تعریف نہین کہا جاسکتا ۔ یہہ اعرافی حالت زیادہ تر "توقف" کے نام سے پکاری جاسکتی ہی کسی تنہا شخص کا سوچنا مطلوبہ حد تک شاید مفید نہو لیکن غالباً یہہ سوچنا وقت بلکہ وقت سے بہت بعد کی بات ہو کہ آیا ہمین اپنی روش کو معکوس کر دینا مناسب ہی یا نہین یعنی ہماری کوششین زیادہ تر حسینؑ اور انکے آبائے طاہرین کے سمجھنے اور انکی صحیح محبت پیدا کرنے کیطرف راجع ہون بہ نسبت اسکے کہ ہماری غرض اولے انکے دشمنونسے نفرت پیدا کرنیکی ہو ۔ دشمنون کو تو موت اور نفرت نے ڈھانپ لیا لیکن ہماری غرض اور اصلی کوشش کو اس سے سیر ہو کر حسین اور انکے آبائے طاہرین کی صفات کے روشن کرنے سے غافل نہونا چاہیئے ۔ محض ذکر کرنا اور سننا نیند مین بات کرنے اور سننے سے شاید ہی بہتر ہو اگر وہ اعلی صفات ہمارے خصوصیات کا امتیاز نہ ہو سکین ۔ یا نہ کیجا سکین ۔ ہوے تو گرفتہ بود کافی نہین ہی جبتک خوے تو گرفت تک ترقی نہ کیجائے ۔ یہہ انکی ذات کے مناسب معرفت بغیر ممکن نہین ہی ۔ مین پسند کرتا ہون کہ آنریبل مسٹر جسٹس امیر علی نے اپنی تازہ تقریر مین مشرق کے (جس سے ہندی مسلمان مراد ہون) درستی خصائل کیلئے حسینؑ کا نام لینے کو ترجیح دی ہے ۔

گذشتہ غفلت کے اسباب مین زیادہ واضح قوم کی صفات قومی کے جہاس کی پست حالت کسی منتظم دفتر کی ناموجودگی ۔ تاریخ کا مناسب طریقہ سے عدم مطالعہ لکھنے اور کہنے والون کا خیال کی اُس حد ترقی پر نہ پہونچنا جو لوگونکے اعتقاد سے بلند ہوتی اور ایک تالیف حسنی کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ایسے لوگون کے اظہار خیال مین کمی جرأت جو کہنے کے شایان ہون لیکن اس طریقہ کو عوام کے بہیانک ہونے یا اعتقادی روش سے عقلی تفتیش تک پہونچنے تک مخدوش سمجھتے ہون یا انہین باوجود خیالات کی پختگی کے اظہار خیال کیلئے مناسب الفاظ کی کمی ہو ۔

مین اس سے کوئی تعرض نہین کرتا کہ ان نفوس قدسی کی معرفت حق معرفت تک ممکن نہین ہے مین کہہ رہا ہون کہ ہم یاسر حجر حبیب ابن مظاہر قنبر ابن سکیت وغیرہ بھی نہین ہین چہ جائیکہ اس سے زیادہ بلندی کا حوصلہ کرین لیکن جب مین ان وفا شعارون کا نام لے رہا ہون تو یہہ سمجھانے کی خواہش ہی کہ زمانہ گذشتہ موجودہ کے سمجھنے کا ایک مناسب ذریعہ ہی ۔ اسکے بعد یہہ سوچا جاسکتا ہی کہ

شر سے محض نفرت خیر کیطرف عملی حرکت نہیں ہے

مؤلف کا ایک خیال

ہماری خصوصیات کو انکی صفات سے ممتاز ہونا چاہیئے

غفلت کے اسباب

چند ناموں کے نام جو مرکز کی دلیل ہے

انہین کیا تہا جو ہم نہین ہین ؟

کیون یہہ لوگ ایسے تھے اور ہم کیون ایسے نہین ہین انہین کیا تہا جسکی ہم مین کمی ہی محض شاہد اگر انعکاس صفات کے مقابل ہوتا تو سب دیکہنے والے ایسے ہی ہوتے۔ یہہ اُنکی پسندیدگی میلان اور حالت جذب ہی تھی جسنے انہین وہ تو نہین بنایا جسمین جذب ہوئے تھے لیکن ایک ایسے نوع کی تخلیق ہوئی جو اپنے مرکز کا نشان بتاتی اور جو ہر طرح ایک امام کے پیچہے ماموم کہے جا سکتے۔ انہین سے ہر ایک بڑا عالم تہا لیکن عمدہ عمل کا عامل ضرور تہا اور صفات کی پسندیدگی نے اُسے آخر مین اُسکا خاصۂ طبعی قرار دیدیا تہا۔ ہم نہین جانتے کہ السلمان منی اہل البیت کی

اصول جذب اور وراثت صفات کی احادیث

حدیث اور کونسا اصول سمجہاتی ہی۔ یا اس روایت مین کہ "ہمارے دوست اُس مٹی سے بنے ہین جس سے ہم بنے ہین" طینت کی یکرنگی کیلئے کیسا حوصلہ دلایا گیا ہی۔ بلکہ انکے صفات کی وراثت اور اُسکے داشت کی عظیم ذمہ داری ہمارے حوالہ کیگئی ہی۔

بلند ہونے کے رشتے مذہب کی شائین

ہم ہندو نہین ہین جو یہہ کہین کہ "اہم برہما" (مین ہی برہما ہون) جو انا الحق کے قریب المعنی ہی نہ بدہ ہین جو یہ سمجہین کہ ہر شخص بودہ ہو سکتا ہی" ہم مسلمان ہین اور اسپر افتخار ہی کہ "یا ابن آدم اطعنی اجعلک مثلی" تینون بڑے مذاہب کے طرز بیان احتیاط اور انتخاب الفاظ کا موازنہ کرو اگر تمہین دلچسپی ہو اب کسنے ہمین حوصلہ کرنے سے منع کیا ہی۔

قانون ارتقا

لیکن حلوہ خوردن را روی باید شہنشاہ ہون یا نپولین دونون مین سے کوئی ہندوستان اور یورپ کا دفعتہ بادشاہ نہین بنگیا اور نہ کوئی انسان ہوش کے ابتدا سے بوت کرنے لگتا ہی نبی ہو یا اتفاقات کا کہلونا کوئی آدمی اُسے ضرور قانون ارتقا کے پیچہے چلنا ہوگا۔

ہم کیون نہین سمجہتے۔

حسینؑ ہون یا اُنکے آبای طاہرین ہم انہین نہین سمجہتے اسلیئے کہ ان نفوس قدسی کی سطح ہمسے بہت بلند ہی اور کوئی غیر مسلسل لنگری کوشش جو طبعی جس تفتیش کہی جا سکے اپنے لیئے دفعتہ راستہ تلاش کرنے مین گم ہو کر حیرت تہہری مین اپنی تسکین اور پیچہے راستہ ٹٹولنے کو اپنی تفتیش کی کامیابی سمجہتی ہی جنہین ایکمرتبہ نہین سوچا ہی کہ زندہ قومین بہ نسبت ہمارے حسینؑ کو بہتر سمجہ سکتی ہین۔

مورخ

ایسے مورخ ہون یا سوانح نویس جنہون نے واقعات کے کم و بیش فراہمی پر قناعت کی ہو اُنسے بہی یہہ امید نہیں کیجا سکتی کہ وہ اپنے فرائض کامل حد تک ادا کرچکے بلکہ اُنکا شکریہ اس حد تک لازم ہی کہ انہون نے واقعات کو ذائع ہونے سے بچا لیا اور بس یعنی سوئی چہوڑی کہ سوت کاتا اور کپڑا بنا جائے کہ وہ پہننے کے قابل ہو ورنہ محض نقالی اگر ہو مفید تھی تو آج نہین ہی۔ سنی ہوئی اور دیکہی سنائی باتون کا نقل دینا کافی نہین ہی بلکہ غور کرنا اور سمجہنا ہوگا کہ آیندہ دیکہنے کے قابل ہو سکے۔ غالباً وہ واقف نہ تھے کہ واقعات کی صف بندی اور نتائج

اب یورپ کے بعد کے فرائض

یکرنگ انتخاب۔ ملتے اور ایک دوسرے کو مدد دیتے ہوئے واقعات کی ترتیب اور ایک سبب کا کئی نتائج
پیدا کرسکنا اور کسی علت کے نتیجہ کے سمجھنے کیلئے محض متصل واقعہ سے میر نہ ہوجانا بلکہ نظر کو یہانتک بڑھاتے
جانا کہ آیندہ اُسکے متعلق مناسب مدد ملنے کی امید باقی نہ رہے۔ اور اس مجموعہ کو کسی منفرد واقعہ سے
سمجھنے کیلئے زیادہ موزون سمجھنا اُنکے نزدیک وقت کا مناسب مصرف اور کوشش کا قابل تعریف شغل
نہ تھا۔ یا کاملی تھی یا اُنکا خیال تاریخ نویسی اس حد تک نشو پذیر نہوا تھا۔ اُنہیں جہاں سے نہ تھا کہ ترتیب کے
تھوڑے پس و پیش یا پیش و پس اور ایسی پیش بینی یا پس بینی سے اُنکے واقعات میں زبان اور
مردہ سوانح مین جان پیدا ہوجاتی ہے۔ بے معنی حروف کی ترتیب اگر معنی دار لفظ پیدا کرسکتی ہے تو مناسب
خیالات اور فقرات کی ترتیب اور ترکیب سے کیونکر تاریک اور گونگے واقعات مین روشنی اور گویائی نہ پیدا ہوگی
زمانے نے محض مورخ کے قابل تعریف درجہ کو ویسا اعلی نہیں رکھا بلکہ بایولاجسٹ (علم روح جاننے والے) مورخ
کیلئے جگہ خالی کی ہے مورخ چاہیے جو کسی واقعہ کیلئے علت تلاش کرے اور اُسکے نشو سے ایک نتیجہ سمجھا سکے۔
مین صحیح تصفیہ کی دشواریوں سے واقف ہوں اور اسیلئے ہر شخص سے اسکی امید نہیں کرتا خصوصاً جبکہ غیر مبنی
بر عقل اعتقاد اور تعصب تہ بہ تہ اُنہیں ہوں۔ وہ کسیطرح کے کیوں نہوں۔

ایک لغات نویس کیلئے اگر شاعر سے مراد وہ ہے جو تقطیع کرسکتا ہو اور مصرع موزون کرسکتا ہو یا زمین کی سماء کی قلابے ملانے سے مطلب
ہو تو بڑہئی کو ہماری نگاہ مین اُسپر کہین ترجیح ہے لیکن اگر اس سے بلند تر مفہوم ہے اور شاعری سے فطرت
کے مصوری اور موزون واقعہ خوانی ہے اور شاعر وہ ہے جو چیزوں کے سینہ مین جھانک لیتا ہے تو ہم کو
اُس سے خاصہ نگاری کی امید کرنی چاہیے۔ صحیح ہے کہ اُسکی محدود زمین اسقدر کشادہ نہیں ہے کہ
محرکات طبعی کا نقشہ کھینچنے کیلئے لفظوں کا وسیع مصرف اُسکے اختیار کی چیز ہو۔ لیکن پھر بھی لفظوں کا مناسبات
اور مناسب لفظوں کا انتخاب اُسے بھی نثار کیطرح مدد دیسکتا ہے اور وہ کچھ دیر کیلئے قابل تعریف جذبات
کو اُبھار کر اُس سے زیادہ دیر پا اثر ڈالسکتا ہے جسقدر نثار دیر پا غور کے سامان مہیا کرسکتا ہے مین چاہتا کہ تلوار کی
ایسی تعریف کیطرح کہ "مردونکی ابرو اور سپاہی کی جان ہے" نفس انسانی کی تشریح کے متعلق بھی ایسے بہت سے
مصرع ملسکتے یا ایک شخص کی دو صورتین اور حالتین دکھانیکے لئے ایسے اشعار بکثرت ملتے کہ روز روشن
خواجہ ہر شب مرد شام تار سے خادم ہر سوزن داد بہ چمن ہو واقعہ ہو تا اُسکے لطف کو پائداری بخشتا ہے
یا بیگانگی کا ایک حسن ہوتا کہ اسی شعر مین گویا کہنے والے نے اپنے ممدوح کو الٹ پلٹ کر دیکھا ہے

ترتیب پیش پس سے زبان پیدا کرتی ہے۔

شاعری اور خاصہ نگاری

اور جو کچھ کہا ہی سمجھکر کہا ہی اسطرح نہین کہا ہی کہ جو کچھ کہا ہی اُسے خود نہین سمجھا ہی۔

بے توجہی کا نتیجہ

میری غرض ان تمام متذکرہ صدر ریمارک سے یہہ ہی کہ اگر ایسے بزرگ افراد عالم جو احسن تقویم انسان کی ہدایت کے نشان ہین اپنے حالات مین زمانہ کی بے توجہی۔ غور کی کمی اور ایسی روش بیان کے حوالے ہے جو انکی اصلیت سے سمجھانے کے منافی ہی تو ہمنے خداوند تعالی کے ایک عظیم احسان سے فائدہ نہ اوٹھایا۔ بھٹکے ہونیکے مرکز کی تحقیر کی جس سے مرکز کا کوئی نقصان نہین ہی نقصان تمہارا ہی جسے ہر گرمی موم کی طرح پگھلاتی رہیگی بغیر اسکے کہ اسمین ریڑھ کی ہڈی ہو۔

ان نفوس قدسی اور گذشتہ انبیا اور رشیاؤں کا فرق

میرا تشیح اور رنج اسوجہ سے بھی ہی کہ خدا کے یہہ ممتاز بندے زمانہ قدیم کے اُن انبیا کے ایسے نہ تھے جنکے سمجھنے کیلئے معمولی واقعات بھی نہین ہین اور اگر اُنکے بچے بچائے مقلدین کو کچھہ ورثہ مین ملے ہین تو وہ نہ تاریخی حیثیت سے پورے اعتبار کے شایان ہین اور نہ اُنسے بجز کسی خاص طرز عمل کے کسی انسان کے ہر شان طبیعت کیطرح کی مثالین ملتی ہین میرے اس کہنے کیلئے توریت اور انجیل مثال مین پیش ہی۔ نہ وہ اُن رشیون کے ایسے تھے جو تاریک اور ناقابل قیاس کہانیون مین آلودہ ہون جس حیثیت مین مین رومیون۔ یونانیون اور مصریون کی کہانیون کو بھی شامل کرتا ہون۔ نہ اونہون نے اپنے زمانہ مین اور نہ اپنے بعد کیلئے مخلوقات الٰہی کو اس توہم مین گرفتار ہونیکی وجہ چھوڑی کہ وہ اُنکی عبدیت مین مشتبہ ہو جائین۔ نہ وہ پہاڑونکی چوٹیون سے بات کرتے تھے اور نہ دوسرون کی کمائی کا شوربا روٹی کہاتے تھے بلکہ وہ سختی سے ایک متمدن انسان کی روزمرہ کے دستور العمل کی خود مثال دیتے تھے شریفانہ زندگی سکہاتے تھے۔ وہ انسانی قوتون کو سمجھتے تھے اور اُسکے موافق حکم کرتے تھے ایسا حکم جسکے حسن عقل کو تسکین ہو۔ وہ صبح اور شام سمجھانے اور اُسکے فرائض بتانے کیلئے خلق کئے گئے تھے اور باوجود ان واضح باتون کے جو اُنکی تعلیم اور اُنکے طرز عمل سے ظاہر ہین ہم فائدہ نہین اوٹھاتے چہ جائیکہ ہم اس لحاظ سے انکی عالمگیر تعلیم کو اپنے علاوہ بھی لوگون کو دکھانیکی کوشش کرین

ہمارا خطرناک انتظار

بلکہ اسکا انتظار کرتے ہین کہ ہمارے مقتداؤنکے حالات ہمین غیر مسلمین کے قلم زبان سے ملین! اور ایسے ہمارے بچے اور نوخیز جنہین زمانہ نے اسقدر وقت نہین دیا تھا کہ وہ گھر کی بات پہلے گھر سے جانتے اگر یہہ صحیح ہی تو ہر لائق فاضل ضرور زمانہ کے رنگ کی عدم شناسائی کیلئے مورد الزام ہین لیکن نوتعلیم یافتہ انہون نے باوجود زمانہ شناسی کے خود کچھہ کیون نکیا۔ قابل افسوس لاپروائی یا حیرت خیز [illegible]

زبان

صحیح ہی کہ وہ جنہین یورپ کی ترقی یافتہ زبانون اور اُنکے خوبصورت محاورات

لطیف معنی خیز اور وسیع البیان الفاظ اور فقرات کا چسکہ پڑ گیا ہو اُنہیں اپنی مادری زبان ایک بے مزہ
ہی معلوم ہوتی ہو اور اسلیئے نہ وہ اپنی زبان کو اپنے وسیع خیال کا حیز سمجھتے ہین اور نہ اُسکی کسی تصنیف
کے مطالعہ سے اپنا وقت خراب کرتے ہین لیکن سوال ہی کہ اسپرٹ آف اسلام ہی کی ایسی کتاب لکھی
گئین جس سے اُردو نہ پڑھنے والون کو تسکین ہو سکتی اور سوال ہی کہ جب تعلیم اسقدر گران قیمت
ہوتی جاتی ہی تو کیا یہہ روپیہ اور وقت کے مفید کفایت نہین ہی کہ ہم اپنی زبان کا علمی ذخیرہ مہیا
کرکے واقفیت کا نسبتاً آسان ذریعہ چھوڑین؟ مین سوچتا ہون کہ نئی روش سے متاثر لوگون کو
اپنی زبان اور اُسکے ذخیرہ کی فراہمی کا زیادہ احساس ہونا چاہیئے خصوصاً جبکہ اتفاقات بھی
ایسا چاہتے ہون اور وہ قومی حیثیت کی تعلیم کا ایک اہم ترین مسئلہ ہو گیا ہو۔
متذکرہ صدر بے موقع یا باموقع متعلق یا غیر متعلق اظہار خیال اور اُسکی گرمی کی مخلصانہ
معذرت کرتا ہون اور مجھے امید معافی ہے لیکن غور کی التجا سے باز نہ آؤنگا۔

حسینؑ کے متعلق بعض اور غور طلب باتین

علاوہ اُن باتونکے جو کہی گئین حسینؑ کے اس زمانۂ حیات کو جو ہجرت مدینہ سے ورود کربلا تک ہی بعض نہایت غور
طلب مسائل سے تعلق ہی مثلاً آیا حسینؑ کی روش نزاعی تھی یا دفاعی آیا حسینؑ نے عقل کو جذبات کا تابع
کر دیا۔ آیا مسلم بن عقیل کی کوئی اطلاع حسینؑ تک پہونچی جسمین وہ حسینؑ کو حکومت کرنیکیلئے طلب کر رہے تھے آیا
اُسوقت بھی حسینؑ کا روانہ ہونا امید خلافت سے تھا۔ آیا حسینؑ نے جو کچھ کیا اُنکا عمل برادر مظلوم کی مخالفت تھی

قضا و قدر

ایک اور پہلو مفید توجہ کا محتاج ہی اور وہ یہہ ہی کہ قضا و قدر مین غلو کی مصلحت پر حاکم کردہ نے
کیون زور دیا۔ آیا یہہ موجدین مصلحت کیلئے مفید ثابت ہوا اسنے عامہ ناس پر کیا اثر کیا۔

سبب اور نتیجہ کا بعد زمان و درمیانی شکستگی نہین ہی

میری کتاب کا کوئی بیقرار ناظر یہہ چاہیگا کہ اسباب شہادت حسینؑ کا نتیجہ ویسا سریع کیون نہ ہوا جیسا لکڑی مارنے
اور سر پھٹنے مین ہوتا ہی۔ اور وہ سبب اور نتیجہ مین کسیقدر بعد زمان کو درمیانی شکستگی سمجھنے لگے گا لیکن اُسے
غور کرنا ہوگا کہ سر پھٹنا اگرچہ لکڑی سر پر پڑنے کا نتیجہ تھا لیکن سبب کا نتیجہ پیدا کرنیکے قابل نشو ہونا کوئی فوری
کام تھا بلکہ وہ خود ایک ارادہ تربیت اور عمل کا تابع تھا یعنی "لکڑی پڑنے" والا سبب خود محتاج نمو تھا۔
بیج اگرچہ پھل کا سبب ہے لیکن بیج پڑتے ہی پھل نہین نکل آتا بلکہ بیج کے پھل لانے تک مختلف تغیرات اور
مدارج نمو طی ہوتے ہین جسکے بعد پھل یا نتیجہ ہوتا ہے۔
اسیطرح ہو فقرون مین خلاصتہً اپنا پہلا ہی کا یا کسی تائیدی اشارے کو پکار لیکر اصلاح نا ہی گا کہ

گویا صرف وہی مطلق ثبوت ہی اور جب وہ ناپ دین کم پائیگا جیسا ہونا چاہیئے تو وہ پیمانے اور چند دونون کو دے ماریگا بغیر یہہ سوچے ہوئے کہ اُسنے مقدار و جسامت کے موافق پیمانے کے انتخاب مین تمیز کا کسیقدر وسیع مصرف گوارا کیا ہی۔ اُسنے مطلق یہہ تکلیف نہ اُٹھائی ہوگی کہ سمجھانیوالے کے اسقدر ساتھہ چلتا کہ اُسے ایک جنس کی چیزین سمجھہ مین آجاتین اور اسکے بعد وہ کل کو تولتا نتیجہ کے سمجھنے مین جزئی باتون سے مدد لینا اور اُنہین کافی سمجھنا اکثر انسانی تجربہ مین غلطی کا باعث بلکہ مُضر ثابت ہوا ہی۔

جزئی باتون کا کافی سمجھنا غلطی کا باعث ہوتا ہے

دو دہارے

میرے لیئے یہہ آسان نہین ہی کہ ان عظیم الشان تغیرات کو جنے بعض کو ایکقوم مین سے اپنے جوش مخالفت مین اسقدر پختہ کر دیا کہ وہ اپنے نبی کے نواسہ کو قتل کر سکین مختصر لفظون مین بیان کر دون اور نہ کیسے ہی وسیع اور منتخب لفظون مین یہہ گنجایش ہی کہ حسین کے اُس جوش حمایت کو جو اُنمین اپنی وجہ کیلیئے تہا اسطرح ادا کر دے کہ پھر وہ شرح کے محتاج نہ رہین۔ بلکہ وضاحت ممکن نہین جبتک یہہ نہ سمجھا یا جائے کہ وہ ایک دوسرے کے مخالف دہارے بڑے جوش و خروش سے بہہ رہے تھے اسکے بعد اُنکی ابتدا و وسعت کے اسباب اُنکے عناصر ترکیب خاصیت حرکت اور سرعت پر غور کیا جائے اور پھر اسکے بعد دیکھا جائے کہ اس حالت تک پہونچنے مین ان دونون دہارونکی نمود اور کوئی صورت بجز اُس نتیجہ کے پیدا کر سکتی تہی یا نہین۔ آیا اسباب ایسے تھے یا نہ تھے جنسے کسی دوسرے نتیجہ پیدا کرنیکا ارادہ پایا جاتا ہو۔

ایسے اسباب جنمین کسی دوسرے نتیجہ کے پیدا کرنیکا ارادہ نہ تہا۔

ہو سکتا ہی کہ حسین کے مخالف دہارے کو شخص کی تجویز کا ادراک نہو اور حسین تک پہونچتے پہونچتے ہر شخص دیکھنے لگا ہو کہ مخالفت کا ہیبت خیز طوفان حسین پر چلا چاہتا ہی لیکن یہہ نہین کہا جا سکتا کہ خاندان معلوم نہ تہا یہہ بہت دن پیشتر سے معلوم تہا جس حال رسول کی سہل کا نبی اُن کی ستر برس غلامی اور اسیری کی پیشین گوئی کر سکتا تہا۔

میرا یہہ کہنا ایک مورخ کی نظر سے ہی جو صرف واقعات تاریخی کی نمود سے بحث کر رہا ہی لیکن اگر حسین اُن احادیث کا جزو مرکب کر دیا جائے جو رسول کی زبانی حسین کی شہادت کی پیشین گوئی کے متعلق ملتی ہین اور جنکا کتب اسلامی مین کافی ذخیرہ ہی (دیکھو سر الشہادتین وغیرہ) تو اسقدر فقرہ اور بڑہانیکی ضرورت ہوگی کہ لیکن یہہ نہ تہا کہ شخص کا کسی کو ادراک نہ ہو" خواب کے بعد یہہ دوسری بات ہے جسکا وعدہ کیا گیا ہے۔

پیشین گوئی اور شخص

پیشین گوئی کے اس حصہ کے سمجھنے مین دشواری کا خیال نہین کیا جا سکتا کہ مخالفت کا طوفان

مدبرانہ پیشینگوئی سے بلند تر

خاندان رسالت کے کسی فرد پر چلنے کا سیاسی تیز دیکھنے والی نگاہونکی تاریخ مین ایسی پیشین گوئی شاذ ہوتی لیکن شخص کا اُسوقت تجویز کیا جانا جسوقت اُسکے ساتھہ کسیطرح کی مخالفت کا خیال بھی نہین ہوسکتا تہا مدبرانہ پیشین گوئی سے کچہہ زیادہ ہے۔

تین صورتین

میرے والنست مین اسکے حل کرنیکی صرف تین صورتین ہین۔ اول یہہ کہ حسینؑ کی تجویز شہادت کی پیشین گوئی کی جسقدر احادیث ہین وہ قطعی انکار سے ذبح کردیجائین۔ دوئم یہہ کہ یہہ پیشینگوئی صحیح واقعہ مین مانی سیاسی نگاہ کے ذریعہ سے سمجھی جائے۔ سیوم یہہ کہ وہ اس سے بالاتر ذریعہ سے سمجھی جائے۔ وہ الہام ہو وحی ہو یا باختلاف نام اسی مفہوم کے کسی وسیلہ سے۔

پیشینگوئیونکا ذخیرہ تاریخی شہادت کی حیثیت رکہتا ہے۔

پہلی صورت یعنی پیشین گوئی کی احادیث اسقدر مسلسل اور متواتر اور اس فطری شان اور موقع سے بیان کیگئی ہین کہ اب وہ ایک تاریخی شہادت ہین اور بجز اس صورت کے کہ جب تک اُنکے غلط اور وضعی ہونیکے قرین عقل اور مویدبہ تاریخ وجوہات نہ بیان کیئے جائین اس حیثیت سے ماننے والونکے نزدیک ایک بے انصافانہ اور بیجا سا نہ انکار سمجھا جائیگا۔ اُنکی صحت مین اشتباہ نہ ہونیکے قراین اس سے قوت پاتے ہین کہ حسینؑ کے مخالفین نے کبھی اُنکے وضعی ہونیکا الزام نہین دیا۔ مزید قوت اس سے ہوتی ہے کہ یہہ احادیث مختلف مواقع پر مختلف لوگون کے زبانی بیان کیگئی ہین اور حسینؑ نے بھی اسے ایک سے زیادہ مواقع پر سُنا اُسکی تصدیق کی اور تصدیق کرائی۔

دوسری صورت یہہ ہے کہ اگر کوئی مورخ اسے اعتقادی حیثیت سے قبول نہ کرے اور اسے رسول کی سیاسی دوربین نگاہ کا نتیجہ سمجھے تو اُسے بجز اسکے کہ پانچ چھہ برس کی عمر مین حسینؑ کے شجاعانہ آثار طبیعت اور بعض طبیعتون کے انقلاب خیز احساس کو اس پیشین گوئی کا ماخذ قرار دینا پڑے اور کوئی صورت مشکل سے ملیگی لیکن یہہ وجہ تسکین کے قابل دراز نہین ہے تیسری صورت یہہ ہے کہ یہہ پیشین گوئی تاریخی حیثیت سے ناقابل تنسیخ ہے۔ حسین ایک مسلسل ہیجان عداوت کا نتیجہ۔ جو دو فریق مین پیشتر سے چلا آرہا تہا اور مختلف وجوہات اُسمین شدت پیدا کرتی جاتے تھے کسی خاص شخص کیلئے تجویز کیگیا ہے لیکن یہہ پیشین گوئی اُسوقت کیگئی ہے جسوقت پیشینگوئی از نیولے اور خود اُسکے ذریعہ سے ملکی حیثیت سے حسینؑ کا موقع بہ نسبت مخالف گروہ کے نہایت قوی تہا

تعیین زمان اور تجویز شخص کا معجزہ

اور قیاس اسکا مقتضی تہا کہ حسین اسقدر کمزور ہوجائینگے کہ آنہین فریق مخالف سے یہہ تکلیفین
پہنچینگی - اس لحاظ سے تعیین زمان اور تجویز شخص کا یہہ ایک ایسا معجزہ تہا جو موقع اور طبیعت شناسی
سے کسی قدر بالاتر ذریعہ سے تہا۔

قیاس کی دشواری

تجویز شخص اور تعیین زمان مین سیاسی حیثیت سے پیشین گوئی کا اقتضاء نہ ہونا اسوجہ سے بھی ہے
کہ یہہ پیشین گوئی حسین کے مخالف گروہ نے نہین کی تہی جس سے یہہ قیاس آسان ہوتا کہ دشمنون نے
حسین کو اپنی خلاف انسانیت عداوت کیلئے مختص کرلیا ہی - بلکہ یہہ محض اُسکی زبان سے تہی جسکا کاندہا
خود حسین علیہ السلام کو سب سے زیادہ پسند تہا - یہہ پیشین گوئی اگر رسول کے آخری زمانہ حیات مین حسین ع کے
پدر بزرگوار کے متعلق ہوتی (جیسی ایک حیثیت کی ہے) تو اُسکے متعلق سیاسی نگاہ کے قبول
کرنے مین زیادہ دشواری نہ تہی - حسین کے متعلق پیشین گوئی جسقدر عجب انگیز ہے - بنی اُمیہ کے
متعلق آخری ٹکڑیون مین خود حسین کی پیشین گوئی ویسی ہی حیرت خیز ہے جسمین وہ بنی امیہ
کو اُنکے عین عروج مین آپس کی جنگ سے تباہی کی خبر دے رہے ہین - اگرچہ یہہ آخرالذکر
پیشین گوئی صاف بین سیاسی نگاہ کے اندازہ کے اندر آسکتی ہی۔

اس کتاب کے موضوع

بعض کی نگاہ مین مینے مقدمہ مین غیر مفید وقت صرف کیا ہوگا اور خواہ مخواہ ایسے موضوعات
مین اُلجھا ہون گا جسکی ضرورت اُسکی نگاہ مین نہ ہوگی لیکن مین صاف دیکھہ رہا ہون کہ وہ وقت
زیادہ دور نہین ہی جب اسکا زیادہ احساس کیا جائے گا کہ اگرچہ واقعات کی طبعی اور فطری حیثیت
تفتیش کی کوشش کیگئی لیکن کوشش اس سے زیادہ وسیع چاہیئے تہی - وہ زمانہ
ہوگا جس سے حقیقتاً میرے اس بنیاد ڈالنے کی امیدین وابستہ ہین جو الکرار کے بعد اُس
سلسلہ مین جسکی ترتیب کی باوجود کمی اسباب کے کرسے ہے تعداد مین دوسری ہی۔

جذبات کا منصب

مین نہین جانتا کہ میری اس تحریر سے ضروری مقامات اور اُنکی شان کے مناسب ناظر کے
دلمین غم، غصہ، نفرت، حقارت، ہمدردی، جوش، اور پسندیدگی کا عالم پیدا ہوگا یا نہین
لیکن یہہ یاد رہے کہ غم غصہ نفرت اور حقارت کے جذبات کا پیدا ہونا میری خواہش سے
وہین تک موافق ہوگا جہانتک یہہ اس کام آسکین کہ ان جذبات کے پیدا کرنے والی چیزون سے
تنفر یا اجتناب کا نامہ کشی کیجا سکے جو اُنکی بدقسمتی اور اسلیئے رفع فساد ہو لیکن اگر یہہ جذبات ان

اشتعال ہی کے باعث ہوں جنکا قطعاً پیدا نہ ہونا زیادہ مفید ہوتا تو مجھے شخص کے اس اہم جز کے برے
ہونے پر تاسف ہوگا۔ جذبات اس حد تک قابل تعریف ہیں جب تک انپر عقل اور احتیاط کی نگاہ رہے
نہیں۔ واقعہ تاریخی اور انپر جتنی انوسیع قربت سے نظر کرنے کی کوشش حسین ع کے سمجھنے کیلئے ہے ذکر
حسین کے واقعات ناموافقت خیال کا کوئی ذخیرہ فراہم کرنے کیلئے اسے کاش میں بھی واقعات کو
ترک کر سکتا جنکے خوشگوار ہونے ہیں آتی۔ ایسا کرنا اپنی غرض کی نفی ہوتی کہ ایک وقت میں کسی کی سوانح
نویسی کا دعوی کرتا اور پھر ان اسباب سے چشم پوشی بھی کرتا جو اسکے واقعات پر موثر تھے

مولف کا اعلان برارت

میرا موقع اس طالب علم کا سا ہے جسے مدرسہ جراحی میں علم تشریح سیکھنے کیلئے لاش چیرنی پڑتی
ہے میں ان لوگوں سے برارت کا اعلان کرتا ہوں جو اس کتاب کو بجائے سمجھنے کے ذریعہ کج
بحثیوں کا آلہ بنانے کی کوشش کریں۔

مصلحت سکوت کی صحت غرض سے انکار

ہو سکتا ہے کہ عام فرق اسلامیہ میں سے کسی کو یہ شکایت ہو کہ میں بھی حسین ع کے متعلق ویسے ہی سکوت
آموز مصلحت کیوں نہیں اختیار کرتا جسکا گذشتہ اوراق میں اشارہ کیا گیا مجھے افسوس ہے کہ میں
اس مصلحت کی صحت غرض کا منکر ہوں۔ میں اسے حسین ع کے ساتھ بے رحمی اور نا انصافی اور
عالم کے اس فطری اصول سے اعراض سمجھتا ہوں کہ اچھا اور برا اپنی معلومہ حیثیت کے اعتبار
سے ویسا نہ سمجھا جائے جیسا وہ ہے۔ میں اس خاموشی پسند مصلحت کو مسلمانوں کے صفات
قومی کا سب سے بڑا تباہ کن ذریعہ سمجھتا ہوں اگرچہ کسی کے نزدیک مجھے ایسا سمجھنے کا کوئی حق
نہو میں کیسے خوشی سے ایسا ہو جاؤں جسے واقعات دیکھنے کی جرأت نہیں ہے۔ واقعات لیسے
سے خوف کرنا نہ واقعات کو چھپادے گا اور نہ خوف کو۔ کون اسکا قائل ہوگا کہ حباب پر فولاد
منڈھنے سے حباب مضبوط ہو جائے گا۔ یا آگ لگی ہوئی دیکھکر آنکھ بند کر لینا "آگ لگے ہوتے"
کے واقعہ اور اسکے نتائج کو معدوم کر دے گا بلکہ محفوظ تدبیر یہ ہوگی کہ ہم آگ لگنے کے اسباب سمجھیں
جو آئندہ آگ لگنے کے مواقع کو دور کر دے گا اور گذشتہ آتشزدگی کے برے نتائج کی مکافات کرے گا۔
میں واقف ہوں کہ مجھے بعض ایسے واقعات سے سابقہ ہے جنکی طینت انکے ذکر کے وقت اعتدال سے
ہٹا دیتی ہے لیکن میں اسکی ہر حالت میں احتیاط کروں گا کہ گرم کیا معنی شستہ گرم الفاظ بھی میرے قلم
سے نہ نکلیں نہ مناسب ہے کہ کسی مورخ کا قلم شعلے کی بڑھی ہوئی چھری نہ ہو میں اسکی کامل احتیاط

نظام تحریر

اس وقت ... حقیقت پر کتاب کا نام اور اُسکی عبارت یا لفظی ترجمہ پیش کرون اور واقعات اور روایت کو نقل کر
... مضمون ابواب مین مین پہلے واقعات ترتیب دیجاوینگے اور خود کچھہ کہنے کیلئے دوسرا
باب ... علیحدہ اسطرح کہ واقعات اور میری شرح مین فرق کیا جاسکے اس کو کسی حد تک علامات ہونگی
لیکن واقعہ سمجھنا اور ہر شخص کو از خود رائے قایم کرنیکی بہ ایماندارانہ ترتیب ہوگی۔

موجودہ روش تحریر کے لحاظ سے مجھے واقعات کو تفصیل اور ترتیب سے نہ لکھنا چاہیئے تھا بلکہ محض شرح اور اشارے
کرتے جانا کافی تھا۔ یہہ مینے اسلئے نہین کیا کہ ہماری عام قومی تعلیمی حالت ایسی نہین ہے کہ محض اشارون سے
کام چلسکے خصوصاً جس زمانہ مین اپنا مذہبی میلان ظاہر کرنا تہذیب کے خلاف سمجھا جاتا ہو!

خدا کرے پڑہنا چاہنے والے کیلئے میری تحریر میرے اظہار خیال مین شبہہ نہ پیدا کرے۔ اسکے بعد یہہ بھی
کہتا ہون کہ یہہ کتاب اُنکے لیے ہی جنہین اپنے اوپر اسقدر اعتبار ہے کہ "یہہ دیکھو کہ کیا کہا یہہ نہ دیکھو کہ کس نے
کہا" پر عمل کرسکتے ہین۔ مین تہوڑے صبر اور غور کا ملتجی ہون۔ اور سب کے آخر مین :-

تاج سر من خاک کف پاے کیست   کو چشم مرا بہ عیب من بینا کرد

خاکسار
ریاض

علامات جو ہم کام مین لائے ہین

! مخاطبہ یا تعجب۔ یا اظہار تاسف۔
؟ استفہام۔
— یا جملہ ختم ہوگیا یا آخری لفظ کا سلسلہ دوبارہ اسی نشان کے پہلے لفظ سے ہوگا۔
.... اسکا منشا ہے کہ کچھہ عبارت غیر متعلق سمجھ کر حذف کی گئی۔
" " اس نشان کے اندر کی عبارت خاص اُس شخص کی ہوگی جسکا تذکرہ کیا گیا۔
:- ذکر کیجانے والی عبارت کا اسکے بعد آغاز ہوتا ہے۔
( ) خطوط ہلالی کے اندر کی عبارت اُسکے پہلے کے لفظ کی کسی شرح کیلئے ہے۔

باب اول

ولادت حسینؑ کے قبل سے رحلت رسولؐ تک

(رسولؐ کی تعمیرانہ مصلحت)

غار حرا کا طالع العلم

مشیت ایزدی اسکی متقضی ہوئی کہ غار حرا کا طالع العلم دنیائے گذشتہ کا مصلح اور آئندہ کا رہنما ہو مصلح بنا ہو رہنما ہوا۔ اسکے سمجھنے کیلئے مذاہب گذشتہ کی کتب مقدسہ اُن مذاہب کے بانیوںؑ کی ذات اسکے اثرانکی عقل کامیابی اور افعال پر نظر کرنا اور اسکے بعد بے تعصبی سے اسلام اور شارع اسلام کی ان کل باتونکو دیکھنا صحیح فیصلہ سے دور نہ رکھیگا۔

اس کتاب کا بحث اس غرض سے بہت دور ہے جسمین متذکرہ صدر مقابلہ کی گنجائش ہو مجھے اس جگہ جو کچھ کہنا ہو وہ صرف اسقدر ہے کہ اگرچہ اُس زمانہ تک جہان تک تاریخی نگاہ جاسکتی ہے اسکے آثار ہین کہ قومون مین ہادی پیدا ہوئے اور انہون نے چاہا کوششین کین۔ بلکہ اکثر اپنے جوش ہدایت مین جانین دین لیکن جسوقت نبی عربی مبعوث ہوئے اُسوقت

ہادی عالم کی بعثت کیوقت مذاہب کی حالت

مشہور مذاہب کی ایسی قابل تاسف حالت تھی جو ایک ہادی کی ضرورت بتار ہی تھی علاوہ ضرورت اس امر کی تھی کہ اُسکے اصول ایسے عالمگیر ایسے معتدل اور اس درجہ کمال عقلی کے مظہر ہون کہ لوگ جو بیشتر کسی مذہب کے پیرو ہون اور وہ اپنی تباہ شدہ حالت پر غور کرکے کسی نئے سرپرست نقیب اور ہادی کی مدد لینا چاہتے ہون اُنہین اس نقیب کی نقابت قبول کرنے مین کوئی ضعف عذر نہو وہ یہہ نہ سمجھین کہ یہہ کوئی ایسی بات کہہ رہا ہے جو پہلے کی عمدہ باتون سے مغائیرت ہے اسکا حکم نہ محض جنٹائیلس کے لیئے ہو نہ یہود کیلئے اور نہ وہ کسی ایسے نوع کا نقیب ہو جسکی تعریف بجائے مذہب کے جغرافی حدود کا سبق دیتی ہو۔ بلکہ خدا کی پیدا کی ہوئی تمام انسان اور عالم کے لیئے ہو۔

ایک نبی کا دوسرے نبی کے بعد مبعوث ہونا یہہ معنی نہین رکھتا کہ وہ گذشتہ انبیا کی تعلیم کو تفنا

ایک نبی کے بعد دوسرے کی کیون ضرورت ہوئی

انسان [blot] کیلئے آیا ہو نہ وہ اسلئے آیا ہو کہ اُسے کچھ ایسے اصول اخلاق اور نیکیان سکہائی ہین جو پیشتر نہ
سکہائی گئی تہین - نہین - ایسی نیکیان ہر زمانہ مین نیکیان تہین اور یہی اُنکی نیکی ہونے کا بہترین ثبوت ہے جسکی
ضرورت ایک نبی کے بعد دوسرے کو ہوتی ہے وہ یہہ ہے کہ جس طرح زمانہ گذرتا جاتا ہے وہ جو بات انبیا کی
احکام مین پیدا ہو جاتی ہے اُسے متنبہ کرے بہول ہوئی باتون کو یاد دلاوے اور اُنہین اسطرح سکہاوے
کہ اُنپر اُسکے جوش اور اُسکی سچائی کا اثر ہو - ہدایت پائے ہوئے ہدایت کرنیوالے کے پیرو معلوم ہون اور
وہ غرض پوری ہو جو اُسکی بعثت سے ہو سکتی تہی - بلاشبہہ نبی کی اُسوقت بعثت ہوتی ہے جب اُسکی خاص
ضرورت ہوتی ہے وہ اُسوقت کے خیال کے ساتہہ پیدا ہوتا ہے وہ اُسوقت کی جماعت کیطرح پیدا ہوتا ہے
لیکن ایسا کہ اپنے زمانہ کے لوگون کو اپنی باتین سمجہا سکے ورنہ اگر درجہ عقلی مین اُن لوگون سے کم ہو جنہین
وہ سمجہانے آیا ہے تو حقیقتاً نہ وہ سمجہا سکتا ہے اور نہ لوگ سمجہہ سکتے ہین - اسلئے معیار نبوت مین بظاہر جو
چیز سب سے زیادہ ضروری معلوم ہوتی ہے وہ اپنے زمانہ - اپنے گروہ یا اپنے مخصوص نقطۂ
ہدایت مین اُسکی ترقی عقلی اور اخلاقی عظمت ہے -

ضروری معیار

تجدید کی ضرورت

اگر خداوند تعالے اس بات کا التزام فرماتا کہ ایک ایسے زمانہ مین جو ابتدائے آفرینش فرض کر لیا
جائے اُنہین ایسا کامل دین اور اصول ہدایت سکہایا جائے جسمین ہو لا کوئی ترمیم یا تنسیخ یا
تجدید نہ ہو سکے تو یہہ ایسے زمانہ کو ایسی باتین سکہائی ہین جسوقت کا دماغ اپنی فطری ترقی
و نشو و نما مین اُس حد تک نہین ہونچا ہے جسمین وہ ایک اعلی ترقی پائے ہوئے زمانہ کے
اصول کا متحمل ہو سکے - وہ جسنے نامکمل چیز نہین دیکہی ہے وہ مکمل کی شایان قدر نہین کر سکتا
اس حالت مین اگرچہ اصول قطعاً مکمل ہے لیکن اس لحاظ سے کہ وہ زمانہ کے موافق نہین ہے
عین نامکمل سمجہا جائیگا اسلئے کہ اُسکی تکمیل کس کام کی جب وہ اتنی بہی ہدایت نہ کر سکا جو کم سے
کم درجۂ تکمیل [illegible] زمانہ کے موافق سے ہوتی - مثالاً اگر افریقہ کے اُس خطہ مین جہان کوئی طریقہ حکومت
نہین ہے اور طوائف الملوکی کے بہی خوگر نہین ہین اگر دفعتہً یورپ کی انتہائی ملی یا شخصی حکومت
جاری کیجائے تو یقیناً ایسی حکومت اور رعایا دونون کی انتہائی بدنصیبی ہے بجائے کسی اور بحث
کے ہم مسلمانون کا ہدایت نامہ اسے ان مختصر لفظون مین کہ "تلک الرسل فضلنا بعضہم علے
بعض" طے کر دیتا ہے - آخر اُنہین کس چیز نے ذات عمل اور اصول کے اور کس چیز سے فضیلت ہو سکتی

انبیا کی ایک دوسرے پر فضیلت

تھی ضرورت تھی کہ ایک مرتبہ ایک بڑا نبی پیدا ہوتا اپنا شروع کرتا اور گذر جاتا کچہہ لوگ اسکے سلسلہ کے ساتھ آتے اور کچہہ کم درجہ کے مصلحین آتے سنبہالتے رہیں یہانتک کہ مشیت ایزدی اسکی مقتضی ہوتی کہ کوئی ایسا پیدا ہو جو بعض فروعات کو منسوخ کرے بعض قائمقام فروعات کی تعلیم دے اور کچہہ ان تبدیل خیالات اور افعال کی روش کی اصلاح کرے جو اس درمیان مین پیدا ہو گئی تھین۔

حضرت موسی کی مثال

مثلاً نہ صرف اعتقادی بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی یہہ مسلم ہے کہ حضرت موسی کے قبل انبیا تھے لیکن حضرت موسی کو اسکی ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ ایک قانون مرتب کرتے اور وہ اپنے زمانہ کے بلکہ اپنے بعد بہت زمانہ تک کے بڑے نبی تھے انکے بعد آنکا دین کبھی پستی کیطرف اسطرح مائل ہوا کہ ابہرنے کی کوئی امید نہ رہی اور کبھی دفعتہً اسطرح ابہر آئے کہ گویا پستی سے مطمئن ہو گیا اور اس جزر و مد مین انبیا پیدا ہوتے رہے جو اپنے اپنے درجہ نفس اور قوت کے موافق ہدایت کرتے رہے یہانتک کہ ابن مریم پیروان یہود کے گھر پیدا ہوئے اور خود انکے متعلق یہہ کہنا دشوار ہے کہ وہ کب یہودی نہ تھے اور کب انہون نے دین موسوی سے آزاد ایک دین کا اعلان کیا انکی نہایت مخصوص تعلیم یہہ تھی کہ شریعت موسوی نے کہانا اور رسومات مین جو افراط پیدا کی تھی اور اسکے انہماک نے مذہب کی اصلی خوبیون سے جس درجہ تغافل پیدا کیا تہا اس سے متنبہ کرین شریعت موسوی کے شریا اسکے متعلق غلط فہمی نے بنی اسرائیل مین دوسری قومون سے مغائرت پیدا کی اور وہ ناقابل اصلاح حد تک پہونچ گئی ابن مریم کی تعلیم محبت کا وعظ ہتی رہی۔ اگرچہ انہون نے کبھی یہہ مخصوص غرض اپنی وجہ بعثت کی ظاہر نہین کی زمانہ۔ جزر و مد خیالات۔ افراط و تفریط

ابن مریم نے دین موسوی سے کبھی برأت ظاہر نہین کی بلکہ بعض اور اسمین اصلاح چاہی۔

حوادث اور دیگر تغیرات وہ خاص عناصر ہین جس موقع پر انبیا کی بعثت دکہائی دیتی ہے اور وہ کرتا ہے جو کچہہ کرسکتا ہے اسکی کامیابی اسکا درجہ ان باتون اور اثر سے سمجھا جاتا ہے جو وہ کر گیا اور یہی اسکی بہترین یادگار ہوتی ہے۔

انبیا کا درجہ کیونکر سمجھا جائے

وجوہات بعثت مین جو ایک اور غرض میری سمجھ مین آتی ہے وہ یہہ ہے کہ اگرچہ ایک نبی جسقدر سمجھا تا ہے جسقدر سمجھانے کی ضرورت سمجھتا ہے لیکن یہہ سمجھنا اسکا کامل حد تک سمجھنا دشوار ہے کہ وہ لوگ سمجھ سمجھا لئے گئے تھے اسکی تعلیم کے ہر پہلو کو اسطرح سمجھ گئے جو اسکے بتانے کی غرض تھی بڑے کہنے والون نے اکثر اسکا اقرار کیا ہے کہ کسی بات کو اسطرح سمجھانا کہ وہ ہر طرح اور ہر درجہ عقل کے آدمی کی سمجھ مین آجائے دشوار ہے اس لحاظ سے یہہ سمجھنا غالباً کوئی معقول شکی نہین ہے کہ

ایک ہی اکثر دو ... کا شارح تہا۔

انبیاء جو حضرت سے گذرے ہوئے انہی کے شارح تھے اور انہوں نے وہی کام جاری رکھا تھا جسکی اُس
وقت کی نسل کو ضرورت تھی اور جس نسل میں گذشتہ نبی کی ذات فقرات اسکی تعلیم سے مس نہ تھا
قرآن فرماتا ہے ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا (ہم کسی نشانی کو نہ باطل کرتے
ہیں نہ بھلاتے ہیں مگر یہ کہ اُسی سے بہتر یا اُسکے مانند لاتے ہیں)

نبی عربی کی بعثت کا بہترین ثبوت اور ہدایت خلق کیلئے خدا کیطرف سے بھیجا جانا منجملہ اور ثبوت
سے ثبوت کے یہہ ہے کہ وہ ایک ایسے مقام پر پیدا ہوئے جہاں کے لوگوں کو نہ صرف یہودیت مسیحیت
زردشتیت صابئیت (صابئین) اور ہندویت کا علم تھا بلکہ ان مذاہب کے لوگ بہ استثنای
ہنود عرب کے کسی نہ کسی خطہ پر بحیثیت حاکم گروہ کے بھی قابض تھے اور اُن میں سے ہر ایک کے
علماء اور فقہا اپنی اپنی حکومت کے آغوش میں باعافیت بسر کرتے تھے۔ دیکھو کیوں چاہیئے تعجب
خیز برداشت نے آغوش خانہ کعبہ کو عرب کے ہر مذہب کی نمائش گاہ بنا دیا تھا۔

ہمارے ہادی کی بعثت ہر مذہب کے مرکز میں ہوئی۔

مثلاً نہ صرف خانہ کعبہ کی چہار دیواری میں اسکی تعمیر کرنیوالوں کی اسطرح تصویر رکھی تھی کہ ایک طرف
حضرت ابراہیم اور اسمعیل کا بت تھا اور اُسکے سامنے ایک بھیڑ کھڑا تھا تو مسیحیوں کیلئے
یہہ ناممکن تھا کہ حضرت مسیح کو حضرت مریم کی گود میں بیٹھا ہوا نہ دیکھتے۔ لات و منات کی
تمام عرب پرستش کرتے تھے درانحالیکہ لات نہایت قدیم زمانہ سے اہل بابل کی ملکہ
تحت الارض تھی اور چونکہ اہل بابل نے علم الآثار میں بہت سی کتابیں لکھی تھیں اور وہ سیارہ و
خاص مغال العراش کے امیدوار رہا کرتے تھے اسلیئے تعجب نہیں ہے کہ صابئین اہل بابل کی یادگار
ہوں اور یہہ بت دونوں قوموں کی مذہبی خیال کا مجسمہ ہو۔ زمانہ اسلام کی تاریخ عرب بتاتی ہے
کہ ہبل قریش کا خدای جنگ تھا کیونکہ جب احد میں حضرت رسول کی شہادت کی خبر مشتہر
ہوئی تو ابو سفیان نے خصوصیت سے اس بت کی تعریف کی تھی اور کسی فوجی مہم کے
روانگی کے قبل اسی سے طلب استعانت بھی کیجاتی تھی۔ اور بلحاظ اسکے کہ قدیم الایام
انسان بتوں کے سامنے اپنا اظہار خلوص و عقیدت کیا کرتا تھا اسلیئے عرب میں بہت سے
بتوں کا زبان کے اختلاف نام کے لحاظ سے جدا ہونا اس مفہوم سے کسیطرح الگ نہیں ہے
کہ مذہب بت پرستی کی بھی معمول سے زیادہ وکالت ہوتی تھی اور اس لحاظ سے کہ

خانہ کعبہ قبل اسلام



بجا ہو وہ مین بھی اس حیثیت کے تھے جو ان عقاید سے اسقدر متاثر نہ ہوں جسقدر توحید سے متاثر ہوں وہ روایات یا فطری روش خیال سے اس نتیجہ پر پہونچے ہوں کہ ابراہیم نے خدا ے واحد کی پرستش کے لیئے بنایا تھا اور اُنکی وقعت اور اپنے اعتقاد کو اس گھر سے وابستہ رکھتے ہوں لیکن یہ اُنکے امکان سے باہر تھا کہ اُن مشہور مذاہب عالم کے خانہ ملی سے ہر ایک وکیل کو نکالدیتے اور محض خدا ے واحد کی پرستش کیلئے مقدس کرتے شاید ہی دنیا کے کسی معبد کو اسقدر مشہور مذاہب کے مرکز ہونیکا موقع ملا ہو۔

خانہ کعبہ مذاہب کا وکالت خانہ تھا

خانہ کعبہ کے اس حیثیت کے مجموعہ معبد ہونے سے گمان غالب ہوتا ہے کہ اسکی وقعت کسیطرح کسی زمانہ مین کم نہین ہوئی۔ روایتین ہون شہرت ہو۔ یا لوگون کا عام رجحان ہو انھین سے ہر شئے اسکی تائید کرتی تھی ہمہ مذہبی اثر تھی اور اسطرح ایکمذہب دوسرے پر اپنا اثر ڈالتا تھا اور کچھ ایسا ہمہ مذہبی اثر تھا کہ ایک فریق دوسرے کی شے پرستش کا تخلیہ نہین کرسکتا تھا چہ جائیکہ کوئی ایک اس امر کی کوشش کرتا کہ وہ بقیہ کو اس معبد سے نکالکر اپنے لیئے مختص کرے۔ اور اسی وجہ سے کہ یہہ بہت سے اقوام کا مرکز پرستش تھا لوگون کا جمع ہونا اور جمع ہوتے رہنا اس امر کی ضرورت پیدا کرتا تھا کہ اُنکی آسایش کی چیزین مہیا کیجائین اور اسطرح عرب کا یہہ خطہ قدیم زمانہ مین بھی مرکز تجارت ہو جانے کے لیئے موزونیت رکھتا تھا۔

ہمہ مذہبی اثر

مکہ کی مرکزیت

مذہب اور تجارت یہہ دونون چیزین جب مختلف حیثیت کے لوگون کو دور دراز مقامات سے کھینچ سکتی تہین تو یہہ تعجب خیز نہ تھا کہ لوگ فرایض مذہبی کی سبکدوشی اور ایک حد تک امورات تجارت کے انہماک کے بعد اسکے متمنی ہوتے ہون کہ اُنکی دافع کسل بھی کوئی شے ہو اور اسکے لئے فصیح خطیب اپنی تقریر سے اور شیرین بیان شعرا اپنے کلام سے حاضرین کو محظوظ کرتے ہون ایسے زمانہ مین جبکہ کسی ملک مین اشتغال علمی اور کتابی علم کی ترقی نہ تھی یہہ دونون چیزین لوگون کی واقفیت مین اضافہ اور اُنکے خصائل کی درستی حوصلون کا پیدا کرنا یا قرب وجوار کے رنگ مین رنگنے کا زبردست ذریعہ تہین خصوصاً ایسی حالت مین جبکہ عرب کی شاعری زیادہ تر واقعاتی نظم ہوتی تھی۔

دافع کسل اشغال

ذریعہ تعلیم

اسنے عکاظ اور ذو المجاز کے میلونکو جو کعبہ کی بدولت مشہور اور پیدا ہوئے تھے ایکسو ہلی جنگاہ درسگاہ بنادیا تھا جہان ایک سال کی مختلف خبرین ہر ایک کو پہونچ جاتی تہین سنا ممکن تھا کہ ایسا مجمع جہان

صلاحت زبان

مختلف مذاہب عقاید شعرا جمع ہوتے ہوں وہ زبان کی امارت میں مدد نہ دے عرب کے ایسے ملک میں
جہاں تمامسے آرائش یا دیگر اسباب یا فطری منظر کی اسقدر کمی ہو زبان کے اس درجہ فصیح ہونے
کی اور کوئی وجہ بجز کعبہ اور اسکے ضمن میں اسکے میلوں کے علاوہ نہیں بتائی جاسکتی ہے۔

جو کچھہ اغراض ہونگی ابرہہ کے حملہ کے لیکن جو کچھہ ظاہری باتیں آسانی سے سمجھہ میں آسکتی ہیں
وہ یہی چاہتا تھا کہ کعبہ کے ڈھا دینے سے لوگوں کا عقیدہ یا اسکا مرکز قایم نہ رہیگا لوگ جمع نہ
ہونگے۔ یہاں کی تجارت جاتی رہیگی اور یہہ لوگ اپنی ضروریات کے لیئے دوسرے مقامات کے
محتاج ہو جاینگے اور کوئی عجب نہیں ہے کہ اس نے اس غرض سے کوئی تجارتی مرکز اپنے فایدہ
کے لحاظ سے قایم کرنا چاہا ہو۔

ابرہہ کے حملہ کی غرض۔

اس سے قیاس ہو سکیگا کہ عرب من حیث القوم اور ملک ایسی قوم اور ملک نہ تھا جو مذاہب سے
بے خبر ہو وہ خبردار تھا اور دنیا کے مشہور مذاہب ہر وقت اسکی آنکھوں کے سامنے تھے۔ مجھے اس سے
بحث نہیں ہے کہ کوئی نبی اسکے قبل انکی سرزمین میں مبعوث ہوا تھا یا نہیں لیکن یہہ ظاہر ہے کہ
نہ صرف حضرت ابراہیم کی تشریف آوری کے آثار ہیں بلکہ قیاس ہوتا ہے کہ اکثر انبیای بنی اسرائیل
کم سے کم اسکے بعض حصص کی طرف گذرے ہیں اور یہہ تو بائبل کے خطوط صاف صاف کہتے
ہیں کہ وہ عرب کی سرزمین میں گئے تھے۔

عرب ہدایت سے بے خبر نہ تھا

چونکہ ہر مذہب کے فقہا اور واقفان مذہب موجود تھے جیسا تاریخی آثار صاف بتاتے ہیں اور
بہ لحاظ اسکے کہ مذہبی پیشوا اپنی روحانی حکومت سے بآسانی دست بردار ہونے کے لیئے آمادہ نہیں ہوتے
تھا اکثر اوقات تعصب انہیں دوسرے مذہب کے متعلق آزادی سے کچھہ دیکھنے سننے دیتا ہے اس لیئے
اس حالت میں عرب کے عقاید کے پلٹے نہ جاسکنے کے متعلق اور بھی دشواریاں پیدا کی تھیں
وہ بظاہر مشکل حالتوں میں کوئی اور صورت بجز اسکے دکھائی نہ دیتی تھی کہ نہ عرب کا کوئی خاص
مذہب ہوتا اور نہ اسے کوئی ایسا صاف قومی مرکز ملتا جسکی تعمیل نہ صرف اعتقادی حیثیت سے مفید
ہوتی بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ وہ بہت سے غیر مفید اوہام سے کنارہ کش ہوتا اور اسے واضح اور فطری
راستہ دیکھنے اور چلنے کی توفیق ہوتی۔

نئے مذہب کیلئے کیا مشکلیان تھیں۔

جو کچھہ خوف ہو سکتا تھا وہ یہہ تھا کہ عرب کے دو جانب دو عظیم الشان سلطنتیں حکومت کر رہی تھیں اور

عرب کا سیاسی موقع

اگرچہ عرب کنے یادہ تر ریگستانیت نے اسکا قیاس قابل عمل نہ رکہا تھا کہ یہہ دونون حکومتین ملکی رقابت پر زیادہ ہو کر دولت سے دباؤ ڈالتیں اور عرب ان دو بہاری چکی کے پاٹ مین پس کر رہجاتا لیکن تاہم عرب کے زرخیز صوبے محفوظ نہ تھے اور آغاز اسلام مین یمن کا ایسا صوبہ باذان کے ماتحت تہا۔ عرب کے سرچشمہ حیات یعنی وجا او عغرات کی زمین شمال مین اگر رومی حکومت کی ماتحتی کے قابل ہو سکتی تہین تو مغرب اور جنوب کیان ایران کنے زیر اثر رہسکتا تہا۔ جو کچہہ اہل عرب کے لیئے چھوٹا ہوا تہا وہ اسکا صوبہ حجاز تہا یا صحراے عرب۔

اسکا اثر

دوسری وجہ کیون یہہ دونون سلطنتین ہر ایک عرب کو اپنے زیر اثر رکہنا چاہتین نہ صرف موجودہ زمانہ کے لحاظ سے قابل فہم ہی بلکہ اس زمانہ کی تاریخ بھی بتاتی ہی کہان دونون مین سے ہر ایک عرب کی سی آزاد اور جنگجو قوم کو زیر اثر رکہنا چاہتا تھا صرف اسوجہ سے کہ وہ دشمن اور اپنے درمیان ایک زبردست آڑ ہوتی بلکہ اسلیئے بھی کہ انکا اور انکی جانون کا میدان جنگ کیلئے خرید لینا بہت آسان تہا اگر اسکے آثار ہین کہ اکثر شیوخ عرب کسریٰ کے دست نگر تھے تو یہہ بھی واضح ہی کہ اہل روم بھی اس منقولہ جائداد کو اپنی طرف کھینچنے کی فکر سے خالی نہ تھے۔

فرزند صحرا مسیحی یا آتش پرست نہ ہوا۔

یہہ صورتین تہین کہ عرب کا بجاے یہودی یا عام مفہوم کا بت پرست رہنے کے مسیحی یا آتش پرست ہو جانا آسان تہا لیکن باوجود ان دلکش سامانون کے حیرت خیز امر یہہ ہے کہ یہہ دونون شاہی مذاہب اپنا نہہی شرڈالنے مین ناکامیاب رہے اور فرزند صحرا اپنے اس شاخ خیال مین بھی مطلق العنان رہا

سیاحت اور جغرافی موقع

عرب اس لحاظ سے بھی کوئی بڑی ناواقف قوم نہ تہا کہ اسے اسکی ضرورتین مجبور کرتی تھین کہ اپنے سے زیادہ زرخیز صوبون مین بغرض تجارت جایا کرے۔ ایسے ہر منزل پر پہونچنے اور دیکھنے کا کافی وقت ملتا تھا یہان تک کہ شام مصر اور یونان کی زمینین اسکی آنکھ سے پوشیدہ نہ تہین اور نہ قیصران روم یا خسروان ایران کے دربار اور انکی عظمت انکے لیئے کوئی خواب کا واقعہ تہا۔ قدیم الایام سے اسکے بندر وہ ذریعہ تھے جہان یورپ اور افریقہ مین تبادلہ اجناس ہوا کرتا تہا۔ اسلیئے اگرچہ اسے فطرت سے زرخیزی کا کوئی بڑا حصہ نہ ملا تہا مگر اسکا موقع ایسا بنایا گیا تہا جہان سے وہ بآسانی عیش اور آرام کی چیزون کو اپنی نگاہ سے دیکھ سکتا تہا۔

یہہ تمام حیثیتین مل جلکر ایسے موقع پیدا کرتی ہونگی جہان ایک قوم اپنی انتہاے فصاحت اور جوش ایمانی سے اپنے مقتدایان دین کی عمدہ صفات اور محاسن بیان کرتے ہون اور یہہ ذریعہ دوسرے پر اعتقادی فضیلت حاصل کرنے کیلئے موزون سمجہا جاتا ہو۔ اگرچہ عرب مین خانہ جنگیون کی شدت اور جانوران

فصاحت کا ہونا

اسلیئے اُنہون کا ہونا معمول سے زیادہ پایا جاتا ہی لیکن یہہ امر شاذ ہی کہ انمین مذہبی مناظرون نے کبھی آپسمین کوئی فساد قایم کیا ہو اگرچہ فتح بیت المقدس کیوقت اہل عرب رومیون کے مقابلہ مین جنگ کرنے کیلئے بلائے گئے تھے اسیطرح عرب کی فصیح زبان اور فطری شاعری کے جوش کے لحاظ سے یہہ معمول سے زیادہ ممکن تہا کہ تمام مذہب کے اعتقادی روایتین انتہائی مبالغون سے بہر گئی ہون اور معیار تنقید کیطرف سے کاہلانہ تجاہل انہین ایسی تمام باتونکو ویسا ہی سچ سمجہاتا ہو جیسا عام ناس مین اعتقادی روایتون کے متعلق عام میلان ہی اور جسمین رؤسای روحانی کی یہہ عام روش کہ انکا قول کبھی تنقید یا شبہہ کے حوالہ نکیا جائے جس سے انکی حکومت قلوب مین ضعف پیدا ہو اور ترقی پیدا کرتی جاتی ہی جو روز بروز مذہب کے اصول اصلی کا زوال ہے۔

اخلاقی اصول سے نابلد نہ تہا

عرب اخلاق کے اصول اولیہ سے بھی بے بہرہ نہ تہا اور نہ صرف انکی طرف اُسے حسن ظن تہا بلکہ اوسمین پسندیدگی کا حس بھی تہا اور بہت سی خوبیان تو گویا اُسکے خصایل قومی مین داخل تھین مہمان نوازی اُسکے خاصہ قومی مین داخل تھی ہمسایہ کے حال پر مہربانی اور اُسکی خبرگیری نیک آدمیون کے اوصاف مین شمار ہوتی تھین۔ محتاجون اور بیکسون کی مدد کرنا تمام نیکیون مین افضل تہا عزت کا لحاظ اور وعدہ کا خیال رہتا تہا اور حمیت عرب اگرچہ نہایت بے مہار تھی لیکن اسی کی بدولت وہ کبھی کبھی اچھے کام بھی کرجاتا تہا عرب کے اخلاقی حس کے لیے اس سے قوی مثال نہین دیجاسکتی کہ جاہل اور محدود النظر عورتین بھی اس سے بے بہرہ نہ تہین جو اس مثال سے ظاہر ہی جبکہ ہمارا ہادی فتح مکہ کے بعد ہر طبقہ کے لوگون کو اُنکے موافق نصیحت فرما رہا تہا اور ابوسفیان کی بی بی حفظ عصمت کے متعلق حکم سنکر کہتی ہی کہ "محمد ہمین نہین سکہاتے مگر اخلاق حسنہ" یا کہتی کہ "ہم تمسے غزوہ اور قریب مین تھے"۔

مثال

انمین اخلاقی قوی حس ہونا اس واقعہ سے بھی ظاہر ہے کہ جعفر ابن ابیطالب قبل اسلام ان صفات سے ممیز تھے کہ انہون نے زنا نہین کی شراب نہین پی بت پرستی نہین کی۔ اور جھوٹ نہین بولے۔ اور یہہ صفات پوری تھی شارع اسلام کی کہ وہ عام مجمع مین بلائے جاتے ہین انکی ان صفات کا اعتراف کیا جاتا ہی اور انسے ان عیوب سے احتراز کی وجہ پوچھی جاتی ہی جعفر کہتے ہین مینے شراب اسلیئے نہین پی کہ اس سے عقل زایل ہو جاتی ہی جھوٹ نہین بولا اسلیئے کہ دروغگوئی کمینہ پن اور مروت کم کرتی ہی کسی کی حرمت سے زنا نہین کی اسلیئے کہ اگر مین زنا کرونگا تو دوسرا میری حرمت سے زنا کریگا کبھی بت نہین پوجا اسلیئے کہ انسے کوئی نفع یا ضرر نہ تھا۔ اور اسیطرح جب حضرت ابیطالب سے لوگ ہادی عالم کی شکایت کرتے ہین تو

جعفر ابن ابیطالب کے قبل اسلام خصائل اور رسول کا اعتراف

رسول کے متعلق شکایت کا جواب

جواب دیتے ہین کہ محمد حسن خلق ہی تو تعلیم کرتے ہین۔"

عرب کا خاصہ

مندرجہ صدر مثالین بتائینگی کہ عرب اپنی واقفیت اصول اخلاق مین بے بہرہ نہ تہا بلکہ اسلیئے ممتاز تہا کہ اُسمین یہہ باتین ایک خاصہ طبعی ہوگئی تہین درانحالیکہ وہ ممالک جنمین باعلم ترقی پر ہو الفاظ لغت تعریف کی کمی یا زیادتی وغیرہ وغیرہ پر دماغ سوزی اور وقت صرف کرتے ہونگے۔ اسیطرح عرب اپنی ترقی عقلی مین بھی ایسا نہ تہا کہ اُسکا اُن اقوام سے مقابلہ کیا جاسکے جنہین اپنی معاشرت اپنے حقوق اور اپنے پس وپیش کا ادراک نہین ہے۔ اگرچہ اُسمین قبیلہ بندی

نظام حکومت

تھی مگر اکثر اوقات ایک بڑے قبیلہ کی بہت سی شاخین ہوجاتی تہین اور اگرچہ اسطرح اُنکی قوت تقسیم ہوتی تھی لیکن یہہ قبول کرنیکے قابل نہین ہے کہ وہ قومی مواقع پر تمام قبایل کے سرداروں یا شیوخ سے استصواب نہ کرتے ہوں اور نہ ایسا تہا کہ ہمیشہ ایک شیخ دوسرے سے برسرپرخاش یا زبانی جنگا جنگی ہی کرتا ہو۔ بلکہ مثالین ہین جہان وہ ملکر بھی کام کرتے تھے شیوخ کو طلب کرتے تھے اور آپس کی مشورت سے ایک بات طے ہوتی تھی۔ اُنکی یہہ طے شدہ بات عموماً اُنکے نقطہ خیال کے لحاظ سے عمدہ تصفیہ ہوتی تھی اور دوسری بے انتہا مفید بات یہہ تھی کہ اُسکی ناکامی کی صورت مین وہ الزام کسے دیسکتے تھے درانحالیکہ وہ کام جسکے عمل مین ناکامی ہوئی

ایک مفید حالت

ایک قومی تصفیہ تہا اسلیئے اُسکے اچھے یا بُرے نتیجہ کی تمام قوم اور اُسکے فرد ذمہ دار تھے اور اسیطرح دوسری ایک اور اچھی بات یہہ تھی کہ وہ اپنے قومی سرداروں کے حکم پر عمل کرنا جانتا تہا۔ اور اس صورت مین وہ اُن قومی مجمعوں سے اچھا تہا جنکا نام تو مجمع ہو لیکن ہر شخص اختلاف رائے سے مجمع کو تراش رہا ہو عرب کے نزدیک ایسے سو سقراط سے جو کسی شے کی کامل تعریف پر جمع نہ ہوسکین ایسے تھوڑے سے جاہل اچھے تھے جو بغیر چون وچرا کے اپنے سردار کا حکم مانین اور اسکی اطاعت کرین۔

یہہ سب باتین جو ابتک کہی گئی ہین اس بات کے دکہانے کیلئے ہین کہ اب کسی نبی کی بعثت کیلئے کسقدر دشواریان پیدا ہوگئی تہین لوگ بڑی باتون مین ناواقف نہ تھے مذاہب تھے اخلاق تہا۔ مدنیت تھی۔ اغراض سیاست اور اُنکے نتایج سے واقف تھے۔ تجارت تھی نفع وضرر کا حس تہا۔ اور اُن تمام قومون کے مذاہب کا ایک دوسرے پر ایسا دباو تہا کہ جس سے نہ صرف کسی نئے تداخل کے لیے دشواریان بڑہتی جاتی تہین بلکہ وہ سب آپسمین بھی لشک نہ سکتے تھے کسی کا ہمت کرنا لوگونکی نگاہ مین اور کس جواب کا مستحق ہوسکتا تہا بجز اسکے کہ لوگ اُسپر ہنسین خاموش ہوجائین یا اسپر تعجب کرین کہ یہہ کونسے ہے جو ایک اچھی ہوئی حالت مین متغیرانہ ہیجان کا باعث اور اسلئے اپنی مخالفت پر لوگون کو کمربستہ کررہا ہے

یہ سمجھ میں آجاتی ہے کہ جیسے ملک اور اُسکی دلفریب اشیاسے جلوہ بندہ زرعب یا عرب کی موجودہ گرد و پیش پر کوئی اثر نہ ڈال سکتا تھا تو وہ کونسا ذریعہ تھا جو لوگونکو اپنی طرف راغب کرتا کلام ایسے قصہ خوان مقرر کا نہ تھا جو چند سیکھی ہوئی باتون کو جسے اور لوگ بھی جانتے ہوتے لوگون کے بھرے ہوئے کانون کے حوالہ کرتا یا کہتا جاتا جبتک کہ اُسے کہنا ہوتا اور اُسکے بعد تہک کر بیٹھ جاتا اُسکے الفاظ اور اُنکی ہوا جبال عرب سے ٹکراکر چور ہوتی یا ریگستانی ہوا اُسے خاک کے نیچے اسطرح دباتی کہ وہ اونٹ کے قد سے زیادہ گہری دفن ہوجاتی اُسکے الفاظ کے پہلے اُسکا جوش صرف ہوجاتا اور اب بجاے اسکے کہ وہ دوسرے کو کچھ سکھلائے خود سیکھنے اور قبل اسکے کہ وہ دوسرون مین جوش پیدا کرے اپنے مین جوش اور استقلال پیدا کرنے کیلئے تیار ہوتا۔

عرب کا دوسرا رُخ

ابتک عرب کی تصویر کا ایک رُخ تھا جو ناظرین نے دیکھا اسکے علاوہ ایک دوسرا رُخ بھی تھا۔ عرب سب سے زیادہ غیر مستقل مزاج شخص تھا۔ اُسکی سیماب خصالی ایک مشہور چیز ہے اور اُسکی حمیت جو کسی وقت جد لیس کی عزت کے لیے انتقام پر آمادہ ہوسکتی تھی ایسے حرکات بھی سرزد کرا سکتی تھی جسے رحم انسانیت اور انصاف سے کوئی تعلق نہو۔ اُسکے جوش کی تربیت کرنا اور اُسکا معتدل مصرف نکالنا ایسے نفس شناس اور ایسے تربیت پرور کا کام ہوتا جو آغاز اسلام کے قبل ایسی چیز نہ تھا جسکے متعلق خیال کو نکلی بھی کوئی جرأت کرتا۔ اور اگرچہ عرب مین وہ خوبیان تھین جنکا ذکر کیا گیا اور وہ طبعی صفات تھین جنسے کام نکالا جاسکتا تھا لیکن اُسکا طغیان۔ اُسکا سیلابی جوش اُسکی خونخواری اور برائیون مین انہماک ایسی ظاہری چیزین تھین جسے دیکھکر وہ کام نکالا جاسکتا" تیز سے تیز عقل والے مدبر حلیم سے حلیم نبی اور اعلیٰ سے اعلیٰ مدرس اخلاق کے نزدیک حباب کو کوہ بو قبیس پر دیدہ و دانستہ چور ہونے کے لیے دے مارنا تھا۔

عرب کیلئے کسی مصلح کا کامیاب ہونا نبی عربی کے قبل ناممکن القیاس تھا

پڑہو ابن خلدون وغیرہ یا ڈیون پورٹ کا مختصر رسالہ "مراسم العرب قبل الاسلام" تو تمہین معلوم ہوگا کہ عرب اپنی تصویر کے اُس رُخ مین کیسا بھیانک تھا۔ اس سے کہین زیادہ جسقدر وہ ایک رُخ سے اچھا ہوسکتا تھا۔ سو ہی جنہین خسرو پرویز صحرائی۔ سوسمار خوار۔ وحشی وغیرہ کہہ سکتا تھا جبکہ اُسکے پاس نبی عربی کا دعوت اسلام کیلئے نوشتہ پہونچا۔ حق تو یہہ ہے کہ وہ دفعتہً کیسے سمجھ جاتا کہ یہہ اُسکا فرمان ہے جو نعوذ [illegible] عرب کے تمام حیثیتون سے مجموعہ صفات سے اچھا ہی بلکہ افضل اور اکمل معقول عالم ہے جبکہ تیرہ سو برس کے بڑے وقت نے ایسے بہت [illegible] لاکھون پیدا کیئے جو اسے سمجھتے اور حقیقت تو یہہ ہے کہ ایک شخص [illegible] کہ وہ عناصر جمیع ہوجاتا اُسکا خود عالم کے ممتاز نفوس مین بلند ہوجاتا ہے مثلاً اسی

عرب اچھے سے زیادہ بُرا تھا۔

خسرو پرویز کیلئے بلحاظ عرب ہونیکے نبی عربی کا [illegible] دفعتہً سمجھ [illegible] محال [illegible]

نبی عربی کو سمجھنے کی دشواریان

ایسے ہوا ہین پرورش پائی کہ وہ عقلیہ کی حیثیت کی اکثر اوقات راہ سے ہٹا نیوالی روش سے ہٹ کر عالم اور اُسکے
قوانین کو خود سوچے اور اُسمین تامل نہ کرے مثلاً ایسا سوچنا اُسے برابر اُ معارف پر اسطرح چلائے کہ اُسکی عقل اُسکو
ترقی کرتی رہے اور آیندہ غلطیون کے خوف سے محفوظ ہونے کی حد تک پہونچ جائے۔ مثلاً اُسکی قابلیتین اُسے خاصہ
اور طبائع انسانی کو اسیطرح سمجھائین جو آخر مین عین واقعہ ہی سمجھی جائین اگرچہ اُسنے قیافہ اور بشرہ مین کوئی کتاب
یا علم النفس کے دفترون مین سے کوئی ورق نہ پڑھا ہو مگر اُسکی آنکھین اِسطرح سمجھ لیتی ہون جسطرح اُسنے انہین
اُسوقت سمجھا ہی جسوقت یہ اشیا عمل کیلئے متحرک تھین۔ مثلاً اُسمین برائیون کی طرف سے ایک ایسا
طبعی تنفر پیدا کیا گیا ہو کہ اُسے دوسرون مین برائیون کی بو بھی معلوم نہ ہوتی ہو چہ جائیکہ اپنے مین یہہ میل
گوارا کر سکے۔ مثلاً وہ اس درجہ صاف اور نتھرے ہوئے خیال کا ہو جو غلطیون مین اُلجھتا ہی نہین بلکہ وہ
جا تا ہی ادہر ہے جیسے ایک مجمع یا زمانہ کا ایک جزو یا وقت کا کچھ حصہ یا جماعت انسانی اپنی فطری
روش مین عرصہ کے بعد پہونچتی ہے یا جسے اس درجہ اخذ نتائج مین ملکہ حاصل ہو گیا ہے کہ وہ جس
اساس کو جو عالم کے خیال نے اُلجھا ہوا چھوڑا تھا اپنا کرلے اور اُس سے وہ ممتاز اور روشن نتیجہ نکال لے جس سے
پیشتر کی عقول عاجز تھین یا انہین اُس نتیجہ پر پہنچنے کی جرأت نہ تھی یا وہ اسطرح اپنے خاصہ طبعی کے
نمو مین تیار ہو گیا ہو کہ اپنے خیال کا اپنے لفظون مین مجسمہ بنا گیا ہو اور ان باتون نے اُسمین وہ اثر وہ
وقار اور وہ شان پیدا کی ہو کہ کیسا ہی نفس ہو مگر اپنے صفات اور کلام کا اثر دیکھتا ہے کیسا ہی ناشنو ہو مگر
وہ اپنے تمام ناشنوی مین اپنے کو اُسکی طرف کھنچتا ہوا دیکھتا ہی یہہ سب وہ نورانی عقل ہو غلطیون سے
محفوظ ہو نا ہو۔ وزنی ذات ہو یا اُسکا حیرت خیز اثر کسی طرح شاعری نہین ہے۔ بلکہ اس حد تک ہے
جسمین مبالغہ ممکن نہ ہو کسیطرح حدود شاعری سے ادنی مس نہین رکھتا۔

عرب کی فصاحت اگرچہ اپنے عمدہ مصرف مین قابل تعریف تھی لیکن دولتمندونکی لڑکیونکا اور عورتونکی عزت اُنکی معمول
تھی۔ بدکاری اور زناکاری اُسکے لیئے ندامت کی چیز نہ تھی اور قدیم اسرائیلیون کا یہہ ورثہ اُن تک پہونچا تھا
کہ اپنے باپ کی حرم پر متصرف ہو جائین یعنی سوتیلی مان اُن پر حرام نہ تھی بیگناہ لڑکیونکا قتل انکی جہالت
کے مقابلہ مین کوئی بُری چیز نہ تھا بلکہ اگر اُنکی اونٹنی یا بھیڑ پانچوین مرتبہ مادہ جنتی تو اُسکے بھی کان کاٹ کر چھوڑ
دیتے تھے کسی اجنبی کے گھر مین بغیر اجازت در آتے چلا جانا عیب مین داخل نہ تھا اور کعبہ کا برہنہ حج
کرتے تھے انکے نزدیک مردہ جانورون کا گوشت نہایت لذیذ ہوتا تھا شراب اور منشی چیزون کا استعمال

سے ہوشی کے عالم مین اُس سے معیوب باتین سرزد کراتا تہا اور قمار بازی بلا استثنا ہر دلعزیز کہیل تہا لونڈیان
کا نا بجانا سکہائی جاتی تہین وہ حرام کاری کی مجاز تہین اور یہہ آمدنی آقا کے تصرف مین آتی تہی رہزنی
اور غارتگری انتہائی حد کو پہونچی تہی۔ ٹوٹکے اور شگون کا اعتقاد کرتے تہے اور جانورون کے اڑنے سے
فال لیتے تہے۔ اُنہین اعتقاد تہا کہ اگر انتقام خون نہ لیا گیا تو مقتول کے سر مین ایک چہوٹا پردار کیڑا پیدا
ہو کر آسمان مین چیختا پہرتا ہے۔ کسی کا مرجانا اُسکے اونٹ کی قضا تہی اسلیے کہ وہ قبر مین باندہ دیا جاتا
تہا۔ قحط اور گرانی مین اونٹون کو مجروح کرکے اُسکا خون پیتے تہے۔ اور گائے کی دُم مین سوکہی گہانس اور
جہاڑیان باندہکر پہاڑون مین چہوڑ دیتے تہے اور اُسکے بعد پانی برسنے کے امیدوار رہتے تہے۔

لیکن جو بات نہایت ضروری تہی وہ یہہ نہ تہی کہ سب کے پہلے عرب سے ٹوٹکے یا شگونکا
عقیدہ دور کیا جاتا یا اُسے لطافت تہذیب سکہائی جاتی۔ یہہ زمانہ کا کام تہا پہلے اُسے ایسی تعلیم
اور اصول کی ضرورت تہی جو اُسکے لیے ایک فطری مرکز ہوتا اُس سے محبت اور خلوص بڑہتا جاتا وہ
شرافت اور صدق و صفا کا قلعہ سمجہا جاتا اور یہہ نمونہ انہین اپنی فطری روش سے بلند کرتا اور یہہ
چڑہائی خود بخود نفس کے باعث ذلت افعال سے اپنے مین تنفر رینگتا ہوا دیکہتی سب کے پہلے نہ صرف
عرب بلکہ عالم کو خدائے واحد چاہیے تہا ایسا خدا انہین جو خداؤن مین بڑا خدا ہو۔ یا وہ کئی اور سے ملکر ایک
معجون بنگیا ہو یا گوشت اور خون مین اوتار ہو۔ یا نیکی اور بدی کے الگ الگ خدا ہون۔ جو باپ کے گناہ کا
عوض بیگناہ پشتون سے لیا کرتا ہو یا جسنے مخلوقات کو خود ہی گناہگار پیدا کیا ہو اور پہر اُنہین پر اپنے انصاف
کی قوت بہی آزمائے۔ یا جسنے شفاعت تامہ کیلئے عام اس سے کہ وہ حدود الٰہی پر چلتے ہون یا نہون
درمیانی آدمی رکہا ہو اور اسے بخشوانے کے اسے اختیارات تفویض کر دیئے گئے ہون کہ خود اختیار بخشنے
والے کے اختیارات مداخلت کی کوئی گنجایش نہ ہو۔ ضرورت تہی کہ وہ لیس بظلام للعبید (اپنے بندون پر
ظلم نہین کرتا) ہو۔ اور من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ (کون ہے کہ اُسکی اجازت بغیر شفاعت خواہ
ہو) کا اختیار اُس سے ساقط نہو گیا ہو۔ ضرورت تہی کہ اُسکے علاوہ دنیا مین کوئی خدا نہ ہو۔ وہ خالق
ہو اور سب مخلوق ہون۔ یہہ نہ ہو کہ وہی خالق بہی ہو وہی مخلوق بہی ہو اور ایک عجب الٹ پلٹ ہو ہو کا
کارخانہ ہو کہ نہ قاتل قاتل ہو نہ مقتول مقتول۔ نہ حاکم حاکم ہے نہ محکوم محکوم سب ایک ہین درانحالیکہ
ہر ایک اپنے کو ضد ہاتہون مین پلا پاتا ہے۔ یہہ نہو کہ خدا انسانی صفت کا نمونہ ہو بلکہ خدا کی صفت اور قدرت

کیا چاہیے تہا

تمام تفصیلی عالم مین ظاہر ہون اور اپنی زبان سے اپنے صانع کی حکمت وقدرت کی ثنا کرتی ہون ضرورت تھی کہ وہ مرکز صفات ہو اُسکی صفت عین ذات ہو بلکہ کمال الاخلاص لہ من نفی الصفات عنہ ہو ترقی اخلاق نے اُسے نہ بنایا ہو بلکہ عالم کے تجربہ اخلاقی مین وہ ظاہر ہوا ہو۔ وہ اخلاق کا خزانہ ہو نہ یہہ کہ اخلاق اُسکی زینت ہو۔ اخلاق کو اُسکی طرف نسبت دیئے جانے سے افتخار ہو نہ یہہ کہ اخلاق سے نسبت دیئے جانے سے اُسکی کوئی وقعت بڑھ جائے۔

سوچو عالم کے مذاہب کے خدا کو۔ سوچو ہر طرح کے شرک کو۔ سوچو وحدت وجود کو۔ سوچو خود پرستی کو۔ اور پھر اسکے بعد غور کرو اس حیرت خیز مختصر فقرہ کو جسے ہم عالم کے تصفیہ توحید پر ترقی کہتے ہین کہ "لا الہ الا اللہ" اس "لا" اور "الا" مین نہین دکہائی دیتی کوئی بات مگر یہہ کہ اسکا کہنے والا عالم کے اسوقت کے اصول توحید پر پورا حاوی تہا اور جس توحید پر زمانہ حال کا فلسفہ اور سائنس کی ترقی کی قلعی نہین کرسکا یہہ صاف۔ شفاف۔ سیدہا۔ مختصر۔ شرک کش۔ شبہہ شکن۔ جملہ تمام پیشتر کے اوہام اور اُلجہنونکو جڑ سے کاٹ رہا تہا۔ یہہ دہریت اور مادیت کی خاک کو ہوا مین اُڑا رہا تہا یہہ "اللہ" بقول رسول کے سب سے بڑے شاگرد کے وہ تہا جسکی طرف انسان اسوقت متوجہ ہوتا ہے جسوقت اسے ہر طرف سے مایوسی ہوتی ہی اور تمام امیدین قطع ہوجاتی ہین یہی انسان کی آخری پناہ قرار دی گئی تھی۔

لیکن اس جگہ ایک عقدہ مالاینحل یہہ پیش ہوتا ہی کہ کیسے سے یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست ٭ کتب خانہ چند ملت بشست ٭ کوئی کہتا ہی کہ جسوقت نبی عربی محمد ابن عبداللہ کی حیثیت سے بارہ تیرہ برس کے سن مین شام گئے تھے اور نسطورا راہب سے جو کچھہ باتین ابوطالب سے ہوئی تہین ہی اصل مین وہ بنیاد ہوئین جنہون نے آخر مین اُنہین اس بڑے منصب کے لیئے تیار کیا۔ اور یہہ اسلیئے کہا گیا ہی کہ حقیقتاً حضرت عیسیٰ کی بہی ابتدا ہوئی جنہین بپتسما دینے والے یوحنّا نے بپتسما دیا اور جسکی تقریر اور جوش نے ابن مریم کو متوجہ کیا کوئی مثل سر ولیم میور رسول کی تعلیم مذاہب کے لیئے قیاسات کی حیرت انگیز قوت سے اُن لوگون کو لاتا ہی جو لڑکپن مین قید ہوگئے تھے اور ہوتے ہوا تے کسیطرح مکہ مدینہ پہونچ گئے اور مسلمان ہوئے کبہی کسی پادری سے کہین وعظ کہلوا دیا ہی وہ کسی زمانہ مین کیون نہ ہوا ور رسول نے سنا ہو یا نہ سُنا ہو لیکن مسیحی مورخین کے موافق رسول کی تعلیم کیلئے ایک ذریعہ ہوگیا! اور پھر بھی یہہ مذاہب اس قابل ثابت نہ ہوسکے کہ وہ انپر کوئی اثر کرتے۔ دوسرا نوجوان کہتا ہے کہ نسطورا کی زبان دوسری تھی

نبی عربی کیونکر ایسے ہوئے

وہ عبرانی ہو یا ارامیک۔ اگر یہی ہو تو تصفیہ کرنا پڑے گا کہ رسول اس معصومانہ سن مین یہہ زبانین سیکہہ چکے تھے کس سے سیکہی تہی۔ مکہ مین کیا کوئی مدرسہ الہٰیات یا مدرسہ السنہ عالم تہا۔ اُسکے پروفیسر کون تھے انہین عبد المطلب یا ابو طالب کیا تنخواہ دیتے تھے۔ وہ مدرسہ اب کہان ہی۔ اُسکے کہنڈہر کچہہ باقی ہین یا بالوسے دب گئے اور پہر یورپ کے تمام ارکیولوجیکل سوسائٹی مین سے کسی نے اُسے کہود نکالنے کی کوئی کوشش نہ کی شاید کوئی کتاب نکلتی اور عالم کی معلومات مین اضافہ کرتی۔

دوسرا کھڑا ہوتا ہی اور کہتا ہے کہ نبی عربی کی معلومات شام کین اپنے شباب کے سفر سے ہوئی اور وہین انہون نے توریت اور انجیل کا مطالعہ کیا لیکن تعصب کے گہرے پردہ نے یہہ سوچنے نہ دیا کہ مذاہب کا مطالعہ وہ کہیل نہ تہا جو اسنے زمانہ مین کہیلا جائے جسمین کوئی شخص اپنی اشیائے تجارت فروخت کرے درانحالیکہ وہ اُمّی ہو بحث طلب مفید نکات نوٹ نہ کرسکتا ہو اُسکی مسل مرتب نہ کرسکتا ہو اور پہر ایکسان مضمون کو تنقید کے لئے اپنی نگاہ کے سامنے نہ رکہہ سکتا ہو۔ مجھے یاد نہین آتا کہ اسوقت میکسمولر کی کتاب "مشرق کے مقدس مذاہب" نکلی تہی یا مسیحی سوسائٹیون کے چہوٹے چہوٹے رسالے عرب اور شام مین شائع ہو گئے تھے جس سے مدد لیجا سکتی۔ یا دبستان المذاہب وغیرہ ایران سے تصنیف ہو کر آگئی تہی۔ اور ساتہہ ہی ساتہہ یہہ سمجہنے کا ثبوت بہی ہو کہ اسی تئیس چوبیس برس کے سن مین محمد عربی کو ایک مذہب کے قایم کرنے کا خیال بہی ہو جو چالیس برس کے سن مین پختہ ہوا اور یہہ اُسوقت سے اپنی بعثت اور دعوے کے وقت تک برابر ایک مصنف کی طرح مضامین کے پہول چُن چُنکر گلدستہ بنا رہے تھے اور اُس شہد کی مکہی کیطرح بے کسل کوشش کر رہے تھے جو اُڑے بیٹھے یا نہ بہنا ہے مگر اُسے صرف یہی خیال ہے کہ کیونکر اپنا چہتہ بنائے۔ وہ مواد کہان تہا جس پر رسول عربی سوچتے اور یہہ تمام باتین اُنکے دماغ مین جمع رہتین اور بلا سہو۔ کامل حیثیت سے۔ بلا اشتباہ اُسوقت نکل آتین جس وقت ضرورت ہتی کہ یہی بہترین موقع ہی پہر وہ ایک وقت عالم مذاہب ہوتے دوسرے وقت پیطر اعظم اور نپولین یا دالشاسر کی تعریف کے قابل مدبر اور مقنن ہوتے تیسرے وقت اُنکا نفس انبیائے گذشتہ کا افتخار ہوتا اور چوتھے وقت وہ ایسے فصیح و بلیغ ہوتے کہ عرب کے افصح الفصحا سبعہ معلقہ کو کیڑون کے کہانے کے لئے چہوڑ دیتے۔ اور علی ہذا القیاس وہ ایک وقت ایسے شجاع ہوتے کہ علی کا ایسا مستند شجاع عالم یہہ کہہ سکتا کہ انہاسے خطرہ کیوقت ہم لوگ رسول کے

نبی عربی کیا کیا تھے

کہوں مین یہہ خیالات کی عداوت کا ہیجان پیدا کیا جائے۔ اسیطرح بوڑہے ورقہ کا یہہ فقرہ ابتدائی زمانہ کا پڑہنے والا بتاتا ہے کہ ”مین کسی کو محمد ابن عبداللہ سے زیادہ نبوت کے قابل نہین پاتا“ اسیطرح اوایل عمر سے طبیعتون پر گہرے اور دلکش اثر کا یقین اس وفد سے ہوتا ہے جو کہ سرداران قریش ابی سفیان کی تین بڑی کمزوری کو ابن عبداللہ مین تلاش کرنے اور اسکا علاج کرنے آئے تھے اور انہون نے اپنے بھتیجے کی عمدہ صفات کا اقرار کیا تہا۔ اور اسیطرح بہت کہتی ہے یہہ حالت کہ جو ”دیکھتا تہا فریفتہ ہوجاتا تھا“

ہر وقت کے دیکھنے والے زیادہ متاثر تھے

ہر وقت کے دیکھنے والون مین بجائے اسکے کہ اپنے اس مرکز نگاہ اہل وطن کی وقعت کے متعلق تجاہل یا کمی پیدا ہو روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ وہ دیکھتے تھے کہ اسمین سے خوش خلقی اور محبت ٹپکی پڑتی ہے۔ وہ اسمین تربیت کے اعلی آثار پاتے تھے۔ وہ اپنی عقل کو اسکی تبعیت پر مجبور دیکھتے تھے وہ اسمین ایک عظمت پاتے تھے جسکے سامنے ادب سے دبے جاتے تھے اگرچہ وہ سن مین کتنے ہی بڑے کیون نہ ہون۔ وہ اسے ایک ابر دیکھتے تھے جسکی خوشگوار بوندین عالمگیر ہوتی جاتی ہین۔

طفلی مین وجہ خلقت کا اشارہ۔

ہم چاہتے ہین کہ اس بچہ کی زیارت کو جو بچون مین کھڑا ہو لیکن یہہ کہہ رہا ہے کہ ”انسان لہو ولعب کے لیے خلق نہین ہوا ہے بلکہ اس سے بہتر افعال کے لیے پیدا کیا گیا ہے“ جسکی قرآن سے آگے چلکر وضاحت ہوئی کہ ”وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون“ یا حضرت امام حسن عسکری غرض خلقت انسانی علم اور عبادۃ کے لیے فرماتے۔ غور کرو تو اسکی صورت تمہاری آنکھون مین پھر جائیگی جسکے متعلق کہا گیا ہے کہ ”اندوہش پیوستہ وفکرش دائم“ وہی جسکے ناپسند افعال مین بچون کو دیکھکر مسکرا دینا انہین سلام کرنا اور غلامون کے ساتھ کہانا داخل تھا۔ وہ جسے بہلا معلوم ہوتا تہا کہ سال کا ایک مہینہ ایسی جگہ بسر کرے جہان اہل عالم کی نظر اسکے اعضا مین نہ چبھے۔ اسکے کان دنیا کی صداؤن سے خالی رہین اسکے خیال پریشان نہ ہون۔ وہ ادہر متوجہ ہو جدہر وہ چاہتے۔ وہ اپنا آپ مالک ہو۔ عالم اور اہل عالم کی بیشمار چیزین اسے خواہ مخواہ ہر طرف دوڑاتی نہ پہرین۔ وہ جسنے باب بنی شیبہ کو اپنی یادگار ساختہ اور نصب حجر اسود سے جھگڑون کا در امید بنا دیا عرب سمجھے کہ ہم سب حیثیۃ القوم جبل مرکز نہ کر سکے اسے ایک نوجوان کی عقل نے اس محبت اور خاکساری سے فیصل کردیا کہ گویا اسکے نزدیک یہہ کوئی ایسی بڑی بات [illegible] تھی جس پر افتخار کا خیال بھی کرتا اور اپنی افضلیت کے اظہار سے کوئی ناگوار [illegible] کے لیے چہوڑتا تہا [illegible] لوگون نے [illegible] کا احساس کرانا چاہتا تہا اسکے پیچھے کوئی وعظ بنیگا جو ہندوستانی کی ایسی ہی لطیف [illegible] کے لایق تہا سو وہ ضرور آگے چلکر ”منفرد“ کے قابل پیری اور [illegible] شان پر لوگون کو انکے لیے متوجہ کرتا تھا۔

بعض حالتین اور شغل

یہہ بلند نظر قوم ہر اعتراض سے بالاتر اور سخت سے سخت تنقید کا مقابلہ کرنے کی قابلیت رکہتا ہے۔ یہہ اُسکا قصور نہ تہا کہ وہ دوسرونکو
ایسا نہ پاتا تہا جنہین نمونہ دوکر بنا سکے لیکن وہ "منی اہل البیت" کہنے مین کافی سخاوت سے کام لیتا تہا جب اُس کا
شلیان پاتا تہا اگرچہ وجہ سے مردم شناس کی نگاہ مین یہہ افتخار بخشا عجمی غلام کے چلنیز فقرات سے کیون زیادہ کیا
جاتا ہو۔ اور وہ عجمی جرأت اور خوش پسندی کی اس حد تک آگیا ہو کہ تمام طنز اور جاہلانہ نسبی افتخار کو یہہ کہکر
جہاڑ دے کہ "مین فرزند اسلام ہون"

قبل نبوت احسان

نصب حجر اسود کے تصفیہ کا احسان اس قابل تہا کہ عرب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس دن کو یادگار دن قرار دیتے
جبکہ اُنکی نیام مین اُنکی تلوارون کو اپنی گود مین رکہہ سکین ورنہ ظاہر ہے کہ ایسی لڑائی کیا کچھ کر سکتی تہی جسمین ایک پر
ایک نہین ہی بلکہ ہر شخص کی تلوار ہر شخص کی گردن پر ہے کوئی نہین کہہ سکتا تہا کہ اگر اُس آیندہ کے مصلح بنی آدم
اور لاتفسدوفی الارض کے حقیقی نقیب نے اُنکی مدد نہ کی ہوتی۔ تو کب تک وہ درندون کی طرح ایک دوسرے
پر حملہ کرتے رہتے کس قدر قتل عام ہوتا اور قتل کے بعد آنے والے نتیجے صورت معاملہ کو کسقدر مہیب
کردیتے غالباً اس سے زیادہ مضر اثر پیدا کرنے کیلئے کوئی اور سبب ایسا قوی نہ ہوسکتا تہا اگرچہ سبب مذہبی
مخالفت نہ ہوتی لیکن مذہبی جوش اور باہمی مخالفت کی باعث ہوتی۔ مسبب الاسباب نے واقعات کہا کر
پیشین گوئی کرائی تہی کہ دیکہو بہت جلد ہی تمہارا جامع قوم ہوگا تم اُسوقت اُسکا کہنا نہ مانوگے۔ مخالفتین کروگے
لیکن اُسکی ضرورت تمہین ہوگی اُسکی ہر طرح کی خوبیان تمہین اپنی طرف کہنچین گی اور آخر مین وہ تمہارے
نظام پارینہ کا تار تار الگ کردےگا اور ایک ایسی بنیاد پر کہڑا کردےگا جو تمہین اُسوقت تک بکہرنے نہ دےگی
جب تک تم اُسکے اصول کو اپنی دینی دنیوی عقلی تمدنی اور معاشرتی بنیاد سمجہوگے۔

قبل بعثت نبی عربی کا دوسرا بڑا احسان کا یہہ تہا کہ اُنہون نے اپنی قوم کو ایک عرب کے وطن فروشی سے
مطلع کردیا جو اہل روم سے اس بات کی سازش کرتا تہا کہ اُنہین مملکت حجاز پر قابض کرادے۔ یہہ نہ صرف
اہل عرب بلکہ تمام ممالک اطراف کی دائمی شکرگذاری کے قابل ہے جو رومیون کے زیر تمدن اور اثر آسکتا
اہل روم کی تاریخ اُنکے خونی اور ناموں سے رنگی ہوئی ہے۔ اُنہین ملک کے آباد کرنے کی فکر نہ تہی بلکہ
فتوحات اور غنیمت کا [illegible] اور اپنے ملک کی تعداد بڑہانے کی آرزو اُنہین ویرانی اور بیرحمیون کے لیئے آمادہ
کرتی تہی اور اُسکا اثر مفتوحہ ملک کے رہے سہے تمدن اور اخلاق کو بہی غارت کردیتا تہا۔

تیسرا بڑا احسان یہہ تہا کہ اُنہون نے عربون کے ایک قدیم عہد کو جو حلف الفضول کہلاتا تہا تازہ کیا جسمین غربا کی

مدد مظلومون کی حفاظت اور عورتون کی حفظ عصمت اور حمایت بھی شامل تھی۔

اور یہہ شہرت تھی اس سرداران عرب کے یادگار کی امانت داری کی کہ آخر مین غالباً عمر شریف کے چوبیسوین برس ملکۂ عرب حضرت خدیجہؓ نے جنکے ساٹھ ہزار سے زیادہ اونٹ عمان یمن اور شام کیطرف اجناس تجارت کے تبادلہ کا ذریعہ ہوتے تھے اپنا وکیل بنایا یہہ مرحلہ شام دلچسپ معلوم ہوتا ہی جب اس نوجوان کو شام کی بازارین دیکھئے اسکے حسن خداداد۔ اسکی فطرتی شیرین کلامی۔ اسکی متصوفانہ شان۔ اسکی غور مین ڈوبی ہوئی آنکھین اسکے مقوس بانزاکت ابروؤن کے نیچے دیکھنے والون کو اپنی طرف کہینچتی تہین خبرین کہتی ہین کہ چیزون کو کوئی نہین دیکھتا تہا اور سب بیچنے والے کے گرد ہجوم کرتے تھے۔ غالباً اس آرزو مین ہر شخص قریب آنیکی کوشش کرتا ہوگا کہ اسکی باتین سنین جسکا بقول اُسکے شاگرد کے "لہجہ سب سے زیادہ درست تہا"

صورت کی دلکشی اور لہجہ

چونکہ مین تجارت کا ذکر کرنے لگا اسلئے ضرورت محسوس ہوتی ہی کہ عربون کے تعلیم تجارت کے متعلق اس قدر اور کہدون کہ اتفاق سے یہہ افتخار بھی اس گھر کے لئے تہا کہ وہ عربون کو دور و دراز ملکون سے تجارت کرنا نفع اُٹہانا تجربہ حاصل کرنا اور اس سے اپنے خیالات اور ملک کی ترقی مین کوشان ہونا سکہاتا

پانچوین صدی مسیحی کے قریب قصے نے جو فہیر الملقب بہ قریش (تاجر) کی اولاد سے تھے اور جنکا شجرۂ نسب معاد ابن عدنان سے ملتا ہے جو حضرت اسمٰعیل کی نسل سے تھے مکہ پر اقتدار حاصل کیا اور رفتہ رفتہ تمام حجاز انکے زیر اثر ہوگیا۔ انکے پہلے مکہ چھوٹی چھوٹی بستیون مین تقسیم تہا اور انہین کو کعبہ کے ازسر نو تعمیر کی ضرورت ہوئی۔ اپنے قیام کے لئے مسجد کے قریب ایک ممتاز عمارت تعمیر کرائی جسکا ایک بڑا کمرہ امورات سیاسی اور قومی کے انجام کے لئے مختص تہا قصے نے سنہ ۴۸۰ء مین وفات پائی۔ قصے کے بیٹے ابوالدار اور عبد مناف تھے جنکی اولاد مین نزاعات کی ابتدا ہوئی۔ ابوالدار کی رحلت کے بعد اسکے پوتون اور اسکے بھائی عبد مناف کے بیٹون مین انتظام اور حکومت کے لئے نزاع ہوئی اور اسکی اسطرح تقسیم ہوئی۔

قصے
- ابوالدار کے پوتے (کعبہ مجلس شوری- فوجی انتظام)
- عبدالمناف
  - ہاشم (ابوسفیان کا نانا [illegible])
  - عبدالشمس
  - مطلب

ہاشم کے معنی

عبدالشمس نے اپنی حکومت اپنے بھائی ہاشم کے حوالہ کردی۔ ہاشم نہایت معزز و برگزیدہ تاجر تھے۔ ہاشم کے معنی [illegible] کرنیوالا اور یہہ خطاب انکو اسلئے ملا تہا کہ یہہ مہمانون کو شوربے مین روٹی توڑ توڑ کر

کھلایا کرتے تھے۔ اور رفتہ رفتہ حاجیون کی دعوت اور مہمانی انہین کے متعلق ہوگئی تھی۔ انہون نے زمانہ قحط مین اپنے اہل وطن کے لئے ممالک شام سے غلہ فراہم کیا اور اُنکی بڑی مدد کی۔ انکو مکہ مین ناقابل مثال ہر دلعزیزی حاصل تھی اور تمام حاجی انکی توجہ کے مشکور واپس جاتے تھے۔ ہاشم نے سنہ ۵۱ء مین انتقال کیا یہی اپنی قوم مین شام سے تجارت کے محرک ہوئے ان کے بعد انکے بھائی مطلب المقلب بہ سخی انکے جانشین ہوئے۔ انہون نے بھی سنہ ۵۲۰ء مین انتقال کیا اور انکے بعد اختیارات انکے بھتیجے شیبا کے سپرد ہوئی جو زیادہ تر عبدالمطلب کے نام سے مشہور تھے۔

ہاشم — عبدالشمس — مطلب

عبدالمطلب — امیہ

ابوالدار کے پوتے مالدار ہوتے گئے لیکن یہ خاندان ہاشم کی عزت اور شہرت دیکھہ دیکھکر حسد سے انگاروں پر لوٹ رہے تھے اور کسی طرح مکہ پر تسلط جمانا چاہتے تھے۔ عبدالشمس کا حریص بیٹا امیہ انکا مددگار تھا لیکن باوجود اس کشاکش کے عبدالمطلب ۵۹ برس تک حکومت کرتے رہے۔

ابرہہ اور عبدالمطلب

انہین کا زمانہ تھا کہ حبشہ کے مسیحی بادشاہ نے کعبہ کی بربادی کا قصد کیا۔ نہین کے زمانہ لو الیسی عظیم الشان مرتب فوج کے آسمانی موقع کی مدد سے تباہ ہونے کا افتخار ہوا۔ اور انہین کی ہمت اور استقلال نے عربوں کو منتشر ہونے نہ دیا۔ ورنہ زیادہ ممکن تھا کہ عرب ہاتھیون کے ایسے قوی ہیکل جانورون کے مقابلہ کے لئے کوئی چیز نہ پاتے۔ حیرت اور خوف اُنکے حواس پر اثر کرتا اور دشمن کی آمد کے قبل یہہ اپنے وطن اور معبد کو چھوڑ چھوڑکر پہاڑون اور ریگستانون مین جا چھپتے۔ یہہ عبدالمطلب کی مضبوط ذات تھی جس نے انہین مجتمع رکھا اور اسکے بعد رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت۔ حضرت عبدالمطلب ہی تھے جنہون نے زمزم کو جو خراب اور بند ہوگیا تھا صاف کرایا۔

عبدالمطلب

عبداللہ — ابوطالب — حمزہ — عباس — ابولہب

محمد — علی

فاطمہ

حسن — حسین — زینب — ام کلثوم

یہہ محبوب وطن تھا جسنے اکمل افراد عالم کے ابتدائی پرورش مین انہماک ظاہر کیا اسلیئے کہ ولادت رسول کے

نبی عربی کی پرورش کا ذمہ دار

چند ماہ قبل حضرت آمنہ خاتون بیوہ ہوچکی تہین اور بروایت شاذان ابھی چار مہینہ کے تھے کہ مان کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا بقول ملا جامی حضرت آمنہ خاتون اپنے عفت وجمال کے لحاظ سے سیدہ عرب کہلاتی تہین۔ کافی ہو کسی معصوم بے زبان بچہ کے لیئے یہہ غم کہ مان کا گرم سینہ آسے چہوٹے چہوٹے پانؤن مارنے اور پہیلنے کے لیئے نہین ملتا۔ دودہ پیتے بچہ کا دودہ پیتے وقت طنطنہ دیکہو اُسکی بہولی حکومت اور زعم پر غور کرو اور اس گوارا ہار کے نیچے مان کے خوشی سے آچہلتے ہوئے دل کا خیال کرو۔ مان بچہ کی اور بچہ مان کی محبت کا احساس کرتا ہے اور آپس کا قلبی سمجہوتہ ایک لطف ہی جسپر مان اپنی رات کی نیندین اور زندگی کا آرام صدقے کرتی ہے۔ اس معصوم کے لیئے یہہ لطف اور راحت زیادہ زمانہ کے لیئے نہ تہی۔ مان نے رحلت کی تین دن تک اضطراب رہا ہاشمی عورتین یکے بعد دیگرے اپنے گہوارہ کے پاس آتی ہین لیکن بچہ کسی طرف رغبت نہین کرتا۔ مان کا دل اُنمین نہ تہا جو اس بچہ کو کہینچ سکتا۔ کہلی سینہ چاہیئے تہا جسمین نظری مناسبت اور عنصر محبت کے امتیازی اثردار شان ہوتی۔ بچہ کو کہینچتی اور وہ میلان ظاہر کرتا۔

عبدالمطلب کا انتشار

یہہ حالت تہی اس بچہ کی اور اُدہر سردار عرب سے اسکا اضطراب دیکہا نہ گیا جو میدان جنگ مین تلوارونکی جہنکار سے تیور نہ بدلتا۔ نیزون کی خلش اور تیرون کے پیکان سے اُف نہ کرتا۔ لاشون کا تڑپنا اُسکے شجاعانہ متانت مین فرق نہ ڈالتا۔ نہ آنکہون کا کوئی ریشہ ڈہیلا کرتا۔ وہی اس بچہ کے چیخنے اور تڑپنے سے بیچین ہوکر گہر مین نہ رہسکا خاموش اور غمگین خانہ کعبہ کے پاس بیٹہ گیا۔ بوڑہا عقیل بن ابی وقاص پاس سے گذرا اور عبدالمطلب کو افسردہ دیکہکر کہڑا ہوگیا۔ حال پوچہا۔ جواب ملا کہ میرا پوتہ بے مان کا ہوگیا ہے۔ کسی کا دودہ نہین پیتا اور اُسکے اضطراب سے کہانا پینا ناگوار ہوگیا ہی۔

اضطراب کی وجہ

عقیل نے کہا اے ابوالحارث مین حلیمہ دختر عبداللہ ابن حارث کو جانتا ہون اور قریش مین اُسکی سمجہ۔ فصاحت۔ صباحت اور شرافت نسب کی نظیر نہین ہے۔ عبدالمطلب نے اُسکے اوصاف سنکر اپنے غلام شمردل کو ایک تیز ناقہ پر بٹہا کر قبیلہ بنی سعد بن بکر کی طرف بہیجا کہ فوراً عبداللہ ابن حارث کو حاضر کرے۔ عبداللہ لائے گئے حضرت عبدالمطلب نے تپاک سے استقبال کیا اور حال کہا۔ کہا کہ اگر تم قبول کروگے تو تمہین غنی کردونگا۔ عبداللہ نے منظور کیا اپنی لڑکی سے کہا [illegible] خوشبو لگائی اچہے کپڑے پہنے اور اپنے شوہر بکر بن سعد اور [illegible] کے ساتہ واپس آئین حضرت عبدالمطلب نے [illegible] کی کہ اگر وہ مکہ مین رہین تو انکے لیئے ایک قصر خالی کردیا جائے۔ ہر مہینے ہزار درہم ایک جامہ رومی

دائی اور اُسکی صفت

دائی کے حوالہ کیا

ہر سفر روٹی اور گوشت دیا جائے۔ لیکن ان لوگوں نے اپنے موضع میں رہنے کو ترجیح دی۔ حضرت عبد المطلب نے سپردگی کے لئے ویسی محبت آمیز شرطیں کیں جو کیجا سکتی ہیں۔ حلیمہ نے قابل توجہ بات کہی کہ میں نے جب سے اس بچہ کو دیکھا ہے اسکی محبت میرے دل میں پیدا ہو گئی ہے۔ اس کے بعد کعبہ کے قریب سب کو لے گئے۔ طواف کیا۔ خدا کو گواہ کیا۔ تحفے دیئے اور بچے کو حوالہ کر کے کعبہ سے کچھ دور تک ساتھ ساتھ گئے۔

طریقہ پرورش کا شرع میں لحاظ

اس جگہ مجھے صرف اس امر پر توجہ دلانی ہے کہ اس شریف خاندان نے بچہ کی پرورش کے لئے کیسی دایہ تجویز کی وہ جو اکثر عمدہ صفتوں میں ممتاز تھی آگے چلکر تم کتب اسلامی میں اسکی کافی وضاحت اور احکام پاؤ گے۔ کہیں کہا گیا ہے کہ وہ دودھ بچہ کو نہ پلاؤ جو زنا سے پیدا ہوا ہو۔ کہیں حکم ہے کہ ایسی عورت کا دودھ جسکی آنکھ میں عیب یا احمق ہو نہ پلاؤ۔ کہیں تاکید ہے کہ اچھی صورت اور سیرت کی دایہ ہونی چاہیئے۔ اور یہ سب اسلیئے کہا گیا ہے کہ شرع نے دودھ کے اثر کو نہ صرف اعضا بلکہ قوای ذہنی اور خصائل پر ساری سمجھا ہے۔ احساس کیا ہے کہ بچہ کی سیرت اور صورت میں دایہ سے بہت مشابہت پیدا ہوتی ہے۔ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے بچوں کے لئے سب سے نافع دودھ ماں کا تجویز فرمایا ہے۔ جو حال کے یورپ کی تحقیقات طبی سے مصدق ہے۔

دادا کا آخری لحاظ

۵۷۸ء میں اس بچہ پر سے دادا کا پُر شفقت سایہ اٹھ گیا لیکن رحلت کے قبل بستر احتضار پر یہ لحاظ اور شرائط حفاظت کا نمونہ بھول نہیں جاتا کہ ایک بچہ اسکی حفاظت اور پرورش میں تھا۔ اپنے فرزندوں سے پوچھا کہ کون اسکی پرورش اور پرداخت اپنے ذمہ لیتا ہے۔ ابولہب کی درخواست دنی الطبع ہونے کے لحاظ سے منظور نہ کیگئی۔ عباس کی خواہش اسلیئے قبول نہ کیگئی کہ وہ غصور تھے ابوطالب کی خوبی۔ سلیم الطبعی۔ اور علوے صفات نے انکی سفارش کی اور دادا اپنے فرائض سے سبکدوش ہو گیا۔ الکا عزیز بچہ اسوقت آٹھ برس کا تھا۔ دایہ بھی دو برس قبل انتقال کر چکی تھی۔ رحلت کے وقت حضرت عبد المطلب کی عمر بیاسی برس کی تھی۔

ابوطالب

میں ابن ابی الحدید کے ساتھ سمجھتا ہوں کہ حضرت ابوطالب نے رسول کی تربیت محافظت اور پرورش میں جو حصہ لیا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے اہل اسلام کی ممنونیت کا مستحق ہے جسطرح انکے مشہور عالم فرزند نے ہوش سنبھالنے کے قبل سے آخر عمر تک وجہ رسول کے لئے اپنے کو وقف کر دیا۔ اشاعت اسلام

کبھی اسکے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ رسول کو بھی جنھوں نے اپنے ماں باپ کو نہیں
دیکھا تھا حضرت ابوطالب اور حضرت فاطمہ بنت اسد سے بڑی محبت تھی۔ گیارہ بارہ برس کے ہیں
دیکھتے ہیں کہ مہربان چچا فکر معاش میں شام جا رہا ہے۔ جدائی گوارا نہیں ہوتی آنکھوں میں آنسو بھر
آتے ہیں۔ حضرت ابوطالب سے پرنم آنکھیں نہیں دیکھی جاتیں ساتھ ساتھ لیے جاتے ہیں لیکن
ایک بڑا تغیر پیدا ہونے والا تھا جو آیندہ رسول کے مشن کی سچائی اور حضرت ابوطالب کی محبت پر
بے لوث اثر ڈالتا۔ قریش کا وفد جاتا اور اپنے سردار عرب سے کہتا کہ تمہارا بھتیجہ ہمارے معبودوں کی
تحقیر کیا کرتا ہے اُسے باز رکھو۔ یہہ ایک نہایت ہی زبردست مصلحت تھی جس نے عربوں کو
حضرت ابوطالب کے پاس بھیجا۔ بظاہر یہہ نہایت صلح پسندانہ تھی۔ اُنھوں نے بیک جسم جان

نازک موقع

اپنی یکجہتی کا بانڈ الناچاہا تھا جس سے حضرت ابوطالب مرعوب ہوجاتے اور وہ اس تصفیہ پر
مجبور ہوتے کہ قوم کی مجموعی مخالفت کے سامنے بجز روک دینے کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ حضرت
ابوطالب ہی سے اسلیئے کہا گیا کہ لوگ جانتے تھے کہ ابن عبداللہ کا ایسا احسان شناس ہرگز اپنے
چچا کی بات کا رد کرنا گوارا نہ کرے گا۔ رسول کے لیئے موقع نازک تھا۔ انکار کرنا اپنے کو ایسی
زبردست پناہ سے نکال لینا تھا اور اسکے بعد ایسے خطروں کا سامنا کرنا تھا جنمیں خود تھا اور
دوسری طرف تمام قوم ہوتی اور اُسے ایذا رسانی پر اسلیئے جرأت ہوتی کہ وہ اپنے خدا [illegible] کرتے
ہیں۔ لیکن ایسے مشکل مسئلہ کا جواب ویسے ہیں نہیں دیا گیا۔ جواب گول گول نہیں دیا گیا

ایک انداز

جس سے ہاں نہیں کچھہ تصفیہ نہ ہو سکے۔ آئینہ کا سا صاف تھا اور صنوبر کی طرح سیدھا تھا۔ ایک
ہی جواب تھا۔ یہی تصفیہ تھا۔ یہی آیندہ کی کنجی تھی۔ یہی ثبوت تھا لیکن آج بھی [illegible] ڈبڈبالے
تھے [illegible] بھر آیا تھا۔ محبت تھی اور کیا کیا تھا کون جانے کسقدر خیالات [illegible]
تصفیہ اور نفس کی کون سی حرکت نے کیا کیا سمجھانے کیلئے آنسو نکال دیا تھا [illegible]
شرح کے لیئے علم النفس نے کافی الفاظ فراہم نہیں کیے ہیں۔ اُٹھے۔ ابن عم ابوطالب [illegible]
نہیں اُٹھے بلکہ بیشمار دولت۔ امارت اور بہترین حکومت جو [illegible] ہوتی [illegible]
لات مار کر اُٹھے۔ اُٹھنا محض ایک جسمانی حرکت کا اظہار تھا [illegible]
اور تعمیم [illegible] لفظوں میں ہوئی کہ [illegible]

آنسو کی شرح

پر رکھدیں تو بھی میں اپنے پروردگار کی مخالفت نہ کرونگا" پھر فرمایا "میں ان سے ایک بات چاہتا ہوں اگر یہہ مانیں گے تو عرب اور عجم کے بادشاہ ہو جائینگے" پوچھا وہ کیا بات ہے۔ فرمایا "خدا کی وحدانیت اور میری رسالت کا اقرار کریں" جب قریش نے اپنے کو ناکامیاب دیکھا تو دوسری شرط پیش کی کہ تم عمارہ بن ولید کو فرزندی میں لو اور محمد کو ہمارے حوالہ کردو اسکا جواب دیا کہ تم کسقدر انصاف سے بعید بات کہتے ہو کہ میں اپنے فرزند کو قتل ہونے کے لئے تمہارے حوالہ کروں اور تمہارے فرزند کی خود تربیت کروں۔ اسکے بعد حضرت ابی طالب نے اشعار فرمائے ہیں جو اس مسئلہ کیلئے قطعی ثبوت ہیں کہ آیا وہ مسلم تھے یا نہ تھے۔ مجھے اس مسئلہ کی ضرورت ایجاد اور

حضرت ابوطالب کا ایمان اور ثبوت حیات

بعض مورخین کے پر معنے اصرار پر تعجب ہے کہ حضرت ابی طالب نے قبل اقرار اسلام رحلت فرمائی یقیناً اُن لوگوں کی نگاہ سے حضرت کا قصیدہ لامیہ نہیں گذرا۔ دیکھنے کی حالت میں یا تو قصیدہ سے انکار کرتے اور اپنے وجوہات پیش کرتے یا اقرار کرتے لیکن نہ کسی نے انکار کیا ہے اور نہ وجوہات پیش کیے ہیں بلکہ اکثر نے اسی کو اُنکے مسلم ہونے کا حکمی ثبوت قرار دیا ہے بوڑھا سردار اپنی مستند شرافت اور خاندانی عظمت کی زبان اور اپنی شجاعانہ شان سے بول رہا ہے جہاں وہ کہتا ہے کہ ہم محمد کو دشمنوں کے حوالہ کردیں در انحالیکہ نہ ابھی نیزے چلے ہیں نہ تیروں کا سنا ہٹ سنائی دیا ہے نہ لاشیں تڑپی ہیں اُ رسول کو اپنا کام جاری رکھنے کی ہمت دلائی ہے۔ آخر دم تک مدد کا اعلان کیا ہے اور دین کی تعریفیں کی ہیں حیرت کم نہیں ہوتی جب یہہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت ابوطالب کی باتوں سے مشرکین کو انکی طرف سے یاس ہو جاتی ہے لیکن مسلمان اُنکے کفر و ایمان کے متعلق سوال کرنا اپنی اسلامیت کے شایان سمجھتے ہیں اُنہیں یہہ بھی خیال نہیں کہ حنیف کم سے کم موحد سمجھے جاتے تھے اور خود حضرت عبدالمطلب مجدد توحید خیال کیے گئے ہیں۔ ان استنباطی حالتوں سے درگذر کرکے وہ اس موٹی اور صاف روایت سے بھی آنکھ بند کرلیتے ہیں کہ حضرت ابوطالب علی کو رسول کے ساتھ نماز پڑھتا دیکھکر اپنے دوسرے فرزند کو بھی شریک کردیتے ہیں اسکے بعد میں مورخین کے وجہ اصرار پر اگر کوئی ہو۔ کوئی نظر نہیں ڈالتا۔

میں حضرت ابوطالب کی محبت کی مثالیں دے رہا تھا اور میں نے کہا ہے کہ حضرت فاطمہ بنت اسد کو بھی بڑی محبت تھی۔ یہہ خود رسول کی زبانی ہے جب کہ علی اپنی مادر گرامی کی رحلت کی خبر دیتے ہیں اور رسول

رسول حضرت فاطمہ بنت اسد کی لاش سے کیونکر مخاطب ہوئے

لاش کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں معلے میری ماں خدا تجھپر رحم کرے تو میری ماں کے بعد میری ماں تھی آپ بھوکی رہتی تھی اور مجھکو کھلایا کرتی تھی تو خود نہیں پہنتی تھی مگر مجھکو کپڑے پہناتی تھی۔ تو اپنے نفس کو اچھے کھانے سے باز رکھتی تھی اور مجھے سیر کرتی تھی اور مجھسے حسن سلوک سے پیش آتی تھی" بے موقع نہ ہوگا اگر

مین یہہ خواہش ظاہر کرون کہ رسول و ابن مریم کے اپنے پالنے والی اور حقیقی ماں سے برتاؤ کا موازنہ کیا جائے۔
مین نے رسول کو شام کی بازارون مین دکھایا تھا۔ ابھی ابھی مین کہون کیونکہ عرب ابھی
انہین اسی خطاب سے یاد کرتا تھا اُسے بھی ابھی یہہ معلوم نہ تھا کہ یہہ آیندہ صرف ہمارا بلکہ عالم کا ہادی
ہونے والا ہے۔ میری کتاب کا ناظر جانتا ہوگا کہ خدا نے نبی عربی کو حسن ذاتی بھی معمول سے زیادہ عطا فرمایا
تھا مین یہان آمادہ نہین ہون کہ تفصیلاً حلیہ مبارک عرض کرون۔ شام سے تمام مال فروخت کرنے کے بعد واپس
آئے اور ایک آدھ منزل سے اپنے قافلہ کے لوگون نے خواہش ظاہر کی کہ حضرت خدیجہ کے پاس جاکر سفر کی کامیابی
کی خوشخبری دیجائے۔ رسول گئے۔ حضرت خدیجہ نے ایک سوار کو آتے دیکھا شان بھلا معلوم ہوئی سوار نہین
کے گھر ٹھہرا۔ حال کہا مسرت زیادہ ہوئی اور خواہش کی کہ اس مرتبہ پھر قافلہ کے ساتھہ اسیطرح آؤ مین حیات القلوب
کی عبارت مین حضرت خدیجہ کی مسرت مین جذبہ محبت پاتا ہون اور تائید اس سے ہوتی ہے کہ وقت عقد
اپنے چچا کی وکالت کی پابند نہین رہتین۔ بلکہ وہ اختیارات صرف کرتی ہین جسکی نظر تاً بالغہ مجاز ہے۔

رسول اور خدیجہ

حضرت ابوطالب اپنے خطبہ مین بقول ابن خلدون فرماتے ہین کہ محمدؐ کا جس سے چاہو مقابلہ کرو وہ سب سے
راجح نکلے گا۔ یہہ بھی فرمایا کہ ہمکو خدا نے حرم مین عامہ ناس کا امن وامان اور حاکم قرار دیا ہے اور ہمکو مخصوص
کیا ہے اُس گھر سے جہان اطراف سے لوگ جمع ہوتے ہین۔ جانو کہ تم کسی کو قیاس نہ کروگے مگر یہہ کہ میرا
بھتیجہ اُس سے عظیم تر ہوگا۔ اُسکے پاس مال کم ہے لیکن مال تغیر پذیر چیز اور سایہ کیطرح ہے اُسے خدیجہ سے
رغبت عقد اور خدیجہ کو اُس سے خواہش عقد ہے۔

ابوطالب کا خطبہ

یہہ بات مشہور ہے کہ رسول کا سن اقدس اسوقت پچیس برس کا تھا اور حضرت خدیجہ کبریٰ کی عمر شریف چالیس
برس کی تھی روایتین اس سے کم عمری کی بھی ہین لیکن تواتر کا زیادہ وزن اول الذکر سن پر ہے۔ مین
اسپر کوئی بحث نہین کرسکتا کہ حضرت خدیجہ کا اس سے پہلے عقد ہوا تھا یا نہین۔ یا زینب رقیہ اور
ام کلثوم حضرت خدیجہ کے بطن سے تھین یا اُنکی بہن ہالہ بنت خویلد کی لڑکیان تھین جنکی وفات کے
بعد حضرت خدیجہ نے اُنکی پرورش کی۔ یہہ بحث ضروری ہو یا نہ ہو کم سے کم میرے لئے غیر متعلق ہے۔

سن شریف

مجھے جو کچھہ اس تذکرہ سے غرض ہے وہ یہہ ہے کہ حضرت خدیجہ کی ذات بھی منجملہ
اُن نفوس اقدس کی تھی جنسے حضرت رسول کو واقعی تسکین ہوئی اور جنکی وجہ سے رسول کو اپنے کار
رسالت کی انجام دہی مین آسانی ہوئی۔ بہت کچھہ سمجھانے کے لئے حیات القلوب مین علامہ

حضرت خدیجہ کی ذات کا اسلام مین درجہ

مجلسی کا یہہ انتخاب کافی ہے کہ "در روایتے دار دشدہ است کہ خدیجہ نیکو وزیرے و معینی بود برائے رسالت آنحضرت ہر گاہ کہ مردم از و دوری میکردند او مونس آنحضرت بود و ہر گاہ کہ اہل مکہ آنحضرت را آزار میکردند دیارے آنحضرت می نمود و آنحضرت را دلداری می نمود و بحسن معاشرت و ملاطفت آنحضرت را از کدورت بیرون می آورد و بمال خود آنحضرت را معاونت می نمود" یہہ روایتین عام ہین کہ کسطرح کسی بی بی نے رسول سے سوال کیا کہ آپ کو مجھسے زیادہ محبت ہے یا خدیجہ سے اور رسول نے پرنم آنکھون سے جواب دیا کہ خدیجہ نے میری اُسوقت تصدیق کی جبکہ سب انکار کرتے تھے اور اُسوقت مونس تھی جبکہ سب تکلیفین پہونچاتے تھے۔ مین اس سوال کو اس کمزوری کے لحاظ سے قابل معافی سمجھتا ہون کہ محض کم عمری حسن صفات کے مقابلہ مین محبت کی محرک سمجھی گئی تھی یا قیاس کیا گیا تہا کہ رسول وقت کے لحاظ سے مروت مین موجود کو بہ مقابلہ گذشتہ کے ترجیح دینگے لیکن رسول کی حالت اور الفاظ نے جو کچہہ سمجہایا وہ سوال کے عکس کا زیادہ موید ہے جسکے معنی ہین کہ "تم اُسوقت تصدیق کرتی ہو جسوقت اور جسکے پہلے بہت سے تصدیق کر چکے ہین تم اُسوقت مونس ہو جسوقت اظہار محبت کے لئے بہت سے آمادہ ہین" رسول کی محبت کا اندازہ اس سے ہو سکیگا کہ سنہ

| عام الحزن | بعثت جسمین حضرت ابوطالب اور حضرت صدیقہ خدیجہ کبرے نے چند روز کے عرصہ مین رحلت فرمائی رسول کے نزدیک عام الحزن تہا۔ یہہ مثالین ہین جس سے تم رسول کے نفس قدسی کی خوشبو سونگہو گے |

تم سمجہو گے کہ اُسمین محبت اور قدر شناسی کا کیسا کامل نشو تہا۔ کہ اپنے غلام زید بن حارثہ پر روینگے

رسول کے متعلق چند اشارے

اور کہینگے کہ وہ یہہ ایک دوست کا شوق ہے اپنے دوست کے لیئے" یا کبھی سلمان کے لیئے اپنا تکیہ بڑہا دینگے یا جب مجلس اقدس پر ہو گی تو کسی دور بیٹھنے والے کیلئے اپنا جامہ اقدس بچھا کر بیٹھنے کے لیئے پھینک دینگے یا جب کوئی شیخ عرب کسی غریب پاس بیٹھنے والے سے اپنے کپڑے سمیٹے گا تو کہینگے کہ اسے شخص کیا اُسکی میل تجہہ مین سرایت کر گئی کہ تو کراہت کرتا ہے یا اُسکا افلاس تجہہ مین داخل ہو گیا!

دس برس قبل ہجرت علی کی ولادت اور تاریخ اسلام مین انکی ذات

بعثت کو ابھی دس برس باقی تھے کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ ہونیوالا تہا کہ اگر رسول شارع اسلام ہوتے تو علی حامی اسلام ہوتے۔ اسلام کی مشکلات سے رحلت رسول تک کوئی خوف اور قربانی کی جگہہ تلاش کرو کسی مفید امر کی انجام دہی دیکہو اور تم وہین دیکہو گے کہ علی سامنے

ہیں موجود اور مستعد ہیں گروں اور سر آگے بڑہائے ہیں۔ دل پہاڑ کیطرح قایم ہے۔ رسول کی اطاعت کرنی سیکھی ہے۔ سوال کرنا نہیں جانتے۔ کام کرنا اور حکم بجالانا جانتے ہیں۔ ہونے والا تہا کہ علی رسول کے حکم اور عمل کے شارح ہوتے۔ ہونے والا تہا کہ رسول کے بعد کے تغیرات میں علی یا مظہر اتم نفس رسول کی عظیم الشان ذات حقیقی اسلام کی روح قایم رکہتی۔ ملکی اسلام فتوحات۔ نام۔ شہرت۔ حوصلہ اور غنیمت کے پیچھے دوڑتا۔ علی اس لیئے گوشہ نشین ہوجاتے کہ خاموشی سے اُس سب پر نظر ڈالیں جو دیکہایا گیا تہا خود سمجھ چکے تھے۔ لوگوں کو سمجہانا تہا۔ سمجہانے کے لیئے تیار ہو رہے تھے اپنے کو اسلام کا مجسمہ دکھانا تھا۔

علی سے محبت کے وجوہات

اور یہہ بھی ہونے والا تھا کہ علی اور رسول میں تصور سے بڑہکر محبت ہوتی۔ محبت کی صرف یہہ وجہ نہ تھی کہ رسول ابوطالب اور فاطمہ بنت اسد کے احسانات کا معاوضہ کرتے تھے۔ یہی وجہ نہ تھی کہ لڑکپن سے گودیوں میں پالا تہا۔ یہی وجہ نہ تھی کہ ایک جدی بھی تھے۔ یہی وجہ نہ تھی کہ ابتداے سن سے زیر تربیت تھے اور آپسے اُستاد اور شاگرد کی عزت اور محبت قایم کی تھی یا وہ خلوص اور جانبازیاں ظاہر ہوئی تہیں جو کسی سے ظاہر نہ ہوئیں یا پہلے مسلمان صدیق تھے یا رسول کی تنہا یادگار کے شوہر تھے۔ یا یہہ امید تھی کہ آیندہ یہہ محافظ اسلام ہوں گے۔ بلکہ ان میں ایک دوسرے کی محبت اور عزت ان خیالات اور وجوہات سے بلند ہوکر اس لیئے تھی کہ دونوں ایک دوسرے کو پہچانتے تھے۔ دو نفس قدسی تھے جسکی ایک دوسرے کو قدر تھی۔ ویسا اتصال قلبی جیسا ایسے نفوس طاہرہ میں ہونا چاہیئے۔ دو لویں تہیں جو عالمگیر تاریکی میں روشن تہیں اور ایک دوسرے کو مدد دے رہی تھیں۔

پانچ برس قبل ہجرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی ولادت

بعثت کو پانچ برس باقی تھے رسول کا سن اقدس پینتیس برس کا تہا۔ غالباً اُسی سنہ میں جبکہ مکہ میں بڑا قحط پڑا تہا اور ہمارے ہادی نے حضرت ابوطالب کی کثیر الاولادی کیوجہ سے علی کو مستقلاً پرورش کیلیئے لے لیا کہ تاریخ کا ایک اور ایسا ستارہ طالع ہوا جسکی نرم روشنی طبقہ اناث کے لیئے خصوصیت سے باعث ہدایت ہوتی۔ سیدہ طاہرہ مذکیہ زہرا۔ فاطمہ علیہا اسلام پیدا ہوئیں۔ خالق عباد نے اُنکی وجہ سے ہم لوگوں پر یہہ سوچ سکنے کا احسان فرمایا کہ عورتیں اُس سے کہیں بلند ہوسکتی ہیں جس حد تک سوچنے کے ہم لوگ عادی ہیں۔ مشکل سے کسی شریف کو اُس درجہ عُسرت اور تنگدستی اور تکلیف

مین بسر کرنیکی جرأت ہوسکتی ہی مشکل سے کوئی ایسی حالتون مین شرافت نفس کا ایسا نمونہ رہسکتا ہے۔ یا تسلیم و رضا اسکا حق کہاجا سکتا ہی۔ انکا گھر یہہ فقر و اور اُسکی انتہائی عملی خوبیا انہین کے گھر کے لئے مخصوص ہوئی کہ "عفت غربت کی زینت ہی" پڑہو انکی حالتکو اور تم دیکہو گے کہ تمہارا دل تمہارے قبضہ سے نکلا جا تا ہی۔ کبہی تم انکی مشقتین اور اُسمین انکا خاموشانہ شکر دیکہکر رو دو گے۔ کہین اس حالت مین دوسرون کی مدد اور ہمدردی کا عملی ارادہ دیکہکر تم بیچین ہو جاؤگے۔ کہین انکی اور خوبیان اسطرح اپنی خوشبو پہیلائینگی کہ تم اُسے اُسکے مناسب درجہ عظمت تک سمجہنے سے اپنے آپ کو قاصر پاؤگے۔ کبہی تم پاؤگے کہ ادب کرنے والے گستاخ ہوتے جاتے ہین اور ان صبر شکن حالتون مین جبکہ انہین اُسکے مناسب جواب کا اختیار نہ ہوگا وہ اپنی شریفانہ غیرت کے آفتاب ہون گے۔ اور تم مین شریف کی مجبوری اُسکی حمایت کے لئے جذبات پیدا کریگی اور تم سمجہوگے کہ یہہ حمیت دنیا کی بہترین خوبی ہی۔ تمہین اطمینان ہوگا اور خود اپنی عزت تمہاری آنکہون مین بڑہجائیگی۔ آگے چلکر تم اور حالات اسی کتاب مین پڑہوگے۔

حسین کے آباے طاہرین کے ذکر سے غرض

مین۔ قصےٰ۔ ہاشم۔ عبد المطلب۔ حضرت آمنہ۔ حضرت ابو طالب۔ حضرت فاطمہ بنت اسد۔ حضرت خدیجہ حضرت علی ابن ابی طالب اور فاطمہ زہرا علیہا السلام کے مختصر حالات (مناسب تفصیل آگے آئیگی) اسلیے لکہ رہا تہا کہ آیندہ اپنے ہیرو مین قانون وراثت صفات دیکہہ سکو اور اُسمین نشو صفات کے سمجہنے کی آسانی ہو۔ جس سے آخر مین یہہ فقرہ۔ جو عام تاریخون مین پایا جاتا ہے۔ اچہی طرح سمجہنے مین آنے کے قابل ہو کہ "تربیت یافتگان آغوش پاکیزہ کبہی حقارت اور ذلت کو شہادت کی سعادت پر اختیار نہ کرینگے" جسکے "تربیت" اور "آغوش پاکیزہ" کے لفظون مین ایک معنی دار تاریخ ہی خصوصاً جبکہ بلیغ خطیب نے اسکی صفت اور نتیجہ بہی بیان کیا ہے کہ اُسکی وجہ سے حقارت اور ذلت گوارا نہین کیجا سکتی۔ اور اسیطرح حسین کا وہ قصیدہ: جس کا اس موقع پر جبکہ فی البدیہہ کہا جاتا ایک بہت سی حیثیتون کا معجزہ تہا۔ فخار نقابت کرتا ہے کہ خیرۃ اللہ من الخلق ابی۔ بعد جدّی وانا ابن الخیرتین۔ یہی مفہوم زیارت کے ان فقرات سے پیدا ہی۔ کہ "اشہد انک کنت فی الاصلاب الشامخۃ والارحام المطہرۃ" یہہ فقرات وراثت صفات کے یقین اور احساس سے پُر ہین خود حسین فرماتے ہین کہ یا ایہا الرجل المغبون شیمتہ انی ورثت رسول اللہ عن رسل (ای وہ شخص جسکی طبیعت پا گئی ہی یہہ جان لے کہ مین رسول اللہ کا سلف سے وارث ہون)

وراثت صفات

قانون وراثت صفات کے متعلق کوئی کہتا ہی "وجدان کوئی حقیر شے نہین ہی بلکہ نہ صرف وہ ہمارے

انفرادی بلکہ ہمارے تمام اسلاف کے متحدہ تجارب کا لب لباب ہے قوانین ارتقا کے رو سے ہم اپنے اسلاف کے غیر مدرک خصوصیات ہی کے وارث نہین بلکہ انکے تمام مدرکات محسوسات۔ جذبات وغیرہ بھی توارث کے ذریعہ سے ہم تک منتقل ہوتے ہین اور اس لحاظ سے ہمارا وجدان ایک رجسٹر ہی جسمین اختصار کے ساتھہ گذشتہ نسلون کے کل تجارب محفوظ ہین" میرا ذاتی یقین ہی کہ اسلام مین اصول تبنیت کا نہ ہونا اس دشواری کے احساس سے ہی کہ کسی کا گود لینا وراثت صفات کا کوئی سلسلہ نہین ہے کیونکہ متبنی فطرتاً نہ ذاتی قایمقام ہے نہ صفاتی۔

صحیح ہے کہ محض نسبی افتخار اسلام مین شدت سے دور رکھا گیا ہے لیکن نسبی افتخار کا یہہ پچلا پن ا ور ہے اور ذلیل النفسی سے محفوظ رہنے کے لیئے صفات خاندانی کو سہارا نا اور ہے تم آگے چلکر غور کروگے اس خاندان کی مستند شرافت پر جب دشمن انکی تعریفین کرے گا۔ اسکا اندازہ ہر وقت ویسا ممکن نہین جیسا خاص خاص موقع پر یا امتحان کیوقت۔ مثالین آئینگی کہ دشمن کی حیرت اپنی ذلت اور آنکی شرافت کا ان لفظون مین اقرار کریگی کہ "وہ اسکے باپ کا نفس اُسکے پہلو مین ہی۔ وہ کبھی ذلت گوارا نہ کرے گا" تمدن عرب کی یہہ عبارت

خصوصیات قومی

بھی مفید ہوگی کہ "قوم کے خصایص سے مراد وہ چند محسوسات اور قابلیتین ہین جو اُس قوم کے اشخاص مین پائی جاتی ہین اور اُن قوتون کو ایک ہی طرف مصروف کردیتی ہین۔ یہہ عام مجموعہ خیالات اور محسوسات کا سال دراز مین پیدا ہوتا ہے اسکا نام خصایص قومی ہی" قوم کا لفظ بہ نسبت خاندان کے زیادہ وسیع ہے لیکن جب یہہ خیال کیا جائے گا کہ اکثر خاندان ملکر ایک قوم بنتی ہی تو خاندان قوم کا ایک جزو ترکیبی سمجھا جائے گا۔ اسیطرح خاندان مین کوئی پیدا ہوتا ہی جسکے خصایص ممتاز حیثیت کی قوت رکھتے ہین اُسکی قوت اپنے گرد و پیش اور اثر پذیر نفوس پر عمل کرتی ہے۔ اور یہہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے جب تک بعد کے زمانہ مین ان ممتاز خصوصیات کا ہوش ضائع ہو جائے۔ اثر کن خاصہ کے لوگون کا کسی خاندان یا قوم مین پیدا ہوتے جانا ترقی اور اسکے عکس مین خصوصیات قومی کی تنزلی ہی۔

نبی عربی کا سن اقدس چالیس برس کا ہوا تہا کہ خداوند تعالےٰ نے یتیم عبداللہ کو خاتم النبیین تجویز فرمایا۔ آن پر اپنی قدرت کے راز صاف اور قوی زبان سے کھولے۔ قدرت کی زبان آنکے لیئے کھلی۔ اسطرح کھلی کہ آپ حکم بجالانے اور معنی سمجھنے مین کسی غلط فہمی کی گنجایش نہ تھی۔ صاف اور

وحی اور بعثت

صبح حکم تہا۔ کہا گیا تہا کہ تم نبی ہو۔ نبوت اور رسالت کا لفظ اسوقت تک اس درجہ عام ہوچکا تہا کہ اُسکا مفہوم کسی کے لیے نیا نہ تہا۔ جگہ ایسی نہ تھی جہان بہت سی آوازین آتی ہون۔ سناٹا اور خاموشی تھی۔ غالباً خشک اور بیگیاہ پتھریلی پہاڑی جہان پرندون کے نشیمن بھی نہین ہوتے اور نہ چرندون کے سمون اور چرنے کی آواز سُنائی دیتی ہے۔ یہان کی کھڑی چٹان تھی اور ہمارا ہادی۔ یہان کا سنجیدہ سناٹا تہا اور ہمارا ہادی جہان اُسے خموشی مین ایک آواز بلند ہوتی ہوئی معلوم ہوئی۔ ہمارا کملی پوش تہا جسے تنبیہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ حکم دیا گیا کہ اپنے رب کی بڑائی ظاہر کرے۔ (یا ایہا المدثر قم۔ فانذر۔ وربک فکبر) قم (اُٹھہ) فرمایا گیا تہا۔ کسی دیر کی جگہ نہ تھی۔ تساہل کا خیال ناممکن تہا۔

بشیر اور نذیر انبیا

ہمارے نبی کو فانذر (تنبیہ کر۔ ڈرا۔ دہمکا) کا حکم دیا گیا تہا۔ پیشتر نذیر پیدا ہوچکے تھے۔ یسعیاہ یرمیاہ۔ حزقیل۔ نذیر تھے کس درجہ اثر کے اسکے سمجھنے کے لیئے توریت پڑھو۔ یا اُنکے اثر کو تاریخ یہود مین تلاش کرو۔ یہان اسپر غور کی ضرورت ہے کہ تجدید عہد کے لیئے خداوند تعالی کی مشیت کیون مقتضی ہوئی۔ اور بندون کا اسمین کیا فائدہ متصور ہو نا ہم لوگونکے ناقص فہم مین آسکتا ہے۔ بجز تاریخ کے اور کوئی ذریعہ ہمارے مدد کا نہین ہے۔ یسعیاہ۔ یرمیاہ اور حزقیل کی بے اثری اُنکی قومی تاریخ سے ظاہر ہے۔ بے سود استعارے عناصر قومی کی تربیت نہ کرسکے۔ ان کے بعد ابن مریم نے تہدید کو اس درجہ ترک کیا کہ مشتبہ اطوار کی عورت کو جسنے اُنہین عطریا تیل ملا تہا نجات کی بشارت دی اسلیئے کہ اُس سے محبت ظاہر ہوئی تھی۔ اگرچہ یہود کو اُنکے حق بشارت پر اعتراض ہی کیون نہ ہو۔ وہ صلیب پر چڑہائے جانے کیوقت ایک چور مصلوب کو بہشت کی خوشخبری دے رہے تھے درانحالیکہ اُس سے نہ انابت ظاہر ہوئی تھی اور نہ اُس نے اقرار نبوت کیا تہا بلکہ اُس کے فقرات سے طنز ظاہر تہا اور یہہ غالباً اس لیئے کہ تہدید اُنکے اصول کے خلاف تھی۔ وہ بغیر کسی تہدید یا توبہ کرائے ناقابل اعتماد عورتون کو اپنے زمرہ مین داخل کرلیتے تھے جس سے یہود کو عجب ہوتا تہا یا جس عجب مین بعض یورپین مورخین اُنکے شریک ہین۔ لیکن اسکے آثار نہین ہین کہ کبہین اُنہون نے گنہگار انسان مین جوش انابت پیدا کرنے کے لیئے خدا کی عدالت اور خلاف ورزی کے سزا کا خوف دلایا ہو۔

اسکا اثر

انبیاء سے ہو دنے دہمکا یا بغیر تسکین دلائے۔ ابن مریم نے تسکین دی بغیر خوف دلائے۔ ایک نے اگر یاس پیدا کی تو دوسرے نے محض عفو سے انسان کی قابلیت گناہ پر کوئی رکاوٹ تجویز نہ کی محض بشارت ہو یا محض نذارت اپنی اپنی جگہ نامکمل تھی۔ اور ضرورت پیدا ہوگئی تھی کہ خداوند تعالےٰ کسی کے لیے "انا ارسلناک بالحق بشیراً و نذیرا" (بہ تحقیق کہ بھیجا ہمنے تجھکو ساتھ حق کے بشارت دینے والا اور خوف دلانے والا) کا اعلان فرماتا۔ یعنی ایک ذات مین دو عہدے تجویز کیے جاتے خوف

نبی عربی بشیر اور نذیر تھے

اور بشارت کا وزن اپنی اپنی ضرورت پر کام دیتا نہ محض بشارتین بے مہار ہونے دیتین اور نہ محض خوف اُنہین ناامید کر دیتا۔ یہہ اُنکے خصایل پر بُرا اثر ڈالتین۔ مایوسی اُنہین بُرائیون کی آلودگی مین مصمم کر دیتین۔ محبت اور کشادہ دلی اُن سے جاتی رہتی اور محض تاریکی اُسکا نتیجہ ہوتی۔ یہہ جماعت کا شیرازہ منتشر کر دیتی اور غالباً مذہب کا یہہ لحن یہودیت کا ہم آہنگ ہوتا۔

اسکا اسلامی اصول پر اثر

بعض کی مذہبی سیاست نے اسلام کو مذہب خوف کہنا قرین مصلحت سمجھا ہے۔ یہہ اُنکی حستی اور تالیفی غلطی ہے۔ وہ جان سکتے تھے کہ ہمارا پالنے والا (رب) رحمان اور رحیم ہے اور ہمارا ہادی رحمۃ للعالمین کہا جاتا ہے۔ اور قرآن شریف رحمت اور اُمید کے وعدون سے پُر ہے۔ ہم کسی ایسے اعتقاد کے پیرو نہین ہین کہ انسان فطرتاً گناہگار ہے اور وہ غضب خداوندی کا آماج ہے۔ یہہ نظریہ محبت کے منافی ہے کہ ہم ایسے پیدا ہی کیے جاوین جسپر خدا اپنی قوت غضب کو آزمائے۔ پاپولس کے لفظون مین جیساو گلیتون کو لکہتے ہین کہ "کتاب مقدس نے سب کو گناہ کا ماتحت کر دیا تاکہ وہ وعدہ جو مسیح پر ایمان لانے پر موقوف ہے ایمان دارون کے حق مین پورا کیا جائے" قیاس آسان ہے کہ تمام دنیا کی نیکیون کے بعد بھی اگر خدا اپنے وعدہ کو ملتوی رکھہ سکتا ہے اور خود پولس کے لفظون مین "مسیح پر ایمان لانے سے گناہ کا راست باز ٹھہرایا جانا" قرار پا سکتا ہے تو پیروان مسیحی کے لیے عمل خیر کی کوئی رغبت قطعاً فضول ہے جبکہ محض ایمان لانا کافی ہے۔ ہر وہ شخص جسکو حق و باطل کے امتیاز سے محبت ہے عالم پر ایسے اصول کے اثر کو سمجھہ سکتا ہے۔ ہم مسلمان انا ہدیناہ شاکراً واما کفوراً (چاہے شکر کرین چاہے کفران کرین) کے قایل ہین جیسا ہمین حس اور ادراک دونون ہے۔ ہم مین اپنی آزادی ارادہ اور اسلیئے اسکے عمل کی ذمہ داری کا منصفانہ اقرار ہے۔ اسلام کو مذہب خوف کہنے والے اگر مسلمانون کے کسی ایسے مذہبی مجمع مین شریک ہوئے ہوتے جہان کوئی واعظ خدا کی رحمتون کا ذکر کرتا ہو اور سامعین

اپنے مالک کے احسانون کو سُنکر بیتاب ہوجاتے ہین تو اُسے یہہ مذہب خوف مذہب محبت سے بدرجہا زیادہ مذہب محبت سمجہہ مین آجاتا۔

مسیحیت مین محض محبت کی تعلیم پر دو سرا مبالغہ شفیع مطلق کا تہا مشکل سی یہہ بات سمجہہ مین آتی ہیکہ اگر خدا کا اثر غضب (انسان) محض ابن مریم کی وساطت سی مغفرت پا سکتا تہا تو کیا اونکے قبل کے لوگ باوجود اپنی تمام نیکیون اور ارادہ خیر کے عفو رحمت اور مغفرت سے محروم رہے۔ مسئلہ شفاعت اپنی اس شکل مین انسانی اختیارات کے مصلوبیت کی دوسری صورت ہے۔ اور سب سے حیرت خیز تو کرنتہیون کے نام یہہ عبارت ہے کہ جب سب چیزین بیٹے کے تابع ہوجائینگی تو وہ خود اسکے تابع ہوجائیگا جسنے سب چیزین اُسکے تابع کردین"! انسانی تجربہ اور ضرورتین خاص مواقع پر سفارش یا شفاعت کا خیال دلاتی ہین لیکن اُسکی تعمیم شفاعت کرنے والے کو نہ صرف غیر عادل بلکہ اصل کل خیر کی برباد کن قرار دیتی ہین۔ ہوکہ خدا اپنے کسی پیارے بندہ کی سفارش اسلیئے قبول کرے کہ اُسنے اسکی راہ مین وہ ناگوار مصیبتین اُٹھائین جسکا صلہ نہ صرف اُسکا علوے مرتبہ ہو بلکہ یہہ بھی ہو کہ وہ تمام عمر خطا کرنے والے بندہ کو بخشدے لیکن آیا ایسا بندہ ایسے خاطی بندہ کی سفارش کا موقع پائیگا یہہ ایک دوسری مشکل ہی۔ اور وہ کب اور کتنی مرتبہ اپنی نیکی اور خدمت کا واسطہ دیتا رہیگا؟ انبیا اور ہادیون کی کوشش یہہ ہوتی ہے کہ لوگون کو اپنے حلقہ اطاعت مین اسلیے داخل کرین کہ داخل ہونے والون کے اخلاق اور عادات درست کرین اُسے وہ فرائض بتائین جو اُسپر واجب ہونے چاہئین۔ اسکی کامیابی اُنکی راحت اور اسکی ناکامی اُنکا رنج ہے۔ یہہ سوچنے کے بعد کیا قیاس اسکا مقتضی ہے کہ ایسا نبی اُسکی سفارش کریگا جسے وہ دیکھے کہ اُسنے حلقہ اطاعت مین داخل ہونے کے بعد بہ استثنا داخلہ کے تمام برائیون کا ارتکاب کیا جسکے بچنے کی ہدایت مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کیا گیا تہا۔ سمجہہ کے نزدیک نہ ایسے داخلہ کا اعلان اطمینان بخش ہی اور نہ داخل ہونے والے کی حرکت قابل تسکین جسکی غرض یہہ تھی کہ وہ اپنے گناہون کی گٹھری بہاری کرتا جائے اسلیئے کہ محض داخلہ اُسکی حوالگی اور رد ہو ڈالنے کیلئے کافی ہو۔ مشکل سے کسی نبی کی اخلاقی شان ایسی شفاعت کی مرتکب ہوسکتی ہے۔ یہہ ایسی سستی شفاعت چاہنے والون کے لیئے مزید دشواری ہے۔ وقت آگیا تہا کہ "واتقوا یوما لا تجزی نفس عن نفس شیئا ولا یقبل منہا عدل ولا تنفعہا شفاعۃ ولا ہم ینصرون" (ڈرو اُس روز سے کہ نہ عوض ہوگا کسیکا کسی

کسی چیز کے ساتھ اور نہین قبول کیا جائیگا اور نفس سے کوئی عوض اور نفع نہ دیگی انکو کوئی شفاعت اور
نہ وہ یاری کیئے جاوین گے) کا اعلان کیا جاتا۔

خدا کی بزرگی بیان کرنے کا حکم

اس بشیر و نذیر کو "و ربک فکبر" کا حکم دیا گیا تہا۔ مشکل سے مکہ کی کوئی اونچی یا نیچی جگہہ چھوٹی جہان لوگ
کسی درجے کے دکہائی دیتے ہون اور ہمارا ہادی "قولوا لا الہ الا اللہ" نہ کہتا ہو کس حالت مین کہتا تہا؟
سوچو اور تائید الٰہی پر غور کرو۔ یہہ بھی ظاہر کرنا مناسب موقع ہوگا کہ یہودی ہون۔ نصاریٰ ہون یا کفار مکہ
اُس گھر کے جسے وہ معبد قرار دیتے تھے اور کسی جگہ عبادت نہ کرتے تھے۔ یہی وجہ ہوئی کہ جب تحویل
قبلہ کا حکم نازل ہوا تو یہود طعن کرنے لگے اور اُنسے کہا گیا "وللہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ"
(اور واسطے خدا کے ہی مشرق و مغرب پس جسطرف کہ متوجہ ہو تم پس وہ جہت ہے واسطے طاعت خدا کے)

اسلام کا ذکر حسینؑ کی قربانگاہ کی تصویر کشی ہے

اسلام کے متعلق ضمنی مختصر اشارون سے مین اُس قربان گاہ کی تصویر کہنیچ رہا ہون
جو اس قابل ہو سکتی کہ حسینؑ کا ایسا اشرف الشرفا اپنے کو اُسپر چڑہا دیتا۔ یہہ سوچنا شاعرانہ تخیل نہین ہے کہ
اگر حسینؑ دنیا کے سب سے بڑے شہید تھے تو اُنکی وجہ شہادت بھی سب سے ممتاز ہونی چاہیئے تھی
اور وہ یہہ کہ اسلام جو مذاہب عالم پر ایک ترقی ہے۔ اُسکی لطافت اور روح کے باقی رکہنے کیلیے حسینؑ
اپنے کو قربان کرتے گیا وقت کہ ابراہیم اور اسحٰق کو کوئی پتھر خدا کی قربانی کیلیے مخصوص کرتے یا ابن مریم کیلیے
"یہودیون کے بادشاہ" کا خطاب مصلوبیت کا ذریعہ ہوتا اب وقت تہا کہ حسینؑ کل خیر یا عالم کے
اصول خیر یا حدود الٰہی یا اسلام کو اپنی قربانگاہ بناتے۔ اور خود قربان ہوتے۔ حسینؑ اُسکی شریعت
کی لطافت اور روحانیت قایم رکہنے کے ذمہ دار تھے جو "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (مین اسلیے مبعوث
کیا گیا ہون کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کر دون) فرما سکتا تہا۔

پہلی صدیقہ پہلا صدیق

وحی کے بعد نہ اب مجھے اسکی تفصیل کرنی ہے کہ کیونکر ہمارا ہادی حضرت خدیجہ کبرے کے پاس پہونچا
اور کس عالم مین نہ مجھے یہہ کہنا ہے کہ اگر عالم مین کسی متنفس کو اسلام کا پہلا شرف حاصل ہوا تو وہ ہماری بی بی
صدیقہ تھی جسکے بعد ہمارے سید اور آقا علی ابن ابی طالب کا نمبر تہا رسول تین برس تک دعوت

دعوت اسلام کے تین برس

اسلام فرماتے رہے اور اس زمانہ مین مکہ کے اکثر ممتاز لوگ جنکی تعداد کم و بیش سو کے قریب تھی ایمان

دعوت ذو العشیرہ چوتھے برس

لائے۔ چوتھا برس تہا کہ اسلام کے اعلان کے لیے مخصوص رسمی مجلس قرار دیگئی جو تاریخ اسلامی مین
دعوت ذو العشیرہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہہ مجلس اپنے موضوع کے لحاظ سے کیسی ہمت شکن تھی اُسکے سمجھنے

ابولہب کے الفاظ

کے لیئے ابولہب کے یہہ الفاظ جسے مین کمیسر التواریخ سے نقل کرتا ہون کافی ہو نگے کہ "این سبب جمع آمدید کہ جمع موہوم از
برما ہجوم آرند و قریش را طاقت مقاومت با تمام قبایل عرب نیست" لیکن ابولہب کے ایسے ہزار فقرے آپسے
نہیں ہٹا سکتے تھے جسے اپنے مالک کی طرف سے "قم" کا حکم دیا گیا تہا۔ آپ اٹھے اعلان کیا اور بقول

وصایت اور خلافت کا اعلان نبوت کے اعلان کے ہمرکاب

ابوالفدا فرمایا کہ "جو شخص میرے کار ہدایت مین مدد دیگا وہ میرا خلیفہ اور وصی ہوگا" بہادر اور عرب کے
ممتاز لوگ بیٹھے تھے لیکن اس جرأت نمائی نے کسی کو ممتاز نہین کیا کہ وہ مددگاری کا اعلان کرتا اگرچہ تمام عرب
اُسکے دشمن ہو جاتے جسوقت مسن اور تجربہ کار لوگ اعلان کی اہمیت پر غور کر رہے تھے رسول کی گود کا کھلایا بچہ
جواب قریب سولہ برس کا ابھرتا ہوا نوجوان تہا اٹھہ کھڑا ہوا بیعت کی اور کار رسالت مین مدد کا اعلان کیا۔
رسول کی آنکھین۔ چہرہ اور زبان سب بقول ڈیون پورٹ کہہ رہی تہین کہ "میرے بھائی اور وزیر کو دیکھ لو" یا
بقول ابوالفدا "یہہ میرا وصی اور خلیفہ ہے" یا بقول روضۃ الصفا وغیرہ "این برادر منست و وصی من
سخن او را بشنوید و از فرمان او تجاوز منمائید" عموماً یورپین مورخین جنہون نے تاریخ اسلام لکھنے کی ضرورت
سمجھی ہے اس حامی اسلام کے اسوقت کے اعلان کی عمدہ لفظون مین تعریف کی ہے۔

خلیفہ بنانا خدا کے ہاتھ مین تہا۔

متذکرہ صدر سطرون کے سوچنے مین اور زیادہ لطف آئیگا جب ابن خلدون کا یہہ فقرہ یاد رکھا جائے
جو مشرکین قریش رسول سے کہتے تھے کہ "ہم اس شرط پر ایمان لائینگے کہ ہمکو ملک و حکومت دیدو اور
رسول جواب دیتے تھے کہ یہہ کام اللہ جلشانہ کا ہے مین وعدہ نہین کر سکتا" یا جیسا مترجم ابن خلدون

قریش کی خواہش انکی طبیعت کا آئینہ ہے

نوٹ مین ابن اثیر سے نقل کرتا ہے کہ جسوقت آپ نے بنو عامر کو دعوت دی تو کسی نے کہا کہ "اگر ہم تمہاری متابعت
کرین اور اللہ تعالی ہمکو تمہارے مخالفین پر فتحیاب کرے تو کیا ہمکو اپنے بعد اپنا خلیفہ بناؤ گے" آپ نے فرمایا
یہہ کام اللہ تعالی کے اختیار مین ہے جسے وہ چاہیگا کریگا" اس شخص نے کہا "یہہ بہت درست ہے کہ
اسوقت تو ہم تمہارے لیئے اپنی گردنین عرب کے سامنے کردین اور پھر جب تم کامیاب ہو تو دوسرے لوگ صاحب
حکومت ہو جائین" یہان مجھے یہہ سمجھانے کی غرض تھی کہ ذوالعشیرہ مین رسول کا اعلان حکم خدا سے
تہا اور اگرچہ اسکی مخصوص غرض اعلان توحید اور نبوت تہا مگر آپ نے دیکھا کہ وصایت اور خلافت
کا اعلان بھی ضروری سمجھا گیا۔

خلافت کیلیے مذہب فروشی پر تیار تھے

دوسری بات جو اسمین دیکھنے کی ہے وہ یہہ کہ عرب کسی مذہب کے قبول کرنے کے لیئے ایک باقاعدہ
مالی مسئلہ پیش کرتا تہا اُسکے نزدیک مذہب ایسی چیز تھی جو روپیہ پر فروخت ہو سکتی۔ اسکی لوٹ ثابت

اور مثالین

بھی یہی تھا ن بندۂ رعب پرشان و شوکت کا وہ اثر ہوا جو اثر ڈالنے والون کے کام آسکتا تھا مثلاً دار الحکومت سے دور مقام کے لوگ جب معاویہ کے دربار مین پہونچے تو وہان کی آرائشین دیکھکر کسی نے کہا "السلام علیک یا رسول اللہ" جسپر امیر شام کو مسکرا دینے کی ضرورت ہوئی۔ یا جیسا ملا جامی شواہد النبوۃ مین ایک عرب سبیع محاربی کا ذکر کرتے ہین جسے اپنا اونٹ خدا سے زیادہ پیارا تھا۔ یا جیسا روضۃ الصفا مین ایک لطیفہ ہے جسے مین ناظرین کی دلچسپی کے لیئے لکھدیتا ہون۔ مہدی عباسی ایک روز شکار مین گیا۔ بھوک اور پیاس سے بیتاب ہوکر یہہ ایک اعرابی کے جھونپڑے مین گھس گیا اور اُس سے اپنی حالت بیان کی۔ غریب اعرابی نے جو کچھ اُسکے پاس موجود تھا حاضر کیا اسمین ایک قدح شراب بھی تھا خلافت مآب نے چند گھونٹ نوش فرمانے کے بعد سرور مین اعرابی سے پوچھا:۔

"مجھے جانتا ہے؟" جواب دیا نہین۔ کہا:۔ "مین امیر کا خادم ہون" چند گھونٹ اور ملاحظہ فرمانے کے بعد:۔ "مجھے پہچانتا ہے؟" جواب دیا:۔ "آپ امیر کے خادم ہین" کہا:۔ نہین مین مصاحب ہون" چند گھونٹ اور ملاحظہ کے بعد:۔ "مجھے جانتا ہے؟" جواب دیا:۔ "حضور نے ابھی فرمایا ہے کہ آپ امیر کے مصاحب ہین"۔ کہا "نہین مین خود امیر ہون" یہہ سُنکر اعرابی نے کاسہ سامنے سے اُٹھا لیا اور کہا "اسکے بعد اب رسالت اور الوہیت کا درجہ باقی ہے" مہدی ہنسا اتنے مین اُسکے متلاشی خدام بھی پہونچ گئے اور مہدی نے اعرابی کو انعام دیا۔ انعام پاکر اعرابی نے کہا:۔ "مین نے چوتھے اور پانچوین دعوی کو بھی قبول کیا" بعض تھے جو یہہ کہتے تھے کہ اگر تم نبی ہوتے تو اسطرح زمین پر پاؤن گھسیٹتے نہ چلتے۔ یہہ مثالین عرب کی اس شرابہ طبیعت کو کافی حد تک سمجھا ئینگی۔ ورنہ یہہ آسانی سے سمجھہ مین نہ آئے گا کہ کیونکر سنان ابن انس ملعون یہہ شعر پڑھہ سکتا تھا کہ "اوقر رکابی فضۃ وذہبا * انی قتلت السید المحجبا" جسکا ذکر آنیوالا ہے۔ رسول حیرتناک طریقہ سے فقراء مین تقوے سے استغنا پیدا کرکے حرص اور طمع کو قابو مین رہنے کی تعلیم مین بھی کامیاب ہوئے۔ اسکے سمجھنے کیلئے اُن دو زمانون کی روش پر غور کرو جب تک رسول کی عادلانہ مصلحت کے لوگ تابع رہے اور جب امتیاز کے خوگر ہوگئے۔

۱۱۔ بعض الوہیت کا غلط مزعن

دعوت ذو العشیرہ کے بعد یعنی مسلمانون کے ہجرت حبشہ کے زمانہ تک قریب دو سو سمجھہ دار لوگون کے

اصول اسلام کے پیرو ہو چکے تھے - جون جون زمانہ گذرتا جاتا تہا رسول کا جوش ہدایت بڑھتا جاتا تھا اور اسیطرح کفار قریش کا جوش مخالفت بسرکردگی ابولہب اور ابوسفیان زیادہ ہوتا جاتا تہا - مومنین کفار کی اذیتین سہتے تھے اور صبر و رضا کے ساتھہ اپنی تسکین روحانی پر قایم تھے یہان تک کہ تہتر یا بیاسی کے قریب آدمیون کو حبشہ کیطرف ہجرت کرنے کا حکم ملا - اس قافلہ کے سردار حضرت جعفر ابن ابی طالب تھے - قریش اسپر بھی رضامند نہ تھے کہ وہ لوگ جو ایمان لائے ہین عرب کے باہر بھی آرام سے رہ سکین اور اس غرض سے کہ نجاشی اُنہین عرب مین پھر واپس کردے کہ اُن اہل ایمان کے ساتھہ یہہ لوگ اپنی خواہش کے موافق برتاؤ کر سکین قریش نے دو شخصون کو منتخب کیا جنہون نے اسلام کے پولیٹیکل اقتدار کے زمانہ مین نہ صرف نام اور شہرت حاصل کی بلکہ اہلبیت نبوت کے حقوق کو نقصان پہونچانے مین نہایت ممتاز ہوئے - انمین سے ایک عمر عاص تھے جنکی قرآن اور نیزے کے ربط یا حکم کی کارروائی مشہور ہے اور دوسرے عبداللہ ابن ابی ربیعہ جنہون نے عثمان کے خلیفہ منتخب ہونے مین عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرح کی تائید کی تھی - ان دونون نے تحفہ اور تحائف کے ساتھہ حاضر ہو کر حضور اُنکے گروہ کے تخرجہ کی خواہش کی نجاشی نے حضرت جعفر ابن ابی طالب سے حالات پوچھے اور انہون نے جو کچھہ فرمایا وہ نہ صرف اگلی حالت کا موجودہ حالت سے مقابلہ تہا بلکہ دین اسلام کا خلاصہ تہا - نجاشی نے قریش کے تحائف واپس کردئیے اور مہاجرین کو رہنے کی اجازت دی یہہ پہلی ہجرت تھی جو اہل اسلام مین اپنے دشمنون کے خوف سے واقع ہوئی -

ہجرت حبشہ

عمر ابن عاص اور عبداللہ ابن ربیعہ کی قبل الاسلام ایک کوشش

قریش کو جب معلوم ہوا کہ حبشہ مین ہماری کوشش بے سود ہوئی تو انہون نے ایک بڑی صحبت مین یہہ طے کیا کہ جسطرح بنے ہم لوگ محمد ابن عبداللہ کو قتل کرین اُنکا یہہ تصفیہ ابوجہل کے اس اعلان کے بعد تہا کہ جو محمد کو قتل کرے گا ہم اُسے سو اونٹ اور ہزار اوقیہ سونا دینگے اور اسکے لیئے وہ آمادہ ہوئے جنہین تاریخ اسلام کو خلیفہ ثانی دیکھنا تہا لیکن اسلام اُنکے بُرے ارادہ پر غالب آیا - اسوقت اسلامی جماعت اسقدر مختصر تھی کہ اسمین کسی ایک فرد کا داخل ہونا بھی اس چھوٹی سی جماعت کیلئے بڑی خوشی کا باعث ہوتا تہا - میرے لیے یہہ عجب کی بات نہین ہے کہ اُس شخص کے داخل اسلام ہونے پر معمول سے زیادہ خوشی کیگئی ہو گی جسنے شارع کے قتل کا ٹھیکہ لیا تہا یا خود ہادی نے ارادہ قتل

عامۂ قریش کا تصفیہ قتل رسول کیلئے

مختصر جماعت کیلئے کسی ایک فرد کا داخلہ بھی موجب مسرت ہوتا ہے

رکھنے والے سے اپنے حلقہ اطاعت مین داخل ہونے کا اقرار سنکر اللہ اکبر فرمایا ہوگا حضرت ابوطالب کو جسوقت قریش کے اس تصفیہ کی خبر معلوم ہوئی تو آپ نے بھی معہ حضرت نبوی کے طریقہ حفاظت پر غور فرمانا شروع کیا اس مشورت مین حضرت حمزہ عباس و دیگر بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب بھی تھے جناب رسالت مآب نے فرمایا "ہمارے اقربا اور مددگارون کے مکان مشرکین مکہ کے درمیان پراگندہ مین اس صورت مین ہم لوگ اپنی حفاظت نہین کر سکتے مناسب ہوگا کہ ہم سب لوگ کسی ایک جگہ کو اپنی پناہ قرار دین جبتک خدا ہم مین اور ہماری قوم مین کوئی تصفیہ نہ کرے" یہہ راے پسند کیگئی سب نے مکہ سے کوچ کیا اور شعب ابوطالب مین پناہ لی حضرت ابوطالب نے درہ کی محافظت کی اور تمام کمزور اور حملہ کے قابل مقامات پر پہرہ والے مقرر کئے۔ اور خود اکثر اوقات معہ اپنے فرزند علی ابن ابی طالب کے مسلح رہتے تھے۔

حضرت ابوطالب قریش کا ارادہ سنکر تصفیہ حفاظت پر غور کرتے ہین

شعب ابوطالب

یہہ دیکھکر قریش نے ایک دوسرے جلسہ مین یہہ طے کیا کہ بنی ہاشم سے ہر قسم کی معاملت اور معاشرت ترک کیجائے اور کسیطرح اب و دانہ اُن تک نہ پہونچنے پائے۔ اُسوقت کیحالت کو صاحب سیر الائمہ نہایت خوبصورت اور قابل تعریف روش مین ظاہر کرتا ہے جسے مین ناظرین کی پسندیدگی کیلئے پیش کرتا ہون "مدت سہ سال کار بدینگونہ رفت و ابوطالب و یاران آنحضرت در حفظ و حمایت او دقیقہ غفلت نمی نمودند و بہ آن عزت کہ در بزرگان عرب داشتند این ہمہ ذلت و خواری را تحمل نمودند و چنان عشق و ارادت پیغمبر در دلہاے ایشان جای گیر شدہ بود کہ باین ہمہ زحمات۔ والطمات ہیچ از براے ایشان ملالت و کسالتی دست ہوا داری پیغمبر روی نمی داد چون شخص عاقل درین امور تامل کند جز قوت تصرف پیغمبر در قلوب آن مردم چیزے نخواہد دید و چون در قوت تصرف او غور کند خواہد دانست کہ این تصرف از دو جہت است یکے حسن اخلاق و یکی قوت تاثیر کلام کہ ہرچہ میفرمود چنان مبنی بر عقل بود کہ در قلوب ہوشمندان کالنقش فی الحجر جای گیر میشد و ہیچ اغراض شخصیہ از فرمایشات او فہم نمی کردند جز خیر بندگان خدا و تربیت ایشان و این مردمی کہ بر آنحضرت دل نہادہ بودند ہمگی مردم با عقل بودند" اس ناگوار حالت مین تین برس گذر گئے علامہ مجلسی فرماتے ہین کہ اکثر اوقات کھانے پینے کی چیزین اسقدر نایاب ہوجاتی تھین کہ بنی ہاشم کے بچے بھوکے ہوجاتے تھے اور اکثر محاصرہ کرنے والے اونکے رونے کی صدا سنتے تھے۔ یہہ پہلا محاصرہ اور پہلا موقع تھا جہان آل ہاشم پر آب و دانہ بند کیا گیا تھا۔

بنی ہاشم سے معاملت اور معاشرت ترک کیگئی جس سے آب و دانہ کا قحط ہوا۔

نبی کی قوت تصرف

برائی سنانے کو برائی ثابت کیا

اسکے بعد روساء قریش نادم ہوئے اور انمین سے پانچ نے جاکر خانہ کعبہ مین اپنے پیشتر کے عہدنامہ سے
بیزاری ظاہر کی اور قریب قریب سب نے انکا ساتھ دیا حضرت ابوطالب کو خبر دیگئی۔ لوگ محاصرہ سے نکلے
مہاجرین حبشہ کو جب معلوم ہوا کہ قریش کا جوش عداوت کم ہوگیا تو یہہ لوگ بھی واپس ہوئے اور اپنے ہادی کی
زیارت سے تسکین اور مسرت حاصل کی۔ ہمارا ہادی کا پھر کھڑا ہوا نقابت اسلام کیلئے ہر وضیع و شریف اسکے

دعوت اسلام کا مختلف طبائع پر اثر۔

نزدیک مساوی اور عبد خدا تہا کبھی سوق عکاظ مین تھے تو کبھی ذوالمجاز مین اور کبھی جبل اسمٰعیل پر کھڑے
ہوئے آنے جانے والوں کو بلند آواز سے خدا کیطرف پکارتے تھے۔ کچہہ مسخراپن کرنے والے تو ہین و تضحیک کرتے
تھے۔ اور بانکو لغو سمجھے ہوا مین اڑانا چاہتے تھے اور کچہہ تھے جو خاموش کھڑے رہتے تھے سنتے تھے
دیکھتے تھے کہ الفاظ دلمین گھسے جاتے ہین اور انکی بہترین سمجہ تصفیہ کر رہی ہو کہ یہہ کہنے والا سچ کہہ رہا ہے
کچہہ اسلام قبول کرتے تھے اور جو اقرار بھی نہ کرتے تھے وہ رسول کے الفاظ وزن طرز کلام صفائی نفس اور
تعلیم کی خوبی کا اثر لیکر واپس جاتے تھے۔ اور اطراف و جوانب مین انکی بزرگی عقل فصاحت خوبی
اور سچائی کی شہرت ہو رہی تھی۔

مدینہ کے چہہ متلاشی

زمانہ حج آگیا۔ دور دور سے لوگ جمع ہوئے اور نقیب خدا نے اپنے سننے کیلئے آدمی پائے ایک نہایت
مفید امر کی ابتدا ہوئی وہ یہہ کہ رسول کی شہرت سنکر مدینہ کے چہہ آدمی دریافت حال کیلئے آئے یہہ لوگ قبیلہ
خزرج کے تھے۔ یہہ لوگ کچہہ کلام اور آیات قرآنی اپنے ساتھہ لیتے گئے مدینہ مین لوگونکو دکھلانا شروع کیا

اسلام کا مشنری

اور اب لوگ متواتر مدینہ سے مکہ آنے لگے۔ یہانتک کہ حضرت کو تعلیم اسلام کیلئے مصعب بن عمیر بن
ہاشم بن عبد مناف کو بھیجنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ غالباً یہہ اسلام کے پہلے مشنری تھے حیرت خیز
سرعت سے اسلام اہل مدینہ مین پہیلنے لگا اور باستثناء چند قریب قریب کل مسلمان ہوگئے۔ سوچنے

ایسی جگہ اسلام کی اشاعت جہان اسلام کا کوئی سیاسی اقتدار نہ تہا۔

کی بات ہو کہ نہ مدینہ مین کوئی تلوار بھیجی گئی تھی اور نہ کوئی ایسی ذات روانہ کیگئی تھی جو خوف دلاتی ہو یا
جسکی مدد کیلئے عقب مین تلوارین اور نیزے ہون اور لوگ مرعوب ہوکر دین مین داخل ہوگئے ہون بلکہ
اسلام کا سادہ صاف اور فطری اصول تہا جسنے ہر دلعزیزی پیدا کی۔ یہہ حالت یقیناً اپوتسع ابن
نون۔ اسوک اور قسطنطین کے رشک کے قابل تھی۔

کوہ صفا سے دعوت

یہی یا اسکے قریب کچہہ پیشتر کا زمانہ تہا کہ بقول علامہ مجلسی زمانہ حج مین کوہ صفا کے اوپر سے حضرت نے
حاجیون کو دین کی دعوت دی مشرکین قریش پہاڑی کے گرد جمع ہوگئے اور پتھر پھینکنے لگے۔ حضرت

اسے چھوڑ کر کوہ مروہ پر گئے اور مشرکین یہان بھی ساتھ ساتھ پتھر پھینکتے ہوئے آئے کوئی پتھر فرق مطہر پر لگا اور خون جاری ہوا اسے بھی چھوڑ کر حضرت کوہ ابوقبیس پر تشریف لیگئے لیکن مشرکین پیچھے پیچھے رہے اور ایذا رسانی کی فکرین کرتے رہے حضرت خدیجہ اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو یہہ خبر معلوم ہوئی آئے دیکھا کہ کوہ ابوقبیس پر آفتاب رسالت چمک رہا ہے۔ وحدانیت خدا اور اپنی نبوت کا اعلان ہے اور گرد پہاڑ کے مشرکین ہین کچھ اوپر چڑھتے جاتے ہین اور اس فکر مین ہین کہ قریب پہونچکر ایذا دین۔ شام کی تاریکی پہیلنے لگی اور ہمارا ہادی کسیطرح نرغہ اعدا سے نکلکر گھر تشریف لایا مشرکین یہان بھی پہونچے اور گھر پر پتھر پہینکنے لگے یہان تک کہ رحمۃ للعالمین نے اُنہین مخاطب کرکے فرمایا کہ "اے قریش تمہین شرم نہین آتی کہ تم اپنی نجیب ترین عورت کے گھر مین پتھر پہینکتے ہو" یہہ سنکر قریش کو شرم آئی حمیت اور نجابت کا خیال کیا واپس گئے۔

علی اور خدیجہ دیکھتے ہین

کفار قریش نے حضرت خدیجہ کا احترام کیا

سردار عرب حضرت ابوطالب اور ملکۂ عرب حضرت خدیجہ کی رحلت سے مشرکین قریش جناب رسالت مآب کو اذیتین پہونچانے مین اور دلیر ہوگئے۔ دوبارہ عہد لیے گئے جنمین ابوسفیان نہایت پیش پیش تہا ان لوگون نے راستہ مین کانٹے بچھانے اور پتھر پہینکنے مین اپنی عورتون اور بچون کو بھی شریک کر لیا اور خود استہزا کیلئے ہر جگہ موجود رہنے لگے۔ یہہ بھی ہوا کہ نفاست پسند ہادی پر اوجھڑیان پہینکی گئین اور پیچھے پیچھے سیٹی بجائی گئی کبھی سر اقدس سے خون بہا تو کبھی تلوے زخمی ہوئے اور کبھی ایڑیان لہو سے تر ہو گئین۔

مشرکین کب زیادہ دلیر ہوئے

ہادی کی حالت

خدا خدا کرکے یہہ زمانہ بھی گذرا لیکن نہ مومنین کے ایمان مین وحشیانہ مظالم سے کوئی لغزش ہوئی اور نہ مشرکین کی اذیتین ہادی کے جوش کو کم کرسکین یہان تک کہ مدینہ مین اسلام شائع ہوا اور اہل مدینہ نے خواہش ظاہر کی کہ نبی خدا اور اُنکے کل پیرو مدینہ چلے آئین وہان کے مسلمین اُنکی ہر طرحکی حفاظت کرینگے۔ کل مسلمانون کا ایک جسم جانا ناممکن تہا۔ رفتہ رفتہ لوگ جانے لگے اور اہل یثرب نے اُنکی مدارات مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا مشرکین کو خبر معلوم ہوئی اور اس مرتبہ وہ نئے جوش سے رسول کے قتل پر آمادہ ہوئے۔ اور دوبارہ رسول کے سر اقدس کیلئے انعام کا اعلان کیا گیا لیکن خداوند تعالی ہمارے سید کو دشمنون کے درمیان سے محفوظ نکال لے گیا اور محفوظ مدینہ پہونچا دیا۔ مؤلف مناہج النبوۃ کی یہہ روایت کہ حضرت مکہ معظمہ سے نکلتے وقت حزورہ پر کھڑے ہوئے

مدینہ کی ہجرت

رسول کے سر اقدس کیلئے دوبارہ انعام مشتہر کیا گیا

اور فرمایا کہ واللہ تو زیادہ محبوب ہی میرے نزدیک خدا کی زمینون مین اگر تیرے اہل مجھکو باہر نہ نکالتے

وطن سے ہجرت اسوقت کیا فرمایا

کون نہین جانتا کہ رسول خطرہ کے موقع پر اپنا کوئی قائمقام بجز علی کے نہ پاتے تھے کسنے نہین سُنا کہ علی ان تلوارون کی چھان مین سوئے جو رسول کے قتل کیلئے کہنچی گئی تہین بستر رسول پر سوئے جہان رسول کے دہوکے مین شہید ہو جاسکتے تھے ۔ دیون پورٹ نے بہترین الفاظ مین خاکہ کہنچا ہی اسوقت کا جبکہ مشرکین کچھ تو دیوار کے قریب سے دیکھہ رہے تھے کہ رسول سو رہے ہین اور کچھ گھر مین داخل ہوئے کہ کام تمام کردین ۔ لیکن بجاے اپنے شکار کے نوجوان علی کو متانت اور تسلیم و رضا سے اُس موت کا منتظر دیکھا جو اُنکے سردار کیلئے تجویز کیگئی تھی اسقدر اخلاص نے اُن خونیون مین رحم پیدا کیا اور علی سے تعرض نکیا

بستر رسول پر قتل ہوجانے کیلئے علی خلیفہ تھے

کیا سچ کہتا ہی صاحب مناہج النبوت کہ "جناب ولایت مآب اوّل ہین اُس شخص کے جسنے فدا کیا اپنی جان کے تئین اور بیچا اپنے تئین راہ محبت مین رسول خدا کی یہہ آیت اُس جناب کی شان مین اس باب مین نازل ہوئی ہی کہ و من الناس من یشتر النفسہ ابتغاء مرضاۃ اللہ واللہ رؤف بالعباد (مردون سے وہ شخص جو بیچتا ہی اپنی ذات کو خدا کی طلب خوشنودی مین اور خدا مہربان ہی ان بندون پر جو اُسکی طلب رضا مین اپنی جان فدا کرتے ہین)

ایک وقت تہا کہ حضرت ابوطالب فرماتے کہ " واللہ لن یصلوا الیک بجمعہم حتی اوسد فی التراب دفینا (قسم ہی خدا کی کہ وہ سب ملکر بھی تیرا کچھہ نہین کرسکتے جبتک مین زیر خاک مدفون نہ ہوجاؤن) اب وقت تہا کہ وہ جو اُنکے بعد محافظ تہا یہہ کہتا تہا کہ :- اردت بہ نصرا لہ تبتلا - و الزمتہ حتی اوسد فی قبر (یہہ مینے ہر چیز سے قطع نظر کرکے محض خدا کے دین کی امداد کی نیت سے کیا اور آیندہ بھی یہی ٹھان لی ہے جبتک کہ قبر مین تکیہ لگا کر نہ لیٹون)

باپ اور بیٹے کی ہم معنی شاعری

سراقہ کی روایت مشہور ہی کہ کیونکر وہ انعام کے لالچ مین رسول کا تعاقب کرتا رہا کسطرح وہ مجبور ہوگیا اور رسول نے اُسکی جان بخشی فرمائی ۔ اسیطرح بریدہ ابن الخطیب اسلمی ستر آدمیون کے ساتھہ تلاش کرتا رہا تہا لیکن رسول کے کلام نے اسے بھی غلام بنالیا اور اب اسنے بجائے اسکے کہ نیزہ کا وار کرتا نیزہ مین اپنی پگڑی باندھکر نشان بنایا اور رسول کے آگے آگے مقدمۃ لشکر کیطرح ہمراہ چلا ۔ اہل مدینہ ایک زمانہ سے منتظر تشریف آوری تھے اندنون زیادہ خبر گرم تھی کوئی دروازہ پر بیٹھا رہتا تہا کچھہ لوگ بلندیون سے دور دور نگاہ دوڑاتے تھے کہ ایک روز انہین کچھہ آثار معلوم ہوئے اور دفعتہً انہون نے "رسول خدا آگئے" کا نعرہ بلند کیا جوق جوق لوگ گھرون سے نکلے ۔ عورتین و بچے بھی ساتھہ ہولئے ہر شخص ناقہ کی مہار اپنے

قتل کرنیوالا نیزہ استقبالی نشان بنگیا ۔

رسول کی خبر آمد سنکر اہل مدینہ کا اشتیاق اور استقبال کا بے اوڑ جوش

طرف کیطرف کھینچتا تھا کہ مکہ کا جلا وطن ہمین سرفراز کرے۔ خبرین کہتی ہین کہ سوار خوشی مین نیزے ہلانے لگے کوئی گھوڑا دوڑانے لگا اور بنی نجار کی لڑکیان دف پر یہہ شعر گانے لگین۔ نحن جوار من بنی النجار ؛ یا حبذا محمد من جار ؛ (ہم بنی نجار کے ہمسایہ ہین خوشا وہ جسکا ہمسایہ محمد ہو) انصار کی بیبیان اپنے محلون مین بلند کوٹھون پر کھڑی ہوئی کہہ رہی تہین کہ طلع البدر علینا من ثنیات الوداع ؛ وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع ؛ (ہم پہ بدر طالع ہوا اونچی عمارتون سے آنکے جو ترک کرنے والے ہین۔ اور اسکا شکر ہمپر واجب ہوا کہ خدا کے فضل سے وہ بدر طالع ہوا جسکے دیکھنے کے ہم مشتاق تھے) عجب نہین ہے کہ اہل یثرب کی اس محبت و استقبال سے رسول کا دل بھر آیا ہو کبھی رسول کو قوم کا جذبہ بغض دور کرنا تہا کہ حجر اسود کو ایک چادر مین رکھکر اسکا گوشہ ہر قبیلہ کے سردارون کے ہاتہہ مین دیدیتے آج جذبہ شوق اور محبت کو سد ہارنا تہا کہ وہ آیندہ رشک اور حسد نہ پیدا کرے۔ بُلانے والون سے ارشاد فرمایا کہ میرا ناقہ جس جگہ ٹھہرے گا مین وہین فروکش ہون گا۔ ناقہ ابو ایوب انصاری کے گھر کے قریب ٹھہرا اور کسی کو اس تصفیہ پر عذر نہ ہوا کہ نبی خدا ابو ایوب کے گھر تشریف لیجاتے۔

اسکے بعد کوئی کہتا ہے کہ رسالت مآب نے اپنے آزاد غلام زید بن حارث اور ابو رافع کو مکہ بہیجا کہ حضرت فاطمہ اور ام کلثوم و سودہ بنت زمعہ وغیرہ کو لے آئے۔ اور کوئی کہتا ہے کہ حضرت نے ابو واقد کی معرفت اپنے جان نثار کو مدینہ چلے آنے کا حکم بہیجا۔ مین آخر الذکر روایت کو زیادہ صحیح سمجھتا ہون فیطری ہے یہہ امر کہ جس خوف کے عالم مین سرور عالم روانہ ہوئے تھے یا جس عالم مین مرتضے کو چھوڑ گئے تھے اُسکی ایک دوسرے کو خبر دیجاتی یا یکجائی کا موقع تلاش کیا جائے جناب سرور کائنات اپنی دختر نیک اختر کو پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ حضرت فاطمہ بنت اسد بھی ابھی مکہ مین تہین اور بجز علی کے اُنکے کل فرزند مدینہ روانہ ہو چکے تھے۔ فاطمہ بنت زبیر اور ام ایمن بھی مکہ مین تہین جنمین آخر الذکر بوجہ اسکے کہ مان تہین اُسامہ ابن زید کی اُنکی کفالت اسی گہر سے متعلق تھی یہہ حالات متقضی تھے کہ کوئی معتبر شخص ان لوگون کی حفاظت کے لیئے مکہ رہتا اور پھر مدینہ اپنے ہمراہ لیجاتا اور انہین جناب رسالت مآب کے پاس پہونچا دیتا علیؑ مخدرات کی حفاظت اور امانتون کی واپسی کیلئے پیچھے چھوڑے گئے تھے جیسا صواعق محرقہ کی اس حدیث سے واضح ہوگا کہ در روایت کرد احمد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ از حبشی بن جنادہ کہ گفت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

علیؑ کی ہجرت ادای خدمت بھی تھی

علی منی وانا من علی ولا یؤدی عنی الا علی علی از من ست و من از علی و ادای امانات نکند از جانب من مگر علی"
اور اس فرض کی انجام دہی کے بعد مکہ مین اُنہین قیام کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس صورت مین ابو واقد و
زید بن حارثہ ہو یا ابو النفع ہون کسی کا بھیجا جانا مبنی تہا محفوظ پہونچنے کی اطلاع پر۔ ظاہر ہے کہ اگر اہل شرب
رسول کا خیر مقدم ویسا نہ کرتے جیسا تہا یا رسول اُنکے اخلاص مین مشتبہ ہوتے تو ہرگز عورتون کو نہ بلاتے
ان آدمیون کا دوسرا کام یہہ تہا کہ یہہ دو اونٹ اور پانچ سو درہم لائے تھے۔ علی نے سامان سفر درست
کیا اور تمام آدمیون کو ہمراہ لیکر مدینہ طیبہ روانہ ہوئے۔ راستہ اس لحاظ سے مخدوش تہا کہ دشمن کا
کسی شرارت پر آمادہ ہونا بہت ممکن تہا اسی لیئے ابو واقد اونٹون کو تیز لیجا رہا تہا اس جگہ حضرت
علی مرتضے کا یہہ قول ہم تک پہونچا ہے کہ "اے ابو واقد عورتون کے ساتھ مدارا کر اور اُن کے
اونٹون کو آہستہ لیچل کہ وہ کمزور ہوتی ہین" یہہ بھی خبر ہے کہ آٹھ کفارون نے راستہ روکا
اور علی نے حارث ابن امیہ کے غلام کا شانہ زخمی کیا اور اسکے بعد کفار بھاگ گئے۔ اسکے بعد
بقول صاحب مناہج النبوۃ "روضۃ الاحباب والا کہتا ہے کہ علی مرتضے مکہ سے پیادہ راہ
چلکر مدینہ مین حضرت کے پاس آئے اور اُس جناب کے دونون پانون پیادہ چلنے سے چھالے
پڑ گئے تھے حضرت نے اپنا دست مبارک اُنکے پانون پر ملا"
رسول کی تشریف آوری کے قبل مدینہ مین کوئی باقاعدہ انتظام نہ تہا قبیلہ اور فرقہ بندی کی حکومت
تھی اور وہ اس خوف سے کبھی خالی نہ تھے کہ مبادا ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ سے کوئی وجہ پرخاش
پیدا ہو جائے اور آپس مین کشت و خون جاری ہو اور ایک دوسرے کے حلیف فرقے ایک دوسرے
کی مدد کر کے اچھی خاصی مخالف جماعتین تیار کر دین۔ دو بڑے قبیلے جنکا نام اوس اور خزرج تہا
ایک دوسرے کے دشمن چلے آتے تھے اور کوئی صورت آپس مین اتحاد اور اتفاق کی نظر نہ آتی
تھی جناب رسالت مآب کی قومی ذات اور عادلانہ اصول نے وہ تمام امتیاز جو سرداران قبیلہ کو
حاصل تھے شکست کر دیئے اور جسقدر مدنی مسلمین تھے سب کو انصار کا خطاب عطا فرمایا۔ وہ
لوگ جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہونچے تھے مہاجرین کے نام سے یاد کیئے جاتے تھے حضرت کی
ذات کو مہاجرین ہون یا انصار ہر حالت مین اپنا رہنما سمجھتے تھے اور بقول سید امیر علی صاحب "آپ
آنجناب صرف ایک واعظ ہی کی حیثیت مین نہ تھے بلکہ لوگون کے چیف مجسٹریٹ بھی تھے جو اپنے

کفار نے راستہ روکا۔

علی کی آبلہ پائی اور رسول کے دست اقدس

قبل الاسلام مدینہ کا نظام حکومت

مجمعوں میں آنجناب اور اصحاب کبار کو مدعو کرتے تھے اور شہر کی حفاظت آنجناب کے ذمہ کر دی تھی
آنجناب کا فرض فتنہ فرو کرنا اور سازش سے بچانا تھا" (تاریخ الاسلام ترجمہ بریف ہسٹری آف
سارا سینس) ذات اقدس نبوی کا یہہ اثر ہوا کہ کشت و خون۔ فتنہ و فساد سب رفع ہو گیا اور
تمام لوگ صرف ایک دھن میں تھے کہ کسطرح اسلام سیکھیں اور کسطرح اُسپر عمل کریں۔ اور اس اثر
اور یکسان جوش کا نتیجہ تھا کہ ایک روش اور ایک خیال کے لوگوں میں ایک جذبہ محبت اور
برادرانہ اخلاص پیدا ہو گیا تھا۔

مکہ اور مدینہ میں جنگ کے اسباب جمع ہو رہے تھے

مدینہ تجارت کے لحاظ سے مکہ کا رقیب شہر تھا۔ اور بقول سید امیر علی صاحب جیسا وہ تاریخ اسلام فرماتے
ہیں "اہل مکہ اہل مدینہ کے برخلاف سخت برافروختہ تھے کہ اُنہوں نے کیوں آنحضرت اور اصحاب کبار
کو جنہیں وہ باغی خیال کرتے تھے پناہ دے رکھی ہے۔ اُنکے اور اہل مدینہ کے درمیان لڑائی اہل
تھی" اسکے علاوہ مشرکین مکہ نے اُن مسلمانوں کو اذیتیں پہونچانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا
جو مکہ میں رہ گئے تھے اور بوجوہات مدینہ کیطرف کوچ نہ کر سکے تھے۔ نہ صرف یہہ بلکہ مشرکین نے
یہہ بھی روش اختیار کر لی تھی کہ وہ جہان جاتے تھے غلط افواہیں مشتہر کرتے تھے جس سے ہدایت
کی راہ کے مسدود ہونے کا اندیشہ تھا۔ اور سب سے زیادہ عملی مخالفت یہہ ہوئی تھی کہ مشرکین
قریش کے قافلہ نے مہاجرین کے اونٹوں کو لوٹ لیا۔ اُنکی عداوت کا درجہ اس مثال سے سمجھ میں
آئے گا کہ ولید ابن مغیرہ (خالد کا باپ) بحالت نزع میں بیقراری طاری تھی اور رو رہا تھا۔

اسلام کی اشاعت کے خلاف وصیت اور ضمانت

ابوجہل نے اُس سے بیقراری کی وجہ دریافت کی تو اُسنے جواب دیا کہ مجھے خوف ہے کہ ابن کبشہ کا
دین مکہ میں ظہور کرے۔ اسپر ابو سفیان نے اُسے تسکین دی اور کہا کہ میں ضامن ہوں کہ اُسکا
دین ظہور نہ کر سکے گا۔

اسلام کے لیئے موت اور زندگی کا مسئلہ تھا

یہہ حالتیں سمجھانے کیلئے کافی ہیں کہ اسلام اور اُسکے اُسوقت کے چھوٹے سے جسم کے لیئے
موت اور زندگی کا مسئلہ تھا۔ کئی مرتبہ رسول کے قتل پر عہد کیا گیا اور اُنہیں کون کون سی
تکلیفیں نہ دی گئیں۔ اسلامی تاریخ کے ناظر سے حضرت یاسر۔ عمار اور اُنکی مادر گرامی
کے واقعات چھپ نہیں سکتے اور نہ بغیر اپنا اثر ڈالے گذر سکتے ہیں سوچو عرب کی گرم ریگ کیسی کے

لہ مشرکین حضرت کو ابن ابی کبشہ کہتے تھے

برہنہ جسم اور سینہ پر بھاری پتھر کو اور انکی قدر کرو۔ لڑائی کا ہونا لابدی تھا جب ہوتی۔ رسول اور انکا گروہ کم
اور کمزور تھا کوئی شکست انکے دین کے ساتھ جسقدر برا اثر کرتی اسکے سمجھنے کے لیئے زیادہ دماغ سوزی
کی ضرورت نہیں ہے اور کسیطرح کی غفلت اس برے نتیجہ کو انکے سامنے موجود کردیتی۔ خبرین گرم ہو سکتی
تھین کہ قریش نے جسطرح مہاجرین کے اونٹ لے لیئے یا جسطرح ان سے اور ایسی ہی نزاعی حرکتین
سرزد ہوئین وہ ایک دن اہل یثرب کے سر پر موجود ہو جاتے اور موقع ایسا نازک ہو جاتا کہ انہین
بجز مغلوب اور منکسر بنے اور کچھ بن نہ آتا۔ اور پھر نہین معلوم یہہ انسانیت سے معرّا دشمن رسول اور اسکے
دین کا نام کسطرح مٹانے کی کوشش کرلیتے۔ ایسی حالت مین یہہ نبی کے دیکھنے کا موقع تھا کہ وہ
کب اور کہان دشمن کو ٹوکین۔ اور کون سا موقع تلاش کرین جہان دشمن کی شکست اسے آیندہ
شرارتون سے باز رکھے اور انکی دہاک آیندہ امن اور صلح مین معین ہو۔ یہہ سوچنا بھی اسوقت تھا
جبکہ دشمن سے اذیت رسانی کی انتہائی کوششین سرزد ہو چکی تھین۔ ہو رہی تھین اور کوئی
امید اسکی نہ تھی کہ وہ آیندہ اپنی شرارتون سے باز آئینگے جب تک ان پر متواتر کاری ضربین
نہ لگائی جائین۔

رسول نے کن حالتون مین جنگ کا تصفیہ کیا۔

یہہ وقت تھا جبکہ سنا گیا کہ کاروان قریش شام کے سفر سے آرہا ہے جسکے معنی یہہ ہین کہ وہ تجارت
کرکے آرہا ہے اور اب اسکے پاس مال بھی ہے جسے وہ نزاعی روش مین صرف کرسکے یا اسکے اسباب
فراہم کرے۔ اسوقت اگر یہہ خبر غلط بھی ہو کہ وہ حملہ کرنے کا موقع دیکھتے ہین تاہم احتیاط اسکی مقتضی
ہونی چاہیئے تھی کہ رسول آمادہ رہتے۔ اور یہہ سمجھتے کہ مبادہ وہ ہمین تیار نہ پاکر حملہ کر بیٹھین
یہہ خبر سنکر کہ رسول بھی غافل نہین ہین ابوسفیان نے مکہ مین خبر بھیجی اور وہان سے امدادی فوج

جنگ بدر

پہونچی۔ اور موضع بدر مین دشمن کے لڑسکنے والے سپاہیون کی تعداد نو سو پچاس تھی اور رسول
کے اصحاب صرف تین سو چودہ تھے یعنی ایک مسلمان کا تین کفار سے مقابلہ تھا۔ ذرا لشکر
اسلام کے ساز وسامان پر بھی نظر کرو۔ تمام لشکر مین صرف تین گھوڑے تھے چھہ زرہ پوش
تھے۔ آٹھ تلوارین تھین۔ اور ستر اونٹ تھے۔ دو دو تین تین شخص تھوڑی تھوڑی دیر کے

مسلمانون اور دشمنون کی تعداد

بعد اونٹ پر سوار ہوتے تھے۔ بقول صاحب مناہج النبوۃ دو شریک حضرت رسول کی سواری
مین علی مرتضے کرم اللہ وجہہ تھے جب حضرت کے پیادہ چلنے کی نوبت پہونچتی تب حضرت

رسول اور علی کی سواری

علی کرم اللہ وجہہ کہتے کہ یا رسول اللہ تم سوار ہو مین تمہاری رکاب مین پیادہ چلتا ہون حضرت فرماتے یا علی تم مجھسے زیادہ قوی نہین ہو اور مین مستغنی زیادہ تمسے نہین ہون اجر مین" کفار کے پاس صرف بہت سامان تہا اور امراے لشکر مین سے ہر ایک ایک ایک دن تمام لشکر کی ضیافت کرتا تہا بلکہ انہون نے یہہ بھی قیاس کیا تہا کہ ہم ایسے کر و فر کے ساتھہ رہین کہ نبی عربی اور انکے رفقا مرعوب ہو جائین اور ہمارا شہرہ دور تک پہونچے۔ ایک اور مخصوص بات جو ذکر کرنے قابل ہے وہ یہہ ہی کہ لشکر اسلام جس جگہ ٹھہرا تہا وہ وادی تھی۔ اونٹ اور آدمی ران تک دہنس جاتے تھے۔ پانی کی کمی تھی اور ہر ایک کو پیاس کی شکایت تھی۔ درانحالیکہ دشمن کی فرودگاہ مین پانی بافراط تہا۔ اس جنگ مین سعد ابن عبادہ۔ مقداد ابن عمر اور سعد ابن معاذ نے محبت اور مدد کے مستقل اظہار ارادہ سے رسول کو تسکین دی۔ رسول کو خدا نے فتح دی۔ اور مجھے جس خاص بات کیطرف اشارہ کرنا ہی وہ یہہ ہی کہ اس جنگ مین علی ابن ابی طالب نے میدان جنگ مین علاوہ اور مشاہیر کے ان لوگون کو قتل کیا۔ ولید معٰویہ کا خالو۔ حنظلہ بن ابوسفیان معویہ کا بھائی عمر ابن عثمان عم طلحہ ابن عبد اللہ۔ عثمان و مالک برادر طلحہ۔ صاحب تمدن اسلام واقعہ خوانی کرتا ہے جہان وہ یہہ کہتا ہے کہ "اس جنگ مین سب سے زیادہ پُر جوش اور کوشش کرنے والے صرف دو تھے ایک علی ابن ابی طالب رسول اللہ کے چچیرے بھائی اور دوسرے حمزہ ابن عبد المطلب" مشرکین پران ہاشمی دلیرون کی شجاعت سے ہیبت طاری ہوئی اور وہ بھاگے لیکن اسلام کا سب سے بڑا دشمن ابو جہل مارا گیا اور ابوسفیان زخمی ہو کر نکل بہاگا۔ اسیران جنگ مین عباس ابن عبد المطلب بھی تھے جنہین کفار جبر لائے تھے۔ یہہ پیشتر سے مسلمان ہو چکے تھے اور مشرکین کے احوال کی خبر دینے مکہ مین رہ گئے تھے! ورانکے متعلق قبل ابتداے جنگ رسول نے بھی فرمایا تہا کہ جہان تک پہونچے گرفتار کر لائے شب کے وقت عباس کے کراہنے سے رسول کو نیند نہ آتی تھی۔ اصحاب نے وجہ دریافت کی اور معلوم ہونے پر لوگون نے انکی زنجیرین ڈھیلی کر دین اب رسول نے دریافت کیا کہ کیون عباس کے کراہنے کی صدا نہین آتی اور جب معلوم ہوا کہ اہل اسلام نے رسول کے لحاظ سے انکی زنجیرین ڈھیلی کر دی ہین تو آپ نے دوسرے قیدیون کے متعلق بھی اس نرمی کا حکم دیا۔ دوسری بات جسکا مین ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہون وہ یہہ ہے

دشمن کی ثروت

علی نے کون سے لوگون کو میدان مین قتل کیا

اسلام کا ایک دشمن کم ہوا اور دوسرا زخمی ہو کر بہاگا

حالت اسیری مین عباس کے کراہنے سے رسول بیخواب رہے

قیدیون کے ساتھہ رحم

پڑھنا لکھنا جاننے والے قیدی اسی علم کے معاوضہ میں آزاد کیے گئے۔

کہ اسرائے جنگ جو فن کتابت جانتے تھے اُن سے یہہ کام لیا گیا کہ اُن میں ہر ایک انصار کے دو دو لڑکون کو لکھنا سکھا دے۔

عقد مواخات سنہ ۱ھ

ہجرت کے پہلے سال کا ایک مفید واقعہ عقد مواخات تہا جسمین رسول نے مسلمانون کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا۔ اسکا سیاسی اور معاشرتی مفید اثر ہر شخص سمجھ سکتا ہی جب وہ اس پر غور کرے گا کہ لوگ "بھائی" بنائے گئے تھے۔ جو کچھ مجھے اور کہنا ہے وہ یہہ ہے کہ "عقد مواخات باندھا حضرت نے درمیان ابو بکر کے اور عمر ابن الخطاب کے اور درمیان طلحہ اور زبیر کے اور درمیان عثمان ابن عفان اور عبدالرحمن ابن عوف کے۔ تب علی مرتضے کرم اللہ وجہہ نے کہا یا رسول اللہ اپنے یارون کے درمیان عقد برادری باندھا تمنے اور مجھکو بھول گئے اور کسی کے ساتھہ مجھے برادری نہ دی میرا بھائی کون ہے۔ حضرت نے فرمایا بھائی تیرا مین ہون اور فرمایا یا علی انت اخی فی الدنیا والاخرۃ" (مناہج النبوۃ) تمام مورخین اسپر متفق اللفظ ہین مشکل سے مین سوچ سکتا ہون کہ کسی نے اُسوقت جسوقت سلسلہ مواخات قائم ہوا یا اُسکے بعد آجتک جبکہ اس واقعہ کے بعد صدیان ڈہلک گئی ہین سوچا کہ رسول نے جو جوڑ تجویز کیے اسکے کوئی معنے تھے یا ایک بے سمجھا ہوا فعل تہا۔ مشکل سے مجھے تمام دنیا سمجھا سکتی ہے کہ یہہ ایک اتفاقی فعل تہا۔ مجھے رسول کا یہہ فعل صاف بتا رہا ہے کہ حضور نبوی نے ملتی ہوئی طبیعتون کو چُن کر الگ الگ کر دیا تہا۔ مین اُس سے بہتر الفاظ نہین پاتا بجز اسکے جو کچھہ مین نے الکرار مین کہا ہی کہ "آگے چلکر ایک زمانہ آنیوالا ہے جسمین طبائع کے میلان کی صحیح گرفت کا اندازہ کیا جاسکے گا اور اُسوقت یہہ تصفیہ آسان ہوگا جب رحلت رسول کے بعد علی تنہا دکھائی دینگے کہ رسول نے طبیعت شناسی اور نسبت دینے مین ایک ایک رنگ طبیعت کو علیحدہ علیحدہ کر دیا تہا یہہ کوئی اتفاقی فعل نہ تہا جو رسول سے عمل مین آیا بلکہ سمجھا ہوا ارادی۔"

ابو تراب کا خطاب اور ایک حدیث اور اس خطاب کا زمانہ آئندہ سے تعلق۔

ہجرت کے اسی سنہ کا واقعہ غزوہ عشیرہ ہی۔ ابن خلدون اور مناہج النبوۃ کے نزدیک حضرت کنانہ سے صلح کرکے واپس آئے مورخین کے نزدیک اسی واقعہ کے اثنا مین علی ابن ابی طالب کو "ابو تراب" کا خطاب عنایت ہوا۔ یہہ روایت حضرت عمار یاسر کی زبانی ہی وہ فرماتے ہین کہ ہم اور علی ایک کھجور کے درخت کے نیچے سو رہے تھے۔ زمین ریتیلی تھی اور ہم لوگ گرد آلود

ہو گئے تھے کہ حضرت سرہانے کھڑے ہو گئے اور بیدار کیا اور علی کو قم یا ابوتراب فرمایا پھر کہا.... تمام جہان کے لوگون سے زیادہ بدبخت وہ ہے جو تمہارے محاسن کو تمہارے خون سے رنگین کرے گا۔ یہہ فرماتے تھے اور دست مبارک علی کے سر اور چہرہ پر پھیرتے جاتے تھے۔ علی ابن ابی طالب کو اپنا یہہ خطاب سب سے زیادہ پسند تہا۔ اس واقعہ کے کہنے سے نہ صرف مجھے صاحب مناہج النبوۃ کے لفظون مین یہہ کہنا ہے کہ "مخالفین اور معاندین حضرت علی کو اس کنیت سے پکارتے تھے اور قصد کرتے تھے اس بات سے نقصان اور حقارت کے تئین حالانکہ اس کنیت مین اُس عالیجناب کی کمال تعظیم و تکریم ہے" بلکہ ایک سے زیادہ موقع آئے گا جہان ہماری اس کتاب کے ہیرو کو دشمن "یا ابن ابوتراب" کہکر پکارینگے۔

علی اور فاطمہ کا عقد اور اسکی وجوہات

ہجرت کا دوسرا سنہ شروع ہوا جسمین حضرت فاطمہ زہرا کا عقد علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے ہوا۔ کوئی کہتا ہے رمضان کے مہینہ مین کوئی صفر مین اور کوئی رجب مین۔ کوئی وجہہ نہین ہے کہ جب ۱۳ اور ۲۷ رجب ولادت علی اور بعثت رسول کے لیئے ہم مین مستند ہے تو ایک تیسری خوشی اسی مہینہ سے مخصوص نہ کیجائے۔ اسیطرح کسی کے نزدیک یہہ عقد قبل جنگ احد اور کسی کے نزدیک بعد جنگ ہوا بلحاظ اسکے کہ حضرت بتول عذرا پانچ برس قبل بعثت پیدا ہوئی تہین سن شریف اسوقت ۱۹ برس کا تہا اور بہ لحاظ اسکے کہ سیدنا علی ابن ابی طالب دس برس قبل بعثت خلق ہوئے تھے سن شریف چوبیس برس کا تہا۔ (مین نے مہینے حساب مین نہین لیئے)

وہ تاریخین جو اس عقد کا تذکرہ کرتی ہین صاحب مناہج النبوۃ کی اس عبارت کے مفہوم کو ادا کرتی ہین کہ "خواستگاری کی فاطمہ زہرا کی ابوبکر صدیق نے پس تعلل کیا حضرت نے اور فرمایا کہ مین انتظار کرتا ہون وحی کا تزویج کو بیچ زہرا کے بعد اسکے عمر خطاب نے خواستگاری کی حضرت نے جواب اُسی کلمہ سے دیا جو صدیق کو فرمایا تہا اور مشکوۃ مین لایا ہے کہ جب خطبہ کیا یعنی خواستگاری کی حضرت خاتون کے تئین شیخین نے تب حضرت نے فرمایا کہ وہ صغیرہ ہے" اسکے بعد صاحب سیر الائمہ کے موافق ابوبکر، عمر اور سعد ابن معاذ مین باتین ہوتے ہوتے عقد کا تذکرہ چھڑا اور کسی نے کہا کہ علی کی کمی بضاعت انہین اس امر کی خواہش سے روکتی ہے

حالانکہ "این امر روشن است کہ رسول خدا اگر نہ اراد نہا سے علی مجبوس داشتہ" اسکے بعد صلاح ہوئی کہ علی کی خواہش

دریافت کیجائے علی کسی انصاری کے باغ میں پائے گئے سو فود نے اپنا فرض ادا کیا اور دل مشکر علی آب در چشم گردانید

وفرمود اے ابوبکر مجنبش دادی چیزے را کہ در من ساکن بود واز خواب برانگیختی امرے را کہ در من نائم بود" اسیلا امم

بعینہ یہی الفاظ علامہ مجلسی نے اداکئے ہیں جیسے میں مجالس الابرار میں پاتا ہوں۔ بہرحال علی ابن ابی طالب تشریف لے گئے

رسول حضرت ام المومنین ام سلمہ کے دولت خانہ پر تشریف رکھتے تھے۔ علی سامنے پہونچے۔ سر جھکالیا اور زمین

کیطرف دیکھتے رہے۔ رسول نے بات کرنے اجازت دی۔ اور فرمایا کہ تم اسطرح آئے ہو کہ گویا تمہیں کوئی حاجت کہنی ہے۔

اب علی نے عرض کرنا شروع کیا۔ ادب تہذیب اور خوبصورتی توجہ کے قابل ہے کہ "بابی انت دامی تو خود دانائی کہ مرا بگرفتی

از پدرم ابو طالب و مادرم و ماخود داشتی و با دب خود مودب فرمودی و اینکہ تو ذخیرہ دنیا و آخرت منی لاجرم دوست

دارم چنانکہ خدا و ندبازوے مرا بہ قوت تو محکم کردہ از براے من خصوص زوجہ باشد اینکہ برغبت تمام بحضرت تو شتافتم

باشد کہ فاطمہ دختر خود را بامن تزویج فرمائی" یہہ سنکر رسول کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ منبر پر تشریف لے گئے

خطبہ پڑہا اور اسکے بعد علی کو اظہار مطلب کی اجازت دی۔ حمد و سپاس کے بعد علی نے کہا کہ رسول نے اپنی دختر

نیک اختر کا عقد میرے ساتھہ منظور فرمایا۔ اور میری زرہ مہر قرار دیگئی موجود اصحاب نے رسول سے تصدیق

چاہی۔ رسول نے اقرار کیا۔ اسقدر سمجھے اور کہنا باقی ہے کہ جب اکابر قریش اظہار عقد کرتے تھے اور جناب رسالتمآب

حضرت ذکیہ کو اطلاع دیتے تھے تو آپ کے چہرہ سے اظہار کراہت ظاہر ہوتا۔ علی کے اظہار پر بھی جب حضرت رسول نے

اطلاع دی اور بقول علامہ مجلسی فرمایا "علی نے تمہاری خواستگاری کے بارے میں کچھہ کہا ہے تمہاری کیا رائے

مصلحت ہے" جناب سیدہ یہہ سنکر چپ ہو گئیں لیکن منہ اپنا نہیں پھیرا اور اظہار کراہت نہیں فرمایا جناب رسول خدا

صلی اللہ علیہ وآلہ اٹھے اور فرمایا کہ اللہ اکبر سکوت کرنا فاطمہ کا اسکے رضا کی علامت ہے" (مجالس الابرار) اسکے بعد مجھے

یہہ سب کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اگر آرائش عروس حضرت ام سلمہ کے سپرد ہوئی تو پہر خریدنا حضرت ابوبکر کے حوالہ کیا گیا

ولیمہ کے لیئے لوگ بلائے گئے اور خبریں کہتی ہیں کہ اسمیں قریب قریب چار ہزار کے اہل مدینہ شریک تھے۔

رخصتی ہوئی۔ دختران عبد المطلب اور مہاجر و انصار کی عورتیں رجز پڑہتی ہوئی عروس کے ناقہ کے آگے آگے تھیں

تمام ہاشمی برہنہ شمشیر کے ساتھہ پیچھے پیچھے تھے اور جناب رسول انکے ساتھہ تھے۔ حضرت ام سلمہ کا رجز تہا کہ

"اے میری ہمسایہ کی عورتو خدا کی تائید کے ساتھہ چلو اور ہر حال میں اسکا شکر کرو۔ رب علی کے انعام کو یاد

کرو جسنے کروہات اور آفات زایل کیئے ہدایت کی ہمکو ساتھہ ایمان کے قبل اسکے کہ کافر تھے۔ اور سب اسکو اسے نے ہمیں نجات دی

تحریک عقد نے علی سے کیا کہلوایا

علی خواہش عقد کیوقت ادب اور درخواست کی خوبصورتی

رسول فاطمہ کا استمزاج لیتے ہیں

انتظام عقد و ولیمہ شرکائے دعوت

رخصتی

چلو بہترین نساء خلق کے ساتھ ہمارے عمات اور خالات اُسپر فدا ہوں اسکا یہی باعث ہے کہ خدا نے فضیلت دی ہے اُسے وحی اور
رسالت کے سبب سے" اسیطرح اُم سعد اور دیگر عورتین رجز پڑھتی تھیں اور اُنکے مطلع دُہرائی جاتی تھین۔ رسول نے علی و فاطمہ

رسول پاکیزگی نسل کی دعا دیتے ہین

کو دعا دی اور فرمایا معبودا یہہ دونوں بڑے دوست ہین میرے نزدیک پس تو بھی انہیں دوست رکھ انکی ذریت مین
برکت دے اور انپر اپنی جانب سے محافظ مقرر کر اور مین انکو اور انکی ذریت کو تیری پناہ مین دیتا ہون شیطان رجیم سے"
یا بقول شواہد النبوۃ شب عروسی کی صبح کو رسول نے طویل سجدہ کیا اور دعا مین فرمایا کہ "اے فاطمہ بشارت باد ترا
بہ پاکیزگی نسل" یا فرمایا کہ "انکی پراگندگی کو جمع کر اور انکے دلون مین الفت دے" یا ایک دوسرے کو محبت اور
لحاظ کی تاکید کی۔ دولہن دولہا کے متعلق دونوں سے سوال کیا اور ہر ایک نے دوسرے کو اچھا کہا۔ رسول کا یہہ فرمانا اب تک

علی فاطمہ کے متعلق اور فاطمہ علی کے متعلق

کتب اسلامی مین محفوظ ہے کہ اگر نہ پیدا کرتا خدا فاطمہ کو کوئی علی کا کفو نہ ہوتا۔ اُس عقد کا نتیجہ علی کے لفظوں مین یہہ تہا کہ جبتک
فاطمہ دنیا مین رہین مینے انہیں کوئی رنج نہیں پہونچایا کسی امر مین اور ہرگز مین نے وہ امر نہیں کیا جو اُنکے ناگوار طبع
ہو اور وہ ہرگز مجھے غصہ مین نہ لائین اور کسی امر مین نافرمانی میری نہیں کی اور جب مین انہیں دیکہتا تہا تمام غم و الم
میرے سینہ سے دور ہو جاتے تھے" (مجالس الابرار) حضرت فاطمہ کے لیئے "امر کہ مسمع یا ابن عم و طاعۃ" پہلا فرض
تہا اور میدان جنگ کا رجز علی سے کہلواتا تہا کہ ولی الفخر علی الناس بعرسی دینہا ثم فخری برسول اللہ اذ زوجنیہا۔
(اور مجھکو فخر ہے آدمیوں پر بسبب اپنی ازواج اور اُسکے فرزندوں کے پھر فخر میرا بہ سبب رسول اللہ کے ہے جبکہ اپنی دختر کو میری
عروسی مین دیا۔)

ابھی تک مین عقد کے متعلق ہر پہلو کے واقعات لکھ رہا تہا چہوٹے چہوٹے ٹکڑے سکھو دے۔ جا بجا اور ہموار کئے تھے
لیکن موٹے موٹے واقعات محض کافی نہیں ہوا کرتے جبتک واقعات خود کی زبان سے نہ بولین۔ میرے لیئے ابتدا اس سوال
سے ہوتی ہے کہ آیا یہہ عقد اپنے اس عام مفہوم مین تہا کہ بالغہ کا ولی اُسے شوہر کے سپرد کرنے کے بعد سمجھتا ہے کہ وہ اپنا اُس وقت
تک کا فرض ادا کر چکا اور اب اُسکے آیندہ کی زندگانی کے ذمہ داری کے لیئے کوئی جوابدہی نہ رہی بلکہ آیندہ کیلیئے
تمام ذمہ داریاں اُس شخص نے اپنے اوپر لے لین جسنے خدا کے سامنے عہد (عقد) کیا اور زن و شو نے اپنے
اپنے نفس کا ایثار کیا اور رنج و راحت کی شرکت مین یک دل اور ہمزبان ہو گئے۔

رسول کے متعلق ذکر کیئے ہوئے سوال سے میری یہہ غرض نہیں ہے کہ مین نفس عقد پر بحث کرون یا زن و شو کے
تعلقات پر کوئی مضمون لکہون یہان مجھے یہہ کہنا ہے کہ عقد کا عام مفہوم بھی ایک غرض تھی کسی شوہر کا
اپنی بی بی کے متعلق یہہ کہنا کہ جب مین انہیں دیکہتا تہا تمام غم و الم میرے سینہ سے دور ہو جاتے تھے" اُس

بی بی کے لیئے وہ سب کچھ کہدیتا ہی جو شارح کو کہنی کی ضرورت ہو۔ ہمارا تو یہہ بھی لکھنے کو یہان جی چاہتا ہی کہ خصوصاً جب کہنے والا علی ہو۔ ہمین علی کی راحت اور علی کے رنج دونون کی قدر ہے ہمین یہہ بھی چاہتا ہون کہ ساتھ ساتھ اس پر غور کیا جائے کہ "اگر تم اچھی اولاد چاہتے ہو تو اچھے مان باپ بنو" رسول کی یہہ تنہا یادگار عالم کے مثالی فرد کی مثالی بی بی تھی جنکی اولاد کے ذکر کے لیئے ہم راستہ صاف کر رہے ہین۔

والدین کی تاریخ خصوصیات سمجھنے مین مدد لیگئی ہے۔

بعض کے لیئے شاید یہہ غور کا دلچسپ مضمون ہو کہ اسلامی تاریخ ہمین اس مسئلہ پر سوچنے مین مدد دیتی ہی کہ ان دونو کی محبت اچھی اولاد ہونے مین معین ہوتی ہی۔ غور کرو کہ حضرت آمنہ اور حضرت عبداللہ کا فرزند کون تھا۔ سوچو کہ حضرت ابو طالب اور فاطمہ بنت اسد کا مشہور یادگار عالم کا کیسا ضروری فرد تھا۔ اسیطرح حضرت رسول اور حضرت خدیجہ نے کیسے اور کیسا چھوڑا۔ تم آگے پڑھوگے کہ علی اور فاطمہ کے کیسے یادگار رہے یہہ مثالین میرے لیئے سوچنے مین محرک اور معین ہوئین اور مجھے اسمین کبھی اپنی روش تصور کی غلطی کا گمان نہین ہوا۔

عرب اور شرافت نسب

اب یہہ سوچنا آسان ہوگا کہ عرب جیسے شرافت نسب اور اسلیئے خاندانی صفات کے منتقل ہوتے رہنے کا اعتراف تہا وہ اپنے نازک رشتون کے لیئے کسقدر چھان بین کرتا ہوگا اور چونکہ وہ صفات خاندانی کا بڑا اصلح تہا وہ دوسرونکی ایسی ہی صفت کا اقرار کیئے بغیر نہین رہسکتا تہا۔ ہمارا ہادی عرب تہا۔ عرب کے شریف ترین

عقد کی نسبی وجہ

قبیلہ بلکہ سرچشمۂ شرافت افراد کا یادگار تہا۔ اُسے ضرورت لاحق ہوئی تھی کہ اپنی پارۂ جگر کو کسی کے سپرد کرے اپنا خاندان بچہا ہوا خاندان تہا۔ اُسکے ایک بچہ کو لڑکپن سے گودیون مین کھلایا تہا زبان چوسائی تھی یہہ بھی کہنا تہا یا کہہ چکے تھے جیسا تم صواعق محرقہ مین پاؤگے کہ انا و علی من شجرۃ واحدۃ (ہم اور علی ایک درخت سے ہین) ابو طالب نام کے باپ تھے۔ درانحالیکہ اُنکی تمام ذمہ داریان جو پرداخت یا تربیت کے متعلق ہو سکتی تہین رسول کے متعلق ہوگئی تہین۔ اب رسول کا کام تہا کہ وہ اپنی خواہش اور روش کے موافق پلتے پلاہ اپنا منظر اتم بنا دیا۔ یہہ سوچنا مشکل کر دیا کہ آیا ایسے صحیح عرب کی کوئی اور بھی مثال ہی۔ اسیسے نہ صرف رسول کو اسکا موقع تہا کہ وہ صفات خاندانی جانتے ہوتے بلکہ عین شخص اور اُسکی صفات اور اُسکی تمام قوتون اور خیالات و عمل سے واقف تھے عقد فاطمہ کے متعلق باوجود شرفاے قریش کی خواہش کی رسول کا متین اور طویل سکوت کہتا ہی کہ رسول طبیعت اور اخلاق و عادات شناسی کا ایک بڑا فرض ادا کر رہے تھے اور اسکے منتظر تھے کہ فاطمہ کا کفو ہمسر وہ ہو جو علم اور تجربہ کے معیار سے پہنا ئی ہی۔ ذکر کہتا ہو سوال پیدا ہوتا ہی کہ رسول کے نزدیک اور اُنکے علم و تجربہ میں اگر علی وہ شخص تھے جنہین یہہ شرف بخشا جاسکتا تہا۔ صواعق محرقہ کی اس حدیث سے سمجھ میں آئیگا کہ مردیست از اہل بیت کہ

پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم فرمود علی را کہ فاطمہ دوست تر است نزد من از تو و تو اعزی بمن از وے" تو پھر خود سے اس امر کی تحریک کیوں نہ کیگئی۔ اسے ایشیا کا ہر شریف سمجھتا ہے یہی دنیا نے اسکی ذمہ داری اپنی بالغہ لڑکی کے حوالہ کر دی ہے۔ رسول "منتظر" تھے۔ تو کوئی قرائن تھے کہ علی خواہش کرتے جیسا ہوا نیز یہ حالت کہ جب علی اس خواہش کیساتھ آئے اور رسول نے دیکھا تو متبسم ہو کر فرمایا کہ "سو کچھ کہنے آئے ہو کہو کہ تمہاری خواہشیں قبول ہیں" یہ ظاہر کرتا ہے کہ علی کے منہ سے وہ کہلوایا چاہتے تھے جو خواہش تھی۔ ذاتی طور سے مجھے خیال ہوتا ہے کہ ام ایمن کا علی سے یہ کہنا کہ تم کیوں نہیں کہتے رسول سے کہدیا ہے اگر نہ ہوتا تو امتزاج کے بعد تھا۔ مختصر یہ ہے کہ سید عالم کی پارہ جگر جسکا شایان خطاب "سیدۃ النساء العالمین" ہر دو سے دیجا سکتی تھی جو سید عرب ہو اور "امیر المومنین" (تمام حیثیتوں سے) ہونیکی قابلیت رکھتا ہو حضرت فاطمہ وہ ذریعہ تھیں جنہوں نے حضرت عبداللہ اور حضرت ابو طالب کے خاندان کو ملا کر ایک کر دیا اور انکی یادگار خصوصیات اور استحقاق اولاد فاطمہ میں باقی رہے۔

خاندانکی فطری تقسیم اور امتزاج

عقد کی معاشرتی سیاست کا آیندہ پر اثر

وہ وقت جسوقت کہ خاندان حضرت عبداللہ اور ابو طالب حضرت علی و فاطمہ کے لحاظ سے ایک ہو گیا ایسا تھا جس میں رسول کو حاکمانہ وقار حاصل تھا۔ وہ حاکم تھے۔ انکے اختیارات میں نہ صرف تصرف کی قابلیت تھی بلکہ اضافہ ہو رہا تھا جواب ہمارے لیئے ایک مستند واقعہ ہے۔ اب سوچو کہ رسول اپنی یادگار کو ان گردشوں کی حالت میں کسی کو سپرد کیا چاہتے ہیں یہ بھی ملا کر سوچو کہ شرفاء قریش خواہش کرتے ہیں لیکن جواب نہیں ہمیشہ کیلئے منظور کر دیتا ہے مگر جب علی خواہش ظاہر کرتے ہیں اور رسول کے انداز جواب دیتے ہیں کہ بجز اسکے انکی اور کوئی خواہش ہی نہ تھی۔ اسلئے کہ انکے نزدیک کوئی نہ تھا جو فاطمہ کا کفو ہو سکتا بجز علی کے "کیوں نہ ہو سکتا" اسے سوچو اور دیکھو کہ حقیقتاً اس پر معنی کفو کے عناصر کسی اور میں بجز علی کے جمع تھے؟

بجز علی کے فاطمہ کا کفو نہ ہونے کے عناصر

اسوقت تک کی خدمت اسلام بھی ایک بڑی وجہ تھی

جس بات پر میں اب توجہ دلانے والا ہوں وہ رسول کے نزدیک ان تمام باتوں سے زیادہ پیاری تھی۔ اور وہ خدمت اسلام تھی جسپر قربان ہونے کیلئے علی ابتک کئی مرتبہ آمادگی ظاہر کر چکے تھے۔ میں ایسی خدمت کا بھی معترف ہوں کہ کوئی چار سو روپیہ میں اونٹ خرید لے اور اسے گھاس کھلا کر فربہ کرے اور نو سو کو بیچ ڈالے لیکن اس خدمت کو میں عالم کی ان تمام اقوام کے اعتراف کے حوالہ کرتا ہوں جنہیں ایثار نفس کا حس ہے کہ کوئی شخص کسی کے لیے "اپنی جان" قربان کرتا ہو اور اسکی کوئی قیمت کی شرط نہ کرتا ہو نہ دام لیتا ہو۔ بقول صاحب "قرۃ العیون" چادر حضرت کی اوڑھ کر آپکے بستر پر سو رہا اور اپنے نفس کو فدا سے ذات مقدس کیا" ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ایک مشہور مثل ہے۔ دعوت ذو العشیرہ میں رسول کی امیدیں ڈوبی تھیں انکے اعلان کی نصرت علی نے کی تھی جسوقت نوجوان حامی اسلام

دیکھو مناہج النبوت و قرۃ العیون شرح سورۃ المحزون

اٹھتا ہو بیل یاد ہے انگشت نمایان سے مدد کا وعدہ کیا ہے اپنا ہو تسکین جو گئی تھی "تعصم" سے اسکا غطا ہو اور کیا کہ میں کچا
سکھائے ہوئے بچپن کی سنگ انگنی روکنے کے لیئے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو مستعد رکھتے تھے کون جانے کہ رسول
ان ہاتھوں میں زندہ اسلام کا علم دیکھتے ہوں اور انہیں ہاتھوں کو اسلام اور اسکے نشان کے وقار کا محافظ خیال کرتے
ہوں سکیا امین کہیں سے مبالغہ ہے کہ "واذا اضرم حربا احمد قدمنیہا۔ واذ نادی رسول اللہ یحوی قلت ایہا اذ جب
افروختہ کیا آتش حرب کو احمد نے مقدم کیا مجھکو اور جب ندا دی رسول اللہ نے میری جانب تو میں نے کہا کیا ارشاد ہے
(دیوان جناب امیر) اور کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ "وبنا اقام دعائم الاسلام" اور سبب ہمارے قایم کیا ارکان اسلام کو
جسے علی خلیفہ ثانی کی مجلس میں کہتے ہیں۔ اور کیا دیوان میں حضرت ابو طالب کا مکالمہ علی سے کوئی خیالی امر ہے
جسکا علی جواب دیتے ہیں کہ اے پدر بزرگوار آپ مجھے نصرت احمد میں صبر و استقامت کا حکم کرتے ہیں واللہ میں نے
کوئی بات بے صبری میں نہیں کہی میں چاہتا ہوں کہ آپ میری نصرت دیکھتے اور جانتے کہ میں آپکا ہمیشہ کا
فرمانبردار ہوں اور نصرت احمد میں میری کوشش خدا کی خوشنودی کے لیئے ہے جو نبی ہادی اور محمود ہے طفلی اور نوجوانی میں
میں پیشتر کہہ چکا کہ امامت ایک مرتبہ ہے جسے حکم الٰہی سے تعلق ہے میں لکھ چکا کہ رسول نے اپنی نبوت کے ساتھ امامت کا
اعلان اور امام کی شناسائی ضروری سمجھی میں دکھا چکا کہ علی کو رسول اپنا بھائی منتخب کر سکتے تھے میں عقد کے
خاندانی، روحانی اور ملکی وجوہات دکہا چکا اسکے بعد اخذ نتائج کا ہر شخص کو اپنی جگہ اختیار ہے۔

ایک امر اور ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر رقیہ و ام کلثوم دختران حضرت خدیجہ تھیں اور ساتھ ہی دختران رسول بھی تھیں
تو انکی اولاد کو بھی وہی حق ہونا چاہیئے تھا جو اولاد حضرت فاطمہ کو قطع نظر دیگر مسائل کے پھر بھی اولاد فاطمہ کو
حق مرجح حاصل تھا اسلیئے کہ فاطمہ اور علی کے عقد نے آل عبد اللہ اور آل ابو طالب کے حقوق کو اولاد فاطمہ میں
مجتمع کر دیا تھا جسکا عبد المطلب کے بعد تقسیم ہو جانا خیال کیا جا سکتا تھا اور یہ حقوق رسول کی اور کسی صاحبزادی کو
کو حاصل نہیں ہو سکتے تھے بجز اسکے جو علی یا انکے کسی بھائی سے بیاہی گئی ہو۔

اسپر سوچنا کہ صورت معاملہ کیا ہوتی اگر رسول کی اولاد ذکور میں کوئی باقی ہوتا اسی امر پر غور کرنا ہے جسکا وجود نہ تھا اسلیئے
کہ حضرت کے دو فرزند ابراہیم اور قاسم خود حضرت کے سامنے رحلت کر گئے تھے اور انکو کوئی حق پیدا ہونے نہ پایا تھا جس طرح
رقیہ و ام کلثوم نے رسول کے سامنے رحلت کی ایک روایت ملا جامی کی شواہد النبوۃ کے علاوہ کتابوں میں
بھی پائی جاتی ہے کہ ایک روز رسول حسین کو ایک زانو اور اپنے فرزند ابراہیم کو دوسرے زانو پر بٹھلائے ہوئے
تھے کہ جبرئیل نازل ہوئے اور کہا کہ خدا ان دونوں کو ایک وقت میں مجتمع نہ رکھے گا ان میں سے ایک کو اختیار کرو

خدمات کی مصوری علی کے لفظوں میں

علی کا ایک مطابق واقعہ فخر

مکالمہ جو نظم کیا ہے۔

ناظر کو اخذ نتائج کا اختیار ہے

رسول کی اس صاحبزادی کا حق جو علی کو بیاہی گئی ہو بمقابل رسول کی اور کسی صاحبزادی کے جو کسی دوسرے کو بیاہی گئی ہو

ایک سوال

رسول نے فرمایا کہ اگر حسین نے انتقال کیا تو مجھے علی اور فاطمہ کو صدمہ ہوگا اور ابراہیم نے انتقال کیا تو مجھے زیادہ صدمہ ہوگا اسلیئے کہ انکے صدمہ پر اپنا صدمہ گوارا کیا اور ایسا ہوا کہ تین روز کے بعد ابراہیم نے رحلت کی اسکے بعد جب حسین رسول کے سامنے آتے تو منہ چومکر فرماتے "مرحبا و اہلاً بمن فدیتہ بابنی ابراہیم" اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ رسول ایسے وقت جبکہ وہ ان دونوں بچوں کو دیکھتے پیار کرتے اور خوش ہوتے ہونگے کسی ایسے ہولناک خیال کا تصفیہ کہ اگر ان دونوں وجہ محبت پر کوئی آفت ہو تو کسکی مصیبت پر صبر کیا جائے۔ یہہ فرماتے تھے کہ ابراہیم کی رحلت پر صبر کیا جا سکتا ہے نتیجہ یہہ ہے کہ حسین باقی رہتے۔ صحیح ہے کہ قانوناً کسی فرزند سے زیادہ محبت کا ہونا دوسرے فرزند کے حقوق کو کم یا زائل نہیں کرتا جبتک محبت کرنیوالا کسی خاص وصیت کی ضرورت نہ سمجھے۔ یہاں صرف واقعات اور انکے آثار سے بحث ہے جسکے طبعی تصفیہ کا ہر شخص کو اختیار ہے نہ یہہ کہ کسی عدالت میں مقدمہ لڑنے کیلئے تیاری کیجا رہی ہے۔

رسول کا بے مثال اضطراب و تصفیہ

صورت معاملہ کی دلچسپی اور بڑھ جاتی ہے جب صواعق محرقہ میں یہہ دیکھا جائے کہ "طبرانی روایت کرد کہ رسول اللہ صلعم فرمود کہ خدای تعالیٰ ذریت ہر پیغمبر را در صلب وے نہادہ و ذریت مرا در صلب علی ابن ابیطالب نہادہ" اسی کتاب میں ابو الخیر الحاکمی اور صاحب کنوز المطالب سے ایسی ہی حدیث نقل کیگئی ہے ظاہر ہے کہ اس جگہ اصول تنبیت کی وہ دشواری نہیں ہے جس سے متبنی ذاتی اور صفاتی قائمقام نہ ہوسکے اسلیئے کہ رسول اور علی کے پہلے صرف ایک پشت حضرت عبدالمطلب کو تقسیم کرتی تھی اور خود حسنین رسول کی صاحبزادی کے فرزند تھے۔

اگرچہ بدر کے بعد بہت سے چھوٹے چھوٹے غزوات اور سرایا ہوئے لیکن کوئی اس درجہ مفید نہیں ہے جسکا تفصیلی تذکرہ ضروری ہو لیکن اسقدر کہہ دینا ضروری ہے کہ جب ابو سفیان واپس آیا بدر سے تو قریش کو اظہار مصیبت اور رونے سے اسلیئے روکتا تھا کہ دشمن شماتت نکرے۔ اُسے نہ صرف اپنے ایک لڑکے حنظلہ کے مارے جانیکا غم تھا بلکہ دوسرا لڑکا جسکا نام عمر تھا اسیر ہوگیا تھا اسیطرح ہندہ ابو سفیان کی بی بی کا باپ عتبہ مارا گیا تھا ابو سفیان نے قسم کھائی تھی کہ جبتک بدلہ کا انتقام نہ لیگا نہ سر میں تیل لگائیگا اور نہ عورتوں سے مجامعت کریگا اسیطرح اسکی بی بی نے بھی قسم کھائی تھی۔ رسول کے لیئے اس جنگ کی فتح نے یہہ مفید اثر کیا کہ جسقدر لوگ آپ کے ساتھ نہ بھی گئے تھے وہ مدینہ میں رسول کی واپسی کی خبر سنکر مقام روحا میں جو تیس میل آگے ہے استقبال کے لیئے آئے۔

ابو سفیان و ہندہ کی قسمیں

ابو سفیان نے اپنی قسم کے متعلق عملی کارروائی اسطرح شروع کی کہ دو سو سواروں کے ساتھ موضع عریض میں جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے پہونچکر ایک درخت جلا دیا اور ایک انصاری کو قتل کرکے سمجھا کہ اسنے اپنی قسم پوری کی جب رسول کو معلوم ہوا اور تعاقب میں چلے تو دشمن نے اپنے کو ہلکا کرنے کیلئے سویق یا ستو پھینکدیا

ابو سفیان قسم پوری کرتا ہے

مسلمانون کے لیئے یہہ غنیمت ہوا اور جنگ نہین ہوئی۔

یہودان بنی قینقاع

یہودان بنی قینقاع نے نکر یہہ چھیڑ اور تکلیف دہی شروع کیا سمجھانے گئے نہ مانا مجبوراً محاصرہ کیا گیا اور اب انہون نے شرائط صلح پیش کیئے کہ ہم لوگ اپنے اہل و عیال پر قابض ہون اور مال مسلمانون کے حوالہ کردین بنی قینقاع اضلاع شام کی طرف جانے دیئے گئے۔

حسنؑ کی ولادت

واقعات کی یہہ روش تھی کہ ۱۵ رمضان سنہ ۳ کو علی اور فاطمہ کے گھر تاریخ اسلام کا ایک بڑا محسن پیدا ہوا جسنے دوست دشمن دونون کی نگاہون مین حیرت خیز کام کیا جسپر آیندہ بحث ہوگی۔ یہہ بزرگ "سید جوانان اہل بہشت" مین کا ایک تھا۔ حسین رسولؐ اپنی شان ہیبت اور سرداری پاتے تھے۔ یہہ وہ بزرگ تھے جنکے مشہور سرمایۂ حیرت

رسولؐ کے [illegible]

فعل کے بعد بھی دشمنون کے برتاؤنے ہماری اس کتاب کے ہیرو کے پُر استقلال ارادہ کو جواز مین قوت پیدا کردی جنگ کی وجہ سے اگر زمانہ کو یہہ تجربہ ہوا کہ اہلبیت رسالت امت کے رفع فساد کے خیال سے دولت اور امارت سے دست بردار ہوسکتے ہین تو ہماری کتاب کے ہیرو نے یہہ دیکھا یا کہ ہمارے ہوتے ہوئے کوئی یہہ نہین کہہ سکتا کہ دین اسلام پر بلائین آتی تہین اور کسی نے اپنے کو قربان نہ کیا یہہ مقامات کتاب کے آیندہ حصہ مین نہایت غور سے دیکھنے کی باتین ہونگی حسین

کتاب کے آیندہ حصہ کیلئے بعض غور طلب باتین

صلح و جنگ کا اپنے اپنے زمانہ اور اتفاقات مین تصفیہ کرنا ہوگا کہ آیا ان دو صلح اور جنگ کرنے والون مین صلح و جنگ کی قوت تھی یا نہ تھی۔ یہہ مین اسلیئے کہتا ہون کہ لوگ یہہ سوچتے ہین اکثر غلطی کرتے ہین کہ صلح اور جنگ کا ہر وقت اختیار ہوتا ہی۔ یا قوت رہتی ہے اگر کہین صلح کی قوت دیکھکر جنگ کرنیکی بھی قوت سمجھ لیگئی ہے تو کہین جنگ کی قوت نہ دیکھکر یہہ سمجھ لیا گیا ہی کہ تو پھر صلح ہوسکتی تھی۔ اور اگر کہین یہہ تیسری صورت پیدا ہوگئی کہ صلح اور جنگ دونون کی قوت نہ ہونے کیحالت مین ایسی صلح پیش کیگئی جسکا موقع اور دکھاوا اختیاری صلح سمجھا جائے تو یہہ اعتراض کیا گیا ہے کہ پہلے تو صلح نہ کیگئی آخر مین مجبور ہو کر اُسوقت صلح کی خواہش کی جب موقع نہ رہا تھا۔ حالانکہ موقع ہی سمجھنے مین معترضین نے غلطی کی ہے۔

غزوہ احد

بدر کا انتقام اور اسکے سامان

سنہ ۳ کا دوسرا بڑا واقعہ غزوہ اُحد ہے جو بادی النظر مین بھی غزوہ بدر سے ملتی اور اسی غزوہ کا نتیجہ تھا دار الندوہ مین مشرکین قریش نے جنکے سرغنہ صفوان ابن امیہ اور عکرمہ ابن ابوجہل تھے ابوسفیان سے کہا کہ تم مال جمع کرو کہ لشکر آراستہ ہو اور ہم لوگ اپنے مقتولین کا انتقام لیوین چنانچہ جسقدر اشیا جمع ہوئین انکا وزن ایکہزار اونٹوں پر بار ہوا۔ عمر ابن عاص منتخب کئے گئے کہ یہہ قبائل عرب کو جمع کرین اسلیئے کہ یہہ بہت "چرب زبان" تھے اور ایک پورا طائفہ ہندہ کی ماتحتی مین پندرہ ہودجون پر روانہ ہوا کہ وہ مقتولین بدر پر نوحہ کرے اور لوگون مین انتقام کا جوش پیدا کرے۔ دشمنون کا دبدبہ اس سے معلوم ہوگا کہ جب یہہ لشکر ذو الحلیفہ مین پہونچے

جوش عداوت کی ایک وحشیانہ حرکت اور اسکی غرض

جہان حضرت آمنہ خاتون کی قبر تھی تو انہون نے قبر کھودنے اور ہڈیان نکال لینے کا قصد کیا اس خیال سے کہ اگر ہماری عورتین گرفتار ہوئین تو ہڈیان دیکر واپس کیجائینگی اور دوسری صورت ایسا نہ ہونے کی بہت سا مال دیکر واپس لینگے لیکن پہر یہہ صلاح اسلیے مسترد کیگئی کہ قبیلہ بنو بکر اور خزاعہ رسول کے حلیف تھے وہ یا دشمنونکی اس حرکت پر نہیں رکتے اور جنگ کرتے یا خود دشمنونکی قبرین جوابا کہود ڈالتے جس عذر سے اصحاب کو دشمنونکی تیاری کی خبر ملی وہ مسلح

نگہبان اصحاب اور مشورہ جنگ

ہوکر حضرت کی نگہبانی مین مشغول ہوئے انمین سے مشہور سعد ابن معاذ سعد ابن عبادہ اور اسید ابن حضیر تھے دیر تک اسکی بحث رہی کہ مدینہ مین رہکر جنگ کیجائے یا بیرون مدینہ حضرت حمزہ کے اس فقرہ سے کہ اسوقت تک روزہ نکھولونگا جبتک دشمنون سے اپنی تلوار سے جنگ نکرون " تصفیہ مین مدد دی اور یہی طے پایا کہ خارج

علمداران لشکر اسلام

از مدینہ جنگ کیجائے مہاجرین کے علمدار حضرت علی ابن ابی طالب سعد ابن عبادہ قبیلہ اوس کے اور حباب ابن منذر قبیلہ خزرج کے علمدار قرار دیئے گئے لشکر کی گنتی کیوقت رسول نے چند کمسن نوجوانون کو مدینہ کیطرف

بعض کمسن نوجوانونکے نام جنھین ہماری کتاب سے تعلق ہوگا

واپس جانیکی اجازت دی یہہ وہ لوگ ہین جنہین ہماری کتاب کے آیندہ واقعات سے بہی تعلق ہوگا مناہج النبوۃ مین انکے نام عبداللہ ابن عمر خطاب۔ زید ابن ثابت۔ اسامہ ابن زید۔ زید ابن ارقم۔ براء ابن عازب۔ ابو سعید خدری۔ سمرہ ابن جندب اور رافع ابن خدیج ہین۔ رسول نے محمد بن مسلمہ کو پچاس مجاہدین سے لشکر کی پاسبانی کے لیئے اور کفار نے عکرمہ ابن ابی جہل کو اپنے لیئے مقرر کیا حضرت نے کوہ احد کو پشت پر لیا اور مدینہ کو سامنے رکھا سلسلہ کوہ مین ایک پہاڑ جسکا نام عینین تہا شگافدار تہا جسمین دشمن کمین کر سکتا تہا حضرت نے عبداللہ ابن جبیر کو سخت تاکید کی کہ وہ فتح و شکست کی صورتون مین کسیطرح اپنی جگہ نہ چہوڑے جنگ ہونے لگی ابودجانہ کا "تبختر" پسند کیا گیا اور اگرچہ یہہ ہندہ یا بقول مجموعہ کامل ترجمہ

ابودجانہ کی سپاہیانہ شان

تاریخ واقدی عمرہ بنت الحارث کے پاس پہنچا اور خیال اوسکے یہہ ہوا کہ اس نا ہموار لڑنے والے کو قتل کرے لیکن پہر بقول مناہج النبوۃ تصفیہ یہہ کیا کہ " یہہ تلوار اس سے برتر اور گرامی ہے کہ اس عورت کے خون سے آلودہ ہو" قریش کا صاحب لوا طلحہ ابن ابی طلحہ میدان مین آیا اور اسے شیر بیشہ ہیجا علی مرتضی نے جسکا بقول واقدی سر پر اور سینہ سفید تہا قتل کیا اور اسکا سر شگافتہ ہوا علی میدان جنگ سے چلے آئے اور لوگون نے پوچھا کہ آپ نے اسے قتل کیون نکیا فرمایا کہ جب گرا اسنے مجھے قسم دی کہ

زخمی کے ساتھ علی کا شجاعانہ رحم

مین اسے چہوڑ دون مجھے شرم آئی کہ پہر اس سے متعرض ہوتا بقول واقدی وہ برہنہ ہوگیا تہا اور علی نے بچنے والونکو چہوڑ دیا کہ بہاگ کے پہر آجاوین تو نتیجہ یکنین سپہر صاحب ملا لکر آیا کہ وہ سوار لشکر تہا اسی مورخ کے موافق جب طلحہ قتل ہوگیا اور رسول خدا صلعم کو سرور حاصل ہوا تکبیر بلند فرمایا پہر سارے مسلمین نے تکبیر کہی اسکے بعد اسکے بہائی عثمان طلحہ میدان مین آیا اسے ہاشمی شیر

علی کی شجاعت بانی لشکر رسول اور لشکر اسلام پر اثر

اور رسول کے زمانے کے سپاہ شہدا حضرت حمزہ نے جو حضرت شتر نرغ کے پر لگائے ہوئے تھے قتل کیا اور یہہ کہتے ہوئے
پہر سکے " انا ابن ساقی الحجیج" (یعنی حاجیون کے پانی پلانیوالے حضرت عبدالمطلب کا فرزند ہون) علی نے ارطاۃ بن
عبد شرحبیل اور صواب غلام بنی عبدالدار دوسرے علمدار کفار کو بھی قتل کیا بعض دوسرے یا رسعد ابن ابی وقاص اور
زبیر العوام اور قزمان کے ہاتہون سے بھی قتل ہوئے۔

لشکر اسلام کی فتح و شکست

مسلمان یہانتک غالب ہوگئے کہ دشمنون کے خیمون پر قابض ہوگئے لیکن فتح و شکست مین تہوڑا فرق تھا شکست
کیوجہ عرب کی جبلی کمزوری یعنی لالچ ہوئی عبداللہ ابن جبیر نے محافظین درہ کو اس سے باز رکہنا کہ وہ شریک
غارت نہ ہون اور رسول کا حکم مانین وہ لوٹنے لگے تو مار اگیا اپنی زندگی مین دشمن کو گذند نہ پہنچنے دیا دشمن غالبا اسکی تاک
مین سے گیا اب حالت یہہ تھی کہ لقول مجوعہ کامل مسلمین ساتہہ مشرکین کے مختلط ہوگئے تو باہم مشتبہ ہو کر مقابلہ

مالون کا اضطراب

کرنے لگے اور باخود ہا ایک دوسرے کو مارتے تھے مگر عجلت اور حالت اضطراب مین جسکو مارتے تھے اسکو پہچانتے
نہ تھے کہ وہ کون ہے" چنانچہ اسید ابن حضیر کو ابو بردہ نے زخمی کیا اور ابو بردہ کو ابو زرعہ نے زخمی کیا اور جب پہچانا تو
دونا علمی کیوجہ سے یہہ زخم "فی سبیل اللہ" سمجھے گئے۔ اسیطرح حذیفہ کے باپ یمان قتل ہوگئے اور حباب بن منذر

مسلمانون میں ہوقت درگذر کا خیال تھا

جو داد شجاعت دیرہے تھے جبار ابن صخر کی ایسی ہی نادانستہ ضربت سے زخمی ہوئے۔ اُن بزرگ کے متعلق
جنکی ہیبت و جسارت اور جسامت بعض مورخین کے دعوے کے موافق مکہ مین علانیہ نماز پڑہواسکی انہین مورخین
کے نزدیک "سیف اللہ" کہتے ہین کہ "روز احد جسوقت مسلمین ہو گردان و گریزان ہوئے تو مینے عمر ابن الخطاب

سیف اللہ کی کہانی ایک روایت

کو دیکہا کہ وہ چلے جاتے تھے اور اُنکے ساتہہ کوئی نہ تہا . . . کسی نے میرے سوا اُنکو نہین پہچانا . . . آخر مینے دیکہا کہ
وہ شعب جبل کیجانب متوجہ تھے۔" اسی کتاب مین ہے کہ جب محمد قتل ہونے کی صدا بلند ہوئی تو عمر رضی اللہ عنہ
کہتے ہین کہ مین اسوقت آگے بڑہا اور جبل پر شل بکری کے چڑہ گیا" حالت اگر ایسی ہی تھی تو عجب نہین ہے
وہ لوگ جو اُنکے جثہ سے متاثر ہون انہین شعب کیطرف جاتا ہوا دیکہکر خود بھی میدان مین ٹہرنا خلاف
مصلحت سمجہتے ہون وقت مخدوش تہا اور قرینہ غالب تہا کہ رسول کو آنکے مصلحۃ کی ضرورت ہوتی
جنہین مورخین نے وزارت کا عہدہ حوالہ کردیا ہے اسکی ایک مثال بموافق مجموعہ کامل غالبا یہہ ہے کہ عبدالرحمن بن
ابی بکر نے جب مقابل طلب کیا اور حضرت ابوبکر نے مقابلہ کا قصد کیا تو رسول نے فرمایا " تلوار میان مین کرو اور اپنی جگہ پہچانو اپنی
ذات سے ہمکو منفعت پہونچاو" انکی ذات سے ہمکو نفع پہونچا یہہ بقدر یہی کہ لفظ ہین جنکے مخاطب کی رائے دیکہا سکتے ہین لیکن
[illegible] جنگ کرنے کے لحاظ سے [illegible] لڑائی سے باز رکھے گئے اور [illegible]

جنہوں نے مرنے کی بیعت کی تھی لیکن یہیں صلاح و شورہ کا موقع تہا اسلئے اگر اسکو کوئی معنے ہو سکتے ہین تو یہہ کہ تمہاری جو دو
زیادہ تعداد دکھائی مین ضعیف ہو گی ہو سکتا ہی کہ زبیر کے لفظ سے مورخین کی غرض وزیر جنگ ہو یہہ حالت اس دوسری
حالت کے معنی بتاتی ہی کہ محمد بن عمر الواقدی نے کہا کہ روز احد رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ تم مین سے کون شخص ایسا
تلوار کا لیتا ہی جیسا کہ حق تلوار پکڑنے کا ہی لوگون نے عرض کی وہ ما حقہ یعنی حق تلوار پکڑنے کا کیا ہی فرمایا دشمنونکو
قتل کرنا عمر نے کہا یا رسول اللہ مین تلوار کو مین لونگا حضرت نے انکی طرف سے منہ پھیر لیا اور اس تلوار کو اس شرط
پر پیش کیا" بقول واقدی "اس روز آٹھہ آدمیون نے حضرت کے ہاتھہ پر بیعت مرنے کی کی تھی تین نے مہاجرین مین سے

علی، زبیر، طلحہ اور پانچ نے انصار مین سے ابو دجانہ۔ حارث بن صمہ۔ حباب بن منذر۔ عامر بن ثابت اور سہیل
بن حنیف" اسلام کیلئے خوفناک تاریکی کا وقت تہا اور ہم بھی عام مسلمین کے ساتہہ چاہینگے کہ وہ جنہیں مولوی
شبلی صاحب الفاروق مین "آسمان اسلام کے مہرو ماہ" فرماتے ہین میدان جنگ کو روشن کرتے۔ عمارہ ابن زیاد زخمون
سے چور چور رسول کے قریب پڑا تہا اسکو حضرت نے اپنے قریب بلا یا اور جسم اطہر کا تکیہ لگا دیا اور اسی حالت مین وہ

بہادر اپنا فرض ادا کر گیا۔ انہیں وقتون مین کوئی عباس بن عبادہ بن نضلہ کا ایسا فدائی بھی تہا جسنے اپنی زرہ اور خود
اُتار ڈالا دشمن کے لشکر مین مارتے ہوئے گھس گئے اور شہید ہوئے بقول صاحب مناہج النبوۃ "جب لشکر اسلام
فراری ہوا اور حضرت کو اکیلا چھوڑا حضرت غضب مین آگئے اور پسینا پیشانی مبارک سے نیچے دوڑنے لگا اس حالت
مین اُس جناب نے دیکھا کہ حضرت علی پہلو مین کھڑے ہوئے ہین حضرت نے فرمایا کہ یا علی کس طرح کی بات ہی کہ تم یاروں مین
ملحق نہوئے یعنی نہ بہاگے آنکے ہمراہ علی مرتضے نے کہا اکفر بعد الایمان ان لی بک اسوۃ... آیا کافر ہو نہیں ایمان لانیکے
بعد تحقیق کہ سبب مجھے تجہسے اقتدا ہی یاروں اور بہائیون کیا کام جو بہاگے۔ اسیوقت مین ایک گروہ کفار کا متوجہ طرف اُس
جناب کے ہوا حضرت نے فرمایا یا علی مجھے اس گروہ سے بچاؤ حق خدمت و یاری بجالاؤ کہ وقت یاری ہی علی مرتضے
متوجہ طرف اُس گروہ کے ہوئے... اور انکو پراگندہ کیا اور ایک جمع کثیر کو طرف جہنم کے روانہ کیا" پھر یہی مورخ لکھتا ہی
"اسوقت ایک آواز سننے مین آئی کہ گویندہ غیبی کہتا تہا کہ لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار..." اور اس مبارز

غازی نے علی کرم اللہ وجہہ نے حق مبارزت اور محاربت اور جلادت اور شجاعت وہ بجالایا کہ فوق اُس سے متصور
نہو سکے" علی کو اس جنگ مین سولہ زخم لگے تھے اور چار مرتبہ سنبہل نہ سکے اور گر گئے لیکن پھر اُٹھے اور اُسوقت
تک میدان جنگ سے نہ ہٹے جبتک کہ دشمن واپس نہ گیا۔ حضرت کے دیوان کا یہہ شعر جسکی سرخی مین
لکھا گیا ہی لیکن میرے خیال مین یہہ احد کی واقعہ خوانی کرتا ہی کہ "نصرنا رسول اللہ لما تدابروا وتاب الیہ

(مسلمون خود بھی ادن کی ہمنے رسول خدا کی جب بھیر کر لوگ دوبہر سے علاوہ حضرت کے مسلمان شغل والے)

روایتین ہین کہ اکثر نساء مسلمین نے اس حالت مین جنگ کی جب لشکر اسلام میدان جنگ مین متفرق ہوگیا چنانچہ ام عمارہ
نسیبہ اور صفیہ بنت عبد المطلب نے مشرکین کو قتل کیا اگرچہ موقع جنگ رسول کیلئے اس حد تک مخدوش ہوگیا تھا
کہ عتبہ ابن ابی وقاص لب و دندان رسول زخمی کرتا ابن شہاب مرفق اقدس کو صدمہ پہونچاتا اور اسیطرح ابن قمیہ
کی ضرب صدمہ پہونچاتی اور جناب رسالتمآب ایک گڑھے مین گر پڑے لیکن سوا اسلام ایساہی ہونا چاہیئے تھا کہ وہ
اس تمام یورش مین اپنی جگہ سے ایک بالشت نہ ہٹتا اور کسیوقت دشمن ہجوم کرتے اور زخمی کرنا شروع کرتے
اور کوئی تنہا محافظ بہتیرون کا ایک وقت مین جواب نہ دلیکتا۔

حالت زخم مین رسول کا ثبات

اس جنگ کی ایک صورت یہہ بھی تھی کہ اکثر نساء مسلمین اپنے ساتہہ کھانا اور پانی لائی تہین اور زخمی مسلمانونکو
پلاتی تہین۔ عائشہ بنت سعد اپنے کاندھے پر دُہری مشکین لئے تہین اور ام ایمن بھی پانی پلارہی تہین یہہ لوگ
زخمیونکی تیمارداری بھی کرتی تہین۔ یہہ بیبیان غالباً اُسوقت میدان جنگ مین پہونچین جسوقت مدینہ مین
یہہ خبر عام ہوگئی کہ جناب رسالتمآب شہید ہوئے۔ مین نہین جانتا کہ کسطرح حضرت ذکیہ طاہرہ میدان مین
پہونچی ہونگی اور کسطرح اپنے پدر بزرگوار کے چہرۂ اقدس کو خون آلودہ دیکھا ہوگا جس حالت مین آنجناب بقول
تمام مورخین کے یہہ فرمارہے تھے کہ "کیسے فلاح پائیگی وہ قوم جو اپنے نبی کے چہرہ کو خون سے رنگین کرتی ہے
درانحالیکہ وہ اُنہین خدا کیطرف بلاتا ہے" رسول کو جناب امیر المومنین ہاتہہ دیکر گڑھے سے نکال چکے تھے۔

مسلمان عورتین اور لشکر کی خدمت

پیاس کی شدت تھی اور خون کسیطرح بند نہوتا تہا حضرت اسد اللہ الغالب مہراس کی جھیل سے پانی لائے اور زخم جناب
نبوی کو دہونا شروع کیا لیکن خون کسیطرح بند نہوتا تہا جناب فاطمہ زہرا نے ریشمی یا کسی قسم کا موٹا کپڑا جلا کر اُسکی
راکھہ جسم مین بھری اور اس سے خون بند ہوا بقول مجموعہ کامل واقدی علی زخم سب کے دہونے کیوقت حضرت فاطمہ کو
اپنی تلوار لئے رہنے کو حوالہ کرتے تھین۔ دیوان جناب امیر و حیات القلوب وغیرہ کے موافق فرماتے ہین: "اے فاطمہ
تو اس تلوار کو جو بُری نہین ہے اور مین خوف زدہ لئیم اور ناکس نہین ہون لے اے فاطمہ مین نے سخت کارزار کی نصرت احمد
اور خوشنودی پروردگار مین جو بندو نپر رحیم ہے مین بجز جزا سے خدا کے اور کسی شئے کی خواہش نہین رکہتا اور خدا کی
رضا جنت اور بہشت کی آسائش ہے اور مین وہ مرد ہون کہ بلندی ڈھونڈہتا ہون جب لڑائی عام طریقے پر اور شعلہ
تمام برپا ہو بغیر اسکے کہ سزاوار ملامت ہو۔ مین نے قصد کیا پسر عبد الدار کا یہانتک کہ مارڈالا اُسکو اپنی تلوار سے
جو تقسیم اعضا کی مانند چمکتی ہے۔ اور میری شمشیر میرے ہاتہہ مین مانند شہاب درخشان کے تھی جسے مین چلاتا تھا

فاطمہ زہرا اور علی

علی کا رجز

... میں ہمیشہ تک میں رہا یہاں تک کہ میرے پرندے [illegible] آنکھ جا معتون کو پراگندہ کیا اور شعلوں کو تسکین دی میں نے
اُن سے ہر صبر کرنیوالے کے سینہ کو" واقدی نے کوئی سخاوت نہیں کی ہے جہاں علی کے متعلق رسول سے یہہ کہلوایا ہے کہ
تمنے بہت خوب جنگ کی"

لشکر اسلام کے بعض مجاہد اور مثالی دل کی عورتیں

اس جنگ میں حضرت حمزہ مصعب بن عمیر ابو دجانہ حباب بن منذر سہل ابن حنیف خصوصیت سے قابل تعریف ہیں جنہوں نے اسطرح جنگ کی جو شجاعت کا حق تہا۔ اسیطرح میں اُن عورتوں کی تعریف کیے بغیر آگے نہیں بڑہ سکتا جنمیں سے کوئی اپنے جوان بیٹوں کی لاش اپنے اونٹ پر لیے چلی جا رہی ہے لیکن کسی پوچھنے والے سے اُنکی غم کی ہوا بھی نہیں دیتی اور رسول کی سلامتی کی خوشخبری سُناتی ہے اور کوئی اپنے فرزند اور شوہر کی لاش دیکھکر رسول کی خیر سلامتی دریافت کرنے کے جوش میں انکی طرف سے مُنہ پہیر کر آگے بڑہ جاتی ہے۔ یہہ مائیں تھیں جنپر اسلام کی خصلت شجاعت پروری کو افتخار ہونا چاہیئے۔

حضرت حمزہ کی شہادت

خاتمہ جنگ کے بعد کا دردناک منظر شروع ہوا اور رسول نے اسلام کے ایک بڑے مددگار شیر یعنی حمزہ کو دریافت فرمایا جنسے دشمنوں کی صفیں چیری اور روندی تہیں کسیکے دلمیں یہہ طاقت نہ تہی کہ وہ رسول سے کہتا کہ وحشی نے چہپکر اُس بہادر کے پہلو میں خنجر مارا اور ہندہ نے نہ صرف سینہ شگافتہ کرکے انکا دل چبایا بلکہ مثلہ بھی کیا زخمی سپاہی [illegible] حضرت خیر العالمین کو ہوا جب علی ابن ابی طالب علیہ السلام اپنے سہارے سے رسول کو اپنے عم بزرگوار کی لاش پر لیچلے واقدی اور مدارج النبوۃ کے علاوہ مورخین قائل ہیں کہ رسول چشم پر آب ہوگئے لیکن اُسوقت اور بھی بیقراری بڑہ گئی جسوقت حضرت صفیہ بنت عبد المطلب نے لاش کے قریب جانا چاہا اسوقت تمام مسلمین بھی رو رہے تھے اور کیسا دل ایسا سخت نہ تہا کہ فاطمہ بنت حمزہ کو یہہ پوچھتے سُنتا کہ "میرا باپ کہاں ہے" اور کوئی اپنی آنکھوں سے آنسو نہ ٹپکنے دیتا ویسے ہی یہہ سر لٹکائے [illegible] اور دیکھا کہ جوق جوق لوگ ایک طرف چلے جا رہے ہیں اس تماشہ نے بجائے تسکین کے اور منتشر کیا ہوگا جب اس گروہ میں کسی سپاہی کا خود [illegible] کے پر لگا [illegible] کہا ہوگا اسکے بعد یہہ بھی رسول کے پاس

فاطمہ بنت حمزہ کا سوال اور رسول کی شفقت

پہونچی آنحضرت یہاں بھی نہ پایا تب چیخنی [illegible] سر پر ہاتھ ڈال دیا اور وہی دل ہلا دینے والا سوال کیا کہ میرا باپ کہاں ہے؟ جو رسول نے فرمایا میں تیرا باپ ہوں [illegible] اس لڑکی نے کہا کہ یا رسول اللہ اس سے خون کی بو آتی ہے رسول اور اصحاب کی آنکھوں سے [illegible] اس سوال کا جواب دیا حضرت کے پیراہن پر حمزہ کا [illegible] اس واقعہ سے

حمزہ کی تعزیت کیلئے رسول کا حکم اور انصار

معلوم ہوگا کہ جب آنجناب مدینہ میں تشریف لائے اور انصار کے گھروں سے اپنے اپنے مقتولین پر رونے کی صدا سنی تو فرمایا کہ حمزہ پر کوئی رونے والا نہیں ہے [illegible] انصار نے [illegible] ہدایت کی کہ تم پہلے حمزہ کے گھر جاکر [illegible]

جب حمزہ کے گھر سے آواز گریہ نہ سنی اور حال دریافت ہوئے تو بقول مدارج النبوۃ فرمایا کہ "راضی ہو خدا ان سے اور تم سے اور انہوں کی اولاد سے اور اولاد کی اولاد سے"

زخم اور عبادت

حضرت اسقدر زخم دار تھے کہ بیٹھے بیٹھے نماز پڑھائی اور بقول مجموعہ کامل واقدی جب شہدا پر رسول نماز پڑھاتے تھے تو فرمایا کہ میں ان لوگوں پر شاہد ہوں تب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا یہ لوگ ہمارے برادر تھے کہ اسلام لائے تھے ہم... فرمایا ہاں سچ ہے ولیکن انہوں نے اپنے اجور کو کمائی میں سے کچھ نہیں کھایا اور میں نہیں جانتا کہ تم میرے بعد کیا کیا احداث و بدعت کرو گے"!

رسول کی حدیث زمانہ مستقبل کے لیے

غزوہ احد میں مینے ترتیب واقعات میں ناظر کا زیادہ وقت لیا اس سے زیادہ جسقدر میں آیندہ غزوات اور سرایا میں ضرورت سمجھوں کا اسکی وجہ یہہ تھی کہ ذکر کیے ہوئے واقعات کو ہمارے ہیرو کے بعض آیندہ واقعات سے حیرت خیز مناسبت ہوگی۔

اسکے بعد اگرچہ بعض سرایا وقوع میں آئے لیکن ان میں سے زیادہ توجہ کے قابل واقعہ جو تھا یہہ اسوجہ سے ہوا کہ سلافہ بن سعد نے جو طلحہ ابن ابی طلحہ کی بی بی تھی عام اعلان کیا کہ جو شخص میرے دو بیٹوں کے قاتل عاصم بن ثابت کا سر لائے گا اسے سو اونٹ دیے جاینگے اسپر ایک شخص سفیان بن خالد آمادہ ہوا اور اپنے قبیلہ کے چند شخصوں کو لیکر خدمت رسول میں حاضر ہوا اور بہ مکر مسلمان ہونا ظاہر کیا اور اسکے بعد خواہش کی کہ اگر کچھ لوگ اسکے قبیلہ کیطرف ہدایت دین کیلئے روانہ کیے جائیں تو سب اسلام لائینگے رسول نے سات آٹھ آدمی منتخب فرمائے۔ جب یہہ لوگ تنعیم میں پہونچے تو سفیان بن خالد نے اپنے قبیلہ کو خبر دی اور اسنے آکر انکو گھیر لیا یہہ سات آدمی بہادروں کیطرح لڑے اور سب نے بمقابلہ دو سو آدمیوں کے شہادت پائی اسکے نام خبیب اور زید بن دثنہ تھے

اسلام کے اور شہدا

یہہ مکہ میں لاکر فروخت کیے گئے خبیب کو حارث بن عامر بن نوفل نے خرید لیا اسلیے کہ خبیب نے حارث کو بدر میں قتل کیا تھا اور زید کو صفوان بن امیہ نے خرید لیا اسلیے کہ اسکے باپ کو انہوں نے قتل کیا تھا۔ یہہ لوگ دار پر کھینچے گئے مگر لوگ ان سے اسلام سے پھر جانے کی خواہش کرتے تھے یہہ وفادار اسلام کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔ اسوقت چالیس نیزہ دار جنکے اعزا بدر میں مارے گئے تھے جمع ہوئے اور انہیں نیزوں سے چھیدنے لگے اور اسطرح یہہ دو مسلمانوں نے جان بحق تسلیم ہوئے رسول کو جب خبر پہونچی تو سخت رنج کیا اور زبیر اور مقداد نے یہہ وعدہ کیا کہ یہہ لوگ انکی لاشوں کو دار پر سے اتار دینگے۔ یہہ لوگ گئے اور بہت ہوشیاری سے لاشوں کو اتار لیا اور قاتلوں کا مقابلہ کیا

رسول کو دو مسلمانوں کی لاشوں کا دار پر رہنا گوارا نہ ہوا۔

اقتباس کیے ہوئے رسول کی اس خبر کی روایت شواہد النبوۃ و مدارج وغیرہ

اسلام کے وقار کی حفاظت تمام ذاتی تکلیف کے لحاظ سے مقدم تھی

اسکے قبل صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل اسپر متاسف تھے کہ احد کی جنگ کے بعد کیون مدینہ کو نہ لوٹا بعض ان
مین سے اسکے مخالف تھے یہہ خبر رسول کو پہونچی اور اگرچہ آپ معہ اکثر ممتاز جان نثارون کے زخمی تھے لیکن سب وقار
اسلام کے محفوظ رہنے کیلئے حمراء الاسد مین جمع ہوئے دراںحالیکہ انکے زخمون پر پٹیان بندھی تہین۔ علامہ مجلسی
حیات القلوب مین لکھتے ہین کہ اگرچہ علی ایسے زخمی تھے کہ بستر سے اٹھہ نہ سکتے تھے مگر جسوقت رسول نے فرمایا کہ
مشرکین حمراء الاسد مین جمع ہونے کا قصد رکھتے ہین تو علی مین جنبش پیدا ہوگئی اور ساتھہ جانے کا قصد ظاہر فرمایا
اور رسول کی اشک آلود نگاہون نے شکریہ ادا کیا۔ مسلمانون کی اس دلیری نے کفار کی ہمت پست کردی اور جنگ
نہ ہوئی۔

وہ لوگ کیونکر جلاوطن ہوئے جنہیں اسلام نے جلاوطن کیا

اسیطرح نجد مین ان مسلمانون کو جو دعوت اسلام کرنے گئے تھے عامر بن طفیل نے معونہ کشیر کے گھیر اور شہید کیا۔ غزوہ بنی نضیر
مین مجھے صرف یہہ کہنا ہے کہ یہود کا یہہ موقع بین گروہ اگرچہ پیشتر پابند عہد تہا مگر واقعہ احد سے نہ صرف اظہار عداوت کرنے لگا
بلکہ مشرکین قریش سے ملگیا اور کبھی رسول کو دعوت دیکر بیچ ہی مین پتھر مارنا چاہا تو کبھی انکے سپاہی غرور سے
اسلام کے سپاہیونکو کمین سے قتل کرنے کا قصد کیا اسپر بھی انکی خواہش صلح منظور کیگئی تو بقول مناہج
انہون نے مدد اپنے تئین سنوار کر دف بجاتے اور گیت گاتے مدینہ کے بازار سے نکلے" نہ اسکے قبل کہ اپنے گھرون
اور پس ماندہ چیزون کو اپنے ہاتھہ سے خراب نہ کیا ہو۔

سنہ ہجری سیوم ماہ شعبان ولادت حسین

ماہ شعبان ۳ھ تک تاریخ اسلام کا اس حد تک نشو و نما اور خاندان نبوت کا اس درجہ وقار قائم ہوچکا تھا کہ جناب
رسالت مآب اپنی پارہ جگر کے حجرے کے باہر کھڑے تھے یہہ نہ تھا کہ جناب قدس نبوی نے اپنی عادت کے
موافق سلام کیا ہو اور اسکے منتظر ہون کہ جواب ملے تو ہم اندر داخل ہون اور غرض یہہ تھا کہ جناب رسالت مآب

رسول کی حالت انتظار

کہین سے تشریف لائے ہون اور اپنی لاڈلی بیٹی کو معمول کے موافق پہلے دیکھنا چاہتے ہون۔ آج رسول بالارادہ بیرون
خانہ تشریف رکھتے تھے اور ایک بچے کی ولادت کے منتظر تھے بچہ پیدا ہوا اور بقول خصائص حسینیہ حضرت نے حالت سجدہ
مین آواز دی کہ میرے فرزند کو لاؤ۔۔ پس اسماء امام حسین کو ایک سپاچہ ریشم مین لپیٹ کر پس حضرت نے امام حسین

بعض احادیث

کو گود مین لیا اور ہادی دین نے اپنے اس فرزند کے کانون مین اذان کہی۔ یہہ بچہ سید جوانان بہشت کا دوسرا تھا اور
یہہ سید العرب کا دوسرا فرزند تہا یہہ دو ریحان رسول مین کا ایک تہا جسکے متعلق رسول نے بقول ... فرمایا کہ "حسین از من است و من از وے ام خدا او را دوست داشتہ است ہر کس کہ حسین را دوست
داشتہ است" اس کتاب مین یہہ بھی حدیث ہے کہ "ہارون دو پسران خود را شبر و شبیر نام کردہ من و

پسران خود را حسنؑ و حسینؑ نام کردم" یہہ روایت سر الشہادتین مین بھی مذکور ہے اور اسمین اتنا اضافہ ہے کہ

رسول نے حسینؑ نام رکھا ہے

جب حضرت امام حسین علیہ السلام پیدا ہوئے تو جناب رسالت مآب نے حضرت علی سے دریافت فرمایا کہ تمنے کیا نام رکھا ہی آپ نے جواب دیا کہ حرب" فرمایا حضرت نے بلکہ اس کا نام حسینؑ ہے"

عقیقہ

ساتوین دن ایک سفید کپڑے مین لپیٹے گئے عقیقہ ہوا۔ اور بالون کے وزن کے موافق چاندی تصدق کیگئی اور بجاء کے موافق کان چھیدے اور بندے ڈالے گئے بعض کے موافق اسوقت جناب فاطمہ زہرا نے اپنے فرزند کے لیئے رسول سے کچھہ مانگا اور رسول نے فرمایا کہ مین نے اُسے اپنا جود اور اپنی شجاعت عطا کی۔ صواعق محرقہ کے لفظو نمین "طبرانی از فاطمہ روایت کرد کہ پیغامبر فرمود صلی اللہ علیہ وسلم کہ اما حسن پس مر اور است ہیبت من و سرداری من و اما حسین پس برای اوست جرأت من و جود من"۔

حسین مین رسول کی سخاوت اور جرأت

رسول کے مشابہہ بچہ کو مان لوریان دیتی ہے۔

روایتین ہین کہ جناب امام حسین رسول اکرم سے مشابہہ تھے جسکی تائید اس شعر سے بھی ہوتی ہی جو جناب فاطمہ حسین کو لوریان دیتے وقت فرماتی تہین کہ انت شبیہ بابی لست شبیہ بعلی۔ اسکے بعد ناظر ملاحظہ کریگا کہ یہہ بچہ کبھی رسول کے دست اقدس پر ہے کبھی سینہ پر ہے کبھی کاندھے پر ہے کبھی رسول چوم رہے ہین اور کبھی

حسین اور رسول

اُم ایمن یا اُم الفضل کی نسبت چشم نمائی کرتے ہین کہ کیون حسین کو اسطرح گود سے کھینچا کہ وہ بسورنے لگے حسینؑ بڑہتے جائینگے اور بقول سر الشہادتین نبی اللہ کے کاندھے پر چڑہینگے اور کبھی سُرخ کپڑے پہنے ہوئے چھوٹے چھوٹے پاؤن سے ڈگ ڈگ کرتے اور لڑکھڑاتے ہوئے مسجد مین چلے آئینگے۔ رسول منبر پر سے دیکھینگے۔ دل بیچین ہو جائیگا کہ کہین گر نہ پڑین چوٹ نہ لگے اور روندہ دین منبر سے اُتر آئینگے گود مین لیکر پیار کرنے لگین گے اور بقول صواعق محرقہ فرمائینگے کہ "خدای تعالی راست گفتہ کہ جز این نیست کہ اموال و اولاد شما فتنہ ایست من نظر کردم باین دو صبیان یعنی حسن حسین کہ می آیند و پاے ایشان می لغزد پس صبر نتوانستم کرد تا اینکہ حدیث خود را قطع نمودہ برداشتم ایشان را" ہم پھر مجبور ہین کہ اس مولود مسعود کے حالات سے اسوقت تک ترک کرین جبتک یہہ تاریخ اسلام مین عملی شرکت کے قابل نہو جائے۔ اس درمیان مین ہم پھر ان عظیم الشان واقعات کا خلاصہ پیش کرتے ہین جنسے حسین کی سوانح عمری متاثر ہے۔

حضرت فاطمہ بنت اسد کی رحلت اور رسول

اسی سال مین حضرت فاطمہ بنت اسد نے رحلت فرمائی حضرت کے حکم سے بقیع مین قبر تیار کیگئی خبر سنکر رسول نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ چلو اپنی مان کے پاس چلون اصحاب اسطرح رسول کے ساتھہ چلے گویا انکے سرون پر طائر

بیٹھے ہوئے تھے حضرت نے اپنا پیراہن انکے کفن کیلئے عطا فرمایا اور جب جنازہ باہر آیا تو بقول مناہج النبوۃ خود اُس جناب نے اُس جنازہ کا پایہ اپنے کتف مبارک پر اُٹھایا اور تمامی راہ مین کبھی اگلا پایہ جنازے کا اور کبھی پچھلا کاندھے پر اُٹھاتے تھے کاندہا دیئے ہوئے چلے جاتے تھے "انس ابن مالک کہتے ہین کہ رسول لاش کے سرہانے بیٹھے تھے اور فرماتے تھے یا اُمّی بعد اُمّی (اے میری ماں ماں کے بعد میری ماں) اور اُسامہ ابن زید ابو ایوب انصاری اور عمر ابن الخطاب نے قبر کہودی لحد کی اس جناب نے اپنے دست مبارک سے کہودی اور اپنے ہاتھون سے خاک اسکی باہر نکالی"

رسول کاندہا دیتے ہین

رسول کا پیار انکے لیے

رسول نے قبر کہودی اور مٹی نکالی

حضرت فاطمہ بنت اسد کا تو کیا ذکر سعد ابن معاذ کی تجہیز و تکفین مین رسول نے مخصوص شرکت فرمائی اور نعش انکا سرہانے مبارک پر رکھا۔ یہہ اسلامی خدمات کا اعتراف تہا لیکن رسول غیر مسلمین کے جنازہ کا بھی احترام فرماتے تھے اور کھڑے ہو جاتے تھے۔

غزوہ بنی مصطلق

حدیث افک

۵ھ مین ایک واقعہ ہوا جسے بعض مورخین ۶ھ مین بھی کہتے ہین جسنے ہماری تاریخ کے آیندہ اوراق پر گہرا اثر ڈالا۔ واقعہ کو بغیر کسی تنقید یا اجتہاد تاریخی کے مختصر لفظون مین پیش کرتا ہون مجھے اس واقعہ کے متعلق لحاظ اور امید ہے کہ کم سے کم میرے ہمخیال مورخین کبھی اسے کسی تنقید یا اجتہاد کے تابع نہ کرین گے مجھے ذاتی طور سے یہہ یقین ہے کہ یہہ مصلحت جناب امیر کی پیروی ہوگی۔ واقعہ یہہ ہے کہ حارث ابن ضرار نے جو بنی خزاعہ کا سردار تہا قبائل عرب کو رسول کی جنگ پر مجتمع کرنا شروع کیا۔ رسول معہ اپنے علمدار کے روانہ ہوئے حارث ابن ضرار معہ اپنے بیٹے کے علی کے ہاتھ سے مارا گیا لشکر بے سردار ہو چکا تہا مسلمانون نے یکبارگی حملہ کیا اور دشمن کے دس آدمی کام آئے اور قتل ہوئے تھے کہ مسلمان فتحیاب ہوئے۔

رسول واپس آرہے تھے اور قریب مدینہ پہونچ رہے تھے کہ ایک شب کوچ کا اعلان کیا گیا کوچ کے اعلان کیوقت حضرت عائشہ قضائے حاجت کیلئے لشکر سے باہر تشریف لے گئین اور جب واپس آئین تو دیکھا کہ گردن بند نہین ہے پھر واپس گئین اور ڈھونڈتے مین دیر ہوئی جب لشکرگاہ مین آئین تو دیکھا کہ یہان کوئی نہین ہے سب چلے گئین اور ہودہ اٹھی صفوان ابن معطل سلمی اسلیے عقب لشکر رہتا تہا کہ لوگون کی چھوٹی ہوئی چیزین دیکھ لیا کرے بقول مناہج النبوۃ عائشہ صدیقہ کہتی ہین کہ بس صبح کی صفوان نے میری منزل کے نزدیک سیاہ دیکھا آسنے ایک سیاہی آدمی کی کہ میچ خواب کے سوتا ہے پس پہچانا اسنے مجھے جسوقت اُسنے دیکھا اور اسنے مجھے بے حجاب دیکھا تہا کہا اسنے انا للہ وانا الیہ راجعون۔۔۔ پس جاگ گئی مین اُسکے استرجاع کی آواز سے ڈھانپا منہ

اپنے منہ کو اپنی چادر سے۔۔۔ پس اترا صفوان اپنے اونٹ سے اور بٹھایا اُسنے اپنے اونٹ کو پس کھڑا اُسنے پاؤن اونٹ پر اور یہہ اسواسطے کیا تاکہ آسان ہو عائشہ کو سوار ہونا۔۔۔ پس کھڑی ہوئی مین اور گئی طرف اونٹ کے اور سوار ہوئی اُسپر۔۔۔ یہانتک کہ آئے ہم اور پہونچے ہم لشکرگاہ مین گرم گاہ روز مین۔۔۔ پس ہلاک ہوئی ہمارے بیچ اہل افک کے زبان۔۔۔ اور سرانجام کرنیوالا اُسکا عبداللہ بن ابی سلول ہوا۔۔۔ اور تعجب یہہ ہی کہ اہل اسلام سے بھی کئی شخص اہل افک کے ساتھہ شریک ہوئے۔۔۔ حسان ابن ثابت اور مسطح ابن اُسامہ ابوبکر صدیق کی خالا کی بیٹی کا بیٹا تہا اور حمنہ بنت جحش زینب بنت جحش کی ہمشیرہ جو اُمہات مومنین سے ہی"

حضرت عائشہ کہتی ہین کہ مدینہ پہونچکر مین بیمار ہو گئی اور اہل افک کے باتون کی مجھے کوئی خبر نہ تھی لیکن رسول کا مزاج اپنی طرف سے متغیر پاتی تھی یہانتک کہ کچھہ دنون کے بعد اُم مسطح نے قصہ سُنایا اسکے بعد حضرت عائشہ رسول سے اجازت لیکر اپنے باپ کے گھر تشریف لائین۔ یہان معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر نے بھی یہہ روایت سُنی ہی کہ چند دن گذرے تھے کہ حضرت رسول نے اُسامہ ابن زید اور جناب امیر علیہ السلام سے مشورہ طلب کیا جناب امیر نے بقول مناہج النبوۃ فرمایا:۔

مشورہ اور علی کا جواب

"یارسول اللہ تنگ نہین کیا ہی حق تعالی نے واسطے تیرے عورتون کے تئین اور عورتین اسکے سوا بہت ہین۔ پوچھئے آپ جاریہ سے یعنی بریرہ سے۔۔۔ پس بلایا حضرت نے بریرہ کے تئین۔۔۔ بریرہ نے عرض کی یارسول اللہ قسم خدا کی نہین دیکھا مین نے عائشہ سے ایسا کوئی کام جو عیب دار کرے عائشہ کو زیادہ اس سے کہ وہ لڑکی ہی خُرد سال غافل اس سے کہ بکری آتی ہے اور جو آٹا مین نے گوندہا کہا جاتی ہے"

طبری اور روضۃ الصفا وغیرہ مین بھی یہی ہے۔

جناب امیر نے جو کچھہ فرمایا اُسکے متعلق مؤلف کتاب مولوی عبدالحق صاحب دہلوی فرماتے ہین کہ "جب دیکھا علی مرتضے نے کہ حضرت تنگی خرچ اور حیرت اور تنگدلی مین پڑے ہین اور اس غم و اندوہ کی کشادگی کار کی کوئی راہ نہین ہی تب یہہ کہا اور یہہ بات برادری مین محبتو نمین اور خیرخواہو نمین ہوتی ہی۔ ظاہر یہہ ہی کہ جتنی محبت اور خیرخواہی کہ علی مرتضے حضرت سے رکہتے تھے عائشہ سے نہین رکہتے تھے پس اسنے یعنی حضرت علی نے حضرت کی رعایت کرکے ایک بات کی" اسی کتاب مین صحیح بخاری سے نقل کیگئی ہی کہ زہری روایت کرتا ہی ابو مسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف اور ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث سے کہ عائشہ نے ان سے کہا کہ "علی میرے قصے مین خاموش اور ساکت تھے" جامع ترمذی و قرۃ العیون اور مناہج مین بہ اختلاف الفاظ حضرت عائشہ نے رسول کو یہہ جواب دیا کہ اگر مین کہون کہ مین اس سے پاک ہون تو تصدیق نکروگے اور یقین نکروگے میرے کہنے پر اور اگر اقرار کرون مین ایک

امر پر جسکا انہون نے مجھ پر بہتان باندھا ہی تو تصدیق کرو گے"

قرآن کا تصفیہ

اگر سورۂ نور اسی قصہ کے متعلق ہے تو اسمین یہہ الزام قانونی حیثیت سے خارج کیا گیا ہی کہ لولا جاؤ علیہ باربعۃ شہداء فاذلم یاتو بالشہداء فاولئک عند اللہ ہم الکاذبون" (کس واسطے نہین لائے اوپر اسکے چار گواہون کو پس جبتک نہ لائے وہ گواہونکو پس وہ گروہ ہین نزدیک خدا کے دروغ گویون سے) اور اسکے بعد نہایت جائز ہدایت کیگئی ہی یعظکم اللہ ان تعودوا لمثلہ ابدا ان کنتم مومنین (منع کرتا ہی تمکو خدا یہہ کہ پھر ذکر کرو تم مانند اس ذکر کے کبھی اگر ہو تم ایمان لانے والون سے)

علی کی راے

اس جگہ مین یہہ کہنا علی کے ساتھہ انصاف سمجھتا ہون کہ رسول کے صلاح لینے پر علی کا جواب نہ صرف دیانت کا مظہر ہی بلکہ کوئی صحیح راے نہ دیکر اپنے کو اس الزام سے دور رکھا ہے کہ عایشہ کے متعلق انہون نے کوئی بیرحمانہ تصفیہ کیا بلکہ معاملہ قطعاً رسول کی راے پر موقوف رکھا۔ اسکے بعد اسلیئے علی سے کوئی مخالفت پیدا ہونا نہ صرف انکے فیصلہ اور موقع کے ساتھہ ناانصافی ہے بلکہ انکے لطیف احساس کی ناقدری ہی۔

مولف نے کیون یہہ قصہ نقل کیا

یہہ موٹے موٹے واقعات تھے جنہین مینے پیش کیا۔ حقیقتاً مجھے ان واقعات کا لکھنا بےسود تھا اگر آئندہ اسکا کوئی اثر نہوا ہوتا بلکہ مجھے اسکے لکھنے کی اسلیئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس واقعہ نے آئندہ علی کے متعلق واقعات پر حضرت عائشہ کی بدولت بڑا اثر ڈالا میں نہین کہتا کہ یہی ایک وجہ تھی جسنے آئندہ واقعات کو متاثر کیا بلکہ اکثر واقعات مین جسنے علی کی تاریخ پر اثر کیا واقعہ بنی مصطلق ممتاز ہوا۔

غزوہ خندق

یہود اور کفار کا اتحاد اسلام کے خلاف

دشمن کی تعداد

سلمان کی صلاح سے حفاظت کیلیئے خندق کھودی گئی

سنہ ۵ کا مشہور واقعہ غزوہ خندق ہی۔ اسکی ابتدا اسطرح ہوئی کہ جلاوطن بنی نضیر نے اب قریش سے کہا کہ ہم چاہتے ہین کہ تمسے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کی عداوت اور استیصال پر عہد کرین اسپر ابوسفیان نے جواب دیا کہ بہترین اشخاص ہمارے نزدیک وہ ہین جو ہماری امداد کرے محمد کی عداوت پر۔ اسکے بعد کعبہ مین عہد و پیمان مضبوط کیا گیا۔ بنی نضیر نے قبیلہ غطفان کو بھی خیبر کے ایک سال کے خرمے پر اپنے ساتھہ کرلیا۔ اسکے بعد ابوسفیان قبایل اسلم اشجع ابو معہ کنانہ فزارہ اور غطفان کو لیکر آگے چلا۔ اس لشکر کی تعداد دس ہزار تھی دشمن کا انبوہ زیادہ تھا رسول نے مشاورت طلب اور طے یہہ کیا گیا کہ مدینہ کا وہ سمت جدہر میدان ہی اور کوئی فطری یا عارضی آڑ نہین ہی اسطرف خندق کھودی جائے خندق کی صلاح حضرت سلمان فارسی نے دی تھی حضرت سلمان خندق کنی مین ایسا انہماک ظاہر کرتے تھے کہ مہاجر اور انصار دونون انہین اپنی طرف لینا چاہتے تھے۔ رسول نے تصفیہ فرمایا کہ السلمان منا اہل البیت۔

مسلمین کی ... کوشش

اس فصیل مین ہوا نہایت سرد تھی اصحاب بھوکے تھے۔ خاک انکے سر اور کاندہون پر پڑی تھی مگر پھر بھی کہتے تھے

ہم نے بیعت کی محمد سے جہاد پر جبتک زندہ ہین" اور حضرت فرماتے تھے کہ خداوندا کوئی عیش آخرت سے بہتر نہین ہے تو مہاجراور انصار کو بخشدے خود جناب رسالت مآب استقدر بھوکے تھے کہ شکم اقدس پر پتھر بندہا ہوا تہا حیات القلوب مین کہا ہی کہ جناب فاطمہ زہرا ایک ٹکڑا روٹی کا لائین اور رسول نے فرمایا کہ یہہ ٹکڑا ہے جو تین دن مین تیرے باپ کو میسر ہوا ہے لشکر اسلام کو نہ صرف کبھی اتنے بڑے لشکر سے سابقہ نہوا تہا بلکہ دشواری مین اس سے اور اضافہ ہوگیا تہا کہ حی ابن اخطب اور ابوسفیان نے صلاح کی کہ بنی قریظہ کو جو رسول کے حلیف ہین ملالین انہون نے پیمان شکنی کی اور اب لشکر اسلام کو عقب و سامنے دونون طرف سے خوف ہوگیا۔ اگرچہ رسول نے بنی قریظہ کے پاس زبیر و سعد بن معاذ یا سعد ابن عبادہ کو سمجہانے کیلئے بہیجا مگر یہہ لوگ راہ پر نہ آئے مسلمانونکی حالت اس سے معلوم ہوگی کہ "اشتداد پایا مسلمانون کے خوف نے اور عظیم ہوئی بلا انکی حضرت نے فرمایا حسبنا اللہ و نعم الوکیل لیکن ضعفاے اسلام کے دل کفار کی شوکت اور کثرت سے اوڑنے لگے اور آنکھین نہایت رعب سے خیرہ ہوگئین یعنی کھلی رہگئین" (مناہج) بہترین مصوری خداوند تعالی نے سورۂ احزاب مین فرمائی ہے۔

رسول نے نہایت احتیاط سے زید بن حارثہ کو ۳۰۰ آدمی دیئے اور یہہ مدینہ کے محلات کی محافظت کرتے تھے اور بقول صاحب حیات القلوب حضرت اسد اللہ الغالب تمام شب گرد لشکر گشت کرتے تھے اور دشمن کے طلایہ سے اکثر جنگ ہوجاتی تھی حضرت نے جس جگہ نماز پڑہی اُس جگہ مسجد امیر المومنین ہے جو مسجد فتح سے ایک تیر کے پرتاب پر واقع ہے اس جنگ کی حالت کو مولانا علی ابن ابی طالب اپنے دیوان مین نظم فرماتے ہین "وکانو علی الاسلام الباً ثلثۃ ٭ فقد خر من تلک الثلثۃ واحد (اور تھے یہہ لوگ اسلام مین تین گروہ پس مُنہ کے بل گرا ان تینون مین سے ایک)

اسکے بعد بقول صاحب مناہج النبوۃ "محاربہ و مقابلہ میان دونون لشکرون کے واقع ہوا خصوصاً حیدر کرار صاحب ذوالفقار علی مرتضے سے اس غزوہ مین وہ وہ مبارزت اور مقاتلت واقع ہوئین کہ حد قیاس اور عقل کے احاطہ سے باہر ہے جیسا کہ اخبار مین واقع ہوا ہے لمبارزۃ علی ابن ابی طالب یوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامہ (جنگ کرنا علی ابن ابی طالب کا افضل ہے میری امت کے اعمال سے روز قیامت تک)" اسی موقع کے موافق "حضرت نے دعائین کین حضرت علی کے حق مین اور شمشیر اپنی جسکا نام ذوالفقار تھا اس جناب کو عطا کی" اس جنگ مین مخصوص ہیجان کا ایک واقعہ عمر ابن عبدود کا میدان مین آنا تہا اور لشکر اسلام کی افسوسناک خاموشی تھی بقول ابن عبدود سہر آئینہ لکار کر کہا بینے اسکی جماعت مین کہ ہی کوئی مبارز

کفر کے دشمن

کمزور دل مسلمانون کی حالت

محلات مدینہ کی حفاظت کا انتظام علی کی یادگار مسجد

علی کی خدمت کا وزن

تو مین کھڑا تھا جب بزدلی کی بہادر نے مقام دلیر جنگ کنندہ مین" نہ ابن عبدود کا یہہ کہنا کارگر ہوا کہ "کیا تم مین کوئی
مرد نہین ہے؟" اور نہ رسول کا یہہ فرمانا کسی کو غیرت مند ہوا کہ "کون ہے جو اس کو مجھسے دور کرے" مسلمانون کی
حالت اسوقت بنی اسرائیل کی سی تھی جسوقت نامختون فلسطینی قدآور بہادر جالوت انہین للکار رہا تھا اور بنی اسرائیل
آپس مین کہہ رہے تھے کہ "تم اس مرد کو جو نکلا ہے دیکھتے ہو سچ مچ یہہ بنی اسرائیل کو رسوا کرنیکو آیا ہے اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی
اسکو مارے گا تو بادشاہ بڑی دولت سے اُسے دولتمند کرے گا اور اپنی بیٹی اُسے دیگا اور اُسکے باپ کے گھرانے کو اسرائیل کے
درمیان آزاد کرے گا" (سموئیل ۱۷ باب ۲۵ آیت) بنی اسرائیل مین سے نوجوان داؤد نے یہہ بلا ٹالی۔ انہین بھی ساؤل نے
یہہ کہکر رخصت کیا کہ "روانہ ہو خدا تیرے ساتھ رہے" اور اسکے بعد اپنے ہتھیار داؤد پر سجے۔ داؤد نے فلاخن سے اُسے
قتل کیا۔ ساؤل کا سپہ سالار داؤد کو بادشاہ کے پاس لایا۔۔۔۔ ساؤل نے اُسے سپاہ کا سردار کیا اور وہ سب لوگون اور
ساؤل کے ملازمون کا بھی منظور نظر ہوا۔ کس قدر مماثلت ہے اس واقعہ مین داؤد کو علی سے۔ روضۃ الصفا و تاریخ
الاسلام مولوی عباسی مین ہے کہ "تین مرتبہ حضرت نے اصحاب سے پوچھا اور تینون مرتبہ علی بولے" اور اب حضرت
رسول نے تلوار باندھی عمامہ پہنایا اور عمامہ علی کے سر پر رکھا دعا مانگی کہ "بارالہا اسکی مدد کرنا تو نے عبیدہ کو
بدر مین اور حمزہ کو احد مین اُٹھا لیا اب میرے پاس صرف علی رہگیا ہے اسکی حفاظت کرنا" رسول کی دعا درد آگین
تھی سبھی مین ساری واقعہ خوانی ہے۔ اسلام کے وقار کیلئے آج پھر علی ہی بھیجے جا رہے تھے۔ علی نہ ہوتے تو ضرور رسول
اس کام کو بھی اپنے ذمہ لیتے لیکن علی تھے۔ یہہ کہنے کیلئے تھے کہ "اثبت لحیاک اللہ ان لم تسلم لوقع سیف عمر فی
خفرم (قدم ثابت رکھ خدا تجھے قبیح کرے اگر تو اسلام نہ لائے۔ واسطے ضرب شمشیر آبدار کے)" یہہ کہنے ورد کرنے والا تھا
کہ "قد عوت اللہ لحمی ودمی" (بتحقیق جوانمردی کی نے واسطے خدا کے اپنے گوشت اور خون سے) علی اس جنگ
مین اپنے مشہور بہادر دشمن سے مقابلت توحید نہ بھولے۔ جنگ ہوئی ایک کاری زخم لگا مگر اپنے دشمن کو قتل
کیا۔ میدان جنگ سے واپس آنے کے قبل انکی صداے تکبیر نے رسول کو انکی سلامتی اور فتح کی خوشخبری سنادی تھی علی
واپس آئے اور بقول روضۃ الصفا شیخین نے پیشانی چوم لی۔

داؤد اور علی کی مماثلت

اسی جنگ کا ایک اور قابل التفات واقعہ یہہ تھا کہ عمر ابن عبدود کی بہن اپنے بھائی کے میدان جنگ مین مارے جانے کی
خبر سنکر روتی ہوئی آئی لیکن لاش کے پاس پہونچکر بجائے اسکے کہ وہ قاتل کے جوش عداوت مین نظم پڑہتی جوش مدح
مین یہہ شعر پڑھنے لگی کہ "لو کان قاتل عمرو غیر قاتلہ۔ بکیتہ ابداً ما دمت فی الابد۔ لکن قاتلہ من لا یعاب بہ۔ من کان یدعی
قدیما بیضۃ البلد" (اگر عمرو کا قاتل سوا اسکے قاتل کے ہوتا تو مین ہمیشہ اسپر رویا کرتی لیکن اسکا قاتل وہ ہے جسکے سبب

مین کوئی عیب نہین ہی اور وہ ہمیشہ سے شہر کا سردار پکارا گیا ہی) اُسکی تعریف کی یہہ وجہ تھی کہ باوجود عرب کے اُس دستور کے کہ قاتل مقتول کا اسلحہ لے لیتا تھا علی نے اُسکی قیمتی زرہ لیکر اُسے برہنہ نہین کیا اور یہہ دیکھکر اُسنے پہلے کہا کہ ما قتلہ الا کفو کریم۔

اسلام کا وقار قایم رہا۔ کچھ تو اس سبب سے کہ علی نے دشمن کے سب سے بہادر سپاہیون کو قتل کیا تھا کچھ اسلیئے کہ خدا کے لشکر" نے مدد کی۔ کچھ اسوجہ سے کہ قریش اور بنو قریظہ آپس مین مشتبہ ہوگئے۔ اسلام پر سے بلا ٹلی اور اُن کا نام ہمیشہ کیلیے بحیثیت سرفروشان اسلام کے ممتاز ہوا جنہون نے ایسے وقت جان بازی کی اور رسول نے اُنکی خدمتون کا اعتراف کیا۔

بنو قریظہ

خندق کی واپسی کے بعد ہی بنو قریظہ کو اُنکی بدعہدی کی سزا دی گئی۔ سزا فہمایش کے قبل نہ تھی۔ نہ بنی قریظہ نے اپنے اوپر رحم کیئے جانے کا کوئی پہلو اُٹھا رکھا تھا یہان بھی علی ممتاز تھے اسلام کی خدمتون مین۔

فدک اور علی

کچھ دنون کے بعد قبیلہ بنی سعد کی گوشمالی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ علی سو سپاہیون کے ساتھ فدک بھیجے گئے۔ دشمن بھاگا۔ علی غنیمت لائے اور مسلمان حصہ مین شریک ہوئے۔

صلح حدیبیہ

ہجرت کے چھٹے برس صلح حدیبیہ واقع ہوئی۔ اسکی وجہ یہہ تھی کہ نبی کریم نے ارادہ حج فرمایا اور مسلمانونکو رسول کے ارادہ سے آگاہی دیگئی مشرکین کو معلوم ہوا اور اُنہون نے روکنے کا قصد کیا۔ رسول نے اپنی غرض سمجھانے کے لیئے آدمی بھیجا لیکن وہ گرفتار کر لیا گیا۔ حدیبیہ مین پہونچکر رسول نے بقول واقدی حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کو حکم کیا کہ اہل مکہ کے پاس جاکر اُن سے اذن و اجازت حاصل کرین کہ وہ لوگ حضرت کیلئے تین دن تک کے واسطے مکہ کو خالی کر دین تا کہ آنحضرت صلعم مناسک وارکان حج ادا کر لوین بعد ازان واپس چلے جاوینگے۔ تب عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ مین مکہ مین کمتر قبیلہ والا ہون یعنی وہان میرے عزیز و اقربا بہت کم ہین مین اُس قوم سے ڈرتا ہون کہ وہ مجھکو قتل کر ڈالینگے" حدیبیہ مین رسول نے اس شرط پر بیعت کی کہ اگر قتال واقع ہو تو فرار نہ کرین۔ اہل مکہ نے صلح کیلئے دو آدمی بھیجے جو جناب رسالت مآب نے فرمایا کہ "مجھے سب باتون سے صلح زیادہ پسند ہے" مہاجرین و انصار مین صلح کا غل ہو گیا اور کچھ مہاجرین (ج ۲) "اپنے عزیزون قریبون کی ملاقات کیلئے مکہ مین چلے گئے" اُنہین قریش نے گرفتار کر لیا۔ مسلمانون کو جب اسکی خبر ملی تو یہہ لوگ مکہ مین گھس گئے اور کعبہ کے پاس بہت سے آدمیون کو پا کر گرفتار کر لیا۔ رات کو مشرکین تیر مارنے لگے اور بقول واقدی "اُسوقت تو مسلمین پریشان ہوئے" صبح کو مسلمانون نے جنگ شروع کی اور مشرکین کو بھگا دیا اور اسوقت

حضرت عمر سفارت سے انکار کرتے ہین

آیت نازل ہوئی کہ ہو الذی کف ایدیہم عنکم و ایدیکم عنہم ببطن مکہ من بعد ان اظفرکم علیہم (وہ خدا وہی ہے جسنے روک دیئے انکے ہاتہہ تمسے اور تمہارے ہاتہہ اُن سے درمیان مکہ کے بعد ازان کہ تمکو اُن پر ظفر حاصل ہو چکی) اسکے بعد سہیل بن عمر مشرکین کیطرف سے یہہ شرط لایا کہ رسول واپس چلے جائین اور کسی شخص کو مشرکین سے جو انکے پاس جائے دو برس تک قبول نکرین اور اسکے عوض مین سال آیندہ مشرکین تین دن کے لئے مکہ کو خالی کردینگے اور رسول کسی قسم کا اسلحہ بجز تلوار کے جو نیام مین رہیگی اپنے ہمراہ نلاسکینگے۔ دس برس تک آپس مین صلح رہیگی۔ تمام بلاد مین لوگ بہ امن جا سکین گے اور ہم سوگند ون سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔

حضرت عمر اور صلح

حضرت عمر کو عہد نامہ کے اکثر دفعات پر اعتراض تہا۔ واقدی کے نزدیک حضرت عمر کہین بلتجیانہ لہجہ سے کہتے ہین کہ "آیا آپ اُنکے لئے یہہ بات مقرر کرینگے؟" اور کہین کہدیتے ہین کہ "ایسا نہ کیجئے" اور رسول کہین کہتے ہین کہ "اے عمر سکوت کر" اور کہین عمر کی بات پر ہنس دیتے ہین" صاحب سیرۃ الفاروق کے موافق شرائط کے طے ہونے کیوقت حضرت عمر حضرت ابوبکر کے پاس جاکر پوچہتے ہین کہ "کیا آنحضرت رسول اللہ اور ہم مسلمان نہین ہین؟" اسی مورخ کے نزدیک "آنحضرت کے منشا کے خلاف چاہنے پر اپنی غلطی کا اقرار کیا اور اسکے کفارہ مین غلام آزاد کرنے کا عہد کیا۔" صاحب مناہج النبوۃ صرف اسقدر کہلواتا ہے کہ "یا رسول اللہ اس بات پر راضی مت ہو" صاحب قرۃ العیون لکہتا ہے "عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ کہا اُنہون نے کہ اُس دن میرے دل مین ایک امر عظیم پیدا ہوا اور مراجعت کی مینے ساتہہ حضرت صلعم کے ایسی مراجعت کہ مثل اُسکے ہرگز نہ کی تہی مینے اور ایک روایت مین ہے کہ کہا اُنہون نے گیا مین حضرت صلعم کے پاس اور عرض کی کہ تم رسول اللہ کے برحق ہو؟ آپ نے فرمایا کہ ہان برحق ہون۔۔۔۔ پہر مینے عرض کی کہ کسلیئے ہم اس نقصان اور ذلت کو قبول کرین اور اسطرح سے صلح کرکے لوٹین؟ آپ نے فرمایا بیشک مین رسول خدا کا ہون اور اللہ تعالی مجہکو ضائع نکریگا۔۔۔ حضرت عمر کہتے ہین کہ کہا مینے کہ کیا آپ نے یہہ نہین فرمایا تہا کہ قریب ہے کہ ہم زیارت بیت اللہ کو جاوینگے اور طواف کرینگے آپ نے فرمایا کہ ہان ولیکن کیا یہہ بہی کہا تہا کہ اسی سال؟ مینے عرض کی کہ نہین آپ نے فرمایا تہا کہ غم مت کہا کہ تو زیارت بیت اللہ کو جائیگا۔ حضرت عمر فرماتے ہین کہ اسیطرح ملول و محزون مین آپکی مجلس سے اُٹہا اور ابوبکر کے پاس گیا اور تمام حکایت اُنسے کہی۔۔۔ فرمایا حضرت صدیق نے کہ اے عمر جا اور ساتہہ حضرت صلعم کی رکاب مین ما اور کچہہ اعتراض مت کر وہ خدا کے رسول ہین جو کچہہ وہ کرتے ہین حق سے کرتے ہین اور مصلحت اسی مین ہے۔ منقول ہے حضرت عمر سے کہ فرمایا اُنہون نے کہ بہت اعمال صالحہ مثل نماز روزہ و تصدق و اعتاق کفارہ مین اس گستاخی کے کئے مینے" مترجم قرۃ العیون

مصلحت اسی مین ہے

یہہ بھی کہتا ہی کہ بعض محققین نے اسے موضوعات مین شمار کیا ہی اور پھر یہہ بھی کہہ دیتا ہی کہ حضرت عمر کا پوچھنا بطور شک تھا یا استفسار کے طریق پر وہ تفسیر کے عقائدی بیان شک وانکار کے حاشا وکلا" مؤلف تاریخ الاسلام مولوی عباسی صاحب کے نزدیک حضرت عمر صلح کے زیادہ خلاف تھے اور نادم بھی تھے" ابو الفدا کے نزدیک کہا کہ "یا رسول اللہ یا تو آپ خدا کے رسول نہین ہین یا ہم لوگ مسلمان نہین کبھی کہا صلح سے عزت کہوتے ہین" اس مورخ نے ایسا کہنا گرمجوشی اسلام پر محمول کیا ہی ہمکو اس کوشش کا بھی اقرار ہی جو الفاروق مین کیگئی ہی۔ جو کچھہ ہو اکثر مورخین متفق ہین کہ آیا انا فتحنا لک فتحا مبینا صلح حدیبیہ سے متعلق ہی۔ صلح کو فتح مبین کہنے کا مذاہب عالم مین اسلام کو افتخار ہی۔

بہرحال ایک نہایت مفید بات جواب بھی ہم تک پہونچی ہی وہ یہہ ہی کہ شرائط طے ہونیکے بعد مناہج النبوۃ اور قرۃ العیون کے موافق حضرت نے اوس ابن خولی انصاری کو عہدنامہ لکھنے کا حکم دیا لیکن مشرکین کے وکیل سہل نے کہا کہ اے محمد یہہ نامہ علی کو لکھنا چاہیئے جو تمہارے چچا کا بیٹا ہی" (قرۃ العیون) اسی مورخ کے موافق "یہہ کہنا سہل کا اسلیئے تہا کہ تھا ہلا حق اور اولی معاملہ مین اور مصالحہ اور معاہدہ اور نقض عہد مین آدمی کے اوسکے عصبات اور اوسکے اہل ہوتے ہین اور سبب یہی تہا کہ حضرت نے سورہ برات پڑھنے کو ... بعد بہیجنے حضرت ابوبکر کے حج ادا کرنیکے لیئے کہ امیر حج انکو کیا تہا حضرت علی کو پیچھے سے بہیجا تہا" بہ اختلاف الفاظ مناہج النبوۃ کا مفہوم بھی یہی ہے۔

مشرکین علی سے عہدنامہ لکھوانا چاہتے ہین۔

دوسرا عجیب خیز واقعہ یہہ تہا کہ جب رسول کے حکم سے حضرت علی ابن ابی طالب نے فقرہ اما من علیہ محمد الرسول اللہ لکہا تو مشرکین کو رسول اللہ کے لفظ پر اعتراض ہوا اوسوقت بقول قرۃ العیون "حضرت علی نے وہ کاغذ رکہدیا اور ہاتہہ تلوار کے قبضہ پر رکھا" علی کیلیئے مین یہہ کہنا بیکار سمجھتا ہون کہ یہہ گرمجوشی اسلام سے تہا رسول نے خود دست مبارک سے محو فرمایا اور عام مورخین کے موافق جیسا صاحب شواہد النبوۃ بھی لکھتے ہین حضرت نے فرمایا کہ یا علی تجھکو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آئے گا۔ یہہ آئندہ کا واقعہ تاریخ ہے جسکا ذکر کچھہ دیر مین آئے گا۔

قلم سے تلوار

سنہ ہجری فتح خیبر کیلیئے مشہور ہی اس سے اسلام کو بڑی تقویت ہوئی لیکن جسوقت لشکر یہود اور لشکر اسلام ایک دوسرے کے مقابل تہا تو بقول قرۃ العیون "ایک دن ابوبکر نشان لیکر قلعہ قموص کے نیچے آئے اور خوب لڑے اور سخت مقابلہ کیا فتحیاب نہ ہوئے دوسرے روز حضرت عمر گئے اور خوب لڑے اور بہت مقابلہ کیا بہ نسبت پہلے دن کے مگر قلعہ فتح نہوا اور روایت ہی کہ حضرت عمر دوبار لڑے" واقدی کہتا ہی کہ ایک بدو مرحب یہود کے لشکر کا سالار تہا اور مرد دلاور تہا بعض حضرت عمر تھے۔ اور حال مسلمانون کا یہہ تہا کہ جب مرحب لڑنے کو نکلتا تہا تو اوسکے مقابلہ مین کسی

فتح خیبر سنہ ھ

کرتے تھے پھر جسوقت مسلمین قریب دروازہ خیبر پہونچے اُسوقت حرب اپنا غول ہمراہ لیئے ہوئے مسلمانوں پر نکل پڑا اور انکو بھگا دیا یہانتک کہ انکو صف بزرگ تک یعنی لشکرگاہ تک بھگا دیا" صاحب شواہدالنبوۃ بھی ہمزبان ہو اُسمین یہہ زیادہ ہیکہ رسالتمآب اُس روز درد شقیقہ مین مبتلا تھے یہہ حالت پہونچ گئی تھی کہ جناب رسالتمآب نے عامہ مورخین کے موافق فرمایا کہ لاعطین الرایۃ غداً رجلاً کراراً غیر فرار یحب اللّٰہ و رسولہ و یحبہ اللّٰہ و رسولہ لا یرجع حتی یفتح اللّٰہ علی یدیہ (کل اُسے علم عطا کرونگا جو نہ بھاگنیوالا بہادر ہے اور جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور جسے خدا اور رسول دوست رکھتے ہین نہ پھرے گا جبتک اُسکے ہاتھ خدا فتح نہ دے) بیشک رسول نے ایسا ہی کچھ فرمایا تھا کہ حضرت عمر بقول منہاج غصہ فرمانے لگے کہ ہرگز امارت کو مینے دوست نہین رکھا مگر اُس روز" یا فاتح عجم رسول کی توجہ مبذول کرنے کیلئے کھڑے سے کھڑے دم سے گھٹنون کے بل کھڑا ہوتا قریش مین یہہ باتین بھی ہونے لگیں کہ علی مرتضے کرم اللّٰہ وجہہ اس مرادسے فائز نہ ہونگے کیونکہ انکی آنکھین آئی ہین اور درد کرتی ہین اس درجہ مین کہ اپنے پاؤن کے آگاڑی نہین دیکھہ سکتے" علی نے بھی رسول کا قول خیبر اور پھر جو لانے والا کلام سنا تھا اور کچھہ کہا بھی تو یہہ کہ اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت (اے پروردگار کوئی مانع نہین ہوسکتا جسے تو عطا کرے اور کوئی عطا نہین کرسکتا جسے تو منع کرے)

صبح ہوئی اسلام کی عزت کا نشان رسول کے دست اقدس مین لہرا رہا تھا سب لوگ در دولت پر کھڑے تھے یسنا ٹے کے عالم مین رسول کی آواز سنائی دی دریافت فرمایا کہ "علی کہان ہین" اور بقول منہاج سب لوگ چارون طرف سے پکار اُٹھے کہ یہان ہی ہین لیکن آنکھین آنکی ایسی دکھتی ہین کہ اپنے سامنے نہین دیکھہ سکتے فرمایا انکو میرے پاس لاؤ سلمہ بن الاکوع نے جاکر حضرت علی کا ہاتھ تھامے ہوئے لاکر حضرت کے خیمہ مین پہونچایا سرور عالم نے اُس جناب کا سر اپنے زانوے مبارک پر رکھا اور آب دہان مبارک اپنا حضرت علی کی آنکھون مین لگایا فی الحال درد چشم زائل ہوا.... تب سرور عالم نے اپنی خاص زرہ انکے بدن مطہر پر سجی اور ذوالفقار کمر سے لگائی اور رایت اپنا اس شیر خدا کے ہاتھ مین دیا اور فرمایا جاؤ التفات مت کرو جبتک مفتوح کرے اللّٰہ تعالی قلعہ تمہارے ہاتھ سے.... جب علی مرتضے علم ہاتھ مین لیکر چلنے لگے تب کہا یا رسول اللّٰہ قتال کرتا ہون مین جبتک کہ وہ مانند ہمارے ہون یعنی اسلام لاوین فرمایا یا علی تعجیل مت کرو جبتک اُنکی ساحت مین اُترو اُسوقت انکو طرف اسلام کے دعوت کرو اور خدائے عزوجل کے حقوق جو کچھ اُسنے اپنے بندون پر واجب کیا ہی واقف کرو اور قسم خدا کی اگر ہدایت کرے خدای تعالی تمہارے ہاتھ سے

خیبر مین اسلام علم اور علمداری کی شرطین

حضرت عمر کا حوصلہ

قریش کی قابل توجہ باتین

سوا علی کو پوچھتے ہین لوگونکی ہم آہنگی

ایک ہو تو کو بہتر ہی وہ مجکو اس بات سے جو تمکو ہو دین اشتران سرخ ہو کہ راہ خدا مین تصدق کرو تم "

کل اور آج کا فرق

علی پہلے رسول کا دل ساتھہ ساتھہ چلا اسلام کا وقار ساتھہ ساتھہ رہا مسلمانونکی نگاہین نقش قدم پر چاہتہ ساتھہ تھین ایک وقت تھا کہ لشکر اسلام پسپا ہوتے ہوتے لشکرگاہ تک پہونچ جاتا آج شواہد النبوۃ پڑہو کہ لشکر اسلام لشکرگاہ کے قریب پیچھے چھوٹ گیا اور سردار قلعہ کے پاس پہونچ گیا یہانتک کہ علی نے نشان فوج ایک ٹیلہ پر گاڑ دیا قرۃ العیون اور مناہج کے موافق دیدبان نے پوچھا کہ ای صاحب علم تو کون ہی؟ تم کہا "مین علی ابن ابی طالب ہون" یہہ سنکر دیدبان

دیدبان کی چیخ

چلا اٹھا کہ ای اہل قلعہ قسم ہی توریت کی کہ اب تم مغلوب ہو گئے" یہودی کا یہہ فقرہ اور کیا سمجہاتا ہی بجز اسکے کہ علی کے چہرہ پر فطری متانت غیر لود و عزم صمیم اور شجاعت کی تحریرین ایسی سچی تہین کہ دیکھنے والا ایسے زبردست ارادہ کے نفس سے مرعوب ہو جاتا یا اور کیا سمجہہ مین آتا ہی بجز اسکے کہ قیافہ اور شہرت نے ایک دوسرے کو مدد دی تھی۔

مکو اگر جنگ خیبر کی تفصیلون مین دلچسپی ہی تو جناب امیر کا دیوان یا دیگر تواریخ پڑہو ہمین صرف یہہ کہنا ہی کہ جب حارث اور مرحب کے دلیر پشت و پناہ یہود ذوالفقار کے وزن سے جھک گئے تو بقول قرۃ العیون و مناہج وغیرہ جب حصار والون نے قوت بازو علی کرم اللہ وجہہ کی دیکھی امان طلب کی حضرت علی نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم

امان

کی اجازت سے انکو امان دی اور اس شرط پر کہ نقد اور سلاح مسلمانون کو دین اور کچھہ چھپا نہ رکھین ۔۔۔ اور اس شرط پر بھی کہ ہر مرد ان مین سے ایک اونٹ بھر کر کھانے کو لے اور اس شہر سے نکلجائے " اور جب خیبر کے فتح کی خبر حضرت سرور عالم کو پہونچی شکرانہ اس نعمت کا بجا لائے کہ یہہ فتح سبب ظہور عزت اسلام کی ہوئی اور جب حضرت امیر

رسول نے علی کا استقبال کیا

... فتح و فیروزی سے متوجہ طرف سید ابرار کے ہوئے حضرت اس عالیجناب کی تہنیت کیواسطے استقبال اور استبشار کے لئے خیمہ سے باہر آئے اور حضرت امیر سے بغلگیر ہوئے اور انکی دونون آنکھون کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا "قد بلغنی نبائک المشکور و صنیعک المذکور قد رضی اللہ و رضیت انا عنک (مجھے تمہاری تعریف مشکور کارگزاری اور سعی کی خبر پہونچی مین اور خدا تجھسے راضی ہوئے پس حضرت امیر روئے حضرت نے فرمایا یا علی یہہ رونا خوشی کا ہی یا اندوہ کا کہا بلکہ خوشی کا اور کیونکر خوش نہون کہ آپ اور خدا راضی ہین" صاحب مناہج کے موافق

فتوح خیبر مین بہت کام تھے علی مرتضے کے حوالے جنکی کوئی فہرست نہین ہی خیبر مین علی کی خدمت اسلام کچھہ ایسی ہی تھی کہ مؤلف الفاروق اپنے ہیرو کی تعریف ملتوی کر کے علی کی تعریف کر اٹھا علی کے لئے ایسے مواقع بہت ہین جہان احتیاط کے بے اختیاری کا معجزہ صادر ہوا ہو۔

غنیمت

اس جنگ میں علاوہ مال و متاع کے ایک سو زرہ چار سو تلواریں اور ہزار نیزے ملے کیا اچھا ہوتا اگر یہ حرب و جنگی اور اولاد رسول کی حفاظت میں صرف ہوتے لیکن اور یہ یا آگے پیچھے جو کچھ وصول ہوا وہ انکی ایذا دہی کا سلسلہ قرار دیا جاتا؛

رسول کا رحم

آخر میں مجھے یہ کہنا ہے کہ بلال حضرت صفیہ دختر حی ابن اخطب کو لاشوں کی طرف سے لائے جس وقت اقبال و حقوق و جرح علیہ السلام نے لوگوں سے فرمایا کیا بلال کو نہیں دیکھتے ہو کہ اسنے کیا کام کیا آخر جب بلال صفیہ کو خیمہ میں پہونچا کر حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہونچے تو آپ نے فرمایا ای بلال کیا تو نے اپنے دل سے رحم کو دور کر دیا جو لوگوں کا امر باعث ہوا اس بات پر کہ تو اس کمسن لڑکی کو مقتولوں کی طرف سے لیگیا" بلال نے معذرت کی اور نبی اللہ نے عفو فرمایا صفیہ کو اسلام اور یہودیت میں مختار کیا لیکن انہوں نے اسلام قبول کیا اور شرف زوجیت کا التجا کی

رسول نے عزت کی

لشکر کی روانگی کیوقت حضرت نے زانوے مبارک کے سہارے سے ناقہ پر سوار کرایا اور چادر انکے سر پر درست کرتے تھے مسلمان آپس میں کہتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اگر صفیہ کو حکم فرماوینگے کہ وہ اپنا منہ ڈھانپ

مسلمانوں کو رسول کے حرم کا خیال کمال عزت سے

لیں تو جان لو کہ وہ امہات مومنین سے ہیں اس صورت میں آپ کے ساتھ ساتھ نہ چلو کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بڑے غیور ہیں"

صاحب مناہج کے پاس ایک مفید واقعہ لو ہے کہ رسول نے خمس سے بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو ایک حصہ ارزانی فرمایا اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ عثمان ابن عفان و جبیر بن مطعم سرور عالم کے حضور میں گئے کہ ہم بنی ہاشم کی فضیلت کا انکار نہیں کرتے کیونکہ آپ انہوں سے ہیں لیکن قرابت ہماری اور بنو مطلب کی آپ سے ایک مرتبہ میں ہے یہ کیونکر ہوا کہ انہوں کو بنو عبد المطلب کا سہم آپ نے عطا کیا اور ہمکو محروم کیا جواب میں فرمایا حضرت نے کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب جاہلیت میں مگر ایسے ہی جسطرح بیان کیا...... اور اپنی انگلیوں کو کھولا اور فرمایا ہم اور بنی مطلب آپس سے جدا نہیں ہوئے نہ جاہلیت میں نہ اسلام میں جبیر کہتا ہے پس نہ دیا اس حضرت نے بنو عبد الشمس کے تئیں سہم آگے ذکر کرینگے کہ اس میں طمع سے کیا اسلام انکا لاگیا۔

فتح حجیبکا دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ بقول ابن خلدون "جب اہل فدک کو خیبر کے شکست کی اطلاع ہوئی انہوں نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں یہ پیام بھیجا کہ ہمکو عوض ہمارے جانوں کی امان دیجائے مال و اسباب سے ہمکو نہیں مطلب رسول اللہ صلعم نے انکی یہ درخواست قبول فرمائی چونکہ فدک پر چڑھائی نہیں کیا گیا تھا اور نہ اسکے واسطے اونٹ و گھوڑے چلائے گئے اسلئے تمام فدک خاص رسول اللہ کا تھا اسی سبب سے بلا تقسیم جیسا کہ جناب باری عز اسمہ نے حکم دیا

آپ کے عہد مین تھا" ابو الفدا کہتا ہے "ایسا ہی اہل فدک سے معاملہ ہوا تھا مگر اتنا فرق ہو کہ فدک خالصتاً
رسول اللہ کی ملک مین تھا اور خیبر تمام مسلمانون کا تھا کیونکہ بدون حاجت سوارون اور فوج کشی کے پیادہ پا
مسلمانون نے فتح کیا تھا" اسی مورخ نے زمانہ عثمان مین کہا ہی "ایک سبب یہہ بھی تھا کہ باغ فدک جو میراث سے
بیوی فاطمہ کے تھا وہ مروان نے چھین لیا تھا یہہ ایک باغ رسول اللہ کا تھا اُسکو جناب فاطمہ نے رسول اللہ سے
میراث مین پایا تھا" روضۃ الصفا کی عبارت ہی کہ "جبرئیل نازل شد کہ خدا می فرماید کہ حق خویشان بدہ
رسول فرمود خویشان کیانند گفت فاطمہ پیغمبر فاطمہ را خواند و حجتے نوشت و آن وثیقہ بود کہ بعد از وفات
رسول اللہ پیش ابوبکر آورد و گفت این کتاب رسول خدا است کہ برائے من و حسن و حسین نوشتہ است
سید امیر علی صاحب اپنی تاریخ اسلام مین فرماتے ہین "فدک کا باغ جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی
ملکیت تھا اور مروان نے مغضب کر لیا تھا آنجناب کی اولاد کو واپس کر دیا"

فتح مکہ

شہ کا مشہور ترین واقعہ فتح مکہ ہی۔ اگرچہ صلح حدیبیہ کا زمانہ ابھی منقضی نہ ہوا تھا لیکن قریش نے
رسول کے حلیف بنی خزاعہ کو سخت اذیتین دین اور انکے کئی آدمیون کو حرم مین قتل کیا بنو خزاعہ نے رسول سے
فریاد کی اور رسول نے انکی اعانت کا وعدہ کیا۔ مکہ کا جلا وطن نبی اب کسطرح مکہ مین داخل ہوا وہ ابو سفیان
کیحالت اور الفاظ سے معلوم ہوگا جو وادی کے کنارہ سے عباس کے ساتھ لشکر اسلام کا جلال دیکھکر

جلا وطن نبی مکہ مین داخل

پوچھتا ہی من ہولاء جبکہ عباس جواب دیتے ہین کہ ہذا رسول اللہ فی المہاجرین والانصار اور ابو سفیان
یہہ سنکر تعجب سے کہتا ہے کہ "تمہارے لڑکے کا جاہ و جلال بہت بڑھ گیا" رسول نے داخلہ کے قبل یہہ اعلان

اعلان

فرمایا تھا کہ "جو شخص مسجد مین یا ابو سفیان کے گھر مین داخل ہو یا دروازہ بند کر لے وہ امان مین ہی" حضرت
عباس کے نزدیک ابو سفیان "امتیاز پسند" تھا اسلیئے رسول نے اسکے گھر کو یہہ امتیاز عطا فرمایا۔ لشکر
اسلام کا جاہ و جلال دیکھکر ابو سفیان نے ذرائع امان کا تذکرہ کیا بقول ابن خلدون و حیات القلوب

سعد ابن عبادہ کا علمداری اور حضرت عثمان

لشکر اسلام کا رایت اسوقت سعد ابن عبادہ کے ہاتھہ مین تھا جب یہہ ابو سفیان کے قریب گذرے
تو جوش مین کہتے تھے "الیوم یوم الملحمۃ الیوم تحل الحرمۃ" اے گروہ اوس و خزرج آج ابو سفیان سے
اسکا کینہ نکالو۔ ابو سفیان ڈر گیا اور رسول سے فریاد کی اور بقول مناقب عثمان بن عفان کے تئین [illegible]
کی اور رعایت کی دستگیر حال ہوئے اور بولے یا رسول اللہ ہم سعد بن عبادہ سے بیخوف نہین اور [illegible]
مین ہین کہ ایسا نہو کہ قریش کو آسیب پہونچائے اسکے بعد بقول ابن خلدون رسول اللہ صلعم نے یہہ سنکر

سعد ابن عبادہ کی علمداری اور حضرت عثمان

رایت سعد ابن عبادہ کے ہاتھ سے لیکر علی ابن ابی طالب کو مرحمت فرمایا" اور بقول حیات القلوب و مناہج [illegible]
داخل ہونے کا حکم دیا"

خانہ کعبہ اور علی

رسول خانہ کعبہ مین داخل ہوئے اسکے بعد صاحب مناہج النبوۃ نے یا ملا جامی نے شواہد النبوۃ مین جو واقعہ بیان
کیا ہے اسے فیضی کی حیرت مین کہنا ہی کذب ہے "نقش پائے کہ بردوش احمد ز مہر نبوت مقدم نشیند" ایک خطبہ مین بقول
ابن خلدون رسول نے یہ بھی فرمایا کہ "کسی شخص کیلئے جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان لائے یہ جائز نہین ہے

مکہ مین خونریزی کی ممانعت

کہ وہ اسمین (مکہ) خون ریزی کرے اور نہ اسمین کوئی سرسبز درخت کو کاٹے" وہ قریش جنہون نے رسول کو ناقابل
برداشت اذیتین دی تہین اب رسول ان سے سوال کر رہے تھے کہ اے گروہ قریش کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم تمہارے
ساتھ کیا کرنیوالے ہین" قریش نے کہا بھلائی۔ بھائی کریم اور بھائی کریم کے بیٹے ہو۔ رسول اللہ صلعم نے کہا بیشک مین
کہتا ہون جو کہا تھا یوسف نے اپنے بھائیون سے تمپر کوئی برائی نہین ہے آج کے دن جاؤ تم سب لوگ آزاد ہو" اسکے
بعد بقول مناہج "معاویہ ابوسفیان کا بیٹا بھی سن فتح مکہ مین مسلمان ہوا اور مولفۃ القلوب مین ہے"
اسکے بعد آفتاب رسالت کوہ صفا پر چمک رہا تھا قبائل جوق جوق بیعت کے لئے آرہے تھے اور خدا کے دین مین
لوگ فوج فوج داخل ہو رہے تھے۔

حضرت عثمان کی دوسری سفارش

عبد اللہ ابن سعد ابن ابی سرح عثمان ابن عفان کا برادر رضاعی جو مرتد ہوگیا تھا پناہ لینے انہین کے گھر آیا۔
اسکے واجب القتل ہونے کا اعلان کیا جا چکا تھا عثمان اسے بیعت اور معاف کرانے رسول کے پاس لیکر گئے رسول
نے انکی التجا کا بقول مناہج تین مرتبہ کوئی جواب نہ دیا اور جب یہ اٹھکر باہر چلے گئے تو رسول نے اصحاب سے
فرمایا کہ تمنے اس مرتد کو قتل کیون نہ کیا۔ اصحاب نے کہا کہ نبی خدا نے کوئی اشارہ نہین فرمایا کہا کہ انبیا اشارہ
نہین کرتے۔ مدبر واقدی نے واقعات بیان کئے ہین لیکن حضرت عثمان کا نام لینے سے احتیاط کی ہے ناظر آئندہ
دیکھے گا کہ ابن ابی سرح ابن عفان کیلئے کس کام کا آدمی ثابت ہوا۔ ابن ابی سرح کو نہ صرف یہ غرہ تھا کہ جو چاہتا
ہون لکھ دیتا ہون بلکہ اپنے اوپر وحی نازل ہونے کا دعوی بھی تھا۔

انصار اور رسول

اسکے بعد جیسا سید امیر علی صاحب فرماتے ہین کہ فتح کیوقت کوئی داخلہ کسی مفتوحہ شہر مین ایسا با امن نہین [illegible]
انصار نے جو اس امید مین تھے کہ رسول قریش سے انتقام لینگے جب دیکھا کہ رسول نے قریش [illegible]
خلاف امید رعایت کی تو وہ سمجھے کہ اب رسول مدینہ کو ترک کرکے مکہ مین اقامت فرمائینگے [illegible]
خیالات معلوم ہوے تو ان سے فرمایا کہ مدینہ ہجرت کی تمہاری طرف حیات میری [illegible]

تمہارے درمیان ہوگی پس انصار رونے لگے اور بولے واللہ یا رسول اللہ یہہ بات بدگمانی کی جہت سے نہ تھی بلکہ کمال محبت اور دلبستگی سے آپ کی جناب مین ہمنے یہہ باتین کہین کہ آپ اورون کیواسطے ہون اور ہم کو چہوڑ دیوین۔"

غزوہ حنین شہ

سنہ ۸ھ کا ایک دوسرا واقعہ جسمین لشکر اسلام کو احد کی مصیبت کا سامنا ہوا اور جسمین بنی ہاشم نے اپنی شجاعت اور استقلال سے رسول کی حفاظت کی اور اسلام کا وقار قایم رکہا غزوہ حنین تہا۔ ابو الفدا کے موافق مسلمان دشمنون کے اچانک حملہ سے اسطرح متفرق ہو گئے کہ انہین ایک دوسرے کی خبر نہ تھی۔ تاریخ الاسلام مولوی صاحب کے نزدیک اسوقت صرف یہہ لوگ تہے جناب امیر عباس۔ ابو سفیان بن حارث ابن عم رسول جعفر بن قثم اور فضل ابن عباس۔ اسامہ ابن زید اور اسکی ماں کا بہائی تہا۔ صاحب منہاج نے انکے علاوہ لکہا ہے ربیعہ ابن زبیر بن عبد المطلب اور عقیل بن ابو طالب اور کئی شخص اور بہی جو اہلبیت ہی سے تہے" اسکے بعد لکہتا ہے "اور ابو بکر صدیق اور عمر خطاب اور مسعود بہی درمیان انہون کے تہے بعض انہون کے منہ کیطرف اور بعضے یمین شمال۔" یہہ تفسیر ان تین صاحبون کی ہے جو آخر سب کے نام لے گئے اور تعجب تو یہہ ہے کہ شیخین جو اول ان سبکے بعد انکے نام اس جنگ مین لکہے گئے۔" صاحب قرۃ العیون نے بجز حضرت ابو بکر اور عمر کے سب کے نام لکہے ہین۔ اس مین جبکہ کوئی بہادر آگے آگے شمشیر زنی کرتا تہا کوئی رکاب اور کوئی جناب رسالت مآب کے مرکب کی لگام تہامے تہا عباس کو جو بہت ہی بلند اور قوی آواز تہے حکم دیا گیا کہ اصحاب کو یہہ کہکر آواز دو کہ یا اصحاب شمرہ یا اصحاب سورہ البقر خود رسول فرما رہے تہے کہ "انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب" عباس کی صدا پر سو انصار لبیک کہتے ہوئے آئے تنور جنگ گرم ہوا۔ دشمن بہاگا اور اس جنگ مین جسقدر مال غنیمت حاصل ہوا کبہی اسقدر نہ ملا تہا مجہے یقین ہے کہ تقسیم کے وقت نہ صرف اسقدر لوگ ہونگے جو ہوا انکے وقت تہے بلکہ یہہ بہی چاہا ہوگا کہ حضرت رسول اگر اپنے وفور سخاوت سے اپنا حصہ بہی ہمین بخشدین تو نیچی نگاہ کرکے لے لین۔ اس جنگ مین یہہ واضح اعلان کیا گیا کہ لڑکے بچے اور اجیر نہ قتل کیے جائین۔

مشکل وقت کے جانباز

بڑی غنیمت

بچے اور اجیرون کے قتل کی ممانعت

کفار کا ایک گروہ طایف کیطرف بہاگا صاحب قرۃ العیون کے لفظون مین "۲۹ یا ۳۰ محاصرہ مین طایف کے علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف مین اس دیار کے واسطے صفائی شکستن بتون کے بہیجا انہون نے جا کر خوب جدال و قتال کیا اور اطراف کے بتون کو توڑا اور سب آثار

علی کا شیل اور راز کی باتین

اور دیار مشرکین پہ دین کا غرب اور تباہ کیے گئے اور پھر حضرت کی خدمت میں غیر حجت [illegible]
بلکہ جناب حضرت علی کے ہمراہ حصہ صاعت بہرہ پڑی تو آپ نے تکبیر کہی اور ان سے خلوت کی اور خفیہ کچھ گفتگو کیں باتیں
لیکن جب بہت دیر ہو گئی تب صحابہ رضوان اللہ علیہم نے کہا کہ آج بجید ارز دو راز آپ نے اپنے چچا
کے بیٹے سے کہا کہ اسطرح آپ اوروں سے نہیں کہتے آپ نے فرمایا ما انتجیتہ ولکن اللہ انتجاہ" (یعنے خود میں نے
اُس سے راز نہیں کہا لیکن خدا نے ایسا کرنے کا مجھے حکم دیا) مظاہر حق ترجمہ مشکوۃ المصابیح میں بھی ہے جو
بعض کے نزدیک اظہار تعجب کرنیوالے حضرت عمر تھے اور رسول کا جواب سنکر فرمایا تھا کہ مجھے خوف ہوا کہ یہ
اعتراض مثل حدیبیہ کے نہو" یہ الفاظ کہ "اسطرح آپ اوروں سے نہیں کہتے" وہ کسی نے کیون نہ کہے ہون
صاف ظاہر کرتے ہین کہ رسول کے رازدار بہت سے نہ تھے بلکہ خود حضرت عمر اپنی بانسبت اُن مورخین کے اس
حسن ظن کی تردید کرتے ہین کہ وہ وزیر اور صلاح کار تھے جب ابو سفیان فتح مکہ کے زمانہ مین عباس کے
ساتھ آتا تھا اور حضرت عمر سے خواہش سفارش پر بقول ابن خلدون آپ فرماتے ہین کہ "اگر مجھکو یہ معلوم ہو گیا ہوتا
کہ رسول اللہ صلعم کا کیا قصد ہے تو مین تجھسے آج نپٹ لیتا...... ابو سفیان اس کلام کو سنکر چچا علی ابن ابی طالب کے
پاس چلا آیا.... علی نے کہا مین اس بابت رسول اللہ صلعم سے کچھہ گفتگو نہین کرسکتا"

جسوقت جناب رسالت مآب طایف کے بعد مقام جعرانہ مین پہونچے جہان حنین کی غنیمت رکھی تھی اور آپنے
مولفۃ القلوب کو زیادہ حصہ دیا تو انصار نے جو مصلحت نہ سمجھے تھے شکوہ کیا بعض نے انمین سے یہہ بھی کہا کہ رسول نے تمام
قبایل کو جنہون نے لڑائی مین کوئی محنت نہین اُٹھائی انعام دیئے ہین اور ہمین محروم کیا ہے حالانکہ تلواروں سے ہماری خون کا
خون خشک نہین ہوا۔ رسول کو معلوم ہوا اور پوچھنے پر لوگون نے جواب دیا کہ ہمارے اکابرین نے ایسا نہین کہا لیکن
نوجوانون کے ہم ضامن نہین۔ اسکے بعد نبی خدا نے جو خطبہ فرمایا وہ بہت اثر خیز تھا جسکے بعض فقرات درج کیے
جاتے ہین فرمایا "کیا نہین تمکو گمراہ نہین پایا پس خدا نے میرے سبب سے تمہین ہدایت بخشی جب مین تم مین آیا تو تم ایک دوسرے
کے دشمن تھے خدا نے تمہین محبت عطا کی اور تمہارے مال اور اولاد میں برکت دی کیون مجھے اسکا جواب نہین دیتے"
انصار نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ہمارے مان باپ آپ پر فدا ہون ہم کیا جواب دیں بیشک آپ کا ہم پر احسان ہے
یہ سنکر آنحضرت نے پھر فرمانا شروع کیا کہ اگر تم چاہو تو کہو کہ تم ہمکو کہو گے اور اسکی تصدیق کیجائیگی کہ تو ہماری طرف
آیا اور ہماری قوم نے تیری تکذیب کی اور ہم نے تیری تصدیق کی [illegible] کوئی تجھے نصرت نہین دیتا تھا [illegible]
[illegible] اپنے وطن سے باہر نکالا ہوا تھا ہم نے تجھے جگہ دی تو فقیر اور وحشی تھا ہم نے تیری خدمت کی [illegible]

انصار اور رسول کا خطبہ

پیعوض کیا حضرت سے یہہ شکوہ ناشکرانہ سنکر انصار بولے کہ ہمسب خدا اور اسکے رسول کا ہے اگر آپکا وجود ہم میں نہ ہوتا تو ہم میں اور دوسروں میں کوئی فرق نہ ہوتا ہم آپکی وجہ سے عزت اور سرفراز ہوئے ہماری خوبیاں آپکے سبب سے ہیں ہم راضی ہیں خدا سے اور اسکے رسول سے ہماری نظر آپکی متابعت پر ہے متاع دنیا پر نہیں ہے یہہ بات سمجھے جاتے تھے اور سب سوال سواران قوم معتبر تھے" اسکے بعد رسول نے انہیں بھی عطا فرمایا اور اپنی مصلحت ظاہر کی کہ تازہ اسلام پانیوالوں کو میں عطایا سے رسوخ اسلام اور محبت پیدا کیجاتی تھی اور فرمایا "اے گروہ انصار کیا تم اسپر راضی نہیں ہو کہ لوگ اونٹ اور بکریوں کے ساتھ اپنے گھروں کو پھریں اور تم خدا اور رسول کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس جاؤ تم غصہ کرتے ہو کہ میں مولفۃ القلوب کو مال دیتا ہوں اور تمکو تمہارے ایمان پر چھوڑتا ہوں اور تمہارے کمال اخلاص پر اعتماد کرتا ہوں اگر لوگ کسی وادی اور شعب میں چلیں میں انصار کی وادی اور شعب کیطرف چلوں گا لوگ دثار (بیرونی پوشاک) ہیں اور انصار میرے شعار (اندرونی پوشاک) ہیں میں حیات و ممات میں تمہارے ساتھ ہوں" اسکے بعد رسول نے بحرین کو انصار سے مخصوص کرکے انکے نام وثیقہ لکھا انصار روتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ آپکے بعد ہمیں اسکی احتیاج نہیں وہ دن نہو جسمیں آپ نہوں۔

خالد کا جوش انتقام اسلام سے محفوظ نہیں رکھا گیا

اسی زمانہ میں یا اسکے کچھ قبل رسول نے خالد ابن ولید کو جو اب یہہ سوچ سمجھکر کہ قریش کی شوکت اور قوت تمام ہوگئی مسلمان ہوگیا تھا بنی خزیمہ کیطرف ایک گشتی جماعت کے ساتھ روانہ کیا۔ خالد دعوت اسلام کے لیئے بھیجے گئے تھے قتال کا حکم نہ تھا بدنصیبی سے کسی زمانہ میں بنی خزیمہ نے خالد کے چچا الفاکہ [illegible] کو قتل کیا تھا بنی خزیمہ یہہ سنکر کہ خالد آیا ہے احتیاطاً مسلح آگئے اور بقول قرۃ العیون جب خالد نے پوچھا کہ "تم کون لوگ ہو" انہوں نے کہا ہم مسلمان ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آلہ کی تصدیق کرتے اور انکے دین پر ایمان لائے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور ہمنے مسجد بنائی ہے جسمیں اذان و اقامت کہتے ہیں اور جمعہ جماعت کرتے ہیں مگر خالد نے مسلح آنے کی وجہ پوچھی انہوں نے کہا کہ ہمیں ایک جماعت عرب سے جسے عداوت کا خوف تھا خالد نے ہتھیار رکھنے کو کہا انہوں نے حکم کی تعمیل کی اب خالد نے انہیں بقول مناہج و قرۃ العیون مشکیں کسوا کر قتل کرنا شروع کیا یہاں تک کہ سو آدمی قتل ہوئے مگر صرف بنی سلیم نے قتل کیا تھا مہاجر و انصار نے اپنے قیدیوں کو قتل نہ کیا کسی نے جاکر رسول کو خبر دی حضرت یہہ سنکر غصہ ہوئے اور رو پڑے تین مرتبہ کہا اللّٰہم انی ابرء الیک مما صنع خالد (خدایا میں بیزار ہوں اس سے جو کچھ خالد نے کیا) اسکے بعد عام مورخین کے موافق رسول نے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو روانہ فرمایا اور دیت کا روپیہ دیا جتنا انہوں نے [illegible] تقسیم کیا خالد کی غلطی اور رسول کی برأت کی [illegible] کیا اور غالباً خالد کی [illegible] جسم [illegible] جیسے ہو خون [illegible] نہیں کیا گیا

علی نقصان کی تلافی کے لیے بھیجے گئے

تھے وہ خالد کو لیا ہی کچھ سمجھ کے سیف اللہ کہا جاتا تھا اور جنکی نسبت ابھی حریت الیف کے لیے تقسیم کو ایک
میر علی صاحب کے لفظوں میں جیسا وہ اپنی تاریخ الاسلام میں فرماتے ہیں کہ "حضرت علی کے اخلاق وجود کا
ہر شخص کا دل خوش ہوا اور سب نے انکو دعای خیر دی اور جب حضرت علی وہان سے پھر کر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر
ہوئے تو آنحضرت نے بھی نہایت خوشنودی اور بہت شکریہ ادا کیا" اسکے بعد بقول مؤرخ حضرت ایک مدت تک خالد
پر برسر غضب تھے۔ حضرت بعضے (٥) صحابہ کی شفاعت کے وسیلہ سے خالد سے درگذرے"

عمرو عاص اور اسلام

یہن یہہ کہنا بھی فراموش نہ کرونگا کہ فتح مکہ کے بعد عمرو ابن عاص مسلمان نہیں ہو گئے بلکہ انہوں نے بادشاہ حبش
کے پاس حکومت کا ارادہ کیا اس خیال سے کہ اگر قوم غالب ہوئی تو آجاینگے نہیں تو محفوظ رہینگے۔ نجاشی نے بھی
انکا خیر مقدم اچھا نہ کیا اب اسکے بعد سوچنا آسان ہے کہ یہہ بے خانمان ہو کر جو کچھ سوچے اور کیا وہ خود کس
حد تک انکے مفید تھا۔ انکے دلچسپ واقعات ابھی تاریخ اسلام میں بہت سے ملینگے جسکا دوامی اثر یہہ کس
حیثیت کا ہے ناظر خود سمجھے گا۔ یہہ سوچنا بعض نتائج پر پہونچنے میں مفید ہو گا کہ یہہ کس کے کس کے
مددگار رہے۔

غزوہ موتہ شہ

سنہ ۸ھ میں ایک واقعہ ہوا جو خصوصاً اسلیئے قابل ذکر ہے کہ اسمین اسلام کا ایک ذی فہم و خلیق اخلاق
کا اخلاقی اندازت سے پابند بزرگ کم ہو گیا۔ یہہ بنی ہاشم کے ممتاز شہدا کا تیسرا تھا میری غرض سے جو تھے
اور جسمین اسلام کے علم کے ایک ممتاز محافظ حضرت جعفر ابن ابی طالب تھے انکے متعلق جناب رسالتمآب کا

حضرت جعفر ابن ابی طالب کی واپسی فتح خیبر سے بڑھکر خوشی کی چیز

یہہ فرمانا انکے لیے بہت کچھ کہتا ہے جب یہہ غزوہ خیبر کے بعد رسول کے پاس ہجرت حبش سے واپس آئے تو کہ
مجھے نہیں معلوم کہ میں خیبر کی فتح سے زیادہ مسرور ہوں یا جعفر کی واپسی پر۔ انہیں کے متعلق بقول مؤرخ فرمایا ہے
ان سبب نفی [illegible] لشکر اسلام کے تین ہزار سپاہیوں کو ہرقل کے دو لاکھ سپاہیوں کا سامنا تھا پھر بھی بہادر

زید ابن حارثہ کی شہادت

اور شاہ طرح لڑا جیسا ایک سرفروش راہ خدا کو لڑنا چاہیئے تھا یہہ تنہا گئے [illegible] شہید ہو گئے تو بعد حضرت جعفر نے
علم ہاتھ مین لیا دوسرے کر رایت اسلام کو سنبھالا اور لڑنے لگے تا آنکہ انکا گھوڑا زخمی ہو کر گر پڑا تو یہ

حضرت جعفر کی شجاعت اور شہادت

پیادہ لڑنے لگے۔ دشمنان اسلام نے چہار طرف سے ان پر وار شروع کر دیئے جب انکا داہنا ہاتھ کٹ کر گرا
تو انہوں نے رایت اسلام کو بائیں ہاتھ میں لیا" یہہ بھی جب انکے جسم پر باقی نہ رہا اور ابو طالب کا فرزند اسے
بازوؤں کے سہارے سنبھالے رہا یہان تک کہ دشمن نے کمر پر وار کیا اور یہہ شیر دل بہادر پچاس زخم سے
اوپر کھا کر اسلام پر نثار ہو گیا۔

[illegible] جعفر کی شہادت کی خبر حضرت کو پہونچی تو [illegible]
گھر تشریف لے گئے اور دریافت کیا کہ جعفر کے لڑکے کہان ہین میرے پاس لاؤ وہ لڑکے حضور مین
لائے گئے حضرت نے گود مین لیا اور بوسہ دیا اور آنکھون مین آنسو بھر آئے [illegible] نے عرض کی کہ یا رسول اللہ
کیا جعفر کی نسبت [illegible] فرمایا ہان وہ شہید ہوئے۔ اسکے بعد چشم پرآب اٹھے اور حضرت فاطمہ کے گھر
تشریف لے گئے یہان بھی حضرت نے ذکر کیا تھا یا ماتم کرکر رونے سنا فرمایا چاہیئے کہ جعفر کے ایسے شخص پر
رونے والی روئے حضور انور نے بنوی سے جعفر کے گھر کھانا بھیجوانے کا بھی حکم فرمایا۔

سنہ ۹ھ مین جناب رسالتمآب نے امیر المومنین علی ابن ابی طالب کو قبیلہ طے کے مشہور بتخانہ فلس کی طرف
بھیجا۔ اس سریہ مین مشہور حاتم طائی کی بیٹی اور عدی ابن حاتم کی بہن لشکر اسلام کے قبضہ مین آئی اولاد حاتم پر
دار الحرب کا اصول تقسیم غنیمت موثر نہ کیا گیا بلکہ اسے مدینہ کے ایک گھر مین محفوظ رکھا رسول نے آزاد کیا ہو
عدی ابن حاتم شام سے آکر مسلمان ہوا۔ آیندہ زمانہ مین دیکھا جائیگا کہ عدی بن حاتم یا اسکا فرزند [illegible]
عدی علی کے خالص جان نثارون مین تھا اسکی ابتدائی وجہ بجز اسکے اور کچھ نہین ہو سکتی کہ اس [illegible]
پر احسان اور حفظ عزت نے اثر کیا تھا۔ عدی بڑا شکاری تھا اور مولوی عبد الحق صاحب مناہج مین
فرماتے ہین کہ "حضرت کو اسپر عنایت بہت تھی یہان تک کہ جب عدی واسطے شکار کے سوار ہوتا تو
حضرت اسکے ساتھ وادی عقیق تک مشایعت فرماتے"

مین ایک واقعہ اوراسلیئے بیان کرتا ہون کہ آئیندہ بعض کے میلان طبیعت کی نکتہ چینی کی جاسکے واقعہ یہہ تھا کہ رسول کو
قبیلہ قضاعہ کے [illegible] کی خبر پہونچی رسول نے ابن عاص کو انکی طرف روانہ کیا انہون نے اپنی قلت اور
دشمن کی کثرت دیکھکر مدد طلب کی اور اب رسول نے ابو عبیدہ کی ماتحتی مین ایک جماعت مسلمین کو جسمین ابن ابو قحافہ اور ابن
الخطاب بھی تھے روانہ کیا نماز کا وقت تھا مسئلہ یہہ تھا کہ امیر سابق پیشنمازی کرے یا امیر لاحق عمرو عاص خود
امام بننا چاہتا تھا اور ابو عبیدہ اسپر تعرض کر رہے تھے کہ تم اپنی جماعت کے امیر ہو ہم اپنی جماعت کے [illegible]
[illegible] تھے اور ابن عاص ہی بازی لیگیا لیکن قصہ یہین ختم نہین ہوگیا بلکہ بقول [illegible] مناہج یہہ بھی
[illegible] بہت [illegible] کلام کے عمرو عاص نے
[illegible]
[illegible]

وفات [illegible] فاطمہ [illegible] سے ہوا۔

(مناہج)

رسول نے کھانا بھجوایا

عدی ابن حاتم کا اسلام [illegible] کے ساتھ اچھے برتاؤ کو دیکھکر

رسول عدی کا احترام کرتے تھے

عمرو عاص اور ابو عبیدہ مین امامت نماز کا جھگڑا۔

عمرو عاص اور عمر ابن الخطاب

روضۃ الصفا و حیات القلوب کو اسکے علاوہ کچھ کہنا ہے اور وہ یہہ ہے کہ ابن عاص سنکے بعد ابن خطاب و عجیبہ
ابن ابی قحافہ کو شکست ہوئی اور اب رسول نے علی کو بھیجا تو علی اپنی محتاط فوجی نقل و حرکت سے دشمن کے
سر پر جا پہنچ گئے۔ صاحب حیات القلوب کو اسقدر اور کہنا ہے کہ سخت لڑائیوں مین جناب امیر علیہ السلام سر پر
ایک عصابہ باندھ لیتے تھے۔ جب جناب امیر علیہ السلام نے عصابہ طلب کیا تو بتول عذرا آنکھوں مین آنسو بھر لائین
لیکن فرض کا ادا کرنا پہلے تھا علی عصابہ باندھے کاندھے پر بر دیمانی ڈالے تینہ خطی ہاتھ مین لیئے اپنے
سرخ گھوڑے کو مہمیز کرتے ہوئے روانہ ہوگئے۔

سر پر عصابہ باندھنا دشواری پیش آنیکا اشارہ تھا۔

فرض چھوڑ کے آنسو شمار کئے ... نماز کیلئے تھے

موجز الذکر مورخین کے موافق اسی جنگ کی صبح کو سورہ والعادیات رسول نے تلاوت فرمایا۔ یہہ کہنا بیکار ہے
کہ علی کو فتح ہوئی رسول نے اصحاب کو استقبال کیلئے بھیجا اور خود آگے آگے تشریف لیچلے علی کو گھوڑے سے
اترنے نہ دیا اور فرمایا "اگر مجھے خوف نہ ہوتا اپنی امت سے کہ جو کچھ مسیح ابن مریم کے لیئے کہا جاتا ہے ایسا ہی کچھ یہہ
تیری شان مین بھی کہیگی تو مین تیرے لیئے کچھ کہتا کہ تو جسطرف سے گذرتا لوگ تیرے قدم کی خاک اٹھا لیتے"
روضۃ الصفا وغیرہ کے علاوہ مشابہت عیسے کی حدیث علامہ جلال الدین سیوطی نے ابا زار و ابو یعلی و الحاکم سے
نقل کی ہے مشکل سے مین سوچ سکتا ہون کہ جو کچھ جناب رسالتمآب فرمانا چاہتے تھے وہ نہین فرمایا بلکہ اسطرح فرمایا
جسمین زیادہ قوت انداز سے کہنا مشکل تھا۔

علی کا استقبال اور ایک حدیث

سنہ ۹ ھ کا ایک نہایت مخصوص واقعہ غزوہ تبوک ہے اسکے وہ مخصوص نکات جسے ہم لکھنا چاہتے ہین یہہ ہین
کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہہ اصول تہا کہ کسی جنگ کے لیئے جہان تشریف لیجائین لیکن کبھی اپنا ارادہ ظاہر
نہین فرماتے تھے لیکن اس غزوہ کی روانگی کے قبل ظاہر فرمادیا دوسرا امر یہہ تہا کہ اس غزوہ کیلئے سرحد شام تک جانا
تہا اور درمیان مین بہت سی تکلیفین تہین تیسری بات یہہ تھی کہ بنی اسد و غطفان اور رفقای عامر بن طفیل و ابن
ابی سلول انمین سے کچھ عذر کرکے بیٹھ گئے اور کچھ راستہ سے پلٹ آئے اور وہ قابل ذکر بات یہہ تھی کہ اس مرتبہ
جناب امیر کو بجائے اسکے کہ ہر غزوہ کیطرح پشت و پناہ لشکر رہتے مدینہ مین اپنا قایمقام چھوڑا۔ یہہ واقعہ ہے
کہ جب حضرت رسالتمآب اور جناب امیر غزوات کے لیئے باہر جاتے تھے تو مدینہ کی حفاظت کیلئے کوئی شخص
ذمہ دار بنایا جاتا تہا لیکن یہہ مقام بھی تبوک کی مثال سے صاف ہوگیا کہ اگر مصلحت اسکی مقتضی تھی کہ جناب
امیر ہمراہ نہ رکھے جائین تو مدینہ مین وہ اور کسی حیثیت سے بجز قایمقام کے نہ چھوڑے جاسکتے تھے جسطرح غزوات
مین کسی کے ماتحت نہ بنائے جاسکتے تھے۔ اسلیئے کسی کا یہہ کہنا کہ علی کا خلیفہ چھوڑنا اس لحاظ سے کہ

غزوہ تبوک اور بعض خصوصیات

دیوانی یا فوجی عہدہ پر علی کسی کے ماتحت نہین رکھے گئے

رسول نے اوس موقع پر دوسرے لوگون کو خلیفہ چھوڑا تھا کوئی وزن نہین رکہتا بلکہ ایک نتیجہ خالص اس حیثیت سے ہم تو یہہ کہتے

ہین کہ کوئی ایسا کام جو فوجی ہو یا ملکی اور وہ ایسی اہمیت رکہتا ہو کہ اُس سے جناب رسالتمآب ہی کو واقف ہونا ہو تو ایسے موقع پر کوئی

رسول کے نزدیک بجز علی کے اپنے کو اعتبار کا شایان نہین ٹھہراتا تھا مساوات منزلت تو اُسوقت ہوتی جب علی اور کسی کے

ہوتے ہوئے ایک مرتبہ یہہ اور ایک مرتبہ وہ ہوتا بلکہ ہم یہہ کہہ سکتے ہین کہ علی کے ہونے کے معنے دوسرے کا نہ ہونا تہا

علی اور رسول کی ناموجودگی مین کسی کا ہونا موقع ضرورت تھی اور علی کے ہوتے ہوئے دوسرے کا نہ ہونا علی کی

قدر و منزلت۔

رسول و علی مین موسیٰ و ہارون کی مناسبت کا اشارہ

غزوہ تبوک کی مستند بین الفریقین حدیث اما ترضے ان تکون منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی پر

باوجود مستند ہونیکے دفتر کے دفتر سیاہ کیے گئے ہین۔ کوئی صاحب قرۃ العیون کا ایسا مولف ان الفاظ کو رد کر

سکتا کہ یہہ حدیث دلیل اہل سنت کی ہی ہیچ ثابت کرنے فضیلت حضرت امیر رضی اللہ عنہ اور صحت امامت

انکی انکے اپنے وقت مین اسواسطے کہ اس حدیث سے استحقاق حضرت امیر کا واسطے امامت کے مستفاد ہوتا ہے" سوال کیا جا سکتا

ہے کہ جب یہہ حدیث رسول کی حیات مین اور پھر ایک زمانہ کے بعد کسی خاص وقت کیلئے جناب امیر کیلیے بمنزلہ سفارش اور

فضیلت کے ہو سکتی ہے تو متصلاً رسول کے بعد کیون نہین ہو سکتی؟

ولیعہدی کے متعلق

اگر کسی بادشاہ کا ولیعہد مر جائے اور اس صورت مین وہ بادشاہ کے بعد قایمقام نہ ہو سکے تاہم عام ناس یہی سمجھتے ہین کہ

اگر وہ زندہ رہتا تو قایمقام ہوتا۔ موت نے اس واقعہ کو کہ وہ ولیعہد تہا فنا یا نیست نہین کر دیا اگرچہ شخص فنا ہو گیا

اعلان وصایت ہارون اور علی مین عام تہا ہارون رحلت کر گئے علی زندہ رہے اور اسلئے ولیعہد کر رسول کی خواہش

کے موافق انہین خلیفہ ہونا چاہیئے تہا۔ دوسری بات جو اس ضرورت کیلئے توریت پڑہنے والون نے عمداً یا سہواً

ہارون کا توریت مین موقع

فروگذاشت کی ہے وہ یہہ ہے کہ ہارون کی کہانت کیلئے مقدس کئے جانے کیوقت خدا نے اُنکے لئے جو رعایتین و حقوق

مقرر کیے وہ دیگر بنی اسرائیل کیلئے نہ تھے بنی اسرائیل اولاد ہارون کی موجودگی مین کسی دوسرے کو اپنے رسومات

مذہبی کا پیشوا نہین سمجھتے تھے اور بیت المقدس کی کہانت یا ریاست روحانی اولاد ہارون مین تھی برخلاف

مسلمانون کے جنہون نے ایک خاص وقت اور اسکے اثر سے اپنا یہہ اصول قرار دے لیا کہ جو بادشاہ ہے وہی

پیشوائے روحانی بھی ہے وہ کوئی اور کیسا ہی کیون نہو ہر مورخ اسے مانتا ہے کہ رسول نے پہلے علی کو اپنا قایمقام کیا

اسکے بعد جناب امیر کے ہمراہ نہ جانیکے اظہار تاسف پر یا منافقین کے اس کہنے پر کہ "ایسلئے یہان چھوڑ گئے کہ کچھ

فرق

کدورت خاطر مبارک مین رکہتے تھے" فرمایا کہ "ایسا کہنے والے جھوٹے ہین" "کیا تو اس پر راضی نہین ہے کہ تیری نسبت

بھی ہے تو وہ ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی صرف فرق یہہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا" اس سے ظاہر ہوگا کہ اگر علی کا
پیچھے چھوڑ جانا محض اہل و عیال کی حفاظت تھی تو موسیٰ اور ہارون کی مثال کے کوئی معنے نہیں ہیں بلکہ موسیٰ اور
ہارون کی مثال اسلیئے ہے کہ جسطرح حضرت موسیٰ نے اپنے زمانہ غیبت میں قوم کے خیالات کا محافظ اور رہنما اپنے
اعتبار کے ایک آدمی کو چھوڑا تھا اسیطرح جناب رسالتمآب نے جسے اس سے زیادہ سخت اتفاقات میں جنگ کا موقع
کو سامنا تھا اپنا قایمقام چھوڑا تھا چہ رسول کے اعتبار کے متعلق اگر کوئی کاملتر سب سے زیادہ واضح اور
زبردست دلیل ہے تو مشکل سے وہ شخص "حد نبوت" کے خطاب سے ممتاز کیا جا سکتا ہے جو اپنے اہل و عیال کی حفاظت
کیلئے تو محافظ چھوڑے اور قوم کی حفاظت کا کسی کو ذمہ دار نہ بنائے لیکن یہہ عجب غیر نظریہ ہے کہ انہوں نے کبھی
قوم کا مستند ذمہ دار نہیں چھوڑا۔ بلکہ واقعہ تبوک اُن لوگوں کے قول کی نفی ہے جو یہہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے اپنے
بعد کوئی قایمقام نہیں چھوڑا جب سرور عالم تبوک کے زمانہ غیبت میں اپنا قایمقام چھوڑ سکتے تھے تو اپنے
بعد انہوں نے بمراتب زیادہ اسکا لحاظ کیا ہوگا کہ امت کا کوئی محافظ چھوڑیں۔ ایسے قایمقام کا انتخاب رسول کا
فرض تھا نہ کہ بھیڑ یا دھسان خلقت کا۔

مناسبت کا لفظ صحیح

تبوک کی وقتی قایمقامی سے رسول کے بعد کی قایمقامی کا استنباط

اُن مورخین کو جو اسپر مصر ہیں کہ تبوک کی قایمقامی میں موسیٰ و ہارون کی حدیث کا فرمایا جانا آیندہ پر کوئی اثر نہیں
رکھتا میں روضۃ الاحباب کی یہہ حدیث یاد دلاؤں گا کہ "علی خلیفتی علیکم فی حیاتی و فی مماتی فمن عصاہ فقد عصانی" جسے
ام المومنین ام سلمہ ام المومنین عایشہ کو یاد دلاتی ہیں اور وہ تصدیق کرتی ہیں جسمیں حیات اور ممات کا قصہ
طے ہو جاتا ہے لیکن شاید یہہ حدیث بھی بحث کے موقع پر اسلیئے قبول نہ کیجائے کہ یہہ اُسکے زبانی ہے جنھوں نے نہ
صرف حضرت عایشہ کی سپہ سالاری میں شرکت نہ کی بلکہ اُس پارٹی میں بھی نہ تھیں جسکی ایک فرد حضرت
عایشہ تھیں مزید تائید کے لیئے صواعق محرقہ سے یہہ حدیث نقل کرتا ہوں کہ "ما تریدون من علی ان علیا منی
وانا منہ وھو ولی کل مومن بعدی" (چہ میخواہید از علی بسہ نوبت تکرار این لفظ کرد و گفت بدرستیکہ علی از من
و من از ویم و او ولی ہر مومن است بعد از من) یہہ تمام باتیں ایسی ہیں جو مطلق شبہ کی گنجایش نہیں رکھتیں
کہ وصایت یا خلافت یا امامت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے لیئے جناب رسالتمآب نے حتمی اعلان
فرمایا اور سب کی تصدیق حجۃ الوداع میں کی۔ مورخین کا یہہ کہنا کہ اس سے مقصود امامت تھی نہ اپنے
ذہن میں اسلیئے ہے کہ کچھ وقت دوسروں نے اپنا کر لیا تھا اور مورخین نے اور لحاظ کے ساتھ رسول کے
اس فرمانے کے معیار سے بھی اُنکے وقت پر غور نہیں کیا کہ رسول کی قایمقامی وہ کرتا ہے جو رسول نہیں ہے

ایک حدیث جو وقتی یا مستقل وصایت کا تصفیہ کرتی ہے

ہوں گے جنکو رسول نے اپنے زمانہ میں ہر مفید موقع پر بھی سمجھایا۔ اور خود یہ اصول بھی قدر فطری تھا کہ سہیل ابن عمرو نے اسکی خواہش کی۔

رسول کو ہلاک کرنیکا ارادہ۔

جو کچھ غزوہ تبوک کے متعلق ہے اور کہنا ہے وہ یہ ہے کہ جناب رسالتمآب کی واپسی کے وقت کچھ لوگوں نے آنحضرت کے ہلاک کرنیکا قصد کیا۔ جو واقعہ عقبہ کے نام سے مشہور ہے مورخین کو اس واقعہ کے زمانہ کے متعلق تھوڑا سا اختلاف ہے اور وہ یہ کہ واقعہ عقبہ بعد تبوک ہوا یا بعد حجۃ الوداع۔ اس اختلاف سے ہمارے خیال پر کوئی اثر نہیں پڑتا وہ کبھی کیوں نہ ہوا ہو۔

(واقعہ عقبہ)

واقعہ عقبہ اسکا ہے کہ ظاہر منافقین کیلئے علاوہ کچھ غیر ظاہر بھی ہے۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ مشہور منافقین یا تو مدینہ رہ گئے یا راستے غدر کرکے واپس آ گئے۔ لیکن پھر بھی لشکر اسلام کے ساتھ کچھ لوگ تھے جنھیں لوگ عام طور سے نہ جانتے تھے کہ یہ دشمن رسول ہیں۔ رسول جس وقت عقبہ کے پاس پہونچے مہار شتر عمار یاسر پکڑے ہوئے تھے اور حذیفہ پیچھے پیچھے آ رہے تھے کہ کچھ لوگ پس پشت کی طرف سے پیدا ہوئے جو چہروں پر نقاب ڈالے ہوئے تھے رسول کو آہٹ ملی اور آپ نے حذیفہ سے فرمایا کہ انھیں واپس پلٹا دو حذیفہ اُن کے ناقوں کے منہ پر مار کر کہتے تھے کہ دور ہو دور ہو اے دشمنان خدا دشمن جنکی تعداد زیادہ سے زیادہ پندرہ تھی یہ سمجھ کر کہ رسول کو انکے ارادہ کی اطلاع ہو گئی پلٹ گئے۔

سواریاں پہچانی گئیں۔

اسکے بعد بقول شواہد النبوۃ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم از حذیفہ پرسید کہ ہیچکس را ازین گروہ شناختی گفت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم راحلہ فلان و فلان (۲) را شناختم اما ہمہ رو بہائے خود بستہ بودند و شب تاریک بود ایشان را نہ شناختم چون از عقبہ گذشتہ و صبح دمید رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم

کیوں رسول نے منافقین کو...

اسید ابن حضیر را گفت یا ابا یحیٰی می دانی کہ شب منافقان چہ اندیشہ کردند.... اُسید گفت بفرمائی یا رسول اللہ... تا فی الحال سرہائے منافقان را بحضرت تو رسانم۔ گفت اے اُسید مکروہ میدارم کہ مردم گویند چون حرب منقضی شد پیغمبر صلی اللہ... قتل اصحاب خود آغاز کرد۔ اُسید گفت ایشان از اصحاب تو نیستند فرمود کہ اظہار شہادت می کنند و خدائے تعالےٰ مرا از قتل اہل شہادت نہی کردہ است بعد ازان رسول صلے اللہ علیہ والہ وسلم نامہائے آن جماعت با حذیفہ گفت.... و بغیر وے از اصحاب ہیچکس آن را نمی دانست"۔

رسول نے عمار اور حذیفہ کو منافقین کا نام بتا دیے۔

اس سے معلوم ہوگا کہ نہ صرف ہر ایک کا راحلہ پہچانا گیا بلکہ رسول نے حذیفہ کو اور بقول قرۃ العیون عمار یاسر کو بھی سب کے نام بتا دیئے۔ اب ایک سب سے بڑا راز یہ ہے کہ اگر رسول نے اپنے زمانہ میں خود عام طور سے ظاہر کرنا بعض مصالح کے لحاظ سے پسند نہ بھی فرمایا ہو تو کیا وجہ ہو سکتی تھی کہ رسول کے بعد ان

ناموں کا اعلان نہ ہو جاتا۔ اس لیے کہ اسکے بعد مشتہر ہونے سے دین اور دنیا کی کوئی خرابی نہیں نظر آتی۔ قرۃ العیون میں اس امر کا دلچسپ تذکرہ ہے کہ کسی مجلس میں اہل عقبہ میں سے ایک نے (یا) حذیفہ کو قسم دی کہ وہ حملہ آور منافقین کی تعداد بتا دیں حذیفہ نے کہا کہ مجھے خبر دی گئی ہے کہ وہ چودہ آدمی تھے اور اگر تو بھی انمیں سے ایک ہے تو پندرہ تھے۔ یہ بھی تذکرہ ہے کہ ان منافقین میں سے تین نے معذرت کی اور انکا قصور معاف کیا گیا۔ یہ کل باتیں بتاتی ہیں کہ اسکے بعد منافقین کا نام مخفی رہنا محال تھا کیسے ممکن تھا کہ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ انکے ہادی پر حملہ کرنے کا ارادہ کرنیوالے چودہ پندرہ آدمی تھے اور انہیں سے عام طور سے چند نے معافی مانگی اور پھر انلوگوں سے بقیہ کا حال نہ معلوم ہو گیا ہو در انحالیکہ رسول نے ان سے اخفا کی کوئی تاکید نہ فرمائی تھی۔

ایک شخص حذیفہ سے سوال کرتا ہے۔

نام چھپ نہیں سکتے تھے۔

حیرت پر حیرت احیاء العلوم غزالی جلد چہارم کی حسب ذیل عبارت سے ہوتی ہے کہ "عمر بہت مبالغہ کرتے تھے اپنی قلبی حالت کی تفتیش میں یہانتک کہ پوچھا کرتے تھے حذیفہ سے کہ آیا وہ انہیں کچھ نفاق کا اثر پاتے ہیں"۔ اور اس طرح حضرت عمر ہی کے متعلق کہا گیا ہے کہ رحلت رسول کے بعد اس شخص کی نماز جنازہ پڑھتے تھے جسپر حذیفہ کو پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے اور حذیفہ کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے۔ جس بات پر میں نے مزید عجب سے غور کیا ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ تاریخ اسلام میں اکثر موقع پر یہ نظر آتا ہے کہ حضرت عمر کی تلوار کے نیام سے باہر نکل آنے اور کسی گرفتار دشمن رسول کے مار ہی ڈالنے میں کوئی دیر نہیں ہے لیکن اس موقع پر حضرت عمر کی کسی ایسی کوشش کا تذکرہ نہیں ہے جس میں انھوں نے جناب رسالتماب یا حذیفہ سے منافقین کے نام دریافت کرنے کی التجا اور انھیں قتل کرنیکا ارادہ ظاہر کیا ہو۔ جیسا اسید ابن حضیر نے عرض کیا تھا۔

حضرت عمر حذیفہ سے اپنے قلبی حالت کی تفتیش فرماتے ہیں

مؤلف کی حیرت

میں اس تصفیہ سے دور نہیں ہوں کہ رسول ہی کے زمانہ میں منافقین کے نام معلوم ہو گئے تھے لیکن بلحاظ اس جواب کے جو اسید ابن حضیر کو دیا گیا مومنین خاموش تھے۔ اب رہا یہ کہ رسول کے بعد انکا نام کیوں ظاہر نہ ہو گیا اسکا جواب رسول کے بعد ہی حیرت خیز انقلاب میں ہے اور بس۔

میں نے ابتک یہ سمجھانے کی کوشش نہیں کی کہ منجملہ ان وجوہات کے جن سے یہ لوگ (منافقین) ایسے فعل کے ارتکاب پر آمادہ ہوئے جس سے بڑھکر کسی مسلمان کے نزدیک برا کام نہیں ہو سکتا میری تحریر کے نقطۂ خیال کے لحاظ سے کونسی وجہ ہو سکتی ہے۔ میں اسے کتاب میں مناسب موقع کے لیے اٹھا رکھتا ہوں غالباً واقعات

ایک سوال جو تاریخ زندہ مناسبت رکھتا ہے کے متعلق چھوڑ دیا گیا

تاریخ ہی اسکے صاف کرنے کے لئے کافی گویا ہونگے۔

ادائے رسالت کے متعلق ایک مفید حکم اور علی۔

اسی سنہ کا ایک اور قابل توجہ واقعہ یہ ہے کہ جناب رسالتمآب نے بقول صاحب قرۃ العیون ابوبکر صدیق کو تین سو آدمیوں کے ساتھ سردار کر کے حج کے واسطے بھیجا کہ مناسک حج کی لوگوں کو تعلیم کریں اور اول سورہ براۃ سے تیس چالیس آیتیں لوگوں کو پڑھکر سنادیں.... بعد اسکے حضرت صلے اللہ علیہ والہ وسلم پر وحی نازل ہوئی کہ ادائے رسالت و پیغام نہ کرے کوئی مگر تو یا وہ شخص کہ تجھ میں سے ہو.... سو حضرت نے علی کرم اللہ وجہہ کو بلایا اور فرمایا کہ تم ابوبکر صدیق کے پیچھے جاؤ اور اوائل سورہ برات کی آیتوں کو اُن سے لیکر حج کے روز تم سب کو سنا دینا.... یہ ارشاد فرماکر اپنی اونٹنی پر کہ نام اُسکا غضبا تھا حضرت علی کو اُن کا ہونے کے لئے سوار کر کے روانہ کیا.... حضرت علی تشریف لیگئے اور ہر ایک خیمہ میں روبرو لوگوں کے وہ آیات بینات پڑھنے لگے اور وہ چاروں احکام مذکورہ (بہشت میں بجز مومن کے کوئی داخل نہ ہوگا۔ کوئی برہنہ طواف بیت اللہ نہ کرے۔ اِس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور بیت اللہ کے قریب رہے یہ کہ جو کوئی عہد موقت رکھتا ہو ساتھ خدا و رسول کے تو چاہیے کہ اِس مدت کے گذرنے تک اپنے عہد پر ثابت رہے اور اگر کوئی عہد رکھتا ہو یا عہد غیر موقت ہو تو وہ چار مہینہ کی مدت تک امان میں ہے) پہونچانے لگے پھر جب اِس کام سے فراغت کر کے مع الخیر مدینہ میں آئے تب حضرت صدیق نے جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ والہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ مجھ سے کونسی ایسی خطا واقع ہوئی جو آپنے مجھسے مقدمات آیات پڑھنے اور احکام اربعہ کے پہونچانے کی موقوف رکھی آپ نے فرمایا.... سبب یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور یہ حکم لائے کہ تبلیغ اِس امر کی کوئی نہ کرے مگر تم آپ یا وہ جو تم میں سے ہو اِس لئے میں نے یہ کیا" بقول ابو الفدا (جب حضرت علی نے ابن ابو قحافہ سے سورہ برات لے لیا) یہ بات سُنکر حضرت ابابکر صدیق راہ ہی میں سے مراجعت کر کے پیغمبر خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے...."

علی آپ فرستادہ خدا ہیں۔

سورہ برات کو علی تنہا اُس جگہہ لیجاتے ہیں جہاں کفار کا ہجوم اور انبوہ ہے۔ مجمع کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ:- ایہا الناس! انی رسول اللہ الیکم (اے لوگو! میں تمہاری طرف فرستادہ خدا ہوں) لوگ پوچھتے ہیں کہ کس چیز کے ساتھ اور آپ جواب میں فرمانا شروع کرتے ہیں کہ:-

برات من اللہ و رسولہ.... (بیزاری ہے خدا اور اوسکے رسول کی طرف سے....)

سورہ برات کی اہمیت۔

سورۃ برات کے تذکرہ سے میری یہ غرض تھی کہ میں اِسپر توجہ دلاؤں کہ عہد ناموں کی تجدید و توثیق

یا نتیجہ کس پایہ کی ہوتی ہو اور اس وکیل کو کس درجہ متمد بین الفریقین ہونیکی ضرورت ہو۔ الغرض سیاسی عناصر مین وکیل ہی کی ذات مخصوص اثر پیدا کیا کرتی ہے بغیر کسی اور طویل توجیہ کے مین یہ بھی کہنا چاہتا ہون کہ اسمین نہ صرف سیاسی شان تھی بلکہ اس لحاظ سے کہ یہ عہد سے متعلق صاف اور صریح اعلان تھا اور رسول کی طرف تھا اسمین اخلاقی اور مذہبی عناصر بھی پہلو بہ پہلو تھے۔

ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر جبکہ جناب امیر گذشتہ معاہدے کے اٹھانے اور نئی مصلحت کے قایم کرنیکے لیے تشریف لیگئے تھے موقع کا مخدوش ہونا عجب نہ تھا چنانچہ جناب امیر کی واپس تشریف آوری کی خبر جب ابوذر غفاری برحق کو پہونچا دی تو رسول اکرم نے استقبال کیا اور بغلگیر ہوئے۔

سنہ ۱۰ھ
حسین رسول کے ایک فرض مین شرکت کے قابل ہوئے۔

دیر تک مین نے ناظر کو یہ کہنے کے لیے منتظر رکھا کہ اب وہ وقت آیا جسمین حسین رسالتمآب کے فرائض مین شرکت کے قابل ہوتے۔ اور شرکت بھی ایسے امر مین ہوئی وہ اس درجہ مہتم بالشان تھا جس کا ذکر نہ صرف ہماری ہدایت نامہ (قرآن شریف) مین ہے بلکہ جس واقعہ سے عامہ ناس کی نگاہون مین اسلام کا وقار خدائی فیصلہ کے پہلو پر قایم رہا بلکہ اسمین اضافہ ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ سرور عالم نے سنہ ۱۰ھ مین نصاری نجران کو دعوت اسلام کا مکتوب روانہ فرمایا اور انمین سے چودہ شخص بغرض تفتیش مدینہ مین آئے۔ رسول نے دعوت اسلام فرمائی ان لوگون نے انکار کیا اور پوچھا کہ حضرت عیسیٰ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔

عیسیٰ کی مثال خلقت مین مثل آدم کے ہے۔
سورہ آل عمران ۶ رکوع

اسکے جواب مین حضور انور پر یہ آیت نازل ہوئی جسے آپ نے تلاوت فرمایا کہ "ان مثل عیسی عند الله کمثل آدم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون الحق من ربک ولا تکن من الممترین فمن حاجک فیه من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتهل فنجعل لعنة الله علی الکاذبین" (تحقیق کہ مثال عیسیٰ کی خدا کے نزدیک مثل آدم کے ہے بنایا اُس کو مٹی سے پھر کہا اُس کو ہوجا وہ ہوگیا۔ حق بات ہے تیری رب کی طرف سے پھر تو شک مین نہ پڑ پھر کوئی بعد اسکے کہ تجھے علم ہو چکا اس بات پر جھگڑا کرے تو تو کہہ کہ آو بلا دین ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتین اور تمہاری عورتین اور اپنی جان اور تمہاری پھر دعا اور لعنت کرین جھوٹون پر) نصاری نے یہ سنکر مہلت مانگی۔ دوسرے روز جناب رسالتمآب

مباہلہ کی صورت اور حسین کی شرکت (قرۃ العیون)

مباہلہ پر اس طرح مستعد ہوئے کہ حسین کو گود مین لیے ہوئے اور حسن کا ہاتھ پکڑے تھے پشت اقدس پر ذکیہ طاہرہ بتول اور علی مرتضیٰ سب کے آخر مین رکھے گئے تھے اور سرور عالم نے سبکو ہدایت فرمائی تھی

کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ فریق ثانی رسول کا یہ اہتمام دیکھتا تھا اور اُسکا یہ قول ہم تک پہونچا ہے کہ "اے قوم میں چند آدمیوں کے چہرے دیکھتا ہوں کہ اگر وہ خدا سے پہاڑ کے ٹل جانیکی دعا کریں تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیگا خبردار مباہلہ نہ کرنا ورنہ ہلاک ہوگے۔" نصرانیوں نے مباہلہ نہ کیا بلکہ اسپر صلح کی کہ ہم ایک ہزار حلہ ماہ صفر اور ایک ہزار حلہ ماہ رجب میں دیا کرینگے۔ تمہارے وکلا کی مہمانداری کرینگے اِس شرط پر کہ ہم اپنے دین پر قایم رہیں اور تم ہمیں اپنی پناہ میں لو۔ مصلح بنی آدم نے یہ عہدنامہ منظور فرمایا۔

نصاریٰ نجران سے اور اُنکے وفات۔

مشغل سے مجھے یہ کہنے کی ضرورت باقی رہ گئی ہے کہ جناب رسالتمآب نے آیہ مباہلہ کا جو عملی ترجمہ فرمایا اُس سے عالم پر ثابت ہوگیا کہ ابناءنا میں حسنین۔ نساءنا میں جناب فاطمہ زہرا اور انفسنا میں علی مرتضیٰ رسول کے نزدیک وہ لوگ تھے جو خدای فیصلہ کے پُرعظمت اور جلالت موقع پر لائے جاتے مجھے تو اس وقت اس سے بحث ہے کہ حسین اس قابل ہوگئے تھے کہ اُنکے چھوٹے چھوٹے ہاتھ رسول کی گود سے آمین کہنے کے لئے بلند ہوتے۔ اور کوئی عجب نہ تھا کہ رسول ان ہاتھوں کو اُسیوقت چوم لیتے۔ میں ابو الحارث کے قول کو جو امر مباہلہ چلنے والی جماعت کے چہروں کی شان کے متعلق ہے پُرغور توجہ کے حوالہ کرتا ہوں۔

آیہ مباہلہ کا ترجمہ

صاحب صواعق آیہ تطہیر کو لکھتے ہوئے کہتا ہے "اکثر مفسرین برین رفتہ اند کہ این آیت نازل شد در شان امیرالمومنین علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم۔" اسکے بعد صلاح پیش کرتا ہے کہ روایتیں بعض موید ہیں اسکی کہ یہ پنجتن کی شان میں نازل ہوئیں اور بعض ازواج رسول کے متعلق اور اس ضمن میں روایت کرتا ہے "مرویست بروایت احمد از ابوسعید خدری کہ این آیت در شان پنج کس نازل شد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و علی و فاطمہ و حسن و حسین و ابن جریر مرفوعاً باین لفظ روایت کردہ است نزلت ہذہ الایۃ فی خمسۃ فی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و فاطمہ و حسن و حسین و طبرانی نیز روایت کردہ و مسلم باین طریق روایت کردہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایشان را در کسای یعنی عبائی کہ بروی بود در آورد و این آیت برخواند و بصحت رسیدہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جلا برین چہار کس پوشانید و فرمود اللہم ہولاء اہل بیتی و حامتی ای اذہب عنہم الرجس وطہرہم تطہیرا۔ بار خدایا این جماعت اہل بیت من اند پس باز ایشان گناہ را و پاک گردان پاک گردانیدنی .... و در روایت دیگر آنکہ بعد از تطہیر گفت۔ انا حرب لمن حاربہم وصلح من صالحہم وسالم لمن سالمہم وعدو لمن عاداہم من جنگ میکنم باکسیکہ با ایشان جنگ کند و صلح میکنم باکسیکہ با ایشان صلح می کند و دشمن خواہم شد باکسیکہ بہ ایشان دشمنی میکند .... و در روایتے آنست کہ سہ نوبت فرمود۔ اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ۔"

آیہ تطہیر اور حسین

رسول اہلبیت کو پہچنواتے ہیں۔

مشکوٰۃ المصابیح - تاریخ الخلفاء اور مسلم وغیرہ مین سعد ابن ابی وقاص کی روایت دیکھنے سے معلوم ہوگا
کہ جناب امیرالمومنین - حضرت ذکیہ طاہرہ اور حسنین علیہم السلام پر اطلاق اہلبیت کا ہوتا تھا یا جنکے نسبت
جناب رسالتمآب نے ہین اور صاف لفظون مین فرمایا تھا کہ "خداوندا یہ میری اہلبیت ہین"۔

اہلبیت کی تخصیص کیون شبہہ کو حوالہ کیجاتی ہے۔

اہلبیت کے مفہوم کے متعلق جو کچھہ غلط اندازی کی گئی ہے اُسمین زیادہ لغوی دلیل سے زور دیا جاتا ہے اور کبھی جب
یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اسمین خادمہ اور کنیز بھی داخل ہوجائینگی کیونکہ گھر مین رہنے والون مین اُنکا بھی شمار
ہوگا (بلکہ بہت سے اور شامل ہوسکتے ہین) تو تخصیص شروع ہوتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ ازواج رسول اور تمام
اہل ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے لئے کہا گیا اور پھر جب واقعہ نجران پر نظر جا پڑتی ہے تو مورخین کو بجز اسکے چارہ نہین ہوتا
کہ اہلبیت سے مراد متذکرہ صدر حضرات ہین - تاریخ اسلام کا جاننے والا مشکل ہی اسمین مشتبہ رہ سکتا ہے کہ کیون اس طرح
آیت اور واقعہ تاریخی کے لئے لغت کی ضرورت ہوئی ۔

حسین کے متعلق روایتین

اب وقت آگیا ہے کہ حسین کے متعلق مین ان تمام روایتون کو بیان کردون جنکے متعلق کسی زمانہ کا صحیح اندازہ
نہین کیا جاسکتا۔

راکب اور مرکب

ایک روز جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم حسین کو اپنے دوش مبارک پر لئے ہوئے بیٹھے تھے کہ کسی نے کہا کیا اچھا
مرکب ہے" رسول نے جواب دیا دیکھو راکب بھی کیسا اچھا ہے"۔ اِسکے علاوہ روایتین ہین کہ حسین کو جناب رسالتمآب
شکم اقدس پر لٹائے رہتے تھے اور حسین چھوٹے چھوٹے ہاتھون سے ریش اقدس سے کھیلتے تھے۔ کسی روز حسنین
آپس مین کشتی لڑ رہے تھے جناب رسالتمآب نے حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ حسین کو سنبھالو۔

حسین کو سنبھالنے کا حکم۔

حسین کے رونے سے رسول متاذی ہوتے تھے۔

جناب رسالتمآب حسین کے رونے کی آواز سنکر جناب فاطمہ زہرا سے فرماتے تھے "کیا تم نہین جانتین کہ حسین کے رونے سے
مجھے تکلیف ہوتی ہے - صہ

رسول حسین کو راستہ مین پاتے ہین

یعلی ابن امیہ کہتے ہین کہ ایک روز ہم جناب رسالتمآب کے ہمراہ کسی جگہہ ضیافت مین جارہے تھے حسین راستہ مین
کھیل رہے تھے - انھین دیکھکر رسول نے پکڑنا چاہا حسین دوڑے لیکن گرفتار ہوگئے رسول نے ایک ہاتھ پشت پر اور
ایک ٹھوڑی پر رکھکر پیار کرلیا - ضرور پھر حسین بہول قہقہہ لگاکر ہنسے ہونگے ۔

مجمع اصحاب مین حسین کو پہچنواتے ہین۔

حذیفہ الیمان کے سند سے امالی مین صدوق سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہین کہ ایک دن رسول نے فرمایا ایہا الناس
یہ حسین پسر علی ابن ابیطالب ہے اسے پہچانو - قسم ہے اُسکی جسکے قبضہ مین میری جان ہے کہ حسین کے دوست بہشت
مین ہونگے"۔ اس واقعہ کو شاعر نے نظم کیا ہے - اخذ النبی ید الحسین وصنوہ یوماً - وقال وصحبہ

فی مجمع من ودّ نی یا قوم اوھذا بن او۔ ابو ہیا فی المخال مسکنہ معنی اِس روایت مین ایک عام اعلان اور رسول کا پہنچوانا توجہ کے قابل ہے۔

رسول کا سجدہ اور حسین۔

ایک دن جناب اقدس نبوی سجدہ مین تہے کہ حسین پُشت پر سوار ہوگئے۔ ایک یہودی حاضر تھا یہ دیکھکر کہنے لگا:۔

ایک یہودی کا اعتراض۔

آپ لڑکون سے ایسی محبت کرتے ہین جو ہمارا شیوہ نہین ہی۔ فرمایا۔ اگر تم خدا اور رسول پر ایمان لاتے تو تم بہی بچون کو موجب رحمت و راحت سمجھتے۔

ابو رافع اور حسین۔

ایک مرتبہ ابو رافع اور حسین مداح (ایک کھیل جسمین لڑکے گڑھا کھودتے مین اور اُسمین چھوٹے چھوٹے پتھر یکے بعد دیگرے رہا کرتے ہین اگر دوسرا پتھر پہلے سے لگ جاتا ہے توجسکا پتھر لگا ہے وہ پیٹھ پر سوار ہوتا ہے) کھیلتے تہے جب ابو رافع جیتے تہے تو حسین کہتے تہے:۔ تو چاہتا ہی کہ اُسکی پُشت پر سوار ہو جیسے رسول اپنی پشت پر سوار کرتے ہین۔ اور جب حسین بازی لیجاتے اور ابو رافع کی پُشت پر سوار ہونیکا قصد کرتے تو ابو رافع کہتے تہے:۔ یا ابا عبداللہ تم نے ہمین سوار ہونے نہ دیا ہم بھی نہ سوار ہونے دینگے۔ اب حسین کہتے تہے۔ کیا تو اِس پر راضی نہین ہے کہ اُسے اپنی پُشت پر سوار کرے جیسے رسول اپنی پُشت پر اُٹھاتے ہین۔ بیچارا ابو رافع معقول ہوکر چڑھی دیا کرتا تہا۔

کُشتی یا وصلی

ایک دِن حسنین نے رسول کی خدمت مین کُشتی لڑنی چاہی اور رسول کو پنچ بنانا چاہا مگر رسول نے فرمایا کُشتی نہ لڑو بلکہ وصلیان لکھہ کر لاؤ جسکا خط اچھا ہوگا وہی جیتا۔ بھولے بھولے بچے اپنی اپنی تعریف کے حوصلہ میں وصلیان لکھہ کر لائے اور رسول نے دونون کی سرگرمی دیکھکر اس خیال سے کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو فرمایا:۔ مین اُمّی ہون بہتر ہوگا کہ وصلیان اپنے باپ کو دکھاؤ۔ بچے وصلیان لئے ہوئے علی ابن ابیطالب کے پاس آئے اور قضیہ معلوم ہونے پر اُنھون نے فرمایا:۔ بہتر ہوگا کہ تم اپنی مان کو دکھاؤ بچے اب اپنی مان کے پاس آئے اور جب ذکیہ کو معلوم ہوا کہ نانا اور باپ نے فیصلہ سے کسی کو رنجیدہ نہین کیا تو نہایت خوب ترکیب نکالی اور فرمایا "میری گلے میں ہار ہے مین اِسکے دانے زمین پر پھینکتی ہون جو زیادہ دانے چُنے اُس نے بازی جیتی۔ موتی بکھر گئے اور حُسن اتفاق سے دونون صاحبزادون نے برابر دانے چُنے اور کسی کو ناخوشی کا موقع نہ ملا۔

حسین کا تُتلانا اور تکبیر کا زبان پر جاری کرایا جانا

رسول ایک مرتبہ نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی حسین بہی کھڑے ہوگئے مگر بوجہہ کمسنی تکبیر زبان سے

صاف نہ ادا ہوتی تہی۔ رسُول نے سات مرتبہ اعادہ فرمایا اور اب حسین کی زبان پر رواں ہو گئی۔

ایک مرتبہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جناب فاطمہ زہرا کے دولت سرا پر تشریف لائے تو حسنین کو نہ پایا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ بھوک کیوجہ سے باہر کھیلنے چلے گئے ہین۔ اس وقت ابوذر دا آگئے اور اُن سے معلوم ہوا کہ محلہ بنی جذعان مین ہین۔ رسول تشریف لیگئے اور لے آئے۔

رسُول تلاش کرنے گئے۔

ایسا ہی ایک موقع حدیقہ مین نجار مین ہوا تھا اس وقت حضور اقدس نبوی کے ہمراہ جناب امیرالمومنین اور اصحاب تھے رسُول نے کاندھے پر بٹھا لیا۔ علی اور اصحاب نے اپنی اپنی گود مین لینا چاہا مگر صاحبزادون نے کہا "نانا ہمین آپکا کاندھا اور لوگون سے زیادہ محبوب ہے"۔

حسین کو نانا کا کاندھا زیادہ محبوب تھا۔

حسین وحیہ کلبی سے بہت بے تکلف تھے اور جب یہ اپنے تجارتی سفر سے واپس آتے تھے تو حسین کیلیے تحائف لیتے آتے تھے اور حسین انکی گود مین بیٹھکر سب کا تعلیقہ کر لیتے تہے۔

حسین وحیہ کلبی سے بے تکلف تھے۔

ایک مرتبہ حسین گھوڑے پر سوار ہو رہے تہے کہ ابن عباس نے رکاب تھامی۔ کسی نے اعتراض کیا۔ اعتراض حسین کی خردسالی اور ابن عباس کی احترام کی بنا پر تھا ابن عباس نے جواب دیا۔

گھوڑے کی سواری سکھائی جاتی ہے۔

"یہ فرزندان رسُول ہین اور جو نعمت خدا نے مجھے عطا فرمائی ہے اسکی شایان ہے کہ مین رکاب پر ہاتھ رکھون اور انھین اچھی طرح گھوڑے پر بیٹھنا بتاؤن"۔

حسین سے رسُول کی محبت کی روایتون مین اس سے زیادہ کونسی روایت تلاش کیجاسکتی ہے جو نور العین ترجمہ خصائص الحسین مین ملتی ہے کہ ایک دن ایک لڑکے کو حضرت نے بازار مین دیکھا بس بیٹھ گئے اور اُسے اٹھا لیا اور اُس بچے سے لطف فرماتے تہے ایک شخص نے سبب اسکا دریافت کیا فرمایا کہ "یہ بچہ میرے فرزند حسین کو دوست رکھتا ہے۔ کیونکہ مین نے دیکھا ہے کہ خاک قدم حسین کو لیکر اپنے مُنھ پر ملتا تھا"۔

اُس بچہ سے رسول کی بہت جسے حسین سے محبت تھی۔

ایک مرتبہ حسنین کچھ علیل ہوگئے اور نذر کیگئی کہ اگر خداوند تعالیٰ صحت عطا فرمائے تو تین روزے رکھے جائینگے۔ حسنین صحت یاب ہوئے اور روزے رکھنے کے لیے تین صاع جو قرض لیا گیا۔ روزہ رکھا گیا اور افطار کے وقت ایک مسکین آگیا۔ جناب امیر نے سُنا اور حضرت فاطمہ کو مخاطب فرما کر ارشاد کیا کہ "ایک سختی رسیدہ اندوہگین ہے اور ہم سے گرسنگی کا شکوہ کرتا ہے" طاہرہ نے جواب دیا کہ "مین اُسے کھانا دونگی مجھے ساعت تنگی کی پرواہ نہین ہے اور بھوکے کو سیر کرنیکی آرزو رکھتی ہون"۔ آج کا حصہ کھانا دیدیا گیا اور بچے تک بھوکے رہے۔ دوسرا دن ہوا پھر روزہ رکھا گیا۔ افطار کا وقت آیا اور آج یتیم نے دروازہ پر صدا دی اور آج پھر جناب امیر

حسین کی علالت۔ نذر اور بحالی آنا۔

اور دیوان جناب امیر

اہلبیت اور مسکین ویتیم و اسیر

فرمایا اُنّی سید کریم کی دختر اللہ ہماری پاس یتیم کو لایا ہے جو شخص آج رحم کریگا وہ رحیم ہے" سیدہ نے فرمایا کہ یتیم کو کھانا دونگی حالانکہ میری بچون نے بھوکے شام کی ہے" تیسرا دن ہوا یہ نذر کرنے والے جو استقلال کا خزانہ تہے آج بہی روزہ سے ہے کس طرح شام کی ہوگی اور کس قدر ضرورت ہوگی کہ یہ کچھہ کہاتے لیکن ہونے والا یہ تہا کیا انکا مخلوقات الٰہی کے ساتھہ رحم ذاتی تکلیف پر غالب آتا۔ آج بقیہ تیسرے حصّہ کی روٹیان افطار کیلئے تیار کیگئی تھین لیکن آج ایک اسیر کو آواز دینی تہی تیسرے دن کہ بھوکون نے سُنا اور رحمۃ للعالمین کے وصی نے کہا آ ای فاطمہ ای پیغمبر ستودہ کی بیٹی بیشک آ راستہ کیا ہے خدا نے اُسکو (قیدی کو) گردن نازک سے۔ زنجیرون میں جکڑا ہوا اور طوق مین مقیدم ہم سے اپنی بڑہی ہوئی بھوک کا شکوہ کرتا ہے اُسے بغیر احسان شوم کے کہلا دینا تُنک کے تم جزا دیجاؤ اُس چیز سے جسکی نہایت ہو" جناب فاطمہ نے جواب دیا جو کچھہ آپ لائے تھے اُس سے بجز ایک صاع کے کچھہ باقی نہیں ہے اور میری ہتھیلی ذراع کی نوک سے گھس گئی ہے۔ خدا کی قسم میرے دونون بچے بھوکے ہین۔ اُنکا باپ خیرات سے نیکی کرنیوالا ہے"۔ اِس کے بعد اہلبیت نبوت بلکہ اُنکی مشہور خادمہ فضہ نے بہی اپنا اپنا حصّہ راہ خدا مین بخشدیا۔

| بالاختیار تین دن بھوکے رہے۔ |
غالباً یہ پہلا تاریخی دن تہا جسمین اہل بیت خصوصاً حسنین تین دن تک بھوکے رہے اگرچہ یہ بالاختیار تہا لوگون کیلئے یہ اُس قدر واقعہ ہے جس قدر کا غذ اور قلم کی زبان اندازہ کرا سکتی ہے لیکن ان نفوس قدس کیلئے یہ ایک ایسا واقعہ تہا جسکا یہ خود اندازہ کر رہے تھے۔ بلکہ واقعہ انکا اور یہ واقعہ کا اندازہ کر رہے تہے۔ ہمکو واقعہ سے انکا اندازہ کرنا چاہئے سُن لینا اور دوسرا ہے اس عالم برداشت پر متاسف ہو جانا اور ہے اور ایسا دل رکھنا جو دوسرون کو اپنے اوپر ایسی سخت حالتون مین مقدم رکھتے اور ہے۔ جو دکو انپر ناز تہا رحم و کرم کا اُنسے افتخار رہتا۔ یہ اس قابل تہے کہ سورہ ہل اتٰی سے ممتاز کئے جاتے۔

| (ابن خلدون) |
اِسی سنہ مین رسول نے قبیلہ بنو ضلیع کی گوشمالی کے لئے جنھون نے دحیہ کلبی کا مال لوٹ لیا تہا زید بن حارثہ کا واقعہ بنو ضلیع سنہ ۶ کے قبل کا ہے یا اگر سنہ ۹ کا ہے تو بجائے زید ابن حارثہ کے کوئی دوسرا افسر بھیجا گیا) کو روانہ کیا زید کے سپاہیون نے کچھہ بنو ضبیب کو بہی قتل کیا جو مسلمان تہے۔ بنو ضبیب نے رسول کو خبر دی اور خواہش کی کہ ہمارے اسیر رہا کئے جادین۔ جناب رسالتمآب نے بقول ابن خلدون علی ابن ابیطالب کو اونٹ پر سوار کرکے انکے ہمراہ روانہ کیا اور تصدیق کیلئے اپنی تلوار مرحمت فرمائی"۔

| سنہ ۱۰ھ علی یمن بھیجے گئے۔ |
اِسی سال جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت امیر المومنین کو تین سو سوار دیکر ساتھہ یمن کی طرف روانہ کیا۔ اِنکے لئے ایک نشان مرتب فرمایا۔ سر پر اپنے دست مبارک سے" عمامہ باندہا۔ اسکا ایک سرا مونڈھے

رسول بائین ہاتھ سے آراستہ کرتے ہین — اظہار تاسف جدائی پر

کیطرف اور دوسرا پشت کی جانب رکھا گیا۔ اور فرمایا "اے علی مین تمہین بھیجتا ہون مگر تمہاری جدائی پر افسوس کرتا ہون"۔ علی پر رسول کی ایسی ہی توجہ کی حدیث مشکوٰۃ المصابیح سے ملیگی کہ "روایت ہے ام عطیہ سے کہ کہا بھیجا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کہ انمین علی تھے۔ کہا ام عطیہ نے پس سنا مین نے آنحضرت سے اس حالت مین کہ

رسول کی ایک دعا

اٹھانے والے تھے دونون ہاتھ اپنے دعا کیلئے دعا فرماتے تھے یعنی وقت پہونچنے انکے کے یا نزدیک توقع آنے انکے کے یا الٰہی نہ مار مجھکو یہانتک کہ دکھادے تو مجھکو علی کو سلامتی سے پھر آ دین۔ نقل کی یہ ترمذی نے" یہ بھی کہدینا چاہتا ہون کہ

علی کی دعوت سے قبیلہ ہمدان اسلام قبول کرتا ہے۔

علی اس اہتمام سے بقول ابن خلدون خالد ابن ولید کے بھیجے جانیکے بعد روانہ کئے جا رہے تھے۔ یمن مین علی کی دعوت اسلام کی کامیابی کی اطلاع پر رسول نے سجدۂ شکر کیا اور تین مرتبہ السلام علی ہمدان فرمایا۔ یمن کا قیام اور انتظام اسکا مقدمہ ہوا کہ جناب رسالتمآب اقضاکم علی فرماتے۔

علی رسول کے اخلاق و شمائل کی شرح کرتے ہین۔

شواہد النبوۃ ملا جامی کی یہ روایت دلچسپ غور کرنے قابل ہے کہ "چون حضرت امیر بشرح اخلاق و شمائل رسول صلی اللہ علیہ السلام مشغول شد کعب الاحبار تبسم کرد حضرت امیر سبب تبسم پرسید کعب گفت بسبب این صفات کہ ما در کتب قدیمہ خود چنین یافتہ ایم۔ پس تصدیق کرد و ایمان آورد"۔

(قرۃ العیون وغیرہ)

بریدہ رسول سے علی کی شکایت کرتے ہین۔

واقعہ یمن کے متعلق ایک بات اور ذکر کی گئی ہے جس سے مورخین نے بعض مفید مواقع پر پناہ لی ہے اور وہ یہ ہے کہ منجملہ اسباب خمس کے ایک کنیز تھی جسے جناب امیر نے اپنے ذمہ رکھا۔ بریدہ معترض ہوا اور اس نے خالد ابن ولید سے بھی کہا۔ اگرچہ جناب امیر نے اسے جواب دیا کہ وہ مال خمس مین ہی تھی لیکن بریدہ کو تسکین نہ ہوئی اور جناب رسالتمآب کی خدمت مین شکایت کی۔ بقول مورخین رسول نے فرمایا "تو انکو دشمن نہ رکھ اگر تو ان سے دوستی رکھتا ہے تو انکی دوستی مین زیادہ کر اے بریدہ اسکا حصہ خمس مین سے زیادہ اس کنیز سے تھا"۔ بریدہ کی زبانی یہ بھی روایت ہے کہ شکایت پر حضرت کے رخساروں کا رنگ چمک اٹھا یعنی غضب سے اور فرمایا علی کی شان مین بدگمانی نہ کر اس لئے کہ مین ان سے ہون اور وہ مجھ سے ہین اور وہی تمہارے مولا یعنی معظم و مکرم اور رفیق ہین جس کسی کا مین مولیٰ ہون اسکا علی مولیٰ ہین"۔ یہ سنکر بریدہ کے نزدیک کوئی صحابہ مین سے نہ تھا کہ حضرت علی سے زیادہ دوست ہو"۔

شکایت سنکر شکایت کرنیوالے پر رسول کا غصہ

حجۃ الوداع کی جماعت۔ علی کو خبر بھیجی گئی

زمانہ حج قریب پہونچ گیا تھا۔ رسول نے اپنے ارادہ حج کا اعلان فرمایا اور علی کو جو یمن مین تھے خبر بھیجی۔ جہانتک روایتیں بتا سکتے ہین وہ یہ ہے کہ اس دفعہ رسول کے ہمراہ حج کو جانیوالی جماعت ایک لاکھ سے زیادہ تھی علی پہونچ گئے اور رسول کے پوچھنے پر کہ تمنے کیا نیت کی ہے فرمایا جو آپ نے نیت کی ہے۔ ارکان حج بجا لائے گئے اونٹ نحر کئے گئے اور شوربا اسکا پیغمبر خدا نے علی مرتضیٰ کے ساتھ تناول فرمایا"۔ اور عرفات مین ایک طویل خطبہ پڑھا جس مین فرمایا کہ

ایہاالناس! سنو۔ بلاشبہہ مین آیندہ اس سال کے بعد تم سے اس مقام پر ملنے کا یقین نہین کر سکتا ہون"۔ اسکے بعد قتل و غارت سے منع کیا۔ امانت داری مین ایمان داری کی تاکید کی۔ جاہلیت کا خون وضع کیا۔ سود کی ممانعت کی اور خود سے عباس ابن عبد المطلب کا سود اور ربیعہ بن الحرث بن عبد المطلب کا خون معاف کیا۔ عورت اور مرد کے حقوق کو واضح فرمایا۔ کسی کا مال لینے اور نفسون پر ظلم کرنے سے ممانعت فرمائی۔ اور ارشاد کیا کہ "مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہین"۔

عرفات کا خطبہ (ابن خلدون وغیرہ)

اثناء مراجعت مین غدیر خم پہونچے۔ موقع تھا کہ لوگ اپنے گھرون کو واپس جاتے لیکن رسول نے سب کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ میدان مین ہونکھا پالانون کا منبر بننے لگا۔ ہر شخص جو مناسک حج اور دیگر امورات مین جناب رسالتمآب کا خطبہ اور نصیحتین سن چکا تھا متحیر ہوا کہ اب یہان کیا ہونے والا ہے۔ رسول اس مقامی منبر پر تشریف لیگئے وہ تمام مجمع جو ساتھ آیا تھا اور جسکا شوق زیارت رسول کے اس اظہار سے اور بڑھ گیا تھا کہ "اس سال کے بعد تم سے اس مقام پر ملنے کا یقین نہین کر سکتا" دھڑکتے ہوئے دل۔ اٹھی ہوئی ایڑیان اور کھلے ہوئے کانون سے ایک ایک لفظ کو جو رسول کی زبان اقدس پر جاری ہوتا تھا بڑی پیاس کے عالم مین پیتا جاتا تھا مجھے یقین ہے کہ اگرچہ عربون کا مجمع بہت خاموش مجمع نہین ہوا کرتا لیکن اس موقع پر بجز خاموشی کے کوئی زبان نہ بولتی ہوگی اور رسول خدا کے الفاظ ہونگے جو میدان مین پھیلتے اور گونجتے ہونگے اور لوگ اپنے حافظہ مین ذخیرہ کرتے جاتے ہونگے۔

(مشکوٰۃ المصابیح)

رسول کے پہلے ہی استفہام پر لوگون کو عجب ہوگا وہ اپنے دلون مین کہرہے ہونگے کہ رسول کو ہماری طرف سے شبہہ کی کیا وجہہ ہوئی جو ہم سے پوچھتے ہین کہ "الستم تعلمون انی اولی بالمومنین من انفسھم" (کیا تم نہین جانتے کہ مین بہ نسبت مومنین کے نفس کے اُنپر اولی ہون) اور تاکید یہ ہے کہ اس سوال کی تین مرتبہ تکرار کی اور مجمع نے جواب دیا کہ "ہان آپ اولی بالمومنین من انفسھم ہین"۔ سوال کا مطلب اب کھلا جب رسول علی کیطرف پھرے اُنکی بغلون مین ہاتھ دیا اور اُٹھایا یہانتک کہ کل آنکھون نے وہ دیکھنا چاہتین یا نہ چاہتین یہ دیکھا کہ وہ بچہ جو روز ولادت سے انھین ہاتھون پر تھا آج پھر دست اقدس پر بلند ہوا ہے اور اُن کل کانون نے وہ سننا چاہتے یا نہ چاہتے سنا کہ "اللھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ (خداوندا جسکا مین مولا ہون پس اُس کا علی بھی مولا ہے) اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ (خداوندا دوست رکھ اُسے جو اُسے دوست رکھے اور دشمن رکھ اُسے جو اُسے دشمن رکھے مدد کر اُسکی جو

رسول اولی بالمومنین ہونیکا اقرار لیتے ہین۔

اثبات مین جواب

رسول کے سوال کی غرض اُسکی بلندی تھی جو لڑکپن سے انھین ہاتھون پر تھا۔

پُر معنی دعا۔

اسکے مددوے اور مخذول کرا اُسے جو علی کو چھوڑ دے) واوالتی حیث (اور پھیر حق کو ساتھ علی کے جس طرف وہ پھرے)

موسیٰ کی وداعی تقریر اور خاتم النبیین

تاریخ اپنے کو دوہرا رہی تھی موسیٰ نے اپنی آخری وقت مین مقام سیشم کو وداعی تقریر اور اپنی ہدایت کی تصدیق وغیرہ کے لئے چنا تہا جسکے ایک طرف کوہ آبل اور دوسری طرف کوہ گریزیم تھا اسرائیل کے چھ چھ قبیلہ ایک ایک پہر کھڑے ہے اور اپنے ہادی کے قول کے جواب مین آمین کہتے تہے۔ ہماری ہادی نے یہ گوارا نہ فرمایا کہ اپنی زندگی مین مسلمانوں کے مجمع کو دو حصوں مین تقسیم کرتے جو گویا جو دا اور اسرائیل کی حکومتوں کی پیشگوئی ہوتی۔ صرف تہنا رسول تھے جو فرما رہے تھے اور خم کی گھاٹیوں مین مسلمانوں کا ایک جسم تہا جو سخت دھوپ مین اپنے ہادی کے اولی ہونیکا اقرار کر رہا تھا اور ساپنے رسول مقنن اور جامع قوم کی زبان سے نہ صرف یہ سن رہا تہا کہ جسکا مین مولی ہون اسکے علی مولا ہین بلکہ اسکے علاوہ دوسرے لفظوں مین ایک مرکز پہچان رہا تہا کہ مین تم مین دو امر عظیم چھوڑے جاتا ہون ایک

مرکز سے ہوشیار کر رہے تھے۔

قرآن (مجموعہ قوانین) دوسری میری اہلبیت (عامل) اور یہ دونون ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے (یا یہ کہ اگر تم اُن سے تمسک کروگے تو گمراہ نہ ہوگے) توریت گنتی باب ۲۷ کی ۱۸ آیت مین تم پڑہوگے کہ جس وقت حکم خدا سے حضرت موسیٰ نے یوشع ابن نون کو اپنی امت کا پیشوا مقرر کیا (ہارون کی رحلت کے بعد) تو صرف یہ کیا تھا کہ یشوع کو لیکے الیعزر کاہن اور ساری جماعت کے سامنے کھڑا رکھا اور اپنے ہاتھ اُس پر رکھے اور اُسے جیسا خداوند نے اُسکو فرمایا تہا وصیت کی تاریخ اسلام رسول کریم کی تقرری کیوقت حالات کی تفصیل بیان کرتی ہے مگر پھر بھی مسلمانوں کو واقعہ اور تفصیل کے سامنے عذر کی ضرورت ہے۔

ایک زمانہ کے بعد لوگون نے شہادت دی۔

یہ واقعہ ایسا صاف اور صریح تہا کہ تاریخ الخلفا اور صواعق محرقہ کے موافق آیندہ زمانہ مین علی کے سوال کرنے پر حاضر الوقت تیس صحابیون نے گواہی دی یا شواہد النبوۃ کے موافق دس انصار نے تائید کی۔ صاحب روضۃ الصفا کوئی عجب خیز بات نہین کہہ رہے ہے کہ اس واقعہ کے بعد خیمہ نصب کیا گیا۔ لوگون نے مبارکباد دینا شروع کین جس مین سب سے ممتاز اور یادگار تہنیت حضرت عمر کی تہی بقول صاحب منہاج "ملاقات کی حضرت امیرالمومنین علی سے امیرالمومنین عمر نے بعد حکایت کی اور کہا گوارا ہوا اور شاد رہو اے ابو طالب کے فرزند کہ صبح کی تم نے اور شام کی اور ہوئے تم مولا تمام مومنین کے کیا مرد کیا عورت۔ روایت کیا ہے اس حدیث کے تئین احمد نے براء ابن عازب سے اور زید بن ارقم سے کذا فی المشکوٰۃ" یہی دن تہا جس مین مورخین مثل طبری و تاریخ الاسلام مولوی عباسی صاحب قائل ہین کہ آیہ الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہوا۔ کیونکہ "یا ایہا الرسول بلغ ما

خیمہ نصب کیا گیا مبارکباد دی گئیں

یہ اکملت لکم دینکم اسی دن نازل ہوا۔

انزل الیک من ربک ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس" کی ایسے سخت موقع پر تعمیل کیگئی تہی" واللہ یعصمک من الناس" (اللہ تجہے لوگون سے بچائیگا) نہایت توجہ کے قابل فقرہ ہے جس سے اس پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ رسول نے جو کچہہ آج کیا اُسکا کرنا بہت مخوفانہ تھا۔

آیت کی تسکین دہی

واقعہ غدیر پر ہم کوئی مزید بحث نہین کرتے جسے ہم "الکرار" اور "امامت تاریخی حیثت سے" مین کافی حد تک کر چکے ہین۔ وہ جو واقعہ غدیر مین رسول کے صاف اور صریح طرز عمل اور لوگون کے مسرورانہ مبارکبادونکو ایسا واقعہ نہین سمجہتا جسے عالم مین تاریخ اپنی ضرورتون کے وقت دُہرایا کرتی ہا جو اس موقع پر رسول کے ایسے بالاعلان نمایش کو علی کے متعلق رسول کے اقوال اور افعال کا نشو نہین دیکہہ سکتا اُسکے لئے کوئی بحث اور مثال بکار آمد نہین ہوسکتی۔ مین اپنا خیال رائٹ آنریبل سید امیر علی صاحب کی اسپرٹ آف اسلام سے پیش کرتا ہون اور بس۔ ممدوح فرماتے ہین:۔

"یہ عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ رسول نے ولیعہد نامزد نہین کیا۔ لیکن یہہ واقعات کا ایک غلط توہم ہے۔ کیونکہ اسکی کافی شہادت ہے کہ رسول نے اکثر ولیعہدی کے لئے علی کیطرف اشارہ کیا خصوصاً حجتہ الوداع کی واپسی کے موقع پر۔ اس جگہہ جسے خم کہتے ہین ٹہر گئے اور مجمع مین جو الفاظ فرمائے اِس سے اُنکے ارادہ ولیعہدی مین شبہہ کی گنجایش نہین رہتی ہے"

تاریخ اسلام کو اسکا افسوس ہونا چاہئے کہ ایک ایسے مسئلے کے متعلق جسے ہمارے مقنن نے واضح سے زیادہ صاف کر دیا تہا اور نہ صرف قول بلکہ فعل سے اُسکا ترجمہ فرما دیا تہا۔ زمانہ کو اِسکی ضرورت ہوتی کہ کر اختلاف کیا جاتا۔

تاریخ اسلام کے تاسف کا موقع۔

یہ ہم پیشتر کہہ چکے ہین کہ واقعہ عقبہ بعض مورخین کے موافق حجتہ الوداع کے بعد ہوا۔ اگر واقعہ تبوک مین جناب امیر تہوڑے دنون کے لئے قایمقام بنائے گئے تہے اور مشہور حدیث سے آیندہ کی ولیعہدی پر روشنی ڈالی تہی تو واقعہ غدیر مین ولیعہدی کے رسومات عملاً برتے گئے تہے۔ یہ باتین اُن لوگون کیلئے خوش آیند نہ ہوسکتی تہین جو اسلام لانے کو اِس شرط سے مشروط کرنا چاہتے تہے کہ "تو پہر ہمنے اپنے بعد اپنا خلیفہ بناؤ" جو زیادہ جہونٹے موٹے لفظون مین یہ ظاہر تو نہین کیا لیکن امارت کے لئے سر وا ہین سینہ مین رہ نہ سکین۔ اب اُنکے لئے اِس سے زیادہ کونسی بڑی چوٹ ہوسکتی تہی کہ وہ ذوالعشیرہ کے بالاعلان خلیفہ کو رسمی ولیعہدی دیکہتے اور خواہ مخواہ چہرے پر بشاشت اور خوشوقتی کے آثار ظاہر کرنے پڑتے اگرچہ دل امتحاں

تبوک اور غدیر مین اعلان اور ادائے رسم کا تہوڑا فرق تہا۔

واقعہ عقبہ کی ملتوی وجہ بیان کی گئی

واقعہ عقبہ مین رسول پر حملہ کی غرض۔

اور بیٹھا جاتا۔ بہت غور سے اِس کا اندازہ کرو کہ واقعہ عقبہ ظاہری دشمنون کا کام نہ تھا کیونکہ وہ تو خود سے پیچھے رہ گئے تھے اور تبوک یا حجۃ الوداع ہی کے بعد انکا یہ مصمم ارادہ کہ رسول کو شہید کرین اور کیا وجہ عداوت سمجھا سکتا ہے بجز اسکے کہ جب ہماری اُمیدین خاک مین مل گئین تو ہم اپنی حسرت کا انتقام کیون نہ لین اور پھر آیندہ کی فکرین کرین۔ تم یہ بھی سمجھ چکے ہو کہ منافقین کا نام چھپ جانا محال تھا۔ اب اسکے بعد جو

آیندہ کے متعلق انعکاس۔

واقعات بیان ہونگے اُنکی ضبعت تمھین مخالفت کے اندرونی شدید بھید بھرے ہوئے دیارون کا حال بتائنگے اور تمھین بہت سے اگلے پچھلے واقعات کیسے ہی چھپائے ہوئے یا کیسے ہی محتاط لفظون مین کیون نہ بیان کئے گئے ہون یا کسی روشنی مین کیون نہ مورخین نے پیش کئے ہون سمجھ مین آجائنگے۔ تم آدمی پہچانوگے۔ تم لوگون کے متعلق رسول کا خیال سمجھوگے۔ اور تمھین اُسوقت اخلاص کا درجہ اور مقدار سمجھنے کا ترازو ملجائیگا۔
واقعات گذشتہ تمھارے مددگار ہونگے۔ تمھارے سوچنے مین صواعق محرقہ کی یہ روایت بھی معین ہوگی جو ابو سعید خدری سے مذکور ہے کہ "منافق را بہ ابن شناختم کہ امیر المومنین علی را دشمن میداشت" [٨٢]

حجۃ الوداع کے بعد ہادی کی حیات

ہادی عالم واقعہ غدیر کے بعد بہت دنون تک اہل عالم کے لئے زندہ نہ رہا۔ زیادہ سے زیادہ مدت تیراسی [٨٣] دن اور کم سے کم ستر دن مین۔

دروازون کے بند کرنیکا حکم علی کو مستثنے کرکے۔

انھین دنون مین جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ جن لوگون کے دروازے مسجد کیطرف ہین وہ بند کرلین۔ اسکے بعد بقول روضۃ الصفا "الا خانہ علی۔ فرمود کہ مرا از صحبت او گریز نیست و او را از صحبت من"۔ بقول مناقب مرتضوی "یہ امر صحابہ کو شاق گزرا"۔ اگرچہ جناب رسالتمآب نے فرمایا تھا کہ مین نے بحکم خدا کہا ہے۔ مظاہر الحق ترجمہ مشکوۃ المصابیح مین ہے کہ "عمر نے درخواست کی کہ اپنی دیوار مین ایک روزن چھوڑ دین تاکہ دیکھ لیا کرین آنحضرت کو اُسوقت کہ آدین مسجد مین پس فرمایا آنحضرت نے کہ چھوڑین اگرچہ مقدار انگشت سوئی کے ہو"۔ اسی کتاب مین ہے کہ پوچھے گئے ابن عمر کہ کیا کہتے ہو بیچ حق عثمان اور علی کے پس بیان کیا یہ حدیث بعد اسکے کہا مت پوچھو حال علی کا اور قیاس نہ کرو کسی کو اُنپر بند کئے دروانے سبکے سوا دروازہ اُنکے"۔ علی کے لئے اس امتبار کا بھی ہونا تاریخ اسلام کے جاننے والے کے لئے عجب خیز نہ ہوگا اور اگر فن حدیث مین دلچسپی ہو تو

حضرت عمر کی درخواست مستثنی کی گئی۔

بعض احادیث (صواعق محرقہ)

یہ احادیث معدودیکی کہ "انا مدینۃ العلم (یا انا دار الحکمہ) وعلی بابہا" (مین شہر ہون علم کا یا گھر ہون حکمت کا اور علی اُسکے دروازے ہین) یا "لا یحل لاحد ان یجنب فی ھذا المسجد غیری وغیرک" (حلال نہین ہے کہ کوئی حالت جنب مین ہو اس مسجد مین سوائے میرے اور تیرے) یا علی

باب حطہ من دخل منہ کان مومنا و من خرج منہ کان کافرا" علی باب مغفرت اور حطہ ذنوب ہین جو کوئی اِس دروازہ سے داخل ہوا اور اُسکی متابعت کی وہ مومن ہے اور جو شخص کہ اُس سے باہر نکل گیا اور پیٹھ پھیری وہ کافر ہے) اس سے معلوم ہوگا کہ اُس کیلئے مسجد کا دروازہ بند نہین کیا جا سکتا تھا جو پُر معنی استعارون مین دروازہ کہا گیا ہے۔ اب دوسرا سوال یہ باقی ہے کہ پھر کیون لوگ ایسے تھے جو دروازہ جہان سے وہ رسول کی نقل و حرکت دیکھ سکتے تھے اور پاس پہونچ جاتے تھے اِس سختی سے روکے گئے دراں حالیکہ ایک سوراخ کی اجازت مانگنے والے بعض مورخین کے نزدیک آنا بک اعظم سے کم نہ تھے۔ کہ سے کم ایسے شخص کو جسکے متعلق مظاہر الحق مین ابن عساکر سے علی کی زبانی کہلوایا گیا ہے کہ "قرآن ایک سائہ عمر کی رائے مین سے ہے"۔ یہ امتیاز دینا چاہئے تہا کہ اِنکا مسجد کی طرف والا دروازہ کُھلا رہنے دیا جاتا خصوصاً ایسی حالت مین جبکہ اُنھون نے ایسی التجا کی تہی۔ اسکے برخلاف بغیر کسی ایسی التجا کی اُسکا دروازہ کُھلا رہنے دیا گیا جسے بیشتر امتیاز دیے گئے تھے اور جس کے متعلق مرض موت مین ایک مجمع کے سامنے ہاتھ پکڑ کر بقول صواعق محرقہ فرمایا تہا کہ "ھذا علی مع القرآن والقرآن مع علی لا یفترقان حتی یردا علی الحوض فاسئلھما کیف خلفت فیھما" (یہ علی قرآن کے ساتھ اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔ یہ دونون آپس مین جدا نہ ہونگے جب تک میری پاس حوض کوثر پر وارد نہ ہون پس پوچھونگا کہ میری بعد تم نے اِن سے کیسا سلوک کیا) مین اِس دوسرے سوال کا جواب مناسب وقت کے لئے اُٹھا رکھتا ہون۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تپ اور دردِ سر مین مبتلا ہوگئے اب موقع تہا کہ دوسری وزیر اعظم جنہون نے ہجرت مین مشہور اونٹ مشہور قیمت پر پیشکش کی تہی۔ جنپر غار کی مصاحبت مین مشہور کیفیت طاری ہتی اور جنہین رات کو سانپ نے کاٹا اور صبح تک بجائے اسکے کہ زہر کا اثر ہوتا درد بڑھتا رہا۔ جنہون نے سراقہ کا معمول سے زیادہ ہیبت سے خیر مقدم کیا۔ رسول سے تیمار داری کی التجا کرتے۔ لیکن حیرت یہ ہے کہ بقول روضۃ الصفا اس زمانہ تک کے مشہور حلیم کی درخواست بھی منظور نہ فرمائی اور مدارج النبوۃ کے ان خرادے ہوئے لحن اور سطح الفاظ مین جواب دیا۔ "ای ابوبکر اگر مین تیمار داری بغیر اہل بیت کے کسی کو فرماؤن تو مصیبت اُنکی زیادہ ہوگی" لیکن حیرتون کی حیرت اِس سے بڑھ جاتی ہے کہ عام مورخین نے اِسپر طرح سے زور دیا کہ رسول زمانہ علالت کو بجز حضرت عایشہ اور کسی کے گھر صرف نہ فرمانا چاہتے تھے۔ اور مورخین یہ بھی کہتے ہیں کہ اہلبیت میں ازواج بھی شامل ہین پس اگر رسول حضرت عایشہ کے گھر اپنی بیماری مین تشریف فرما تھے اور وہ

پُر معنی استعارہ

بہت سی رائے بہت سے قرآن بنا کرے۔

رسول پوچھینگے کہ تم نے علی کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔

بیماری کی علالت۔

حضرت ابوبکر کی درخواست رد کیگئی

استنباطی حیرت

اہلبیت مین داخل تھین تو حضرت ابوبکر کو حضرت عایشہ کے گھر مین داخل ہونے سے روکنا کیا معنی جن سے شرعاً کوئی پردہ نہ تھا سب جانتے ہین کہ صدیق اور صدیقہ باپ بیٹی تھین۔ اِس سے کیا کچھ معلوم ہوتا ہے بالفعل مجھے کہنے کی ضرورت نہین لیکن اِس سے اہلبیت کے معنی معلوم ہوتے ہین۔ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ ایسی درخواست جسکے قبول کرنے مین بظاہر کوئی عذر نہین کرسکتا منظور نہ کیگئی۔ اب انکار معنی پیدا کرتا ہے۔ معنی تلاش کرنا غور کرنیوالے اور پس و پیش کر واقعات مین ڈوبنے والے کا کام ہے۔ یہ منظور کرنے کے بعد بھی کہ جناب رسالتمآب حضرت عایشہ ہی کے گھر تشریف رکھتے تھے یہ پیچیدگی کم نہین ہوتی کہ کیون سرکاری طور سے باپ کو اسکی اجازت نہ دیگئی کہ وہ بیٹی کے گھر مین داخل ہوتا جبکہ یہ انکار اشتراک اور اجتماع کا سد باب سمجھا جاسکتا تھا۔

ایک معترض کے نزدیک انکار کے معنی۔

جناب رسالتمآب کے علالت کی تاریخ ۲۸ صفر اور رحلت کی تاریخ ۲ یا ۱۲ ربیع الاول بتائی گئی ہے۔ ہم مورخین کے قول کے موافق مذکورہ صدر تاریخ کے لحاظ سے واقعات کا اندازہ کرنا ہوگا۔

تاریخ علالت

گذشتہ اوراق مین اسکا اشارہ کیا گیا کہ سنہ ۸ ہجری مین غزوہ موتہ واقع ہوا اور زید ابن حارثہ شہید ہوئے ۲۶ صفر سنہ ۱۱ ھ مین دوبارہ مخالفین کے شورش کی خبر ملی۔ رسول نے اُسامہ ابن زید کو بلایا اور انھین ایک لشکر کا امیر کر کے حکم جنگ دیا۔ لڑائی مقام اُبنی پر ہونیوالی تھی جو اہل روم کے قبضہ مین تھا اور جہان زید مارے گئے تھے۔ موضع جرف مرکز لشکر قرار دیا گیا اور "حکم عالی یون صادر ہوا کہ اعیان مہاجر و انصار مثل صدیق اکبر۔ اور عمر فارق اور عثمان ذو النورین۔ اور سعد ابن ابی وقاص اور ابو عبیدہ جراح وغیرہم سب زید بن حارثہ (اُسامہ) کے ہمراہ جاوین مگر علی مرتضیٰ کے تئین ہمراہ نہ کیا"۔ تمام مورخین بہ استثناء مترجم ابن خلدون کے قائل ہین کہ جناب رسالتمآب نے جناب امیر کو یا ہمراہ نہ کیا یا تیمارداری کے لئے رکھ لیا خود مترجم اپنے نوٹ مین قائل ہوا ہے کہ "لیکن علالت کی وجہ سے آپ نے با جازت اُسامہ علی و عباس رضی اللہ عنہما کو تیمارداری کی غرض سے مدینہ مین رکھ لیا تھا باقی اور اجلہ اصحاب اُسامہ کے ہمراہ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اسامہ مدینہ سے ایک کوس چلکر جرف مین ٹھہر گئے اور وہان سے ابوبکر و عمر وغیرہما رضی اللہ عنہم اُسامہ سے اجازت لیکر رسول اللہ کو دیکھنے آتے تھے اور پھر چلے جاتے تھے اِس منزل سے اُسامہ کوچ کرنا چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلعم کا انتقال ہوگیا"۔ یہ بات لوگون کی خاطر پر گران گذری کہ پیغمبر خدا نے ایک غلام کو اکابر مہاجرین و انصار پر امیر گردانا۔۔۔ جب یہ اخبار سمع مبارک مین پہونچے خاطر مبارک سخت رنجیدہ ہوئی اور غصب مین آگئے اور باوجود تپ اور درد سر گھر سے سر مبارک اپنا عصابہ سے باندھکر باہر آکر اور منبر پر رونق

جیش اُسامہ

بہ استثنائے علی شاہیہ اصحاب کو زید کی ہمراہی کا حکم دیا۔ (مشاہیر)

[illegible] اعتراض جسپر [illegible] ثانی الدین حضرت [illegible] نے کوئی عذر نہ کیا

افزور ہوئے اور خطبہ پڑھا اور فرمایا اے معشر الناس مجھے اُسامہ کو جو امیر بنایا تم اُس سے انحراف کرتے ہو اور اُسکے باپ کی امارت مین بھی غزوہ موتہ کے درمیان سخن کرتے تھے تم یہ کیا بات ہے قسم خدا کی کہ وہ سزاوار ہے امارت کا اور اُسکا باپ بھی سزاوار امارت تھا" روایت ہے کہ حضرت عمر اپنے دوران خلافت مین اُسامہ کو دیکھ کر "السلام علیک یا ایہا الامیر" کہتے تھے۔ اور اُسامہ جواب دیتے تھے "غفر اللہ لک یا امیر المومنین" بقول ابن خلدون جب اُسامہ کے متعلق رسول نے فرمایا کہ "اگر اُسکا باپ لائق امارت تھا تو یہ بھی قابل امیر ہونیکے ہو جاتے چلو اُسامہ نے یہ سُنتے ہی کوچ کا حکم دیا اور جرف مین پہونچ کر پڑاو کیا۔ کہا گیا ہے کہ سرور عالم کا خطبہ دسوین تاریخ ربیع الاول کو ہوا۔ "صبح کے دوشنبہ کے روز پھر آیا (اُسامہ) اور حضرت کو تھوڑی تخفیف حاصل ہوئی تھی اُسامہ کو حضرت نے وداع کیا اور فرمایا اغز علی برکتہ اللہ (جنگ کر خدا کی برکت پر) اور اُسامہ حضرت کی زبان کے مطابق لشکر گاہ کو پھرا اور اُس نے حکم کیا کہ لشکر کوچ کرے اور جب چاہا کہ اب سوار ہوئے اُسکی مان اُم ایمن نے پیغام بھیجا کہ رسول خدا نزع مین ہین اُسامہ پھر پھرا اور اعیان اصحاب بھی پھر آئے اور ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اور امثال اُنہون کے خود مدینہ ہی مین تھے۔" اور جب ابن خلدون پڑھو گے تو معلوم ہوگا کہ دوشنبہ کے دن بعد نماز صبح ابوبکر "اپنے اہل کے پاس سنح چلے گئے۔" بعض تاریخین یہ بھی کہتی ہین کہ جناب رسالتمآب نے سعد ابن عبادہ کو امیر مقرر فرمایا کہ لوگون کو گھرون سے بلا کر اُسامہ کے ہمراہ بھیجو۔

انحراف پر تنبیہ۔

حضرت عمر کا اسلام اور پُر معنی جواب

(قرۃ العیون)

اِس واقعہ کے ذکر سے مین خود سمجھنے کے لئے سوال کرتا ہون کہ کیا وجہ ہوئی ہو باوجود اسکے کہ جناب رسالتمآب نے ۲۶ صفر کو حکم دیا تھا مگر گیارہ ربیع الاول تک فوج روانہ نہ ہوئی۔ درانحالیکہ اسکے قبل بنی قریظہ وغیرہ کی جنگ بتاتی ہو کہ صرف حکم دینے کی دیر ہوتی تھی اور کچھ دیر کے بعد لشکر روانہ ہونے کے لئے مستعد ہو جاتا تھا۔ اِس واقعہ مین دیر کی تو وجہ نہین بتائی گئی ہے کہ تجہیز لشکر کی وجہ سے دیر ہوئی اگر کوئی یہ عذر بھی کرے تو یہ عذر اِس خیال سے قابل پذیرائی نہین ہے کہ رسول کے خطبہ کے بعد اُسامہ نے کوچ کیا اور جرف مین پڑاؤ ڈالا۔ اگر سامان کی کمی دیر کی وجہ ہوتی تو درستگی کے قبل اُنکا کوچ کرنا اور پڑاؤ ڈالنا کوئی معنی نہین رکھتا۔ اب روانہ نہونیکے اغراض حل طلب ہین۔

عدم روانگی کی وجہ تجہیز لشکر نہین ہوسکتی

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اُسامہ یعنی اِس لشکر کے سردار کیوجہ سے دیر ہوئی تھی؟ نہین بلکہ وہ ایک وفادار سپاہی کی طرح حکم پاتے ہی روانہ ہوگیا۔ اور جرف مین پڑاؤ ڈالنے کی یہ وجہ ہوئی کہ

لشکر کا امیر دیر کا سبب نہ تھا۔

جب بقیہ لوگون کو جنہین کچھہ دیر ہوئی ہے لشکر کے روانگی کی خبر معلوم ہوگی تو جلدی کرینگے اور اسکے بعد یہان سے لشکر روانہ ہو سکیگا۔ پھر تو کیا عام سپاہونکی تساہلی کی وجہ سے سردار لشکر رواد نہو سکتا تہا۔ اسے بہی اُسامہ کی روانگی اور پڑاؤ قطعاً کاٹ دیتا ہے۔ اور تاخیر کی پہلی تاریخی وجہ جو سمجھہ مین آتی ہے وہ اُن لوگون کا اعتراض ہے جو خیال امتیاز کو رسول کی حکم پر مقدم رکھتے تہے۔ مؤرخین نے ہمراہی کے حکم مین جن مخصوص اصحاب کا نام بتانا مناسب سمجہا ہو اُنہین پانچ نام ہم لکھہ چکے بقیہ نام یہ ہین۔ سعد ابن زید۔ قتادہ بن نعمان اور سلمہ بن اسلم بن حرث۔ مشکل سے قیاس کیا جاسکتا ہو کہ سعد ابن وقاص یا قتادہ ابن نعمان کا ایسا سپاہی فوجی کارنامے کی شرکت مین کوئی تامل کرے اور نہ آیندہ وقت جسکا ذکر کرنے والے ہین انسے اِس طرح متعلق ہے کہ انپر کسی خاص وجہ سے روانہ نہ ہوسکنے کا شبہہ کیا جاسکے ہم سعید ابن زید اور سلمہ بن اسلم کے متعلق بہی کچھہ نہین کہہ سکتے اِس لئے کہ نہ پیشتر نہ بعد اسکے واقعات نے کسی کو متردد کیا ہے اور نہ یہہ کوئی مخصوص حالت مین پائے گئے ہین۔ زیادہ سے زیادہ جو انپر الزام لگایا جا سکتا ہے وہ یہ ہو کہ ممکن کہ یہ بہی اِس اعتراض مین شریک ہون کہ ہمپر ایک غلام کو امیر کیا ہے اور اسکے بعد تاکیدی حکم نے انہین مستعد کردیا ہو۔ حضرت عثمان جب عموماً میدان جنگ کے مواقع پر امتیاز سے نہین دیکھے گئے ہین تو ہمین البتہ انکی عدم روانگی پر زور دینے یا اعتراض کرنے کا کوئی حق نہین ہے لیکن سوال یہین ختم نہین ہوجاتا۔ بلکہ اب ایک دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا رسول اپنے اصحاب کے قابلیت شناس تہے یا نہ تہے ؟ کوئی باحواس آدمی یہ نہین کہہ سکتا کہ بغیر طبیعت شناسی اور اندازہ قابلیت کے کوئی بڑا ہو سکتا ہے نہ کہ ہمارا ہادی جسکی انبوہ صفات مین یہ صفت نہایت مخصوص ہتی۔ پہر جب رسول جانتے تہے کہ حضرت عثمان مین صفت شجاعت تلاش کرنا بہت کچھہ چاہتا ہے تو پہر بہی انہین کیون روانگی حکم دیا۔ کیا یہہ ایک بے معنی حکم تہا جو یہی سوال حضرت عمر اور ابوبکر کے متعلق اپنے کو دُہراتا ہے۔ مورخین نے اپنے طرز عمل سے ہمین یہ سوال کرنیکا موقع دیا ہے کہ کیون دونون کے دونون حضرات ایسے دور کے مقام پر بہیجے جارہے تہے درانحالیکہ امیر نہ تہے بلکہ ماموٗر تہے اور رسول کو مطلق انکا کوئی تاسف نہ تہا کہ رائے اور مشورہ لینے کے وقت انہین سے کوئی نہو جنہین سے ایک کے متعلق مولوی شبلی صاحب الفاروق مین فرماتے ہین کہ "انتظام اشاعت اسلام مین ایک واقعہ بہی ایسا نہین جو حضرت عمر کی شرکت بغیر انجام پایا ہو"۔ سوچا جاسکتا ہے کہ شدید علالت اور آخری اوقات

تاخیر کی ایک وجہ

کون تساہلی کرسکتا تہا

مین معتبر لوگون کو قریب رہنے کی سخت ضرورت ہوتی ہے اور اُس وقت کا ہر لفظ مفید اور اُنکی بجا آوری
ایک خدمت ہوتی ہے ایسے وقت ایک نبی مصلح اخلاق اور قوم گر کو کس قدر وصایا کی ضرورت ہو سکتی ہے
لیکن ایسے وقت خصوصیت کے ساتھ انکی روانگی کو حکم اور ماموریت سے انکی رائے کا وزن اُس سے
بالکل الگ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ مورخین نے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اور انکی روانگی اِس مجبوری سے
تھی کہ ان سے زیادہ بلاعتبار فوجی افسر کا ملنا دشوار تھا۔ اب خواہ مخواہ گذشتہ واقعات سامنے آجاتے ہیں
کہ ایک بزرگ کو اتنی اجازت نہین ملتی کہ وہ رسول کے دولت سرا کی طرف ایک سوراخ رہنے دین تو دوسرے کو
یہ رخصت نہین ہے کہ وہ تیمارداری کر سکین اگرچہ اُنکی بیٹی ہی کے گھر کیون نہ ہو۔ کیا اسکے معنی یہ ہو سکتے ہین
کہ رسول نے ایک کو اگر اس سے روکا تھا کہ وہ ہر وقت نقل وحرکت کا نگران نہ ہو تو دوسرے کو نہ صرف اِس
خیال سے بلکہ اِس سے بھی روکا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کے پاس جاکر کسی ایسے خیال مین مشترک نہ ہوجائے جو
موقع بینی کہی جاسکے۔ بلحاظ اسکے کہ حضرت حفصہ اور عایشہ داخل ازواج تھین حضرت عمر اور ابوبکر کا
موقع ایسے ناقد کے سامنے نہایت ہی نازک ہے جو کسی ایسے اجتماع اور اشتراک کو جو کسی حسب منشا اختیار کی
رحلت یا علالت کے وقت ہو سیاسی نگاہ سے دیکھنا چاہتا ہے۔ علی کے متعلق روضۃ الصفا کا یہ فقرہ
کہ "مرا از صحبت او گریز نیست" اگر صحیح ہے تو یہ فقرہ سمجھنے کے عنصر مین اپنے عکس سے مدد دیتا ہے کہ کچھ
لوگ جنکے دروازے مسجد کیطرف تھے ایسے تھے جنکی صحبت سے رسول کو گریز تھا۔

رسول کو علی کی صحبت سے گریز نہ تھا۔

یہ کوئی راز نہین ہے کہ جناب رسالتمآب کے ازواج کی دو پارٹی تھی اور اِن مین بعض ایسی تھین جن سے
سرورِ عالم کو کچھ بہت راحت نہ تھی اِن مین سے ایک پارٹی کی طرف حضرت ام سلمہ تھین اور دوسری طرف
حضرت عایشہ اور حفصہ وغیرہ۔ مشکوۃ المصابیح سے معلوم ہوگا کہ حضرت زینب نے ایک مرتبہ جناب
رسالتمآب کے لئے شہد مہیا کیا اور جناب سرورِ عالم دیر تک انکے گھر تشریف فرما رہے اور حضرت عایشہ
کو رشک ہوا اور اتفاق کیا حفصہ سے کہ آنحضرت جس کے پاس ہم مین سے آدین تو کہے کہ آپ مین سے
بومغافیر (بدبودار گوند) کی آتی ہے۔" سورہ تحریم اسکے سمجھنے مین اور مدد دیگا۔ اسیطرح زمانہ علالت
مین یہ واقعہ بھی غور کے قابل ہے کہ "عایشہ سے آیا ہے کہ پیغمبر میرے گھر سے باہر نکلے اور مین حضرت کے پیچھے
نکلی غیرت کی جہت سے کہ کہین ایسا نہ ہو کہ حضرت اپنے قبیلون سے کسی بی بی کے یہان جاوین یہانتک
کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقیع کو پہونچے اور بہت دیر کھڑے رہے اور تین بار اپنے دست مبارک

ازواج رسول کی دو جماعت۔

(منہاج)
رسول کی نقل وحرکت پر نظر۔

اُٹھائی اور دعا کی اور وہان سے پھرے مین بھی پھری اور حضرت کے پہونچنے سے آگے گھر مین ہونچی اور سو گئی۔ متعاقب میرے حضرت بھی آئے اور جب رسول خدا نے اثر اضطراب اور تنگی نفس کے تئین میرے دریافت کیا پوچھا ای عائیشہ کیا حال ہے اور کیا ہوا جو مضطرب معلوم ہوتی ہو صورت حال مین نے عرض کی فرمایا وہ سیاہی جو مین نے اپنے آگے آگے دیکھی تھی مگر تو تھی ؟

مین نے کہا ہان یا رسول اللہ پس رسول خدا نے ایک ہاتھ عنف (درشتی) سے میری سینہ پر مارا اور کہا تو نے گمان کیا تھا کہ خدا اور رسول خدا تیری حق مین ظلم کرتے ہین"! ایک روایت مین یون آیا ہے کہ حضرت نے عائیشہ سے فرمایا کہ شیطان نے تجھے اِس بات پر گماشتہ کیا ہے"۔ یہ مثالین اس سمجھنے کیلئے دی گئی ہین کہ حضرت عائیشہ کی ایک پارٹی تھی اور کیسے ہی حسن ظن سے کیون نہو لیکن رسول کے نقل و حرکت پر غور سے نظر رہتی تہی اور یہ کوشش تھی کہ رسول انکے ارادہ سے مطلع نہ ہو جائین ایسے جاسوسانہ فعل کے علم پر اگر رسول نے اپنے شبہات کو واقعہ سے زیادہ وزن دیا بھی ہوتا ہم اسکا الزام کسی طرح رسول پر نہین ہو۔ غرض اور ارادہ پر مطلع ہونا یا تو اسپر منحصر تہا کہ اُس سے دریافت کرتے جسپر کسی قسم کا شبہہ ہوا اور اُس جواب پر قناعت کر لیتے جو دیا گیا یا اُن اسباب پر نظر ڈال کر جن سے موجودہ واقعہ کا سمجھنا آسان ہو اخذ نتائج کرتے۔ روائتین ہین کہ جناب رسالتمآب اس سے کشیدہ ہوئے کہ بعض ازواج نے بعض باتون کو ظاہر کر دیا جو رازانہ کے طور پر حوالہ کی گئی تھین۔ کیا ان حالتون نے رسول کو اِس حکم پر آمادہ کیا تھا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ابھی بظاہر قابل قبول خواہش مین مایوس کئے جاوین اور رسول حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کو ہر وقت کا نگران سمجھکر اسکی احتیاط کرتے ہون کہ کہین یہ لوگ اپنے اپنے باپ سے ملکر کسی ایسی کارروائی پر آمادہ نہ ہون جو رسول کی خواہش اور منشا کے خلاف ہو۔ اور اُنھین انکے مخفی لفظون پر اطلاع نہ ہو۔ حیرت خیز تائید منہاج النبوۃ کے اس فقرہ سے ہوتی ہے جب عائشہ حفصہ سے عمر کے نماز پڑہانے کی سفارش کرتی ہین اور رسول فرماتے ہین کہ تم اے گروہ مستورات مولعب یوسف ہو یعنی اپنی بات پر پائداری کرتی ہو اور دل مین کچھ رکھتی ہو اور باہر کچھ کہتی ہو"۔ مجھے کوئی شبہہ نہین کہ عجب نہین ہے کہ معترضین امارت اُسامہ مین حضرت عمر اور ابوبکر اس لحاظ کے جوش مین مخصوص نمود رکھتے ہون کہ وہ رسول کے خسر تھے اور اس لئے محض اس رشتہ کی بنا پر امید وار امتیاز ہون۔ لیکن رسول کی سخت رنجید گی۔ غضب اور درد سر کے باوجود پُر تقسیم الرحمٰن امید امتیاز کو

رسول کا حضرت حفصہ اور عائشہ اور تون کو متعلق مخاطبہ۔

قائم نہ رکھ سکا ہوگا۔ اور سمجھا دیا ہوگا کہ محض رشتہ اور ایسا کمزور رشتہ رسول کے ہاتھوں ممتاز نہیں ہو سکتا جب تک مخصوص اسلامی خدمات سے مؤید نہ ہو۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول انہیں کیوں مدینہ طیبہ سے دور بھیجتے تھے اور یہ کیوں روانہ نہونے کو اولی سمجھتے تھے؟ اور باوجود حکم روانگی یہ لوگ کیوں بقول مترجم ابن خلدون میں رسول اللہ کو دیکھنے آتے تھے اور پھر چلے جاتے تھے۔" آیا یہہ آنا اور دیکھہ جانا محبت سے تھا؟ ان تنقیحات کے جواب چند روز بعد کے واقعات نہایت صفائی سے دے سکیں گے بالفعل ہم جس امر کی طرف توجہہ دلاتا ہے اسکا بدیہی تضاد کسی طرح قابل تسکین نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ جرف سے آتے اور دیکھہ جاتے تھے اور انھیں صریح حکم روانگی دیا جاچکا تھا جسکی بنا پر یہ پڑاؤ میں مقیم تھے۔ تو ساتھہ ہی ساتھہ یہ امامت مسجد میں رسول کی قایمقامی کیسے کرسکتے تھے اور یہ بھی فرصت تھی کہ نہ بھی ہوا کرتی۔ اور ایک صریح حکم کے سامنے آیا یہہ امامت مسجد اگر واقعہ بھی ہو رسول کے علم حکم اور خواہش سے سمجھی جاسکتی ہے۔ اور کیسے بقول ابن خلدون تیرہ نماز اور بقول مجموعہ کامل آٹھہ دن اور بقول مناہج تین دن قبل رحلت و نیز تیرہ تک ابوبکر نے نماز پڑھائی۔ اور ابوبکر کی امامت مسجد کا حکم مجموعہ کامل کی اس روایت سے کیونکر ہم آہنگ ہو سکتا ہے جسمیں بلال سے رسول فرماتے ہیں کہ " ابن خطاب سے تو کہہ دے کہ لوگوں کو نماز پڑھا دے"۔ اور خود اس روایت کو اس سے کیسے موافقت ہو سکتی ہے جیسا مناہج میں ہے کہ جب رسول نے عبد اللہ ابن ربیعہ (وہی جسنے عثمان کے انتخاب کے لئے ابن سرح کی تائید کی) کو ابوبکر کے نماز پڑھانے کا حکم دیا اور اس نے انھیں نہ پاکر عمر سے کہا اور عمر کی بلند آوازی جب رسول کے سمع مبارک میں پہونچی تو فرمایا "آیا (انکار) رکھتا ہے خدا تعالی اور ابا رکھتے ہیں مسلمان مگر ابوبکر کو"۔ اور ابن خلدون دلچسپی میں یہانتک اضافہ کرتا ہے کہ دسویں روز جب درد کچھ خفیف ہو جانے سے حضرت باہر تشریف لاتے ہیں جبکہ ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے اور وہ پیچھے ہٹنے کا قصد کرتے ہیں تو رسول نے مونڈھا پکڑ کے جہاں پر بیٹھے گئے وہیں برقرار کہا"۔ جیسے صاحب مناہج یہ کہتا ہوکہ "پس طلب کیا حضرت نے علی مرتضی اور عباس کے تئیں اور تکیہ کیا اُنکے اوپر اور باہر آئے مسجد کی طرف اور نماز ادا کی"۔ طبری کو یہ کہتا ہے کہ جب رسول باہر تشریف لائے تو لوگوں نے نہ صرف امامت ابوبکر کی نیت توڑ دی بلکہ خود حضرت ابوبکر نے بھی نماز شکستہ کر دی جی چاہے تو اعثم کوفی اور مناقب

کیا روانہ نہونا محبت سے تھا۔

ایک بدیہی تضاد

مرتضوی کا یہ خیال بھی سُن لیجئے کہ امامت مسجد کا حکم رسول خدا کی طرف سے نہ تھا بلکہ حضرت عائشہ کی طرف سے تہا۔ جو بعینہٖ خیال حیات القلوب کا ہے۔ علامہ مجلسی لوگون سے یہ فطری سوال بھی کرتے ہین کہ تمہین کس نے بھیجا ہے اور لوگ دریافت کرنے دولت سرا کی طرف جب آتے ہین تو فضل ابن عباس سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ پوچھتے ہین کہ کیا ابوبکر جیش اُسامہ کے ساتھ نہین گئے۔ ہم مین اس بے رحمانہ اقدام سے باز رہونگا کہ امامت مسجد کے مسئلہ پر جس کے ایک لفظ کو دوسرے ایسا ہیبت ناک اختلاف ہے تنقیدی نگاہ سے دیکھون روایت کا خاتمہ سمجھنے کے لئے اس سے بھی مدد ملیگی کہ اگر رسول عبداللہ بیعہ کے زبانی پیغام بھیجتے ہین تو روایت کرنے والی حضرت عائشہ ہین۔ مجھے حضرت ابوبکر کی نرمی طبیعت سے کافی ہمدردی ہے جسکی بناپر حضرت عائشہ ایا حفصہ کی بھی سفارش کردیتی ہین یا حضرت عمر کا کمال ایثار ہے کہ وہ حضرت ابوبکر کو اپنے اوپر مقدم کردیتے ہین۔ اور باوجود ان تمام باتون کے رسول یہ بھی فرماتی ہین کہ "دل مین کچھ رکھتی ہو اور باہر کچھ کہتی ہو"۔

فضل ابن عباس کا فطری متعجبانہ استفہام

لوگ کہتے ہین کہ رسول مسجد مین درد کی تخفیف سے باہر آئے۔ یہ بھی وجہ ہوئی کہ رسول کو مسجد مین دیکھکر حضرت ابوبکر مارے افسوس کے غش کھا گرا اور لوگ رونے لگے۔ رسول نے یہ صدا سُنی اور تشریف لیگئے شور وغل کی صدا مین ہوسکتا ہو کہ غم محرک ہوا ہو لیکن واقعات کے سمجھنے کے لئے اس پہلو پر غور کرو کہ جب حضرت ابوبکر امامت کے لئے مسجد مین پیش قدمی کرتے ہین تو کچھ لوگ جو یہ جانتے ہین کہ انھین اُسامہ کے لشکر کے ساتھ روانہ ہونے کا حکم ہے پوچھتے ہین کہ آپ یہان کیسے تشریف رکھتے ہین۔ کچھ بلند آواز لوگ انکی تائید کرتے ہونگے کچھ کہتے ہونگے کہ چلو دریافت کرآئین اسمین شور وغل ہوا ہوگا۔ ہم نہین کہہ سکتے کہ وادی الرمل والے عمرا ابن عاص بھی اس مجمع مین موجود تھے یا نہ تھے۔ یہ شور غل سنکر رسول عباس اور علی کے کاندھے پر تکیہ کرکے باہر تشریف لائے ہونگے اور انھون نے ایسے لوگون کو پایا ہوگا جنھون نے ایک صریح حکم سے انحراف کیا تھا اور ایسے لوگ رسول کو دیکھکر پیچھے ہٹے ہونگے۔ ہم تک نہ پہونچا کہ رسول نے اس وقت کیا فرمایا ہوگا کسی طرح معجزہ نہین ہے۔ لیکن یہ سوچنا کہ کیا فرمایا ہوگا کچھ بہت مشکل بھی نہین ہے۔

شور غل اور غش کے پیچھے

جہاں استنباط المناظ مشکل ہے۔

اسی زمانہ علالت کے واقعات مین ایک یہ بھی ہے کہ نصف شبکو جناب سرور عالم اپنے غلام مویہبہ کو اپنے ہمراہ لیکر گورستان بقیع مین تشریف لیجاتے ہین اور فرماتے ہین "اے اہل قبور گوارا ہو جیو تمکو وہ نعمتین کہ صبح کی تم نے اور .... دور ہو تم اُن فتنون سے کہ ہین جن فتنون مین لوگ اور تمکو نجات دی ہے اُن

(منہاج)

مفتونوں کو تسلی دی ہے خدا تعالیٰ نے اُن فتنوں سے تحقیق کہ ہجوم لائے ہیں لوگوں پر فتنے مانند کالی رات کے قطعوں کے متصل ہے آخر اُن فتنوں کا اول سے اُن فتنوں کے .... بعد اسکے حضرت اصحاب کیطرف رونق افروز ہوئے اور فرمانے لگے کہ وے (اہل قبور) تم سے بہتر ہیں .... اصحاب نے عرض کی کہ یا رسول اللہ وے ہمارے بھائی ہیں جس طرح وے ایمان لائے ہیں ہم بھی لائے۔ اُنہوں نے اتفاق کیا ہم نے بھی کیا وے مر گئے ہم بھی جائینگے۔ پھر انکی زیادتی کس چیز کی ہے فرمایا کہ وے گذر گئے اور اپنے اجر سے اُنھوں نے دنیا میں کچھ نہیں کھایا اور میں نہیں جانتا کہ تم میرے بعد کیا کروگے اور کیا کیا فتنے تمہارے درمیان مجھسے سرزد ہووینگے"۔

فتنے کالی رات کی طرح ہجوم کرآئے ہیں۔

اصحاب کا سوال اور رسول کا جواب۔

اسی کتاب میں زمانہ علالت کے متعلق صحیح بخاری کی، عایشہ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے جو تعلقات کے سمجھنے میں مدد دیگی کہ وہ ذکر علالت کرتی ہوئی کہتی ہیں کہ" باہر آئے حضرت ایک روز گھر سے مسجد کیطرف اور حال یہ کہ حضرت درمیان دو مردوں کے ہیں اور اوپر اُن کے اعتماد کئے ہوئے یعنے تکیہ کئے ہوئے اور خط کھینچتے تھے دونوں پاؤں اُس جناب کے زمین میں نہایت ضعف و ناتوانی سے اور وے دونوں ایک عباس تھے چچا حضرت کے اور دوسرا ایک مرد اُس جناب کے اہلبیت سے"۔ عبید اللہ ابن عبد اللہ اس حدیث کے راوی نے ابن عباس سے یہ روایت بیان کی اور ابن عباس نے پوچھا کہ آیا تو قیاس کرتا ہے کہ وہ دوسرا مرد کون تھا۔ اور انکار پر جواب دیا کہ "وہ مرد علی ابن ابیطالب تھے"۔ مورخین نے حضرت عائشہ کے نام نہ لینے کی جو تاویلیں کی ہیں وہ مشکل سے موافق واقعہ ہیں جبکہ یہ طرز عمل اور مصلحت عالمگیر ہوتی جاتی ہے کہ اپنے ناموافق فریق کے کسی کارنامے یا خدمت کے ذکر یا حتی الوسع نام لینے سے پرہیز کیا جا۔

حضرت عائشہ نام نہیں لیتیں۔

ابن عباس نام بتلاتے ہیں

ایک اور واقعہ جو بقول ابن خلدون اور مناہج پنجشنبہ کو ہوا اُسے ہم نے ابتک نہیں لکھا۔ واقعہ قصہ قرطاس ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بقول مناہج و ابن خلدون "آپ نے فرمایا کہ میرے پاس دوات و کاغذ لاؤ میں تمکو کچھ لکھدوں تاکہ بعد اسکے گمراہ نہ ہو۔ لوگ بحث و مباحثہ کرنے لگے تھوڑی دیر کے بعد جب پھر اس کلام کا اعادہ کرانا چاہا تو آپنے ارشاد کیا کہ تم لوگ مجھے چھوڑ دو میں جس حالت میں ہوں اچھا ہوں اُس سے جسکی طرف تم مجھے بلاتے ہو"۔ مترجم ابن خلدون بخاری و مسلم سے نوٹ کرتا ہوا کہتا ہے کہ عمرؓ نے کہا کہ ہمارے لئے قرآن مجید کافی ہے جو ہمارے پاس ہے۔ اور بیشک اُسوقت آپکے درد زیادہ ہو رہا تھا.... اس اثنا میں کسی نے یہ بھی کہدیا کہ ان کو اختلاط کلام ہو گیا ہے.... آپنے فرمایا کہ میرے پاس سے چلے جاؤ پیغمبروں کے پاس شور شغب کا کام نہیں ہے۔ صاحب مناہج کہتے ہیں "عمر خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

پنجشنبہ
قصہ قرطاس۔

کچھ لکھنے کے لئے رسول کاغذ طلب کرتے ہیں جس سے لوگ آئندہ گمراہ نہ ہوں۔ لوگوں نے مباحثہ کیا حضرت عمرؓ نے اسپر کہا کہ ہمارے لئے قرآن کافی ہے۔

رسول نے شور شغب کرنے والوں کو چلے جانیکا حکم دیا

حضرت عمر کا لحن خطاب

یہ مرد یعنی پیغمبر خدا شدت مرض کے وقت ایسی باتین کرتا ہے کہ اختیار کے دائرے سے باہر ہین شاید کہ
یہہ باتین بہی مانند اُن باتون کے ہون) یعنی مبادا لوگون کے تئین راہ سخن پیدا ہو اور کہین اور خیال
کرین اور طعن کرین کہ رسول خدا ہذیان کرتا ہے یعنی بڑبڑاتا ہے جس طرح بیمار بیماری کی سختی کے وقت کہتے
ہین"۔ مولوی شبلی صاحب فرماتے ہین" یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے
زیادہ اور کیا گستاخی و سرکشی ہوگی کہ جناب رسول اللہ صلعم بستر مرگ پر ہین اور امت کے درد و غمخواری
کے لحاظ سے فرماتے ہین کہ ایک ہدایت نامہ لکھدون جو تمکو گمراہی سے محفوظ رکھے۔ یہ ظاہر ہے کہ
گمراہی سے بچانے کے لئے جو ہدایت ہوگی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہوگی اس لئے اسمین خطا و سہو کا
احتمال نہین ہوسکتا باو . اسکے حضرت عمر بے پروائی ظاہر کرتے ہین اور کہتے ہین کہ کچھہ ضرورت نہین ہمکو
قرآن کافی ہے طرّہ یہ کہ بعض روایتون مین ہے کہ حضرت عمر ہی نے آنحضرت کے اس ارشاد کو ہذیان سے
تعبیر کیا۔ نعوذ باللہ۔ صاحب مظاہر حق کہتا ہے" ابن عباس کہتے ہین کہ تحقیق مصیبت کامل وہ حال ہے
کہ ہوا حائل اور مانع درمیان پیغمبر خدا کے اور درمیان اسکے کہ لکہین اُنکے لئے یہ نوشتہ بہ سبب اختلاف
اُنکے اور شور و شغب اُنکے کے۔ کاشکے وہ اختلاف اور غل نہ کرتے تا حضرت کچہہ لکہتے کہ سبب ہدایت کا
ہوتا پس تھے ابن عباس مائل طرف خلاف اُس چیز کے کہ کہی عمر نے اور اُنھون نے کہ تابع تھے اُنکے اصحاب مین سے ....
پھر روئے ابن عباس اتنا روئے کہ تر کردیا اُنکے آنسون نے سنگریزون کو کہ وہان پڑے تھے"۔ یہی مفہوم مناہج
مین ہے۔ یہ دونون کتابین بعض کا یہ خیال بہی لکھتی ہین کہ "چاہا تہا کہ معین کردین ایک کو اصحاب مین سے واسطے
خلافت کے تا واقع نہ ہو نزاع اُنمین"۔

بعض روایتین کہ حضرت عمر ہی نے رسول کے ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا

ابن عباس کا تاسف۔

بعض کا خیال ہے کہ نزاع نہ ہونیکے لئے خلیفہ کا تعین چاہا تہا

تفصیلی حیثیت سے یہ بحث الکلام مین کیجا چکی ہے اس کتاب مین بجز خاص مفید نکات کے مین زیادہ طول مناسب
نہ سمجھونگا۔ تم کو یہہ بہی معلوم ہونا چاہئے کہ جناب رسالتمآب نے قلم و دوات یا اسباب تحریر اُس وقت طلب
کئے جبکہ لوگ دیر سے آنجناب کے وصایا کو سُن رہے تھے اور ہر شخص سمجھہ رہا ہے کہ حضرت اس محل مین یہ تقریر فرما
رہے ہین جو صاف طریقہ سے وداعی تقریر سمجھی جائے کسی کو کوئی اعتراض نہین ہوتا اور معلوم ہوتا ہے کہ خاص رنج
اور مشکل مین اُمت اور نبی کا واسطہ قائم ہے۔ نہ کوئی یہ کہتا ہے کہ بیماری مین زیادہ گفتگو کرنے سے آپ کو تکلیف
ہوگی اور نہ ابتک کسی کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ چونکہ آیہ اکملت لکم دینکم نازل ہوچکا ہے اب کہین یہ
کہنے کا موقع ہے کہ محمد ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات منصب نبوت سے خالی ہوگئی۔ چنانچہ

رسول نے اسباب تحریر کب طلب فرمایا

طلب قرطاس کے پہلے عذر نہ ہوا۔

دو شنبہ تک گفتگو فرمائی۔

کیا معنی دو شنبہ تک جناب سرور کائنات نے تقریرین فرمائین اور کسی نے اِس عذر بیجا کو اپنے اصلاحت
کے شایان نہ سمجھا کہ شدت مرض نے رسالت کا حق ساقط کردیا ہے۔ بلکہ فوری تغیر اور انقلاب طبیعت کے
آثار رسول کے اِس فرمانے کے ساتھ ہے پیدا ہوگئے کہ "دوات کاغذ لاؤ مین تمکو کچھہ لکھہ دون تاکہ بعد اسکے گمراہ
نہ ہو۔ درانحالیکہ یہہ الفاظ تمام صاف کہرہے تہے کہ یہ فرمانا خالصاً منصب ہدایت کے لحاظ سے تھا۔

آیا حضرت عمر کو کچھ ایسا لکھے جانیکا خوف تھا جو انکے لئے مضر ہوتا۔

سوال یہ ہے کہ آیا حضرت عمر کو یا کچھہ ایسے لوگون کو جو انکے زیر اثر ہون یہ خوف یا شبہہ تھا کہ جناب رسالتماب کچھہ
ایسا تحریر فرمائینگے جو انکے حقوق کے لئے مضر ہوگا۔ اور کیا لکھنے کا قرینہ تہا۔ آیا اسکے کچھہ آثار مین جو حضرت
عمر کے خوف کی وجہ سمجھی جاسکے۔

مراسم دینیہ کے متعلق ہدایت مضر نہ ہوتی۔

ایسے مخالف اور موافق ہر شخص تسلیم کریگا کہ نماز روزہ حج اور زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق رسول کا کچھہ
فرمانا کسی حیثیت سے کیسے مضر نہین ہوسکتا تہا اِس لئے کہ اسمین کوئی ایسی بات نہ تھی جو ذاتی
منفعت کے مخالف اور رد حقوق کا سبب ہوسکتی۔ یہ یقینی امر ہے کہ حضرت عمر کا ایسا کچھہ کہنا جو رسول
کی خواہش مین رکاوٹ پیدا کرے اس خیال سے نہین ہوسکتا تہا کہ رسول نماز و روزہ کے احکام
کو کاغذ قلم کے حوالہ کرین۔ اور نہ اِسمین کسی صاحب حواس کو شبہہ ہوسکتا ہے کہ جو کچھہ کہا گیا اور
جس طرح کہا وہ کسی طرح اس خیال سے تہا کہ رسول کو تکلیف نہ ہو۔ اِس لئے کہ رخصت ہوتے ہوئے

کونسی تکلیف زیادہ ہے۔

بزرگ کی کوئی ایسی تکلیف جسے وہ اپنے آخری عالم مین گوارا کرتا ہے وہ اسکے مقابلہ مین بہت کم
ہے کہ وہ اپنی بعد آخری وصیتین کرنا چاہے اور نہ کرسکے۔ جاہل سے جاہل اور وحشی سے وحشی قوم
آخری وصیت کو توجہ سے سنتی ہے اور حتی الوسع اُسے پورا کرنیکی کوشش کرتی ہے اگر یا حفصہ نے رسول کے

صاحب خلق عظیم ہمدردی کا ایسا جواب نہین دے سکتا تہا۔

ساتھ ہمدردی کے لحاظ سے کہا ہوتا تو کبھی اسکا جواب رسول کے ایسے صاحب خلق عظیم سے یہ ممکن نہ
تھا کہ وہ یہہ فرماتے کہ "میرے پاس سے چلے جاؤ پیغمبر کے سامنے ایسے شور و شغب کا کام نہین ہے"
مورخین کا تمام "عجب" اور "نعوذ باللہ" اور مختلف پیرایون مین اِن الفاظ کو دکھانا اور دہرانا
اور اسکے بعد قیامت تک ایسی ہی یا اس سے ہزار درجہ عمدہ لفظون اور پیرایون مین اسکے اصلی

مورخین نے کسے چھوڑا اور کس کی حفاظت کی

ہیئت کو بدلنے کی کوشش صرف ایک اور اکیلے ایک بات سمجھا دیگی اور وہ یہ ہوگی کہ ان مورخین
نے اُسکی محافظت کی جس نے نبی عربی کی نہ صرف صریح ترین انداز اور لفظون مین تخفیف کی بلکہ
مسلمانون کو جو اُس وقت سے قیامت تک پیدا ہوتے رسول کی ایک ایسے واضح اور مستند ارادہ

ہدایت سے باز رکھا۔ اور آئندہ مسلمانوں کو متفرق ہونیکا راستہ بنایا۔ معاملہ صرف رسول اور ابا حفصہ میں نہیں ہے بلکہ ابا حفصہ اور عام مسلمانوں میں بھی ہے۔ محافظ سلمان ہمیں سمجھاتے ہیں کہ قرآن پر اکتفا کرنا بہت درست تھا۔ اس سے شاید وہ ہمیں یہ سمجھانا چاہتے ہوں کہ رسول کا مشن ایک تھا کہ وہ قرآن کی چند جلدیں شائع کر جائیں اور بس۔ یا دوسرے لفظوں میں ہمیں یہ بتاتا ہو کہ رسول کو اسکا مطلق خیال نہ تھا کہ وہ قرآن حوالہ کر چکے ہیں۔ اور سب سے زیادہ مضحکت دلیل یہ کہ اس انحراف کا جواب اس دوسرے انحراف سے دیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول نے ابوہریرہ کو اس اعلان کا حکم دیا کہ جو شخص صدق دل سے لا الہ الا اللہ کہے اُس پر آتش دوزخ حرام ہے۔ اس سے بھی ابا حفصہ نے روکا اور رسول خاموش رہے۔ وہ لوگ جو اسپر غور نہ کریں کہ حکم دینے کے بعد رسول کی خاموشی سے باوجود انحراف کے اُنکے اس فرمانے کو آج بھی ہم تک پہونچا دیا درانحالیکہ اگر اُس وقت انحراف کا لحاظ نہ فرماتے اور حکم دیتے جاتے تو جہاں ہمیں یہ خبر ملتی کہ رسول کے حکم کا اعلان کیا گیا وہاں یہ خبر بھی پہونچتی کہ ایک شخص اُسی طرح ممانعت بھی کرتا جاتا تھا اور عامہ ناس پر اس کا برا اثر پڑتا کہ وہ ممانعت کرنے والیکو اصحاب رسول میں سمجھتے۔ درانحالیکہ خاموشی اعلان کے راہ میں حائل نہیں ہوئی اور ممانعت صاف صاف ہم تک پہونچ گئی۔ بعینہ یہی صورت نوشتہ کے التوا کی ہوئی۔

یہ امر بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ کچھ لوگ تھے جو سمجھتے تھے کہ حضرت آیندہ کے لئے اپنا خلیفہ تجویز کرینگے اور اُسے مصدق بہ تحریر کردینگے۔ حضرت عمر یا اُنکی جماعت کی مخالفت کہتی ہی کہ اُنہیں اپنی نسبت رسول سے کوئی امید نہ تھی ورنہ لکھنے دینا اُنکے مفید تھا اور اپنے مفید امر سے مخالفت کا خیال نہیں ہوسکتا۔ اور نہ یہ روایت کہ میں ابوبکر کے ہوتے ہوئے پیش نمازی نہیں کرسکتا یا اسکے کچھ روز بعد کا واقعہ کہ خود حضرت عمر سب سے پہلے حضرت ابوبکر کی بیعت کرتے ہیں۔ اسکی جگہ چھوڑتا ہے جس سے یہ قیاس کیا جاسکے کہ حضرت ابوبکر کے لئے رسول کا کچھ تحریر فرمانا حضرت عمر کے ناگوار طبع ہوتا۔ نہ اسکا قرینہ ہے کہ حضرت ابوبکر جو عمر عاص یا اُسامہ ابن زید کے ماتحت رکھے جاسکیں یا سورہ برات اِس لئے تلاوت کے لئے نہ ملے کہ اس کام کو رسول کریں یا جو رسول کے اہل بیت سے ہو تو عقل اور انصاف کے نزدیک بہت بعید ہے کہ رسول ایک ایسے بڑے کام کو جس میں کوئی ہر لحاظ سے مسلمانوں کا والی امر ہو۔ ایک ایسے شخص کے سپرد کردیں جسے شہیر نسبتاً کم درجہ کے کام بھی نہ دیئے گئے ہوں یا دیئے گئے ہوں تو ایسے وجوہات پیدا ہوگئے ہوں کہ اُس منصب کو لے لینے کی ضرورت محسوس ہوئی ہو۔

کس کے متعلق رسول لکھ سکتے تھے۔ علی کے متعلق رسول کا کھا ہوا۔ خدمات گذشتہ

اب خواہ مخواہ وہ شخص سامنے آتا ہے جس کی خدمات - ایثار نفس - لحاظ - اور اہلبیت میں ہونا رسول کا ولی - خلیفہ - وصی - بمنزلہ الراس من بدنی (جسم مین بمنزلہ سر) مولیٰ اور کیا کچھہ نہ فرمانا مسلمانون کی کتابون مین محفوظ ہے -

آخری وقت علی کو کیا رکھا تھا اور حضرت عمر اور ابوبکر اور عثمان کو دور بھیجا رہے تھے رسول کا کتنے ہوش مند ہونا

اسی بزرگ کے لئے لکھتے - اسکا غالب قرینہ جہان گذشتہ تاریخ افعال اور عمل سے ہے - وہان اس واقعہ سے بہی ہوتا ہے کہ رسول سب کو دور کے مقامات پر امرار کے ساتھہ روانہ کرتے ہین اور اسی کو پاس رکہتے ہین جسکی نسبت دعا کرچکے تہے کہ اُس وقت تک موت نہ آئے جب تک علی کو دیکھہ نہ لین یا فرماتے ہے کہ بالضرورت تمہین بہیجتا ہون لیکن جدائی پہ افسوس کرتا ہون - کون اس سوچنے سے باز رکہا جا سکتا ہے کہ رسول اُن تمام لوگون کو جو ذاتی وجوہات سے علی کے حقوق کی مخالفت کرنے صدر مقام سے دور ہٹا رہے تہے کہ کوئی جناب امیر کے راہ مین حائل نہ رہتا - اور لوگون کا روانہ ہونا اس خوف اور شبہہ

جیش اُسامہ کے ساتھہ روانہ نہونے کی وجہ

تہا کہ کہین اُسے کو رسول اپنا جانشین چہوڑ کر رحلت نہ فرمائین جس کے جانشین ہونے اور کے بجا نیکا دلون کو یقین ہو اور یہ لوگ دوری کی وجہ سے کوئی کوشش نہ کر سکین - ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ بلا کسی شورش اور مخالفت کے علی کا جانشین ہو جانا دوسرونکی امیدونکو خاک مین ملا دیتا - یہ بہی کہدون کہ اگر ایسا

کیا ہوتا اگر اس وقت علی خلیفہ ہوتے۔

ہوتا تو آج اسلام اور مسلمان دوسرے ہوتے اس لئے کہ عناصر تفرقہ اس قدر جلد پیدا ہوتے اور نہ ایسا موقع ملتا - علی کے مخالفین حقوق اپنی کوشش سے باز نہین آئے جس کا ذکر تہوڑی دیر مین کیا جائیگا اور وہین اس استفہام کا جواب ہو سکیگا کہ آیا بعض لوگون کا لشکر اُسامہ کے ساتھہ روانہ نہونا رسول کی محبت سے تھا ؟

سو سمجھو کہ اگر حضرت عمر کا یہہ برافروختہ فقرہ غمخواری کے لحاظ سے ہوتا تو کیا ضرورت تہی کہ دریائے علم ابن عباس روتے اور یہان تک روتے کہ اونکی آنکہون کے آنسو سنگریزون کو تر کر دیتے : اس لئے کہ وہ لوگ رسول کو ایسی چیز کے لکہنے سے مانع ہوئے جو مسلمانون کی ابد الآباد تک کے لئے ہدایت کرتا - اور وہ قوم کُشن اختلافات نہوتے جو مسئلہ امامت سے ہوئی - یہ اسلام کی سچی ہمدردی تہی -

رسول کا ایک فقرہ جسے مولف نہین سمجہا -

مین رسول کے اس فقرہ کے بقیہ نصف کو مطلق نہین سمجہا کہ "مجھے چہوڑ دو مین جس حالت مین ہون اچہا ہون اُس سے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو" پہلے نصف فقرہ کا مطلب صاف ہے کہ رسول شور غل کرنے والون کو مجلس اقدس سے دور کر رہے تہے اور اُن کا قریب رہنا ناگوار تہا - لیکن دوسرا نصف

کہ" اُس سے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو"۔ واقعات کی کمی سے سمجھ مین نہین آتا۔ جو کچھ خیال ہوتا وہ یہ ہے کہ شور وشغب کرنیوالون نے کوئی رائے پیش کی ہوگی جو رسول نے قبول نہ فرمائی لیکن چونکہ مورخین نے یہ نہین لکھا کہ لوگون نے رسول کو کس طرف بلایا تھا اس لئے مین کچھ نہین کہہ سکتا لیکن سوچتا ہون کہ اگر یہ کوئی مخالف تجویز پیش کی گئی تھی تو اُسکا تاریخ مین ہونا حالت کو صاف سمجھا دیتا جواب اس لئے حذف کیا گیا کہ رسول نے نامنظور فرمایا اور لکھنا بہت سے حالتون کو پوست کندہ کردیتا۔

ایک نہایت مفید بات تاریخ مین معدوم ہے

ابوالفدا لکھتا ہے کہ بیماری مین اور زیادتی ہوئی اور لوگون نے یہ خواہش ظاہر کی کہ زیارت کیلئے آنے کی اجازت دیجائے تو سرور عالم نے فرمایا کہ "میری بیماری کی تکلیف کم ہے بہ نسبت تمہاری بیجو دگی کے"! افسوس دوران علالت کی آخری باتون مین صاحب حیات القلوب اور مناقب مرتضوی نے پُر درد تصویر کھینچی ہے کہ رسول علی کو اپنی تلوار۔ زرہ۔ ناقہ اور کپڑے عطا فرمارہے ہین۔ ان کپڑون مین ایک وہ پتھر بھی ہے جسے آنحضرت گرسنگی کے وقت شکم اطہر پر باندھ لیتے تھے اور علی روتے روتے بیخود ہوگئے ہین

رسول نے زیارت کی استدعا نامنظور کی

رسول کا اسباب خانہ علی کے حوالہ ہوا۔

سرور عالم نے اپنے آخری وقت یہ بھی اعلان فرمایا کہ اگر مین نے کسی کو تکلیف پہونچائی ہو تو مجھ سے انتقام لیلے۔ عکاشہ بن محصن نے دعویٰ پیش کیا کہ مجھے رسول کا تازیانہ لگا ہے۔ رسول آمادہ ہوگئے اور طبری کے موافق عکاشہ کے تازیانہ کے لئے خصوصاً علی نے اپنے کو پیش کیا۔ عکاشہ نے پشت مبارک پر بوسہ دیا اور درگذرا۔ ای کاش آیندہ زمانہ مین بھی اہل بیت نبوی کا ویسا ہی احترام باقی رہتا جیسا عکاشہ سے سرزد ہوا!

علی عکاشہ کے تازیانہ کے لئے۔

اسکے بعد بقول مناہج سرور عالم نے فرمایا کہ میرے بھائی علی مرتضیٰ کو بلاؤ علی مرتضیٰ آئے اور حضرت کی بالین پر بیٹھے اور سر مبارک اُس حضرت کا اپنے زانو پر اُس جناب نے رکھا۔ امیرالمومنین سے ادائے (؟) فرمائے۔ کچھ ایسے قرض کے متعلق تھے جو ذاتی تھے کچھ اس قرض کے متعلق تھا جو اُسامہ کے لشکر کی آراستگی کے لئے لیا تھا اور سب سے مخصوص وصیت یہ تھی کہ:۔

رسول کا سر مبارک علی کے زانو پر۔

"میرے بعد تجھے بہت سے صدمے پہونچین گے تجھے چاہئے کہ گھبرا نہ جائے اور صبر اپنا شعار کرے۔ جب تو یہ دیکھے کہ لوگ دنیا کی طرف مشغول ہوگئے تو تو آخرت اختیار کرنا"

آیندہ کے متعلق ایک یادگار وصیت

ہادی عالم کی حالت خراب ہوتی گئی اور یہ نوبت پہونچی کہ اُنکی لاڈلی بیٹی ضبط نہ فرماسکتی۔

رسول نے آنکھیں کھولیں اور اپنے دست اقدس سے آنسو پونچھے اور بقول روضۃ الشہدا اپنے فرزند کو طلب کیا۔ غالباً لوگ بچوں کو بلانے تیزی سے دوڑے ہونگے اور عجب نہیں ہے کہ لوگوں کی گھبراہٹ اور افسردہ صورتوں نے بچوں کے اثر پذیر دل کو متاثر کیا ہو اگرچہ وہ حالت کا صحیح اندازہ نہ کرسکے ہوں۔ سات آٹھ برس کے بچے اس طرح جلد جلد قدم اُٹھاتے ہوئے جا رہے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے عمامے سروں سے گر جاتے ہیں۔ وہ اصحاب جو در ہدایت سرا پر کھڑے تھے حسنین کو بسورتے اور اس طرح جاتے ہوئے دیکھ کر بے اختیار ہوگئے۔ بقول مناقب "حضرت نے اُن کو بوسہ دیا اور سونگھا اور لوگوں کی تعظیم احترام اور محبت کے باب میں اصحاب کو اور تمامی امت کو وصیت کی"۔ اور شاید یہی وقت ہو جس کے متعلق علامہ مجلسی حدیث نقل فرماتے ہیں کہ جناب رسولؐ چشم پُر آب ہوکر علی سے فرماتے ہیں کہ "میں جانتا ہوں کہ تمہارے لیے میری امت کے بہت سے لوگوں کے دلوں میں کینے ہیں کہ وہ لوگ اِن کینوں کو ظاہر نہ کرینگے یہاں تک کہ میں انتقال کروں" (مجالس ابرار) واقعات بتا سکینگے کہ کوئی چشم دید واقعہ خوانی اس پیشنگوئی سے بڑھ نہیں سکتی تھی۔ اُس وقت کی حالت بجائے لکھے جانے کے سوچنے خوب جاسکتی ہے۔ علی جنہیں رسولؐ نے فرزندوں کی طرح گود میں پالا تھا۔ فرزندی میں قبول کیا تھا۔ ہدایت پائی۔ سایہ میں جوان ہوئے اور اثر حاصل کیا اپنے کو تنہا دیکھ رہے ہیں۔ حضرت فاطمہ کہہ رہی تھیں کہ بابا اب حسنین کس پر مچلینگے اور کون ناز اُٹھائے گا۔ اصحاب اہلبیت کی مصیبت پر سر پیٹ رہے تھے۔ اور دیکھنے کی یہ بات تھی کہ وہ یتیم عبداللہ جسے مکہ سے جلا وطن کیا۔ طائف میں نہ رہنے دیا۔ مدینہ میں چین سے بیٹھنا نہ ملا اب اُسیر مکی اور مدنی اس طرح رو رہے ہیں کہ کبھی کوئی بیٹا اس طرح باپ پر اور کوئی باپ اس طرح اپنے بیٹے پر نہ رویا ہوگا مدینہ کے ہر کوچہ و بازار سے رونے کی صدا بلند تھی اور یہ آواز نیں در و دیوار سے اپنا سر ٹکرا رہی ہیں اسلام میں کبھی ایسا نوحہ و ماتم نہیں ہوا یہ پہلا غم تھا۔ در خیبر اُٹھا دینے والے علی سے سر اقدس نہ اُٹھ سکا کہ شانہ دیتے اور عباس کو آواز دی "میں بیخود ہو رہا ہوں میری خبر لے" اس لیے کہ

ہادی جو اس دنیائے فانی میں اپنا کام پورا کرچکا تھا عالم قدس کی طرف بلالیا گیا۔

باب اوّل کا خلاصہ

(واقعات کا نشو)

کسی حد تک سرزمین عرب کی حالت دکھائی گئی اور یہ بتایا گیا کہ اگرچہ سرزمین حجاز و عرب میں ہدایت کا

رسول طاہرؐ کے آنسو پونچھتے ہیں۔

حسنین کی طلبی اور اُنکا اضطراب۔

حسنین کے اضطراب سے اصحاب کو رلادیا اور بچوں کے متعلق وصیت کرتے ہیں۔

اُس وقت کی حالت

فاتح خیبر سر مبارک نہ اٹھا سکا۔

مذاہب کے چین اصول ختم ہوگئے تھے۔

مسخ ہونیکے اسباب

مجموعہ تہا لیکن وہ اپنے مذہبی خیال مین اس درجہ پست تہے کہ اُنکے عین اصول مسخ ہوگئے تہے وہ اسوجہ سے ہو کہ بانیان مذاہب نے اپنی اصول کو محتاط لفظون ظاہر نہ کیا ہو۔ یا خود اصول ہی تغیر پذیر ہون یا امتداد زمانہ کی وجہ سے مقلدین مین مبالغہ کی خواہش اور محافظین کی کمی احتیاط یا اصول کی گرفت کے قابلیت کی کمی نے انہین اس حد تک پہونچ جانے دیا ہو۔ بہت غور کے قابل ہر کسی کا یہ فقرہ کہ مذہب ایک دریا ہے جسمین جزر و مد ہوتا رہتا ہے اُسمین ترقی ہوتی ہے اگر اُسکے عنانگیر ترقی کیطرف لیجانیکے قابل ہوے اور تنزلی ہوتی ہے اگر ذمہ دار لوگ اپنی عقل اور معلومات مین ضروریات سے پست درجہ کے ہوئے۔ مشاہیر انبیا مثل حضرت موسیٰ اور عیسےٰ گذر چکے تہے اور ایسے قوت دار اور عقل والے لوگ مثل داؤد اور سلیمان کے صفحۂ تاریخ پر اپنی ہستی کا نقش ڈال چکے تہے۔ مشرق مین بودھ اپنے گوشہ نشین فلسفہ کیساتہ نمودار ہوا اور بہت جلد اُسکے خیالات گوشہ نشینون کے ذہن مین رہ گئے یا لوگ اپنے خیالات اور لے مین اپنی جگہہ پہرا اور بودھ کی نصیحتون کو بہی دماغ مین اُسی طرح رہنے دیا جس طرح اور بہت سی اچہی باتین سنائی دیتی ہین لیکن وہ کوئی ایسا وزن نہین رکہتین جو خصائل پر گہرا اثر اور مخلوقات آلہی سے اچہا واسطہ قایم کرنے مین معین ہون یا یہ وزانہ معاشرت مین بودھ کے خیالات کسی طرح نمونہ ہوسکے ہون۔ یا کوئی خدا کہا یا ہو جیسے دل کی گہری یا تی گہری تہ مین ایسی جڑ پکڑ لی ہو کہ پہر کیسی ہی ہوا ون سے اسکا اکھڑنا ناممکن ہو گیا ہو۔ اچہا تہا کہ کنگفوزی نے ملکی اخلاق کی تعلیم کی اور میرے خیال مین چینی قوم کے لئے بودھ کے بہ نسبت زیادہ اچہی اور بکار آمد باتین کہہ گیا اور بعض عملی مثالین بہی بتا گیا۔ لیکن وہ بودھ ہو۔ کنگفوزی ہو یا لاوزی یا تینون کا مجموعہ اپنی تعلیمی حیثیت سے قوم کے عادات و خصائل کو کوئی ایسا مرکز نہ بتا گیا جس سے وہ تنہا یا مجمع مین یہ سوچ سکتی کہ ہم یہان ایک ہین۔ یہ ہمارا نقطہ خیال اور یہ ہماری جمع ہونے کی جگہہ ہے۔ مشکل سے سوچا جا سکتا ہے کہ بودہیت جسکا ترجمہ موجودات کی بے حقیقی کا حقیقی اعتقاد ہو سکتا ہے وہ کسی اصول پر قربان ہونیکو شہیدانہ منزلت سمجہتی۔

مذہبی جزر و مد

کیسے لوگ گذر چکے تہے

مذہب کی غرض انفرادی اور قومی خصائل کی رستی ہے۔

بودھ کے تعلیمی نقائص

بے حقیقی کے فلسفہ مین شہیدانہ منزلت کا احساس ممکن نہ تہا۔

موجودہ توریت مین حضرت موسیٰ کی زندگی اور عمل سے معجزات کا حصہ نکال دو پہر اُسکے بعد سمجہو کہ ہم بحیثیت ایک قوم کرکے اُنھین کس نگاہ سے دیکہین تو تمہین غالباً صرف اس سے تسکین ہوگی کہ انھون نے رسومات مذہبی کے بارے قوم کو اس طرح ڈہلو دیا تہا کہ وہ اس سے علیحدہ ہونیکی فرصت اور سوچنے کا وقت نہ پاتی اور مزید احتیاط کے لئے کاہنون کو مسلط کر دیا تہا۔ اگرچہ کوئی اُنکی ذمہ داری نہ تہی کہ سب ہارون کے

نظام موسوی

ایسے ہوسکتے یا عملاً کے جنون کے ایسی دست برد سے معتقدین محفوظ رہتے - اور جب تم استقلال تلاش کرنا چاہوگے تو تمہین محض یہود کے قوم گر کی ذات تسکین نہ دیگی بلکہ اوس کے قریب کوئی بڑا پتھر او ررسی یا تسمہ بہی تلاش کرنا ہوگا - اور اگر تم کوئی قابل وقعت خدا ڈہونڈہنا چاہوگے تو تمہین ویسا خدا دکہائی دیگا جیسے یہود کی تاریخ اُنکے خصائل سمجہاتی ہے - اور اگر تم اعتدال یا رحمت خداوندی تلاش کروگے تو ضرور تمہین اپنی تمام کوشش مین تھک کر بیٹہنا ہوگا یا زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ خدا نے اپنی خاص قوم یہود کو اس لئے اپنی رحمت کے لئے کچہہ دنون تک مختص کرلیا کہ اُسے غیر قومون کے ساتہہ اعتدال حرام تہا -

عیسوی انتہا پسندی - اور مسیحی نظام

حضرت عیسیٰ ایک زمانہ تک یہودی کاہنے جیسا خود پای لیٹ ہی خیال کرتا تہا (یوحنا باب ۱۸ - آیت ۳۵) اُنہون نے یہہ بہی ظاہر نہ کیا کہ وہ کسی نئے مذہب کی بناڈال رہے ہین اگر اُنکی تعلیم مین کوئی مخصوص شان تہی تو یہ کہ وہ تمام رسومات کو نفرت سے دیکہتے تہے یہ دوسرے وضع کی انتہا پسندی تہی یا فقہائے یہود کی تصنع اور اُنکے پستی صفات پر طنز کر رہے تہے - یہ پال تہے جنہون نے یہودیت اور مسیحیت کی جوڑنے والی زنجیر کو کاٹ دیا - چالیس سے زیادہ انجیلون مین چار رہ گئین اور وہ بہی مختلف نقطہ خیال سے بیان ہوئین جو بیدہی تناقص سے پُر ہین جس سے اُس کا یہ اثر کہ وہ الہامی حیثیت رکہتی تہین جاتا رہا - اگرچہ خود اسی مین کلام ہے کہ کسی نے حضرت عیسیٰ کے اقوال کو جمع کیا - خود اِس مباحثہ نے کہ آیا انجیل غیر یہود اقوام پر پڑہی جائے یہ شبہہ پیدا کیا کہ حضرت عیسیٰ کا مشن نہایت محدود تہا - اور موحدین کے لحاظ سے مذہب عیسوی کی تثلیث پرستی نے اِسے درجہ توحید سے گرادیا -

(دیکھو جیمس کرانسٹ مصنفہ کونٹ کیلی ڈی رینسی)

یہودیت مین درجہ شہادت

موجودہ یہودیت ہو یا مسیحیت اپنے شہدا کا تذکرہ کرتی ہے - شہدائے یہود کے سمجہنے کیلئے مین توریت اور ملمین صاحب کی تاریخ یہود سے مدد لیتا ہون - مجہے اِن دونون کتابون سے درجہ شہادت کا ممتاز احساس نہین ہوتا جس سے یہود کے اپنے شہدا کے افتخار مین مین بہی شریک ہوسکون - اسکی وجہ شاید یہ ہو کہ ان شہدا کی ابتدائی تاریخ اور اُنکے عادات وخصائل کے متعلق حالات کی کمی ہے دوسرے یہ کہ محض قتل ہوجانا درانحالیکہ امتحان خیز حالتون کی کمی ہے اور جس مین علم و ارادہ سے مقتول ہونیکے آثار نہین ہین اُنکے کسی ایسی صفت یا صفات کا معترف نہین بناتا جس سے اُنکا استقلال حق روی ایثار اور باطل سے کنارہ کشی یا حق پر قتل ہوجانیکی تعمیم پائی جاتی ہو - بجائے کسی اور لفظی موازنہ کے مین سفارش کرونگا کہ ان مدارج کے سمجہنے کے لئے ناظر

اُس واقعات کا انتظار کرے جو مین اپنے شہدا کے متعلق پیش کرنے والا ہون۔

شہدائے یہود کی مثالین۔

توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ اخی اب کی ملکہ ایزبل نے انبیا کو قتل کیا۔ یا کوئی نبی دوسرے انبیا کے قتل کی شکایت کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ تواریخ کے چوبیسوین باب مین لکھا ہے کہ یہویدع کے بیٹے ذکریا پر خدا کی روح نازل ہوئی۔ ذکریا نے لوگون کو تنبیہ کی لیکن لوگون نے مخالفت کی اور پتھر مارے۔ اور یوآس بادشاہ نے اُنکے فرزند کو قتل کیا۔ مرتے وقت اُنھون نے کہا کہ "خداوند دیکھے اور انتقام لے" بعد اسکے ارام کی فوج چڑھ آئی اور اُس نے انبیا کو قتل کیا۔ اور جس وقت یوآس زخمی تہا اُسکے ملازمون نے یہویدع کاہن کے بیٹے کے خون کے سبب اُسپر بلوہ کیا اور اُسے اُسکے بستر پر ایسا مارا کہ وہ مرگیا۔"

١٦٨ برس قبل مسیح انٹیس رومی گورنر نے یہود کو اُنکے فرایض مذہبی سے روکنا چاہا۔ ایک یہودی نے جس کا نام الیازر تہا تحائف منظور نہ کئے اور تکلیفین گوارا کین۔ اس زمانہ مین سات آدمیون نے اور تمام پیدا کئے جنہین اُنکی مان نے غیرت دلائی تہی۔ شہر مودین مین اپلیس کے مقابلہ مین متہاتیس نے شجاعت سے جنگ کی یہ پہاڑون مین رہتا تہا اور لوٹ مار سے دشمن کو کہستاتا تہا آخرہین مرگیا۔ جوڈاس اسکا قایمقام ہوا۔ اس نے اعلان کیا کہ بیاہے خوف زدہ اور بلوغ کے لڑنیوالے چلے جائین۔ لوگون نے علیحدگی اختیار کرلی شروع کیا پہر بہی اسکے ساتھ تین ہزار آدمی رہ گئے اور اِن سے اِس نے ساٹھ ہزار کا مقابلہ کیا۔ جیمس ولد انانس کو جو یروشلم کی تباہی کے قبل نوحہ پڑہتا تہا نہ صرف یہودی مارا بلکہ رومیون کے پاس بہی سزا دلانے لے گئے اور اسے اِس قدر مار پڑی کہ ہڈیان نکل آئین اور وہ کہتا ہوا مرگیا کہ "ویل ویل ہے یروشلم کیلئے" شہر جوٹاپاٹا کے محاصرہ مین جس وقت منجنیق دیوارین توڑ رہی تہی الیازر ابن سامئس نے ایک پتھر سے منجنیق کا سر توڑ ڈالا اور جب آہنی سر زمین پر گرا تو فصیل سے کود کر اسے اُٹھالیا اب تیر پڑنے لگی لیکن یہ فصیل کی طرف بڑہتا گیا اور پانچ تیر جسم مین در آئے یہ ہمت کرکے فصیل پر چڑہا رعشہ دار ہاتھون سے اپنا تحفہ دکھایا گرا اور مرگیا۔ اِس جنگ مین نطیرس اور فلپ نے رومیون کے دسوین دستے مین گھس کر کارنمایان کئے۔ اسکے علاوہ تاریخ یہود اکثر ایسے منظر پیش کرتی ہے جنہین یہود نے اپنے ہاتھ سے خوردون اور بزرگون کو اس نے قتل کیا ہے کہ وہ دشمن کے ہاتھ مین نہ جائین اور اسکے بعد خودکشی کی ہے۔ حضرت یسعیاہ کو دشمنون نے آرہ سے چیر ڈالا۔ یہ ممتاز واقعات ہین جنہین باوجود تلاش کے مین تاریخ یہود اور تمام توریت سے منتخب کرسکا ہون۔

اسی طرح مسیحیت سے متعلق یہ امر ممکن تہا کہ ایرانیون اور رومیون نے اپنے اپنے زمانہ مین اپنے مذہبی تشدد کئے ہون۔ روم کی تاریخین کہتی ہین کہ نیرو۔ ڈومیشین۔ ٹراجن اور ڈایوکلیشین نے اپنے اپنے زمانہ مین مسیحیون پر تشدد کئے۔ مسیحی شہداء کے متعلق اڈورڈ گلاڈ کی یہ عبارت جو مین اُسکی کتاب جیس آف نزارتہ سے نقل کرتا ہون اغلب شائع مین معین ہوگی کہ " یہ زیادہ حیرت خیز بات نہین ہے کہ سختی اور دبائو جاتی ہے زمانہ مین سزائے موت دی جاتی ہو حالانکہ یہہ اُس سے بہت کم تہا جس قدر شہداء کے مورخین لکہتے ہین"

کفار نے مسیحیون کو زیادہ قتل کیا یا مسیحیون نے غیر مسیحیون کو۔

اسکے بعد بہی مورخ لوچ کی تاریخ روم سے نقل کرتا ہو کہ " اب یہ بات شبہہ کے قابل نہ رہی کہ مسیحی مذہبی جوش نے مذہبی مخالفون کے ایک زمانہ مین جس قدر آدمیون کو قتل کیا وہ اُس تعداد سے کہین زیادہ ہے جسقدر مسیحی کفار کے ہاتہہ سے ضایع ہوئے"۔ مسیحیت کی سب سے بڑی شہادت پر بالفعل مین قناعت کرتا ہون جو درجہ شہادت اور اُسکی جلوہ گیر صفات کے سمجھنے مین مدد دیگی۔ واقعہ مصلوبیت ابن مریم ہے جس صورت سے وہ موجودہ اناجیل مین پایا جاتا ہے۔

مصلوبیت مسیح کے اسباب و حالات اور نتیجہ۔

ابن مریم سے یہود بیدل ہوتے جاتے تہے یہان تک کہ اونکے اس فقرہ سے کہ مین اُس معبد کو (بیت المقدس) جو ہاتہون سے بنایا گیا ہے توڑکر تین دن مین ایسا بنا دونگا جو ہاتہون کا بنا ہوا نہین ہے"۔ مخالفت کو دشمنی کی حد تک پہونچا دیا۔ لیکن ان دنون فسخ کی عید تہی۔ یروشلم مین لوگ جمع ہو رہے تہے اس لئے عید ہونے اور لوگون کے متفرق ہوجانے تک یہود نے اُنکی گرفتاری ملتوی رکہی۔ مخالفت کی خبرین ابن مریم کو پہونچی تہین اور یہہ افسردہ دکہائی دیتے تہے۔ متی کے باب ٢٦۔ ٣٩۔ آیت مین ہے کہ " موت کی سی حالت ہوئی اور منہہ کے بل گرکر دعا مانگی کہ اے میرے باپ اگر ہوسکے تو یہہ پیالا (موت) مجہہ سے گذر جائے" اور وہ جانکنی مین پہنس کے اور بہت گڑگڑا کے دعا مانگتا تہا اور اُسکا پسینہ لہو کی بوند کے مانند ہوکر زمین پر گرتا جاتا تہا" (لوقا باب ٢٢۔ آیت ٤٤)۔ دو یا تین مرتبہ یہ دعا مانگی۔ جوڈا اسقریوطی نے ساتہہ روپیہ کی لالچ مین انہین گرفتار کرادیا۔ ابن مریم کو قرمزی رنگ کا کپڑا پہنادیا گیا۔ کانٹون کا تاج سر پر رکہا اور ہاتہہ مین ایک سرکنڈا دیکر لوگون نے اپنے گہٹنے ٹیکے اور مضحکہ کیا کہ " اے یہودیون کے بادشاہ سلام"۔ مصلوبیت کے بعد جانکنی مین گہنٹے مسیح زور سے چلائے کہ " ای میرے خدا میرے خدا کیون تونے مجہے اکیلا چہوڑا" اور اسکے بعد " یسوع نے پہر بڑی شور سے چلاکر جان دی"۔ مرقس مین بہی ہے لوقا مین جزع و فزع کے الفاظ اگرچہ موجود نہین ہین لیکن چلاّنا لکہا گیا ہے۔

فسخ کی عید کی وجہ سے ابن مریم کی گرفتاری ملتوی رکھی گئی۔

مسیح کی افسردہ حالت اور دعا۔

پوشاک مضحکہ اور الفاظ

مصلوبیت کے بعد گہنٹے مسیح کے الفاظ۔

یہ واقعات بتاتے ہیں کہ نہ صرف حضرت مسیح کے ذہن میں کوئی ایسی بڑی وجہ تھی جسکے لئے انھوں نے پیشتر سے یہ مصمم ارادہ کرلیا ہو کہ ہم اسکے لئے جان دینگے لیکن پیچھے نہ ہٹینگے اور نہ انھیں بجز اسکے مفر تھا کہ یہود کی عام آواز اور فتوے کو قبول کرتے۔ یہود کچھ تو اس وجہ سے مخالفت کرتے تھے کہ وہ انھیں مذہب یہود کی تخفیف کرتے ہوے دیکھتے تھے اور کچھ اس لئے مخالف تھے کہ انہوں نے انھیں انکے مذہبی وقار سے گرا دینا چاہا تھا اور ان دونوں نے ملکر رومی گورنر پائی لیٹ پر اسکا زور دیا کہ اپنے کو "یہودیوں کا بادشاہ" کہنے والا باغی ہے اس لئے کہ یہودیوں کا بادشاہ قیصر روم ہے۔ جب پائی لیٹ نے ابن مریم سے پوچھا کہ "کیا تو یہودیوں کا بادشاہ ہے" تو اسکا جو جواب دیا گیا اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ ابن مریم نے نہ اقرار کیا اور نہ انکار کیا۔ متی میں ہے کہ "تو کہتا ہے" مرقس میں ہے "میں ہوں" لوقا میں ہے کہ "اگر میں تم سے کہوں تم یقین نہ کروگے" یوحنا میں ہے کہ "یہ بات تو کہتا ہے یا لوگوں نے تجھ سے کہی ہے" ایسے گول جواب کی ضرورت بجز اسکے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ اقرار ملزم ٹھہراتا اور انکار معتقدین پر سے اثر زائل کردیتا۔

الزام

پائی لیٹ ابن مریم سے کا سوال۔

مفید موقع پر اناجیل کا اختلاف اور گول جواب

موت کے آثار دیکھکر نہ صرف ابن مریم میں افسردگی پیدا ہوئی بلکہ موت کی سی حالت طاری ہوئی اور انھوں نے اسکے ٹل جانے کی بھی دعا مانگی۔ ہم نہیں سوچ سکتے کہ یہود یا رومی حکومت انکی مشن کے متعلق اگر کچھ شرایط پیش کرتی تو یہ کس حد تک منظور کرتے اور کس حد تک اپنی روش پر مُصر رہتے میں مغلوبیت کی حالت نے انھیں اس درجہ لغزش پیدا کی کہ یہ سوال کرسکے کہ "میرے خدا تونے مجھے کیوں چھوڑدیا۔ یا جزع و فزع کی حالت طاری ہوتی۔ یہ حالتیں تھیں جن سے مسیحیت کے اس پہلے شہید کے درجہ استقلال کا قابل تعریف اندازہ نہیں ہوتا اور نہ بجز یہودیوں کے بادشاہ کے خطاب کے کوئی وجہ شہادت سمجھ میں آتی ہے۔ انہوں نے شہادت کا ارادہ نہیں کیا۔ شہادت انکی طرف دوڑائی گئی۔ اس وقت کے مورخین مثل جوزیفس وغیرہ کے کہتے ہیں کہ حضرت مسیح کے واقعہ نے لوگوں پر کوئی اثر نہ کیا۔ مسیح کے پیشرو حضرت موسیٰ میں بھی اپنے قوم کی بغاوت اور سرکشی سے اس درجہ تزلزل پیدا ہوگیا تھا کہ وہ تائید ایزدی کے وعدہ میں مشتبہ ہو جاتے جسکی پاداش میں انھیں چالیس برس بیابان میں سرگردان ہونا پڑا اور پھر بھی وہ باز رکھے جاتے کہ دودھ اور شہد کے ملک میں وہ خود داخل ہوں بلکہ ایک بلند پہاڑ سے اس جگہ کا نظارہ کرلیں۔

تسلیم در غلطی لغزش

مغلوبیت مسیح بڑی بات نہ سمجھی گئی

حضرت موسیٰ کے استقلال کی جنبش۔

عالم میں اگرچہ اس وقت تک ایسے واقعات گذر چکے تھے جس میں حوصلہ۔ اُمید یا مجبوری شجاعت پر

شہدای عالم اور شہدائے کربلا کا فرق۔

آمادہ کرائے۔ میدان جنگ کسی کا بڑا قتل عام دیکھے کوئی قتل کرے اور کوئی مقتول ہو اس میں کوئی
بہ نسبت دوسرے کے ممتاز ہو اور شجاع سمجھا جائے۔ لیکن ان تاریخی شجاعون کے کارنامے جو
اُن دشواریون کے سامنے کام نہین کر رہے تھے جنکے تذکرے آنے والے ہین کوئی غیر معمولی نظر
کی محتاج نہین ہین اور یہ تو بہت دور ہے کہ انکی شجاعت اور متعلق صفات باخلاص اُس
وقت ظاہر ہوئی ہون جسوقت نہ صرف علائق دنیا سے بیزاری کے آثار ملتے ہون بلکہ فتح کے
بعد بھی آسایش کی کوئی اُمید نہ ہو۔ یہہ اُس وقت بھی جان دینے پر آمادہ ہون جسوقت
انھین جان بخشی اور انعام کا یقین دلایا جاتا ہو۔ تاریخ قدیم مین شجاعت کا سب سے مشہور

تاریخ عالم کے مشہور کارنامہ شجاعت۔

کارنامہ لی آینڈس کا ہے۔ جس وقت ذرکرس (کیخسرو) نے یونان پر بیس لاکھ سپاہیون سے
حملہ کیا۔ مغرور شہنشاہ کی فوج ایسی تنگ راستہ سے گذر رہی جاتی ہے جس کی ایک طرف پہاڑ
اور دوسرے طرف سمندر تہا۔ شاہ اسپارٹا نے اس ملک افگن فوج کا استقبال کیا۔ یہانتک
کہ تہرمابولی کے درہ مین اسکے ساتھہ صرف تین سو آدمی بچے۔ اور ایرانی فوج انکی زندگی تک
آگے نہ بڑھ سکی بلکہ یہہ فوج ان محبان وطن کی لاشون پر سے ہو کر گذری۔ تاریخ روم مین شجاعت
کی مثال ہوریشس کوکلس کی ہے جس نے ٹائبر کے پل پر پورسینا کی فوج کو تنہا روکا یہانتک کہ
پل توڑ دیا گیا۔ یہ بھی دریا مین گرا لیکن تیرتا ہوا کنارہ پہونچ گیا۔ قوم نے قدر کی۔

موسیٰ اور عیسیٰ کے مخلصین۔

تمام توریت کا ملاحظہ یہہ نہین بتاتا کہ حضرت موسیٰ کی تمام قوم گری نے اُنکے لئے کچھہ ایسے مخلصین
تیار کئے ہون جنکی ذہن مین اُنکی اطاعت حکم جان سے زیادہ عزیز ہو بلکہ اُنکی قوم نہ صرف ذرا
ذرا سی بات پر بغاوت پر آمادہ رہتی ہے بلکہ بار بار خود حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی شکایت کرتے ہین
اور اپنے منصب سے استعفا پیش کرتے ہین۔ اور اسی طرح حضرت عیسیٰ اپنے ظاہر اضطراب کیوقت
پیطر کے ایسے مشہور حواری کی وفاداری کے متعلق اُسکے منہہ پر یہ کہہ سکتے ہین کہ "مین تجھہ سے سچ
کہتا ہون کہ تو اسی رات کو مرغ کی بانگ دینے کے پہلے تین بار میرا انکار کریگا"۔

متی ۲۶ باب (۳۴)

زندگی مین معتقدین کے اخلاص کی یہہ حالت آیندہ زمانہ کے ایسے واقعات نئے ہیو ویا مستثنا
کسی ظالم بادشاہ کے حکم کے شکار ہوئے اور دفعتہً قتل ہو گئے یا یہ ذکر بھی کہ اُنہون نے زحمتین
گوارا کین (جو بہ نسبت مسیحی تاریخ کے تاریخ یہود مین زیادہ ممتاز ہے) لیکن تبدیل مذہب نہ کیا

اس لحاظ سے قابل موازنہ نہین ہے جس طرح تمام فوج مین چند سپاہو نکا میدان جنگ مین قتل ہوجانا
کوئی مخصوص بات نہین ہے۔ یہ حالت محض اس تعریف کی مستحق ہے کہ وہ میدان جنگ مین تھے
اور انکا موقع بھی ویسا ہی تھا جیسا دشمن کا وہ بھی اپنے مقابل دشمن سے حوصلے نکال سکتے تھے اور دشمن
بھی اُسی تعداد مین مارا جاسکتا تھا جس قدر انکے آدمی مقتول ہوئے۔ اِس سے ظاہر ہوگا کہ محض فوج
مین قتل ہوجانا یا کسی ظالم بادشاہ کے حکم سے زندگی سے سبکدوش کردیا جانا باوجود اسکے کہ اس حالت
مین اُن سے قابل تعریف امورات سرزد ہوئے ہون۔ اُن واقعات کے سامنے بے حقیقت ہین
جنکا ذکر حسین کی سوانح عمری سے متعلق ہے۔ یہ حالتین انھین مخصوص افراد عالم کے لئے تھین۔ اور
اُنکی تعریف یہ تھی کہ ان مخصوص مواقع پر اُنھون نے بہترین صفات کو بڑی پختہ حد تک دکھایا جن
حالتون مین ان صفات کا کہا جانا اگر ہو بھی تو نہایت شاذ ہوگا۔

مذہب زردشتی مین شہادت کی معدومیت۔

مذہب زردشتیت نے نہ صرف شہادت کے اعلے مفہوم کو کبھی دکھایا بلکہ ایسے زمانہ مین بھی جبکہ
عربون یا کبھی کی محکوم یا غیر مذہب قوم نے حملہ کیا۔ ایرانیون مین بجز حاکم قوم کی کوشش کے جو
اپنے اختیار کے لئے لڑ رہی تھی۔ مذہبی قوت کے کوئی آثار معلوم نہ ہوئے اور نہ کسی نے اپنے کو
مذہب پر قربان کیا۔ یہ سمجھا نا معجزہ ہوگا کہ آتش پرست اور سب کچھ پرست بغیر اسکے کہ فاتحین کے
مذہب کو اپنے مذہب سے زیادہ صاف قوت دار اور قابل عمل سمجھتے ہون۔ ملک کے ساتھ اپنی
گذشتہ مذہب کو بھی بلا وجہ چھوڑ بیٹھے ہون۔ زردشتیت اسکے آثار پیشتر سے ظاہر کرنے لگی تھی کہ
اُسے بجائے اُس ایزد اور اہرمن کے محبت اور خوف کے جسے سمبولیلنگ کا ایسا کوئی زمانہ حال
کا حامی اصول خیر و شر کا فلسفہ بتاتا ہے ایک صاف صاف مرکز اعتقاد کی ضرورت ہے اسکا
ثبوت اُس وقت ملیگا جب ایرانی بیت المقدس پر قبضہ کرتے ہین اور اسمین کسی دیوتا کو نہین
دیکھتے اور آخر مین نہ صرف لوٹی ہوئی چیزین واپس کرتے ہین بلکہ اُسکے قیام کے لئے بھی مدد کرتے ہین

اسلام کا خدا اور معبد

اور جب اسکا وقت آیا کہ "خدا" یا بسیط کل یا عالمگیر ذات کی پرستش کسی خاص گھر مین مقید نہ
رکھی جاتی بلکہ اُسکی عبادت کا بہترین مندر قلب انسانی ہوتا اور رفتہ وہ ہر جگہہ اپنا عجز و انکسار
ظاہر کرسکتا تو عالم نے خدا اور اُسکی عبادت کو نہ صرف مندر اور پجاریون سے آزاد دیکھا بلکہ
آزادی سے اُسکے غلامی کا خلوص پیدا ہوا اور اسکے بعد خدا کے دین مین لوگ فوج فوج داخل ہونے لگے

بہ استثنا اُن صورتون کے جبکہ اس فطری عالمگیر مذہب کی راہ مین مندر اور پوجاریون کی ذاتی منفعت حائل ہوگئی ہو یا زمانۂ حال مین قومی اصول نے اپنی تمام ایجادین اسکے روکنے مین صرف کردی ہون۔

حضرت موسیٰ اور عیسیٰ ابتدائی کوشش کا۔

حضرت موسیٰ کو ایک بڑی اوربے کاوش ابتدا یہ ملی تھی کہ انھین ایک ایک اینٹ جوڑنی نہ پڑی تھی بلکہ اُنکا فرض یہ تہا کہ وہ قوم جو کبہی حضرت یوسف کے زمانہ مین محسن مصر کی قوم سمجھی جاتی تھی اور جسپر کچھ زمانہ کے بعد حاکم قوم نے مظالم اور تشدد کئے تھے اُنھین سرزمین مصر سے نکال لائے اور ایک ایسی جگہ انھین دیتے جہان وہ اپنے رسومات ادا کرسکتی۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ کو کچھ تو اس وجہ سے زیادہ خوف اور دشواری نہ تھی کہ وہ کوئی خاص اصول مذہب نہ قرار دے رہے تھے اور نہ کسی تعریف کا اعلان کرتے تھے بلکہ مبہم نصیحتین تھین جنکے کہنے اور سننے کا ہر شخص کو حق حاصل تہا۔ اگر اُنھون نے فقیہہ یا کاہن فرقہ کو اپنا مخالف نہ بنایا ہوتا یا بیت المقدس کے متعلق وہ کچھ نہ کہا ہوتا جو کہا یا خدا کی حکومت کا ویسا ترجمہ کیا ہوتا جیسا حال کے مسیحی مورخین کرتے ہین اور ضمناً اپنے متعلق "یہودیون کے بادشاہ" کا حوصلہ خیز اور ملکی حیثیت سے مشتبہ فقرہ قبول یا ظاہر نہ کیا ہوتا تو انہین کوئی دشواری کا سامنا نہوتا۔ یہود کو اس سے کوئی مخالفت نہ ہوتی کہ انہون نے مشتبہ اطوار کی عورتون کو بخشدیا یا اُنھین اس درجہ رسوخ عطا کیا کہ وہ تیل یا عطر ملتین اور اُنکی زلفین اُنکے پاؤن پر لہراتی رہتین جبکہ خود یہود زہرہ کی دل فریب پرستش اور عستارت کی رقاص کنیزون کے گرویدہ ہوگئے تہے۔ اسی طرح اُنہین نظریۂ محبت سے کوئی مخالفت نہ ہوتی۔ اچھا تہا کہ کوئی شخص کم سے کم بنی نوع انسان کے سامنے ہر روز ہزار مرتبہ نعت محبت کہا کرتا۔ عام اس سے کہ وہ اپنے حلقۂ معتقدین مین محبت پیدا کر سکتا یا خود اپنی ذات سے اخلاص مین کسی کو راسخ کرسکتا یا نہ کرسکتا۔ حضرت مسیح کو ایک اور آسانی یہ تھی کہ وہ رومیون کی حکومت کے زیر سایہ اپنی تعلیم پہیلاتے تہے جو ملکی حیثیتون سے یہود کے سخت دشمن تہے اور خود یا قیصر روم کا بت پوجتے تہے یا اپنے اور بتون کی پرستش کرتے تہے۔ رومیون کے لیے برابر تھا کہ یہود کی مذہب کی تلقین کیجاتی یا دین مسیحی کی دراندازی کیجاتی۔ دین یہود سے علیحدہ ہوکر دین مسیحی مین آنا ایک قومی جماعت کا شکستہ ہونا اور اسلئے رومیون کے مفید تھا۔

واقعات عالم یہ بہی دیکھ چکے تہے کہ اہل مصر اپنے محسن یوسف اور اُنکے باپ یعقوب پر بہی ستر دن تک روتے

قوموں کا اپنے مشاہیر کی عزت

اور لاش مین خوشبو بہیجتے اُنکی فطری موت پر غم کرتے۔ اہل چین آج تک کنگفوزی کی یادگارین قایم کرتے اور اُسکی اولاد کی عزت کرتے۔ اِسی طرح اہل روم اور اُنکی عورتین اپنے کونسل بروٹس پر ایک سال تک اسلئے غم کرتین کہ اُسنے لکریشیا کی نقص خوردہ عصمت کا انتقام لیا تہا۔ فرانسیسیون نے ایک زمانہ کے بعد نپولین کے باقیات کو سینٹ ہیلینا سے منگا کر خاک وطن مین دفن کیا اور ایک عالیشان یادگار قایم کی۔ انگلستان اپنے مشاہیر کو ویسٹ منسٹر ایبی مین دفن کرتا ہے۔ بنی اسرائیل موسیٰ اور ہارون کا ایک مہینہ تک غم کرتے۔

نبی عربی کی ابتدائی مشکل۔

اب اسلام کی باری تہی۔ نبی عربی کو حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کی سی آسانیان نہ تہین بلکہ خود ایک ایک اینٹ جمانی تہی۔ ایسی جگہہ جہان صابئین۔ کاہن۔ دین مسیحی کے علما اور کفار تہے۔ اور اُن کے پادریون کاہنون اور پوجاریون کی مرتب فوج مخالفت کے لئے آمادہ تہی کسی ایسی قوم کے سامنے اسلام پیش کرنا نہ تہا جیسی اسٹریلیا۔ پولینیشیا یا امریکہ کے قدیم اقوام کی حالت تہی جہان کسی مستند مذہب کے گذر کے آثار نہ تہے۔ اور نہ حکومت کے مذہب کی حیثیت سے سامنے لایا گیا تہا۔ لیکن مشیت ایزدی کا اقتضا یہی تہا کہ اسلام ان بڑے اور مستند مذاہب کے دانتون کی بیچ سے نکلتا اُنکی آنکھون کے سامنے اسکا آغاز ہوتا اور بے پردہ اپنے نئے قدم اُٹھاتا۔ غالباً اِس لئے کہ اگر ہندوستان مین ابتدا ہوتی تو ایک زمانہ تک محض اہل ہند سُنتے اور دیکہتے۔ اگر چین مین ہوتا تو صرف بودھون کے لئے مفید ہوتا یا فلسطین مین تعلیمات اسلام محض یہود کے لئے ذریعہ ہدایت ہوتی یا کسی ایسی جگہہ جہان محض مسیحیت تہی اسلام کا اعلان صرف مسیحیت کے لئے ہدایت سمجہی جاتی۔ بلکہ اسلام کا مشن یہ تہا کہ ایک وقت مین اُنہین کے قریب قریب کُل مذاہب تعلیمات اسلام سُنتے اور اپنی قوتین اسکے سمجہنے یا مخالفت مین صرف کرتے۔

اسباب عروج اسلام

اسلام کے موافق کیا تہا؟ عرب کی اچہی خصوصیات قومی۔ اسلام کی فطری سادگی۔ گذشتہ انبیا و دینیا اور صالحین کی ہدایت کا اقرار۔ ابہام سے کنارہ کشی۔ عالم اور اُسکے جذبات کو اپنی دونون جسمانی اور عقلی آنکہون سے دیکہنا نہ کہ خیالی جالون سے اثر کرنا۔ مساوات اپنی ہر شاخ مین۔ جو اخوت اسلامی کی زبردست بنیاد ہوئی۔ امتیاز درجہ ترقی صفات مین۔ جس سے خدمات اور تزکیہ نفس مین ناقابل الزام رقابت پیدا ہوئی اور حیرت خیز سُرعت سے صفات نے ترقی کی۔ خدا اور اُسکے رسول پر "بھروسہ" "کثرت ظن" سے پرہیز زبردست برادرانہ معاشرت۔ اور درگذر۔ سادگی۔ انصاف۔ ہیشمار۔ نہر وغیرہ یہ چند نام ہے گئے جو اُس

چشمہ

سرچشمہ سے جاری ہوئین جسے ہم رحمۃ للعالمین کہتے ہین۔ یہ نہرین اُسی کی زبان اور عمل سے جاری ہوئین اور انہین نہرون

نہ صرف رائٹ آنریبل سید امیر علی صاحب کے ان بہترین لفظون مین کہ "ادس اور خزرج اپنی کہنہ خونریزیوں کو اسلام کے برادرانہ لطف و محبت کے جذبہ مین بہول گئے" اترگیا بلکہ قوم کی قوم ایک متفقہ ہوگئی ایک مخصوص جسم بن گئی جسمین اخلاق اور اخلاص اور محبت کی حقیقی بو تہی۔ سرفروشی جان نثاری خلوص محبت ایثار نفس ان سے ظاہر تہا وہ کہہ رہی تہی کہ من جان زبرائے دوست می دارم دوست۔ اُستاد کی عظیم الشان ذات ہر شخص کی ذاتی قابلیت کے لحاظ سے کم و بیش ہر ایک سے جہلک رہی تہی ایک معجز نما جلوہ تہا جو عالمگیر ہوتا جاتا تہا۔

ذات رسالت اور اُسکے عناصر۔

اُس نے کام شروع کیا جو عربون کے شریف ترین اور ممتاز قبیلہ کا ایک فرد تہا جس نے امین کا امتیاز حاصل کیا۔ جس نے نصب حجر اسود سے قبائل عرب کو ایک رکہا اور اختلاف نہ ہونے دیا اور جو ملکہ عرب کا شوہر ہوا۔ اُس نے کام شروع کیا جس کا خاندان عربون کا پیشتر سے روحانی پیشوا تہا جو اُنکے لئے محسنون اور حاکمون کا فرزند تہا کام اُس وقت تک شروع ہوا جب تک اُسکے انداز۔ رفتار گفتار۔ اور ذات مین وزن اور کشش نہ پیدا ہوگئی۔ اُسوقت تک کچہہ۔ ایک لفظ۔ آیندہ کے متعلق زبان سے نہ نکلا جب تک حرا کی چٹانون نے اُسے خاموشی مین یہ صدائے بازگشت نہ سُنائی کہ اُٹہو اور ہدایت کرو۔ اب نہ مکہ اور اُسکے مشرک روک سکتے تہے۔ اور نہ طائف کی سیٹہیان اُسکی آواز پر بلند ہوسکتی تہین۔ عورتون کی ہجا۔ پختہ مغز بوڑہونکی صلاحین۔ جوانون کی ہیبت۔ بچون کے پتہر۔ ظریفون کا تمسخر اُسکے ارادہ اور سلسل استقلال کے سامنے خُشک پتیان تہین جو اُس وقت کہڑکہڑاتی ہین جب ہوا چلتی ہے۔

مسلمان اور اُنمین شجاعت کے اسباب

شجاعت کا مرکز

دنیا سمجہہ چکی ہے کہ مسلمان ایک شجاع قوم ہے۔ اِس لئے کہ اُسمین اُسکے خیال مین۔ اوسکی ترکیب مین وہ عناصر سارے ہوگئے ہین جو کسی قوم کو شجاع بنا سکتے ہین۔ لیکن یہ تمام صفات بغیر نبی عربی کی حیرت خیز اور مجموعہ صفات بلکہ مظہر صفات ذات کے ایک وہ بے روح کہانی ہوتی جیسے کتاب کے کیڑے سُنتے اور کہلاتے رہتے اُنہین اسکا احساس ہوتا اور نہ مسلمانون کو اِس جائز افتخار مین شرکت کا موقع ہوتا کہ ہم مین ہماری خون مین اُن آبا و اجداد کا اثر ہے۔ جنہون نے رسول کے ذات اقدس کی استقلال اور شجاعت کو محسوس کیا تہا اور اثر لیا تہا۔ ہم نے پڑہا ہے کہ جسوقت لشکر اسلام میدان جنگ مین نہ رہ سکتا تہا زندہ اسلام (رسول) اُس وقت بہی اپنی جگہہ نہ چہوڑتا تہا اور کسی تنہا سرفروش کی جان نثاری کا ان الفاظ سے اعتراف کرتا تہا کہ لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار۔ اسی جگہہ نہ چہوڑنے کا یہ نتیجہ ہوتا تہا کہ وہ جو دشمن کے دباؤ سے ہیبت زدہ ہوکر جگہہ چہوڑ دیتے تہے پہر اس عظیم الشان ذات کے استقلال کو دیکہکر پیچہے ہٹتے

اور استقلال فتح پاتا تہا۔ خصوصاً جبکہ استقلال کے عناصر خدا پر بہروسہ۔ سچائی اور ہدایت تہی۔

مسلمانون کی شجاعت کی تاریخ

سوچو اسلام کی حالت اور اُسکے سپاہون کے سامان کو۔ کبہی دشمن کی تعداد کے آدہے بہی نہین ہین۔ کبہی چند تلوارین ہین اور چند صاع کہجورین تمام لشکر کے خوراک کا سامان ہین۔ دشمن ہزلی خود اور زرہ سے اپنے جسم کو بچا رہا ہے یہ جہنیڑ دن مین لپٹے ہوئے اُس کے سامنے جاتے ہین اس صورت سے جاتے ہین کہ نہ زرہ پوش کو اپنے فولاد مین ڈوبے رہنے کا خیال آتا ہے اور نہ یہہ دکہائی دیتا ہے کہ ہمارے حربون کو دشمن کا برہنہ جسم دکہائی دے رہا ہے۔ نہ انہین خوف اور اندیشہ ہے کہ ہم اپنے کو نیزون کی انی اور تلوارون کے بڑے مُنہ پر چڑہانے جاری ہین۔ مرنے کی خوشی تہی۔ مرنے کی دعائین مانگتے تہے نہ مرنے پر افسوس کرتے تہے بقول انہین کسی کے کہ "ہم موت کو اُس سے زیادہ عزیز رکہتے ہین جس قدر تم زندگی کو عزیز رکہتے ہو" موت سے شریفانہ نفرت تہی۔ ایسی زندگی حقیر تہی جو انکی بڑی وجہ کی راہ مین حائل ہوکر کوئی خوف یا اپنی محبت پیدا کرے۔ شراب کا غناٹا انہین میدان مین لیجاتا تہا اور نہ کوئی تنخواہ والے افسر تہے جو سپاہیون کو طپنچون کے خوف سے میدان مین قایم رکہتے ہون۔ ہم لوگ جو دہریت اور مادیت کی لہرون کے طمانچے کہاتے رہتے ہین ممکن ہو کہ انکے اس جوش اور اخلاص پر اپنے دانتون کو ہوا کہلا دین لیکن سوچنا ہوگا کہ جان دینا آسان نہین ہے۔ وہ لوگ دیکہتے تہے اندازہ کرتے تہے احساس کرتے تہے اور پہر بہی اپنے جوش پر قائم رہتے تہے انکا جوش بلک جہپکانے کے ترازو پر تولنے کا نہ تہا ایسا جوش تہا جسمین شکستگی نہ تہی۔ جوش لذتون کے حصول کے لیئے نہ تہا اس لئے تہا کہ شارع کے حکم کی اطاعت اور اسلام پر قربان ہو رہے ہین۔ اس نتیجہ کے لئے کہ خدا کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ نام و شہرت دنیاوی قدر دانی اور اصول منفعیت کا گذر نہ تہا۔ کوئی رومی فاتحانہ محراب کی تصویر نہ بنا تا تہا۔

رسول کی ذات سے محبت۔

یہ ذات اقدس تہی جو یاسر کو اُس وقت بہی پیاری تہی جسوقت پشت گرم ریت پر جہلس رہی تہی اور سینہ پر بہاری پتہر رکہا تہا۔ سمیّہ زوجہ یاسر ہزارون تعریفون کی مستحق تہی کہ اُنکے صبر اور استقلال مین ناقابل برداشت اذیتون سے لغزش نہ پیدا ہوئی۔ عمارہ ابن زیاد۔ عباس بن عبادہ غسیل الملائکہ ابن عُمیر۔ نسیبہ۔ خبیب۔ زید بن دثنہ۔ زید ابن حارثہ۔ اور جعفر بن ابیطالب ہین جو اسلام کے بڑے دل والے سرفروشون کی فہرست مین سے لکہ دیئے گئے ہین۔ لوگ تہے عورتین تہین جنہین اپنے اعزا کی لاشون پر کہڑی ہونیکی پاس ملنے مہلت نہ تہی کہ اُنہین رسول کو پہلے دیکہنا سب سے زیادہ عزیز تہا۔

امت پر رسول کی پدرانہ توجہ

وہ پدرانہ توجہ جو رسول کو اپنی اُمت سے تہی اُس نے امت کے افراد مین اسکا اثر کیا اور اگرچہ فوج سے
بھاگنے والے یا راز ظاہر کر دینے والے کے لئے کوئی کورٹ مارشل نہ تھا لیکن واقف ہونے پر بیٹا بیٹی بی بی
عزیز اور دوست سب کے سب اُسے جماعت سے عاق کر دیتے تہے جب تک اُسکے دل مین توبہ کا ایسا کامل جوش
نہ پیدا ہوتا تہا کہ خدا اور اُسکا رسول اُسے معاف کرے۔ معافی کے بعد اُسکی خلاف ورزیان محو تہین وہ پہر
جماعت کا ویسا ہی فرد ترکیبی ہو جاتا تہا جیسا پہلے تہا۔ توبہ اُسکے لئے منسوب ہو جاتی تہی۔ وہ ماں کے پیٹ سے
دوبارہ پیدا ہوتا تھا اور مسلمان لذت معافی کو محسوس کرتے تہے۔

غربت اور امارت

اس طرح خدا کی حکومت اپنے سفیر کے ذریعہ سے جڑ پکڑتی جاتی تہی۔ نہ غربت ذلت کی چیز تھی اور نہ امارت
مایہ ناز سمجھی جاتی تہی اگر غریب کو صبر اور قناعت کی تعلیم دی گئی تہی تو امیر کو کبر و نخوت سے روکا تھا۔
غریب کو اگر سوال کی ذلت سے منع کیا تو امیر کو اپنے غریب بھائیون کے حقوق یاد دلائے تہے۔
رؤسا اور شرفائے قوم کا اگر لحاظ کیا جاتا تھا تو اونھین یہ اجازت نہ تہی کہ کیسی ہی ذلیل حالت کے مسلمان کا
دل دکھائین ان باتون نے دوسری جماعتون کو کھینچا اُنھین ساخت قومی کی ایسی حیرت خیز کل چلتی ہوئی

قوت جذب پیدا ہوئی۔

معلوم دی جو انکی سمجھ سے بہت بالا تر تہی۔ وہ سب کچھ سمجھ جاتے لیکن اُس نور کے دہوئے ہوئے دل کے
اثر کو بغیر حلقہ اطاعت مین داخل ہوئے کیونکر محسوس کرتے جو اُن مسلمانون پر سایہ فگن تھا۔ اور جس
خواہ اُنکو لوگ وہ کسی جماعت اور آب و ہوا کے کیون نہ ہون دفعۃً رسومات پیشین کی کیچلی اُتار کر
نئے دین کی روح سے گرما گرم معلوم ہوتے تہے۔

تم پڑھ چکے کہ دشمن اُس قدر اذیتین نہ صرف باری برحق کو ... پہنچا چکے تہے جس قدر عداوت کا قیاس اور
کوشش ممکن تہی بلکہ مختصر سی اسلامی جماعت کے ساتھ چھیڑ ہی نہ حبشہ مین اُٹھا رکھی اور نہ مدینہ مین۔
بعض اوقات تو موقع اس قدر نازک ہو گیا کہ یہود اور مشرکین مین پس جانے کا کوئی شبہہ نہ رہ گیا تہا
پھر بہی تم نے دیکھا کہ حتی الوسع درگذر سے کام لیا گیا اور وہ رعایتین کی گئین جسنے خود دشمن کو حیرت
مین ڈالا۔ اور اسی مصلح بزرگ آدم نے بوڑھون بچون عورتون مریضون اور اجیرون سے تعرض نہ کرنے کا

فطری ولولہ

پہلا اعلان کیا۔ تم سوچ سکتے ہو کہ شیر دل حضرت حمزہ جنہون نے دجہہ اسلام کو اپنی شجاعت سے کیسی مدد دی
اُنکی عبرت خیز شہادت رسول کو انتقام پر آمادہ کر سکتی تہی۔ لیکن ہمارا رسول شیوع اسلام کے لئے
آیا تھا (تلوار کرنے) یا سانس کو بھوک سے چھڑانے نہین آیا تہا مثلہ کرنا یا آگ سے جلا دینا شدت سے روکا گیا۔ اگرچہ

وہ کیسا ہی دشمن کیون نہ ہو۔ اسلام کا کیسا ہی دشمن اظہار اسلام پر امن مین تہا۔ اگرچہ اسلام کی آغوش مین بہت سے ایسے داخل ہوگئے تہے جو آیندہ اُسکے سخت ترین دشمن ثابت ہوئے۔ اُنھون نے اُسکے امن کو اُسکے خلاف فساد قایم کرنے کا وسیلہ بنا دیا۔ یہان تک کہ سنہ کے مختلف وقوعون نے یہ ثابت کر دیا کہ خداوند تعالیٰ نے حجاز اور عرب مین عام اشاعت اسلام کے لئے ہر شخص مین ایک فطری ولولہ پیدا کر دیا ہے۔ اسلام لانے والے فخر کر رہے تہے کہ خدا نے اسلام سے ہمین عزت دی۔ دیر کرنے والے دور رہے تہے کہ ہمنے وقت ضایع کیا۔ ہمارے ہادی کی ساخت قومی اور درستی خصائل کے اِس معجزے کی تخفیف کرنا فطرت کے معجزے اور قانون کا انکار ہوگا۔ ایسا معجزہ جسے دنیا کے تمام مدبر قوم گر اور فلسفی سر جوڑ کر بہی نہین دکھا سکتے۔

رسول کے بعد اُمت کی نگہبانی کا سوال اور اوس کی وجہ

لیکن ہمیشہ ذہن مین آنیوالا یہ سوال باقی تہا کہ رسول نے اپنے بعد کے لئے کیا انتظام کیا اور اُمت کو جو ایسی سرکش قوم سے مرکب تہی جسے قتل غارت شراب۔ زنا اور انتقام سے کام تہا اُسکے جذبات کو لگام دینے اور اُس قدر تعلیم اور درجہ تہذیب کی محافظت جو اُسے حاصل ہو چکی تہی کس ذات کے سپرد کی۔ اور کسی اُنکا آیندہ کا رہنما مقرر کیا یا یہ کیا کہ مہاجر اپنے مین سے اور اُنمین کا ہر قبیلہ اپنا اپنا سردار اور انصار اپنے مین سے اور اپنا اپنا سردار مقرر کرین۔ اور اسلام کی یکجہتی قبل الاسلام افتراق پر منتہی ہو۔

ہارون الرشید اور اُس کا عمل۔

صواعق محرقہ مین ابوبکر بن عیاش کی زبانی ہارون الرشید سمجہا دیا گیا ہے کہ خدا اور رسول نے سکوت کیا لیکن اس حیرت خیز سکوت نے شاید کچہہ دیر کے لئے اُسپر مضحک سکوت طاری کیا ہو لیکن اس سے خود رشید کو کوئی نصیحت نہ ہوئی بلکہ اُس نے کمال اہتمام سے اپنے بعد امین اور مامون کے متعلق وصیت جائز اور ضروری سمجہی۔

رسول کے الفاظ اپنے بعد کا لحاظ سمجہاتے ہین۔

رسول کے یہ خیال ہم تک پہونچے ہین کہ کبہی اُحد مین اور کبہی بقیع مین اصحاب سے کہتے ہین کہ نہین معلوم میرے بعد کیا کروگے۔ فرماتے ہین کہ میرے بعد فتنے ہونگے۔ یا بقول مناریح کہتے ہین کہ "مین نہین ڈرتا ہون تمہارے پر کفر کے تئین اور شرک کے تئین یعنی یہ کہ تم میرے بعد کافر اور مشرک ہوگے لیکن ڈرتا ہون اس بات سے کہ دنیا کی رغبت کروگے اور آپسمین لڑوگے" بلکہ یہ کہنا ضروری سمجہتے ہین کہ واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً ولا تفرقوا۔ جو ہدایت سے بڑہکر متفق رہنے اور متفرق نہ ہونے کے استغاثہ تک پہونچ گیا ہے اور

علی سے اس ہدایت اور وصیت نے کہ تیرے بعد تجھے بہت سے صدمے پہونچینگے تجھے چاہئے کہ گھبرا نہ جائے اور صبر اپنا شعار کرے۔ اور جب تو دیکھے کہ لوگ دنیا کی طرف مشغول ہوئے تو تو آخرت اختیار کرنا۔ یہ سمجھا دیا کہ رسول کا سارا خوف یہہ تھا کہ لوگ دنیا مین مشغول ہو جائینگے۔

رسول نے ایک مرکز قائم کیا۔ اپنا قائمقام چھوڑا اس لئے کہ عناصر تفرقہ خودسری کے ہاتھون قوت نہ پکڑین اور قیام امن کی کوششین ذاتی اغراض کے ہاتھون پامالی نہ ہون۔

جناب امیر کے ذکر ایک غرض یہ بھی کہ رسول کے بعد کا مرکز پہچوایا

مین نے جناب امیر کے واقعات کو بھی ساتھ ساتھ بیان کرتے جانا اس لئے ضروری سمجھا تھا کہ اس موقع پہ کہہ سکون کہ یہ وہ مرکز تھا جسے رسول نے مسلمانون کے لئے چھوڑا تھا۔ نہ اس لئے کہ قرابت کا کم و خیال تھا بلکہ اس لئے کہ علی کو اُن مختلف حیثیتون سے پہچان چکے تھے۔ جن حیثیتون سے پہچاننا ضروری تھا۔ انکے اخلاص اور خدمات کی خبرین حجاز و عرب مین شایع ہو چکی تھین۔ انکا نفس وہ شیشہ تھا جسپر رسول نے قلعی کی تھی ممکن نہ تھا کہ اُسمین کوئی عکس آتا اور رسول اُس سے مطلع نہ ہوتے۔

دعا کی دنیوی اور روحانی حیثیت۔

واقعہ غدیر کے رسومات اِس طرح ختم ہوئے کہ چونکہ رسول دنیوی اور دینی افسر تھے اِس لئے جانشین کرنے اور دعا دینے کی خدمتین بھی اُنھین کو بجا لانی تھین جو "مولیٰ" اور "وال" کے الفاظ سے ظاہر ہین۔ لوگون نے اسکا اس طرح استقبال کیا جس طرح فطرتاً کوئی جانشینی کے موقع کا استقبال کرتا ہے۔ لوگون مین تعظیمانہ مسرت پائی جاتی تھی۔

اسکے وجوہات کہ کیون رسول نے غدیر کی ایسی رسم آخری وقت کیلئے اٹھا رکھی۔

لیکن اسکے کوئی معنی ہین کہ رسول نے علی کے متعلق اگرچہ پہلے تو ہی اشارے جانشینی کے کئے لیکن کبھی ایسے واضح عمل سے تائید نہ کی۔ بلکہ اسے آخر کے لئے اُٹھا رکھا۔ کیون ؟

اس لئے کہ جماعت اسلامی اب تک دوسرون کے مقابل آزمائی گئی تھی اب تک جامع قوم سر پر موجود تھا ابھی وہ آپس کے امتحان خیز مواقع سے نہ گذرے تھے۔ ابھی اُنھین آپس کا معتدلانہ برتاو اگر آیا بھی تھا تو اسکے یقین کی کوئی وجہ نہ تھی کہ انمین جاہلیت کے خصوصیات مردہ ہو گئی ہین۔ جو اعتدال کو جوش اور زیادتی سے نہ بدل دینگی۔ یا جو ذاتی فوائد اور حوصلے کے مقابلہ مین اطاعت اور حق شناسی پر عمل کرینگے۔

اِس لئے کہ اُسے اصول اسلامی پر قایم ہوئے زیادہ زمانہ نہ گذرا تھا۔ اگرچہ وہ حلقہ اسلام مین داخل ہو گئے تھے لیکن یہ سمجھنے کی گنجایش نہ تھی کہ وہ شارع اسلام کی خواہش کے موافق مدارج ایمان بھی طے کر چکے ہین کیونکہ

زمانہ کے گذرنے اور عمل کی ترقی کے ساتھ اُنکا پختہ یقین اور ایمان ہوجانا بہت ممکن تہا۔

اِس لیئے اکثر عرب داخل اسلام ہوگئے تھے لیکن اُنکے اعزا حالت کفر مین تھے اور اسلام اور رسول کے خلاف تلوارین اُٹھاتے تھے اور قتل ہوتے تھے۔ پس اگرچہ اسلام مین داخل ہونیوالے اسلام کے اپنے خیال پر غالب آجانے سے کفر کی طرف رجعت نہین کرسکتے تھے لیکن اُنمین سبکے سب ایسے نہ ہوگئے تھے جو اپنے مشرک بھائیون کے قتل پر متاسف نہ ہوتے یا کیسی ہی مشکل پڑتی لیکن خوف کے موقع پر جان دیتے اور رسول کو چھوڑکر نہ بھاگتے۔

اِس لئے کہ ایک جماعت تھی جو یہہ دیکھہ رہی تھی کہ ہم بہت سے داغ اُٹھا چکے ہین اور نہ اب ہم انتقام لینے کے قابل ہین اور نہ اب پہلی حالت پر قایم رہ سکتے ہین۔ پس اقتضائے مصلحت یہ تھا کہ جماعت اسلامی مین اپنا نام لکھوائین جسکے اقبال مین شرکت کی قوی امید ہے۔

اِس لئے کہ ایک جماعت تھی جسے حالت کفر مین اپنی قوم پر ایک وقار اور اثر تھا جسے اسلامی جماعت کے نشو و نما کو یا شخصی اثر جاتا رہا ور حلقہ اسلام مین کل داخل ہونیوالون کا ایک دینی اور دنیوی رہنما تھا۔ اُنکو اپنی پرانی حالت پر اڑے رہنا بے سود ٹھنڈی سانس بھرنا تھا لہذا اُنکے نزدیک بہی قسمت آزمائی کا میدان مسلمانون کے ہاتھ تھا۔ اقبال اور قسمت کی کنجی پر مسلمان قابض تھے۔

لیکن اِن تمام واقعات کا تعلق دو ذات سے تھا جسمین اگر حکم رسول کے متعلق تھا تو بجالانا علی سے متعلق تھا۔ اور جس قدر سرداران عرب کے سر کچلے گئے اور اُنکے جس قدر افسر قتل ہوئے وہ زیادہ تر علی کی تلوار سے اِس لئے اگر کفار کو علی سے دشمنی اور انتقام کا جوش تھا تو وہ لوگ جو متذکرہ صدر لحاظ سے مسلمان ہوگئے تھے لیکن اپنے پہلو ون مین عداوت کو رینگتا ہوا دیکھتے تھے اور دشمنی کی یاد کو کسی طرح فراموش نہ کرسکتے تھے۔ وہ بھی دشمنی اور انتقام کے لئے موقع ڈھونڈھتے تھے۔ اور سب سے زیادہ خوفناک امر یہہ تھا کہ جب ایسے دُکھی ہوئی آن سے لوگ اسلام مین داخل ہوئے تو اگرچہ اُنھین لینے لوگ اپنی پرانی بنیاد پر توجہ سے لیکن طبیعت کیسی بہت سی روشن اور خیال کی یکجہتی مین یکسان نظر آئے۔ خصوصاً اُنھین موقع بینی اور انتقام مین اکثر ہمخیال لوگ ملے۔ اسلام کا خالص گروہ اِنھین کو حیثیت سے مین مسلمان سمجھتا تہا اور اُسے علم نہ تھا کہ ہم مین وہ گروہ داخل ہے جسکے سینہ مین آگ دبی ہوئی ہے

زیرہ اس آگ
اور اُسکا اثر۔

اور بھڑک نہ اٹھے بلکہ وقت تو شل کر دہی ہے اس سے اگرچہ خالص گروہ معدوم تھا لیکن دوست نما دشمنوں
سے ناواقف تھا اور اپنے کو اپنی جگہ مضبوط کرنیکی کوئی فکر نہ کی تھی درانحالیکہ یہ دوست نما دشمن اگر اوائل
اسلام میں اپنے ہمخیالوں کی باضابطہ جتھا بندی کا نہ بھی کی ہو تاہم فطرتاً یہ لوگ اپنے حوصلوں امیدوں
اور منصوبوں میں ایک تھے اور انکی اس ہمخیالی نے اگرچہ وہ باطل ہی کیوں نہ ہو ان میں ایک قوت
پیدا کر دی تھی اور بے ترتیب خالص گروہ انکی اس اجماع کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس گروہ کو ایک
دوسری آسانی یہ تھی کہ جہاں لوگ انکے دلی حالتوں سے واقف نہ تھے وہاں اسلام میں جم غفیر داخل ہوتا
جاتا تھا اور یہ لوگوں کی رفتار اور خیال میں رسوخ حاصل کرتے جاتے تھے اور اپنے موافق موڑتے جاتے تھے
درانحالیکہ بے خیال اور بے شبہ داخل ہونیوالے مطلق ناواقف تھے۔ انھیں ان دوست نما دشمنوں سے
پیچھے سے کمزور ہونے کا کوئی خیال نہ تھا وہ اگرچہ جانتے تھے کہ ہم اسلامی جماعت میں حرکت کر رہے ہیں لیکن حقیقت
میں وہ لوگ اپنے آیندہ خیال میں جس طرح تربیت پا رہے تھے وہ انھیں خود پسند نہ آتا اگر اس سے
واقف ہوتے۔

آیندہ پر اثر ڈالنے والے انداز رسول سے پوشیدہ نہ تھے۔

لوگ واقف ہوں یا نہ ہوں لیکن رسول واقف تھے۔ یہاں بھی انکی طبیعت شناسی۔ خیالوں کا وزن
کرنا۔ نفس کا تولنا۔ حرکات وسکنات سے صحیح اشارہ سمجھنا۔ الفاظ کی بو انھیں دل کی چھپی ہوئی باتیں بتا دیتی
تھیں۔ رسول کچھ تو لوگوں کے اخلاص کا درجہ احد میں سمجھے تھے اور بہت کچھ خندق میں سمجھ گئے۔ حدیبیہ نے
تصدیق شروع کی اور مخالفت کی سرگوشی کے طنز نے وہ ذات بتا دی جس کا صریح حسب پیدا کر سکتا تھا۔ واقعہ
عقبہ نے عملی مخالفت کے لوگ یا سفینہ بھیجو اصیے اور بیماری میں حکم کی نافرمانیوں سے یہ یقین دلا دیا کہ علالت
کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ ورنہ آیندہ کے متعلق رسول کچھ خوف ظاہر کرتے اور علی کو آیندہ
طرز عمل کی ہدایتیں کرنیکی کوئی وجہ نہیں تھی۔ ابن خلدون نے کہا ہے کہ دوشنبہ یعنی روز وفات کی صبح کو نماز
ادا فرمانیکے بعد آپ نے وعظ فرمایا جسے قابل مترجم نے حاشیہ میں نقل کیا ہے اسکی یہ عبارت غور کے قابل ہے کہ
"اے لوگو آگ بھڑک اٹھی اور فتنہ آگیا مثل اندھیری راتوں کے ٹکڑوں کے" ہدایت یہ نہ تھی کہ اپنا ساتھ چھوڑنے اور
رد حقوق کرنے والوں سے بزور شمشیر معاملہ کرنا۔ نہیں۔ جب وہ دنیا کی طرف مشغول ہوں تو تم دین اختیار
کرنا"

یہ خیالات اور انکا یقین تھا کہ رسول نے علی ابن ابیطالب کی وصایت کا علاً اعلان نہیں کیا بلکہ اُسے آخر

تھے یہی وجہ تھی کہ انتظار کرتا تھا جسکے بعد ملتوی کرنا ممکن نہ تھا اس لئے کہ مخالفت کا گمان علم یقین کی حد تک واجب ہے روک نہیں سکتا تھا۔ اور جب تک "واللہ یعصمک من الناس" (خدا تجھے لوگوں سے محفوظ رکھیگا) بہی تسکین اور تائید کے لئے نہیں نازل ہو لیا۔ آخر کیا ضرورت تھی خدا کو وعدہ حفاظت کی اگر کچھ لوگوں کے مخالفانہ ارادوں سے خوف نہ تھا؟

مخالفت کا گمان تھا یقین آوری اور جبکہ روک نہیں سکتا تھا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر "بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ" (پہونچا دو اُس بات کو جو تیرے رب کی طرف سے تجھپر نازل کی گئی اور اگر تو نے نہ پہونچائی تو گویا تو نے ادائے رسالت نہیں کی) یہ مطلب تہا کہ رسول یہ فرماتے کہ تم جاہلیت کا خون معاف کردو۔ یا امانت واری کرو یا عورتوں کے حقوق کا لحاظ کرو وغیرہ وغیرہ تو یہ باتیں تھیں جیسے رسول اکثر فرما چکے ہے۔ بس یہ حکم ضرور کسی امر خاص کے متعلق تھا۔ اور وہ امر یہ تھا کہ اپنے بعد کے لئے دین اور خدا کی حکومت کے نمونہ کو جسکے یہ افسر تہے ایک تھی اور شایان شخص کے سپرد کرتے۔ شایان شخص وہی تھا جس کے واقعات اور خدمات کو میں نے واضح اور طویل حد تک دکھایا ہے اور جسے بقول صواعق محرقہ" ابوبکر و عمر خود بہ علی مولائے المومنین گفتہ اند" اور جو اس مورخ کے نزدیک بھی واقعہ سقیفہ کے اثنا تک ابوبکر وغیرہ سے بشوکت۔ عدد۔ استعداد اور ساعت میں قوی تر تہا۔ اس لئے سپرد کرتے کہ عامہ ناس کی خودسری اور خود رائی اُس ڈھانچہ کے شکست کا باعث نہ ہو جو صورت پذیر ہو لیا تھا۔ لیکن جس کے کافی حد تک مضبوط ہو سکنے کے لئے زمانہ کی ضرورت تھی۔ اور جب اُس دین کا ایک بہترین سے مناسب شخص کو محافظ بنا دیا اور آیندہ کے متعلق اپنا فرض ادا کر چکے تو اب لوگوں کو مزید اطمینان کے لئے یہی سنانا تھا کہ "الیوم اکملت لکم دینکم"۔

صاحب صواعق کے نزدیک علی کے متعلق کچھ باتیں۔

ہم سب اس سے واقف ہیں کہ رسول کے زمانہ میں نہ قرآن کی تدوین ہوئی تھی اور نہ احادیث لیسے جگہ جمع کی گئی تھیں اور ان دو اصل ذریعہ اسلام وابستہ تھے۔ ان کے متعلق کیا جاتا مسلمانوں میں کس قدر اختلاف انگیزی کا محرک ہو سکتا تھا۔ اور جو کام سب سے پہلے تہا وہ یہ تھا کہ قرآن شریف تین چار سو دمیوں کی کمیٹی کے متعلق کیا جاتا کہ وہ مشتبہ مقامات کو قریش کی بولی میں منتقل کریں اور پھر باوجود اس علم کے کہ علی نے اور وہی علی جنکے متعلق یہ مستند ہیں الغریبین حدیث موجود ہے کہ علی قرآن کے ساتھ اور قرآن علی کے ساتھ ہیں) رسول کے بعد بھی یہ خدمت اپنے ذمہ لی ہے کہ وہ قرآن مدون کئے بغیر عبا کاندھے پر نہ ڈالیں یہ تک گوارا نہ کیا جائے کہ کم سے کم اُنکے جمع کئے ہوئے قرآن سے مقابلہ ہی کر لیا جاتا۔ اور ابتدا ہی تھا

رسول کے زمانہ میں اسلام کا نقشہ کھنچا تھا عمارت نہ بنی تھی۔

یہ ہو کہ غریب ابن مسعود دیکھے جو کچھ اُسے دیکھنا تھا۔ پھر احادیث جیسی تصنیف کے تھوڑی اتنا ھیں ہیں
کس قدر اس خیال میں مشتبہ کرتے ہیں کہ رسول کے الفاظ کیا تھے۔ سوچو کہ ان تمام حالتوں نے کیا
طبعی اور قومی لحاظ سے افسوسناک اثر کیا اور کر رہا ہے۔ خدا نہ کرے کہ ابدالاباد تک کرے۔ اسکے لئے کوئی
چارہ نہ تھا بجز اسکے کہ رسول خود لکھا ہوا چھوڑتے اور یا اسلام کی تحریری صورت کا کسی کو ذمہ دار
کرتے۔ اگر اس لحاظ سے کہ رسول کو بہت کم فرصت ملا کہ جس میں کسی سے ایک لفظ کسی سے ایک اشارہ
اور کسی کو خاص تادیب کرتے اور ہر چیز کی تشریح لوز نند وین نہ کر سکتے تو بجز اس دوسری صورت کے
چارہ نہ تہا کہ وہ دوسرے کو ذمہ دار کرتے۔ وہ ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے اگر کوئی امام مقرر کیا
جاتا ہے جو تعمیری حیثیت سے اسلام کو کامل کرے۔ رسول نے نقشہ کھینچا تھا اسکی عمارت بنانا ابھی باقی
تھا۔ لیکن چونکہ وہ نقشہ بنا سکے۔ نقشہ سمجھا سکے اور تعمیر کا ایک ایسے شخص کو ذمہ دار بنا سکے جس کے
مدارج تعلیم پر اُنھیں اعتبار تھا تو اب اس کہنے سے کوئی امر مانع نہ تھا کہ اکملت لکم دینکم۔ یقیناً
ان صورتوں میں اکملت لکم دینکم نہیں کہا جا سکتا اگر تعین امام نہ کیا گیا ہوتا۔ اب اسکے بعد یہ سوچنا
آسان ہے کہ ایسے کسی شخص کے معرفت قرآن اور احادیث کا ملنا کس درجہ مفید اور قابل اعتبار ہوتا۔ افسوس
آج مسلمان دوسرے ہوتے اِس لئے کہ ان اصلی چیزوں کے متعلق اختلاف نہ ہوتا۔ اس سے ظاہر
ہوگا کہ مسئلہ امامت محض سیاسی حوصلہ مندوں کا پامال بہانہ تہا بلکہ حقیقتاً تعمیر اسلامی کی ذمہ داری
تہی۔ یہ ہمارے لئے کم مقدس نہیں ہے۔ یہ اگرچہ توریث نبوت نہ ہو لیکن توریث فرض نبوت ضرور ہے اور
یہ امر بفحوائے حکم "تبلیغ رسالت تم (رسول) کر دیا جو تم میں سے ہو" ممکن تہا۔

مسئلہ امامت سیاسی حوصلہ مندوں کا پامال بہانہ تہا بلکہ اسکے علاوہ بہت کچھ تھا۔

میں پھر یاد دلاؤنگا کہ واقعہ عقبہ سے رحلت رسول تک جو واقعات گذرے ہیں اُنکے سلسلہ پر خیال کرو
دیکھو کہ بعض لوگوں کا برتاؤ رسول کے ساتھ کیسا ہو گیا تھا اور خود رسول اُنھیں کس طرح سمجھ گئے تھے
اکثر باتوں کی تصدیق اس آیندہ باب سے ہوگی جسے میں شروع کرتا ہوں کیونکہ اب میں اُس جماعت کی
عملی کارروائی کے کہنے کے موقع پر پہونچ گیا ہوں جسکے پیشتر اُس کے الفاظ اور اندازسے حسن ظن اور
طبیعت سمجھنے کی کوشش تہی۔ اس باب میں ہم اپنے ہیرو کی اُس عمر تک پہونچے ہیں جس میں وہ واقعات کے
یاد رکھنے کی حالت تک پہونچ گیا ہے اور بہت سے جذبات کا مالک ہے۔ اب تک وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ میرے
پدر بزرگوار کی شان اور وقعت اس امر میں رسول کی نگاہوں میں کیسی ہے۔ اور وہ یہ سمجھنے کی عقل ہے کہ

مؤلف بعض باتوں کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

حسین کی عمر کا ساتواں برس۔

ہمارے تعظیم اور محبت کی امت سے وصیت کی گئی ہو۔

باب ۲ دوم

رسول کی تعمیرانہ مصلحت کا انہدام (اجمال)

(اہلبیت اور انکے موالین کے حقوق پر صدمہ پہنچانیکی کوشش)

کون اُٹھ گیا تھا

کوئی عجب نہیں ہے کہ رسول کے رحلت کی خبر سے مدینہ مین ایک عام افسردہ تاریکی پھیلگئی ہو اور لوگ یہ سوچنے لگے ہون کہ دیکھیے اُس نفس عظیم کے سایہ کے بعد جو ابھی ہمارے سرون سے اُٹھ گیا اب نئی حالت کونسی شکل اختیار کرتی ہے اور اسکا قیام کیونکر ہوتا ہے۔ بہت سے ہونگے جنہیں عالم افسردہ پھر دکھائی دیتا ہوگا اس لئے کہ اس دل کا دھڑکنا موقوف ہوگیا جس کی محبت کی گرمی کا وہ احساس کرتے تھے اور اُسے تمام لطف اور راحتون سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔ کچھ ہونگے جنہیں اب باتون مین عقل کی وہ روشنی نہ دکھائی دیتی ہوگی جو نہ صرف انھیں بلکہ اکثر یہود اور نصاریٰ کو بھی اپنے تصفیہ سے تسکین دیتی رہتی کمسن بچے نے وہ خبر گرا آنکھیں جو انکے لیے کبھی نہ جھپکتی تھیں پتھرا گئیں اب کوئی اُس پیار اور لپٹنے والی لطف سے توجہ کرنیوالا نہ رہا جو اہل صفہ کے لحاظ سے اس کا بھی روادار نہ تھا کہ اُسکی لاڈلی بیٹی ایک کڑا اپنے ہاتھون مین پہن سکتی یا کوئی پردہ اپنے دروازہ پر لٹکا سکتی۔ فقرا کے بچے اب وہ چہرہ نہ دیکھتے تھے جو انھیں دیکھکر بے ہنسے نہ رہ سکتا تھا حاجت والے اُس گھر مین شور ماتم سنتے تھے۔ جہان انھیں اپنی ضرورتون کی پوری ہونے کی اُمید تھی۔ لوگون کی آنکھین تھیں آنسو بہتے تھے لیکن بات نہ تھی۔ خموشی بھر گئی تھی اور اس خموشی مین لوگون کے ہیجان غم کے فرو ہونیکے بعد پھر کوئی بھین چیخ یا سرد آہ آنسوون کا رخ آنکھون کی طرف پھیر دیتی ہوگی تھمتے تھمتے آنسو تھمے ہونگے اور اس سکون کے عالم مین ہوش کی باتین اور آیندہ کا خیال پھر سامنے موجود ہوجاتا ہوگا۔

جنازہ کا عمل اہلبیت سے بیکسی کی حالت۔

جس وقت رونے والے رو رہے تھے اور سیر نہ ہوتے تھے بلکہ انکے دلون نے تسکین پانے سے انکار کردیا تھا اکثر طبقے ایسے تھے جو اپنا عمل کر رہے تھے۔ لیکن انکا عمل اپنی ساخت اور نتیجہ کے لحاظ سے نوعیت مین مختلف

تھا۔ یہ وہ ہے جو دیکھنا چاہتے ہیں کہ امارت اسلام کا تصفیہ کیونکر ہوتا ہے۔ آیا مسلمانون کا ولی۔ مولا اور
رسول کا خلیفہ وہی ہوتا ہے جسے رسول کہہ گئے تھے یا اور بھی سرفرو ہے۔ اسمین دیکھنے کی بات ہوگی کہ ان خیالات
کی بنیاد حب قومی۔ حب وطنی اور حب دینی کی وجہ سے تھی جسمین کو اپنی غرض شامل نہ تھی یا ان چیزون
کے پردہ مین خود غرضی بھی چھپی ہوئی تھی۔ یا اُن اعلیٰ احساسات کا کوئی اثر نہ تھا بلکہ تمام کوششین محض غرضی
اور اصول منفعت یا اصول اختیار پر مبنی تھین یہ تقسیمات ہین جنھین یہ باب غالباً سمجھانے کے لئے کافی
ہوگا۔ اور یہ اچھی طرح سمجھا جا سکیگا کہ رسول کے بعد جو کچھہ واقعات ہوئے اسمین وہ کوششین ہوئین جو اُس
اصول اسلامی کو ہر حیثیت سے اپنی جگہہ قایم رکھتین جو سکھایا گیا تھا اور خیال اور عمل مین جاری کیا گیا تھا
یا کوششون کی خاصیت اور نتیجہ یہ بتاتا ہے کہ یہی امورات آیندہ جماعت اسلامی کے انتشار کے باعث ہوئے اور
کچھہ وقت تک جنگی باجون کے شور اور جوش نے دیکھنے نہ دیا ہو۔ یا آگے چلکر ثروت کی اور امارت کی ترقی اور حسین
کنیزون کی بغلگیری نے نزات اور دل مین اصلی حالت کے سوچنے کے لئے کوئی وقت نہ چھوڑا ہو۔

اقدام کس نے کیا اور
بنی ہاشم اور بنی امیہ
اسوقت کی حالت۔

سب سے حیرت خیز امر یہ ہے کہ امورات خلافت کا اقدام ان دو جماعتون سے جنھین بنی ہاشم اور بنی امیہ
کہتے ہین شروع نہ ہوا اگرچہ اول الذکر جماعت وہ جماعت تھی جو رسول کے سانس لینے تک حاکم تھی اور
دوسری جماعت وہ تھی جو اپنی بلندی کی کوشش مین ایک زمانہ تک اسلام کو موت اور زندگی مین متردد
رکھتی تھی اور بالآخر اس پر مجبور ہوئی کہ خوشی یا ناخوشی سے حکومت کے حوصلون کو اپنے سینہ مین زور
سے دبا دے۔ اس آخر الذکر جماعت سے خوف کیا جاتا یا اول الذکر جماعت سے اپنے حقوق کے نفاذ کی
کوشش دیکھنا امید کے باہر نہ تھا۔ لیکن ان دونون جماعتون کے طرز عمل نے یہ سمجھایا کہ اگر اول الذکر
سردار اور ہادی کی لاش کا دفن کرنا پہلا فرض تھا تو دوسری جماعت اپنے دعاوی کو پس پشت ڈالکر
مطمئن ہوگئی تھی۔ جب تک کوئی مثال اس کے سینہ کے دبے ہوئے حوصلون کو پھر سے کھود کر نہ نکالتی۔
اور حقیقت تو یہ ہے کہ اول الذکر جماعت کو اسکا یقین ہی نہ تھا کہ ہمارے حقوق کے درمیان کوئی جماعت
حیرت خیز سرعت سے حائل ہو جائیگی۔ اور ثانی الذکر گروہ نے اسکا خواب بھی نہ دیکھا تھا کہ بنی ہاشم کا
حاکم گروہ دفعتاً بے اختیار اور بے قوت ہو جائے گا۔ لیکن یہی ہونے والا تھا۔ ایک تیسرے
گروہ کے ہاتھون۔

ہماری موجودہ ضرورت کے موافق واقعات یہ ہیں کہ جناب رسالتمآب نے بقول ابن خلدون دوشنبہ کے

رحلت کے دن اور قریب وقت حضرت ابوبکر کہان تھے۔

روز دو پہر کو اور بقول مجود کامل و بغوی (مغازی الرسول) دن چڑھے انتقال فرمایا۔ اسی صبح کو جناب رسالتمآب ایسے اچھے تھے کہ مسجد مین نماز ادا کی اور خطبہ پڑھا اور بقول ابن خلدون ابوبکر نے یہہ کہا کہ "ہم دیکھتے ہین کہ آپ اللہ کی عنایت سے بہت خوش و خرم ہین جیسا کہ ہم چاہتے تھے اپنے اہل کے پاس سنح مین چلے گئے"۔ مدارج مین بھی یہی ہے باوجود اس قدر صحیح ہو جانے کے جس سے ابوبکر کو اس قدر اطمینان ہو گیا کہ وہ اپنے عیال کے پاس موضع یا محلہ سنح مین چلے جاتے درانحالیکہ محض علالت کی خبر نے روک رکھا تھا کہ وہ لشکر کے ساتھہ کوچ نہ کرتے۔ یہ ہماری سمجھہ کے باہر ہے کہ کیونکر مرض مین دفعتہ اس قدر زیادتی ہو گئی کہ آنحضرت نے تھوڑی دیر کے بعد انتقال فرمایا۔ حالانکہ مرض اور خصوصیات مرض ایسی نہ تھین جس سے وقوع موت اس قدر سریع ہوتا۔ مورخین نے کہا ہے کہ سبب مرض وہ زہر تھا جو خیبر کی یہودیہ نے بزغالہ بریان مین دیا تھا۔ لیکن کوئی نوالہ حلق سے نیچے نہ اترا تھا صرف لعاب دہن سے جو کچھہ ہوا ہو وہ غالباً ایسا نہ تھا کہ اس وقت اپنا کوئی اثر کر سکتا چہ جائیکہ اس قدر بعد زمان کے بعد ہو۔

رحلت رسول کے بعد لوگون کی حالت پر غور کی بعض تعلیلین۔

بہر حال رحلت رسول کے بعد کیا ہوا جس سے انصار ایک جگہہ اور ابو الہشم وغیرہ دوسری جگہہ اپنی حالت پر غور کرنے لگے درانحالیکہ بنی ہاشم رسول کی لاش اقدس کے قریب تھے۔ کتنی دیر لوگ دولت سرا کے قریب رہے۔ اور اس کے بعد اپنے اپنے گھر جا کر فرقہ بندی کی۔ ایا خبرین سنکر لوگ جمع ہی ہوئے یا محض اپنی اپنی جگہہ پر اظہار غم کر لیا۔ اسکے واضح آثار نہین ہین۔ دوسری بات جو اور زیادہ غور کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب ٹھیک کہ لوگون کو یہ معلوم تھا کہ جناب رسالتمآب نے تجہیز و تکفین کی بنی ہاشم کو وصیت کی ہے لیکن پھر بھی کسی کو شرکت سے منع نہ کیا تھا پس وہ کونسا امر اسکا محرک ہوا کہ وہ نماز اور دفن پر اپنے غور کو مقدم کر دیتے۔ مین یہ کہہ رہا ہون کہ ہر ایک مین حوصلہ حکومت سہی لیکن اختیار حاصل کرنا اور اسکے لئے اس قدر جلد مستعد ہو جانا کسی ایسی وجہہ سے تھا جس مین ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے سبقت کا خوف ہوا اور اس سے پیشتر سے یہ طے کر لیا ہو کہ ہم رسول کے انتقال کے ساتھہ ہی پہلا کام جو کرینگے وہ اس امر کا تصفیہ ہوگا کہ ہم کس طرح صاحب اختیار ہو جائین۔ مین اسکی جزیات پر اپنی نگاہ دوڑانا چاہتا ہون کہ انکی اس تصفیہ کے لئے کونسی شئے محرک ہوئی۔

کیا کسی گروہ کو دوسرے کی سبقت کا اندیشہ تھا۔

. . . .

اس امر کے سمجھنے کے لئے کہ کیون بقول روضۃ الصفا اور اعثم کوفی ابو الہیثم بن تیہان اور ابوبکر وغیرہ ایک جگہہ جمع ہوئے اور انصار دوسری جگہہ دکھائی دیئے۔ درانحالیکہ بنی ہاشم ایک ضروری فرض ادا

انصار اور مہاجرین کو ایک دوسرے کے متعلق وصیت

کرتے ہے جسکو کوئی بات ہمین نہین ہے نہ زیادہ خط نہ زیادہ مناقع کی اس سے روایت ہے مروطبی ہے کہ انصار رسول کی زیادتی علالت سے متردد ہوئے تو آپ نے انصار اور مہاجرین کی ایک دوسرے کو وصیت کی اور سورہ والعصر کو اور اس آیت کو فہل عسیتم ان تولیتم ان تفسدو فی الارض و تقطعوا ارحامکم تلاوت فرمایا۔ انصار کے متردد ہونے کی وجہ یا تو یہہ تہی کہ وہ رسول کے بعد اپنے حقوق کو واضح کرانا چاہتے تہے اور یا انھین سطح دریا کے نیچے کچہہ اور دھارے بہتے ہوئے دکھائی دیتے تہے جسنے انہین اپنے لئے خوف زدہ کر دیا تہا۔ اور وہ بہی رسول کے لفظون مین سوچ اور دیکہہ رہے تہے کہ " آگ بھڑک اوٹھی اور مثل اندھیری رات کے ٹکڑے کے فتنہ آگیا" لیکن جو کچہہ بہی ہو ان لوگون کی فرقہ بندی نے بقول مولوی شبلی صاحب اسکا جواز کیسے کر لیا کہ " اس بات کا بہی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے تجہیز و تکفین سے فراغت کر لیجائے" یا اس مورخ کے موافق کہ " انھون نے ثقیفہ مین پہونچکر خلافت کے بارہ مین انصار سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح کوششون مین مصروف رہے کہ گویا ان پر کوئی حادثہ ہی نہین پیش آیا تہا خواص شاعر کے ان لفظون کی سی ہو گئی تہی کہ

دفن رسول پر معرکہ آرائیوں کو مقدم کرنیکا کوئی جواب نہین ہے۔

ملدگرسنہ در خانہ خالی بر خوان ٭ عقل باور نکند کز رمضان اندیشد

اب ہمین بجز یہ سوچنے کے مفر نہین ہے کہ رسول کے انتقال کے ساتھ ہی کوئی فوری وجہ اسکی محرک نہ ہوئی تہی کہ لوگ رسول کی لاش سے بےخبر ہو کر معرکہ آرائیون پر تل جاتے۔ بلکہ جو کچہہ اسباب تلاش کئے جا سکتے ہین وہ رسول کی رحلت کے قبل ہین۔ جسنے ثقیفہ بنی ساعدہ کے دو گروہ کو دفعۃً خم ٹھونکنے پر اس طرح آمادہ کر دیا کہ گویا یہہ دیر سے وقت کے منتظر تہے۔

اسکا جواب کہ اسامہ کے لشکر کے ساتھ روانہ ہونا محبت سے نہ تہا۔

ابن خلدون کا یہہ فقرہ ہم بعض لوگون کے متعلق نوٹ کر چکے ہین کہ اسامہ کے لشکر سے رسول کی علالت کی خبر سنکر آتے اور دیکہہ جاتے تہے" کیا اسلئے کہ دیکہین رسول کی رحلت اور اسلئے کارروائی کے آغاز مین کتنی دیر ہے جو تم کہہ سکتے ہو کہ محبت عیادت کی محرک ہوئی تہی۔ لیکن ایسا کہنے کے قبل رسول کے جنازہ کے پاس ان محبت کرنے والون کو ڈھونڈ لو! اسکے بعد فطرت تمہین سمجہا دیگی کہ غرض محبت پر غالب تہی۔ ہم لفظ غرض پر آگے بحث کرینگے۔

حضرت ابوبکر کی بیعت بعد رحلت رسول کو وقت ہوئی۔

اسکے بعد آگے چلنے کے لئے ہمین صواعق محرقہ کی یہ روایت ملتی ہے کہ " روایت کرد واقدی از چند طریق باسناد کہ بیعت ابوبکر رضی اللہ عنہ روز سہ شنبہ کہ رسول صلعم رحلت فرمود" اسی کتاب مین ہے کہ " چون بیعت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ شد در ثقیفہ روز دیگر بر منبر نشست پس مردمان بیعت کردند بیعت عام بود۔
بیعت ثقیفہ۔ یہ دونون روایتین ہم نے اس لئے پیش کی ہین کہ رحلت رسول کے پہلے اور دوسرے دن
اُن اصحاب کی مشغولیت معلوم ہوجائے جو رسول کے وفور محبت کی وجہ سے انکی علالت مین اُنکے ایک حکم
کو ملتوی کرسکتے تہے۔ اِسکے بعد مولوی عبداللہ صاحب امرتسری کی یہ عبارت بھی ملاحظہ ہو کہ "جب حضرت
ابوبکر وہان (ثقیفہ بنی ساعدہ) سے لوٹے تو سرور عالم علیہ وسلم دفن ہوچکے تہے اِس لئے شرکت جنازہ
سے محروم رہے جسکا قلق انکو تا مدت عمر رہا"

بیعت عام دوسرے دن ہوئی۔

کیا مضایقہ ہے اگر ہم ناظر کو تہوڑی دیر کے لئے اُس جلسہ مین لیچلین جس نے اسلام کے آیندہ کا ٹہیکہ
لے لیا تہا۔ یہ سیدہ موہوم کی اِس مصلحت اور ارادہ کے ساتھ کہ "جسکی چلگئی وہی خلیفہ ہوگیا" بلکہ یہ
سمجہنے کے لئے کہ کس طرح "چلگئی" اور یہ "چلگئی" طبیعتون اور واقعات پر کیا اثر ڈالتی ہے۔ اور اسکے
پس وپیش سے کیا سمجہ مین آسکتا ہے جس سے اگلے زمانہ کا دور بین مشغول بکار گشتہ شد حسین اندر ثقیفہ۔
مشکل سے یہ راستہ معلوم ہوتا اگر روضۃ الصفا نے راستہ دکھانے والے کا نام نہ بتایا ہوتا۔ یہ مغیرہ
ابن شعبہ تہا جس کے واقعات ہم کس حد تک لکہتے آئے ہین اور ابھی نہایت مفید حالات باقی ہین لیکن
رسول کے بعد آج یہہ پہلا موقع ہے کہ کسی عام مفید موقع پر دکھائی دیا ہو۔ اہل عرب مین ابن شعبہ
مدبر اور عیار اور مشہور تہے۔ اسکا نام آنا تمام راستہ روشن کردیتا ہے اگرچہ یہہ نہین معلوم کہ اس نے
ابن خطاب سے اسکے علاوہ کیا گفتگو کی جب وہ انصار کے ارادہ کی اطلاع دینے آیا۔ ابن الخطاب
نے اسکی خبر ابوبکر کو دی اور روضۃ الصفا کے موافق ہردو باتفاق آن سرور کا خانہ را تنہا گذاشتند
بجانب ثقیفہ بنی ساعدہ آوردند و ابوعبیدہ جراح در عقب ایشان روان شد"۔

کیونکر چلگئی اور اُسکے عناصر۔

سولات کو ثقیفہ بنی ساعدہ کا راستہ کیونکر معلوم ہوا۔

مغیرہ ابن شعبہ۔ عمر اور ابوبکر اور ابوعبیدہ۔

صاحب صواعق کسی مخبر کی بھی ضرورت نہین سمجہتا بلکہ ابوبکر خود عمر سے انصار کی طرف چلنے کی خواہش
کرتے ہین اِس طرح کہ "مرویست از عمر در زمانے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رحلت فرمود حضرت علی
وزبیر رضی اللہ عنہما وجمعی دیگر کہ با ایشان بودند در خانہ فاطمہ نشستہ تخلف کردہ وہمچنین انصار از
ما تخلف کردہ در ثقیفہ بنی ساعدہ گرد آمدند ومہاجرین بجانب ابوبکر شتافتند"۔ ابن خلدون بھی
کہتا ہے کہ "رفتہ رفتہ اِس امر کی اطلاع ابوبکر وعمر کو ہوئی یہ دونون بزرگ مع ابوعبیدہ جراح
ثقیفہ کو روانہ ہوئے۔ عاصم بن عدی اور عویم بن ساعدہ سے ملاقات ہوگئی عاصم نے ان کو

حضرت عمر کی روانگی خواہش

رو کنے کا قصد کیا لیکن وہ لوگ انکے روکنے سے نہ رُکے جس قدر جلد ممکن ہوا ثقیفہ مین جہان پر انصار جمع تھے جا پہونچے اور باہم مباحثہ ہونے لگا" اس مورخ کے نزدیک ابوبکر نے اپنے حقوق کے متعلق جو کچھ کہا وہ یہ تھا کہ "ہملوگ رسول اللہ (صلعم) کے اولیاء اور اُنکی عشیرت سے ہین انکے بعد حکومت کے مستحق زیادہ ہم ہین اورا سمین بظاہر کوئی نزاع کا موقع نہین معلوم ہوتا البتہ تمکو حق نصرت اور نیز سابق الاسلام ہونیکا حاصل ہے باین لحاظ ہملوگ اُمرا ہین اور تم وزرا ہو"۔

حضرت ابوبکر اپنا استحقاق خلافت پیش کرتے ہین اور انصار کو وزارت کی امید دلاتے ہین۔

انصار کے مجمع مین ایک کمزوری یہ تھی کہ وہ خود آوس اور خزرج مین تقسیم تھے۔ سعد ابن عبادہ قبیلہ خزرج کے پیشوا تھے اور اُسید ابن حضیر قبیلہ آوس کے۔ حباب ابن منذر اور ثابت ابن قیس وغیرہ امارت کے لئے سعد ابن عبادہ کو تجویز کرتے تھے اور بشیر ابن سعد وغیرہ اس رائے کے موافق نہ تھے اس لئے کہ بقول ابن خلدون "اوس ... خزرج کی امارت سے کشیدہ خاطر تھے"۔ اور بقول اعثم کوفی بشیر ابن سعد نے کہا کہ "مردم خلافت بہ قریش مسلم دارید کہ بر افتاد شما باشد و اگر برخلاف این بود مثل شما باشد"۔ جس وقت اوس۔ خزرج اور ابوبکر اپنے اپنے حقوق پیش کر رہے تھے اعثم کوفی کے مواقع عویم ابن ساعد نے کہا "اول قومی کہ باد شمنان محمد علیہ السلام شمشیر کشیدند شما بودید اول کسیکہ با دوستان وخویشان او خلاف کند شما باشید خلافت بہ خاندان نبوت باز گذارید و دست ازین نزاع ونفاق بدارید"۔

انصار کی کمزوری

ایک انصاری کی موقع بینی۔

عویم ابن ساعد کہتا ہے کہ خلافت خاندان نبوت مین رہنے دو

حباب ابن منذر کی تقریر مین حضرت ابوبکر کا یہ جواب بھی نہایت توجہ کے قابل ہے جو اعثم کوفی سے ملتا ہے کہ "عرب بہ امامت شما رضا نہ دہند چون از شما نیست وکسی را خواہند کہ از خاندان نبوت باشد"

حضرت ابوبکر کا خیال کہ عرب خاندان نبوت مین سے کسی کو چاہینگے۔

اور طبری سے ایک نہایت مفید امر معلوم ہوتا ہے کہ جب ابوبکر نے بمقابلہ قریش کے حقوق کا تذکرہ کیا تو انصار نے جواب دیا کہ "پھر علی سے بیعت کر لو کہ وہ پسر عم رسول ہین"۔ اِسکے بعد عمر ڈرے کہ اختلاف ہوگا اور ابوبکر سے کہا کہ ہاتھ بڑھاؤ تم سے بیعت کرین"۔ ابن حجر مکی کو یہ بھی کہنا ہے کہ "انصار کہ وہ دانستند بیعت ابوبکر ایشان را ملزم بساخت بخیر الامۃ من قریش بنابر این اطاعت وانقیاد کردند وحضرت علی از روئے شوکت وعدد واستعداد وسماعت قوی تر بود از ایشان"۔

انصار کا ابوبکر کو الزامی جواب۔

حضرت عمر کی جلدی۔

مورخین نے یہ بھی کہا ہے کہ اختلاف مین زیادتی ہونے لگی تو ابوبکر نے عمر اور ابوعبیدہ جراح کا نام پیش کیا اور اُس وقت عمر نے ابوبکر کو اپنے اوپر مقدم رکھکر بیعت کر لی لیکن اسکے مقابلہ مین مین صواعق محرقہ کی اس روایت کو جو مسعودی نے ابراہیم تیمی سے نقل کیا ہے "زیادہ قبولیت سے دیکھتا ہون

ابوبکر عمر اور ابوعبیدہ کی آپس کی نہایت مفید باتیں۔

کہ عمر نے پیشتر ابوعبیدہ کی طرف توجہ کی جس کی تائید ابن سعد کی اس روایت سے بھی نکلتی ہے کہ "جب ابوبکر شنید کہ عمر بہ طرف ابوعبیدہ میل دارد ابوبکر بہ عمر گفت رضی اللہ عنہما دست خود بکشا تا با تو بیعت کنم عمر گفت تو افضل از منی پس ابوبکر جواب داد قوت تو از من زیادہ است و این سخن را مکرر داشتند بعد ازان عمر گفت قوت من تراست با زیادتی فضل پس ازان بیعت بہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کرد۔"

قبیلہ اوس نے ابوبکر کا ساتھ دیا۔

روضۃ الصفا مین ہے کہ "ان روز خواص بیعت کردند"۔ اسی کتاب مین ہے کہ "قبیلہ اوس بر ضیق تمام با صدیق بیعت کردند و خزرج را تجاہلے تمام روی زد"۔ اعثم کوفی مین ہے کہ حباب نے بشر ابن سعد کی آمادگی دیکھکر اُس سے پوچھا کہ "تجھے کیا ہوا کہ تو نے اپنے ابن عم سعد ابن عبادہ سے حسد کیا"۔ صورت معاملہ یہانتک پہنچی کہ تلوار کھچ گئی اور لوگون نے حباب کو روکا۔

اوس و خزرج کا حسد۔

ابن عوف انصار اور ابوبکر

اعثم کوفی کے موافق یہ روایت بھی دلچسپ ہے کہ بیعت کے بعد عبدالرحمن ابن عوف سے چند انصار سے ملاقات ہوئی اور انھون نے کہا کہ تم نے کیون ابوبکر اور عمر کے مقابلہ مین اپنے کو پیش کیا۔ انصار نے اپنے افسرون کے متعلق احادیث رسول بیان کرنیکے بعد آخر مین جواب دیا کہ "اے پسر عوف اگر علی ابن ابیطالب اور بنی ہاشم سرور عالم کی تجہیز و تکفین مین مشغول اور کثرت غم مین مبتلا نہ ہوتے تو دوسرون کا کھاتا نہ پکا ہوتا۔ اور انکا کام ناتمام رہتا۔ اب جاؤ اور ایسی باتین نہ کرو جس سے تمہارے مقتدا پر مشکل آجائے"۔ ابن عوف نے یہ باتین ابوبکر سے کہین اور انھون نے جواب دیا کہ "جب ہماری مراد کے موافق کام پورا ہوگیا تو تم اس باز خواست سے مستغنی تھے"۔

حضرت عمر کا فقرہ سعد ابن عبادہ کے متعلق مقرر ہے وہ کل منوی ہکہا سعد کا بیعت سے انکار اور اُن سے درگذر۔

بیعت کے وقت سعد ابن عبادہ کو دھکا لگا یہ علیل تھے اور اوڑھے لپیٹے بیٹھے ہوئے تھے کسی نے یہ بھی کہا کہ دیکھو سعد کچل نہ جائے اسپر بقول ابن خلدون عمر نے جواب دیا کہ "اللہ تعالیٰ ہی نے مارا ہے"۔ سعد یہ سنکر دست و گریبان ہوگئے"۔ اور عمر کو بھی "غصہ آگیا لیکن ابوبکر کے روکنے سے رُک گئے"۔ اِسی مورخ کے موافق جب سب لوگ بیعت کر چکے تو سعد سے بیعت کرنے کو کہا سعد نے انکار کیا۔ بشر نے کہا یہ تن تنہا آدمی ہے اس سے درگذر کرو اسکو اپنی حالت پر رہنے دو پس سعد ابن عبادہ اِس واقعہ کے بعد نہ تو انکے ساتھ نماز مین شریک ہوتے تھے اور نہ ان سے باتین کرتے تھے تا آنکہ ابوبکر کا انتقال ہوگیا"..... بعضون نے یہ کہا ہے کہ بعد اِس واقعہ کے سعد ابن عبادہ شام کی طرف چلے گئے تھے اور وہین ٹھہرے رہے تا آنکہ مر گئے۔ مشہور یہ ہے کہ اِنکو جن (؟) نے مارا ہے"۔

سعد کی موت کیونکر واقع ہوئی

اختلاف کے خوف سے ابوبکر نے دو آدمیوں پر بیعت کا نمور نہیں ڈالا۔

صواعق محرقہ کی یہ روایت بھی دیکھنے کی ہے "بروایت ابی اسحاق وغیر او آنکہ سلمان گفت ای ابوبکر چہ چیز ترا برایں داشت کہ والی مردمان شوی و حال آنکہ نبی بیکو ہمارا از آن کہ بر دو کس (دو) امیر یا شم ابوبکر گفت مارا ازیں چارہ نیست ترسیدم کہ اُمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متفرق گردند و خلل افتد در دین" ان حالتوں میں جبکہ کوئی کہہ رہا ہے کہ "فوری طور پر اتفاق عام ہوگیا" اور کوئی کثرت اژدحام سے سعد کو کچلے ڈالتا ہے دیکھنے کی یہ بات ہے کہ حضرت عمر اسکے متعلق کیا کہتے ہیں۔ ابن ابی الحدید یہ کہتے ہوئے کہ عمر نے بیعت ابوبکر کو ناگہانی ہونا اور اُسکے شر سے خدا کا محفوظ رکھنا کہا ہے۔ آگے بڑھکر کہتے ہیں کہ "یہہ صرف اُنکی تیزی زبان اور درشتی طبیعت تھی ورنہ وہ ادب کرتے تھے"۔ صاف صواعق محرقہ کا یہہ محتاط طرز بیان توجہ کے قابل ہے کہ "عمر رضی اللہ عنہ در زمانے رجوع از حج خطبہ گفت کہ بمن چنیں رسیدہ کہ فلانے از شما گفتہ است کہ عمر چون بمیرو بہ فلانے بیعت خواہم نمود پس مغرور نشود کسے از شما بہ آنکہ بگوید بیعت ابوبکر فجاۃ واقع شد واگاہ باشید کہ ایں چنیں نبود الا آنکہ خدائے تبارک و تعالی از شر آن نگاہداشت و امروز درمیان شما کسی نیست کہ قطع از جانب او شود"۔ اب ذرا طریقہ بیعت پر غور کیجئے جسے ابن ابی الحدید براء ابن عازب کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ "تھوڑی دیر کے بعد ہم نے سُنا کہ قوم ثقیفہ بنی ساعدہ میں ہے اسکے بعد دوسرے کہنے والے کو سُنا کہ ابوبکر کی بیعت کر لیگئی تھوڑی دیر نہ گذری کہ دیکھا ابوبکر و عمر و ابو عبیدہ مع ایک جماعت اصحاب ثقیفہ کے چلے آتے ہیں وہ کسی کی طرف سے نہیں گذرتے مگر یہ کہ اُس کو دبا دیتے ہیں اور ہاتھ اُس کا بڑھا کر ابوبکر کے ہاتھ سے مس کر دیتے ہیں وہ چاہتا ہو یا نہ چاہتا ہو۔ پس میرے ہوش گم ہوگئے"۔

حضرت عمر کے لفظوں میں ابوبکر کی بیعت کیونکر ہوئی

بیعت کا طرز عمل

اب یہ ملاحظہ طلب ہے کہ خود اپنے بیٹے کی اس بیعت کے متعلق ابوقحافہ کی آمد کیا تھی۔ صواعق محرقہ میں ہے کہ "گفت ابوبکر را کہ ہوشیار باش درین امر کہ ایں امر محال است آیا راضی شدند بنو عبد مناف و بنو مغیرہ (؟) گفت بلے...." ابن ابی الحدید میں اس قدر لطیفہ زیادہ ہے کہ جب ابوقحافہ کو معلوم ہوا کہ ابوبکر سے اسلئے بیعت کیگئی کہ وہ سب میں زیادہ سن کے تھے تو کہا "میں اُنسے زیادہ سن کا ہوں"۔ ان دونوں مورخین نے اُنکی یہ دعا بھی لکھی ہے کہ "کوئی اُسے پست نہیں کرسکتا جسے تو بلند کرے اور کوئی اُسے بلند نہیں کرسکتا جسے تو پست کرے"۔

ابوقحافہ اور ابوبکر

پوست کش لطیفہ اور اُنکی دعا۔

صاحب صواعق نے ایک جگہہ دلیل لاتے لاتے یہ بھی کہا ہے کہ "ابوبکر منازعت درین باب (امامت)

بیعت کے وقت مقابلہ علی ابوبکر کی شوکت اور استعداد لوگون کی نگاہ مین کم تھی۔

میکرد بہ آنکہ از علی کرم اللہ وجہ از ضعف بود رشوکت و استعداد نزد مردم اورا دران وقت کمتر بودؑ اب اِس امر کے سمجھنے کی کوشش کیجائے کہ آیا جناب امیر علیہ السلام کے الفاظ اِس واقعہ کے سمجھنے مین کوئی مدد دیتے ہین اس کے لئے نہج البلاغہ کے مختلف خطبون کا متعلق حصہ پیش کیا جاتا ہے:۔

نہج البلاغہ سے کیا سمجھ مین آتا ہے۔

جب حضرت کو خبر دی گئی کہ مہاجر و انصار ثقیفہ مین جھگڑا کر رہے ہین تو آپ نے دریافت فرمایا کہ اُنصار کیا کہتے ہین۔ عرض کی گئی کہ وہ کہتے ہین منا امیر و منکم امیر۔ فرمایا مہاجرین نے کیون یہہ

انصار اور مہاجرین کی دلیل مین علی کی تنقید

دلیل پیش نہ کی کہ رسول خدا نے وصیت فرمائی ہے کہ انکے اچھون سے نیکی کیجائے اور اُنکے برون سے درگذر کیا جائے۔ اصحاب نے عرض کیا کہ اسمین انکے عدم امارت کی کونسی دلیل ہو۔ فرمایا اگر انھین امارت ہوتی اور انھین ہی کوئی امیر اور خلیفہ ہوتا تو یہہ دوسرون کے سپرد کیون کئے جاتے۔ پھر فرمایا اچھا قریش نے کیا دلیل پیش کی۔ اصحاب نے عرض کی کہ وہ یہ دلیل لائے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم

قریش نے پھل کو ضائع کیا۔

کے شجرے سے ہین پیغمبر کے خاندان اور قبیلہ سے ہین ارشاد فرمایا وہ اِس شجر کے ساتھ تو متمسک ہوئے مگر اُسکے ثمر کو ضائع کر دیا۔"

علی کی پیشگوئی نظام قومی کی برہمی کے متعلق

مجلس شوریٰ مین فرمایا "کہین ایسا نہو کہ آج کے دن کے بعد تم اس امر خلافت کو ایسی حالت مین دیکھو کہ اسمین تلوارین کھینچی جائین عہد شکنیان ظہور مین آئین۔ حتیٰ کہ تم مین سے بعض لوگ اہل ضلالت و گمراہی کے امام اور اہل جہالت و نادانی کے پیرو ہو جائین"۔

ذمہ داری کے زمانہ مین محتاط جواب۔

زمانہ خلافت مین جبکہ معاویہ مخالفتون پر آمادہ تھا کسی نے پوچھا کہ خلافت کے سزاوار تو آپ ہی تھے پھر کیون قوم نے آپ کو اس سے علیحدہ کر دیا۔ فرمایا "بیشک تیرے مرکب کا تنگ ڈھیلا ہے۔ تو صواب و سداد کے برخلاف رستون کی طرف مہار اُٹھا رہا ہے اور وہ سوال کر رہا ہے جسکا موقع اور مصلحت نہین (لیکن) تجھے سوال کرنیکا حق بھی حاصل ہے اور تو علم کا طالب بھی ہو رہا ہو۔ لہذا اب معلوم کر حالانکہ از روئے نسب مین سب سے اعلیٰ ہون اور از روئے رشتہ کے رسول خدا سے نہایت ہی قریب بلکہ پیوست ہون پھر بھی مجھ پر بلند ہونیکی آرزو کرنا ظاہر ہے کہ اِس قوم کے نفوس نے بخل اختیار کیا حق بہ حقدار نہ پہونچایا اور ایک دوسرے گروہ نے اپنے نفسون پر سخاوت اختیار کی کہ حق و باطل مین حکم کرنے والا خداوند عالم ہے۔ تو اس غارتگری کی حالت کو چھوڑ دے جس کے اطراف مین بہت سی فریادین بلند ہو چکی ہین اب اس ابن ابو سفیان کی شان بزرگ کو دیکھ جسے رُلانیکے بعد اس زمانہ نے ہنسا دیا اور اگر دیکھا جائے تو قسم خدا کی یہ کوئی تعجب کا مقام بھی نہین۔۔۔۔ اگر

ہم سے اور انسے ان بلاؤن کے رنج والم دور ہو جاتے تو مین انھین خالص حق پر قایم کر دیتا اور اگر ان سے برخلاف صادر ہو تو پھر تو ایسے لوگون کی گمراہیون پر حسرت و افسوس کرکے اپنے نفس کو ہلاک کر۔ کیونکہ جو کچھ یہ لوگ عمل کرتے ہین پروردگار اس سے واقف ہے"۔

علی قریش کے متعلق

" بار الہا مین تجھسے اِس گروہ قریش کیلئے انتقام طلب کرتا ہون کیونکہ ان لوگون نے میرے رحم کو قطع کیا اور اس حق پر مجھسے نزاع کرنے کے لئے جمع ہوگئے جسکا مین اِن سے زیادہ مستحق تہا اور مجھسے کہنے لگے کہ بیشک خلافت تیرا حق ہے اگر تو اسے لے لے مگر اب تو حق یہی ہے کہ تجھے اس سے روک دیا جائے۔ اب تو نہایت ہی رنج والم کی حالت مین صبر کر اور نہایت متاسفانہ طریقہ سے مرجا۔ اب مین نے نگاہ دوڑائی تو اہلبیت کے سوا کسیکو اپنا معین و مددگار اور دشمن کو دور کرنیوالا نہ پایا۔ مین نے انکی موت سے بخل کیا۔ اب مین نے کدورت آمیز آنسو بہانے کے لئے آنکھو بند کرلیا۔ دلی سوزش بجھانیکے واسطے لعاب دہن پیکر رہگیا اور خشم و غضب کے فرو کرنیکے خاطر ایسے ناگوار طریقہ سے صبر کیا جو درخت حنظل سے بہی زیادہ تلخ اور تیز چھُریونکی برش سے زیادہ قلب کو اذیت پہونچانے والا ہے"۔

علی نے اہلبیت کی موت سے بخل کیا۔

" نہایت تعجب ہے کہ مصاحبت پیغمبر تو خلافت کا حقدار کردے اور جو شخص مصاحب بہی ہو اور خویش بہی وہ خلافت سے محروم رہے۔ اگر تو شوری و اجماع کے سبب سے امور مردم کا مالک ہوگیا تو یہ شوری و اجماع متحقق کیونکر ہوا کیونکہ صاحبان شوری تو غائب ہی ہین"۔

شوری کی تردید اور مصاحبت کی دلیل میں قرابت۔

" پیغمبر کی وفات کے بعد جو ہمنے جہاد اور احقاق حق مین تاخیر کی اُسکی وجہ یہ تہی کہ اغیار اسکے مستحق نہ تہے اور ہمین وہ حق نہین پہونچتا تہا"

خاموشی اغیار کے استحقاق کا اقرار اور اپنا انکار نہ تہا۔

" اے سُننے والے خبردار ہو جا کہ فلان شخص نے پیرہن خلافت کو زیب تن کرلیا حالانکہ وہ خوب جانتا تہا اور اُسے اچھی طرح یقین تہا کہ خلافت کے لئے میرا وہ مقام ہے اور مجھے اُس سے وہی نسبت ہے جو آسیا کو قطب آسیا سے۔ جب ابن ابو قحافہ نے اِس پیرہن کو ناحق اپنے زینت بنالیا تو مین نے اپنے اور اس خلافت کے درمیان پردہ ڈالدیا اور اس معاملہ مین غور کرنا شروع کیا کہ اپنے بریدہ اور شکستہ ہاتھ سے اُسپر حملہ کرون یا اُس ظلمت و تاریکی پر صبر کرون اُس وقت مین نے دیکھا کہ اِس واقعہ پر میرا صبر کرنا بہت ہی بہتر اور نہایت ہی عقلمندی ہے۔ مین دیکھ رہا تہا کہ میری میراث کس طرح تاراج و غارت ہورہی ہے"!

علی نے صبر کا تصفیہ کیا

" جب آپکا انتقال ہوگیا تو آپ (رسول) کے بعد مسلمانون نے امر خلافت مین نزاع کی۔ قسم خدا کی ہرگز

میرے دل مین یہ بات نہ تہی مجہے اسکا گمان بہی نہ تہا کہ اہل عرب اس امر خلافت کو رسول اللہ کے بعد آپ کے اہلبیت سے زائل کر دینگے نہ مجہے یہ خیال تہا کہ حضرت کے بعد مجہ اس خلافت کو دور کرینگے۔"

حصول اختیار کا نتیجہ۔

اب جو واقعات ہم بیان کرینگے وہ حصول اختیار کا نتیجہ سمجہا جائیگا۔ ابو الفدا کہتا ہے:۔

آگ اور تخلیہ۔

ابوبکر نے اب عمر کو علی کے پاس یہ ارادہ بہیجا کہ جو لوگ اہلبیت مین سے ہمراہ ہین اُنہین مع علی کے حضرت فاطمہ کے گہرسے نکال دو اور اگر نکلنے سے انکار کرین تو لڑنا۔ یہ تھوڑے لوگ لیکر یہ ارادہ گہر پہونکنے کو گئے۔ حضرت فاطمہ سے ملاقات پر آپ نے پوچہا:۔

حضرت فاطمہ کا سوال اور عمر کا جواب

"کیا ہمارا گہر پہونکنے جاتے ہو؟"

"البتہ گہر پہونک ڈالونگا نہین تو تم بہی ابوبکر صدیق سے بیعت کرلو جس بیعت مین تمام امت داخل ہوئی تم بہی داخل ہو جاؤ۔"

مہلت نہ دینے کی صلح

کتاب الامامۃ والسیاسۃ مین بہی ہے کہ پہلے ابن خطاب لکڑیان لیکر گئے اور واپس آئے۔ اسکے بعد صلاح ہوئی کہ مہلت نہ دینی چاہیئے اور اس مرتبہ ایک شخص بہیجا گیا جسکا نام قنفذ تہا۔ اُسوقت حضرت ذکیہ طاہرہ نے بلند آواز سے فرمایا کہ "یارسول اللہ آپکے بعد ابو قحافہ اور عمر سے کیا کیا نہین دیکہا"۔ اسپر قنفذ اور اُسکے ہمراہی رونے لگے۔

طاہرہ کی فریاد نے قنفذ کو رُلا دیا۔

علی صاحبان اختیار کی روش سمجہتے ہین۔

اس مورخ کے موافق جس وقت حضرت علی دربار خلافت مین موجود تہے آپ نے فرمایا کہ "اس طرح دودہ دوہو کہ تمہین بہی اُس کا ایک حصہ ملے اور اُنکے لئے مضبوط کرو کہ وہ کل تمہین لوٹا دینگے"۔ حضرت نے یہ سوال کیا کہ اگر ہم بیعت نہ کرین تو کیا کروگے؟ عمر نے کہا:۔

حضرت علی کا سوال اور عمر کا جواب۔ ابوبکر کا جواب۔

"گردن مارینگے"۔ اور اسکے بعد ابوبکر سے مخاطب ہو کر کہا کہ "تم کچہ حکم کیون نہین دیتے"۔ جسکا اُنہون نے جواب دیا کہ "جب تک فاطمہ اُنکے پہلو مین ہین ہم کبہی مجبور نہ کرینگے"۔

بشر ابن سعد اور علی کی گفتگو۔

اعثم کوفی کے موافق بشر ابن سعد اور علی مین یہ گفتگو ہوئی۔ بشر نے کہا:۔

"یاعلی صدیق کی بیعت سے پہلے اگر تم اپنا حق ظاہر کرتے تو دو آدمیون سے زیادہ کوئی تمہاری مخالفت نہ کرتا لیکن چونکہ تم گہر بیٹہے رہے سبکو خیال ہوا کہ تمہین رغبت خلافت نہین ہے۔ اب یہ باتین لوگون کے عقیدہ کے خلاف ہونگی۔ لوگون نے اس خوف سے کہ مبادا دین رسول مین خلل پڑے ابوبکر کی بیعت کرلی"

علی نے جواب مین فرمایا:۔

آپ بشر کیا تو اسے پسند کرے گا کہ میں رسول کی لاش بے غسل و کفن چھوڑ کر ریاست کی فکر میں دوڑتا!؟"

اب ابوبکر جواب میں کہتے ہین کہ "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم مخالفت کروگے تو مین ہرگز قبول نہ کرتا اب اگر بیعت کرو تو مناسب ہے نہین تو تمپر کوئی تکلیف نہین ہے" صاحب صواعق محرقہ نے بھی اس اعلان کو لکھا ہے اگرچہ اسکی تکمیل اس طرح کی ہو کہ حضرت علی نے توقف کرنے کے بعد بیعت کرلی۔ اس مورخ نے یہہ بھی لکھا ہے کہ جب ابن ابوقحافہ حضرت علی کے پاس گئے تو جناب امیر نے شکایت کی کہ "منفرد شدی بامر یعنی مشورت را تنہا کردی و مارا دخل نہ دادی و بسواسطہ قرابتے بر رسول صلی اللہ علیہ وسلم مارا درین نصیبے بود مثل این نوع سخنان رفق آمیز می گفت تا آنکہ ابوبکر صدیق بگریہ آمد و اشک از چشمہائے بارید"۔

اب ہم اس امر کے سمجھنے کے لئے کہ آیا بیعت کرنیوالون نے حسن نیت سے مسلمانون کی ذمہ داری قبول کرکے اسلام پر احسان کیا تہا یا اسکے خلاف تہا ابن ابی الحدید سے مدد لیتے ہین۔ وہ کہتے ہین کہ جس روز ابوبکر خلیفہ ہوئے اُسی شبکو ابوذر، سلمان اور ابن ہیثم وغیرہ نے ایک کمیٹی کی کہ مہاجرین مین خلافت کے متعلق دوبارہ شوری ہو۔ یہہ خبر ابوبکر وغیرہ کو معلوم ہوئی اور یہ لوگ سیدھے مغیرہ ابن شعبہ کے پاس گئے بقول کتاب الامر و السیاسۃ" مغیرہ نے کہا:-

"کیا تمہاری صلاح ہے کہ عباس کے پاس چلو اور اس امر مین اُنکا اور اُنکی اولاد کا بھی حصہ قرار دو۔ یہ حجت ہوگی علی اور بنی ہاشم پر جبکہ عباس تمہارے ساتہہ ہونگے"۔

"پس گئے ابوبکر عمر اور ابوعبیدہ یہانتک کہ عباس کے پاس پہونچے ..... (ابوبکر نے کہا) ہمکو خبر ہوئی ہے اُن طعنون کی جو طعن کرنے والے اجماع مسلمین کے خلاف کرتے ہین اور تمکو آڑ قرار دیتے ہین۔ یا تم خود اسمین داخل ہو جسمین عام لوگ داخل ہوئے ہین یا روکو اُن لوگون کو جس طرف وہ مایل ہین ہم چاہتے ہین کہ تمہارے لئے اِس امر مین ایک حصہ قرار دین جو تمہارے اور تمہارے بعد کے لئے ہو۔ اسواسطے کہ تم عم رسول ہو۔ اگرچہ لوگون نے تمہاری اور تمہارے اصحاب کی منزلت سمجھی لیکن اس امر خلافت کو تم سے پھیر دیا۔ اے بنی عبدالمطلب اپنی جگہہ پر قرار لو اِس واسطے کہ رسول تم سے بھی ہین اور ہم سے بھی"۔ اب عمر نے شروع کیا "ہان واللہ یہ مناسب ہے۔ ہم اس واسطے نہین آئے ہین کہ ہمکو تم سے کوئی حاجت ہے لیکن ہم نے اِس بات کو ناپسند کیا کہ تمہاری وجہ سے اُس امر پر کوئی طعن ہو جسپر عام لوگون نے اجماع کرلیا ہو۔ پس گھیر لینگے مشکلات تمکو اور اُنکو۔ پس اپنے اور لوگون کے لئے

جوش کے وقت حضرت ابوبکر کی بلا علانہ سادگی اور علما سے بیعت کی تکلیف ساقط

ابوبکر رو رہے ہین۔

آیا بیعت لینا حسن نیت اور اسلام پر احسان کی خیال تہا

دوبارہ شوری کی خبر سنکر ابوبکر مغیرہ کے پاس گئے۔

صلاح کہ علی اور بنی ہاشم پر حجت قایم کرنیکے لئے عباس بعد نسل و خلیفہ مقرر کرو۔

جماعت خلافت کا عباس سے مخاطبہ۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اور طرف مایل تہے۔

غور کرو۔"

عباس نے جواب دیا:۔

"رسول نے لوگون پر اُنکے امر کو چھوڑ دیا کہ وہ اپنے لئے انتخاب کرین اس طور سے کہ حق کو لئے ہون نہ حق سے علٰحدہ ہون بسبب خواہش نفس کے۔ اگر بسبب رسول کے تم نے اسکو طلب کیا ہو تو تمنے ہمارا حق لیا اور اگر مومنین کے ذریعے سے لیا ہے تو ہم بھی مومنین مین سے ہین اور سب مین مقدم ہین اور اگر یہ تمہارے لئے ثابت ہوا ہے مومنین کے ذریعے سے تو وہ تمہارے لئے کیونکر ہو سکتا ہے درانحالیکہ ہم کارہ تھے۔ جو کچھ ہمکو دینا چاہتے ہو اگر وہ تمہارا حق ہے تو ہمکو اُسکی کوئی ضرورت نہین ہے اور مومنین کا حق ہے تو تمکو اُسکے متعلق فیصلہ کا کوئی اختیار نہین ہے۔ اور اگر ہمارا حق ہے تو ہم بعض کو چھوڑ کر بعض پر اکتفا نہین کر سکتے۔ یہ جو تمنے کہا کہ رسول ہم مین اور تم مین دونون سے ہین تو رسول وہ درخت ہین جس کی ہم شہنیان ہین اور تم ہمسایہ ہو۔" حضرت عباس کا یہ جواب ابن الحدید نے لکھا ہے جسے ابن قتیبہ نے نہین لکھا کہ "تمہارا یہ قول کہ تمہین خوف ہے لوگون کا ہمارے باب مین پس اسکا تو تمنے پہلے ہی سامان کر لیا ہے اور خدا ہمارا مددگار ہے۔"

بمقابلہ بنی ہاشم پہلے سے سامان کر لیا گیا تھا۔

اب مین جو مثال دینا چاہتا ہون وہ اُنھین مثالون کی ضمن مین ہے جیسی پیشتر دی گئین کہ انصار بیعت ابوبکر کو مکروہ جانتے تھے یا سعد ابن عبادہ نے بیعت نہ کی۔ ابن خلدون کے مترجم کی زبانی ہم اس حکایت کو قبول کرتے ہین جسے اور مورخین نے بھی نقل کیا ہے کہ" ایک روز ابوسفیان مدینہ مین علی کے پاس یہ کہتے ہوئے آئے کہ مین مدینہ مین ایک عجب شورش دیکھتا ہون جس کو سوائے کشت و خون کے اور کوئی چیز فرو نہین کر سکتی۔ اے آل عبد مناف ابوبکر تمہارے ہوتے ہوئے سرداری کا کیسے مستحق ہو سکتا ہے۔ کہان ہین وہ دونون ضعیف و ذلیل علی و عباس۔ یہ عجب بات ہے کہ حکومت و سلطنت قریش کی نہایت چھوٹے اور حقیر قبیلہ مین چلی جائے۔ یہ کہکر علی سے مخاطب ہو کر کہا۔ ہاتھ بڑھاؤ مین تم سے بیعت کرتا ہون واللہ اگر تم چاہو تو مین ابوبکر پر اس میدان کو تنگ کر دون اور میدان اسکو سوار و پیادہ سے بھر دون۔ علی نے یہ سنکر نہایت سختی سے جواب دیا اور یہ کہا کہ واللہ تونے اس سوائے فتنہ و فساد کے اور کسی بات کا قصد نہین کیا۔ واللہ تونے اسلام مین آتش فتنہ روشن کرنے کی کوشش کی ہے۔ جا مجھے تیری نصیحت کی ضرورت نہین ہے۔"

بیعت ابوبکر سے کراہت کی مثال اور بنی امیہ سے

ابوسفیان کو علی کا جواب۔

صواعق مین ہے کہ

" حضرت عباس ارادت بیعت با علی کرم اللہ وجہ کردہ و علی قبول این معنی نکرد.... زبیر صاحب شجاعت

علی نے قبول نہ کیا۔

بنوہاشم وغیر ایشان بہ او بود ند و تقویت او میکردند"۔

ابوالفدا کہتا ہے کہ بنی ہاشم۔ عتبہ بن ابی لہب۔ خالد بن سعید بن العاص۔ مقداد ابن عمر۔ سلمان فارسی۔ ابوذر۔ عمار یاسر۔ برا بن عازب اور ابن کعب علی کے ہمراہ رہے اور ان لوگون نے ابوبکر کی بیعت نہ کی۔ ابوسفیان بھی جو بنی اُمیہ تھا الگ رہا۔ ابن خلدون مین متخلفین بیعت مین طلحہ کا نام بھی ہے۔

ابوبکر کی بیعت سے تخلف کرنیوالون کے نام۔

ابن خلدون سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر نے خالد ابن سعید کو جو شام کے عامل تے اور جنہون نے بعد وفات آنحضرت چند روز بیعت ابوبکر سے تخلف کیا تہا اور علی و عثمان روسائے بنی عبد مناف کے پاس گئے تہے معزول کردیا۔

ابوالفدا کے موافق عتبہ بن ابی لہب نے چند شعر اس مضمون کے کہے کہ "مین نہ جانتا تہا کہ خلافت اور حکم اولاد ہاشم سے جاتا رہیگا اور ابی حسن کو بہی جو سب سے پہلے ایمان لائے تہے اور سب سے پہلے مسلمان ہوئے قرآن و سنن کو خوب جانتے تہے اور جس نے آخر وقت مین رسول خدا کو غسل دیا اُسے خلافت نہ ملیگی بلکہ ایک اور ہی شخص کو ملجائیگی"۔

عتبہ بن ابولہب کے اشعار۔

اب ہم جو کچہ کہینگے وہ صاحب اختیار لوگون کی یہ کوشش سمجہی جائیگی کہ وہ خاندان رسالت کو مالی حیثیت سے اپنا دست نگر بنانا چاہتے ہین۔ یا قبضہ خلافت کے ساتہہ رسول کا جائداد خالصہ کو بہی اُسی حق سے حاصل کرنا چاہتے ہین۔ ہم واقعہ فدک کو زمانہ رسول مین کسی حد تک تعارف کیلئے پیش کر چکے ہین۔ یہان اب اسقدر کہنا ہے کہ بقول مناہج النبوۃ "آمئین بنت رسول اللہ فاطمہ زہرا ابوبکر کے نزدیک اور میراث طلب کیا میراث نہ دی ابوبکر نے۔ پس کہا فاطمہ زہرا نے اے ابوبکر اگر تو مرجائے۔ کون وارث ہوگا تیرا کہا صدیق نے کہ میرے اہل اور اولاد وارث ہونگے۔ فاطمہ نے کہا پہر کیا سبب ہے جو مین وارث نہ ہون اپنے باپ کی کہا ابوبکر نے کہ سُنا ہے مین نے رسول خدا سے کہ نہین ہوتی ہمکو میراث..."

بنی ہاشم کی مالی مشکل قصہ فدک۔

طاہرہ کا سوال اور خلیفہ کا اقرار کہ اُنکے مرنیکے بعد اُنکی اولاد اُنکی وارث ہوگی۔

کتاب الامامۃ والسیاستہ مین ہے۔ کہا عمر نے ابوبکر سے چلو ہملوگون کے ساتہہ فاطمہ کے یہان اس لئے کہ ہمنے اُنکو غضبناک کیا ہے۔ پس دونون شخص گئے اور اجازت چاہی فاطمہ سے اُنکے پاس حاضر ہونیکی لیکن اُنھون نے اذن نہ دیا تو دونون صاحب علی کے پاس گئے اور اُن سے گفتگو کی اور وہ ان دونون شخصون کو فاطمہ کے پاس لیگئے اور جب یہ دونون بیٹہے اُنکے پاس تو اُنھون نے اُن لوگون کی طرف سے مُنہ پہیر کر دیوار کی

فاطمہ زہرا کو غضبناک کرنیکے بعد معذرت فاطمہ نے اجازت نہ دی فاطمہ نے منھ پہیر لیا۔

طرف کر لیا۔ اُن لوگوں نے سلام کیا۔ فاطمہ نے جواب سلام بھی نہ دیا۔ پس ابوبکر گویا ہوئے اور کہا۔
"اے حبیبہ رسول اللہ قرابت رسول کی زیادہ محبوب ہے مجھے اپنی قرابت سے اور آپ میرے نزدیک میری
بیٹی عائشہ سے زیادہ محبوب ہیں۔۔۔۔ کیا آپ سمجھ سکتی ہیں کہ میں آپ کو اور آپ کے فضل و شرف کو پہچان کر
پھر بھی آپکا حق نہ دوں اور آپ کو میراث رسول سے محروم رکھوں۔ آگاہ ہو جیے کہ میں نے آپکے والد سے
سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے لا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔ پس فاطمہ نے کہا اگر میں تم دونوں
سے رسول خدا کی حدیث بیان کروں تو اُس کا اقرار کرو گے اور اُس پر عمل کرو گے۔ دونوں صاحبوں نے
کہا کہ ہاں۔ پھر فرمایا کہ قسم دیتی ہوں تمکو اللہ کی کیا نہیں سنا ہے تمنے رسول اللہ سے کہ فرماتے تھے
رضا فاطمہ من رضای و سخط فاطمہ من سخطی فمن احب فاطمہ ابنتی فقد احبنی و
من ارضا فاطمہ فقد ارضانی و من اسخط فاطمہ فقد اسخطنی۔ دونوں صاحبوں نے
کہا ہاں سنا ہے ہمنے رسول خدا سے۔ پس کہا فاطمہ نے پس میں گواہ کرتی ہوں اللہ اور ملائکہ کو کہ تم
دونوں نے مجھے ناراض کیا اور مجھکو راضی نہیں کیا اور اگر رسول سے ملونگی تو تمہاری اُن سے
شکایت کرونگی۔ پس کہا ابوبکر نے ہم پناہ مانگتے ہیں خدا کی اُسکی ناراضی اور تمہاری ناراضی سے
اے فاطمہ۔ پھر ابوبکر نے رونا شروع کیا یہاں تک کہ قریب تھا کہ روح اُنکی نکل جاتی۔ اور سیدہ بھی
کہتی تھیں کہ واللہ بد دعا کیا کرونگی تیرے لئے ہر نماز میں"۔

صاحب صواعق محرقہ فرماتے ہیں :-

"روایت کرد بخاری از عائشہ کہ حضرت فاطمہ کسے را نزد ابوبکر فرستاد و طلب میراث خود از اموال
مدینہ و فدک و باقی خمس خیبر کہ از ان حضرت صلے اللہ علیہ وسلم ماندہ بود کرد۔۔۔۔ چون ابابکر ابا کرد ازانکہ
کہ چیزے ازان اموال بہ فاطمہ دہد فاطمہ رضی اللہ عنہا غضب کرد برابابکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ ہجرت کرد و تکلم
نکرد تا زمانیکہ حضرت فاطمہ زہرا حیات بود"۔

مجالس الابرار ترجمہ بحار الانوار کے موافق حضرت زکیہ طاہرہ فرماتی ہیں کہ "میرے باپ کے بخشے ہوئے
باغ کو اور میرے فرزندوں کے قوت و معیشت کو لے لیا ہے"۔

اب یہ حصول اختیار کے آخری نتیجہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں یہ درد انگیز داستان ہے جسے ابو مخنف کا
پُر جوش لہجہ اور آنسو خوب بیان کر سکتے تھے۔ مجھے اس جگہہ اہل ثروت کی تقسیم کردینی ہوگی جس سے مطلب

خلافت کے بعد پہلی حدیث جو ابوبکر نے بیان کی۔

...رہ ایک حدیث ...ان فرماتی ہیں۔

...رہ ابوبکر کو رونا

...ی حیات تک ...ت نہ کی۔

...معیشت لے لینا ...ت۔

...ین ذکوہ کا قتل

سمجھنے مین آسانی ہو۔ مورخین نے جہان مسیلمہ کذاب سجاح اور طلحہ ابن خویلد کو جائز حیثیت سے مرتدین کے خطاب سے یاد کیا ہے وہان اُن لوگون کو بھی جنہون نے ابابکر کو رسول کا جائز خلیفہ نہ سمجھکر زکوٰۃ اور صدقات دینا روک رکھا تہا یا انکار کیا تھا اُنھین بھی اہل ردت کے ناجائز لقب۔ غلط الزام اور غلط مفہوم سمجھانے والے فقرہ سے یاد کیا ہے۔ مجھے اول الذکر گروہ سے کوئی غرض نہین ہے صرف یہ کہنا ہو کہ یہ فتوحات اگرچہ کیسے ہی غنیمت معاوضہ مین کیون نہ پیش کرتے ہون لیکن میری دانست مین یہ فتوحات بڑی قیمت سے خریدی گئی تہین جنمین صرف جنگ یمامہ مین سات سو حافظ قرآن کٹوا دیئے گئے۔ مین کسی حدتک اسی دوسرے گروہ کے حالات پر اکتفا کرتا ہون۔ لیکن اسکے قبل بغیر یہ کہے نہین رہ سکتا کہ بعد رسول جو کچھ ہوا اُسپر سلیم الطبع سے رائے قایم کرنے مین ایسی وحشت خیز سطرین اڑا نہ لیجائین کہ "قبائل کے قبائل اسلام پھر گئے تہے۔ کم ایسے قبیلہ تہے جنکے بعض مرتد ہوئے تہے۔ رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے انتقال کی وجہ سے نفاق کی تاریکی چھا گئی تہی۔ ہوائے مخالفت کے جھونکے چل رہے تہے۔ ارتداد کی سیاہ گھٹائین امڈی چلی آتی آتی تھین۔ مسلمان غریب ایسی شب تاریک مین اپنی قلت جماعت وکثرت اعداسے حیران وپریشان ہو رہے تہے"۔ مین قایل ہون کہ باہر کی حالت دیکھنے کے لئے کل حروف تہجی مدد کے لئے صرف کردئے گئے ہین لیکن اندر کی حالت دیکھنے کی طرف سے منہ موڑ لیا گیا ہے اِس لئے کہ جو کچھ ہم دکھا رہے ہون اُسے دیکھو اور اُسے ویسا ہی سمجھو جیسا ہم سمجہا رہے ہین۔ اِس سے دو غرض پوری ہوتی ہے ایک تو یہ کہ ہمارا حق قبول کرو دوسرے یہ کہ اسکے بعد اسی حق کے رو سے ہم جو کچھ کرین اُسے بھی قبول کرو اور ہمارا احسان مانو کہ ہم نے یہ کیا۔ حالانکہ حصول حق اور حق کا نفاذ دونون نہایت گہرے الزام کے سایہ مین ہین۔ مرتد جس مفہوم مین سمجہا گیا ہے اُسکی ابن خلدون سے مثال دیتا ہون "عمر بن معاویہ نے باوجود واجب ہونیکے صدقات کے دینے سے انکار کیا زیاد نے اُنپر حملہ کرکے اُنھین شکست دی۔ کل بنی عمر بن معاویہ اسی واقعہ سے برہم ہوکر منع صدقات پر امادہ اور مرتد ہوگئے"۔

ان حالتون مین بجز کسی ایسے صحیح اور صاف واقعہ کے جسمین یہ لکہا ہو کہ فلان شخص یا قبیلہ اسلام سے پھر گیا اور اُس نے اپنا دوسرا خدا و رسول چن لیا ہم تمام دیگر واقعات کو اسی سُرخی مین لائینگے کہ ساری دوڑ۔ فوجین اور سرگرمی اپنے اختیارات تسلیم کرانیکے لئے تہی۔ اُن لوگون سے جو یہ سوال کرتے تہے کہ تم کون ہو جو رسول کے بعد ہمارے درمیان حائل ہوگئے ہو اور تمہین کیا حق حاصل ہے۔ ہم کیون تمہین زکوٰۃ

مورخین نے اہل ردت مانعین زکوٰۃ کو مخلوط کر دیا ہے۔

اور صدقات کا محافظ قرار دین۔

مورخین کے لئے اس سے زیادہ کونسی آسان بات ہوسکتی تہی کہ انکو جنگے سر جھکانے کے لئے فوجین بہیجی جاتی تہین اس لئے کہ ہمین خلیفہ تسلیم کرو اور زکوٰۃ دو انہین اسلام سے پہرا ہوا کہہ دیتے اور انکے قتل و غارت کو صحیح دین کہتے۔ ایسے مواقع دکہائی دیتے ہین جہان یہ کہا گیا ہے کہ چونکہ ایک قبیلہ نے دوسرے مسلمان قبیلہ پر حملہ کیا تہا وہ مرتد ہوگیا یا چونکہ بعض قبائل سجاح اور مسیلمہ کے ساتہہ ہوکر خالد کے لشکر سے لڑے اس لئے وہ کافر ہوگئے لیکن میرے خیال مین یہ واقعات کا غلط پیرایہ ہے۔ اگر ایسا ہے تو ہماری سمجہہ مین نہین آتا کہ ہم مدنی فوج کے سپاہیون کو کیا کہین جو اُنسے لڑنے گئے جو ابو قتادہ کے نزدیک مسلمان تہے بلکہ واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبائل مین جنگ ہوجانا اپنے گذشتہ عداوتون کی بنیاد پر تہا ارتداد کو اسمین کوئی دخل نہ تہا۔ اسی طرح وہ قبائل جو مسیلمہ کے ساتہہ ہوکر لڑے۔ چونکہ وہ خود مرکزی حکومت کے استحقاق تحصیل زکوٰۃ کو قبول نہ کرتے تہے انہون نے حکومت کے دوسرے دشمن کو قدر مشترک یعنی جنگ مین ساتہہ لے لیا۔ زیادہ سے زیادہ انپر یہ الزام عاید ہوسکتا ہے کہ انہون نے باوجود اختلاف کے غیر مسلم کے شریک ہوکر مسلمانون سے کیون جنگ کی۔ ایسکے لئے شاید حضرت ابوبکر کو ایسے لوگون کو بہی سزا دینے اور مرتد کہنے کی ضرورت ہوتی جسے نہ وہ خود پسند کرتے تہے اور نہ مسلمان۔ بلکہ حقیقتاً انہین بعض کا پیرایہ یہی تہا جیسا بنی حنیفہ کا ایک گرفتار عمر ابن شمر کہتا ہے کہ مسیلمہ نے دہوکا دیا اور قوت پکڑی۔ "مثل خلافت شما کہ از خاندان نبوت بخدعہ گرفتید" (اعثم کوفی)

ان واقعات کا مفہوم سمجہانے کے لئے مین اعثم کوفی کو منتخب کرتا ہون جس نے مورخانہ سادگی اور صراحت سے یہ واقعات لکہے ہین جسکی غلطی حیثیت مین مجہے کوئی شبہہ نہین ہے۔ لیکن مورخ مذکور سے مدد لینے کے قبل مین چاہتا ہون کہ شاذ وہ روایتین بہی بیان کردون جو اور مورخین سے بہی ملتی ہین جس سے یہ سمجہہ مین آجاتا ہے کہ خود دار الخلافت کے اکثر ممبر بہی اسکے خلاف تہے۔ بقول صاحب مظاہر الحق "حضرت عمر اور حضرت علی مانعین زکوٰۃ کی کلمہ گوئی پر نظر کرکے سفارش کو اُٹہے اور کہا کہ کیونکر قتال کرین ہم انسے ایسی حالت مین کہ فرمایا آنحضرت نے امرت ان اقاتل الناس حتی یقول لا الٰہ الا اللہ کہا ابوبکر نے کہ قتال کرونگا اُن سے کہ جو فرق کریگا درمیان زکوٰۃ اور نماز کے۔ حضرت عمر نے کہا کہ دیکہا مین نے کہ کہول دیا اللہ نے سینہ ابوبکر کا قتال کے لئے بس جانا مین نے کہ یہی حق ہے"

صاحب صواعق محرقہ لکہتے ہین۔

"چون وفات پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم مشہور شد و در نواحی مدینہ طائفہ بسیار از عرب مرتد شدہ

منع زکوٰۃ کردند ابوبکر صدیق بقتال ایشان برخاست۔ عمر و بعضے دیگر از اصحاب گفتند صلاح در انست کہ دست از قتال ایشان باز داری۔ ابوبکر گفت بہ سوگند کہ تقصیر نہ کنم در عقالے و عناقے کہ آنچہ در زمان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میدادند از من منع می کنند و ادائے آن نمی کنند ہر آئینہ مقابلہ با ایشان خواہم کرد در منع آن۔ بعد ازان عمر گفت چگونہ بر ایشان قتال میکنی و حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود امرت ان اقاتل الناس حتی یقولو لا الٰہ الا اللہ و ان محمد الرسول اللہ فمن قالہا عصم منی مالہ و دمہ الا بحقہا وحسابہا علی اللہ۔ مامور شدم بقتال مردمان تا آنکہ بگویند لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ و ہر کس کہ این کلمہ گفت منع کرد و حمایت کرد از من مال خود را و خون خود را الا بر حق این قول یا بر حق مال او دہم و حساب او بر خدا تعالیٰ است .... ابوبکر گفت بسوگند کہ مقاتلہ خواہم کرد بکسیکہ در میان صلوٰۃ و زکوٰۃ فرق کند چرا کہ زکوٰۃ حق ماست و حال آنکہ رسول فرمود صلی اللہ علیہ وسلم الا بحقہا۔ عمر گفت بخدائے سوگند کہ ندیافتم کسے دیگر را آنکہ خدائے تعالیٰ منشرح ساخت صدر ابوبکر را بقتال آنجماعت و معلوم من شد کہ حق بجانب ابوبکر و آنچہ او می گفت راست بود"

ہمکو ابن خلدون کے کسی ایسے معرفانہ استفہام سے کوئی بحث نہیں ہے کہ " اگر ابوبکر ایسے ہنگامہ میں جس وقت کہ کسی کے ہوش و حواس بجا نہ تھے بیہوش نہ ہو گئے ہوتے تو عمر کو اُنکے پر جوش کلام سے کون روکتا۔ عائشہ کے سینہ سے سر مبارک کون اوٹھاتا۔ سقیفہ میں انصار و مہاجرین کے جھگڑے کو کون ختم کرتا۔ مرتدین کا کون قلع قمع کرتا"۔ یا وہ انھیں ایسے " اہم امور جانتے ہیں جنہیں " دین کے ساتھہ نہایت قوی تعلق تہا"۔ ہمیں ابوہریرہ سے کوئی شکایت ہے کہ ہم اُن سے اسکی بازپرس کریں کہ اگر " ابوبکر خلیفہ نبودی مردم بندگی خدا تعالیٰ را بجا نمی آوردند باز مرتبہ سیوم این سخن را مکرر ساخت"۔ یا اُن لوگوں کا ساتھہ دیں جنہوں نے یہ سنکر کہا کہ " ساکت شو اے ابوہریرہ"۔ لیکن ہمکو ابن حجر مکی سے کہنا ہے کہ علی کی زبان تمہارے قلم کی طرح اپنی خواہش سے پھر نیوالی نہ تہی کہ وہ زیر بحث امر پر جس سے اُنکی مخالفت ظاہر ہو چکی تہی اپنی اوپر یہ بوجہہ گوارا کرتے کہ " روایت از علی کرم اللہ وجہہ از جملہ شجاعت ابوبکر قتال بود با جماعتے کہ منع زکوٰۃ کردند و عزیمت بر آن کسے را نباشد"۔

زیاد ابن لبید اس وقت حضرموت کا عامل تہا۔ اسنے ایک روز منادی کرائی اور جب لوگ جمع ہوئے تو اُسنے کہا کہ " اے مسلمانان صدقات درہم آورید کہ نزدیک صدیق میفرستم کہ انجا لشکرا بنوہ است و اخراجات بسیار"۔ مال کے جمع کرنے میں زیاد نے ایک شخص کے اونٹ کو لے لیا اور اُسپر نشان کر دیا۔ اُس شخص نے

صاحب شریعت کے بعد انکے اہلبیت کی اطاعت کرسکتے ہیں ابوبکر کو ہم سے کیا بحث۔

حارثہ بن سراقہ سے سفارش چاہی کہ زیاد کوئی دوسرا اونٹ لے لے اور وہ دیدے لیکن زیاد نے باوجود سفارش اسے منظور نہ کیا۔ اسپر حارثہ کو غصہ آیا اور اونٹ کے مالک سے کہا کہ جا اپنا اونٹ لیلے اور اگر کوئی مزاحمت کرے تو تلوار سے جواب دینا" ما بفرمان خدا پیغامبر او را مطیع بودیم تا صاحب شریعت بجائی بود چون او را فرمان حق رسید اگر از اہلبیت او کسی بجائی او نشیند آنکس را اطاعت داریم پسر ابو قحافہ را ہرچہ فرمان رسد و با ما چہ کار دارد"۔ حارثہ کا یہ جواب جس وقت اشعث ابن قیس کندی کو معلوم ہوا جو ملوک عرب میں سے تھا تو اس نے کہا:۔

اشعث ابن قیس تائید کرتا ہے اور اسکی حمیت عربیہ بنی ہاشم کے مقابلہ میں بنی تیم کو خلیفہ کیا اور دعا کہ اگر بنی ہاشم کے علاوہ کوئی خلیفہ ہو تو ہم کیوں نہوں

"ما یقین حاصل است کہ عرب بتقدیم قبیلہ ابوبکر یعنی بنی تیم تن در ندہند و ترک بہتران بطحی یعنی از بنی ہاشم نگیرند کہ معدن رسالت و نبوت ایشانند و اگر رواست کہ خلافت بیرون بنی ہاشم کسی را باشد ہیچکس بدان منصب سزاوار تر از ما نیست کہ ما و پدران ما ملوک زمین بودہ اند" زیاد ابن لبید نے اب چاہا کہ حضرموت کے دیگر قبائل ملائے جائیں اور اگر تقویت حاصل ہو تو قبائل کندہ اسکے بعد مجبور کئے جائیں یہ سوچکر زیاد ابنی ذہل کے پاس گیا۔ بنی کندہ کی شکایت کی اور ابوبکر کی اطاعت چاہی۔ انھیں سے ایک شخص جسکا نام حارث ابن معویہ تھا کہنے لگا:۔

قطع جماعت کی کوشش اور ناکام جواب

"تو مرا بطاعت مردی میخوانی کہ ہیچکس ما را بطاعت او وصیت نہ کردہ است" زیاد نے کہا:

"راست میگوئی لیکن ما مسلمانان باتفاق او را اختیار کردیم"۔ حارثہ نے کہا:

"چون اجتہاد میکردید چرا اہلبیت رسول را علیہ السلام از میان ما بیرون نہادید و این کار حق ایشانست بقول خدائے جلشانہ کہ فرمودہ او لوا الارحام بعضہم اولی ببعض فی کتاب اللہ" زیاد نے کہا:

کیوں اہلبیت رسول کو الگ کردیا۔

"مہاجر و انصار در کار مسلمان از تو داناترند" حارثہ نے کہا:

زکواۃ نہ دینے والو تاریخ بیان کرتا ہے اور دلیل لاتا ہے۔

"بخدائے کہ حسد کردند و حق از مستحق ببردند و ما را یقین ہست کہ رسول علیہ السلام از دنیا بیرون نرفت تا اُمتیان را مقتدائی از اہلبیت خویش بموجب حکم حق تعالیٰ نصب کرد روز غدیر خم وقت معاودت از حجۃ الوداع کہ یک لک و چند ہزار عرب اشراف از ہر قبائل جمع بود و علی علیہ السلام را خلیفہ و جانشین خود گردانید بالائے منبر۔ کجا و ہائے شتر و خطبہ درین باب فصیح فرمود کہ این علی بعد من مولا و مقتدائے شماست... این را کہ شما خلیفہ مقرر نمودہ آید ابن صدیق و عمر بن الخطاب اول آمدہ بیعت کردند و بخ بخ لک یا امیر المومنین علی علیہ السلام گفتند۔ ان کدام بیعت بود و این کدام است۔ آ زیاد از میان ما اکنون بیرون شو کہ دعوت

توبہ قرار نیست۔ اِسکی تقریر سنکر عرفجہ عبداللہ نے تصدیق کی اور کہا "آخر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم برأمت خویش مہربان تر از مہاجر و انصار نبود کہ مصالح ایشان بدین جماعت بازی گذاشت؟

اسکے بعد "زیاد مرد شناخت و جائے دید و از ان قبیلہ بپرداخت و بقبیلہ دیگر شد ہمین چاشنی یافت و ہر جا کہ نزول فرمود ہم ازین گونہ اباءی نمودند" یعنے جس وقت سنتے تہے کہ ہمارے لئے فوج بہیجی گئی ہے تو کہتے تہے کہ ادائے زکوٰۃ کی فکر کیجائے بعض کہتے تہے کہ اطاعت قبول کرلیتے ہین لیکن ادائے زکوٰۃ کی قوت نہین ہے۔ ان قبایل کی یہ دل شکستگی فطری تہی کچہہ تو اس وجہ سے کہ عامہ ناس کا در انحالیکہ وہ اپنے امورات خانگی اور اہل وعیال کے افکار مین مشغول ہین کسی ایسی فوج کے مقابلہ مین جنگ کرنا ہمیشہ دشوار ثابت ہوا ہے جو محض ارادہ جنگ سے آئی ہے اور اُسے کوئی دوسری فکر نہین ہوتی اور مرکزی حکومت ہر اسکی مدد اور فکر کرتی رہتی ہے۔ کچہہ اس سبب سے بہی کہ قبائل مین آپسمین کہنہ عداوتین تہین اور انہین خوف تہا کہ اگر ہم مدینہ کی فوجون سے لڑنے پر تیار ہون تو کہین ایسا نہو کہ ہمارے دشمن بہی ہمپر یورش کرین بکر ابن وائل اور قبیلہ کندہ ایسی ہی خوف مین مبتلا تہے جنمین آخر الذکر قبیلہ بنی مذحج سے ہر وقت ہوشیار رہتا تہا۔

زیاد ابن لبید جسکے پاس مرکزی حکومت سے چار ہزار فوج ساتہہ کردیگئی تہی ایک قبیلے کے بعد دوسرے سے جنگ کرنے لگا اور تاخت و تاراج مین کامیابی ہوئی۔ خلیفہ نے جو خط اشعث ابن قیس وغیرہ کو لکہا اُسکا مضمون دلچسپ ہے:۔

خلیفہ کا خط اشعث کے نام۔

"تمہارے اعتقاد مین جو خلل آگیا ہے وہ زیاد پر غصہ کیوجہ سے ہے۔ ہم اُسے معزول کرکے کسی دوسرے کو تمہاری امارت کیلئے بہیجینگے کہ بحسن معاملت بسر کرسکے۔ ہم نے قاصد سے کہدیا ہے کہ جب فرمان تمہین دیدے تو تم زیاد کو واپس کردو اور گذشتہ سے توبہ کرو"۔

نامہ بر یعنی مسلم ابن قیس سے مخاطب ہوکر اشعث ابن قیس نے کہا:۔

اشعث کہتا ہے کہ بیعت کے توقف سے ہم کفر کے ملزم ہوئے لیکن مسلمانونکا قاتل برا نہ سمجہا گیا۔

"تمہارے مقتدا نے اِس وجہ سے ہمین کفر سے نسبت دی کہ ہمنے اُسکی بیعت مین توقف کیا اور زیاد کو جس نے اتنے مسلمان ہمارے قبیلہ کے قتل کیے بُرا نہ سمجہا"۔ قاصد نے جواب دیا

"توقف کی وجہ سے تمہین نسبت نہین دی گئی بلکہ اِس وجہ سے کہ تم نے مہاجر و انصار کے اجماع کے خلاف کیا"۔

قاصد جواب

قاصد کے الفاظ ابھی منہ مین تھے کہ بنی مرۃ کے ایک شخص نے جوش و غصہ مین ایسے تلوار ماری اور وہ مر کر گر پڑا۔ یہ دیکھ کر اشعث نے کہا:۔

اشعث کا جواب اسکی قلبی حالت کا آئینہ۔

"خدا تیرے باپ کو بخش دے کہ اس سے اچھا جواب نہین دیا جا سکتا تھا"

بعض لوگ قاصد کے قتل سے ناراض ہوئے اور اُنمین کے پانچہزار آدمی زیاد ابن لبید سے ملگئے۔ زیاد اور اشعث مین لڑائی ہوئی اور زیاد کا لشکر پسپا اور قلعہ بند ہوا ۔ انھون نے مرکز خلافت مین اطلاع بھیجی۔ خلیفہ نے اپنے دوست سے صلاح کی کہ ایسے وقت علی سے جنگ کے لئے روانہ ہونگی استدعا کیجائے

زیاد کو آپس کی پھوٹ سے مدد ملی۔

ابن الخطاب کا جواب سب کچھ سمجھا دیتا ہے۔ اُنھون نے کہا:۔

عمر سے علی کے بھیجے جانیکی صلاح اور نہایت مفید جواب۔

آپ درست فرماتے ہین لیکن مجھے ایک بات کا خوف ہے وہ یہہ کہ علی آج کل کمال احتیاط کرتے ہین اگر خدانخواستہ وہ نہ گئے یا اُن لوگون کے کفر و اسلام مین توقف کیا تو پھر کوئی لڑنے نہ جائیگا مگر مجبوری سے جو مصلحت یہ ہو کہ اُنھین مشورہ کیلئے مدینہ مین رکھو اور عکرمہ ابن ابی جہل کو بھیجو"

عکرمہ بن ابو جہل نے کیا کیا۔

عکرمہ روانہ ہوا پہلے مارب پہونچا جہان کے لوگون نے ابوبکر کے عامل کو نکال دیا تھا۔ اہل مارب نے چونکہ پیشیر سے قلعہ بندی کا کوئی سامان نہ کیا تھا محصور ہونے پر بے سرو سامانی کیوجہ سے صلح کی خواہش پر مجبور ہوئے۔ عکرمہ نے اِس حیرت خیز شرط پر صلح منظور کی کہ اہل قلعہ اپنے کفر اور ہمارے حقیقت کا اقرار کرین۔ اور کہین کہ اُنکے مقتول جہنم مین اور ہمارے بہشت مین جاوینگے۔ بھوکے پیاسے محصورین کو کوئی دُوسرا چارہ نہ تھا۔ اسکی منظوری پر اُنھین بے ہتھیار باہر آنے کا حکم دیا گیا۔ اور جب وہ باہر آئے تو فولاد نے اُن کا استقبال کیا۔ مال اور اسیر دارالخلافت روانہ کئے گئے۔

دوسری بد عہدی

اشعث ابن قیس عکرمہ اور زیاد کے لشکر سے اِس طرح لڑا جس طرح بہادر کو لڑنا چاہئے لیکن آخر مین فوج کی کمی۔ اپنی زخم داری اور مددگار و نکی لاعلمی سے صلح کی خواہش پر مجبور ہوا۔ میرے لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ کن شرائط پر صلح ہوئی آیا تمام محصورین کی جان محفوظ رکھنے کی استدعا تھی یا اشعث نے محض اپنے مخصوصین کیلئے آزادی چاہی اور دوسرون کو دشمن اور ٹھنڈے فولاد کے حوالہ کر دیا لیکن اہل قلعہ نے جس اطمینان سے دروازہ کھولا وہ ظاہر کرتا ہے کہ انمین سے ہر ایک کو اپنی جان کی طرف سے اطمینان تھا لیکن جب تلوار اپنا کام کرنے لگی تو اُنمین سے ایک نے سوال کیا کہ اے امیر کیا تونے ہمین امان نہین دی ہے" تو جواب دیا گیا کہ "اشعث نے اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے امان مانگی تمہارے

لئے کچہہ نہین کہا"۔ بجز معدودے چند سب قتل ہوئے اور اشعث دار الخلافت بہیجا گیا۔ ابن خلدون کو کہنا ہے کہ "اس واقعہ مین قیدیون کی تعداد کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک ہزار صرف عورتین قید ہوکر آئی تہین"۔ دربار خلافت مین اشعث کے پہونچنے پر عمر اُسے ارتداد کا الزام لگاتے رہے اور ابوبکر قتل کی دہمکی دیتے رہے اور اشعث کہتا رہا کہ مین دین سے نہین پہرا۔ یہ وجہ بہی بتائی کہ زیاد قتل اور استخفاف کرتا تہا جسے میری غیرت نے قبول نہ کیا۔ اسکے بعد اشعث نے وعدہ کرنے کے بعد خلیفہ کی بہن ام فروہ سے عقد کی خواہش کی۔ خلیفہ نے تہوڑی دیر سر جہکا کر کہا "مصلحت ہمین است" بعض ظرافت پسندون نے کہنا شروع کیا کہ اکان ثواب الکفر۔ تزویجہ البکر (اُسکے کُفر کا ثواب یہ تہا کہ اپنی کنواری بہن کے ساتہہ شادی کردی)۔ اسکے بعد ہماری تاریخ مین اشعث ابن قیس نہ صرف تغیر نفس کی حیرت خیز مثال پیش کریگا بلکہ ام فروہ اور اشعث کی اولاد وہ ذریعہ ہونگے جن سے مدبرین خاندان رسالت کا نام مٹانے کے لئے کافی اعتبار سے مدد لے سکین۔ انکے نام محمد۔ اسحٰق۔ اسمٰعیل اور جعدہ ہین۔

دوسرا افسوسناک واقعہ جسپر مین قناعت کرتا ہون وہ سرزمین بطاح کی غارت اور مالک ابن نویرہ اور اُسکے متعلقین کا قتل ہے اور بقول ابو الفدا "مالک ابن نویرہ کو رسول نے اپنی قوم پر سردار کیا تہا اسی کا خوشی مین ڈوبا ہوا یہ فقرہ ہے کہ "تعلمت الایمان برب الکعبۃ"۔ جس وقت رسول نے اسے اسلام کی تعلیم فرمائی۔ بقول ابن خلدون مالک ابن نویرہ بوقت وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی حنظلہ پر عامل تہا۔ بنو تمیم کے کچہہ لوگ اپنے صدقات لیکر مدینہ گئے اور کچہہ لوگ نتیجہ کے منتظر رہے اتنے مین سجاح نے خروج کیا "مالک بن نویرہ نے اس سے مصالحت کرلی اور اسکو مدینہ پر فوج کشی کرنے سے روک کر بعلون بنی تمیم پر حملہ کرنے کی تحریک کی"۔ آپس مین جنگ ہوئی اور جب مصالحت ہوگئی تو مالک بن نویرہ و وکیع ابن مالک اِس سے علیحدہ ہوکر اپنی قوم مین چلے آئے"۔ مالک بن نویرہ اِس حیص بیص مین مبتلا ہی تہا کہ قبیلہ تمیم سے بنو حنظلہ اسکے پاس آکر بطاح مین مجتمع ہوئے لیکن مالک بن نویرہ چونکہ خود اپنی بابت متردد تہا اُس نے بنی حنظلہ کے مال و اسباب کو مقام محفوظ مین رکہوا دیا اور اُنکو لڑائی کرنے سے منع کرکے اپنے مکان پر لوٹ آیا۔ خالد ابن ولید اس خبر سے مطلع ہوکر لشکر اسلام لیکر انکی سرکوبی کو بڑہے اگرچہ انصار نے ابتداءً خالد ابن ولید سے مخالفت کی اور یہ کہا کہ جب تک خلیفہ کا کوئی حکم نہ آئیگا آگے نہ بڑہینگے لیکن پہر یہ سوچے کہ اگر مجاہدین ان مرتدون پر فتحیاب ہوگئے تو ہم اس نیکی سے محروم رہجائینگے اور اگر اللہ نہ کرے یہ ناکام ہوئے

بنی کندہ کے قیدی عورتین۔

دین سے پہر جانیکا کہ ارتداد کا الزام اور قتل کی دہمکی کسلئے کب تک مفید نہ ہوا۔

اشعث کی نئی سوانح عمری شروع ہوئی اور اُسکی اولاد۔

مالک ابن نویرہ کا واقعہ

توہم پر انکے حمایت نہ کرنے کا الزام عاید ہوگا ہمراہ ہوگئے"۔ مالک مع دیگر اہل قبیلہ کے گرفتار ہوا۔ سب کے سب قتل کئے گئے۔ اور "ابو قتادہ و خالد میں اس بات پر اس قدر جھگڑا ہوا کہ ابو قتادہ ناراض ہو کر ابوبکر صدیق کے پاس چلے آئے" "پھر جب خالد ابن ولید۔۔۔ مدینہ میں آئے تو عمر ابن الخطاب نے مالک ابن نویرہ کے مقدمہ میں ابوبکر صدیق سے خالد ابن ولید سے قصاص لینے اور انکے معزول کرنیکو کہا۔ ابوبکر صدیق نے اس سے انکار کیا اور جواب دیا کہ میں اس تلوار کو نیام میں نہیں کیا چاہتا جسکو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے سان پر رکھا ہو بعد ازاں مالک اور اسکے ہمراہیوں کا خونبہا دیدیا اور خالد کو پھر انکے مقبوضہ بلاد کیطرف لوٹا دیا"۔ مترجم ابن خلدون لیلے۔ زوجہ خالد سے اسکے شوہر کے قتل کی رات کو اسکی رضامندی کے خلاف خالد کے۔۔۔۔ کرنے کو اس لئے معتبر نہیں سمجھتا کہ ابن خلدون نے نہیں لکھا اور اسکے بعد کچھ باتیں تسلیم نکرکے اور کچھ فرض کرانے کے بعد ایک نہایت شستہ تر دلیل یہ لاتا ہے کہ "یہ امر مسلم ہے کہ مالک ابن نویرہ نے ایک مدت سے اپنی بیوی کو طلاق دیدیا تھا لیکن رسم جاہلیت کے موافق اسکو اپنے گھر میں قید رکھا تھا ایسی صورت میں انتظار عدت کی کوئی حاجت نہیں ہے" اور مالک کے کفر کی دلیل میں یہ خبر لائی گئی ہے کہ "اس نے رسول اللہ صلے اللہ کے انتقال کی خبر سنکر بڑی خوشی منائی تھی"۔ میں اس موقع پر مترجم ابن خلدون کی تمام دلیل اور تاریخ نویسی کو اس لئے صحت سے دور سمجھتا ہوں کہ اسے ابن خلدون نے نہیں لکھا اگر ایسا ہی ہوتا تو ابن خلدون اسے ضرور لکھتا۔

جہاں اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر کا مرادف واقع ہوا ہے۔

ایک اصول جسے مؤلف اسی موقع پر صرف مترجم ابن خلدون کیلئے پسند کرتا ہے

قبل الاسلام خلاف انسانیت فعل کیوں سیف الخلیفہ کی رجعت۔

اعثم کوفی کو کہتا ہے کہ بطاح کا ایک شخص جسکا نام جہول تھا وہ لوگوں سے کہتا تھا کہ اپنا مال کسی کو نہ دو۔ تم خود اپنے مال کے بمقابلہ دوسروں کے زیادہ مستحق ہو۔ مالک ابن نویرہ بھی اسی خیال کا تھا۔ انکے خیالات سے مطلع ہو کر خالد نے قسم کھائی تھی کہ فتحیابی پر اسے قتل کریگا اور اسکے سر کو دیگ کی ٹھیک بنائیگا۔ ایک سریہ روانہ ہوا سب گرفتار ہوئے۔ سیاست ہونے لگی اور سب نے کہنا شروع کیا "ما مسلمانیم کشتن ما از چہ وجہ روا می داری۔ خالد گفت زیرا کہ کشتن شما صلاح دین است" اسکے بعد ابو قتادہ نے کہا کہ ہم سے ان لوگوں نے قبل جنگ مسلمان ہونے کا اقرار کیا تھا اور ہم سب لوگوں نے ساتھ نماز پڑھی۔ خالد گفت فرقے نیست میان ارکان دین اگر یکے رکن نگاہداشت دیگر رکن بگذاشتند یعنی ذکوٰۃ و چارہ نیست از کشتن ایشان" اسکے بعد مالک ابن نویرہ کی باری آئی اور اس نے پوچھا:۔

صلاح دین خالد کا فتویٰ۔

"مرا خواہی کشت و من مسلمانم و رو بسوئے کعبہ نماز میکنم"

خالد گفت

"اگر مسلمان بودی حق مسلمانان باز نگرفتی و زکوٰۃ اموال میدادی" مالک گفت

"واجب فوت نہ شدہ است اگر بسبب فوت شد تدارک آن سہل برائے فوت سنت مسلمان کشتن کدام

دین وجواب این عمل نزد خدا و رسول او وہر کس کہ مثل تو خدا ناسپاس را تسلط اقتدار دادہ چہ

خواہند گفت" خالد گفت

"مسانہ تو از بول ہتی نہ شود تا شخص تو از کاسہ سر خالی نگردد"

مالک سوی سرپوشیدہ نگریست و گفت

"اے خالد مرا این می کشد"

مالک ابن نویرہ ایک اسیر عورت کی طرف دیکھتا ہے

اسکے بعد بیشتر از اصحاب تاریخ بر آنند کہ خالد ہمان شب کہ روز آن مالک را کشت زنش بخواست و

زنا کرد و او را منی نبود و شعرا درین باب شعرہا گفتہ اند مبنی از ظلم خالد و مظلومی مالک"

صاحب سیرۃ الفاروق اگرچہ لکھتا ہے کہ "مالک ابن نویرہ کے مسلمان ہونے اور بے گناہ قتل ہونیکا

واقعہ حضرت عمر کے نزدیک ثابت تھا" مگر پھر بھی اسکے نزدیک واقعہ بیان کرنے کا یہ بہترین حقیقت سے

نزدیک ہے کہ "سوائے اسکے کہ مالک کی عورت کو میدان جنگ ہی میں نکاح کر لینے پر ملامت کی اور

کچھ کہنا پسند نہ کیا" عصمت کی قدر دانی۔ انصاف اور تاریخ نویسی کے فرائض خدا نہ کرے

موزخ کا قلم گرفتار عورت کو ملامت کیلئے منتخب کرتا ہے۔

کہ اس پیرایہ کے مماثل بھی ہوں۔ ابن خلدون مالک اور اسکے ہمراہ ہونیکا خونبہا دلوا دیتا ہی۔

رسول کے بعد بھی یہ عظیم الشان واقعات تھے جنہوں نے اپنی خلاف امید نوعیت کے لحاظ سے

جذبات کی برانگیختگی جو شکلیں سطح کرکے گئے تھے

لوگوں کو دفعتہً چونکا دیا اور ہر شخص اپنے اُن جذبات کے ساتھ کھڑا ہو گیا جنکے شد ہامنے اور سطح

کرنے میں ہادی عالم نے مشقت گوارا کی تھی۔ اس لئے کہ عموماً لوگوں کو سوچنے کا وقت نہ ملا۔ ان

واقعات نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آیندہ پر اپنا اثر ڈالا اور دفعتہً پڑنے تعلیمی خصوصیات کو بھلا کر ایک

نئے سانچہ میں لیلیا یہ تھا جسے میں نے سانچہ بدلنا کہا ہے۔

دفن رسول میں کون لوگ شریک تھے

ابھی یہ کہنا باقی ہے کہ دفن رسول میں جو لوگ شریک تھے انکے نام کیا ہیں۔ ابو الفدا کے نزدیک یہ حضرات تھے

جناب امیر عباس۔ فضل ابن عباس۔ قثم ابن عباس۔ اُسامہ ابن زید۔ شقران۔ ابو طلحہ انصاری حضرت علی

نے غسل دیا۔ ابو طلحہ نے قبر کھودی۔ اور حضرت علی اور قثم نے لاش قبر میں اُتاری۔

بعض کے نزدیک ایک انصاری نے جناب امیر سے خواہش کی کہ اسے قبر میں اُترنے دیں اور جناب امیر نے

اُسے اجازت دی مترجم ابن خلدون اسکا نام خولی انصاری بتاتا ہے۔

ابن خلدون یا اُسکے مترجم کی یہ اُلٹی ہوئی عبارت جسے عدم شرکت کی دلیل سمجھنا چاہئے توجہ کے قابل ہے کہ "رسول اللہ صلعم نے تو بجواب سوال فرما دیا تھا کہ مجھکو میرے خاندان والے نہلائین پھر کون موقع تھا کہ ابوبکر دخل در معقولات کرنے شامل ہو جاتے۔ وہ لوگ تجہیز و تکفین مین مصروف ہی ہو گئے تھے۔ وہان جھگڑے ہونا مناسب تھا یا ان جھگڑون کا رفع کرنا" پھر آگے چلکر جب حضرت علی ابوبکر سے مشورہ مین شریک نہ کرنے کی شکایت کرتے ہین تو بقول مترجم ابوبکر جواب دیتے ہین کہ "تم جبکہ تجہیز و تکفین مین مصروف تھے تو مین تمکو کیسے محض اس کام کے لئے وہان سے بلوا تا اور اس بابت مشورہ کرتا"

محض

دفن کے وقت جناب امیر نے فرمایا "میرے ماں باپ آپ پر فدا ہون آپکی وفات سے نبوت۔ وحی۔ آسمان کی خبرین منقطع ہو گئین۔ آپ مصیبت پہونچانیکے لئے مخصوص ہوئے جیسے کہ آپنے غیر کی مصیبت سے ہمین مطمئن کر دیا۔۔۔ اگر آپ صبر کا حکم نہ دیتے جزع فزع سے منع نہ فرماتے تو ہم اس مصیبت پر مجرای اشک کا پانی انتہا کو پہونچا دیتے"

جنازہ رسول سے پیغمبر کا مخاطبہ

دفن کے بعد قبر کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا "صبر کرنا اچھی بات ہے مگر حضرت سے صبر کرنا ممدوح نہیں ہے جزع و فزع بیشک قبیح ہے مگر آپ کے بچھڑنے کی مصیبت پر نہین۔ آپکی مصیبت سے جو رنج و اندوہ ہے وہ نہایت ہی بزرگ ہے اور یہ رنج و اندوہ آپکی مصیبت سے پہلے حقیر تھا اور آپکی مصیبت کے بعد بھی حقیر ہی سمجھا جائیگا"

قبر سے مخاطبہ

جناب امیر کا دیوان رحلت رسول کے نتیجہ پر اکثر مفید عکس ڈالتا ہے جس سے ہم کسی حد تک اقتباس کرتے ہین:- "وہ حضرت اپنے گھر والون کے علاوہ ہمارے لئے مثل قلعہ کے تھے اور اُنکا ملجا نہایت مضبوط ہے دشمنون سے۔ بیشک چھا گئی پھر تاریکی اُنکے انتقال کے بعد۔ گویا کہ تیرے بعد لوگون کے کام موج کی کشتی مین رکھے گئے جس وقت وہ دریا مین بلند ہوئی۔ اور مانگتی ہین قومین ورثہ مردے کا۔ درانحالیکہ ہمارے پاس ہدایت اور نبوت کا ورثہ ہے"

جناب امیر اپنے دیوان مین رحلت رسول کے متعلق۔

"مین نے ہر شخص پر غلبہ چاہا اور مین اُسپر غالب ہوا اور جب فقر نے مجھپر غلبہ کیا تو مجھپر غالب ہو گیا۔ اگر ظاہر کرتا ہون تو رسوائی ہے اور اگر نہین ظاہر کرتا تو مار ہی ڈالتا ہے"

فقر اور علی

"ہمارے لئے ہے وہ امر جسکا تم بغیر حق کے دعوی کرتے ہو"

[illegible] کے متعلق [illegible]

"پہچانا ہے تمنے ہمارا حق پھر اُس سے اِنکار کیا"
"خاک بر سر زمانہ کہ وہ وقت نافرمانی کا ہے نہ کہ حق رسانی کا"

مسیکو ای ابوبکر اور تجاہل نہ کرو اِس بات سے کہ تحقیق علی بہترین ہیں پا برہنہ اور جوتا پہننے والونکا۔ رسول اللہ نے اُسکے حق مین وصیت کی ہے۔ اور تلف نہ کر حق اُس کا اور پھیر خلق کو اُسکی طرف"

مین عذر طلب کرتا ہون اپنی قوم سے حالانکہ وہ فرض کتاب سے جاہل ہین اور پہونچے ہر اُس چیز کو جو حرام ہے۔ امامت کی رسّی ہمارے احمد کے بعد ہمارے لئے ہے۔ نہ زمانہ نبوت مین آنجناب کے۔ وہ صاحب بزرگی تھے اور نہ رعایت رکھی اُنلوگون نے عہد و میثاق کی بعد نبی کے۔ اگر ہے لیے اُنکے امر کا چھوڑنا جائز ہوتا تو چھوڑ دیتا مین اپنی قوم کو حالانکہ وہ ایک امت ہی اُمتون مین سے"

اب مین اپنی شہزادی حضرت فاطمہ زہرا ذکیہ طاہرہ کے اثر غم کو دیکھتا ہون۔ صاحب مناہج کہتا ہے کہ "حضرت کی رحلت کے بعد فاطمہ زہرا کو کسی نے ہنستے نہ دیکھا!" پھر کہتا ہے " فاطمہ زہرا اور علی مرتضیٰ سب سے زیادہ مصیبت زدہ۔ بیکس اور زار و نالان تھے۔ امام حسن امام حسین کے منہہ کی طرف نگاہ کرتے تھے۔ اپنی یتیمی اور اُنکی نامرادی پر نالان و گریان تھین"

دفن کرنیوالے جب اِس اندوہناک فرض سے فارغ ہوئے اور رسول کی لاڈلی نے اُنھین دیکھا تو پُر درد سوال کیا کہ "کیونکر تمہارے دلون نے گوارا کیا کہ رسول خدا پر خاک ڈال دی"۔ اِسکے بعد قبر شریف پر آئین۔ قبر کی خاک اُٹھائی اور اپنے چہرہ پر ڈال کر نوحہ فرمانے لگین کہ مجھپر ایسی مصیبتین وارد کرتی ہین کہ اگر وہ زمانہ پر پڑتین تو تاریک رات ہو جاتے۔ فرماتی ہین کہ "جب شوق زیادتی کرتا ہے تو تیرے قبر کی زیارت کرتی ہون اور جب تو جواب نہین دیتا تو نوحہ کرتی ہون۔ اے خاک کے آرام پانیوالے آگاہ ہو میری رونے سے۔ مجھے تیرا یاد کرنا تمام مصیبتون سے محبوب ہے۔ اگرچہ تو خاک مین میری نگاہ سے غائب ہے مگر میرے دل محزون سے غائب نہین ہے"

اب مین ایک سرگذشت بیان کرتا ہون جسے طاہرہ کی وہ کنیز بیان کرتی ہے جسکے متعلق مشہور ہے کہ اُسنے برسون بجز آیات کلام الہی کے اور کسی لفظ سے کلام نہین کیا۔ یا جواب نہین دیا۔ ورقہ ابن عبد اللہ زمانہ حج مین فضہ سے ملاقات کرتا ہے اور استدعا کرتا ہے کہ میری مخدومہ فاطمہ زہرا صلوۃ اللہ علیہا کا حال وقت وفات وغیرہ بعد رحلت رسول بیان کرو۔ نام آتے فضہ کی آنکھون کے نیچے وہ جیسے تھی جس

نافرمانی کا زمانہ ہے نہ کہ حق رسانی کا۔

ابوبکر سے مخاطبہ

امامت۔

حضرت فاطمہ پر رحلت رسول کا اثر۔

حالت اور نوحہ۔

(مجالس الابرار)

طاہرہ کی حالت فضہ کی زبانی

آنسو نکلنے لگتے۔ جواب دیا کہ تو اُس غم کو ہیجان مین لایا جو ساکن ہو گیا تھا اور اُس آگ کو بھڑکا دیا جو سینہ مین پوشیدہ تھی۔ مین نے دیکھا ہو اُن مخدومہ کو اور سانحہ پر غم یہ ہے کہ جناب رسالتمآب نے رحلت فرمائی مین نے کسی کو نہ دیکھا کہ وہ نالہ و بیقراری نہ کرتا ہو مگر نالہ و زاری میرے خاتون کی اور غم اُن مخدومہ کا ہر روز زیادہ ہوتا جاتا تہا۔ سات دن تک گھر مین بیٹھی رہین جب آٹھوان روز ہوا طاقت صبر جاتی رہی اور وقت شب گھر سے باہر آئین اور ہائے ہائے کے نعرے مار کر روئین اُسوقت تمام خرد و کلان عورتین اور بچے اپنے گھرون سے باہر نکل کر اُن معصومہ کے پاس جمع ہوئے اور رونے لگے۔ ہر طرف سے لوگ جمع ہوئے اور راہون کے چراغ گل کر دیئے کہ نامحرمونکی نگاہ عورتون کے چہرون پر نہ پڑے اور حضرت فاطمہ فریاد کرتی تہین کہ ای پدر بزرگوار۔ ای برگزیدہ خداوند عالم کے۔ اے محمد مصطفے اے پالنے والے بیوہ عورتون کے اے باپ یتیمون کے کون ہے قبلہ اور مصلی کے لئے کہ آپ سے بہتر نماز گذار ہو۔ اور کون ہے دلداری کرنے والا آپکی عاشق بیٹی کا کہ وہ آپ پر مثل زن پسر مُردہ کے رو رہی ہے۔ اِسکے بعد روضہ منور کی جانب متوجہ ہوئین اور غایت اضطراب سے پائے مبارک اُن معصومہ کے دامن مین اُلجھے جاتے تہے اور کثرت اشکباری سے کوئی چیز نظر نہ آتی تہی یہانتک کہ اس حال سے قبر منور کے پاس پہونچین جب نظر حجرہ رسالتمآب پر پڑی اور گلدستہ اذان کو دیکھا آہستہ آہستہ قدم اُٹھانا شروع کئے اور اس قدر روئین کہ غش طاری ہوا۔ عورتون نے پانی لا کر چھڑکا۔ افاقہ ہوا۔ اُٹھین اور فرمایا کہ طاقت اور قوت میری زائل ہو گئی اور اس حال سے دشمن خوش ہوئے اور شماتت کی۔ آپکی مفارقت سے میری زندگی خراب ہو گئی۔ ای بابا مجھسے آپکے خویش و اقربا نے اور خوشی کا دروازہ مجھپر بند ہو گیا مین آپکے بعد دنیا سے بیزار ہون۔ برابر آپ کی مفارقت پر تاسف کرونگی یہانتک کہ آپ سے ملاقات کرون۔ آپکے بعد ہم ضعیف و حقیر ہو گئے۔ لوگون نے منہ پھیر لئے۔ آپکی زندگی مین ہم خلائق کے نزدیک معظم و مکرم تہے۔ وہ منبر جس پر آپ تشریف رکھتے تہے تاریکی نے اُسے ڈھانپ لیا۔!

فاطمہ زہرا زمانہ کی شکایت کرتی ہین۔

رحلت کے دسوین دن علی اور سلمان

متذکرہ صدر عبارت مین جہان سرد مہری کا تذکرہ ہے وہان رحلت کے دسوین روز نہ صرف حضرت بتول عذرا بلکہ خود مرتضی بھی ایسے پختہ عقیدت سے جیسے کہ سلمان تہے شکایت کرتے ہین کہ بعد رسول اللہ نے بیوفائی اور ترک ملاقات کی۔ سلمان کثرت اندوہ کی معذرت کرتے ہین اور وہ تشریف لائے دیکہہ پر اس ضعف فرماتے

ہین کہ وہی شکایت سنین اور دیکھتے ہین کہ ایک ٹکڑا عبا اوڑھے ہین جس سے اگر سر ڈھانکتی ہین تو پائے اقدس کھل جاتے ہین اور پائے مبارک چھپاتی ہین تو معجر دکھائی دیتا ہے!

فاطمہ کے رونے کے متعلق علی سے لوگون کی استدعا

عام مورخین نے اسکا ذکر کیا ہے کہ ذکیہ کے کثرت گریہ سے لوگون تنگ نے جناب امیر سے استدعا کی کہ حضرت فاطمہ سے فرمائیے کہ صبح اور شام مین رونے کے لئے ایک وقت تجویز کرین کہ ہم انکی صدائے گریہ سے کوئی کام نہین کرسکتے۔ جناب امیر نے لوگون کا پیغام پہونچایا اور بتول عذرا نے غمگین متانت سے جواب دیا کہ

فاطمہ نے پیغام کا جواب دیا

اُنسے کہدو کہ مین تم مین بہت دن رونے کے لئے زندہ نہ ہونگی۔ سیدہ کا یہ فرمانا مستقبل کا واقعہ تھا۔ غم کے وزن نے اُنھین یقین دلایا تھا کہ انکی روح پاک بغیر رسول کی روح اقدس سے قرب و اتصال حاصل کئے تسکین نہین پاسکتی۔ شغل یہ رہگیا تھا کہ بقیع مین اُس جگہہ جو جناب امیر نے بنوادی تھی اور جس کا نام بیت الاحزان رکھا تھا حسنین کی اُنگلی تھامے ہوئے جاتین اور شام کو امیرالمومنین گھر واپس لاتے۔

حسنین ماں کے ساتھ نانا کے روضہ پر جاتے ہین۔

رسول کا غم اُنکی لاڈلی بیٹی کے لئے ایسا نہ تہا جسے زمانہ بھلاتا جاتا۔ بلکہ زمانہ نے ناگوار واقعات سے اُسکو تازہ رکھنے اور زیادہ کرنیکی تحریک کی۔ زیادہ دن نہ گذرے تھے کہ طاہرہ علیل ہوگئین۔ علالت بڑھتی گئی اور جناب امیر سے وصیت کی کہ میری بیمار ہونے کی خبر چھپائی جائے اور لوگ مطلع نہ کئے جائین۔ تیمارداری مین جناب امیر مصروف رہے اور اسما بنت عمیس اعانت کرتی رہین۔

سیدہ کی علالت

مجالس الابرار مین شیخ ابن بابویہ علیہ الرحمہ کی کتاب معانی الاخبار سے روایت نقل کی ہے جو فاطمہ بنت الحسین علیہ السلام سے ہے کہ "جب مرض جناب سیدہ علیہا السلام کا شدید ہوا زنان مہاجر و انصار اُن معصومہ کے پاس جمع ہوئین اور کہنے لگین کہ آپ نے کس طرح صبح کی اور دختر رسول جناب سیدہ نے جواب مین فرمایا کہ واللہ صبح کی مین نے درحالیکہ تمہاری دنیا سے کارہ ہون اور دشمن اور بیزار ہون تمہاری مردون سے مین نے ترک کیا اُنھین قبل اسکے کہ اُنکی آزمایش کرون اور بیزار ہوئی مین اُن سے بعد امتحان کے اور دریافت اور مشاہدہ کرلینے اُنکی خصلتون کے۔ پس بُرا حال ہو دم شمشیر اُنکے کا کہ ہماری مدد مین کُند ہوگئین اور بُرا حال ہوا اُنکے نیزے کا کہ وہ بھی شکستہ ہوگئے ہماری مدد مین اور بُرا حال ہوا اضطراب رائے اُنکے کا کہ ہماری اعانت نہ کی اور بُرا ہے وہ کہ اُنکے نفس امارہ نے اُنکے لئے آگے بہیجا ...... وای ہو اُنپر کہ کتنا دور ڈالا خلافت کو اُن لوگون سے کہ جو پہاڑ استوار رسالت اور اساس نبوت ہین اور اُمور دنیا و دین کے ماہر ہیں

اور کس سبب سے ابوالحسن پر کراہت اور عتاب کیا۔ قسم خدا کی کراہت نہین کی اُنھون نے مگر سبب جہاد اُنکی شمشیر کے راہ خدا مین اور شدت سے حملہ کرنے اُنکے۔ اگر وہ باز رکھتے ایک دوسرے کو اور اُس مہار کے لیے جو کہ رسالتماب صلے اللہ علیہ و آلہ نے علی کے ہاتھو مین سپرد کی تھی اور وہ متولی امر امامت کے ہین تو ہر آئینہ وہ وہ حضرت متعہد امر خلافت کے ہوتے اور لوگون کو سہولت سے راہ حق مین لیجاتے اور وہ جناب خود منتفع نہ ہوتے نفع زائد سے مگر تھوڑا پانی پینے اور کھا لینے سے کہ سد رمق اُس سے حاصل ہوتا..... تمہارے فساد اور فتنہ کا ناقہ بار ور اور حاملہ ہوا.....“ اسی کتاب مین اکثر مفہوم سے ملتی ہوی روایت احتجاج سے نقل کیگئی ہے جسکا راوی سوید ابن غفلہ ہے۔ اِس روایت مین اِس قدر زیادہ ہے کہ ان عورتون نے جا کر ان شکایتون کو اپنے مردون سے کہا اور وہ سب حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ”اے سیدۃ النسا اگر ابوالحسن ہم سے ذکر کرتے اس امر کو قبل استوار کرنے اور مستحکم کرنے ہمارے عہد و عقد کے تو ہر آئینہ ہم اُن جناب سے عطل نہ کرتے اور دوسرے رجوع نہ کرتے حضرت فاطمہ علیہا سلام نے فرمایا کہ مجھسے دست بردار ہو اور اپنے کو مجھسے باز رکھو کہ تمہارا عذر قبول نہین ہے“۔ اِس جگہہ یہہ کہنا مفید ہوگا کہ صاحب سیاستہ والامامۃ نے اسکا تذکرہ کیا ہے کہ بعد واقعہ ثقیفہ جناب امیر مع حضرت فاطمہ انصار کے پاس گئے تھے اور اُنھون نے بھی متذکرہ صدر جواب دیا تھا۔

فساد کا ناقہ حاملہ ہوا

مہاجر و انصار معذرت کرنے لگے۔

اسکے بعد کوئی لکھتا ہے کہ حضرت سیدۃ النسا نے رحلت رسول کے چالیسوین دن انتقال فرمایا کوئی آگے بڑھتا ہوا دو ڈہائی تین مہینہ سے چھ مہینہ تک جاتا ہے۔ جو زمانہ صحیح ہو۔ ایک دن جناب امیر نماز ظہر سے فارغ ہو کر گھر واپس آرہے تھے کہ راستہ مین چند کنیزون کو روتے ہوئے آتے دیکھا۔ پوچھا کہ تم کیون اس قدر متغیر ہو۔ سبھون نے جواب دیا کہ یا امیر المومنین جلد خبر لیجئے فاطمہ زہرا کی ہمین گمان نہین ہے کہ آپ اُنھین زندہ پائین۔ جناب امیر جلد جلد گھر مین داخل ہوئے۔ یہان دیکھا کہ سیدہ مصری سفید کپڑا پہنے ہین اور سکرات کے عالم مین کبھی داہنا ہاتھ کھینچ لیتی ہین اور کبھی بایان ہاتھ پھیلا دیتی ہین اور کروٹین بدلتی ہین۔ علی نے عبا دوش مبارک سے پھینکدی۔ عمامہ سر سے اُتار ڈالا اور گھنڈیان قبا کی کھول کر سرہانے بیٹھ گئے۔ ذکیہ کا سر مبارک گود مین لیا۔ جھکے اور پکارا ”زہرا“ جواب نہین ملا۔ پھر کہا۔ اے بیٹی محمد مصطفٰے کی جواب نہین۔ ای بیٹی اُسکی جو گوشہ چادر مین زکوۃ باندھکر غربا و مساکین کے گھر پہونچاتا تہا۔ خاموشی۔ پکارا (غالبًا بڑھتی ہوئی بیچینی اور کسی قدر بلند آواز سے) فاطمہ مین ہون

رسول اور طاہرہ کی رحلت کا وقفہ۔

فاطمہ زہرا کا احتضار اور علی۔

علی۔ اُنکے ڈھیلوں میں تھیج و حرکت ہوئی۔ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ علی کو دیکھا اور آنسو نکل پڑے۔ پوچھا کیوں رو رہی ہو اے سیدہ۔ فرمایا۔ روتی ہوں اُن ظلموں پر جو میرے بعد تم پر ہونگے۔ کافی تھا کسی شوہر کے دل کو جلانے کے لیے یہ خیال کہ وہ بی بی جو اپنی زندگی میں محبت کرتی تھی اُسے احتضار میں اپنے بعد بھی محبت کا ویسا ہی خیال ہو۔ علی جواب دیسکے۔ فرمایا۔ "نہ رو کہ صبر راہ خدا میں کل ذیتیں آسان ہیں"۔

طاہرہ کی وصیتیں۔

طاہرہ کی خصوصی نصیحتیں یہ تھیں کہ جناب امیر امامہ بنت العاص سے عقد کریں اس لیے کہ وہ "میری بچوں کی دوست اور انپر مہربان ہے"۔ دوسرے تابوت میں شب کو لاش لیجانا۔ تیسرے جنلوگوں نے ظلم کیا ہے انھیں اجازت نہ دینا کہ وہ میرے جنازہ پر آئیں اور نماز پڑھیں۔ قریب کے اعزا پہلے اور سکے بعد براتیب اعزا اور احباب ہوں۔

بچوں کا متعلق۔

سیدہ نے اپنے بچوں کے بارہ میں وصیت میں مبالغہ کیا ہے۔ فرمایا ہے کہ "اے ابو الحسن میری بعد حسنین سے بلند آواز سے نہ بولنا کیونکہ وہ شکستہ خاطر اور غریب ہو جائینگے۔ ابھی کل کے دن انکے جد امجد کا سایہ انکے سروں سے اُٹھ گیا ہے۔ آج وہ ماں کے مرنے سے اور غمگین ہونگے۔ اسکے بعد آپ نے چند اشعار فرمائے جنکا مفہوم یہ تھا کہ اگر روتے ہو تو رو کہ آج فراق کا دن ہے۔ میرے بچے میرے بعد میری ملاقات کے مشتاق اور بیقرار ہونگے انھیں تسلی دینا کہ مجھسے جدا ہوتے ہیں"۔

فاطمہ اور اہتمام رحلت

میں نہیں کہہ سکتا کہ اسکے کچھ ہی قبل یا کچھ بعد کی یہ حالت ہے جسے اسما بنت عمیس بیان کرتی ہے کہ جب وقت وفات قریب ہو چکا سیدہ نے وضو کے لئے پانی مانگا۔ وضو کیا۔ خوشبو مانگ کر کپڑے معطر کئے جنھیں زیب جسم فرما کر نماز پڑھا کرتی تھیں۔ اسکے بعد سر مطہر بستر پر رکھکر اسما سے سرہانے بیٹھنے کی ہدایت کی اور فرمایا کہ جب وقت نماز آئے تو مجھے اٹھانا اور اگر نہ اُٹھوں تو علی ابن ابیطالب کو بلا لینا۔ کافور سرہانے رکھوا لیا اور چادر اوڑھ لی۔

اسما پکارتی ہے مگر جواب نہیں ملتا۔

وقت نماز آیا اسما نے الصلوٰۃ یا بنت رسول اللہ کہا لیکن خاموشی نے جواب دیا۔ اسما نے پھر آواز دی۔ جواب نہ ملا۔ چادر ہٹائی دیکھا کہ معصومہ عالم اعلیٰ کی طرف انتقال فرما گئیں۔ اسما چیخ اُٹھی

حسنین اور ماں کی لاش۔

بچے قریب دوڑتے ہوئے آئے۔ حسن پوچھنے لگے کہ اسما اس وقت والدہ ماجدہ کیوں آرام کرتی ہیں۔ جواب ملا بچھاڑیں کھانے لگے۔ حسین ماں کے پاؤں چوم رہے تھے اور کہتے تھے اماں ہم تمہارے فرزند حسین ہیں کچھ بولو۔ اسکے بعد دونوں بچے نہیں معلوم کس طرح مسجد میں باپ کو خبر دینے گئے۔ اصحاب دوڑے

باپ کو خبر دینے گئے

کسی نے کہا کہ ای فرزندان رسول خدا تمہاری آنکھوں کو نور لائے کیا رسول کی جگہہ خالی دیکھ کر تم پر رقت طاری ہوئی ہے۔ جواب دیا کہ ہماری مان نے رحلت کی۔ علی نے سر زمین پر رکھدیا اور کہا اے دختر رسول رسول کے بعد تم سے تسکین تھی اب تمہارے بعد تمہاری مصیبت مین کس سے تسکین پاؤنگا۔

علی غمزدہ

بچے مان کی وداعی زیارت کرتے ہین۔

جس وقت امیر المومنین نے چاہا کہ چادر مین لپیٹ دین اُس وقت تمام بچون کو وداعی زیارت کیلئے بلایا اور بچون نے اس موقع کو غنیمت سمجھا کہ ایک مرتبہ اور مان کے سینہ پر لوٹ لین۔ بچون کی معصومانہ صدائین ایک پُر درد وہم آہنگی پیدا تہی کہ ای مان جب آپ ہمارے جد بزرگوار کی خدمت مین پہونچین تو ہماری جانب سے سلام پہونچائیگا۔ جناب امیر نے آہستہ بچونکو لاش سے علیحدہ کیا اور بند کفن باندھدیئے۔

شرکت جنازہ کرنیوالوں کو عباس کی اطلاع

خبر مدینہ مین پھیل گئی کہ دختر رسول نے انتقال فرمایا۔ مرد اور عورتین رونے لگین اور عورات بنی ہاشم اُن معصومہ کے گھر جمع ہوئین۔ لوگ پُرسہ کے لئے جمع ہورہے تھے اور انتظار مین تھے کہ مشایعت جنازہ کرین اُسوقت بقول ابوذر اور بقولے عباس باہر آئے اور لوگون سے کہا اس وقت واپس جاؤ کہ دختر رسول کا جنازہ زیادہ رات گئے اُٹھایا جائیگا۔ لوگ متفرق ہوگئے اور شب آگئی۔ جناب امیر حسنین۔

شریک دفن لوگ

عقیل اور گروہ بنی ہاشم کے علاوہ۔ زبیر۔ ابوذر۔ سلمان اور بریدہ جنازہ لیکر چلے۔ نماز پڑھی اور بقیع مین دفن کرکے قبر زمین سے برابر کردی۔ لاش طاہر کو قبر مین رکھتے وقت جناب امیر نے فرمانا شروع کیا۔

فاطمہ کی قبر اور علی

"سلام ہو آپ پر اے رسول خدا میری طرف سے اور آپکی اس دختر کی طرف سے جو آپ کے پہلو مین وارد ہونیوالی ہے اور آپ سے ملحق ہونے کیلئے جلدی کر رہی ہے۔ یا رسول اللہ آپکی برگزیدہ دختر کے انتقال سے میرا صبر کم ہوگیا۔ اسکی مصیبت کی وجہ سے میری چستی و چالاکی جاتی رہی ..... ایک امانت واپس لے لیگئی۔ ایک یادگار نشانی اُٹھا لیگئی۔ اب میرا حزن و ملال دائمی ہے۔ اب میری آنکھون مین نیند کہان۔ جب تک کہ پروردگار عالم میرے لئے اُس مقام کا ارادہ کرے جسمین آپ مقیم ہین عنقریب آپ کی دختر آپ کو آگاہ کریگی۔ میری موجودہ حالت کو اُن سے دریافت فرمایئے حالانکہ ابھی آپکے انتقال کو زیادہ عرصہ نہین گذرا"۔

لوگ بنت رسول کے دفن کی خبر سنکر

جب لوگون نے سُنا کہ بتول عذرا خاک کے سپرد کر ڈالی گئین تو ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ رسول نے صرف ایک دختر چھوڑی تھی حیف ہے کہ وہ رحلت کرے اور دفن ہو اور ہملوگ نہ وقت وفات حاضر

ہون۔ نہ نماز پڑھیں اور نہ دفن مین شریک ہون۔ اور غالباً لوگون کو صحیح نشان قبر اسوقت تک معلوم ہوا جب تک ذکیہ کا فرزند اکبر اس جگہہ دفن کے لئے نہ لایا گیا۔ اور بقول تاریخ خمیس ایک لوح برآمد ہوئی جسمین لکھا تہا "ھذا قبر فاطمہ بنت رسول اللہ"۔

قبر کب معلوم ہوئی۔

اور کونسا زمانہ تھا جسکے متعلق جناب امیر فرماتے ہین کہ "ہم مثل کبوتر کے جوڑے کے ایک مرغزار مین جوانی اور تندرستی سے برخوردار تھے کہ زمانہ ہمپر داخل ہوا اور ہم مین جدائی ڈالی۔ زمانہ دوستون کا جدا کرنیوالا ہے"۔

علی مرثیہ کہتے ہین۔

"کیا ہوا مجکو کہ مین قبرون پر سلام کرتا ہوا کھڑا ہون۔ قبر پر دوست کے اور اُس نے میرے سلام کا جواب دیا"۔

"ایا تیپ مجھے تیرے نزدیک ڈالتی ہے۔ مین تیرے لئے روتا ہون (حالانکہ) مرد و مین میرا ہمسر نہین ہے"۔

"دو دوستون کے درمیان ہر اجتماع مین تفرقہ ہے اور ہر وہ شئے جو فراق سے سوا ہے قلیل ہے۔ بعد احمد کے میرا فاطمہ کو کھو دینا اسکی دلیل ہے کہ کوئی دوست ہمیشہ نہین رہتا"۔

شمس العلما مولوی حافظ محمد نذیر احمد خان صاحب ایل ایل ڈی اپنے تصنیف رویائے صادقہ مین فرماتے ہین:۔ جو شخص سب سے زیادہ پیغمبر صاحب کی وفات سے متاذی ہوا وہ فاطمہ تھین۔ والدہ پہلے انتقال فرما چکی تہین۔ اب ماں اور باپ دونون کی جگہہ پیغمبر صاحب تہے اور باپ ہی کیسے باپ دین و دنیا کے بادشاہ ایسے باپ کا سر سے اُٹھ جانا امیر حضرت علی کا خلافت سے محروم رہنا اور تک بر جراحت ترکہ پدری باغ فدک کا دعوی کرنا اور مقدمہ کا ہار جانا کسی دوسرے کو ایسے پیہم صدمے پہنچتے تو وہ زہر کھا کر مر رہتا مگر اُنکے صبر و ضبط انھین کے ساتھ تھے۔ پھر بھی انھین رنجون مین گھل گھل کر چھ مہینے کے اندر اندر انتقال فرما گئیں اور جتنے دن زندہ رہین اُن لوگون سے جنہون نے انکو رنج دیئے تھے نہ بولین اور نہ بات کی یہانتک کہ اُن لوگون کے اپنے جنازہ پر آنے کی بھی مناہی کر دی۔ اور شب کے وقت مدفون ہوئین انا للہ و انا الیہ راجعون مانا کہ انکا غصہ کسی قدر بیجا بھی ہوتا تاہم اُنکے باپ کے حقوق کیا چاہتے تہے۔ فاطمہ کے دل غمزدہ کو خوش کرنیکے لئے علی کو اگر وہ اہل بھی نہ تہے برائے نام خلافت دی ہوتی اور آپ انتظام کیا ہوتا۔ خیر خلافت تو کون دیئے دیتا تھا۔ مگر باغ فدک کے دیدینے مین ایسی کونسی قباحت تہی۔ غایۃ مافی الباب حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نرث و لا نورث ما ترکنا صدقۃ کے خلاف ہو تو ہو۔ گناہ اگر ہوتا تو فاطمہ کو

مولوی نذیر احمد صاحب کیا فرماتے ہین۔

ہوتا کہ وہ سیدانی ہو کر صدقہ کھاتین۔ سخت افسوس کی بات ہے کہ اہلبیت نبوی کو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہی سے ایسے نا ملایم اتفاقات پیش آئے کہ اُنکا وہ ادب اور لحاظ جو ہونا چاہتا تہا اُسمین ضعف آگیا اور شدہ شدہ منتج ہوا اُس ناقابل برداشت واقعہ کربلا کی طرف جسکی نظیر تاریخ مین ملنی مشکل ہے۔"

صاحب نور المبین نہایت متین عبارت مین فرماتے ہین کہ " اگرچہ شہادت حسین کا تیرہ و تار سانحہ سنہ ۶۱ھ مین واقع ہوا لیکن اِس دیجور قیامت کی شام ظلمت اُسیوقت سے شروع ہو چکی تہی جبکہ خورشید رسالت غروب ہوا اور جناب رسالتمآب نے اِس دار فانی سے عالم جاودانی کو انتقال فرمایا۔"

رحلت فاطمہ کے بعد اہلبیت کے دوستونکی یاس۔

اِس باب مین مجہے کچہہ اور کہنا نہین ہے بلکہ سنرگبن کی یہ عبارت پیش کرنی ہے کہ " دختر رسول کے انتقال کے بعد وہ دوست جو کچہہ دنون تک ساتہہ رہتے دباؤ مین آتے جاتے ہین اور اپنے کو تباہ ہوتا ہوا دیکہکر بیعت کر لیتے ہین"۔ اِسکے قریب صواعق محرقہ کی یہ عبارت ہے کہ " امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ در مدت حیات فاطمہ الزہرا بیعت نہ کردہ بود لیکن اورا عزو جاہے بواسطہ حیات حضرت خیر النسا نزد مردمان بود چون حضرت فاطمہ وفات یافت حضرت علی از روئے مردمان انکار نمود و عزلت اختیار کرد و کسے باو آمد و شد نہ کرد"۔

فاطمہ کے بعد علی کی گوشہ نشینی اور لوگ۔

باب دوم کا خلاصہ

واقعات کا نشو

باب اول کے خلاصے نے ہمین یہانتک پہونچایا تہا کہ ہادی عالم کی ذات اور اصول وہ مرکز تہا جسکے گرد حجاز اور عرب کے سرگشتہ جمع ہوتے جاتے تہے اور دیکہتے تہے کہ نہ صرف رسول نے ہمین جن امورات کی تعمیت کے لئے بلایا ہے وہ روحانی حیثیت سے تسکین دہ ہے بلکہ جو محبت مساوات اور عادلانہ روش قایم کی ہے وہ دنیاوی حیثیت سے بہی ایک ایسی نعمت ہے جس کی قیمت کا اندازہ نہین کیا جاسکتا۔ لیکن باوجود اِن دل پسند صورتون کے دوسرا رُخ بہی تہا۔ کل طبیعتین ایسی نہ تہین جو محض تعلیم اور پیروی پر قناعت کرتین اور ایسے موقع نہ ڈہونڈہتین جس مین رسوخ اور امتیاز کی امید ہوتی۔ خصوصاً ایسی حالت مین جبکہ اسلام اپنی ایک حیثیت سے دنیاوی حکومت کی صورت بہی اختیار کرتا جاتا تہا۔ لیکن رسوخ کی

او صلوحیت طبیعتونکا منصب المبین

معنوی گوشہ نشین رسول ایسے قدر شناس کو دہوکا نہین دے سکتی تہین اُنکے نزدیک اسی کو رسوخ اور امتیاز ہو سکتا تہا جو دین کے لئے ایثار نفس اور خدمات یا ترقی نفس کیلئے مدارج تقویٰ طے کر سکتا تہا یہ مجہلی ۔ کودتی ہوئی۔ نمایشی کاروائیون کی قیمت رسول کو معلوم تہی۔

رسول کے نزدیک کیسے امتیاز ہو سکتا تہا۔

یہہ بہی ہم کہہ چکے کہ اگرچہ رسول کی تعلیم کا اقتضا یہ تہا کہ ایک جماعت اسلامی دکہا دیتی۔ لیکن جو جماعتین مختلف حالتون مین داخل ہوئی تہین وہ ذراسی ٹہیس سے متغیر ہو سکتی تہین۔ موقع یا اسکا نہ چاہیے تہا اور بس بندہا ہوا گلدستہ ٹوٹ کر یہ دکہلانے کیلئے تیار تہا کہ ہمارے پہول مختلف رنگ کے ہین۔ یہ واقعہ تہا کہ پہول مختلف رنگ کے تہے۔ باغبان کی یہ تعریف تہی کہ اُس نے مختلف رنگ اور خوشبو کے پہولونکو ایک جگہہ جمع کر دیا تہا جس سے اُنکے رنگ و بو کا اختلاف بجائے علیحدگی کے خوشنمائی کا نمونہ تہا۔ رسول وہ حلقہ ہے جس نے انہین الگ نہ ہونے دیا۔ وہ جانتے تہے کہ پہول مختلف رنگ و بو کے ہین۔ انہین خیال ہو سکتا تہا کہ ہماری یہہ محنت رائیگان نہ ہو اُن سے زیادہ کون تہا جسے اپنی محنت کی قدر ہوتی۔ اور کسے پڑی تہی کہ اُنکی طرح اُسکی حفاظت کے ایک ایک پہلو پر غور کرتا اور محافظین کرتا۔ محافظین کہین۔ دیکہنے والا متوجہ کیا۔ بتدریج اُسے سمجہوایا لیکن دیکہتے ہین کہ جس جس طرح وہ اپنے کو آیندہ حفاظت اور ذمہ داری کے قابل بناتا جاتا ہے اور جس جس طرح ہم اُسکی خدمات اور نفس کا اعتراف کرتے جاتے ہین۔ لوگون کی آنکہین بدلتی جاتی ہین اور اونکے چہرون پر اس افسوس کی لکیر پائی جاتی ہے کہ رسول کے بعد ہمین کچہہ امید نہین ہے۔ غور کرنے والے کیلئے یہ سوچنے کی جگہہ ہے کہ اسکی کوشش کیجاتی ہو کہ ہم کس طرح کامیاب ہون اور رسول کا نامزد کس طرح لوگون کی آنکہون سے اوجہل ہو جائے۔ اور اس کے بعد بقول مولوی نذیر احمد خان صاحب "لے اُڑے وہ جو اسکے اُڑنے کی تدبیر کر سکتے تہے"۔

رسول نے مختلف رنگ و بو کے پہولون کا گلدستہ بنایا تہا۔

جیسے رسول عثمان کو کرزواہ دے سکتے تہے اُنکے متعلق ایسے فرد یا افراد کو حسد ہو سکتا تہا جو خود اس امید میں ہون۔

ہم یہ بہی دکہا چکے ہین کہ جماعت اسلامی کی کونسی تقسیم ہو سکتی تہی اور اگرچہ خالص جماعت کی طرح حوصلہ مند یا منتقم جماعت بہی عدداً کچہہ ایسی زائد متصور نہین ہو سکتی لیکن جس وقت خالص جماعت خاموش تہی اور اسکی فکر نہ کرتی تہی کہ عامۂ ناس پر رسوخ و اقتدار حاصل کرے اور اُسکی تمام کوشش ہادی برحق کی خوشنودی اور بجا آوری احکام پر ختم ہو جاتی تہی۔ دوسری کو اس بات کا موقع تہا کہ اُس عام حق کو جو تمام اقرار اسلام کرنے والون کو رسول کی خدمت کی شرفیابی

حوصلہ مند جماعت کیونکر خالص جماعت پر غالب آئی۔

حاصل تہا اپنے سے کم حاضر باش اور دور کے زائرین کی نگاہ مین رسول کے نزدیک اپنے رسوخ کی دلیل قرار دے اور بعض ہون جو بعض کی تصدیق کرتے ہون۔ درانحالیکہ اتفاقاً سننے والے جو رسول کے متعلق تمام باتون کو کمال اخلاص اور شوق سے سننے کے لئے حاضر ہوئے تہے وہ بغیر واقعات کی جانچ کئے ہوئے اُن باتون کو قبول کر لیتے ہون جو اُنکے کانون مین ڈالی جاتی ہون۔ ہم نہین کہہ سکتے کہ کیا تہا لیکن کچھ تہا جو رسول کے اقربا سے چھپایا جا سکتا اور رسول کا جواب کہتا کہ اُنھین قریش کی طرف سے اپنے اہلبیت کی دوستی کے متعلق کچھ شبہہ ہے۔ صاحب صواعق محرقہ لکھتے ہین "ابن ماجہ از ابن عباس بن مطلب روایت کردہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود چیست قومی را کہ چون یکے از اہلبیت من با ایشان می نشیند قطع حدیث خود می کنند بہ آن خدائے کہ جان من بہ ید قدرت اوست کہ ایمان در دل ہیچ مومن داخل نمی شود تاوقتیکہ اہلبیت مرا دوست دارد از جہت خدائے و از جہت قرابت من"۔

منتقمانہ بےچینی کے وجوہات۔

سب سے بڑی وجہ منتقمانہ بےچینی کی یہ ہی تہی کہ وہ لوگ جنھین اپنی قوم مین ایک گونہ اقتدار حاصل تہا وہ اسلام کی بڑہتی ہوئی قوت سے مغلوب ہو گئے تہے اور دیکھتے تہے کہ مقابلہ سے ہمین اپنے بہت سے اعزا کو کھونا پڑا۔ ہو سکتا تہا کہ فتح کی حالت مین وہ وقتی انتقام کے بعد بہول جاتے لیکن شکست اور مغلوبیت نے اُنھین مارآستین بنا دیا جو اب سامنے آکر لڑنے کی جرأت نہین کر سکتے تہے لیکن دیکہنا چاہتے تہے کہ ہمارے خائف کس وقت غافل ہین۔ لیکن باوجود اِن عناصر کے رسول کی ذات اقدس کا حیرت خیز بلکہ معجزنما اثر یہ تہا کہ وہ جماعتین جو کیسی ہی موقع بینی یا مجبوریون سے داخل اسلام ہوئی ہون یا کیسے ہی حوصلے اور اُمیدنے اُنھین نئے دین کے سایہ مین کیون نہ کہینچا ہو سب ایک سکون کے عالم مین تہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان داخل ہونیوالی جماعتون کی یہ قابل شکایت عناصر اس قدر قابل الزام نہین ہے جس قدر وہ لوگ جنہون نے اِن عناصر کو زندہ کرنے کی مثال دین یا تحریک کی۔

اس سکون کو ناملتفتی حلت سے بدلنا قومی اور دینی گناہ تہا۔

واقعات اپنی فطری روش پر چل رہے تہے کہ دفعۃً واقعہ عقبہ نے پچہلے سکون مین ایک ہیجان پیدا کیا اور یہ سوال پیدا کیا کہ اگر جتھا بندی اور رسول کے ارادون کے خلاف بغاوت پر ایک جماعت امادہ نہ تہی تو یہ کیا تہا۔ دشمنون کا یہ غصہ ظاہر بظاہر اس لئے تہا کہ اُس ذات کو فنا کر دین جسنے آیندہ کے لئے اپنا قائم مقام ہمارے علاوہ اُسکو چنا ہے جسے ہم نہین چاہتے نہ اسلئے کہ وہ وجہ اسلام کا

عداوت کا انتہائی عمل اسکا ثبوت ہو کہ علی مین امامت کی قابلیت کا پورا نشو ہو چکا تہا۔

سب سے بڑا حامی نہیں ہے۔ نہ اس لئے کہ وہ اُن صفات سے متصف نہیں ہیں جو ایک نبی کے وصی میں ہونی چاہئیں بلکہ اسلئے کہ اُس کا وصی ہونا آیندہ انکی امید پر خاک ڈالتا ہے کہ ہم کچھ نہیں رہتے۔ یہ خیال اسوقت کی تمام مخالفانہ جتھابندی کی اصل تھا۔

نیا دور شروع ہوتا ہے

ذاتی طور پر مجھے اسکا یقین ہے کہ وہ چند افراد جنہیں کسی طرح رسول کے بعد صاحب اختیار ہونیکا حوصلہ پیدا ہو گیا ہو اُسوقت سے اس خاص شاخ کے متعلق رسول کے احکام یا انداز کو نہایت غور سے دیکھنے لگے۔ جس وقت سے رسول نے اپنی پارہ جگر حضرت فاطمہ زہرا کو علی کے عقد میں دیا۔ لیکن اُسوقت بجز خفیف کشیدگی کے بڑی ہوی دشمنی اور مصمم مخالفت کا خیال نہیں کیا جاسکتا تہا اس لئے کہ ابہی قرابت پیدا کرنے کے ذرایع ختم نہیں ہوئے تھے اور اسکے بعد اولاد کی امید ہو سکتی تہی جس سے آیندہ کوششوں کا جواز ہوتا۔ کشیدگی مصمم حد تک نہیں پہونچی جب تک یہ اُمید باقی رہی۔ زمانہ گذرنیکے ساتھہ جس جس طرح اس اُمید میں ضعف پیدا ہوتا گیا وہان زوج بتول نے رسول کی آنکھوں میں روزافزوں وقعت حاصل کی جو عامہ ناس کی آنکھوں کے سامنے کا واقعہ تہا اسنے دیگر امیدواروں میں یاس کی زیادتی شروع کی اور یاس کے ساتھہ دل میں حقوق کی مخالفت کا ذخیرہ زیادہ ہوتا گیا۔

مؤلف کے نزدیک جیش اُسامہ کو حکم روانگی کی اصلی غرض۔

انتظام تہے جو رسول اپنی امت کے مستقبل کے لئے کر رہے تھے۔ اُن لوگوں کو انتظام کے لئے آمادہ ہونا چاہئے تہا جو اپنے لئے امیدیں کرتے ہوں۔ مین سونچتا ہوں کہ اُسامہ ابن زید کو اس لحاظ سے کہ دشمن کو اُنکے شرارت کی سزا دی جائے شدت بیماری میں روانہ کرنیکے لئے تیار کرنا بلحاظ سزا دینے کے ایک ایسا امر تھا جو ملتوی رکھا جاسکتا تہا اور اگر رسول رحلت بہی فرماتے تو ایک لشکر کے روانگی کی وصیت فرما سکتے تہے یا آیندہ والی امر کا کام ہوتا کہ وہ ضرورت دیکھتا۔ اس سریہ کا آراستہ کرنا زیادہ تر اس مصلحت پر مبنی تہا کہ بیقرار طبیعتوں سے مدینہ دور رکہا جائے۔ لوگ سمجھہ گئے اور جانا مناسب نہ سمجہا۔ رسول اُنکے اس سمجھنے کو سمجہ گئے۔ اور

رسول نے کاغذ طلب کیا۔

اسکے بعد مزید قوت دینے کے لئے یہ امر تہا کہ اب اپنا ارادہ اور خیال تحریرا اور وصیت کی صورت میں بہی امت کو حوالہ کر جائیں۔ واقعات کا سلسلہ اس طرح تہا کہ وہ طبیعتیں جو ایک خیال میں آلودہ تھیں اُنکا مشتبہ رہنا اور یہ سوچنا کہ اسکی غرض کیا ہے کچھہ زیادہ مشکل نہ تھا۔ کاغذ کے طلب کرنے کے ساتھہ ہی شبہہ کا بھڑک اُٹھنا کوئی عجب خیز نہ تھا۔ کیوں نہ ابا حفصہ اور ابن ابو قحافہ نے دم لیا جب حضرت عائشہ سے یہ روایتیں موجود ہیں کہ رسول عبدالرحمن ابن ابوبکر کو بلا رہے تہے کہ ابوبکر کی خلافت کا وثیقہ لکھہ دیتے

کاغذ طلب کرنے کی غرض کا سمجھنا واقعات کے سلسلہ کی محض گرفت تہی

شاید یہی ہوتا لیکن حضرت عمر کی شدت نے یہ ظاہر کر دیا کہ مسلم وہ ایک تنہا شخص تھے جنہیں اسکا یقین تھا کہ رسول اللہ کے متعلق کچھ تحریر نہ فرمائینگے اور نہ اُنہیں اپنے دوست اور بیعت رضوان کے بھائی کے متعلق کوئی امید تھی ورنہ لکھنے نہ دینا کیا معنی رکھتا ہے۔ کوئی خود سے اپنے ہاتھ نہیں کاٹتا۔ اُنہوں نے اِس انکار اور رکاوٹ سے علی کا دعویٰ کمزور نہیں کیا۔ اپنے اور اپنے مویدین یا ہمخیالوں کے دعوے کی وقعت کھو دی۔ سچ تو یہ ہے کہ اُسوقت تک کسی کو ظاہر دعویٰ کی جرأت ہی نہیں ہوئی تھی۔ ڈول والی حدیث۔ اینٹ والی حدیث اور طلاق سے کٹ جانے والی قرابت کا حق اور اُنکا وزن سمجھنا یا وزن دینا مرید ان می پر انند والے زمانہ کا ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ رسول کے زمانہ میں علی کے وقار اور وجاہت کے مقابلہ میں کسی کا وقار نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔

تحریر کے روکنے سے علی کا دعویٰ کمزور نہیں ہوا بلکہ حضرت عمر نے اپنے اور ابوبکر کے دعویٰ کا ہمیشہ کے لئے فیصلہ کر دیا۔

بیرونی کارروائیاں یہ تھیں۔ اندرونی سازشیں یہ تھیں کہ رسول کو ہر وقت یہ خیال ہوتا تھا کہ ہم کوئی نقل و حرکت نہیں کرتے مگر کوئی آنکھ اُسے غور سے دیکھتی ہے اور باہر اِسکی خبر پہونچائی جاتی ہے یا مسٹر گبن کے خیالات کے موافق رسول کے بستر علالت کو " عایشہ نے جو علی کی دشمن اور ابوبکر کی بیٹی تھیں محصور کر لیا تھا" وہی جنکے غرض کے موافق نہ ہو سکتا تھا کہ علی رسول سے یہ کہتے کہ آپ کو اِس غم سے خلاص ہونے کے لئے بہت سی عورتیں ممکن ہیں۔ نہ میں یہ سوچ سکتا ہوں کہ حضرت ابوبکر نے طبعاً علی کے اِس جواب کو اِس روش سے علیحدہ دیکھا ہوگا جس سے اُنکی بیٹی نے دیکھا جسکے آثار ایک زمانہ تک دکھائی دیئے۔

گبن نے گھر کے اندر کی ایک بات کہنا چاہی ہے۔ حدیث انکے متعلق علی کی صاف نصیحت کی عایشہ اور ابوبکر کیلئے بہم اثری۔

اِن حالتوں نے رسول سے کہلوایا کہ "میں ڈرتا ہوں کہ دنیا کی رغبت کروگے اور آپسمیں لڑوگے" کبھی فرمایا کہ نہیں معلوم میرے بعد کیا فتنے تمہارے درمیان کھڑے ہونگے اور جب سازشوں کی شدت دیکھی تو فرمایا کہ "آگ بھڑک اُٹھی اور فتنہ آ گیا مثل اندھیری رات کے ٹکڑے کے"۔ کبھی انصار سے کہا کہ فہل عسیتم ... (آیا تم سے امید ہے کہ اگر تم والی امر ہو تو فساد اور قطع رحم نہ کروگے) ایک طرف لوگوں سے یہ فرما رہے تھے لیکن تنہا اُس سے جس کی روانگی پر صحیح وسالم واپس آنیکی دعائیں مانگتے تھے اور جدائی پر افسوس کرتے تھے یہ فرماتے ہیں کہ میرے بعد تجھے بہت سے صدمے پہونچینگے لیکن جب لوگ دنیا کی طرف مشغول ہوں تو تو دین اختیار کرنا۔ کیسے میں اِن واقعات کی ترتیب میں اپنے کو اِس یقین سے باز رکھ سکتا ہوں کہ اِن تمام الفاظ میں رسول کی یہ حالت ہے جیسے کوئی کسی بڑی

ان حالتوں میں رسول کے الفاظ اور انکا عکس

کام کو انجام دیا اور جب یہ دکہائی دینے لگے کہ اُسکے آیندہ اجرا مین کوئی غلطی یا تساہلی نہین ہوئی اور اب وہ بغیر رُکاوٹ کے چلے گا تو دفعتاً اُسے یہ دکہائی دینے لگے کہ نہین کچہہ طبیعتین اسپر آمادہ ہین جو یہ چاہتی ہین کہ اسکے چلنے کی صورت ہم درست کرین۔ غم کی اس گرانی مین واقعات کی روش نے یہ صورت اختیار کی کہ کچہہ لوگ اِس سے بہی پہچانے جاتے کہ رسول اُنکے دروازے بند کر دیتے۔ تیمار داری کی اجازت نہ دیتے اور اپنے پاس سے اُٹھا دیتے۔ رسول کا ایسے حلیم نے یہ نرم کشیدگی بہی اُس وقت تک اختیار نہین کی جب تک یہ یقین نہ ہو گیا کہ اظہار ناراضی مین خاموش رہنا واقعات اور امرحق کے سمجھنے مین ہارج ہوگا کیونکہ اسکے بعد رسول کی آلام ناراضی کو پہچاننا اور وجوہات سمجہنا آسان ہوجاتا۔

رسول کی آخری ناراضی آدمی اور گروہ پہچنواتی ہے۔

وہ افسوسناک وقت آیا کہ ہادی عالم سے زمانہ خالی ہوگیا۔ وہ اور اُسکے متعلقین جنکے سینہ اور گردن کے درمیان رسول کی روح اقدس عالم راحت کیطرف روانہ ہوئی جسم اطہر کے آخری زمن اوا کرنیکے فکر مین رہی۔

کون سوچ سکتا تہا کہ کوئی مسلمان جسے رسول سے محبت ہوگی وہ تجہیز و تکفین کے قبل موقع اور وقت کو غنیمت سمجہکر اور فطری حق دار کو اس ناقابل تسکین غم مین مشغول دیکہہ کر یہ سمجہہ لیگا کہ اگر اسوقت کچہہ نہ کیا تو پھر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حوصلے خاک کے سپرد ہو جائینگے۔ کیونکہ اسکے بعد دفن کرنے والونکو کوئی ایسی مفید آخری خدمت کا ادا کرنا اپنے ذمہ نہ ہوگا۔ اور وہ بہی ہماری طرح آزاد ہونگے ہر طرف دیکہہ سکے اور ہماری ہر کوشش کو رد کر دیئے۔ بلکہ اُسکا موجود رہنا اور نعش اُسکی ذات بمقابلہ تمام دعویداروں اور انکی دلیلون کے زیادہ وزنی ہوگی۔ مسئلہ نے یہ صورت اختیار کی تہی کہ یا دفن مین شریک ہو یا خلافت حاصل کرو۔ لوگون نے دوسری صورت اختیار کی جس سے یہ امر صاف ہوگیا کہ انکے نزدیک کونسا فرض زیادہ توجہ کے قابل تہا۔

موقع بینی کی جلدی کا مطلب۔

صورت یہ پیدا ہوئی کہ یا خلافت لو یا رسول کو دفن کرو۔

مین بذات خود اس امر کے ماننے پر آمادہ نہین ہون کہ انصار نے کوئی جلسہ منا امیر و منکم امیر کے لئے مرتب کیا ہو۔ بلکہ مجہے اسکے متعلق دو شبہہ ہین۔ ایک تو یہ کہ جس طرح اور لوگ رحلت کی خبر سنکر اپنی اپنی جگہہ باتین کرنے لگے ہون اس طرح یہ بہی باتین کر رہے ہون اور شیخین کے مخبر نے انہین یہ غلط خبر دی ہو کہ لوگ امارت کا تصفیہ چاہتے ہین اور یہ لوگ دوڑے گئے ہون اور اپنی دلیل پیش کی ہو اور انہین اپنے کو آگے بڑہا ہوا دیکہکر انصار نے اپنے حقوق بہی پیش کئے ہون اور یا حضرت ابوبکر کا سقیفہ جانا حقیقت مین کہین ایک جلسہ منعقد کرنے کے لئے ہو جو آیندہ امورات پر بحث کرے یا فیصلہ اُس کو اپنا کرنیکے لئے جلد کرا لیتا ہے۔ انصار بہی اس مجمع مین داخل ہوگئے ہون اور صورت معاملہ وہ پہونچی ہو جو مذکور ہے۔ اور مورخین نے انعقاد جلسہ

انصار کے متعلق مولف کا خیال۔

کی مصلحت کو انصار کے سر تھوپا ہو اسکے کوئی معنی نہین ہین کہ مخبر نے اور صرف انھین دو آدمیون کو مطلع کرے اور صرف اپنے امین ابو عبیدہ جراح کو ہمراہ لین اور مطلق اسکی فکر نہ کرین کہ بغیر قدم ڈھیلا کئے ہوئی ایک ہی آواز دیدین کہ مسلمانو ثقیفہ بنی ساعدہ مین اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے چلو انصار بے عنوانی کیا چاہتے ہین۔ یا وہان پہونچکر ہی انصار سے کہین کہ تصفیہ اس وقت تک ملتوی رکھو جب تک کہ مہاجرین انصار کے سربرآوردہ لوگون کا مجمع نہ ہولے اور کسی کو یہ شکایت نہ ہو کہ ہمین ہماری امورات کے مشورہ مین شریک نکیا

مخبر نے کیون دو ہی آدمیونکو خبر دی اور ان دونون آدمیون نے مسلمانون کو خبر نہ کی یا نہ انصار کو جلسہ ملتوی کرنیکی صلاح دی۔

صواعق محرقہ کی روایت مخبر کی بھی ضرورت نہین سمجھتی بلکہ ابا حفصہ خود سے ابو قحافہ سے خواہش کرتے ہین کہ انصار کے پاس چلو اور کہتے ہین کہ انصار ثقیفہ مین جمع ہوے ہین۔ وہ جمع ہوکر یا نہ ہوے لیکن لطف اسمین ہے کہ "حضرت علی و زبیر رضی اللہ عنہما و جمعی دیگر کہ با ایشان بودند در خانہ فاطمہ نشستہ تخلف کردہ"۔ ہماری سمجھ مین نہین آتا کہ تخلف کس بات سے کیا اس لئے کہ وہ لوگ تو تجہیز و تکفین کی فکر مین تھے اب تک سوال بیعت پیدا ہی نہین ہوا تھا اور اگر تخلف کرنا ہی تھا تو اس مجمع نے آپس مین کسی کو اسی طرح خلیفہ بنا لیا ہوتا جس طرح ثقیفہ بنی ساعدہ مین بنایا گیا۔ اور نہین معلوم وہ مہاجرین کا مجمع کونسا تھا جو ابو بکر کے گرد جمع ہوا کیونکہ اور کسی کا نام جاننے والے نہین بجز دو اور شخصون کے نہین ہے بلکہ واقعہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ امیر المومنین اور انکے رفقا کو چھوڑکر انصار کو ملانے کی فکر سے روانہ ہوے جنکے ساتھ غالباً مغیرہ ابن شعبہ کی یہ صلاح تھی کہ تم قبیلہ اوس اور خزرج کو علیحدہ کرکے ایک کو اپنی طرف کر لینا اور جب ایک ادھر ہو جائیگا تو پھر کوئی مخالفت کے لئے نہ ٹھہرا ہوگا اور لوگ خموشی اختیار کرینگے۔ ہم خموش رہنے کو رضامندی ظاہر کرینگے انکا اس مجمع کے پاس ٹھہرانہ ہوسکنا جہان علی موجود تھے اور دوسرا میدان تلاش کرنا موقع کو صاف دلیل سے سمجھا دیتا ہے۔

جلسہ کی دوری۔

سب سے پہلی بات اس جلسہ سے مشتبہ کرنیکی یہ ہے کہ جلسہ تصفیہ امورات کے لئے ایک ایسی جگہ قرار دیا گیا جو شہر سے کئی میل پر واقع تھا جہان کی خبر پہونچتے پہونچتے کئی گھنٹہ ہو جاتا یا لوگونکے پہونچنے تک ایک بات طے ہو جاتی اور پھر "قول دے چکے" کی آڑ ہو جاتی۔ ہمنے مانا کہ انصار قابل الزام ہین لیکن وہ مہاجر جنہین خبر ملی اور انہون نے جماعت اسلامی کے مقتدر افراد کو مطلع کرنیکی کوشش نہ کی وہ ان سے زیادہ قابل الزام ہین۔

انصار زیادہ قابل الزام ہین یا وہ مہاجر جو وہان گئے

ثقیفہ کے واقعات مین ایک بات جو نہایت غور کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ کچھ ہوا جس سے اوس خزرج کے دو گروہ ایک دوسرے کی مخالفت پر تل گئے تم زمانہ رسول کے گذشتہ اوراق مین پڑھ آئے ہو کہ کس طرح رسول نے ایسے ہی ایک موقع کو بملائمت طے کر دیا اور خزرج کی پرانی رقابت سے صرف اس قدر کام نکالا کہ وہ اپنی

اسلامی وجہ کی مد دمین ایک دو سے سبقت کرنے کی کوشش کرتے اور یہ جدوجہد قومی اور مذہبی حیثیت سے مفید ہوتی۔ آج کیا ہوا ؟

بشیر ابن سعد کہا جاتا ہے کہ وہ سعد ابن عبادہ کی مخالفت کرتا تھا یعنی قبیلہ اوس خزرج کو صاحب اختیار نہین ہونے دیا چاہتا تھا۔ اور کہہ رہا تھا کہ قریش کی حکومت کو مان لو کہ اسکے بعد تمہاری ہوگی یا انکے شامل ہوگی۔ یعنی اگر سچ مچ تم صاحب اختیار نام سے نہ بھی پکارے جاؤ تو قریش کا اس طرح ساتھ دینے سے تمہارا جو موقع ہوگا وہ کسی طرح صاحب اختیار ہونے سے کم نہ ہوگا۔ جسکی ابوبکر نے تحریک یا تصدیق کی تھی کہ ہم امرا ہین اور تم وزرا ہوئے۔ صورت معاملہ اس قدر ظاہر ہوگئی تھی کہ حباب ابن منذر بشیر ابن سعد سے پوچھ سکتا کہ تو نے کیون اپنے ابن عم سے "حسد" کیا۔ اور آپس مین تلوار کھیچ جاتی۔ حباب کا استغاثہ کرتا کہ اے انصار مین دیکھ رہا ہون کہ تمہارے سچے ایک کوزہ اب طلب کرتے ہین اور نہین ملتا اور حضرت ابوبکر کہتے ہین کہ بھلا ہم سے تمکو ایسی امید ہے ؟ اور مورخین یہ لکھتے کہ "خزرج را نجا تے تمام روی داد"۔

اور سب سے زیادہ پر لطف داستان تو یہ ہے کہ حضرت ابوبکر اور عمر مین بھی سیاسی چالون کی رد و بدل ہوتی ہے کہ ابوبکر عمر کو ابو عبیدہ کی بیعت پر آمادہ دیکھ کر نہایت مخلصانہ اقدام یہ کہتے ہین کہ تم اپنا ہاتھ بڑھاؤ ہم تمہاری بیعت کرلین اور اس اصرار مین اس قدر طول دیتے ہین کہ اباحفص بغیر یہ کہے نہین رہ سکتے کہ تم مجھسے افضل ہو اور اسکے بعد ابوبکر اصرار ہوں کر بیعت کرا لینے مین عذر نہین کرتے چلگئی۔ یقیناً اسمین ابوبکر کی مصلحت قوی تھی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اگر بیعت ابوعبیدہ اور عمر مین رہ گئی تو ہمارا امبر بیشہ ا ہو جائیگا اس لئے انھون نے ابو عبیدہ کو درمیان سے اٹھا دیا اور خود اور اباحفصہ پہلے اور دوسرے ہوگئے۔ اباحفصہ اگرچہ اپنی پہلی مصلحت سے پیچھے نہ رہے لیکن وہ پہلے ہونے مین چوک گئے اور ابو عبیدہ تو یقیناً "چلگئی" کے موقع کو ہاتھ سے کھو بیٹھے۔ اگرچہ اباحفصہ نے اپنے زمانہ کو ختم دیکھ کر انھین پھر پایا۔ کیا لیکن یہ اسوقت تمام ہو چکے تھے۔ کون جانے کہ سرور عالم کے خسر ہونیکا افتخار اس امر خاص مین دور اندیشانہ رقابت سے تہا۔ ان مواقع کو اسوقت کے دیکھنے والی نگاہ سے اگر سمجھنا چاہتے ہو تو تمہین یہ نعرہ مدد دیگا کہ "اس طرح دودھ دوہو کہ تمہین بھی ایک حصہ ملے اور انکے لئے مضبوط کرو کہ کل وہ تمہین لوٹا دینگے"۔

ہم کو اسپر بھی اب کچھ کہنا نہین ہے کہ ابوبکر کی بیعت تاگہانی تھی اور ہم اسے بالکل صحیح سمجھتے ہین

ظاہری اور باطنی مناقرہ۔

کہ پہلے انکے چند مخصوصین سے بیعت کی اور یہ لوگ اِس کام مین لائے گئے کہ ابوبکر کو یمنی لنگی بندہوا کر ساتھ ساتھ چلین اور جو دکھائی دے اُسے دکھین کہ اُسمین ہاتھ ہے یا نہین اور ہاتھ کھینچکر اپنے خلیفہ کے ہاتھ سے مس کرادین۔ اگرچہ اِس حیرت خیز بیعت کو دیکھہ کر براء ابن عازب کے "ہوش کیون نہ اُڑ جائین"۔ براء ابن عازب کے ہوش کا فاختہ اُڑ جانا اِس قدر عجب کی چیز نہین ہے جس قدر ابو قحافہ کا یہ فطری سوال اپنی منصفانہ واقعہ خوانی ہے کہ کیا بنو عبد مناف اسپر راضی ہوگئے جو اور پھر لطف مین اِس سے اور زیادتی ہوگئی کہ کوئی اُسے پست نہین کرسکتا جسے تو بلند کرے"۔ مجھے یہ کہنا ہے کہ ابو قحافہ کی قدریت گذشتہ مثالونکی طرح ایذا رسان نہین ہے۔ ایسا کہنے کے وقت کہنے والے کی طبیعت کے کون سی عناصر آنکھون کے سامنے موجود ہوجاتے ہین اور اُن سے انکی طبعی تاریخ پر کیسا عکس پڑتا ہے اسکی وضاحت سے مین اپنے کو باز رکھتا ہون۔ لیکن یہ کہنا چاہتا ہون کہ باپ کا منکسرانہ اور شکر اور موقع کو قبول کرنے کے لئے نفس کا آمادہ نہ ہونا فطری تھا۔ سوال انکے لئے دلچسپ ہوگا جو سطح طبیعت سے خاندانی درجہ خصوصیات سمجھنا چاہین اس انداز طبیعت کا سی قدر سخت پہلو یہ تہا کہ انصار گردِ داشتند بیعت او" اور اسکا تیسرا درجہ یہہ تھا کہ "ابن ابو قحافہ کون ہے جسکی ہم بیعت کرین"۔

یہاں کہاں اور کس طرح علی کی ناموجودگی مین انکی وکالت کی۔

ہمین اسپر بہی توجہ دلانے کے لئے کسی قوت کی ضرورت نہین ہے کہ انصار نے علی کو بغیر کسی سفارش کے خلافت کے لئے پیش کیا درانحالیکہ انکی کوئی مرتب مددگار جماعت نہ تھی لیکن نام آنے کے ساتھ ہی حضرت عمر کو ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ بیعت کی کارروائی شروع کرکے سوچنے کا موقع نہ دین۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ پیشتر سے تیار رکھے گئے ہون کہ اپنا عمل دکھا کر لوگون کو تقلید پر آمادہ کرین۔ بنی اُمیہ کے مستند سرداروں نے بھی ویسا ہی چاہا۔ جو انصار نے چاہا تہا۔ انکے علاوہ حضرموت جہان دور کی وجہ سے علی کی کسی کوشش اور اثر کا موقع نہ تھا وہان بہی نہ صرف عام لوگون نے بلکہ معارف نے بہی ایسی ہی خواہش کی اس لئے کہ ملوک کی اولاد عامیون کے سامنے جہکنے کو اپنی توہین سمجھتی تہی۔

علی کی شہرت نے آیندہ کے لئے انکا راستہ ہموار کردیا تھا۔

اِن واقعات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دور دور کے مقامات پر علی تشریف لیگئے ہون یا نہ لیگئے ہون لیکن انکے خدمات اسلامی اور رسول کے نزدیک انکے درجہ کی شہرت ہر جگہہ پہونچ گئی تہی اور جو لوگ واقف نہ بہی ستہے انھین حجۃ الوداع نے بتادیا یا اُنھون نے اپنے گھرون پر پہونچکر اس بڑی رسم کا تذکرہ کیا اور وہ ہر وقت اسکی امید کرتے تہے کہ ہم رسول کے بعد علی کو اپنا امام سمجھین گے۔ یہان

مین یہ سمجھانا چاہتا ہون کہ ان امورات نے لوگون کے دلون کو اس امر کے لئے آمادہ کر دیا تھا کہ وہ علی کو خلیفہ رسول سمجھیں چونکہ نہیں بلکہ ایک طے شدہ امر سمجھیں جس کا اعتبار خود رسول نے قایم کیا تھا۔

ائمہ کے طرز عمل کا طرۂ امتیاز

اب فرق دیکھو کہ جو لوگ مین جو ایسے موقع پیدا کرتے ہین جو افتراق اور اختلاف پر منتہی ہون۔ نزاع اور قتل کا بازار گرم ہو جاوے۔ اور اگر خوش قسمتی سے عملاً ایسا نہ ہو تو کہا جائے کہ "خدا نے اُسکے (بیعت کے ناگہانی واقع ہو جانے سے) شر سے محفوظ رکھا"۔ لیکن علی اگرچہ ہر طرح کا مرجح حق رکھتے ہین اور فوجی مدد کی امید دلائی جاتی ہے لیکن آمادہ نہیں ہوتے اِس خیال سے کہ یہ مانا کہ ہم صاحب حق سہی لیکن نتیجہ قتل و غارت اور ایک ساکن حالت کو فساد سے بدلنا ہے۔ ہم کیون اسکے محرک ہون جناب امیر ہی کے لفظون مین حالت یہ تھی کہ "اگر مین اپنا حق طلب کرتا ہون تو (لوگ) یہ کہتے ہین کہ یہ شخص ملک و مال پر کتنا حریص ہے اور اگر خموشی اختیار کرتا ہون تو سرگوشیان ہوتی ہین کہ موت سے ڈر گیا"۔ سوچ لینا آسان ہے لیکن ایسے جوش خیز مواقع پر یہ تصفیہ کرنا اور اُس پر قائم رہنا آسان نہیں ہے۔ خصوصاً جبکہ یہ تصفیہ اُن علی کو کرنا پڑے جنکی عمر طعن و ضرب مین کٹی تھی۔ اپنے اِس جوش کو دبا دینا تھا اگرچہ یہ صبر درخت حنظل سے بھی زیادہ تلخ اور تیز چھری نوکی برش سے زیادہ قلب کو اذیت پہونچانیوالا ہو"۔ اِس لئے کہ رسول کی قبر سے یہ صدا آرہی تھی کہ اے علی "جس وقت لوگ دنیا مین مشغول ہون تو تم دین اختیار کرنا"۔ حیرت خیز پیشنگوئی تھی جسکے لئے حیرت خیز ذات چُنی گئی تھی اسپر عمل کرنا اپنے حقوق اور جائز حوصلون کی بڑی قربانی تھی۔ بزور شمشیر معاملہ نہ کرنے مین رسول کے بعد علی نے مسلمانون اور لطافت اسلام کے قائم رکھنے مین پہلا اور سب سے بڑا احسان کیا جس سے ابد الاباد تک اسی شکریہ کے مستحق ہونگے کہ انھون نے باوجود اشتعال انگیز حالتون کے ذاتی حقوق کو اسلامی لحاظ پر قربان کر دیا۔ صرف علی کا یہ طرز عمل رسول کے بعد انھین محافظ اسلام سمجھا دینے کے لئے کافی ہے۔ حالانکہ اس زمانہ مین بھی یہی ایک مثال نہین ہے۔

علی کی خاموشی کا احسان اسلام پر۔

جناب امیر اپنی کشمکش کا نقشہ کھینچتے ہین۔

یہان مین اس سے بحث نہیں کر رہا ہون کہ علی کی جنگی قوت کہان تک تھی اور کامیابی یا کس حد تک کامیابی کی امید کیجا سکتی تھی بلکہ مین اس امر کو تسلیم کرنیکے بعد کہ وہ فوجی قوت کا اظہار کرسکتے تھے یہ کہنا چاہتا ہون کہ باوجود ایسی حالت کے جسمین فوجی کارروائی ممکن تھی علی نے اسے معطل رکھا اور یہ سمجھانا چاہتا ہون کہ ضرور نہیں کہ فوجی قوت کا نفاذ فوجی قوت کی موجودگی پر حتمی ہو جائے بلکہ وہ اعلیٰ احساسات کا تابع کیا جاسکتا ہے ایسی اشتعال انگیز حالتون مین علی کا کام تھا جسکی انھون نے مثال دی۔ آج اس صورت سے اسلام پر احسان کرنا

علی نے فوجی قوت کا نفاذ اعلےٰ احساسات کے تابع رکھا۔

تہا آیندہ مشاہین آئینگی جو اس سے کم حیرت خیز نہ ہونگی جنکے بیان کرنے کے لئے ہم طبیعتون کو تیار کر رہے تہے
مغیرہ پھر سامنے آگیا ہے جب ابو الہشیم۔ سلمان اور ابو ذر کے ایسے مہاجرین یہ منصفانہ روش
اختیار کرتے ہین کہ انتخاب خلیفہ شوریٰ سے ہو تو ایک ایسا جلسہ ہونا چاہئے جسمین کسی کو ناواقفیت کی شکایت
نہ ہو اور ہر طبقہ کے لوگ شامل ہون۔ انصار کے نزدیک یہ صلاح کیسی ہی مقبول کیون نہ ہو لیکن اُن کے
نزدیک دل پسند نہ تہی جو صاحب اختیار ہوگئے تہے۔ یہ کہہ چکنے کے بعد کہ چپ چپ" عرب خاندان رسالت مین سے
کسی کو چاہینگے" ! دوبارہ انعقاد شوریٰ سے کہین یہ موقع پھر نہ آجائے اور ہم اُس موقع کو کھو بیٹھین جو اتفاقات نے
ہمین حوالہ کیا ہے ظاہر ہے کہ اس تصفیہ پر آمادہ نہ ہونا کم سے کم اپنے کامیابی کی بے اعتباری ضرور تہی۔ اور
اب مغیرہ کے صلاح سے اسپر آمادہ ہوئے کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے مقابلہ مین ایک دوسرے حقدار کو
کھڑا کرکے امیر المومنین علی کے حقوق کو کمزور کردین یا لوگ اور علی کے درمیان ایک زبردست آڑ کردین۔
عباس سے اپنا انتخابی حق ظاہر کیا۔ دہمکایا۔ عزیز داری ظاہر کی۔ لالچ دی)۔ لیکن جواب یہ ملا کہ
(۱) مومنین کے ذریعہ سے تمہارے لئے کیونکر ثابت ہوسکتا ہے درانحالیکہ ہم کارہ تہے (موجود نہ تہے)
(۲) خدا ہمارا مددگار ہے۔
(۳) اگر ہمارا حق ہے تو ہم بعض کو چھوڑ کر بعض پر اکتفا نہین کرسکتے۔
(۴) رسول وہ درخت ہین جسکے ہم ٹہنیان ہین اور تم ہمسایہ ہو۔
(شیخین کے امر قرابت مورخین نے وقعت قائم کرنیکے لئے اکثر زور دیا ہے حالانکہ اسے نہ صرف رسول نے کوئی
وقعت شوریٰ نہ بنی ہاشم نے اسے رسول کے بعد کچھ سمجھا اور نہ خود مشرکین نے صلح حدیبیہ مین اس پر
کوئی توجہ کی)

مدینہ کی خاموشی مفید ہوتی اگر باہر شور ہوتا رہتا۔

جس طرح سے کیون نہ ہوا ہو مدینہ مین اعلان خلافت کے بعد اسکی ضرورت تہی کہ بیرونی صوبجات بہی خلیفہ
تسلیم کرین۔ ورنہ ایک دن اُن مقامات کی مخالفت سے پانسہ بدل سکتا تہا۔ مخالفت ہوئی۔ مخالفت کی
یہی روش نہ تہی کہ ہم تعیین خلیفہ رسول سمجہکر صدقات نہین دیتے بلکہ صورت معاملہ مین وہ خوفناک عنصر بہی
لگیا تہا جسے ابن ابو قحافہ نے انصار سے کہا تہا کہ "عرب خاندان رسالت مین سے کسیکو چاہینگے"۔ ہم سب

سقیفہ بنی ساعدہ کے خلیفہ کا "کسی"

جانتے ہین کہ خاندان رسالت کا "کسی" کون تہا) اور انصار نے یہ ہیبتناک نام بہی لے لیا تہا۔ یعنی یہہ
اندیشہ تہا کہ علی ہم سے بزور شمشیر معاملہ کرین یا نہ کرین بیرونی مقامات پر نہ صرف ہمارا اثر نہین ہے بلکہ

وہ علی کے حقوق کے حامی ہین۔ کسی ایک کا ایسا ہونا مخدوش تہا نہ کہ صاحب قوت قبایل کا۔ حالانکہ انہین سے
چند ایسے تہے جنہون نے محض خاندان رسالت کا نام لیا تہا۔ یا یہ کہا تہا کہ بنی تمیم کی تو قبائل مین کوئی وقعت
نہین ہے جیسے ہم اپنا امیر قرار دین۔ اگر ایسے بہت سے نہ بہی ہون تاہم مصالح اسکی مقتضی تہی کہ اسکا جلد
تدارک کیا جائے کہ اور لوگ بہی اس دلیل کے حامی نہ ہو جائین۔ کچہہ ایسے بہی تہے جو سجاح اور مسیلمہ کا ساتہہ
دیتے تہے نہ اس لئے کہ اُسے نبی یا کچہہ ایسا ہی سمجہتے تہے بلکہ دو عملداری مین اُنکا آشیانہ تہا۔ وہ ڈرتے تہے کہ اگر
ہمنے مرتدین کا ساتہہ نہ دیا تو یہ ہمپر غارتگری لائینگے اور اگر ابن ابو قحافہ کا ساتہہ نہ دیا تو وہ مخالفت پر
آمادہ ہونگے۔ اِس بنا پر معمولی تصفیہ کی بات یہ تہی کہ وہ قریب کے دشمن کو دوست بنا کر دور کے دشمن
سے لڑتے۔ دشمنی دونون مین قدر مشترک تہی۔ کسی طرح جان بچانی تہی۔

قبائل کا موقع۔

ابوبکر کے لئے موقع اس قدر نازک تہا کہ وہ کیسے فوجکشی کرتے اور کیسے عامہ مسلمین مین جنگ کا جوش پیدا
کر دیتے اِسلئے کہ اکثر قبائل کے مسلمان ہونیکا خود اپنے آدمیون نے اعلان کیا تہا۔ نہ وہ علی الاعلان
یہ کہہ سکتے تہے کہ چونکہ اِن لوگون نے علی کے حقوق کی تائید کی ہے اِس لئے ہمین انپر فوجکشی ضروری ہے۔
اسکے لئے موقع کی باتین موجود تہین ایک تو یہ کہ مسیلمہ اور سجاح کی شورش کی خبر تہی ایک پڑیا بکنی ایک
بوتل پانی کے رنگنے کے لئے کافی ہو جاتی ہے۔ اب مشکل نہ تہا کہ شورشون اور ارتداد کا ڈہول بجا دیا جاتا
اور سمجہانے کے لئے ایسے الفاظ ملجاتے کہ گھٹائین آرہی ہین طوفان اُٹھ رہے ہین بجلی چمک رہی ہے شعلے
بلند ہو رہے ہین وغیرہ وغیرہ چہوٹے چہوٹے قبائل پر تاخت سے حوصلے بڑہائے جاتے یہانتک کہ کندہ ایکہ
ہزار عورتون کا چندہ دے سکتے وہ عورتین جنہین اسلام نے آزادی عطا کی تہی وہ رسول کے بعد کے
اسلام کی کنیز ہوئین۔ یعنی منفعت کا راستہ دکہا دینا۔ دوسرا اصول تہا جسنے فوجکشی مین مدد دی۔
اسنے ساتہہ رہنے والون کو اپنی جگہہ قایم رکھا اور نہ دوسرون کا دوست بنانا تو درکنار خود قول دینے
والے خشک خلافت کے قریب نہ رہ سکتے تہے۔ یہی کرنا ہوتا تو کسی کو بالادوی کی کیا ضرورت تہی۔ اور دوسرا
سب سے بڑا فائدہ یہ تہا کہ علی کے حقوق کی تائید آج اگر نہ کچلی گئی تو کل پہر وقت نہ رہیگا اور اسکی قوت بڑہتی
جائیگی۔ یعنی سچائی اور حق کے مقلدین کے قتل سے ابتدا کی گئی۔ یہ واقعات کیسے ہی پیرایہ اور الفاظ مین کیون
نہ ہون اللہ سینہ کہولدے یا اصلاح امت کہی جائے۔ تہا یہ کہ اہلبیت رسالت کے حقوق اور وقعت کے
مٹانے کی یہ پہلی بڑے پیمانہ پر عملی کارروائی تہی۔ جسمین وہ گلے کاٹے گئے جن سے اہلبیت رسالت کے حقوق کی

ذرا سی پڑیا بہت سا
پانی رنگین کر دیتی ہے۔

مسلمانون کی آزاد
عورتین کنیز بنائی گئیں

کون قتل کئے گئے اور کیون

تائید کی صدا نکلتی تہی۔ اس مصلحت سے کہ اگر یہ کمزور نہ کئے گئے تو ہمارا جمنا مشکل ہو۔ ایسا فیصلہ دینا کہ جو شخص زکوٰۃ اور صلوٰۃ مین فرق کرے گا مین اُسے مسلمان نہین سمجہتا۔ آسان تھا اگرچہ رسول فرما چکے ہون کہ "ہمین اہل شہادت کے قتل سے خدا نے منع کیا ہے" اور اُس سے زیادہ آسان ایسے لوگون کا مجہانا تھا جنہین یہ سوچنے کی پرواہ نہ تھی کہ وہ زکوٰۃ اور صلوٰۃ مین فرق نہین کرتے بلکہ تمکو خلیفہ رسولؐ سمجہکر تمہین زکوٰۃ نہین دیتے اور کہتے کہ اگر ہمین زکوٰۃ نہین دیتے تو تمہارے مسلمان ہونے اور نماز پڑھنے سے ہمین کیا فائدہ ہم بزور تم سے وصول کرینگے۔ اور کہدینگے کہ سب مرتد ہوگئے تہے۔ انصاف۔ یکجہتی اور محبت کی حکومت گئی خوف۔ اظہار قوت اور گروہ بندی کا دور شروع ہوا۔ ایسی فضا قایم ہوگئی جو آیندہ قومی شیرازہ کے منتشر کرنے کے لئے مذہبی روح۔ دینی تقدس اور امتیازِ خودغرضانہ۔ سیاسی فرد رتون کے نیچے کچل ڈالے۔ یہ قومی اور دینی تحفظ کے وسیع مفہوم کی اعلےٰ سیاست نہ تہی بلکہ بناموقع اور جبرہ محفوظ رکھنا تھا۔

رسول نے کیا کہا تہا۔

یہی موقع تہا جہان اسلام اپنے خون مین نہا رہا تہا۔ یہ نہوتا اگر علی ابن ابیطالب خلیفہ ہوتے اس لئے کہ نہ لوگون کو مخالفت ہوتی اور نہ علی ایسے راستہ اختیار کرتے اور لوگون کی طبیعتون کو اس آب وہوا سے آیندہ کے لئے تیار کرتے۔ جس سے رفتہ رفتہ وہ تمام خصوصیات فنا ہوجاتین جو رسول نے پیدا کی تھین بلکہ انہین قایم رکہتے اور ترقی دیتے۔ قومی ساخت کا کارخانہ انہدام پذیر نہ ہوتا۔

یہ نہوتا اگر علی خلیفہ ہوتے

سیڈ بلٹ کا نہایت درست ریمارک ہے کہ "اگر قرابت کیوجہ سے تخت نشینی کا اصول علی کے موافق ابتدا سے مانا جاتا تو وہ برباد کن جہگڑے نہ ہوتے جنہوں نے اسلام کو مسلمانون کے خون مین غوطہ دیا"۔ یا بقول واشنگٹن اروِنگ کہ "سب سے زیادہ ممتاز امیدوار علی تہے جنکا سب سے زیادہ فطری حق تھا کیونکہ یہ رسول کے ابن عم اور داماد تہے اور فاطمہ سے اُنکی جو اولاد تہی صرف وہی رسول کی یادگار رہ گئی تہی"۔

اسپرٹ آف اسلام

سید امیر علی صاحب اپنی تاریخ اسلام مین فرماتے ہین کہ "آنجناب نے اکثر دفعہ حضرت علی کو خلیفہ کرنیکا اشارہ کیا تہا مگر کوئی ضابطہ مقرر نہین فرمایا تہا (مولف کے پاس شارٹ ہسٹری آف سارسنس نہین ہو بلکہ وطن کا ترجمہ ہے۔ مین اس عبارت کو انگریزی مین دیکھنا چاہتا تہا) اس بات سے ذاتی طمع۔ اسلامی فساد کے خوف پر غالب آگئی اور بعد کے زمانہ مین اسکا یہ نتیجہ نکلا کہ خانہ جنگیان شروع ہوگئین اور مذہب مین رخنہ پڑگیا اگر اس وقت حضرت علی خلیفہ بنادیئے جاتے تو مسلمانون مین تباہی بخش خونریزیان ظہور مین نہ آتین"

یہ مورخین اُنیسوین بیسوین صدی عیسوی کے سیاسی معلومات کے سایہ مین لکہے ہین لیکن ہمارا امام

اسلامی تباہی کے وقوع مین آنیکے صدیون پیشتر عین دن کے دن کہتا ہے کہ کہین ایسا نہ ہوکہ آج کے دن کے بعد تم اس امر خلافت کو ایسی حالت مین دیکھو کہ اسمین تلوارین کھچی جائین عہد شکنیان ظہور مین آئین حتی کہ تم مین سے بعض لوگ اہل ضلالت وگمراہی کے امام اور اہل جہالت و نادانی کے پیرو ہو جائین ٗ اسوقت اور اِسوقت مین عناصر کا فرق نہین ہر تفصیل کا فرق ہو۔

اگر طبایع پیشتر سے تیار نہ تھین تو یہ کیسے ممکن تہا کہ سرور عالم کی رحلت کے ساتہ ہی کوئی ایسا ارادہ پیدا ہوجائے جس کی غرض یہ ہو کہ ہم اپنے امورات کی انجام دہی کے لئے رسول کے گھر جلا دینے تک باز نہ رہین۔ مجہے اسمین کوئی عذر نہین ہے کہ یہہ خالص اور کھرا ملکی اقدام نہ تہا ایسا اقدام جو اس حد تک پہونچ گیا ہو جسمین کسی مذہبی وقعت سے چشم پوشی کیجائے یا اُسکا لحاظ کرنا ملکی غلطی یا کمزوری سمجہی جائے۔ بڑا ارادہ اور بڑی تصمیم تہی یہ بڑا ارادہ اور اسکی پختگی خصوصاً اُسوقت کی طرف سے تجاہل جو ایک زمانہ سے قائم تہی کوئی ایسی سانس نہ تہی جس سے چنگارا اُڑ گیا ہو بلکہ جنگل مین آگ لگانے اور قلعہ گیری کا سامان تہا۔ رسول کے گھر پر قبضہ کرنا اور دہاک بٹھانا نہ تھا اسلام کے دل کو تا خون سے دبانا تھا۔ سوچو اگر تم سوچ سکو کہ یہہ بھی سقیفہ کی ایسی کوئی فوری کارروائی تہی؟ اپنے کو بہلاؤ اگر بہلا سکو کہ قلوب پیشتر سے نا موافقت اور مخالفت پر تیار نہ تہے جو اپنی پختگی مین یہان تک پہونچی۔ یہ غیر فطری نہین ہے کہ اگرچہ انسان ایک گناہ کا ایک وقت ارادہ نہین کرتا یا اُس ارادہ کو محسوس نہین کرتا لیکن اسباب گناہ کے جمع ہوتے ہی وہ اس طرح دوڑتا ہے کہ گویا وہ دیر سے پیاسا تہا۔ گناہ کرتا ہے اس لئے کہ اُسمین قابلیتین نشو و نما پاتی چلی جاتی تھین اُنکے توڑنے کی کوئی فکر نہ کی تہی۔ فعل تو خیال کا نتیجہ ہے جس ایک مثال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس طرح تیار ہو رہا تہا۔

انسان کی ایک حالت جسے وہ اکثر خود نہیں سمجھتا۔

صحیح ہے کہ ایران اور روم کے محلون کے پتھرون سے مسلمانون کے بڑے بڑے قصر بن گئے لیکن یہ محل اُس چنگاری سے بنے جو رسول کے گھر کے لئے مخصوص کیگئی تہی۔ یہ سب قصر جلگئے اور انکی راکھ ہوا مین اُڑ گئی اس لئے کہ جو اصول رسول کے گھر کو آگ دکھا سکتا تہا وہ مسلمانون کے گھر کو کیسے بچا سکتا تہا۔ ایران اور روم کی فتح اِس لئے ہوئی تہی کہ الاؤ کے لئے اور بہت سی لکڑی جمع ہو جائے۔ یہ صحیح نہین ہے کہ آگ لگنے مین دیر ہوئی نہین سُلگنے مین دیر ہوئی۔ اسلئے کہ لکڑیون مین گذشتہ یاد

آگ لگنے مین دیر نہین ہوئی بلکہ سُلگنے مین دیر ہوئی۔

اور اُسکے خصوصیات کی کچھہ بھی باقی تہی۔ اور فتوحات کی دیوانگی اور جوش منفعت نے یہ دیکھنے نہ دیا کہ خود ہمارے گھر مین سے دہوان اُٹھہ رہا ہے اور گھنے اور لہراتے ہوئے دہوین مین شعلے لپک رہے ہین۔ دیکھا تو اُس وقت جبکہ چارہ کار باقی نہ تہا اور اب یہ سمجھہ بھی باقی نہ تہی کہ آگ لگنے کے اسباب پر غور کرین کیونکہ اسباب ایک طویل زمانہ کے نشو مین اپنا منہ چہپائے تہے۔ ایک کفن تہا جو لاش کے گرد لپٹا تہا۔

طاہرہ کی فقرہ کی صدائے بازگشت۔

ہر حیثیت کی آتش افروزی کے تذکرہ سے نہ صرف مجہ مذکرہ صدر باتون پر غور کرانا منظور ہے بلکہ ذلیہ کا یہ فقرہ بھی پیش کرتا ہے کہ ”کیا ہمارا گھر پھونکے جاتا ہے؟“ پوچہنے والی رسول کی بیٹی ہے۔ اُسکی سوانح عمری پر غور کرو۔

شریف ترین خاندان عرب کی بیٹی جس مین ہمیشہ سے دنیاوی اور روحانی حکومت تہی۔ جس نے آنکھہ کھولی تو دیکھا کہ باپ کے سامنے دل اور سر جھک رہے ہین وقت آتا ہے کہ وہ دنیاوی حاکم بھی ہے۔

لیکن اپنے باپ کی اس زاہدانہ روش مین شریک ہے کہ ہم دنیاوی لذتون کے لئے پیدا نہین ہوئے ہین۔ ہوسکتا ہے کہ ہم بہ فراغت بسر کرسکین۔ لیکن کرنا یہ ہے کہ نہ ہو کہ کوئی بھوکا ہو اور ہم سیر ہون۔ حاجتمند گرد تہے۔ اُنکے خیال نے اپنے کو بھلا دیا تہا۔ یہانتک کہ اُس فقر و افلاس کو گوارا کیا جس سے بڑہکر مثال نہین دیجا سکتی۔ اور نہ اس سے بڑہکر کسی کو اسکا اندازہ اور تجربہ ہوسکتا تہا۔ اسنے اُنہین غربا کا ہمدرد بنایا غربا کو غربت مین انتہائی شریفانہ وقار پر قایم رہنے کا سبق دیا اُنھین تسکین دی کہ غربت یا امارت فی نفسہ ذلت یا عزت کی چیز نہین ہے بلکہ دونون سے جو عیوب پیدا ہوتے ہین وہ قابل لحاظ ہین دونون مین عزت و ذلت ہوسکتی ہے۔ امیر بننے اور امیرانہ عزت دکھانے کیلئے ہر متنفس تیار ہوجائیگا لیکن ایسے جری کم نکلینگے جو غربت کے امتحان کا دعوی کرین بلکہ اُسے پسند کرین۔ حالانکہ امیر ہوسکتے ہون اور ہون اور دعوی کے بعد اپنے کو ایسا دکھائین کہ غمزدہ انکے پاس دوڑتے تہے کہ ہمین تسکین دیجائیگی کیونکہ انکی تسکین قابل قدر تہی وزن اور اثر رکہتی تہی۔ انھین جمع کرنا نہ تھا بانٹنا تہا۔ یہانتک کہ ایسی ضروری اور یادگار چیزین بھی فقرا کے راحت کے لئے صرف کردی ہین جسے رسول نے عطا کی ہون۔ عقد کی یادگار ہون جسپر خود اور بچے آرام کرتے ہون۔ ہم خاک پر سو رہینگے لیکن یہ نکرینگے کہ خدا کے بندہ کا دل توڑا جائے۔

کیسے حاکم تہے

انکے ایسے پختہ اور ملکانہ وقار کے باوجود انھین ایسی محبت۔ ہمدردی اور رحم کہتا ہے کہ خدا کی حکومت نے اپنا جلوہ دکھایا۔ انکی ذات اور عمل مین دکھایا اگر کبھی دکھایا۔ قانی مبالغہ نہین

نہین کرتا جہان وہ کہتا ہے کہ روز روشن خواجہ ہر شیر مرد شام تار خادم ہر پیرزن۔ واقعہ ہے شاعری نہین ہے۔ یہ اُس بی بی کے شوہر کی تعریف تہی۔ علی کو اپنی آنکھون سے مسلح ہوتے دیکھا تہا۔ رخصت کیا تہا اور منھ پھیر کر آنسو ٹپکا دیے تہے۔ صبر کیا تہا خطرون مین جانے دیا اسلئے کہ وہ امر جو اسکا باپ اور شوہر کرے بغیر سوال کے انکے لئے قابل پیروی تہا۔ سمجھتی تہین کہ بڑی وجہ ہے۔ اور پھر اپنے کانون سے علی کو کامیابی اور ادائے فرض کے بعد یہ کہتے بہی سُنا تہا کہ "اے فاطمہ یہہ تلوار لو جس سے مین نے خدا و رسول کی نصرت مین جنگ کی ہے" اور باپنے اِسکی تصدیق کی تہی۔

مختصر یہ کہ وہ جسکی شان اور آن بغیر کسی تعیش کے ترقی پذیر تہی جس نے کسی مظلوم۔ غریب۔ یتیم اور اسیر کی تسکین مین کوتاہی نہین کی آج اُسے دیکھنا ہے کہ وہ لوگ جو ہمارے آستانہ کی خاک کو بہ فخر سر پر لگاتے تہے یہ کہہ سکتے ہین کہ ہان گھر پھونک ڈالینگے نہین تو تم بہی بیعت کرو جس طرح اور مسلمانون نے بیعت کی ہے۔" رسول کی لاڈلی مسلمانون سے زیادہ کر سکتی تہی لیکن موقع یہ پیدا ہو چکا تہا کہ بہت سے مسلمان قول مین گرفتار ہو چکے تہے۔ فاتح عرب فطری مددگار تہا لیکن دیکھتی ہین کہ شیر کو اپنے گرفتاری کی اُس وقت خبر ہوئی جبکہ ہر طرف سے مضبوط سلاخون مین گھر گیا تہا۔ اِسکے بعد زور دینے کے معنی یہ تہے کہ ہم اس امکان پر بہی راضی ہین کہ قتل ہو جاؤ۔ اور غافل بے سمجھے ہوئے بہت سے مسلمانون کو قتل کر دیا قتل کراؤ اور اسکے بعد انتقام اور عداوت کا سُود بڑھتا جائے۔

مسلح ہزارون آدمیونکو جو نئی مصلحت کے مؤید ہو گئے تہے دیکھا کہ وہ حملہ آور ہونکے جوش سے اُر رہے ہین۔ گھر کا تخلیہ کرانا ہو یا اپنے قوت کی نمایش ہو۔ اور یہ سب اِس لئے کہ علی بہی ہماری اطاعت اور پیروی کو واجب جانین۔

مسلح نمایش کی غرض۔

یہ مسلمانون ہی کی تاریخ کا ایک سیاہ ورق نہین ہے بلکہ موقع وہ ہے جہان ہر قوم کا شریف اس عبرت خیز واقعہ سے متاثر ہوگا۔ ہمین دکھی ہوئے آن والے دیکھتے ہین کہ ہمین صدمہ ہو نچایا جا رہا ہے اور ہمین برداشت کئے بغیر چارہ نہین ہے۔ توہین مین اور زیادہ تلخی اس سے پیدا ہو گئی ہے کہ یہ اُنکے ہاتھون نہین ہے جنپر ہمارا احسان نہ ہو بلکہ اُنکے بدولت جنکے سر کے بال بقول اُنھین کے ہمارے ہاتھون لگے ہین۔ حالت مین کچھ ایسا ہی درد بھرا تہا کہ قنفذ جو ایک حملہ آور سپاہی کی حیثیت سے گیا تہا اسیر رو دیا کہ بیٹی باپ کو یاد کر رہی ہے!

شرفائے عالم کے غور کے قابل۔

واقعات جنپہ وہ نہ روسکے جنہین رونیکا سبسے زیادہ حق تہا

تم سوچنگے کہ رحلت رسول کے بعد ہی ان واقعات نے انکو اطمینان سے رونے نہ دیا ہوگا جنہین رونیکا سب سے زیادہ حق تہا۔ بلکہ اور بہت سے غم اصلی غم مین شامل ہوگئی ہونگے۔ ہملوگ جنکی آنکھون پر تیرہ لانبی اور تاریک صدیون کا پردہ پڑا ہے اُن حالات کا صحیح اندازہ نہین کرسکتے اور نہ یہ ہمارے امکانی خود مین ہے کہ اِس سے کس درجہ نفرت اور غصہ پیدا ہوا ہوگا۔

اسوقت علی کا شغل

یہ سوچتے ہوئے حلق مین سانس رُکتی ہے کہ علی کیا کرتے ہونگے ابھی تک سینہ اور گردن کے قریب رسول کی آخری سانس کا احساس باقی تھا۔ کفنائی ہوئی صورت بھولی نہ تھی۔ دفن کرنیکا عالم یاد تھا کہ ہر طرف سے نئے دور دورہ کے آثار دکھائی دینے لگے۔ یہ کیا کم تہا کہ اُسکا سایہ اُٹھ گیا جسکی گود مین آنکھ کھولی۔ جسکی زبان چوُس کر پڑہے ہوئے۔ جسنے فطری ہوش کی زیادتی کے ساتھ اُن باتون کا ہوش پیدا کرنا شروع کیا جو علیؑ کی زندگی کی خصوصیات بن ہین۔ جس نے اپنا مثیل اور شارح بنایا جس نے آیندہ کے لئے معاملات کا تجربہ کرایا اور نفس کے لئے راستہ صاف کرائے اور پہنچوا دیئے۔ آج اُسکی مسند اُسکے قدم کے نیچے ہے جسکی چاپ جاتی! اور جناب فاطمہ کے اِس عظمت ریز بلیغ نقرہ مین دیکھنا تہا کہ "رسول کے منبر کو تاریکی نے ڈہانپ لیا"۔

لیکن صورت یہ تھی کہ محض روحانی حیثیت سے امت کی عدم مرکزیت دیکھنی نہ تھی یا یہی نہ تھا کہ ہماری گود کا پالا دین ہر زبان کی گویائی اور ہر عقل کی تاویل کا تابع ہوگیا ہے بلکہ اِسکے لئے بھی یہ عالم تھا کہ ایک بڑے گھر کی تباہی اُس وقت تک برابر زوال کی تابع رہتی ہے جب تک وہ اپنے کو اُسکی روش کا خوگر اور اپنے کو اُسکا دستنگر نہ بنادے جسکا عروج اسکی تباہی کا باعث ہوا۔ اور عروج پانے والا مطمئن ہوکر اُسے بعافیت بسر کرنے کے سامان فراہم کردے۔ زوال پذیر کیلئے یہ فطری ہے کہ کچھہ دنون یا دو ایک پشتون تک اپنی آن کو اپنے سر مین رکھے اور دستنگیری یا صاحب اختیار کی خوشامد کے مقابلہ مین اپنی خاموشانہ غیرت کو زیادہ پسند کرے اور گھٹتے گھٹتے تباہی کی انتہائی حد تک پہونچ جاے اور اس درمیان مین صاحب اختیار کی سلطنت نہ صرف جم جائے بلکہ نسلین تیار ہوجائین جنہون نے اس روش کے سایہ مین بسر کرنا سیکھا ہے۔

زوال کی ایک شاندی بیرحم شان۔

اس وقت تازہ حادثہ تھا اور دیکھنا یہ تھا کہ نہ صرف ہمکو اختیار سے دستبردار ہونا پڑا ہے بلکہ کوشش یہ بھی ہورہی ہے کہ بقول حضرت سیدہ فرزندون کا قوت معیشت بھی لے لیجائے۔ اہلبیت رسالت کے لئے تغیر

حکومت اس لئے اوہ تکلیف دہ تہا کہ انہون نے اپنے زمانہ حکومت مین اپنا گھر نہ بہرا تہا اب وقت تہا کو علی زہرا
رسیدہ کی گواہی جھٹلائی گئی اور طاہرہ دیکھین کہ علی کی گواہی کو وقعت نہ دیتی۔ اس لئے کہ رسول کی بجائے
جو ہمارا حق قبول کرنا امارت کے لئے فطری حق دار کا سوال سامنے کھڑا کردیتا ہے۔ یہی نہ تہا کہ ہم مین غم۔
افسوس اور نفرت پیدا ہوا اور ہم صبر کرین بلکہ یہہ بہی دیکھین کہ دختر رسول کا نسبتاً نازک دل کرہ رہا
بہی جذبات انہین بہی پیدا ہو رہے ہین وہ گھل رہی ہین اور ہم دیکھہ رہے ہین۔ اور اس سے کسی طرح کم یہہ
احساس تہا کہ چہوٹے چہوٹے بچے ہر طرف دیکھتے ہین کہ آج ہمسے ہمارے نانا کی امت اُس پیار سے کیون متوجہ
نہین ہوتی جو پہلے تہی۔ رسول کے بعد تو ہمین اور تسکین کی ضرورت تہی۔ ہمین کیا کیا ہے۔ بچہ کہا جاتے
تہے کہ زمانہ ہمین اب شاہزادہ نہین سمجہتا بلکہ ہمارے اس خطاب پر ہنس رہا ہے۔ حاضر باشون کو اب دوسرے
کام ہین وہ اپنی حاضر باشی سے کام نکال چکے۔!

علی تہے اور یہ روح فرسا غم تہے۔ سوچو اس تکلیف دہ کوشش کو کہ جناب امیر جمیعت اہل خاندان کے
اس امر کی کوشش کرتے ہونگے کہ ہمارے چہرہ سے غم کے آثار ظاہر نہ ہون جس سے ہمارے متعلقین افسردہ
نہ ہون ہم بغیر سامانون کے تسکین دینے کی کوشش کرین۔ علی کا رونا اس قدر درد انگیز نہ ہوتا جسقدر چہ
انکا صبر غم آلود ہے۔ مین مولوی عباسی صاحب کے ساتہہ سوچتا ہون جہان وہ فرماتے ہین کہ جناب امیر کا
غم حسین کے غم سے کسی طرح کم نہ تھا۔ افسوس ہان۔ علی تہے جنہین غم کا دہکہ پہلے لگا اور بقیہ عمر اس طرح
بسر ہوئی کہ ایک سے ایک بڑہا ہوا صدمہ پہونچتا اور دیکہتے۔

جناب امیر سے بیعت کرانے کی کوشش انکی طبیعت شناسی سے اسقدر تجاہل تہا جس قدر بزرگ صاحب اختیار ہونے کے
ولولے تہا۔ یا اس وجہ سے ہو کہ انکے دشمنون کو اپنی ماتحتی مین جمع اور انہین توہین پر آمادہ دیکہکر انہین
روکنے کی جرأت نہ ہوسکی ہو۔ لیکن گرفتار شیر سے بہی آنکہین ملانا آسان نہین ہے۔ جسمین اُس سے
بہی مدد ملی کہ علی نے مجمع مین اپنے حقوق کا اعلان کیا۔ ابتک یہ ہوسکا تہا کہ بنی ہاشم کی طرف سے تجاہل پیدا
ہوجاتا اور لوگ قول دیدیتے لیکن ابہی اسکا تجربہ نہوا تہا کہ لوگ اسپر بہی آمادہ ہوجاینگے کہ اگر وہ بیعت نہ

کرین تو اُن سے بزور شمشیر معاملہ کیا جائے۔ ایسے مخدوش تجربہ کے لئے آمادہ ہونا قرین مصلحت نہ تہا اور اگرچہ
یہ دہمکی دی گئی کہ بیعت نہ کروگے تو گردن مارینگے۔ لیکن یہ فقرہ بہت سی حاشین اور اس تصفیہ کی مجبوری
سمجہا دیتا ہے کہ تمانے گفت ای ابوبکر چہ چیز ترا برا این داشت کہ والی مردمان شوی و حالانکہ نبی مکرم کی

مارا از آنکه بردو کس امیر ہاشم گفت مارا ازین چارہ نیست ترسیدم کہ امت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منعزق گردند و خلل افتد در دین"۔ بہتر ہے کہ راوی نے ہمین سائل کا نام نہین بتایا نہ ہمین کوئی ایسی ضرورت ہے کہ ہم خالد کے ایسے شکی ہو جائین لیکن اسکے کوئی معنی ہین کہ لوگ تہے جو اس خیال سے آسانی سے سانس نہین لے سکتے تہے کہ ہم دو آدمیون پر امیر نہین ہین - ظاہر ہے کہ یہ دو آدمی جناب امیر اور سعد تہے۔ دین کے ساتہہ ہمدردی کے لحاظ سے خلل نہ پڑنے دینا فکر یہ کا مستحق ٹہراتا اگر عمل اسکے خلاف کچہہ نہ کہتے بلکہ بہت ظاہر بات یہ تہی کہ مبادا ایسی محض حفاظت کے خیال سے اُنہین بہی بزور شمشیر مقابلہ پر آمادہ نہ کر دے اور یہ تلوار علی کے ہاتہہ مین ہو اور اُس وقت بنی ہاشم خلافت حاصل کرنے یا نہ کرنے کو چہوڑ کر عرب کے عام دستور کے لحاظ سے اپنے خاص فرد کی حمایت اور حفاظت کیلئے کہڑے ہو جائین اور انہین آمادہ جنگ دیکہہ کر عامہ مسلمین کا رُخ بدلنے لگے اور مغرور ابو سفیان اپنے سوار و پیادہ لے آئے جسسے جناب امیر کے حقوق کی بہی تائید ہو یا نہ ہو لیکن وہ ایک مُستند خاندان کو بنی تمیم پر ترجیح دے۔ اور یہ بہی ظاہر ہے کہ سعد اگرچہ عامہ مسلمین کے نزدیک کسی طرح اُس وقار اور وقعت کے درجہ پر نہین ہو سکتے تہے جیسے جناب امیر تہے لیکن تاہم یہ ایک بڑے قبیلہ کے رئیس تہے۔ اب یہ سمجہنا آسان تہا کہ حکومت کے ساتہہ تالی بجانیوالے کسی شخص خاص کے نوکر نہین ہوا کرتے - وہ اختیار اور ہوا کے غلام ہین - درانحالیکہ وہ جو قبیلہ کے عہد اور قرابت کے پاس سے لڑنے کو آمادہ ہوتے انکا جوش اور اخلاص بدرجہا زائد ہوتا۔ اب ہر شخص کو تصفیہ کا اختیار ہے کہ یہ احتیاط دین مین خلل پڑنے دینے کی وجہ سے تہی یا مخدوش تجربہ سے گریز تہی۔ مگر ان کے اقرار بیعت کے لئے اپنے اختیار مین رخنہ نہ پیدا کرو جس سے لوگون کے خیال بدلنا شروع ہون۔ درانحالیکہ یہ جسسے اختیار چہین لینے کی لئے کوئی عملی کوشش نہین کرتے بلکہ صرف پر وقار کنارہ کشی چاہتے ہین مصلحت یہی ہے کہ انہین انکے حال پر چہوڑ دو۔ اور کہہ دو کہ اگر تم بیعت نہ کرو تو تمپر کوئی تکلیف نہین ہے۔

سعد کا قاتل جن۔

تمنے غالباً غور کیا ہوگا کہ سعد ابن عبادہ کو کونسا جن اور کیون قتل کر سکتا تہا۔ یقیناً کوئی جن خلافت کا رقیب نہ تہا۔

بیعت نہ کرنے کا اثر۔

علی کے بیعت نہ کرنے کا اثر سوچنا مشکل نہین ہے۔ سرور عالم کی رحلت کے بعد فوری جوش یا تجاہل نے کچہہ ہی کیون نہ کرا لیا ہو لیکن ایک مضبوط لہر ہر شخص اپنے دماغ سے ٹکراتی ہوئی محسوس کرتا ہوگا جسوقت سُنا اور دیکہا ہوگا کہ زوج بتول مرعوب نہین ہوا۔ علی اس سے نہ صرف اپنی جگہہ قایم رہے بلکہ اپنے

بیعت نہ کرنا، بنی ہاشم کیلئے حفاظت کا مسئلہ ہو جاتا جو حکومت کیلئے رسول کی رحلت کے قرب زمان سے مخدوش تہا۔

تمام گذشتہ وقار کو اپنی پہلی شان سے لوگون کی نظر و نمین قایم رکھا بلکہ اس استعجاب اور حیرت نے اُنمین اور اضافہ کیا کہ ایسے امتحان خیز وقت مین بہی اُن پر کوئی اثر نہ ہوا! اِس سے علی لوگون کے دل اور دماغ پر چھا گئے کیا ہوا اگر لوگ حکومت پر بیٹھے۔ اِس سے علی بجائے خود ایک مرکز ہو گئے جدہر لوگون کی نگاہین اُٹھ سکتین اور اُنکی ذاتی قابلتین کھینچنے مین مدد دیتین۔ واقعات ہین جنکے منہ مین یہ زبان ہے کہ حکومت بھی کبھی کبھی شستہ نگاہین ہٹا کر اُنکی طرف اس نگاہ سے دیکھتی تہی کہ اس وقت تمہاری ضرورت ہے۔ لوگ بہی اسے دیکھتے تہے۔ اور اب علی کے وقار مین روحانی زیادتی ہوتی جاتی تہی۔ یہ واقعہ تہا کہ لوگ پیٹ بھرنے حکومت کے پاس جاتے تہے اور تمام وقتون مین اُنکے حافظہ مین اس احساس کی گُد گُدی ہوتی ہو یا نہ ہو کہ علی ہمارے دماغ مین بیٹھے ہین۔ لیکن موقع کی چھیڑ اُنہین بغیر یاد دلائے نہ رہ سکتی تہی۔

چھوٹی بات نہ تہی کہ لوگ یہ جانین کہ علی کو حصول خلافت کا حق اور قابلیت ہے لیکن وہ خاموش ہین اس لئے کہ امت بہوکے بھیڑیون کی طرح ایک دوسرے کی جان پر حملہ نہ کرے اور امن فساد سے مبدل نہ ہو جائے۔ ہم کوئی ایسی بات اپنی طرف سے نہ کرین جو اسلام کے حق مین مضر ہو اور نقض امن کہا جا سکے۔ وہ جانتے اور حیرت اُنھین گھیر لے کہ علی کسی ایسی نو جنگشی کے مخالف ہین جس مین مسلمان ایک دوسرے پر جرأت نمائی کرین جسے حکومت اِن لفظون مین ظاہر کرے کہ ”علی آجکل کمال احتیاط کرتے ہین اگر خدا نخواستہ وہ تنگ آگئے یا اُن لوگون نے کفر و اسلام مین توقف کیا تو پہر کوئی لڑنے نہ جائیگا مگر مجبوری سے“۔ علی اپنی بے اختیاری مین بہی صاحب اختیار دکھائی دیتے ہین جہان ایک فعل کے لئے اُنکا اقدام نہ کرنا لوگون پر یہ اثر کرتا ہے کہ کوئی اُس فعل کے لئے بجز مجبوری کے اور کسی طرح آمادہ نہ ہوگا۔ یہ واقعہ آزادی اور مجبوری کا فرق بہی دکھاتا ہے۔ جناب امیر کو مانعین زکوٰۃ پر نہ بھیجنے کی اس مصلحت کا سمجھنا بہی مشکل نہین ہے کہ وہ اُن لوگون پر نہین بھیجے جا سکتے تہے جو اُنکے حقوق کی تائید کرتے ہین۔ یا لوگ ہین جو موجودہ حکومت کے مخالف ہین ہو سکتا ہے کہ وہ علی کی طرف کھنچین۔ تیسرے یہ کہ علی کی ماتحتی مین ایسے وقت ایک فوج دینا مخدوش ہے۔ یہ واقعات مین نے اِس امر کے سمجھانے کے لئے لکھے ہین کہ اہلبیت پر دباؤ بٹھانے کی کوشش کیگئی اور اُنکے موید مین حقوق سختی سے کچلے گئے۔ یہ بہی میری غرض تہی کہ باوجود تغیر حکومت کے ایسی مثالین دیجا سکتی تہین کہ بیعت نہ کیجائے اور نہ کرائی جائے اور اس سے یہ کہنے کی غرض تہی کہ اِن واقعات کو حسین نے دیکھا یا سنا تہا جسے آگے چلکر اُنکی بڑہتی ہوئی عمر نے سمجھایا اور حالات سے طبعی مس ہوا۔ اور باب

کفر و اسلام کے متعلق علی کے تصفیہ کا عامہ ناس پر اثر۔

دومہینے کے واقعات اور اسکے نتیجے سے یہ دکھانا اور سمجھانا مقصود تہا کہ کس طرح حسین ستائیس برس کے سن مین اپنے حق سے محروم ہوئے جو اُن تک پہونچتا۔ صاحب سیرۃ الفاروق مسئلہ خلافت کا ذکر کرتے ہوئے حسنین اور اُنکی اولاد کو وارث قرار دیکر لکہتا ہے کہ "بلاشبہہ عرب کیواسطے یہ سب سے بہتر اصول ہوتا"۔

مؤلف سیرۃ الفاروق کا ایک اصول۔

اِس باب کی آخری بات پر اب توجہ دلاتا ہون اور وہ یہ ہے کہ ہماری شہزادی نے جو پہلو اختیار کیا اُس نے لوگون کے دلون مین کہانتک اثر کیا۔ انصار ہماری شہزادی کے پدر عالی مقدار سے کبھی جدا ہونا نہ چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر لوگ ایک طرف جائین تو ہم ادھر جائینگے جدہر کہ انصار۔ تم جاؤ اپنے گھر پر بیٹھ رہو۔ شہزادی نے انکو جواب دیا تھا کہ میں اُن سے استعانت کرنے کیلئے آنے پر مجبور ہو۔ انصار نے کیسی ہی بےرخی کیون نہ برتی ہو لیکن اُنکی پیشانیون پر شرم کی نمی پیدا ہوئے بغیر نہ رہ سکتی تھی۔ اور کہتے تھے کہ وہ یہ سوچتے ہوئے کہ غفلت سے ہم نے یہ خیال نہ کیا تھا کہ بنت رسول ہمارے سامنے اسطرح کھڑی ہو جائینگی اور گویا پوچھینگی کہ کیا تمھین یہی کرنا چاہئے تہا۔ کیا ہمنے تمہارے ساتھ کوئی بُرائی کی تھی؟ ہمین کیون ضعیف و حقیر کر دیا؟ تمنے کیون مُنھ پھیر لئے؟

انصار نے رسول کے احسان کا خاتمہ کر دیا اور جواب دیا۔

کیا مورخین کو بنت رسول کا یہ فرمانا معلوم ہوتا بغیر اُن لوگون کے سُنے ہوئے جو اُس وقت موجود تھے کہ "بابا آپ نے جد کیا کچھ نہ دیکھا"؟ لوگون نے نہ آنکھون پر پٹی باندہی تھی اور نہ کانون مین روئی رکھ لی تھی جو اُنھین نہ معلوم ہوا ہو کہ جناب فاطمہ زہرا کو اُنکے پدر بزرگوار کی میراث نہ ملی!

ہو سکتا ہے کہ ہمارا زمانہ ذکیہ کے اس فرمانے کے اثر کا پورا اندازہ نہ کر سکے کہ مین ہمیشہ بددعا دونگی لیکن اُس کا پورا اثر کا خیال کرو جنہون نے رسول کے زبان سے سُنا تھا کہ فاطمہ کی خوشی میری خوشی اور اُسکی ناخوشی میری ناخوشی ہے جسنے اُسے رنجیدہ کیا اُسنے مجھے رنجیدہ کیا۔ جواب یہہ ملتا ہے کہ بنت رسول کو ناخوش کرنے کے بعد لفظون سے تسکین دینے کی کوشش کیگئی اور اُنھون نے جواب سلام نہ دیا اور نہ دیوار کی طرف سے مُنھ پھیرا۔

قصہ کو یہین ختم ہونا تہا۔ بلکہ غم اُس سے زیادہ تھا جسے ذکیہ کا جسم اقدس برداشت کرسکتا۔ حیلہ جوئی اور لوگون سے نفرت اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنھون نے خبر علالت چھپانے کی تاکید کی اور یہ بھی ہدایت دی اور عیادت نہین چاہتے۔ ہمین غم کرنے دو۔ ہمین مرنے دو۔ ہماری لاش کے قریب نہ آؤ۔

تاکید جس کے مخفی رکھنے کی۔

عیادت کرنیوالی عورتین کیا سنتی ہین اور اسکا اثر

علالت بڑہ گئی۔ مہاجر و انصار کی عورتین کسی طرح قریب پہونچ گئین لیکن یہ سنکر کے "کہ میں بیزار ہون تمہارے مردون سے مین نے ترک کیا انہین قبل اسکے کہ انکی آزمائش کرون اور بیزار ہوئی مین اُنسے بعد امتحان کے اور دریافت اور مشاہدہ انکی خصلتون کے"۔ اِس لئے آئین کہ عیادت کے رسمی الفاظ منہ مین گم ہو جائین اور اپنے مردون کے "اضطراب تر آئے" کی علامت سنین۔ اور اسپر غور کرین کہ خلافت اُنکے لوگون سے دور ڈال دی گئی جو کہ پہلے استوار رسالت اور اساس نبوت ہین۔ اور یہ موقع ضائع کیا کہ سہولت سے راہ حق مین لیجائے جاتے۔ اور یہ سب دشمنی اِس لئے کہ علی سے جہاد کا انتقام لیا گیا۔

مردونمین شرم کا پیدا ہونا

شرم اور غیرت مین ڈوبی ہوئی عورتین اپنے مردون کے پاس پہونچین اور وہ سب باتین بیان کین۔ مجھے یہ کہدینا ہے کہ سننے اور بیان کرنے والیان سیماب خصال عرب کی مائین تھین جنکی حمیت اور غیرت مشہور ہے۔ جنہون نے اپنی آنکھ اور کان سے گذرتے ہوئی یادگار رسول کو یہ غم انگیز باتین بیان کرتے سنا تہا جسے اب انہون نے اپنے گھرونمین دُہرایا۔ اثر کو سوچو اور فوری نتیجہ یہ دیکھو کہ لوگ بنت رسول کے در دولت پر کھڑے ہوئے عذر کر رہے ہین "کہ اے سیدۃ النساء اگر ابو الحسن ہم سے ذکر کرتے اِس امر کو قبل استوار کرنے ہمارے عہد کے تو ہم عدول نہ کرتے" اور جواب یہ سُنتے کہ "مجھ سے دست بردار ہو اور اپنے کو مجھ سے باز رکھو کہ تمہارا عذر قبول نہین ہو" یہان تک کہ چند ہی روز کے بعد سنتے کہ بتول عذرا خاک مین چھپا دی گئین اور ہر شخص کہتا اور ایک دوسرے پر تاسف کرتا کہ "رسول نے صرف ایک دختر چھوڑی تہی۔ حیف ہے کہ وہ رحلت کرے اور دفن ہو اور ہم لوگ نہ وقت وفات حاضر ہون نہ نماز پڑہین اور نہ دفن مین شریک ہون!" قیاس نہین کیا جاسکتا کہ یہ باتین بغیر گہری لکیر ڈالے ہوئے گذر گئی ہونگی۔

جناب امیر کس موقع کو کام مین نہین لاتے اور کیون۔

علی کی ذات نے اپنی روش سے اگر اہلیت رسول کی ذات۔ قابلیت خدمت اور حق کی طرف بہکی ہوئی توجہ کو کھینچا تو جناب فاطمہ یعنی رسول کے خون نے لوگون مین رحم۔ ہمدردی اور جوش پیدا کیا۔ کیا ہوتا اگر جناب امیر اُس وقت تلوار سے استغاثہ کرتے۔ لیکن جناب امیر اس سے بالاتر تہے کہ وہ ان چیزونکو حصول اختیار کے لئے مدد کو بلاتے۔ کافی تہا اُن کے لئے کہ وہ اپنی جگہہ چھوڑ دیئے جائین اور کسی کے فعل کے ذمہ دار نہ ہون۔ انھین ترتیب قرآن کی فرصت ملے اگرچہ عالم کی بدنصیبی ہے ایسے موقع پیش ہون کہ باوجود اس علم کے کہ جناب امیر نے قرآن جمع کیا ہے لوگ اُس سے اپنے کو مستغنی سمجھین۔ اور آیندہ کوئی

معترض یہ کہہ سکے کہ قرآن من حیث الترتیب قابل اعتراض ہے۔ بغیر یہ جانے ہوئے کہ موجودہ قرآن
کی ترتیب کا کون ذمہ دار تھا۔

علی کا وہ یادگار موقع تم بھولے نہ ہوگے کہ وہ ایک دفعہ کے مقرر سے کسی انصار کے باغ میں فرش
ہین کہ تونے اُس چیز مین حرکت دیدے جو ساکن ہتی۔ اور سوتے ہوئے خیال کو جگا دیا۔ آج وہ
خوشگوار درد نہ تھا کہ جناب رسالتمآب زوجیت کا افتخار عطا فرمائین آج یہ دھڑکن ہتی کہ رسول کی یادگار
نشانی خاک کے سپرد ہوا چاہتی ہے۔ ان تمام روح فرسا صدمون مین جس تنہا ذات سے تسکین ہے وہ
بھی رخصت ہو رہی ہے۔ یہ علی کی حالت ہو کہ قبا پھیکدی۔ عمامہ اُتار دیا اور بند قبا کھولنے لگے اُس پہلے
بیٹھکر رخصت ہونیوالی کی آنکھ مین آنسو دیکھے۔ وجہ پوچھی اور جواب ملا کہ اُن ظلمو نپر روتی ہون جو
تم پر میرے بعد ہونگے۔ میرا تصفیہ ہے کہ اِس صبر شکن فقرہ کے سننے کے بعد علی مین ضبط اور صبر نہین رہ سکتا
تھا۔ محبت کرنے والا اُس وقت کے لیے رو لیتا ہے جب وہ نہ ہوگا۔ محبت دم توڑ رہی ہتی۔ محبت کی
تصویر آنکھون کے سامنے مٹ رہی ہتی۔

فاطمہ کی رحلت اُس تسکین کا عدم تہا جس سے ہجوم غم مین راحت تہی

کوئی گھر آچکے دن دارالنبوت سے زیادہ محزون نہ تھا۔ جہان سات آٹھ برس کے دو بچے جو ابھی ابھی
دو ڈھائی مہینہ قبل ناناکو رو چکے ہین آج ماں کو رو رہے ہین۔ رخصت ہونی ہوئی ماں کو اِس سے
تسکین نہین ہو کہ کون میرے بچون کی خبرگیری کریگا جسمین چھوٹی چھوٹی لڑکیان زینب اور ام کلثوم بھی تہین
وہ افسوسناک وقت آیا کہ جناب امیر سرخاک پر رکھدیتے۔ بچے آخری مرتبہ ماں کو چومتے اور سینہ پر
لوٹتے اور اسامنت عمیس آخری مرتبہ الصلوۃ یابنت رسول اللہ کہتی۔ علی واقعہ خوانی کر رہے تھے
جہان فرماتے ہے کہ یارسول اللہ آپکی دختر پاکیزہ گھر کے انتقال سے میرا صبر کم ہوگیا۔ علی فرمارہے تہے۔
اور یہ انکا صبر تھا جو کم ہو رہا تہا!

دارالنبوت دارالحزن تہا۔

تمہین یہ فقرہ یاد ہوگا جو حکومت کی زبان سے ادا ہوا تہا کہ "جب تک فاطمہ انکے پہلو مین ہین ہم
انہیں نہین (علی کو) مجبور نہ کرینگے"۔ یعنی گذشتہ تمام صدمون کے علاوہ جناب امیر کو اب اس تردد کا
سامنا تہا کہ بقول صواعق محرقہ "بواسطہ حیات حضرت خیرالنساء نزد مردمان بود" اب اُس
منزلت کا وسیلہ نہ رہا جس کا علی کے پاس رہنا یہ معنی رکھتا تھا کہ حکومت کو اب وقت ملا کہ اپنے طرز
عمل سے علی کے وقار کو عامہ ناس کے دلون سے زائل کرنیکی کوشش کرسکے۔

فاطمہ کی رحلت کے بعد علی کو کن باتون کا سامنا تہا۔

باب سوم

رسول اور اہلبیت کے نام و حقوق وغیرہ کو زائل کرنیکی کوششین (غفلت)

رسول کے بعد دور حکومت مین توجہ کے قابل نام۔

مین نے ابھی اس امر پر توجہ نہین دلائی کہ حکومت کے نئے دور مین کون سے عمال توجہ کے قابل ہین مجھے صرف اُنھین سے تعلق ہے جو گذشتہ زمانہ مین اپنے کسی خاص میلان یا آیندہ زمانہ مین ایسی ہی حالت کیلیے مخصوص ہوئے ہون یہ کہا گیا ہے کہ زیاد ابن لبید وہ شخص تھا جس نے صرف ابن ابو قحافہ کی تائید کی بلکہ حضر موت مین شورش کی تحریک کا بھی باعث ہوا اور آیندہ جو لوگ قبیلہ کندہ سے لڑنے کے لیے بھیجے گئے وہ عکرمہ بن ابی جہل اور مہاجر بن اُمیہ تھے۔ عموماً مانعین زکوٰۃ کی قسمت خالد ابن ولید کے سپرد کیگئی۔ عمر ابن العاص قضاعہ سے لڑنے بھیجے گئے۔ اور کچھ دنون کے بعد فلسطین انکا مرکز ہوگیا۔

آگے چلکر شام کی فوجکشی مین نہ صرف متذکرہ صدر لوگ دکھائی دینگے بلکہ ابو عبیدہ جراح۔ یزید ابن ابوسفیان۔ خود ابوسفیان۔ شرحبیل۔ ذوالکلاع اور ولید بن عقبہ بھی دکھائی دینگے اور معاویہ ابن ابوسفیان اپنے بھائی یزید کی مدد کو بھیجا جائیگا۔

دیوانی کے عہدہ ن مین ابو عبیدہ بیت المال پر۔ ابن الخطاب قضا پر مامور دکھائی دینگے۔ اور خولان پر یعلی بن اُمیہ۔ زبید اور زمعہ پر ابو موسیٰ اشعری عامل ہونگے۔

پہلی خلافت مین حضرت عمر کا رسوخ۔

پہلے دور خلافت سے ابن الخطاب کے تعلقات سمجھنے مین اس سے لطف حاصل ہوگا کہ زبرقان اور اقرع جس وقت بحرین کیلیے خلیفہ سے ایک عہدنامہ لکھوا کر ابن الخطاب کی دستخط سے تصدیق چاہتے تھے انہون نے اُس عہدنامہ کو چاک کر ڈالا۔ اس معاملہ مین طلحہ ابن عبداللہ درمیانی آدمی تھے۔ بقول ابن خلدون "طلحہ کو بیحد برافروختگی پیدا ہوئی۔ ابوبکر کے پاس آئے اور کہا انت الامیر ام عمر؟ ابوبکر نے جواب دیا عمر غیر ان الطاعۃ لی"۔

عاملون اور عہدہ دارون کے نام لینے سے میری غرض یہ نہین ہے کہ خلیفہ نے اُن لوگون کو ذمہ دار

تا ہم پہلے سے مؤلف کی غرض۔

عہدوں پر مقرر کیا جنہوں نے انہیں مدد دی تھی اور آیندہ سنبھالنے کی امید ہو سکتی تھی بلکہ میں
ان لوگوں کے نام کے ان عناصر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جو ایک زمانہ تک رسول خدا سے
مسلسل جنگ کے لئے ابھارتے رہے۔ نہ میں اس کہنے سے یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ مجھے انکے مسلمان
ہو جانے سے کوئی شکایت ہے اور میں انکے اس گذشتہ کافرانہ نفری پر طنز کر رہا ہوں۔ یا انہیں
اس جرم کا مستوجب قرار دے رہا ہوں جسے اقرار اسلام نے دھو دیا۔ بلکہ میں اس سے یہ سمجھنا چاہتا
ہوں کہ آیا یہ سوچنے کی گنجائش ہے یا نہیں کہ اگرچہ یہ لوگ بادی النظر میں اصولاً مسلمان ہو گئے مگر
انمیں عرب کا انتقامی عنصر بھی بجھ گیا یا نہیں۔ جسکی واضح مثالیں آئینگی۔

انتقامی جماعت کسپر حملہ آور ہو سکتی تھی؟

صورت معاملہ اس سے اور پُر پیچ ہو جاتی ہے کہ یہہ انتقام یا رسول کی ذات سے مخصوص ہو سکتا تھا
یا اُس سے جس نے سرداران قریش کو معرکہ ہائے جنگ میں قتل کیا۔ رسول سے کوئی منتقمانہ اقدام اور
علی سے رسول کے زمانہ میں ایسا ہی اقدام قریب قریب ناممکن تھا لیکن اب حالت یہ پہونچی تھی کہ

انتقامی عداوت بجز ایک مرد۔

وہ جو خلافت کے لحاظ سے خلیفہ کا رقیب تھا وہی انکے انتقام کا مرکز تھا جو اگرچہ خلیفہ نہ تھے مگر خلیفہ
کے مؤیدین تھے یا ہو گئے تھے یا بنائے گئے تھے۔

موجودہ نظام حکومت میں ترتیب جماعت دوسری نہ ہو سکتی تھی

کہا جا سکتا ہے کہ ان عداوتوں کی تقرری اس لئے نہ تھی کہ وہ کوئی نئی تحریک مخالفت کریں یا پرانی
عداوتوں کو زندہ کریں ہو گیا ہے تو صرف اس فطری میلان طبیعت سے بحث ہے جو ایسے مواقع پر ظاہر
ہوتا ہے اور قدر مشترک پر جمع ہونا قرین مصلحت سمجھا جاتا ہے۔ امید نہیں کیجا سکتی تھی کہ انہیں کی ہمدرد جماعتیں
اسکے علاوہ کوئی اور ترتیب صورت اختیار کرتیں جو دکھائی دی جس طرح یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ
اگر علی خلیفہ ہوتے تو ترتیب جماعت کے عنصر دوسرے ہوتے یا جماعت مختلف افراد سے مرکب ہوتی۔ اور نہ
اس ترتیب جماعت کے بعد جو ہوئی اسکے علاوہ کوئی نتیجہ سوچا جا سکتا تھا جو نہ صرف اس وقت بلکہ اسکے
کچھ پہلے سے ایک صورت اختیار کرتا جاتا تھا اور اسمیں پیچیدہ ہونے کے قابل نشو و نما ہوتا جاتا تھا۔

بنی ہاشم کے مخالف خلفا کے خریدنے بلکہ قوت دینے کے معنی۔

اگر اقوال سے غرض سمجھی جا سکتی ہے تو غالباً ابوسفیان کی مثال کافی ہے کہ وہ شخص جو دوسرے ذی حق کو
قوت و امداد دینے پر آمادہ تھا وہ اور اس کے لڑکے اسلئے خرید لئے گئے کہ نہ انہیں مخالف امور کے
سوچنے کی مہلت ہو اور نہ وہ آیندہ ہمارے خلاف ہمارے رقیب سے سلسلہ کلام جاری رکھیں اس طرح
امیہ کے خاندان کو جو بنی ہاشم کا مخالف تھا وہ بنیاد ملی تھی جسپر آیندہ اپنے کو مضبوط کرے۔ یعنی

بنی اُمیہ کے حکومت کے مشکور خادم نہ ہو سکے تھے

بنی اُمیہ کا موقع اس وقت یا اسکے بعد بنی ہاشم سے تو بالکل ہی آزاد اور دنیاوی حیثیت سے زیادہ قوت والا ہو گیا بلکہ اس خیال نے کہ حکومت نے بھی ہمیں اپنا مددگار سمجھا یا بنایا اُنھیں حکومت کا کوئی مشکور خادم نہ بنایا۔ اور اُنھوں نے آیندہ اپنے لئے میدان صاف دیکھا۔

علی کی غیر مخالفانہ روش نے کس درجہ مفید اثر کیا

اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ علی کی غیر مخالفانہ مصلحت کس درجہ مفید تھی۔ علی نے اپنی روش سے نہ صرف حکومت کے جوش مخالفت کو فرو کر دیا بلکہ اُسے اطمینان ہو گیا کہ وہ بجز اسکے کچھ نہیں چاہتے کہ ہمسے بیعت کر لیکے ہیں اس امر کا حلیف قرار دو کہ ہم تمہارے افعال کے ذمہ دار اور شریک ہوں۔ بیعت نہ کرنیکے اعلان کا جو اخلاقی فائدہ تھا غیر مخالفانہ روش اُسکا دوسرا اقدام تھا۔ یعنی وہ لوگ جو حکومت کے خوف سے علی سے قطع تعلق کر دیتے اب حکومت کا جوش مخالفت نہ دیکھکر سلسلہ ارتباط قائم کرنے میں متوحش نہ ہو سکتے تھے۔ یہ حالت علی کے موافق جماعت تیار کرنے میں ایک بڑی وجہ ہوئی جو آیندہ موقع پر عملاً دکھائی دیگی۔

جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ

خلیفۂ ثانی کے طریقۂ انتخاب کے متعلق ایک سوال۔

یا

خلیفہ سازی کی دوسری صورت تصنیف ہوئی۔

اِن واقعات کے تذکرہ میں اب ہم سنہ تیرہ ہجری کے ماہ جمادی الثانی تک پہونچ جاتے ہیں جس میں ہمارے ہیرو کی عمر دو مہینہ کم نو برس کی ہوتی ہے۔ وقت یہ ہے کہ خلیفہ علیل ہے اور اپنا جانشین مقرر کیا چاہتا ہے۔ اور مورخین تالیاں بجا رہے ہیں کہ کیا انتظام کیا ہے۔ اور کوئی مولوی شبلی صاحب کا ایسا ذی ہوش مؤلف ان فقرات سے خیر مقدم کرتا ہے کہ "حضرت ابوبکر صدیق کے بعد شاید بنو ہاشم کے دعوے نئے سرے سے پیش ہوتے لیکن حضرت عمر کی باضابطہ ولیعہدی نے اِس کا موقع نہ دیا"۔ (الماموں) کون ہے جسکا حافظہ اپنی صحیح حالت میں ہے اور جسنے گذشتہ جمہوریت کی جھنکار سُنی ہے وہ اِس بیان کے مصنف اور تائید کرنے والے مورخ دونوں کے طرز عمل سے حیرت میں ڈوب جائیگا۔ اور سوال کریگا کہ جمہوریت کی وہ دلفریبی کہاں گئی جس نے اپنی طرز عمل کو رسول کے انتخاب پر مقدم رکھا۔ ابھی کتنے دن ہوئے ہیں کہ ثقیفہ کا میدان جمہوریت کے ادعا کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔

جمہور کا مشورہ کیا تھا

زیر بحث زمانہ اِس اصول کے اندر ہی نہیں آسکتا کہ جمہور نے کسی خلیفہ کا انتخاب چاہا تھا اور جمہور نے واقعی جمہوری اِنصاف اور طریقے سے منتخب کیا تھا۔ دوئم یہ کہ اسی زمانہ میں اِس سے روشن تر کوئی امر نہیں دکھائی دیتا کہ بعض لوگ تھے جنھوں نے کچھ لوگوں کے خیال اور عمل پر قبضہ کر لیا۔ جسکی غرض اور اخلاقی شان سے کافی بحث کیجا چکی۔ اور جب کچھ جماعت تیار ہو چکی جسے دیکھکر جمہور

مخالفت کرنا خلاف مصلحت سمجھتے تھے تو اسے عام اجماع قرار دے لیا گیا۔ یہ صورت حقیقت مین خاموش رہنے والون کی تعریف ہے نہ اُنکی جنہون نے جماعت سازی سے امن شکنی کا سامان مہیا کیا۔

اصول مین ترمیم ہو گئی۔

مجھے تو اسوقت صرف اُن مورخین اور حضرات کی خاموشی سے شکایت ہے جنہون نے یہ اصول قرار دے لیا تھا۔ کہ حالت مرض مین مریض کو وصیت کرنے دینا اُسے "تنگ" کرنا تھا۔ یا تکلیف دینی تھی۔ لیکن اب تو یہہ اصول قابل عمل تھا کہ "مستغنی بودی ازین باز خواست چون کار برادماست"۔

بیماری مین تفویض اختیار۔

واقعات یہ ہین کہ جب خلیفہ علیل ہو گئے تو بقول ابو اسعداُنہون نے حضرت عمر کو حکم دیا کہ وہ نماز پڑھا دیا کرین اور خلافت بھی اُنکے سپرد دی تھی" طبری مین ہے کہ "اندران بیماری ابوبکر رضی اللہ ہمہ روز در غم کار مسلمانان بود کہ از پس خویش کرا خلیفہ کند پس نص بر عمر رضی اللہ قرار یافت"۔ اسی مورخ کے موافق

عمر کے متعلق رائے لیجاتی ہے۔

خلیفہ نے عبدالرحمن بن عوف اور عثمان ابن عفان سے ابن الخطاب کے متعلق صلاح کی۔ ابن عوف نے ابن الخطاب کو "درشت اور تندخو" کہا۔ خلیفہ نے ان لوگون سے یہ بھی تاکید کی کہ کسی سے کہنا نہین ترجمہ ابن خلدون کے نوٹ مین ابن اثیر سے نقل کیا ہے کہ خلیفہ نے عبدالرحمن ابن عوف سے صلاح لی اور ابن عفان سے پوچھا جس مین آخر الذکر نے کہا کہ "عمر کا باطن ظاہر سے اچھا ہے" ابوبکر نے یہ سنکر دونون آدمیون سے اخفاء راز کو کہا۔

بصیغہ راز صلاح

اس اثنا مین طلحہ بن عبداللہ آگئے۔ ابوبکر نے اُن سے کہا کہ مین نے لوگون پر عمر کو اپنا خلیفہ کیا۔ طلحہ نے جواب دیا کہ عنقریب تم اللہ تعالےٰ سے ملاقات کرنے والے ہو تم سے اللہ پوچھیگا کہ تم نے رعیت کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ ابوبکر نے کہا مجھکو اُٹھا کر بیٹھاؤ جب لوگون نے انکو اُٹھا کر بیٹھایا تو یہ جواب دیا کہ مین جب اپنے رب کے سامنے جاؤنگا اور وہ مجھسے دریافت کریگا تو مین کہدونگا کہ تیری مخلوق پر مین نے تیرے بہترین مخلوق کو مقرر کیا ہے طلحہ یہ سنکر خاموش ہو رہے۔ بعد ازان عثمان کو عہدنامہ لکھنے کا حکم دیا۔ ابوبکر شدت علالت کی وجہ سے رُک رُک کر بولتے جاتے تھے اور عثمان لکھتے جاتے تھے۔ جب عہدنامہ لکھا گیا تو اُس کو لوگون مین پڑھے جانے کا حکم دیا اور خود باہر آکر لوگون سے مخاطب ہو کر کہا کیا تم لوگ راضی ہوتے ہو اِس شخص پر جس کو مین نے اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ بیشک مین نے خلیفہ نہین بنایا اپنے کسی عزیز و قریب کو مین نے اپنا خلیفہ بنایا ہے تمپر عمر کو بس اِسکا کہنا سُنو اور اُسکی اطاعت کرو۔

خلافت کے متعلق لوگونکی رائے لینے کے قبل اپنا اظہار رائے۔

صاحب صواعق محرقہ واقدی سے روایت کرتا ہوا ابن عوف سے یہ جواب دلاتا ہے کہ "از حال

ابوبکر عمر سے خلوت میں چند وصیتیں کرتے ہیں۔

کسیکہ از من سوال بکنی تو عالمی بحال دے از من"۔ اِسی کتاب میں ہو کہ "بعد ازان امر فرمود تا عہد نامہ را مُہر کردہ بیرون بردند و مردم بیعت کردند و بدان راضی شدند و ابوبکر عمر را در خلوت طلب کردہ وصیتے چند فرمود"۔ اِسی کتاب میں نہایت خوش مزہ یہ مضمون ہے کہ جسوقت ابوبکر لوگون سے پُوچھ رہے تھے کہ "آیا میرے عہد پر راضی ہو"۔ یہ سُنکر حضرت علی ابن ابیطالب نے فرمایا کہ " راضی نیستم مگر آنکہ ابن عہد تو در حق عمر بودہ باشد"۔ اس لطیفہ کو اسی دوسری صورت سے ہمنے کہین دیکھا ہے کہ جس وقت سربمہر

لطیفہ

لفافہ سامنے آیا تو جناب امیر نے فرمایا کہ مین راضی ہون اگرچہ وہ عمر ہون"۔

ابن حجر کے موافق حضرت عمر اور ابوبکر کے وجوہات فضیلت۔

صواعق محرقہ مین منجملہ اُن وجوہات کے جنسے ابن الخطاب کو لوگون پر فضیلت دیگئی ہے ایک یہ ہے کہ اُنہون نے بیعت ابوبکر مین اجتہاد کیا اور وہ پہلے شخص تھے جنہون نے ابوبکر سے بیعت کی"۔ جس طرح حضرت ابوبکر کی سائر ناس پر تفضیل شجاعت کے لئے حضرت علی سے یہ روایت لائی گئی ہے کہ "از جملہ شجاعت ابوبکر قتال بود با جماعتے کہ منع زکوٰۃ کردند"۔

حضرت ابوبکر اور عمر کی معاملت۔

یہ سوچنا کہ ابن ابوقحافہ نے ابن الخطاب کو خلیفہ کیا میرے نزدیک کسی حد تک آخر الذکر کے ساتھ ناانصافی ہے۔ جن وجوہات سے کیون نہ ہو میرے اثر کے موافق ابن الخطاب نے خلیفہ کی مرضی یا عدم مرضی سے اپنا موقع ایسا بنالیا تھا جو بجائے خود اگر ایک وقت میں دوسرا خلیفہ نہ کہا جاسکے تو شئے سمجھنے مین کچھ سخاوت کا زیادہ مصرف نہین ہے۔ اور بغیر ایک دوسرے کے برگزیدگی کے چارہ بھی نہ تھا۔

خلیفہ کے ہوتے ہوئے ابن الخطاب کا آزادانہ نفاذ اختیار اس مثال سے موید ہے کہ اُنھون نے ایک ایسے عہدنامہ کو جس کی حکومت کی زبان نے تصدیق کی تھی بے وقعتی کے تابع کردیا۔ جبکہ یہ سوال پیدا کرایا۔ کہ ابوبکر خلیفہ ہین یا عمر۔ اور حکومت کو بجز اس تاویل کی کوئی چارہ نہ ہوا کہ اُسے اپنے سر اوڑھ لے۔

خلیفہ اول نے جو کچھ خلیفہ ثانی کے متعلق کیا اُسکی پیشین گوئی نہایت آسان تھی۔

اگرچہ وعدہ کا اعتبار نقص خوردہ کیون نہ ہوتا ہو۔ حضرت ابوبکر نے جو کچھ ابن خطاب کے ساتھ کیا وہ ایسا نہ تھا جو امید سے باہر ہو۔ جبکہ عامۂ انصار کو وزارت کی تسکین دلائی جاسکتی تھی تو اُسکے متعلق تو امید کہین ٹھوکر کھا ہی نہین سکتی تھی جسنے میدان جیت دیا ہو۔ پھر بھی مین اِنھین ابوبکر کے سب سے بڑے بے غرض دوستون مین شمار کرنے کیلئے آمادہ نہین ہون۔ میرے نزدیک یا اشتراک منفعت تھی یا ہموزنی قوت۔ نہ مجھے یقین ہے کہ اگر بنی ہاشم کا علیحدہ رکھنا قدر مشترک نہ ہوتا تو صورت معاملہ آپس کے علاوہ نہ ہوتی۔

مؤلف کچھ ڈھونڈھتا ہے

یہ حالتین اور اسے شکر گذاری اور جزائی احسان مین یہ کرا سکتی تھین کہ کسی معترض کے جواب دینے کے لیے بستر بیماری سے اُٹھ بیٹھتے۔ لیکن صرف یہی نہین تھا۔ جواب دینے کے بعد یہ بے چینی اور آمادگی کی شرح کسی ایسے امر مین چھپی ہے جسے مین نہین جانتا۔ مین غالباً غلطی نہین کرتا جہان مین بیتابانہ انداز کے پیچھے کچھ ڈھونڈھتا ہون۔

تدبیری حجاب کیون تھا

نہ میرے لیے اسکا تصفیہ ممکن ہے کہ ابن ابوقحافہ کے نزدیک ابن الخطاب سے بہترین خلق ہونیکا کیا معیار تھا شاید یہ ہو کہ وہ انکی خلافت کے پہلے صدیق تھے۔

دوسری بات اِس تقرری کے متعلق یہ ہے کہ اگر ابن قحافہ کو اپنے انتخاب کر لینے پر ایسا ہی وثوق تھا اور وہ اسپر بھی آمادہ تھے کہ اگر خدا پوچھیگا تو ہم جواب دے لین گے تو پھر اُنھین اس تدبیری حجاب کی کیا ضرورت تھی کہ اُنھون نے اپنی ذات اور اُسکے منصب کی مدد سے لوگون کا اقرار حاصل کیا۔ اُنھین کیا خوف تھا جو اُنھون نے لوگون کے اقرار پر اپنے منتخب کے نام کو مقدم نہ رکھا۔ اور کیون اہل حل و عقد کے رائے کی ایسی بیوقعتی کی کہ اُنھین آزادی سے بحث کرنیکا موقع نہ دیا بلکہ اپنے انتخاب کو قبول کر لینے کے لیے پیش کیا۔ شبہہ کے راستے صاف ہین کہ کہین عامۂ ناس بھی طلحہ کے زبان مین نہ کہین کہ "عنقریب تم اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے والے ہو تم سے اللہ پوچھیگا کہ اپنے رعیت کے ساتھ کیا معاملہ کیا" اکیلے طلحہ چپ کرائے جا سکتے تھے عامۂ ناس کو چپ کرانا مشکل ہو جاتا۔ اور یہی وجہ تھی کہ ابن عوف اور ابن عفان کو راز کے اخفا کی تاکید کی تھی کہ کہین افشا اقرار کی راہ مین حائل نہ ہو جائے خود اُن لوگون کا جواب بے تکلف نہ تھا۔ بلکہ یہ بجائے اپنے خود خلیفہ کو ذمہ دار بنا رہے تھے۔ ایک صاحب اختیار کے سامنے انکی یہ احتیاط ویسی ہی تھی جیسی عامۂ ناس مین پائی جاتی ہے تاہم اِنکا یہ کہنا کہ "انکا باطن ظاہر سے اچھا ہے" باطن کی تعریف ہو یا نہ ہو لیکن ظاہر کی کوئی دلفریب نمایش نہین ہے۔

طلحہ کا تنہا چپ کرانا بہ نسبت عامۂ ناس کے آسان تھا۔

ایک فطری سوال اور اسکا حل

اِن واقعات کے پڑھنے کے بعد فطری سوال جو ہر شخص کے دل مین پیدا ہوگا وہ یہ ہے کہ ابن ابوقحافہ کو دو برس کی حکومت سے مسلمانون کی اِس درجہ فکر ہو کہ وہ بغیر اسکے کہ ایک شخص کو حکومت کا عنان گیر قرار دین اور اُسکے لیے تمام پختگی کر جائین دنیا سے نہ گذرین اور رسول جنھون نے بہت سے ایسے لوگ بنا دیے وہ اپنے بعد کے لیے اُمت کی عنانگیری کو بھیڑ کی ہوا

کے سپرد کر جائین۔ ابوبکر ایسے شخص کو اپنا جانشین بنائین جس نے اُنکے حق کا بقول مورخین امامت مسجد یا سقیفہ مین لحاظ کیا اور رسول باوجود ایسے شخص کے ہوتے ہوئے جو اپنی شہ رگ کو رسول کی حیات کا پیش خیمہ کئے رہا اُسے بھول جائین ؟

مؤلف نبی بدلنے کیلئے تیار ہے۔

اگر ایسا تہا کہ نبی عربی سے ابن ابوقحافہ مین بہبودی عامہ اور شکر گذاری یا احسان شناسی کا مادہ زیادہ تہا تو ہم اپنا نبی بدل دینے کے لئے تیار ہین خلافت کیا چیز ہے۔ ہم صفت کے قدردان ہین محض ذات کوئی چیز نہین ہے مجھے کامل یقین ہے کہ یہ حالت قصہ قرطاس کو حل کر دیتی ہے۔

خطبہ شقشقیہ اِس نئے انتخاب کے متعلق حسب ذیل عکس ڈالتا ہے۔

جناب امیر انتخاب اور منتخب کے زمانہ کے متعلق

"یہان تک کہ اول تو اپنے راستہ پر گذر گیا مگر اپنے بعد خلافت کے ڈول کو ابن الخطاب کے کنوین کی طرف پہینک گیا۔۔۔۔ مگر مجہے تو تعجب اور سخت تعجب ہے کہ وہ جانبوا اپنی حیات مین بیعت خلافت کے توڑ دینے کا حکم دیتا تہا وہ اقالہ طلب کیا کرتا تہا مگر باوجود اس قول کے اپنے مرنے کے بعد دوسرے کے ساتہ خلافت کو منعقد کر دیا اور واقعی امر یہ ہے کہ پستان ناقہ خلافت کو دونون نے آپس مین خوب بانٹ لیا۔ افسوس خلافت کو ایک درشت مزاج اور تند خو کے حوالہ کر دیا جسکی زبان کے زخم نہایت سخت اور کاری تہے اور جسکا چہونا بہی ناگوار تہا جسکی گفتار و کردار دونون ناہموار تہین اسکی طبیعت مین سخت لغزش تہین وہ قدم قدم پر ٹہوکرین کہاتا تہا اور پہر اپنی لغزشون پر عذر خواہ بہی ہوجاتا تہا ایسی طبیعت والے کی مثال بالکل اُس شخص کی سی ہے جو کبہی بوجہ نہ اُٹہانے والے اونٹ پر سوار ہو اگر یہ سوار اُسکی مہار کہینچتا ہے تو اسکی ناک پارہ پارہ ہوتی ہے اور اگر چہوڑتا ہے تو خود گرنے کا خوف ہے۔ حیات خداوندی کی قسم ہے کہ لوگ اسکی سبب سے خبط مین مبتلا ہوگئے بے راہی و نااہل دینی و دنیوی امور مین رائے زنی کرنے لگا۔ متلوّن مزاجان دامنگیر ہوگئین اعتراضون کی بوچہار ہونے لگی۔

خلیفہ اول کے زمانہ مین چونکہ امورات انتظامی کی ابتدا یا انتہا کچہہ ایسی بڑی نہ تہی اس لئے اُسوقت تک اِس اصول پر عمل ہو سکتا تہا کہ ملکی اور فوجی عہدے اپنے خاص خاص لوگون کے سپرد کئے جائین۔ خلیفہ ثانی کے زمانہ مین فتوحات کی وسعت نے اس اصول کو سالم رہنے نہ دیا بلکہ اسکی مجبوری ہوئی کہ وہ بہت سے لوگون کو اپنے اعتبار مین داخل کرین تاہم اُنھون نے تغیر عمال مین سب سے زیادہ جو مشہور بات کی وہ یہ تہی کہ خالد ابن ولید کو معزول کرکے ابو عبیدہ جراح کو شام کے لشکر کا سردار

خالد کا عزل اور ابو عبیدہ کا نصب۔

بتایا۔ بقول ابن خلدون حضرت عمر کا یہ فقرہ توجہ کے قابل ہے کہ "اللہ ابو بکر پر رحم کرے انھون نے خالد کی امارت
کی پردہ پوشی کردی"۔ اور پھر آگے آنیوالے زمانہ میں جبکہ خالد کی سپاہیانہ کارگذاریان سنین تو یہ بھی کہا کہ "مین
خالد کو اُسکے نفس کا سردار مقرر کرتا ہون اللہ تعالیٰ ابو بکر پر رحم کرے وہ مجھسے زیادہ لوگون کو جانتے تھے"
خلیفہ ثانی کے اِن دونون فقرات کے تضاد پر خیال کرنیکے بعد اُنکی طینت کے متعلق جناب امیر کا یہ ریمارک
سمجھ مین آتا ہے۔ جہان آپ فرماتے ہین کہ وہ اپنی لغزشون پر عذر خواہ بھی ہو جاتے تھے۔ حضرت عمر کا اُس
شخص سے ناخوش ہونا جسنے اُحد مین انھین پہاڑ کی طرف جاتے دیکھا تھا اگر محض اخلاقی وجوہات سے تھا تو پھر بادجود
اسکے خالد یعنی مسلمانون کے سپہ سالار کو "اپنے نفس کا سردار" بنا لینا اخلاق پسند کو ضروریات ملکی کا تابع
کردینا تھا۔ نتیجہ سوچنے کا ہر شخص کو اختیار ہے۔ انکا دور حکومت بمقابلہ پیشتر کے اگرچہ اعتبار کی وسعت سے نہایت
ممتاز تھا مگر انکے زمانہ مین ایک نئی مصلحت کی بھی ابتدا ہوئی اور وہ یہ تھی کہ عربون کو بمقابلہ دیگر ملک کے
مسلمانون کے زیادہ حقوق حاصل تھے یہ نہ صرف اصول جمہوریت کے منافی تھا بلکہ اخوت اور مساوات
اسلامی کے قوت دار بڑے اصول کو شکست کردیتا تھا جو رنگ اور قوم کا امتیاز درمیان سے
اُٹھا دیتا تھا۔

صاحب سیرۃ الفاروق کے موافق انھون نے خلافت کے خطبہ مین کہا کہ "قوم عرب چھیدی ہوئی
ناک والے اونٹون کی قطار کے مانند ہے جسکی نکیل میرے ہاتھ مین دی گئی ہے"۔ یا عمر عاص سے کہا کہ "اگر
قریش کی جماعت تنہا ایک غار مین گھسیگی تو اعرابی وہان بھی اُنکی پیروی کرینگے اور پیچھے چلینگے وہ ایک
کم حیثیت بھیڑ ہے"۔ حضرت عمر کا یہ فقرہ شاید بجائے میری کتاب کے ناظر کے مصنف صواعق محرقہ کی زیادہ
توجہ کے قابل ہوگا۔ جنہون نے جمہور کی رائے مین عصمت پیدا ہونے پر شدید زور دیا ہے۔

خلیفہ ثانی کا خطبہ اور حسین۔

صاحب تاریخ الخلفا نے ایک واقعہ لکھا ہے جو اگرچہ زمانہ خلیفہ ثانی کا ہے لیکن اُسکا ٹھیک سنہ نہین
بتایا۔ واقعہ یہ ہے جسے ابن عساکر ابو البختری اور وہب ابن وہب مدنی سے نقل کرتے ہین کہ ایک روز
خلیفہ ثانی وعظ کہہ رہے تھے۔ اور حسین مع اپنے پدر عالی مقام کے تشریف رکھتے تھے کہ آپنے واعظ کو مخاطب
کرکے فرمایا:۔

"اُترو میرے باپ کے منبر سے"۔ واعظ نے یہ سنکر جواب دیا۔
"ہان یہ تمہارے باپ کا منبر ہے میرا نہین ہے"۔ علی نے چشم نمائی کی۔

خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب اپنے قابل قدر رسالہ البلاء المبین مین ابن عساکر وغیرہ کے اسناد سے تحریر فرماتے ہین کہ "امام حسین سے روایت ہے کہ عمر ابن خطاب منبر پہ تہے مین بہی چڑھ گیا اور اُن سے کہا کہ میرے باپ کے منبر سے اُترو اور اپنے باپ کے منبر پر جاؤ۔ حضرت عمر نے کہا کہ میری باپ کا تو کوئی منبر ہی نہ تہا۔ پھر مجھے اپنے ساتھہ بٹھالیا اور جب اپنی قیام گاہ کی طرف گئے تو مجھسے دریافت کیا کہ یہ تمکو کس نے سکھایا تہا مین نے کہا کہ کسی نے نہین سکھایا"

سنہ ۱۵ ہجری ترتیب دیوان۔

ہجرت کا پندرہوان سال شروع ہوا اور اب چونکہ غنائم اور محاصل کی آمدنی اِس قدر ہوگئی تہی کہ وظائف مقرر کئے جاسکتے لہذا ترتیب دیوان کی بُنیاد ڈالی گئی۔ اِس محکمہ مین جو بات سب سے پہلے مجھے متوجہ کرتی ہے وہ جبیر ابن مطعم کا نام ہے۔ تم واقعات خیبر مین پڑھ آئے ہو کہ عثمان ابن عفان اور جبیر ابن مطعم یہ دو شخص تہے جنہون نے سرور عالم سے عذر کیا تہا کہ خمس محض بنو ہاشم کو دیا گیا۔ وہی جبیر اب محکمہ مال کا ایک افسر ہے اگرچہ مخرمہ ابن نوفل و عقیل ابن ابیطالب کے نام بہی ماہرین حساب مین لکھے گئے ہین۔ ہم ابہی اسپر توجہ دلائینگے کہ اس دور حکومت مین قاعدہ خمس قابل نفاذ سمجہا گیا یا نہین۔

جُبیر ابن مطعم مہتمم دیوان

رجسٹر مین عباس کا نام پہلے لکھا گیا۔

کہا گیا ہے کہ رجسٹر مین نام کی ترتیب اسطرح ہوئی کہ پہلے بنو ہاشم۔ پہر ابوبکر اور پہر عمر کا قبیلہ تہا بقول ابن خلدون "عمر فاروق نے اسکو ناپسند فرمایا اور ارشاد کیا۔ یون نہین۔ پہلے آنحضرت کے چچا سے شروع کرو کیونکہ وہ رسول سے زیادہ قریب ہین بعد اُنکے درجہ بدرجہ قرب و بعد قرابت کے لحاظ سے ہر قبیلہ کو لکھتے چلے آؤ اور جب میرے قبیلہ کی نوبت آئے تو مجکو بہی لکھو" ابو الفدا بہی عم رسول کو مقدم کرنیکے بعد لکھتا ہے " پہر جو قریب تر رشتہ کا رسول اللہ سے تہا اُسکے لئے بہت عطا مقرر کی" بقول ابن خلدون یا مترجم " عمر فاروق کی یہ تجویز نہایت قابل قدر و لحاظ ہے کیونکہ اگر ترتیب سابق قایم رہجاتی تو خلاف خود غرضی کا وسیلہ بنجاتی" اور اُسکے بعد " ازواج مطہرات کی تنخواہین دس دس ہزار مقرر کیگئین اور عائشہ صدیقہ کو علاوہ مقررہ تنخواہ کے دو ہزار زائد دیے گئے" نوٹ مین یہ بہی لکہا ہے کہ امام حسن و حسین و ابوذر و سلمان فارسی (رضی اللہ عنہم) کو باستثناء اپنے اہل کے اہل بدر مین شریک کرکے پانچ پانچ ہزار درہم تنخواہین دی تہین"۔

حسنین اور وظیفہ۔

مجہے نہ ترتیب دیوان کی کسی تفصیل سے بحث ہے نہ اُسکے عام اصول سے بلکہ مجھے صرف اِس قدر کہنا ہے کہ مغیرہ ابن شعبہ کی مصلحت ٹہرائی گئی جو ایک زمانہ مین ناکامیاب ہوئی اُس وقت عباس نے کوئی

مُغیرہ ابن شعبہ کی مصلحت دوسری مرتبہ مین کامیاب ہوئی۔

وظیفہ اسلئے منظور نہ کیا کہ وہ اظہار حق کے قیمت قرار دیا گیا تہا جسے غالباً اب اسلئے منظور کیا کہ مسلمانون نے اپنی فتوحات مین ہمین مسلمان سمجھ کر حصہ دیا ہے اور اسکے عوض مین ہمنے کوئی عہد نہین لیا گیا ہے۔ لیکن بلاشبہہ حکومت کا سیاسی قدم آگے بڑہا جہان اُسے اب اسکا موقع ملا کہ وہ بنی ہاشم مین سے ایک کو پسند کرکے اُسے علی اور مسلمانون کے بیچ مین کھڑا کردے۔ اور اس طرح گویا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے علی اور آل فاطمہ کی طرف سے چشم پوشی ایک مستقل و خود مختار عملی اصول قرار دیا جائے۔ اور کون جانتا تہا کہ یہ اقدام آیندہ بنی اُمیہ کی بنی عباس کے ہاتھون تباہی کا سنگ بنیاد ہوگا۔

بنی عباس کا سنگ بنیاد

اگر عدم مساوات کی ضرورتین تسلیم کیجا سکتی ہین تو پھر یہ بہی کسی طرح قابل عذر نہین ہے کہ بنت ابوبکر کو تنخواہ مین حسنین پر ممتاز کیا مجھے جس قدر کہنا ہے وہ یہی ہے کہ مین صرف نام کی طرف توجہ دلاؤن۔ اُسکی بیٹی جس نے وصیت کی تہی اور کیا کیا نہین معلوم۔ مجھے اُس شخص سے بہی کوئی بحث نہین ہے جو اسے خلیفہ کی انکساری سمجھتا ہو کہ اُنہون نے اپنا نام سب کے آخر مین لکہوایا۔ لیکن نہ یہہ بہول سکتا ہون کہ وہ خلیفہ ہے نہ یہہ نظر انداز کرسکتا ہون کہ اُسے محکمہ مال پر تسلط حاصل ہے۔

حضرت عائشہ کا امتیاز وظیفہ۔

ایک دوسرا مفید قدم یہ اُٹھایا گیا کہ لوگون نے ابن الخطاب کو خلیفہ خلیفہ رسول کہنا شروع کیا اسپر بقول ابن خلدون "عمر فاروق نے کہا اس طور سے رفتہ رفتہ کلام طول ہو جائیگا کیونکہ جب کوئی خلیفہ ہوگا اُسکو خلیفہ خلیفہ خلیفہ رسول اللہ کہوگے مناسب یہہ ہے کہ تملوگ مومنین ہو اور مین تمہارا امیر ہون تملوگ مجھے آج سے امیرالمومنین کہا کرو"۔ ابن حجر کے پاس ایک روایت یہہ ہے کہ "بعضے گفتہ اند اول کسیکہ عمر را مبتلا باین رسم کردہ مغیرہ ابن شعبہ بود"

حضرت عمر اپنے لئے امیرالمومنین کا خطاب تجویز کرتے ہین۔

سنہ مین ام جمیل اور مغیرہ ابن شعبہ کے مقدمہ کی ظرافت خیز شہادت سے مجھے بحث نہین ہے بلکہ اس واقعہ سے کہ جب تین گواہ گذر گئے اور خاتمہ کی چوتھی شہادت رہ گئی جسکے بعد مغیرہ کو حکم رجم دیا جاتا تو خلیفہ نے چوتھے گواہ یعنی زیاد کو دیکھکر اُسکے شہادت دینے کے قبل کہا کہ "ایک آدمی سے مجھکو امید ہے کہ بسبب اُسکے ایک صحابی رسول اللہ کا جان سے شاید بچ جائے اِس لئے زیاد نے گواہی دی کہ ....." (ابوالفدا) ابن خلدون سے معلوم ہوگا کہ زیاد نفع مین رہا اور خلیفہ نے اُسے "ایک خدمت سپرد کی جسکو زیاد نے نہایت کفایت شعاری اور امانت و دیانت سے انجام دیا" اور "ابو موسیٰ اشعری نے اپنے زمانہ حکومت بصرہ مین اسکو میرمنشی کا عہدہ دیا"۔ مشکل ہے مجھے یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ اگر خلیفہ اول

مقدمہ جسمین پیشتر جو ادا کئے گئے ہین جو اسکے بعد دوستی دشمنی کا مقدمہ ہوا

خلیفہ کے اشارہ پر عمل کرنے سے زیاد کو جگہ ملی اور پھر میرمنشی ہوا

خالد ابن ولید کو اس لئے بچا سکتے ہیں کہ وہ ایسا عامل تھا تو مغیرہ کو بچا لینے کی اُس سے زیادہ فکر ہونی چاہئے تھی جو اُنکے لئے مفید مصالح کا موجد تھا۔ ایسے قصے اسکے بعد بھی لکہیں گے۔

معاویہ کی سنہ ھ مین شام مین تقرری۔

سنہ ھ ہمارے لئے اس وجہ سے نہایت مفید ہے کہ اسمین معاویہ ابن ابی سفیان دمشق کا عامل مقرر ہوا عام حالت سید امیر علی صاحب کی تاریخ اسلام سے معلوم ہوگی جہاں وہ فرماتے ہین کہ " دمشق کا دستہ فوج یزید ابن ابوسفیان کے ماتحت بھیجا گیا جو پہلے دشمن اسلام تھا اور اب رسول صلعم کے جھنڈے کے تلے لڑنے مرنے پر تیار تھا۔ یزید کی فوج مکہ اور تہامہ کے عربون پر زیادہ تر مشتمل تھی اور انمین سے بہت سے لوگ فتح مکہ سے پہلے رسول صلعم کے ساتھ لڑائی کر چکے تھے۔ لوٹ مار کی لالچ سے اب وہ یزید کی فوج مین بطور والنٹیر شامل ہوگئے۔ مکہ اور تہامہ کے عربون اور مدینہ کے لوگون مین سخت دشمنی تھی جسکا نتیجہ بد نکلا سو نکلا۔۔۔۔ ابوسفیان کا دوسرا بیٹا معاویہ جسنے آخر خلافت کو غصب کر لیا یزید و فوج کا کمانڈر مقرر ہوا" یزید ابن ابی سفیان کے مرنے کے بعد اُسکی جگہہ معاویہ کو دیگئی۔ اسکے علاوہ اس

اس دور حکومت کے بعض نام جو بنی ہاشم کے مخالف تھے

دور حکومت مین ابوالاعور اسلمی۔ حصین ابن نمیر۔ معویہ ابن خدیج اسکونی۔ شرجیل۔ ولید ابن عقبہ وغیرہ بحیثیت افسران فوج دکھائی دینگے۔ عمرابن العاص مصر کا افسر اعلی تھا جسکی ماتحتی مین عبداللہ ابن سعد ابن ابی سراج دیا گیا۔ ابوموسی اشعری مکہ معظمہ کا عامل تھا۔ یعلی ابن امیہ یمن کا اور عمرابن سعد حمص کا حاکم تھا۔ اور سمرہ ابن جندب سوق الاہواز پر حکومت کر رہا تھا۔

بعض نام جو موافق ثابت ہوئے۔

اسی دور مین عبداللہ ابن بدیل ورقہ الخزاعی۔ جریر ابن عبداللہ البجلی۔ احنف ابن قیس۔ مالک اشتر۔ براء ابن عازب۔ ہاشم ابن عتبہ۔ قعقاع ابن عمر۔ وغیرہ بھی اکثر نہایت مفید فوجی عہدون پر دکھائی دینگے۔ یہ لوگ جناب امیر کے بڑے حامی تھے اور اُنمین کسی کی دوستی بہ استثنائے جریر مشتبہ نہین ہوئی۔ یہ لوگ سپاہی تھے اور انہین اپنے لئے کوئی کام اور راستہ نکالنا چاہئے تھا۔ انکے سپاہیانہ حوصلون کے لئے بلاد مختلفہ مین کام مل رہے تھے۔

سنہ ۱۶ھ فتح مدائن اور حضرت شہربانو۔

فتح مدائن جو طبری کے موافق صفر سنہ ۱۶ھ مین ہوئی ہمارے لئے خاص دلچسپی رکھتی ہے۔ اس لئے کہ مورخین کے موافق فتح مین مسلمانون کو جو چیزین ہاتھ لگین اُنمین شہربانو دختر یزدجرد بھی تھین۔ بقول مولف تاریخ الاسلام:-

" اُنکے بدن کے زیورات تقسیم کرنے کے لئے عربون نے اُتارنا چاہے۔ وہ بے بسی مین تھین لیکن پھر بھی

بادشاہ کی لڑکی تہی عربون کا یہ عقیدہ ہی اُس نے نہایت مکروہ سمجہا۔ اُسکے چہرہ کی رنگت غصہ سے متغیر ہوگئی
.... عمر نے اُسکی مکافات یون کی کہ موذی ورلت کے اُسے حضرت امام حسن (غالبًا کاتب کی غلطی ہے بجائے
حسین کے حسن لکہا گیا۔) بن فاطمہ حوالہ کیا اور اِس طرح وہ جوان حسین شاہزادی شاہ دارین کے نواسہ کی
زوجیت مین آئی۔ حضرت عمر نے کہا ہی کہ شہزادی شہزادہ ہی کو مناسب ہے۔

معقاع ابن عمر اور قصر ابیض کا محاصرہ

واقدی کے فتوح عجم کے ترجمہ مین ہے کہ فتح مدائن کے بعد جب مسلمان آگے بڑہے تو کچہہ مرزبان قصر
ابیض مین داخل ہوئے اور اُسے اپنا قلعہ بنایا تو پہر مسلمانون نے قعقاع ابن عمر کی ماتحتی مین اسکا محاصرہ
کیا۔ تیرون سے لڑائی ہوتی رہی اور جب غالبًا عرصہ ہوا تو سعد ابن ابی وقاص نے سلمان فارسی کو

سلمان فارسی مصالحت کیلئے۔

قصر ابیض کی طرف اِس لئے بھیجا کہ وہ مصالح مسلمین کے لئے کوئی تدبیر سوچین۔ یہ گئے اور انہون نے
اہل قلعہ کو مخاطب کرکے کہا کہ تم لوگ کیون جان دیتے ہو۔ اور جب ایرانیون نے انہین دیکہا تو
اُن پر یہ اثر پڑا کہ یہ اکابر اہل اسلام سے ہین اور اُن لوگون نے کہا کہ ہمارے لڑنے کا یہہ سبب ہے کہ

کسرےٰ کی بیمار لڑکی قصر مین تہی۔

ہمارا بادشاہ کسریٰ نہاوند کی طرف چلا گیا اور چونکہ اپنی بیماری لڑکی کو اپنے ساتھ لیجانے سے
متعذر رہا اُسے ہمارے سپرد کرگیا ہے اُسکی حفاظت اپنے ذمہ واجب کی ہے اگر تم ہمکو اُسکے لئے
امان دو تو ہم اُسے تمہارے سپرد کردین۔ سلمان نے سعد سے مشورہ کیا اور مرزبانون سے کہا گیا
کہ مسلمانون کا لشکر اطراف مین پہیلا ہوا ہے۔ تمپر کوئی قبضہ کرلے گا اگر ہماری امان مین نہ آجاؤ گے۔
اِسپر اُنہین سے بعض نے خفیہ راستہ سے ان لوگونکو بلالیا۔

ہاشم ابن عتبہ اور کسریٰ کا تعاقب۔

اِسی کتاب مین موسیٰ ابن عبداللہ سے اُسنے عمر سے اُسنے اپنے دادا یحییٰ سے روایت کی ہو کہ
جب کسریٰ پسپا ہوا تو ہاشم ابن عتبہ نے حلوان تک تعاقب کیا۔ اور ایک جگہہ دیکہا کہ کچہہ ایرانی

ہودج اور محمل۔

مسلح سپاہی بہت سی ہودج اور محمل کی محافظت کرتے ہین۔ انہین زنانی سواریان تہین بہت سے
خدام اور کنیزین تہین اور وہ سب محافہ کے گرد ہتے۔ محافہ چوب رطب کا بنا تہا۔ رنگ برنگ کی
پوششین پڑی تہین۔ اُس کا تار تار زرین تہا اور اُسکے بیل بوٹے طلائی اور مرصع بجواہر تہے۔

شاہی اُسرا مدینہ بہیجے گئے۔

ہاشم نے اپنے گروہ کے ساتہہ اُسپہ حملہ کیا۔ ایرانی بڑے استقلال سے اپنی ملکہ کی محافظت مین
لڑے۔ مسلمانون نے آخر مین ان محافظون پر قبضہ کرلیا۔ سعد ابن وقاص نے جب فتح مدائن کی
خبر خلیفہ کو بھیجی تو ان شاہی اسیرون کو بھی اُسی کے ساتہہ بشر کی نگہداشت مین روانہ کیا۔

بنت کسریٰ کے خدام اور پرستار ساتہہ ساتہہ تہے۔ بشر یہ چیزین لیکر مدینہ پہونچا اور خلیفہ جب تقسیم غنائم سے فارغ ہو چکے تو دوبارہ بنت کسریٰ حکم کیا کہ اُسکو سامنے لاؤ۔ چنانچہ وہ شاہزادی روبرو جو آئی تو اُسکے تن پر پوشاک نفیس اور زر و جواہر سے بہت کچھہ تہا۔ تب ایک شخص کو حکم کیا کہ متاع زیور وغیرہ اُسکے بدن سے اُتارے تا اُسکی قیمت مین لوگون کے لئے اضافہ کیا جائے۔ آخر وہ شخص شاہزادی کی طرف آگے بڑہا تا کہ وہ سب اسباب اُتارے مگر شاہزادی نے اُسکو منع کیا اور اوسکے سینہ پر دو ہتڑ مارا کہ وہ باز رہا۔ یہ دیکہہ کر عمر رضی اللہ عنہ غیض و غضب مین آئے اور لوگ اُس ملکہ مہ پر تازیانہ بلند کئے ہوئے منتظر حکم کے تہے اور وہ روتی تہی۔ اُس وقت علی علیہ السلام بولے اے امیر المومنین مہلاً یعنی غصہ نہ کرو اور افروختہ خاطر نہ ہو بہ تحقیق کہ مین نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ فرماتے تہے ارحموا عزیز قوم ذل وغنی قوم افتقر یعنی جو عزیز ورئیس قوم کہ ذلیل وخوار ہو جائے اور جو غنی و تونگر کسی قوم کا محتاج و نادار ہو جائے تو اُن پر رحم کرو۔ یہ کلام سنکر طیش عمر رضی اللہ عنہ کا فرو ہو گیا اور پہر جو اُس شاہزادی کی طرف نگاہ کی تو دیکہا وہی تحدق بالنظر الی الحسین بن علی رضی اللہ عنہما۔ یعنی وہ شہزادی گوشہ چشم سے یا نظر تیز سے حسین بن علی علیہم السلام کو دیکہہ رہی ہے اُس وقت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا مین نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ فرماتے تہے اتقوا فراستہ المومن فانہ ینظر بنور اللہ یعنی فراست و فطانت مومن سے ڈرتے رہو اور ملحوظ خاطر رکہو کہ وہ بہ قوت نور خدا مشاہدہ کرتا ہے چنانچہ مین جو دیکہتا ہون تو یہ لڑکی حسین ابن علی کو بچشم التفات اور تیز نگاہ سے تکتی ہے سو مجہپر یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ دختر سائر مردم مین سے طرف حسین کے ارادت وعقیدت رکہتی ہے اِس لئے کہ لوگون مین از روے صباحت و وجاہت کے حسین سے کوئی بہتر نہین ہے۔ بعد ازان کہا اے ابا عبد اللہ اس لڑکی کو لو یہ میری طرف سے تمہارے لئے ہدیہ وتحفہ ہے چنانچہ علی علیہ السلام اور جو لوگ مسلمین مین سے حاضر وقت تہے وہ سب اس امر مین شکرگذار و منت پذیر عمر رضی اللہ عنہ کے ہوئے۔ عمر بن محمد ابو اقدی کے سامنے مسجد النقلی مین سنہ ۲۹ مین یہ روایت پڑہی گئی

صاحب بحار تحریر فرماتے ہین کہ ”عمر نے چاہا کہ عورتون کو بیچ ڈالین اور مردونکو غلامی مین دین کہ ضعیف و حاجی انکی پیٹھ پر طواف کعبہ کرین۔ جناب امیر نے فرمایا کہ جناب رسالتمآب نے فرمایا کہ جو شخص اپنی قوم کا بزرگ ہو اُس کی بزرگی کرنا چاہئے اور عزیز رکہنا چاہئے اگرچہ دین اُسکا تمہارے دین کی مخالف

خلیفہ نے شہربانو کا جسم سے زیورات اتارنے کا حکم دیا۔

شہربانو کی غیرت اور خلیفہ کا غصہ۔

جناب امیر کی وساطت نے رنگ بدل دیا

شہربانو حسین کیطرف دیکہہ رہی تہین۔

اب حضرت عمر ایک قابل قدر حدیث بیان کرتے ہین اور شہربانو کے حسین کی طرف میلان کی وجہ بتلاتے ہین۔

شریف قوم کے ساتھہ برتاؤ کے متعلق باوجود مخالف مذہب

ہو یہ قیدی صاحب ریاست و شرافت ہین انہون نے تمہاری اطاعت کی اور اسلام کی طرف رغبت ہے مین نے اپنا حق اور بنی ہاشم کا انکی گردنون سے ساقط کیا۔ اکثر مہاجرو انصار نے بھی بخشا۔ اب اکثر لوگون نے عورتون سے عقد کی خواہش کی۔ جناب امیر نے فرمایا کہ اسے عورتون کی رائے پر چھوڑ دو اور جبر و اکراہ نہ کرو۔ کسی نے یزدجرد کی بیٹی کی خواہش کی وہ خاموش ہو گئی۔ لوگون نے پوچھا کہ اے شہربانو تم اپنے خواستگارون مین سے کسی کو چاہتی ہو کر وجہ اسکی بنو۔ جناب امیر نے کہا "اسکی خاموشی عین اقرار ہے۔ پوچھا کسکو چاہتی ہو۔ کہا اگر مجھے اختیار ہے تو مین نے حسین کو اختیار کیا۔ جناب امیر نے حذیفہ ابن ایمان کو خطبہ پڑھنے کا حکم دیا اور نکاح کر دیا"۔

جناب امیر عورتون کی آزادی رائے قایم رکھتے تھے شہربانو نے زبان سے بھی حسین کو پسند کر لی ہین۔

بحار کی ایک روایت و نیز جامع التواریخ کے موافق یہ خبر ہے کہ جناب امیر نے اپنے دور حکومت مین حریث بن جابر جعفی کو بلاد مشرق کی طرف بھیجا اور یزدجرد کی تین لڑکیان انکے ہاتھ لگین جنمین سے ایک عبداللہ ابن عمر دوسری محمد ابن ابی بکر اور تیسری حسین کی زوجیت مین دی گئین۔

اس واقعہ کے زمانہ کے متعلق مجھے شبہ ہے۔ ایسی صورت مین کہ سنہ قایم ہونے کے قراین اسکے بعد کے زمانہ کے ہین جیسا ابن خلدون سے پایا جاتا ہے کہ تعین سنہ کی ضرورت سنہ ۱۶ھ مین ہوئی اور بلحاظ اسکے کہ مختلف تواریخ مین واقعات مختلف ترتیب اور سنہ کے اختلاف سے لکھے گئے ہین مین سوچتا ہون کہ فتح مداین یا دو تین برس قبل لکھی گئی ہے یا شہربانو کی اسیری کا واقعہ فتح مدائن سے متعلق نہین ہے۔ جیسا ابن خلدون سے پایا جاتا ہے کہ "یزدجرد نے اپنے حرم اور خاندان شاہی کو اس سے پہلے جس قدر مال و اسباب اٹھا سکتا تھا اوٹھا کر روانہ کر دیا تھا"۔ بلکہ مین سوچتا ہون کہ یہ واقعہ سنہ ۲۲ھ یا ۲۳ کا ہے جبکہ مرد شاہجہان مین خود یزدجرد کے امرا نے یزدجرد کی مخالفت کر کے اس کا مال اسباب چھین لیا اور یزدجرد بھاگا اور امرائے لشکر نے تمام چیزین اخنف ابن قیس کو دیکر صلح کر لی"۔ فتح مدائن اگر سنہ ۱۶ھ مین ہوئی تو اسوقت حضرت امام حسین علیہ السلام کا سن اقدس زیادہ سے زیادہ ۱۲ برس کا تھا اور یہ سن غالباً عقد کے انتخاب کیلئے موزون نہ تھا۔ اس امر پر لحاظ کر کے بعد بھی کہ بنی ہاشم کی آئندہ۔ انداز اور کچھ دن قبل کی حاکم قوم کا نشو نما جلد ہوتا تھا۔ سرزمین عرب بھی معین ہوتی ہے۔ اور جناب امیر جسمانی قوت مین نہایت ممتاز تھے پھر بھی مجھے حسین کے بارہوین یا حد تیرہوین برس عقد کا ہونا بہت ممکن القیاس نہین معلوم ہوتا۔ خصوصاً جبکہ عورت نے خود اپنی

پسند کا اعلان کیا۔

عرب قیدی۔ اور جناب امیر کی حالتین

کون جانتا ہے کہ شہربانو کو روپیہ کے شکل مین بھنا کر قیمت کے تقسیم کرنیکا ارادہ کیا گیا ہو۔ خوش نصیبی سے جناب امیر وہان موجود تہے۔ اُنہون نے دیکہا کہ ہزارون برس کی شخصی اصول سے متاثر بادشاہ کی بیٹی مجبور ہو کر وہ فاتح عربون کے مغرورانہ بے لحاظی برداشت کرے۔ شہربانو کی حالت کا قیاس کرنا ناممکن نہین ہے۔ اسی طرح اُسکی شرم کے ساتہہ اُسکی غیرت اور نفرت کا قیاس بہی خیال کے اندر ہے کہ وہ عرب جو اُسکے ذہن مین کبہی اُس کے دستنگر تہے آج اتفاقات سے اُسپر قابو پا کر اُسکی گذشتہ عظمت اور شرافت کی طرف سے لاپروا ہوگئے ہین اور اُسکے ساتہہ وہی اصول برتنا چاہتے ہین جو عام اُسرائے جنگ کے لیۓ تہا۔ مین کچہہ نہین سونچ سکتا مگر یہ کہ جس وقت عام عرب تقسیم غنیمت مین ایک دوسرے سے لڑرہے ہونگے یا فاتحانہ شان مین ڈوبے ہونگے جناب امیر اِس شریف قیدی کی حالت کا غور سے مطالعہ کر رہے ہونگے اور اُنہین ہمدردی کے وہ جذبات پیدا ہو رہے ہونگے جو شریف کی مصیبت دیکہہ کر ہر شریف مین ہونی چاہئے۔

قیدی مجمع مین ہمدرد کا مرکز پالیتا ہو۔

یہ بہی عجب غیر نہین ہو کہ مجبور قیدی نے جس وقت وہ مجمع مین ہر طرف کسی ہمدرد کو ڈہونڈہنا چاہتی ہو جناب امیر کے بشرہ اور آنکہون مین امید کے آثار پائی ہون اور حسین کو پہلو مین بیٹہا ہوا دیکہکر وہ مرکز پالیا ہو جہان اِس انتشار کے عالم مین اپنے کو ٹہرا سکے۔ (مین یہ پیراگراف ونیز بعد کا لکہہ چکا تہا کہ محمد واقدی کی روایت دیکہی جس نے میرے خیال کی تصدیق کی اور مین نے اُسے واقعات کے سلسلہ مین پیشتر درج کر دیا۔)

شاہزادی کی خصوصیات عمل کرتی ہین۔

اب ایک شاہزادی کے خصوصیات اور احساسات کے عمل کا وقت تہا۔ اُسکی آنکہین تہین اور امتیاز تہا اُسے مجمع مین چہرون پر وہ لکیرین اور خصوصیات کی وہ اعلے تحریرین تلاش کرنی تہین جو پہچاننے والون سے چہپی نہین رہتین۔ خصوصاً شاہی خاندان کے کسی فرد کی منجہی ہوئی نگاہ کے لیۓ جسکے سامنے ملک اور مختلف اقوام کے شرفا کا گلدستہ بندہا ہوا رہتا ہے۔ نہ یہہ سونچنا ممکن ہے کہ شہربانو کو یہ معلوم نہ ہوگیا ہو کہ یہ دونون بزرگ کون ہین۔ اسنے انتخاب اور پسند مین مدد دی۔ جناب امیر کے صلاح سے عربون نے پہلے اپنے قیدیون کی شرافت کی طرف توجہ کی اور دوبارہ جناب امیر ہی کی صلاح سے اُن مجبور قیدیون کی آزادی انتخاب اور عقد کی خواہش کسی کے نزدیک قابل عذر نہ ٹہرے۔ ایسے نازک وقت مین انکے غرور طہور آن کی اِس سے اچہی اور کسی طرح حفاظت ممکن نہ تہی۔ قیدیون کی طرح بیچ ڈالنا انکا کوئی قابل

مردونکا پسند کرنا ہوتو کی اسیری بہتر نہ ہوتا۔

وقت لحاظ نہ ہوتا مردون کا ایسے وقت خواہ بغرض عقد کرنا اور پسند کرلینا اسیری سے کسی طرح بہتر نہوتا
بجز اسکے کہ عورتین عقد کرنے مین مختار قرار دیجاتین - اور انکا انتخاب کرنیوالا زر فدیہ ادا کرکے بیت المال
کے ساتھہ کوئی ناانصافی نہ کرتا - یا حکومت مصلحت کے اعلی احساس سے اسکی کوئی قیمت نہ لیتی جبکہ وہ لوگ جو

عامۂ ناس کی خوشنودی حوالگی نہ کہ اسیری۔

بیت المال کے اس ایک جزو سے نفع اُٹھاتے اُنھون نے اسپر خوشنودی ظاہر کی کہ وہ شئے اُنکے پاس گئی جسکا
سبکو لحاظ تہا - اور حق تو یہ ہے کہ شہربانو کو اسیر جنگ کہنا ہی غلط ہے جبکہ انکے محافظین نے اُنکے جان و آبرو
کی حفاظت کا عہد لیکر حوالہ کیا تہا - جسے اُنھون نے اُس وقت ظاہر بہی کیا جس وقت اِس اصول کے خلاف
خلیفہ کے حکم سے کسی عرب نے انکے زیورات لینا چاہے - اور چونکہ حکومت کے ایک ظلم پر موقع نے انھین فتح
دی انکی آزادی مین کسی وقت شکستگی نہین پیدا ہوئی - جناب امیر کی صلاح حکومت اور جمہور کی رضامندی
اور خود شہربانو کی آزادانہ نفاذ خواہش سب موجودہ نظام سے انکے متاثر نہ ہونے اور اپنی حالت پر
قایم رہنے کی مزید تائید ہے۔

سویمبر رنگ

مجھے یقین ہے کہ شہربانو نے جناب امیر کی صلاح کے لطافت لحاظ کا اندازہ کیا - یہ اندازہ اُنکے جواب سے
ظاہر ہے جس نے سویمبر رنگ (ہندو راجاؤن مین کبہی کبہی یہ رسم برتی جاتی تہی کہ اُنکی وہ لڑکی جسکی شادی
ہونے کو ہوتی تہی وہ اُس راجہ کے گلے مین ہار ڈال دیتی تہی جسے وہ پسند کرتی تہی) پر آمادہ کردیا - اور
پسندیدگی کا ہار فاتح عرب اور شاہ کونین کے نواسے کے گلے مین ڈالا گیا - مظلوم عورت کی حمایت اصول
شجاعت مین داخل ہے جس کی بنیاد پر جناب امیر اُسکے عزت کے وکیل بنے تہے - شہربانو نے اپنی پسند
مین غلطی نہ کی تہی - اور نہ وکالت کے بعد جناب امیر اور حسین سے یہ ممکن تہا کہ شہربانو کے اس پر امید یا ایسی ہی
فقرہ کو کہ "اگر مجھے اختیار ہے تو مین نے حسین کو اختیار کیا" یاس سے بدل دیتے یا ایسی بیان خیز اور
پر معنی نظر کو جو خلیفہ کو یہ سمجھادیتی کہ "یہہ دختر سائر مردم مین سے طرف حسین کے ارادت و عقیدت

شہربانو کی تباہ شدہ عظمت کی تلافی۔

رکھتی ہے" قبولیت کی بنا سے علیحدہ رکھتے - قدردانی اور حمایت کا اقتضا یہ تہا کہ اگر جناب امیر ہوجانا
منظور کرتے تو حسین اُنھین زوجیت مین قبول کرتے - شہربانو کی تباہ شدہ عظمت نے اگرچہ دنیاوی حکومت
پر قبضہ نہ کیا لیکن اُس سے کہین زیادہ پُر اثر عظمت مسلمانون کی نگاہ مین حاصل کی کہ وہ بادشاہ
قلوب کے فرزند کی بی بی ہوین۔

کیا قلبی میلان کا تقادم ہورہا تہا۔

کوئی عجب نہین ہے کہ اِس عقد کے لئے دونون طرف سے قلبی میلان پیدا ہوگیا ہو - شہربانو کی مسرت کا

اندازہ روضۃ الشہدا کی اِس روایت سے ہوسکتا ہے کہ اُنکے پاس سو کنیزین تھین اور بعد زفاف اُنہون نے راہ خدا مین پچاس کنیزین آزاد کین۔

شہربانو کی عقد کے بعد خوشی

شہربانو کے ذکی الحس ہونیکی مثال اور آپکے احسانات کا لحاظ۔

شہربانو کے ذکی الحس ہونیکے اشارے اِس روایت سے بھی مویّد ہین جو روضۃ الشہدا سے ملتی ہے کہ شہربانو کی ایک نہایت حسین کنیز تھی جسکا نام شیرین تھا۔ ایک روز حضرت سبط اصغر شہربانو کے پاس تشریف رکھتے تھے کہ شیرین سامنے آئی۔ حسین نے شہربانو سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"شہربانو شیرین کی آنکھین کیسی برافروختہ ہین"۔

شہربانو نے سُنا اور تھوڑی دیر کے بعد شیرین کو پرتکلف لباس سے آراستہ کرکے سبط اصغر کی خدمت مین بھیجدیا اور جب حسین نے تعجب سے اِس طرح آنیکا سبب پوچھا تو شہربانو نے جواب دیا:۔

زن و شو کا ایک دوسری کی خاطر کا لحاظ۔

"شیرین کی خوش چشمی کی تعریف سے مین آپ کا میلان طبیعت سمجھی۔ مین نے اُسے آپکو بخش دیا"

حسین ہنسے اور فرمایا:۔

"اگر تمہارا یہ خیال ہے تو مین نے اُسے راہ خدا مین آزاد کردیا"

تھوڑی دیر کے بعد شیرین عمدہ لباس اور زیورات مین نظر آئی تو حسین نے پھر پوچھا:۔

"شہربانو تمنے بہت سی کنیزین آزاد کین لیکن کسیکو اِس تکلف سے آراستہ نہین کیا تھا"

شاہ زمان نے جواب دیا:۔

"اِسوجہ سے کہ وہ میری آزاد کی ہوئی تھین اور شیرین کو آپ نے آزاد کیا ہے۔ مجھ مین اور آپ مین امتیاز ہونا چاہئے"

شیرین کنیزی کو آزادی پر ترجیح دیتی ہے۔

اگرچہ شیرین کو آزادی کا خوشگوار حکم سُنا دیا گیا لیکن اِس نے خاندان رسالت کی کنیزی کو آزادی پر ترجیح دی اور اِس گھر سے اُسوقت تک اپنا تعلق قطع نہین کیا جب تک کہ ہم ایک اندوہناک واقعے قریب نہ پہونچین۔

خلیفہ ثانی اور حسنین کی نسبی عظمت

خلیفہ ثانی کے زمانہ کے واقعات مین صاحب سیرۃ الفاروق۔ ازالۃ الخفا باب گنت سے نقل کرتا ہے کہ "ایک دن مال غنیمت تقسیم کرنے لگے تو امام حسن سے شروع کیا اور اُنکو ہزار درہم دیئے پھر امام حسین کو بھی ہزار درہم دیئے۔ جب اُنکے بیٹے عبداللہ کی باری آئی تو پانچ سو درہم اُنکو دینے کو کہا اُنھون نے کہا یا امیر المومنین مین توی آدمی اور جب نے رسول اللہ کے سامنے تلوارین مارین ہین امام حسن اور امام

حسین دو لڑکے ہین جو مدینہ کی گلیون مین کھیلتے پھرتے ہے اُن کو ہزار ہزار درہم دیا گیا اور مجھکو پانچسو یہ میرے حق سے کم تہا - حضرت عمر جوش مین آئے اور فرمانے لگے کہ جا تو بھی اُنکے باپ جیسا باب اُنکی مان جیسی مان اور اُنکے نانا جیسے نانا اور اُنکی نانی جیسی نانی اُنکے چچا جیسا چچا اُنکے مامون جیسے مامون اور اُنکی خالہ جیسی خالہ لے آجس کو نہین لاسکے گا - تجھے معلوم نہین کہ اُنکا باب علی مرتضیٰ اُنکی مان فاطمہ زہرا اُنکے نانا محمد مصطفےٰ اُنکی نانی خدیجہ کبریٰ اُنکا چچا جعفر ابن ابیطالب طیار - اُنکا مامون ابراہیم بن رسول اللہ اور اُنکی خالہ ام کلثوم اور رقیہ رسول اللہ کی بیٹیان ہین - عبداللہ یہ سنکر خاموش ہوگئے ؎

"اسی طرح ایک دن امام حسن یا امام حسین گئے اور دیکہا کہ عبداللہ اپنے بیٹے کو اسوقت اندر نہین بلایا تو وہ لوٹ گئے - حضرت عمر کو جب معلوم ہوا تو آدمی بہیج کر اُنکو بلایا اور کہا کہ ای میرے بھائی کے بیٹے تم کیون لوٹ گئے کیا میرے سر کے بال تمہارے ہی اُگائے ہوئے نہین ہین؟" اور ایسے ہی ایک موقع پر یہ کہا ہے کہ "ہماری بزرگی تو خدا کے بعد تمہین سے ہے"

خلیفہ ثانی اور خاندان رسالت کے احسانات کا اعتراف

ابن الخطاب کے زمانہ کے واقعات مین سے ایک یہ ہے جسے مولوی شبلی صاحب الفارق مین بیان کرتے ہین :-

"حضرت عمر کے نسبت لوگون کا بیان ہے کہ وہ قرابت داران پیغمبر کو مطلقاً خمس کا حقدار نہین سمجھتے ہے چنانچہ اُنھون نے اہلبیت کو کبھی خمس مین سے حصہ نہین دیا" ذوالقربیٰ کے حق کے لحاظ سے یہ کہتے ہوئے کہ ساتھ دینے کی وجہ سے مصلحت تھی کہ حصہ مقرر کیا جاتا - آگے بڑھکر لکھتے ہین کہ "لیکن یہ قرار دینا کہ قیامت تک اُنکے قرابت دارون کے لئے پانچوان حصہ مقرر کر دیا ہے اور گو اُنکی نسل مین کسی قدر ترقی ہو اور گو وہ کتنی ہی دولتمند اور غنی ہو جائین تاہم یہ رقم ہمیشہ ملتی رہیگی ایسا قاعدہ ہے جو اصول تمدن کے بالکل خلاف ہے - اگر کوئی بانی شریعت ایسا کریگا تو اُسمین اور خود غرض برہمنو نین کیا فرق ہوگا" اور اسکے بعد اگرچہ یہ آیت لکھی ہے کہ "واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل" لیکن پھر انہین یہ اجتہاد ہی کرنا پڑا ہے کہ "یہ تمام احکام نقد و اسباب سے متعلق تہے زمین اور جائداد کے لئے کوئی قاعدہ نہین قرار پایا تہا"

خلیفہ ثانی نے کبھی اہلبیت کو خمس نہین دیا

صاحب مناہج نے یمن مین قبیلہ ہمدان کے اسلام لانے اور جناب امیر کی ایک کنیز اپنے حق مین لینے اور بریدہ کے اعتراض پر جناب امیر سے جواب دلوایا ہے کہ "نہین دیکھتا تو اس جاریہ کے تئین کہ پایا ہے خمس مین

آئی ہے اسواسطے مین نے اُس سے نزدیکی کی گویا حضرت علی نے حضرت سے اذن پایا ہی تہا خمس کی قسمت کا اور ذوی القربیٰ کو اُسمین حصہ ہے۔ بریدہ کو اس سے خاطرخواہ تسکین نہ ہوئی اور انہون نے جناب رسالتمآب کے سامنے واقعہ بیان کیا اور آپ نے فرمایا کہ "اے بریدہ حصہ علی کا اِس خمس سے زیادہ استحقاق تہا"۔

خمس مین ذوی القربیٰ کا حصہ

اصول خمس کے متعلق سوال یہ نہین ہے کہ ابن الخطاب بنی ہاشم کو حقدار سمجھتے یا نہ تھے یا یہ کہ ایسے توہمات کی گنجایش ہو کہ "گو انکی نسل مین کسی قدر ترقی ہو اور گو وہ کتنی ہی دولتمند اور غنی ہو جائین تاہم یہ رقم ہمیشہ ملتی رہیگی"۔ بلکہ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہدایت نامہ مسلمین نے کیا حکم دیا تہا اور رسول کا طرز عمل کیا تہا۔ اسکے بعد یہ سمجہنا ہوگا کہ ابن الخطاب کا طریقہ کیا تہا اور اسکی کیا وجہ ہوسکتی تہی۔

مسئلہ خمس کا سباق اور سیاق۔

آیہ قرآنی متذکرہ خمس سے جواز خمس مین کوئی شبہہ باقی نہین رہتا۔ رسول کا طرز عمل کہ آنحضرت نے بنی ہاشم کو خمس خیبر سے عطا فرمایا مزید تائید ہے۔ جیسے جبیر ابن مطعم اور ابن عفان کے اعتراض نے اور صاف کردیا اور پھر جناب امیر کا یمن مین طرز عمل مسئلہ خمس کی ایک طے شدہ شان رکھتا ہے جسے بریدہ کے اعتراض پر رسول کا جواب ہمیشہ کے لئے صاف کردیتا ہے۔ بعد رحلت رسول حضرت سیدہ کا بقیہ خمس خیبر مین سے اپنا حصہ طلب کرنا قایم شدہ حق کا اظہار یقینی تہا۔ کوئی عجب نہین ہے اگر ابوبکر نے دینے سے انکار کیا اور کوئی حیرت نہین ہے اگر ابوبکر کے جانشین نے بھی اپنے پیشرو کی مصلحت پر عمل کیا حقیقت مین فدک اور خمس مسئلہ خلافت کی دو چھوٹی شکلین ہین۔ قابل مولف الفاروق نے بنی ہاشم کی محرومیت اور ابن الخطاب کی مصلحت کی حمایت مین مبالغہ نہ کیا ہوتا اگر انہین یاد رہتا کہ اگرچہ وہ "قیامت تک" اور "نسل کی ترقی" کی بنیاد پر اصول خمس کے مخالفت کررہے ہین۔ لیکن حقیقت مین وہ لوگ جنکی مصلحت کی حمایت کی جارہی ہے خود سے ایسی مصلحت کی بنیاد ڈالنے عباس کے پاس گئے تہے کہ "انکی اولاد کا بھی حصہ قرار دین۔ اِس لئے کہ یہ حجت ہوگی علی اور بنی ہاشم پر جبکہ عباس ساتہہ ہونگے"۔ مجھے اسپر بھی حیرت نہ ہوگی اگر اسکے بعد بھی خلفا کے تصفیہ کی حمایت کیجائے در انحالیکہ وہ نسلاً بعد نسلٍ کا مولف الفاروق کے نزدیک قابل اعتراض اصول جاری کرنے گئے تہے۔ بحث تو اِس سے ہے کہ بنی ہاشم کو حقوق کی طرف سے کسی طرح آنکھ جھپک جائے اسکے بعد یہ سوچنے کی بھی ضرورت نہین ہے کہ ابوبکر اور عمر تو اسلئے بیت المال کو رقیق بنا دین کہ ایک شخص کی زبردست آڑ سے یہ خلافت پر قایم رہتے ہین اور رسول کو یہ حق حاصل نہ ہو کہ وہ اُنکے لئے وظیفہ مقرر کردین جنہون نے شیوع اسلام۔ وقار اسلام کی محافظت لوجہ

فدک اور خمس مسئلہ خلافت کی دو چھوٹی شکلین ہین۔

مولف الفاروق ایسے اصول کی ترمیم چاہتا ہے جسے عمر اور ابوبکر نے بھی جاری کیا۔

رسول کو وہ حق حاصل نہ تھا جو خلفا کو تہا!

رسول پر جان نثاری مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کیا۔ اور جو اس وقت محافظ رہتے تھے اور اپنے خون بہاتے تھے جس وقت دلیل لانیوالون کے دوست جان بہی توجہان ہے ۔ پر عمل کرتے تھے۔

تمدن کا ایک ہیبتناک اصول

مین ایسے اصول تمدن کہون یا تمدن کش اصول کہ اگر کوئی دولتمند اور غنی ہو جائے تو اُسے اُس کا حق نہ ملے۔ حالانکہ خدا نہ کردہ بنی ہاشم مین کوئی اسلامی تاریخ کی مفہوم مین "غنی" نہ تہا۔ یہ بہی صاف امر ہے کہ کسی دولتمند کے ذرایع آمدنی کا باقی رہنا اُسے مالی انحطاط یا زوال سے بچاتا ہے اور حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ وہ لوگون کے تمول کو باقی رکہے بلکہ اسمین ترقی دیتی جائے جس سے نہ صرف حکومت بلکہ جماعت کے کچہہ افراد کو بہی مدد ملتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ کسی ہمدرد حکومت کا یہ فرض ہوتا ہے کہ کسی جگہہ مالی مرکزیت سے ایسی حالتین نہ پیدا ہو جائین جس سے اوسط یا پست درجہ کی حالت کو اور پست ہوتے جانے کا خوف ہو۔ تصفیہ کو اُس وقت سے تعلق تہا قیامت سے نہ تہا۔ کوئی مدبر قیامت کا ذمہ دار نہین ہے بلکہ اپنے وقت کی مصلحت اور اُسکے اثر کا۔

اصول خمس سے انکار کرنے کے وقت بنی ہاشم کے تمول کی حالت ایسی نہ تہی جس سے یہ اندیشہ ہو کہ اُنکے کچہہ ذرائع بند کئے جائین ورنہ اُنہین عامہ ناس پر غیر مفید مالی تفوق حاصل ہو جائیگی بلکہ بنی ہاشم کی یہ حالت ظاہر تہی کہ اُنہون نے حیات رسول مین اپنے ہادی کی تقلید سے زندگی کی نہایت ضروری چیزون کے تلطف سے بہی کمال ایثار سے اپنے کو محروم رکہا تہا۔ انقلاب اختیار نے اب اُنکی حالت ایسی پہونچا دی تہی کہ جناب امیر اپنے دیوان مین یہ فرما سکتے کہ "مین نے ہر سختی پر غلبہ چاہا اور مین اُسپر غالب ہوا اور جب فقر نے مجہپر غلبہ کیا تو غالب ہوگیا اگر ظاہر کرتا ہون تو رسوائی ہے اور اگر نہین ظاہر کرتا تو مارے ڈالتا ہے" صحیح ہے کہ اس شعر کا وقت نہین معلوم ہے لیکن یہہ سوچنا سہل ترین امر ہے کہ کوئی دوسرا زمانہ رحلت رسول کے بعد کے سوا نہین ہو سکتا تہا۔ اور حضرت سیدۃ النسا کے اِس فقرہ کا تو وقت بہی معلوم ہے کہ "میرے فرزندون کے قوت و معیشت کو لے لیا ہے"!

بنی ہاشم کو خمس کا حقدار نہ سمجہنے کی غرض

اب مین کیا سوچ سکتا ہون بجز اسکے کہ بنی ہاشم کا ایک مخصوص حق جو اُنکے مخلصانہ جانبازی کا اعتراف یا تائید کا صلہ تہا وہ اِن سے نہ صرف اِس لئے لیلیا گیا کہ اُنکا یہ جائز امتیاز چہین لیا جائے اور

انہین اس صورت مین ہر درجہ کے مسلمان کے برابر کردین عام اس سے کہ اُس سے برائے نام خدمت بہی اسلام کے متعلق سرزد نہ ہوئی ہو بلکہ اس لیئے بہی کہ یا بنی ہاشم ہمارے دستنگر رہین اور یا افلاس اور اُسکے لازمی تنگی اور بے اثری مین بسر کرین۔

اُصول خمس کو بنی ہاشم پر نافذ نہ سمجہنا رسول کے شہنشاہانہ حقوق کا انکار تہا۔ رسول کی پسند کا انکار تہا۔ اور بنی ہاشم کے اُن حقوق کا انکار تہا جنہین اُنہون نے اپنے خون اور اعتبار اور خدمت سے حاصل کیا تہا۔ کیا عجب ہے کہ اس سے انکار نہ کیا جاتا اگر خمس کا تعلق بنی ہاشم یا خلافت کے فطری حقداروں سے نہ ہوتا۔ حکومت کی تبدیل ہئیت نے اس مسئلہ کی صورت بہی اس طرح بدلنی چاہی تہی جو تغیر کے موافق ہو سکے جسکے ذریعہ اسلامی جانباز اپنے حق کی محرومیت سے یہ سمجہائے جائین کہ اب آئندہ کے لئے تم اپنے کو بے تعلق سمجہو ہم اپنے محافظ بنا لین گے۔ ایک دوسری ضمنی بات کو بہی مولوی شبلی صاحب نے ظاہر کیا ہے جسمین واقع ذاتی رائے کے ساتہہ بھینٹ دیا گیا ہے۔

واقعہ رائے اور دلیل کا اختلاط

وہ فرماتے ہین :- "بنو ہاشم کو جو عہدے نہین دیئے اُسکی بڑی وجہ یہ تہی کہ اُنکو خوف تہا کہ بنو ہاشم چونکہ خمس مین اپنا حصہ ایک شرعی حق سمجہتے ہین اس لیئے باوجود دولتمند ہو جانیکے خمس مین سے حصے لین گے حالانکہ عمر کے نزدیک خمس کے مصارف امام وقت کی رائے پر منحصر ہین"۔ اسمین واقعہ صرف اس قدر ہے کہ عمر نے بنو ہاشم کو عہدے نہین دیئے۔ اسکے بعد یہ فقرات کہ "باوجود دولتمند ہو جانیکے" اور "امام وقت کی رائے پر منحصر ہین"۔ یہ اپنی صورت مین ویسی ہی بانغ دلیلین نہین ہین جیسی واقعہ خمس مین پیش کیگئی تہین۔

کیون بنی ہاشم کو عہدے نہین دیئے گئے۔

بنی ہاشم کو عہدے دینا یا نہ دینا بہی حضرت عمر کے زمانہ کی کوئی مخصوص مصلحت نہ تہی بلکہ اسکی ابتدا ابوبکر کے زمانہ سے ہو چکی تہی اور جو وجوہات اُنکے زمانہ مین انہین علیحدہ رکہنے کے تہے اس وقت اگرچہ اُنمین ویسی قوت باقی نہ تہی اور کسی قدر اسباب بہی مختلف تہے تاہم اصل مصلحت مین فرق نہ تہا کہ بنی ہاشم کو کسی گروہ سے نہ کہ مسلح گروہ سے ملنے نہ دو جس سے اُنہین اپنا اثر ڈالنے کا موقع ملے اور خلافت اُنکی تلوار کے سایہ مین تہراتی رہی حالانکہ یہ بات ہی دوسری ہے کہ بنی ہاشم کوئی ایسی شورش پسند کرتے یا نہ کرتے اور ایسے عہدے قبول کرتے یا نہ کرتے جس مین اُنہین ابوبکر اور عمر کی تاویل کا محکوم رہنا پڑتا۔

حکومت کا یہ خوف اور دلیل کس قدر مضحک ہوگی کہ چونکہ کوئی اپنے کو خمس کا شرعی حقدار سمجھتا ہو اور وہ اپنا یہ حق لے لیگا اِس پر حکومت اُسے کوئی عہدہ نہین دیتی - عہدہ دار کا یہ فعل محکومانہ کاہی کو ہوتا اپنے آزادانہ اختیار کا نفاذ ہوتا اور کسی ایک یا چند کے ایسا کرنے کو حکومت منع نہ کرسکتی - بجز اس صورت کے جسمین حکومت کو اسکا یقین ہوتا کہ ہمارا روکنا ایک قائم شدہ قانون کی خلاف ورزی ہوگی اور جمہور کی راے ہمارے خلاف ہوجائیگی - بہتر ہوگا کہ اِسکا موقع ہی نہ آنے دو -

مکالمہ جس سے گذشتہ اور موجودہ مصلحت سمجھ مین آتی ہے

اب مین ایک خوش مزہ مکالمہ کو قریب پہونچ گیا ہون جس سے یہ امر اچھی طرح واضح ہوجائیگا کہ بنی ہاشم کے محرومیت کیلئے کونسی قوتین متحرک تھین - اسمین یہ بھی دیکھنے کی بات ہوگی کہ ابن الخطاب اپنے پیشرو کے مصحف کی تائید کرتے ہین جو کسی طرح حیرت خیز نہین ہے - قریش کی اِن کارروائیون کا خلیفہ کی زبان سے [illegible] ایک مفید نتیجہ دیرینہ جسکی نوعیت کہتی ہے کہ راز اُس وقت ظاہر کیا گیا جبکہ وہ تجویز کے درجہ سے نکل کر پوری طرح عملی صورت مین آگیا اور صاحب اختیار کو ان خیالات کے ظاہر کردینے مین اب کوئی تردد نہ ہوا - مکالمہ شروع اِس طرح ہوا کہ کسی شاعر نے کچھ اشعار پڑھے جنھین سُنکر عمر نے کہا بخدا کی قسم مین جہانتک جانتا ہون اِن اشعار کا مصداق اولی بجز بنی ہاشم کے کوئی دوسرا نہین ہوسکتا" ابن عباس موجود تھے انہون یہ سنکر کہا کہ "تمنے اِس سمجھ مین توفیق پائی"

اسکے بعد مکالمہ یہ ہے۔

عمر - ابن عباس کچھ جانتے ہو کہ تمہاری قوم نے تملوگون کو کیون محروم رکھا ؟

ابن عباس - اگر ہم نہین جانتے تو امیر المومنین تبلائینگے -

عمر - تمہاری قوم نے نچاہا کہ نبوت وخلافت دونون تمہارے خاندان مین رہین جس سے تم اپنی قوم پر فخر ومباہات کرو لہٰذا قریش نے خلافت کو اپنے ہاتھہ مین لیا اور اپنی طرف سے خلیفہ بنایا - اِس کارروائی مین قریش صواب پر رہین اور نیک توفیق پائی -

ابن عباس - اے امیر المومنین اگر آپ اجازت دین اور غصہ نہ فرمائین تو مین کچھ کہون ؟

عمر - کہو -

ابن عباس - امیر المومنین کا یہ کہنا کہ قریش نے خلافت اپنے ہاتھہ مین لی ہے - اور یہ اختیار خود خلیفہ مقرر کرلینے مین نیک توفیق پائی ہے - اور اچھا کیا اگر مطابق حکم واختیار

خدا ایسا کرتے تو بیشک ثواب پاتے اور کوئی انپر رد کرتا۔ باقی یہ کہ قریش نے ہم مین نبوت وخلافت کے جمع ہونے سے کراہت کی تو خدا ایک قوم کی کراہت کے بارہ مین کہتا ہے:" اور یہ سبب اسکے ہے کہ انہون نے کراہت کی اُس چیز سے جسکو نازل کیا خدا نے۔ بس خبط کر دیا خدا نے اُنکے اعمال کو"۔

عمر۔ ہیہات ہیہات۔ افسوس افسوس۔ اے ابن عباس ضرور مجھکو تمہاری بہت سی باتونکی خبرین پہونچی تہین جنکو اِس وجہ سے تمسے نہ دہرایا کہ اُس کے اقرار سے تمہارا مرتبہ میری نزدیک زائل ہو جائیگا۔

ابن عباس۔ اے امیر المومنین تبلائیے وہ کونسی باتین ہین اگر حق ہین تو ضرور میری منزلت گھٹنی چاہئے۔ اگر باطل خبرین پہونچی ہین تو مین اپنی برأت ثابت کر دونگا۔

عمر۔ مین نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ خلافت ہلوگونسے ازراہ بغاوت وحسد وظلم چھین گئی ہ

ابن عباس۔ ظلم کا حال تو جاہل وعالم سبکو معلوم ہے باقی رہا۔ حسد پس حضرت آدم سے حسد کیا گیا اور ہملوگ اُنھین کی اولاد ہین اور ہم سے لوگ حسد کرتے ہین۔

عمر۔ ہیہات ہیہات۔ اے ابن عباس تملوگ بنی ہاشم کے دل نے بجز حسد کے سب باتون سے انکار کیا۔

ابن عباس۔ بس بس۔ اے امیر المومنین جس قوم کے دلونکی تعریف خدا نے اذهب الله عنکم الرجس ویطهرکم تطهیرا سے فرمائی ہے حسد اور کھوٹے پن سے اُنکی طرف حسد اور غش کی نسبت نہ کرو۔ حضرت رسول کا دل بہی اُنہین بنی ہاشم سے ہے۔

عمر۔ تم میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔

ابن عباس۔ بہت خوب۔ جب اُٹھنے لگے۔

عمر۔ اے ابن عباس ٹھہر جاؤ۔ خدا کی قسم مین تمہارے حقوق کی رعایت کرتا ہون اور تمہاری خوشی کو دوست رکھتا ہون۔

ابن عباس۔ اے امیر المومنین ضرور میرا حق تمپر ہے اور ہر مسلمان پر جس نے اسکی حفاظت کی وہ نصیب کو پہونچا اور جس نے ضائع کیا اُسنے اپنا نصیب کھویا۔

مولوی شبلی صاحب نے الفاروق مین جو مکالمہ لکھا ہے اُسمین عمر کی زبانی جواب اسکا اِس قدر لکھا زیادہ ہے کہ

"شاید تم کہوگے کہ حضرت ابوبکر نے تمکو خلافت سے محروم کیا لیکن خدا کی قسم یہ بات نہین۔ ابوبکر نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب نہین ہوسکتا تہا۔ اگر وہ تمکو خلافت دینا ہی چاہتے تو انکا ایسا کرنا تمہارے لئے کچھہ مفید نہ ہوتا"

مکالمہ کے متعلق مؤلف الفاروق کا استنباط اور ریمارک۔

اِس مکالمہ سے زیادہ تکلف ربنما مؤلف الفاروق کا یہ ریمارک ہے کہ "ان مکالمات سے علاوہ اصل واقعہ کے تم اِسکا بہی اندازہ کرسکوگے کہ حضرت عمر کے مبارک عہد مین لوگ کس دلیری اور بیباکی سے اپنے خیالات ظاہر کرتے تہے اور زیادہ اِس وجہ سے کہ حضرت عمر آزادی اور حق گوئی کو قوم مین پہیلانا چاہتے تہے"! اگر امیر شام کو ایسے لوگ فخر کے لئے مل سکتے تہے جو حُجّل اور منافقہ مین تمیز نہ کرسکتے تو مولفین کو ایسے پڑہنے والون کا ملجانا عجب خیز نہین ہے جو مکالمہ پر نظر کرینگے بعد بہی اِس نتیجہ اور ریمارک کو قبول کرلین جو پیش کیا گیا ہے۔

قوم کو بنی ہاشم کے فخر ومباہات سے کیون عداوت تہی۔

مکالمہ۔ اُسکا مفہوم۔ انداز اور اُسکی پیچیدار تلخی اِس قدر واضح ہے جسکی شرح کی کوئی ضرورت نہین ہے۔ اِس سے زیادہ اور کیا صاف بات ہوگی کہ "تمہاری قوم نے نہ چاہا کہ نبوت و خلافت دونون تمہارے خاندان مین رہین جس سے تم اپنی قوم پر فخر و مباہات کرو"۔ اِسمین سوال کی جس قدر بات ہے وہ یہی ہے کہ قوم کو انکے فخر و مباہات سے عداوت کی کیا وجہ تہی اور وہ کیون انکے احسانات کے معاوضہ مین ایسی اُلٹی بات پر آمادہ ہوگئی کہ دوسرا فخر و مباہات کے موقع پر ہو تو ہو لیکن یہ نہ رہین۔ اور خلیفہ خود ان لفظون مین رائے دیتے ہین کہ "اس کارروائی مین قریش صواب پر ہین اور نیک توفیق پائی" اسمین تھوڑا یا بہت جس قدر مین ہو تدبیر صرف اس قدر ہے کہ خلیفہ "قوم" کا لفظ استعمال کرتے ہین حالانکہ یہ صاف ترین امر ہے کہ وہ کون لوگ تہے جو اس کارروائی (بنی ہاشم کو فخر و مباہات کے درجہ پر رہنے نہ دینے) کے محرک تہے۔ جنہون نے بعید ہی ہوئی ناک والے قریش کو اپنے ہاتھ مین لے لینے کا موقع پایا۔ اِن کارروائیون میں ابن عباس قریش کے نفس کی صحیح شرح کرتے ہین جہان کہتے مین کہ "ہم سے لوگ حسد کرتے ہین"۔

خلیفہ کی رائے۔

تدبر کی مقدار۔

ابن عباس کی شرح

بنی ہاشم مین یاس پیدا کیگئی تہی۔

اگرچہ یہ مکالمہ اتفاقاً شروع ہوگیا لیکن میرے خیال مین ابن عباس کے لئے نیا ہو تو ہو لیکن کسی طرح ابن الخطاب کے لئے نیا نہ تہا۔ اِس لئے کہ اسکے اکثر مضمون وہی تہے جسے کہنے کے لئے عباس کے پاس گئے تہے۔ اور ایک حد تک تصفیہ کی بحث ہوچکی تہی۔ آج اگر یہ کہا گیا تہا کہ تمہاری قوم نے نہ چاہا کہ

خلافت اور نبوت دونون تمہارے خاندان مین رہین اور وجہ یہ بتائی تہی کہ جس سے تم اپنی قوم پر فخر و مباہات نہ کرو تو پہلے یہ کہہ چکے تہے کہ "اگرچہ لوگون نے تمہاری اور تمہارے اصحاب کی منزلت سمجھی لیکن اس امر خلافت کو تم سے پھیر دیا" اور غرض یہ تہی کہ تم ہمارا ساتھہ دو اور ہمارا پیشکش قبول کرلو۔

عباس کے پاس جو سیاسی وفد گیا تہا اُسے کوئی تقریری کامیابی نہ ہوئی ابن عباس سے جو مکالمہ ہوا اُسمین حسد۔ ظلم۔ بغاوت اور حبط اعمال وغیرہ کے ایسے گہرے الزامات کا یہ جواب تہا کہ "خدا کی قسم مین تمہارے حقوق کی رعایت کرتا ہون اور تمہاری خوشی کو دوست رکھتا ہون"۔ اور ابن عباس اس محبت نما دعا کو بہی اپنے حق کے وقار سے ہٹا دیتے ہین۔ مین نظر انداز نہین کر سکتا کہ حضرت عمر کا کرخت لہجہ اُس وقت ملین ہو جاتا ہے جب ابن عباس اُٹھنے لگتے ہین۔

چند اور واقعات

چند واقعات مجہے اور لکہنے ہین جنکے من حیث الواقعہ ہونے سے کسی کو انکار نہین ہے لیکن متکلمین اور مورخین دونون کو اُنمین ایسا حل معلوم ہوا ہے جنکی غرض سمجہانے کے لیے اُنھون نے کوششین کی ہین - وہ یہ ہین :۔

شعائر اللہ کی تعظیم

مولوی شبلی صاحب فرماتے "اسلام کا ایک اصول شعائر اللہ کی تعظیم ہے۔ اِسی بنیاد پر کعبہ اور حجر اسود وغیرہ کے احترام کا حکم ہے لیکن اِسکی صورت صنم پرستی سے بہت کچہہ ملتی جلتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب مین اِس اصول سے رفتہ رفتہ صنم پرستی قایم ہو گئی - حضرت عمر نے

خلیفہ ثانی اور حجر اسود

مختلف موقعون پر لوگون کو اِس غلطی مین پڑنے سے باز رکھا۔ ایک بار حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر علانیہ کہا مین جانتا ہون کہ تو ایک پتھر ہے نہ فائدہ پہونچا سکتا ہے نہ نقصان "۔

ابن خلدون کہتا ہے :۔ "ایک دفعہ حج کرنے کو آئے طواف کیا اور حجر اسود کو بوسہ دیکر سامنے کھڑے ہو کر کہدیا مین جانتا ہون کہ تو ایک پتھر ہے نہ فائدہ پہونچا سکتا ہے نہ نقصان لیکن چونکہ آنحضرت (صلعم) کو مین نے استلام کرتے ہوئے دیکھا ہے اسوجہ سے مین بہی کرتا ہون۔

محدثین نے اِس خیال سے کہ عمر فاروق کے دامن عزت پر اِس قول سے یہ بدنما دھبہ لگ جائیگا کہ اُنھون نے شعائر اللہ کی اہانت کی جہان عمر فاروق کا قول نقل کیا ہے وہان اِس قدر اور اضافہ کر دیا ہے کہ علی ابن ابیطالب نے انکو اِس کہنے سے روکا تھا اور ثابت کر دیا تہا کہ حجر اسود نفع و نقصان

پہونچا سکتا ہے کیونکہ قیامت مین وہ شہادت دیگا۔ لیکن ناقدین فن حدیث نے اِس اضافہ کو غلط اور بے بنیاد تسلیم کیا ہے۔"

کیا شعائر اللہ کی تعظیم صورۃً صنم پرستی سے ملتی جُلتی ہے؟

مؤلف الفاروق نے غالباً بہت احتیاط کی ہے کہ "ملتی جُلتی" کا لفظ استعمال کر دیا ہے۔ حالانکہ اسکی افتاد قطعاً "صنم پرستی" سمجھانے مین تعقیہ نہین کرتی۔ خصوصاً ایسی حالت مین کہ کسی مؤلف کی کتاب کا ہیرو اُسکے تمام دلائل کا مرکز اور وینچ ہو۔ مجھے سوچنے کی ضرورت نہین ہے کہ کسنے اپنے ہیرو کے انتخاب مین غلطی کی ہے لیکن غالباً فردوسی نے اپنے سنم کردہ ام رستم داستان۔ ولے رستے بود در سیستان والے شعر کو اپنے ہی لئے بینٹ نہین کرالیا تھا۔ مین جو کچھ سُوجھ رہا ہون وہ کہنے دا اور شرح کرنے والے کے متعلق یہ خیال ہو کہ "صنم پرستی" سے وہ کیا سمجھے ہین۔ مین حقیقتاً یہ نہین چاہتا تھا کہ وہ سُقراط کی طرح اشیا کی تعریفین گڑھنے بیٹھین۔ لیکن مین ایسے تعریف اشیا کے خزانہ کے لئے ایک رقم کا اضافہ سمجھتا اگر قابل صنّاع نے حضرت عمر کی زبانی کسی شرح کی ناموجودگی مین خلق کو "صنم پرستی سے ملتی جُلتی صورت" کے سمجھانے کی کوئی کوشش کی ہوتی۔

موحدین اور صنم پرستی

موحدین صنم پرستی سے کیا مراد لیتے ہین جو یہ کہ صنم پرست اپنی صنعتون کو وہ قوتین حوالہ کرتے ہین جو موحدین خدا کے لئے سمجھتے ہین اور اِس طرح ان مورتون کی پرستش سے بجائے خالق کے مخلوقات کی پرستش ہونے لگتی ہے۔ یہی حالت اُس زمانہ کی بہی تہی جسمین دریا۔ پہاڑ۔ آگ۔ اور طوفان وغیرہ کی پرستش ہوتی تہی۔ جسمین لوگ اگرچہ ان مین سے کسی شئے کو قادر مطلق نہین سمجھتے لیکن خدا کی کسی نہ کسی قوت کا اوتار سمجھتے تہے۔ اب کیا مسلمان کعبہ یا حجر اسود کو اُس وقت سے آجتک کوئی خدائی اعتقاد حوالہ کرتے ہین جو نہین۔

بُت پرستی کی ایک یہ شاخ حقیقتاً متذکرہ صدر مفہوم مین نہ ہوتی اگر یہ کہا جاتا کہ چونکہ ہم نے خدا کو کبھی نہین دیکھا ہے اور ہم ایک ایسی چیز کے مرکز پرستش بنانے کو دشوار سمجھتے ہین جسے ہمنے دیکھا نہین ہو اگرچہ ہم اسکے وجود کا انکار نہین کرسکتے لہذا ہمنے مرکزیت کے لئے ایک صورت بنائی ہے جسے ہم خدا سمجھتے ہین عام اس سے کہ وہ جسم یا جسمانی ہو یا نہ ہو۔ خیالی حیثیت سے۔ ہم مادے اور صورت کو منفرداً یا مجموعاً بھی خدا نہین سمجھتے بلکہ ہم اسے خدا فرض کرتے ہین۔ یہ صورت خیالی حیثیت سے خداوند تعالیٰ کے سوا چیز قائمقام نہ ہوتی۔ ہمنے نہ خدا کی قوتین گوشت اور خون کو حوالہ کی ہوتین۔ نہ عناصر کی اور نہ کوئی

ایک خدائی قوت کسی ایک کو۔ یہ پہلے بڑے مفہوم مین بُت پرستی نہ ہوتی بلکہ اس مفہوم مین کہ تمنے خدا کا خیالی بُت بنایا۔ لیکن چونکہ موحدین۔ مسلمین اور فیلسوفین کے نزدیک خدا اس سے بالاتر ہے کہ کسی خیال اور صورت کے اندر آسکے اِس لئے اس دوسری صورت کی خدا کی بُت پرستی عرضی صورتگری کے لحاظ سے قابل اعتراض ہوتی نہ اس لحاظ سے کہ تمنے شرک کیا یا دوسری چیزون کو خدا کی عبادت مین شریک کیا پھربھی یہ دوسری صورت لطافت توحید کے اندر نہ آسکتی جنمین صورتگری تو دور از حال یہ بھی دور ہے کہ اُسکی صفت زائد از ذات سمجھی جائے اور مزید غلطی یہ ہو کہ باوجود اِس ادعا کے کہ ہم مادہ اور اُسکی صورت کو مجموعاً یا منفرداً خدا نہیں سمجھتے بلکہ فرض کرتے ہین پھر بھی اِس خیال کی غیر مرئی یا ظاہر صورت یہ ہے کہ ہم خدا کی پیدا کی ہوئی کسی شے یا اپنی صنعت کے نمونہ کو خدا کی عبادت کا مرکز قرار دیتے ہین۔ اور باوجود ادعائے بے تعلقی وہ سے عبادت کے خیال کے اندر شامل ہوجاتی ہو۔ پس اگرچہ ہمارا ارادہ غیر خدا کی پرستش کا نہ بھی ہو تاہم عملاً ایسی چیز کی پرستش ہوتی ہے جو خدا نہین ہو۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسلمین کعبہ و حجر اسود کو اس دوسری صورت کے کسی مفہوم مین سمجھتے تہے یا سمجھتے ہین یا نہین۔

تاریخی صورت

اب تاریخی اور مذہبی صورت کی طرف توجہ کرو۔ "تب خداوند نے ابرام (ابراہیم) کو دیکھلائی دیکے کہا کہ یہی ملک مین تیری نسل کو دونگا اور اُس نے وہان خداوند کے لئے جو اُسپر ظاہر ہوا ایک قربان گاہ بنائی اور وہان سے روانہ ہوکے اُسنے بیت ایل کے پورب کے ایک پہاڑ کے پاس اپنا ڈیرا کھڑا کیا۔ بیت ایل اُسکے پچہم اور عئی اسکے پورب تہا اور وہان اُسنے خدا کے لئے ایک قربان گاہ بنائی اور خداوند کا نام لیا" (توریت کتاب پیدایش باب ۱۲۔ آیت ۷ و ۸)

"اور اگر تو (موسیٰ) میرے لئے پتھر کی قربان گاہ بنائے تو تراشے ہوئے پتھر کی مت بنائیو کیونکہ اگر تو اُسے اوزار لگائیگا تو تو اُسے ناپاک کریگا" (توریت کتاب خروج باب ۲۰۔ آیت ۲۵) کون نہین جانتا جسنے توریت پڑہی ہے کہ حضرت ابراہیم۔ یعقوب اور اسحٰق کسی پتھر کو قربانی کے لئے مخصوص کرتے تہے اور چونکہ اُس پتھر سے خدا کی قربانی اور خدا کا نام منسوب رہتا تہا لوگون کو نہ صرف خدا بلکہ مقدس قربانی کرنے والا بھی یاد آجاتا تہا۔ یہانتک کہ حضرت موسیٰ کی کسی حد تک مطمئن حالت نے قوم اسرائیل کے مخصوص قربان گاہ بنائی جسکے علاوہ بنانے کی اجازت نہ ہوئی نہ اس لئے کہ

قربانگاہ بنانا کسی عقیدہ شرک کے لحاظ سے بڑا تہا بلکہ قومی۔ معاشرتی اور سیاسی اغراض سے کہ عدم مرکزیت نہ ہو۔ بعد کے زمانہ مین اسرائیل اور یہود کی حکومتون کی جنگ کے اسباب مین ایک یہی تہا کہ اُنہون نے الگ اپنی قربانگاہ بہی بنالی تہی۔ اُس سے الگ جو موسیٰ اور سلیمان نے بنادی تہی۔ توریت سے بُت پرستی کا جو مفہوم سمجہہ مین آتا ہے وہ یہ ہے کہ پتھر کو لوہا لگاکر کوئی صورت نہ بنائی جائے جو پرستش کے کام یا متعلقات مین لائی جاسکے۔ نہ یہہ کہ بیت المقدس کا ساکوئی گھر نہ بنایا جائے جسمین تعمیری حیثیت سے پتھر وان کے گڑہنے کی ضرورت ہوتی آگے چلکر گوسالہ پرستی کی تردید بتاتی ہے کہ کسی ایک یا چند دہاتون سے کسی جانور کی صورت بہی پرستش کے لئے نہ بنائی جائے۔ اور اسکے بعد بعل زہرہ اور اشتردت کے بتون سے بنی اسرائیل کا باز رکہا جانا یہ بتاتا ہے کہ سیارون اور ایسے ہی قدرت کے نمونون کے بُت بناکر اُنکی پرستش نہ کیجائے۔ کیا حجر اسود کی تعظیمی صورت توریت کے کسی اعتراض کے اندر نہی ہو نہین۔

ہمارا ہدایت نامہ بہی یہ تین باتین پیش کرتا ہے کہ "الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ" (سوا اللہ کے کسی کی عبادت نہ کرین۔ کسی چیز کو اُسکی طاعت مین شریک کرین۔ اور سوائے خدا کے اپنے مین سے کسی کو اپنا خدا نہ بنالین)۔

ظاہر ہے کہ قرآن پاک کو اپنی تیسری صورت کی جو ضرورت محسوس ہوئی تہی وہ اُس غلو کے لحاظ سے جو مسیحیون مین حضرت عیسےٰ کے اپنے متعلق بعض کمی احتیاط کے فقرون سے پیدا ہوگئی تہی۔ جانتے ہےکہ فراعنہ مصر اپنے کو سجدہ کرلتے ہین جس کا متاخرین انبیائے بنی اسرائیل کو اپنے دو فاتحین یعنی اہل بابل اور اہل روم سے بہی تجربہ ہوا۔ قطع نظر اس خیال کے کہ قومون نے جو کم ترقی علمی اور عقلی زمانہ مین تہین اُنھون نے اپنے بعض مشاہیر کی بُت سازی مین جو شروع اُنکی یاد اور وقعت کے لحاظ سے ہو آیندہ یہ ترقی کی کہ اُنھین خدا کا کوئی اوتار سمجہنے لگے۔ بنابرین اِس ضروری امر کو بہی جسکے طرف یہودیت اور مسیحیت مین خاص توجہ نہین دلائی گئی تہی اسلام نے پورا کیا۔ جو کل مافیہ کا متمم تہا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا ہم مسلمان کعبہ یا حجر اسود کی عبادت کرتے ہین۔ ایا ہم اُسے خدا کی عبادت مین شریک کرتے ہین۔ نہین۔ اور تیسری صورت یعنی "اپنے مین سے خدا بنالینے کی" صف

قرآن شریف اور بُت پرستی کی تفسین

انسان کے لئے مختص ہی ہو کعبہ اور حجر اسود کے لئے صادق نہین آسکتی۔ بیت المقدس مین تو یہ بہی جائز رکھا گیا کہ ایک صندوق قانون کی لوحین رکھنے کے لئے بنایا جاتا اور دو فرشتون کی مورتین ہوتین جو اپنے پرون سے صندوق پر سایہ کئے ہوتے۔ کعبہ تو وہ گھر ہے جسمین عبادت کیجاتی ہے نہ کہ جسکی عبادت کی جاتی ہو اور اُس مین حجر اسود ہے جس کا تمام قابل اعتراض احترام مس کرنے اور بوسہ دینے تک محدود رہا اور ہے۔

جسمین نہ کہ جسکی

کارلائل کہتا ہے کہ ڈیوڈورس سیکولس سنہ مسیحی سے نصف صدی قبل کا ذکر کرتا ہے کہ وہ اُسکے زمانہ کا نہایت ہی قدیم اور محترم معبد ہے۔ "بیشمار عبادت کرنیوالون کی آنکھین آج بلکہ ہمیشہ دن مین پانچ مرتبہ اسکی طرف پھرتی ہین۔ انسانی مساکن مین مشہور ترین مرکز ہے"۔

کعبہ کی قدیم تاریخ

حضرت سرور عالم نے کیا کیا اور تیرہ صدیون کے ابتداء سے آج تک مسلمان کیا کرتے رہے۔ منہاج النبوۃ دیکھو کہ حضرت نے "فتح مکہ کے بعد" جب حجر اسود کے برابر پہونچے استلام کیا اُسے یعنی ہاتھ سے مس کیا اور بوسہ دیا اُسکے تئین .... اور بعد استلام حجر سرور عالم نے شروع کیا طواف کرنا"۔ اس کتاب مین حجۃ الوداع کے زمانہ مین ہے کہ "اور حالت استلام یہ کہتے تہے بسم اللہ اللہ اکبر اور کبہی پیشانی اُسپر رکھتے تہے اور اس جگہہ سجدہ کرتے اُسوقت بوسہ دیتے اِسکے بعد" جب صفا کے نزدیک آئے یہ آیہ پڑہا ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ .... پس صفا کے اوپر چڑھے ایسے کہ کعبہ کو دیکھہ سکے ... اور تکبیر کی اور کہا لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیٔ قدیر ..." مسلمانون نے اُسوقت سے آجتک کعبہ اور حجر اسود کو کیا سمجھا۔ نہ انمین سے کسی کو خدا سمجھا۔ نہ خدا کا اوتار سمجھا اور نہ انمین سے کسی کو خدا کی کوئی قوت یا قوتین حوالہ کین۔ کعبہ کو اگر بیت اللہ سمجھا یا بیت الحرام کہا تو حجر اسود کو حجر اسود کہا۔ حج اُس طرح کیا جس طرح اپنے ہادی کو دیکھا تہا یا جس طرح حکم ملا تھا۔

کعبہ اور حجر اسود کی تعظیم کے متعلق ابتدائے اسلام سے آجتک مسلمانون کا کیا طرز عمل رہا۔

مولانا امیرالمومنین اپنے خطبہ قاصعہ مین تعصب اور تکبر سے پرہیز کرنے اور تواضع اور فروتنی اختیار کرنے کی مثالین دیتے ہوئے فرماتے ہین "کیا تم نہین دیکھتے ہو کہ پروردگار عالم نے اپنے بندگان اولین کو ابتدائے حضرت آدم صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ سے لیکر اس عالم موجودہ کے آخرین تک پتھرون کے ساتھہ آزمایا ایسے پتھر جو نہ ضرر پہنچا سکتے تہے نہ نفع دیکھتے سنتے تہے ان پتھرون کو اپنا ایسا بیت الحرام بنایا جسے لوگون کے

فلسفۂ حج اور علی

منفعت کے لئے قرارگاہ اور تکیہ گاہ قرار دیا۔ اور بہ لحاظ پتھر کے قطعات زمین مین سے نہایت ہی سخت
قطعہ۔ بردے کلوخ و زمین خشک و دنیا کے شہرو مین تقریباً ایک ہی شہر۔ سخت پہاڑون۔ ریگ کے
ٹیلون۔ کم آب چشمون اور متفرق قریات کے درمیان اسے ایک نہایت ہی تنگ وادی قرار دیا۔
نہ شتر اسمین پرورش پاکر تر و تازہ اور فربہ ہو سکتے ہین نہ سُمدار حیوان نہ کھرون والے۔ پھر آدم اور
اُسکی اولاد کو حکم دیا کہ قصد اور توجہ کو اسکی طرف مائل کرین۔ پس وہ (بیت الحرام) انلوگون کے
منافع سفر کا مرجع۔ انکے بوجھ اُتار دینے کے مکان کی انتہا ہوگیا۔ منقطع ہوجانے والے سمندرون کے
جزیرون۔ عمیق غارون مین واقع ہونے والے مکانون۔ بے آب وگیاہ اور دور و دراز بیابانون کے
سفر کرتے ہوئے دلون کے میوے اسکی خواہش کرتے ہین۔ حتیٰ کہ نہایت شوق کے ساتھ اطاعت
کی حالت مین اپنے شانون کو حرکت دیتے ہین۔ اسکے اطراف مین خوشنودی خدا کیلئے صدائے
لبیک بلند کرتے ہین۔ خداوند تعالیٰ کے لئے بالون کو پریشان اور غبار آلودہ کئے ہوئے ایسی حالت
مین اپنے پاؤن پر دوڑتے ہین کہ اپنے پیراہنون اور لباسون کو پشت پر ڈال رکھا ہے۔ اپنے بدن کے
حسین مقامات کو بال نہ ترشوانیکے سبب سے زشت اور بدروپ کرلیا ہے اور یہ حکم۔ امتحان عظیم
آزمایش شدید۔ ایک بین جانچ پڑتال اور انتہائی رستگاری کیلئے صادر فرمایا اور اس امتحان و
آزمایش کو اپنی رحمت کے سبب سے جنت تک پہونچ جانیکا سبب اور وسیلہ قرار دیدیا۔ اگر پروردگار
عالم اپنے بیت الحرام اور اپنی عبادت کے بزرگ مقامات کو باغات۔ نہرون۔ نرم اور ہموار زمینون
میوے کے قریب پہونچے ہوئے درختون کے جھنڈ۔ گندم کے دانون سرسبز مرغزارون۔ باغات
والے کشت زارون۔ پانی سے سیراب رہنے والے اطراف۔ تر و تازہ زراعتون۔ اور آباد رستون
کے درمیان واقع ہونے والے قریات مین قائم کرتا۔ تو بیشک اس امتحان کی نرمی کی بنا پر جزا اور
ثواب کی مقدار بھی بالکل قلیل کردیتا۔ وہ بنیاد جن پر بیت الحرام محمول ہے۔ وہ پتھر جنکے سبب سے
بیت اللہ بلند اور رفیع ہے اگر سر سبز زمرد۔ سُرخ سُرخ یاقوت اور نور و روشنی کے درمیان واقع
ہوتے تو بیشک اُسکے سبب سے سینون مین شبہات کے غلبے کو خفیف اور ضعیف۔ ابلیس کی کوششونکو
قلوب سے الگ اور شک و شبہ کے مقامات کو لوگون سے دور کردیتا۔ لیکن پروردگار عالم اپنے
بندون کو طرح طرح کی سختیون سے آزماتا ہے۔ قسم قسم کی شقتون سے انکی عبادت کی تحقیق کرتا ہے

انواع انواع کے مکروہات مین مبتلا کرتا ہے۔ کیونکہ انکے دلون سے تکبر کو خارج کرنیکے لئے۔ فروتنی
اور انکساری کو انکے نفوس مین جگہہ دینے کیلئے اور اسلئے کہ اس امتحان و آزمایش کو اپنے فضل و کرم
کے طرف کھلے ہوئے دروازے۔ اپنی بخشش و معافی کے لئے آسان سبب مقرر فرمائی"۔ ایک دوسرے
خطبہ مین فرضیت حج "تقویت دین کے لیے" فرماتے ہین۔

حج تقویت دین کیلئے ہے

ان تمام باتون کے لکھنے سے مین خلیفہ کے تجربہ بت پرستی کا منکر نہین ہون لیکن میری غرض یہ
ہے کہ ناحق خلیفہ نے حجر اسود کو پتھر کہنے کی تکلیف گوارا کی۔ اُسکا نام ہی حجر ہے اور اندھا بھی اُسے

بیکار ریمارک کا برا اثر

اُسے ٹٹول کر پتھر کہہ سکتا ہے۔ ایسی صورت مین کہ خلیفہ نے اپنے اس برہنہ ریمارک کی تاویل
کسی وجہ سے نہین کی ہمین کوئی مورخ یا متکلم وہ کھونٹی نہین دکھا سکتا جسین اُسکی دلیل لٹکائی جاسکتی
ہو۔ لیکن خلیفہ نے جس خیال سے کیون نہ کہا ہو جسمین اہانت شعائر اللہ ایک ایسی قربہ بات ہے
جسے ہر شخص دیکھتا ہے۔ متکلمین اور مورخین نے اپنی تاویل مین اُس قدر حمایت نہین کی جسقدر
اور پردہ ہٹا دیا اور دلیلین وہ لائے جو نہ صرف۔ خدا کے حکم۔ رسول کے طرز عمل۔ مسلمانونکی
بجاآوری حکم اور عمل کے مخالف ہے بلکہ کسی طرح عقل کے نزدیک ادنے توجہ کی چیز نہین ہے۔
فلسفیانہ نقطہ خیال۔ اور توحید مذہب دونون۔ "صنم پرستی" کے الزام کو مغرورانہ نفرت سے
ٹال دیتی ہے۔ مسلمان جانتے ہین کہ اُنکے ہادی کی تعلیم اور مسلمانون کے عمل سے توحید کامل ہوئی۔

استلام اور اعمال حج کی اس شان نے بھی معترضین کو باز نہین رکھا کہ مس کرتے وقت
مس کرنیوالا خدا کے نام سے شروع کرتا ہے اور خدا کے بزرگ ہونیکا اقرار کرتا ہے۔ صفا اور مروہ کو
شعائر اللہ کہتا ہے۔ کہتا ہے کہ سوا خدا کے کوئی خدا نہین ہے وہ اکیلا ہے اور اُس کا شریک نہین ہے
اُسی کا ملک ہے اسی کے لئے تمام حمد ہے اور وہی تمام چیزون پر قادر ہے۔

کعبہ اور حجر اسود کے احترام کی وجہ۔

یہ واقعہ ہے کہ اوایل اسلام سے آج تک نہ صرف ہادی اسلام نے حجر اسود اور کعبہ کا احترام کیا بلکہ
مسلمان بھی کرتے رہے نہ اس وجہ سے کہ ڈیوڈورس نے اسے قدیم کہا ہے یا پولوس یعنی ابن مریم
کا حواری اپنے سفر عرب کے زمانہ مین یہان گیا ہوگا نہ اسوجہ سے کہ سالوسٹرڈی ساسی کہتا ہے
کہ قرینہ ہے کہ اجرام سماوی مین سے کسی جرم کا کوئی شکستہ ٹکڑا ہے۔ نہ اس وجہ سے کہ حضرت ابراہیم
نے اس پتھر پر خدا کی نام کے لئے قربانی کی ہوگی یا یہ ٹکڑا بہشت سے آیا ہوگا۔ یا اس لئے کہ۔ یہود۔ نصاریٰ نے

موحدین اور صابئین نے منفرداً اور مجموعاً اسے اپنا معبد قرار دیا اور ایک معلوم زمانہ سے اسجگہ کو عبادت گاہ بننے کی خصوصیت حاصل ہوئی اور اِس وجہسے اسے خدا کی خالص عبادت گاہ بنانا اس مفہوم مین مفید ہوا کہ اِس مرکز سے خیال تقدس کا سلسلہ شکست نہ ہونے پائے۔ بلکہ اسوجہسے کہ عالم کے سب سے بڑے نقیب توحید نے اس مقام کو عبادت الٰہی کے لئے مخصوص کیا اور اِس وجہ سے کہ ہمارے ہادی کے دست اقدس اِس سے مس ہوئے۔ ہمکو اپنے ہادی کا عمل اور حکم معلوم ہے اگرچہ تخصیص کے وجوہات معلوم نہ ہون۔

انسان بہت سی چیزونکی تعظیم کرتا ہے لیکن کوئی اُسے بُت پرستی نہین کہتا

ہم کس کس چیز کی فہرست دین جنکی انسان تعظیم اور احترام کرتا ہے۔ کیا انسان اپنے والدین کی تعظیم اور احترام نہین کرتا ہے۔ یہان تو نہ صرف تصویر ہے بلکہ گوشت اور خون بھی ہے اور ہماری تخلیق کی ایک بڑی وجہ ہے انسان جُھکتا ہے۔ وہ سب جھکتا ہے جو انسان مین اچھا ہے۔ اور اپنے اس طاعت احترام اور تعظیم کو سعادت سمجھتا ہے۔ سوچو ایک ایسے وقت کو جبکہ انسان ایک بڑے پہاڑ کے نیچے کھڑا ہے۔ ٹھوس۔ سیاہ مادے کا ڈھیر جو ہمارے قد سے ہزار ہزار درجہ بلند اور عریض ہے۔ کیا معلوم ہوتا ہے۔ خصوص خوف۔ ہماری کیا حالت ہوتی ہے۔ اگر ہم بہتے ہوئے صاف۔ عمیق اور چوڑے دریا کے قریب کھڑے ہوتے ہین دیکھتے ہین کہ ایک چوڑا سیال جسم لہرین لیتا اور ٹکراتا ہوا بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ایک کیفیت لطف اور محویت طاری ہوتی ہم اُسکی عظمت سے مرعوب ہوتے ہین۔ سب نہونے ہونگے جو مادے کی اِن مختلف اور جسیم شکلون کو دیکھکر فتبارک اللہ احسن الخالقین کہدیتے ہون لیکن اِن احساس کے منکر نہین ہوسکتے۔ کیا ہم لوگ اپنے اِس احساس سے عناصر پرستی کے حد کے اندر آتے ہین؟ بیشک بغیر ارادہ بھی ہمارا تمام خاصہ جسمانی اور روحانی خوف اور عظمت سے متغیر اور منقلب ہوگیا۔ ہماری فطرت ہیجان مین آگئی کیا یہ احساسات فلسفہ توحید کی اعلیٰ ترین ترقی مین کبھی شرک اور بُت پرستی کے حد کے اندر آئے۔ نہین لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ وہ ٹلتے چلتے اُسکے وسیع المعنی فلسفے کے باہر ہے۔

حج کا منظر

حج کا فلسفہ۔ اور اُسکی صورت جن روشن لفظون مین دکھائی گئی ہے وہ جناب امیر کا حق تھا۔ بندہ عجز۔ فروتنی اور انکساری سے اپنے معبود کی عبادت کے لئے دل وجان سے آمادہ ہوتا ہے۔ اُسکی سراسیمگی اور حیرانی۔ اُسکا عین ہوش ہے۔ وہ لبیک کہتا ہے۔ گویا مالک کی صدا پر خادم صدا دیتا ہے

یہ عبادت کا سب سے عظیم اور اظہار عبودیت ۔ اخلاص اور محبت کا وہ نمونہ ہے جس کے بشیار عناصر کی تشریح نہیں ہوسکتی ۔ اور ہو سکتی ہے تو اُسکا لطف اور خوبصورتی قایم نہیں رہ سکتی ۔ ایک نہیں ہزاروں نہیں لاکھوں بندے اِس طرح خدا کی عبادت مین مشغول ہین ۔ اسکا تماشہ نہیں ہے کہ لوگ کیا کرتے ہین بلکہ توحید کا تماشہ ہے کہ کس طرح مختلف صداؤن ۔ لہجون ۔ زبانون ترتیب اور جماعتون سے وحدانیت اپنے کو بلند کرا رہی ہے ۔ کون نہیں جانتا کہ کعبہ ۔ حجر اسود ۔ صفا اور مروہ انھین سے کوئی یا سب بلکہ توحید کا کوئی جزو نہیں ہے ۔ نہ توحید بغیر اسکے ناکامل ہو ۔ ہم اپنے کمرہ کے تمام دروازے اور سوراخ بند کرکے اقرار توحید کرسکتے ہین اسلام نے عبادت کے لیے کسی خصوص مقام کی قید نہین کی ہے ۔ خدا محیط کل ہے ۔ اُسکی عبادت ہر جگہہ ہوسکتی ہے ۔ نہ فرضیت حج اسکے منافی ہے بلکہ اسکے فرض ہونیکے وجوہات مین اصل وہی وجہ ہے کہ "تقویت دین" کیلئے ہے ۔ قوت خیالی ہو یا عملی تنہائی مین نہیں ہے بلکہ مجموعہ مین ہے ۔ عمر بھر گوشہ مین عبادت کرنیوالا ایک مرتبہ دیکھتا ہے کہ ہم ہی نہیں بلکہ ہماری طرح اور چند ہی اُسی طریقہ سے عبادت کررہے ہین جس طرح ہم کرتے ہین ۔ وہی خیال جو ہماری روح کی تسکین ہو دوسرونکا بھی رہتا ہے ۔ نوعیت انسانی ۔ رسم و رواج ۔ زبان ۔ لہجہ ۔ آب و ہوا کوئی چیز ایسی نہ تھی جو اُس خیال سے مغلوب نہ ہو جاتی ۔ یہ اعتقاد کی بلندی اور تقویت کا باعث ہوتا ہے اور اِسکے بعد ان ہمخیالون مین جو محبت پیدا ہوتی ہو وہ کسی تعارف کی محتاج نہین رہتی یہ حالت ساخت قومیت کے اِس نظریہ کی تابع نہین رہتی کہ مذہب ۔ زبان ۔ نوعیت اور رسم و رواج اور آب و ہوا ایک ہو بلکہ محض مذہب وہ حکومت ہو جاتی ہے جسکی ماتحتی دیگر عناصر کی ناموجودگی مین بھی پاشان جسم اور اعضا کو ایک رکھ سکتی ہے ۔ یہ قوت ہے بلکہ وہ قوت ہے جو کسی اور کو حاصل نہین ہے ۔ کیونکہ کسی اور کا ایسا جاندار خالص مرکز نہین ہے ۔ اِس کا مرکز قرار دینا بانی ملت و مذہب کی موید من اللہ عقل کا کام تھا جس سے مسلمان ابد الاباد تک اصول معاشرت کی ہر قسم کی ترقی کے باوجود مذہبی ۔ معاشرتی ۔ سیاسی نفع اُٹھا سکتے تھے اور اُٹھا سکتے ہین ۔ اِس مرکز کی تحقیر کرنا یا اسکے ساتھ عدم مرکزیت کے باعث خیالات کو ملا دینا نہ صرف اُسکے تقدس پر حملہ ہو بلکہ اُس کل کے پرزے علیحدہ علیحدہ کردینا ہے جو نہ صرف قوم بناتی ہو بلکہ شکستگی دُور کرتی ہو ۔

اب جو روایت مین بیان کرتا ہون وہ متذکرہ صدر واقعہ کا ایک ضمن سمجھا جاسکتا ہے ۔ مین نے اسے

تہذیب المتین فی امیر المومنینؑ اور نیرنگ فصاحت ترجمہ نہج البلاغت مین دیکھا ہے جسے مین آخر الذکر سے نقل کرتا ہون" زمانہ عمر خطاب مین لوگون نے کعبے کے آرائشون کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ کعبہ کو ان آرائشون کی کیا ضرورت ہے اگر آپ انھین وہان سے اٹھا کر کسی لشکر کی تیاری مین صرف کرین تو یقیناً باعث ثواب ہوگا۔ خلیفہ صاحب نے بھی یہ رائے پسند کی اور ارادہ کرلیا کہ کعبہ کی تمام آرائشونکو برطرف کردیا جائے۔ اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے بھی اس بارہ مین رائے دریافت کی حضرت نے فرمایا:- بیشک قرآن نبی پر نازل کیا گیا ہو اور اسکی چار قسمین تھین (مسلمانون کا مال فی۔ خمس۔ ذکوٰۃ) اور کعبہ کی آرائشین اُس روز (نزول قرآن کے وقت) بھی ایسی ہی تھین جیسے آج ہین۔ مگر خداوند عالم نے انھین انکے حال پر چھوڑ دیا۔ اب سوچنا چاہئے کہ خداوند عالم سے سہو و نسیان کے باعث یہ فروگذاشت نہین ہوئی۔ نہ اُس کا مکان اُسکی نگاہون سے پوشیدہ تہا۔ پس تو بھی اِن آرائشون کو وہین قایم رکھ جہان خداوند عالم اور اُسکے رسول نے انہین قایم رکھا ہے"

کعبہ کے اسباب آرائیش کو فروخت کرنیکی تجویز۔

دوسرے ایک واقعہ کو ابن خلدون بیان کرتا ہے کہ:- "فتح مکہ سے پیشتر جس درخت کے نیچے بیٹھکر آنحضرت (صلعم) نے لوگون سے جہاد پر بیعت لی تہی۔ اور زمانہ عمر فاروق مین لوگ اُس کو متبرک سمجھکر زیارت کرنے کو آنے لگے تہے اُنھون نے یہ دیکھکر اُسکو کٹوا دیا کہ آیندہ مبادا اُسکی پرستش ہونیلگے اور رفتہ رفتہ اسکے ذریعہ سے اسلام مین شرک نہ ہوجائے۔ اصل یہ ہے کہ اسلام انھین غلطیون کے مٹانے اور لوگون کو اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت سکھانے کو آیا ہے۔ آجکل کا زمانہ ہوتا تو بیچارے عمر فاروق پر خدا جانے کس چیز کا فتوے دیدیا جاتا"

وہ درخت کٹوا دیا گیا جسکے سایہ مین رسول نے جہاد کی بیعت لی تہی۔

متذکرہ عبارت مین مترجم اور مورخ کی دلیل اور کوشش کو دور کرنے کے بعد واقعہ صرف اِس قدر رہجاتا ہے کہ "فتح مکہ سے پیشتر جس درخت کے نیچے آنحضرت (صلعم) نے لوگون سے جہاد پر بیعت لی تہی اُسے انھون (عمر) نے کٹوا دیا"

اسمین بات کوئی غیر معمولی نہین ہے جسپر توجہ دلانی ضرور ہو بجز اسکے کہ یہ درخت وہ نشان تہا جو ایک سخت وقت مین ہمارے ہادی کو تجدید عہد کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور وہ عہد جہاد کے لئے تہا۔ اس لحاظ سے اب اِس مقام کو نہ صرف ایک تاریخی واقعہ کی یاد سے تعلق تہا بلکہ نبی عربی کی ذات اقدس نے اسمین اور بھی محبت کا جزو شامل کر دیا تہا۔ کوئی عجب نہین ہے کہ لوگ اِس مقام کو دیکھنے آتے ہون تو

تاریخی حیثیت ہوگئی تہی

اور دم لیتے ہون اور ایک مہتم بالشان واقعہ کی تمام کارروائی اُنکے نگاہ کے سامنے گذر جاتی ہو۔ خبرین کہتی ہین کہ خلیفہ نے پہلے لوگون کو اِسکے قریب جانے سے دھمکایا اور پھر کٹوا دیا۔ یہانتک کہ منابع النبوۃ اور قرۃ العیون مین باختلاف الفاظ یہ خیال پایا جاتا ہے کہ "حدیبیہ نام ایک کنوین یا درخت کا ہے کہ اُس مکان (جگہہ) مین تہا... اور وہ مکان حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمان ہدایت نشان مین متعین اور معلوم تہا اور صحابہ کے عہد مبارک عہد مین وہ مبہم اور مجہول ہوگیا اب آدمی زیارت اُسکی سے محروم ہین اُسکی جہت مسافت کی معلوم ہے مگر مخصوص اور متعین نہین ہوتا" اور اگرچہ تہوڑے ہی زمانے کے بعد لوگون نے موضع شجرہ مین ایک مسجد بنالی لیکن سعید ابن مسیب کو شجرہ کے صحیح مقام کا تعین نہ ہوا اور اُنھون نے اپنے باپ کا قول نقل کیا جو بیعت رضوان مین شریک تہے کہ جب باہر آئے ہم سال آیندہ فراموش کئے گئے ہم اُس موضع کے تئین جو شجرہ تہا پس قدرت نہ پائی ہمنے اُسکے دریافت پر اور مشتبہ ہوا وہ مکان اوپر ہمارے"

ہم مسلمان اِس واقعہ پر باوجود صدیان گذر جانے کے اُس محبت اور عقیدت کے لحاظ سے متاسف ہوسکتے ہین جو ہمین ورثتًا اور علمی حیثیت سے ملے ہین اور سوچ سکتے ہین کہ آثار رسول کے ساتھہ یہ بیرحمی سمجھی جائیگی اگر وہ چیزین نیست ونابود کردیجائین جو اُنکے یاد آنے کا ایک وسیلہ تہین۔ لیکن حقیقتًا ہمپر ویسا اثر نہین پڑ سکتا جیسا اُن لوگون پر جنہون نے جناب اقدس نبوی کی زیارت کی تہی اور اس قرآن مین ذکر کئے جانے کے قابل درخت (اذ یبایعونک تحت الشجرۃ) کے نیچے بیعت کی تہی۔ اور جنہین وہ تمام حالتین یاد آجاتی ہونگی جنہین اس عہد کی ضرورت ہوئی تہی۔ ہملوگ جو میموریل اور اشتیچو کے زمانہ مین ہین ہر روز دیکہتے اور سُنتے رہتے ہین کہ قومین کس طرح اپنے افراد کی یادقائم رکہنے کے لئے ایسے سامان ضروری سمجھتی ہین اور اہتمام کرتی ہین۔ خلیفہ کا یہ فعل ہماری سمجھہ مین نہین آتا کہ وہ عبدالوہاب نجدی کے ایسے مسلمان کے علاوہ مسلمانون کو بہلے معلوم ہون جنکے مزید واقعات تاریخ روم (ترک) مین مل سکتے ہین۔ حقیقتًا عبدالوہاب کا نہایت مشہور فعل مسلم ابن عقبہ کی شاگردی تہی اور اسکے بعد ناظرین اور طلبائے تاریخ کے سمجھنے کی بات ہے کہ ابن عقبہ اور ابن نمیر وغیرہ نے یہ اور اسکے بعد خانہ کعبہ کے ساتھہ جو کچھہ کیا وہ کس مصلحت کا نشو تھا!

وہ مشکلین جو نبی عربی کی تعلیم توحید اور قلع شرک کے بعد ہمپر اسکے عود کرنیکا خوف طاری کرتے ہین غالبًا

اشارے جو آثار رسول کے ساتھہ بے لحاظی کیوجہ سے بڑے ہوجاتے ہین۔

قرآن مین ذکر کئے جانے قابل درخت۔

تاریخی حالتین

ایسی الزام وہی جسکے مسلمان کبھی مرتکب نہ تھے۔

نہ اُنھون نے یہ خیال کیا کہ عقیدہ توحید کے کا بن نشو کی ابتدا اُس زمانہ مین ہوچکی۔ نہ اُنھون نے اسپر غور کیا کہ ایک عقیدہ باطل کا ترک طبعاً اُسکی طرف عود کرنے سے روکتا ہو۔ نہ اُنھون نے یہ سوچا کہ نفرت شرک جس درجہ کی مسلمانون کی پہلی نسل کے خیال مین ذخیرہ کر دی گئی تھی وہ کئی قیامت تک صرف اور ختم نہ ہوگی مسلمانو کی خدا پرستی کا وہ مستحکم بین مورخ ہوگا جو اس سے خوف کرے کہ وہ شجر پرستی مین مبتلا ہو جائینگے۔ غالباً حفاظت مذہب اور ترقی کی یہ حیرت خیز کوشش ہوگی کہ مسلمانون کو اِس گناہ کا الزام لگائیے جسکے وہ مرتکب نہ تھے اِس خوف سے کہ آیندہ زمانہ مین مبتلا نہ ہو جائین اور یہ اس لئے کہ اُنھین کسی فعل کی حفاظت کیلئے کوئی اور کارآمد دلیل نہین ملتی تھی۔

خلیفہ ثانی اور احادیث رسول

اِسکے بعد مجھے جو کچھ کہنا ہے وہ شعائر اللہ یا آثار رسول کے متعلق نہین ہو بلکہ مین جناب رسالتماب کی احادیث کے متعلق ہو۔ اور جس طرح متذکرہ صدر امورات کے متعلق جو کچھ خیالات خلیفہ کے ظاہر کئے گئے ہین اُنکی کوئی وہ وجہ اور غرض خلیفہ کی زبانی نہین ہے جو متکلمین اور مورخین نے بیان کی ہے اِسی طرح پیش نظر امر کے متعلق بہی خلیفہ نے ریمارک کرنے مین اپنی غرض کو ظاہر نہین کیا ہو بلکہ صرف مورخین نے ریمارک کے ساتہہ کوئی غرض لگا دی ہے۔

صاحب سیرۃ الفاروق فرماتے ہین "احادیث کے نسبت حضرت عمر کا ایک ممتاز اصول جو دکھائی دیتا ہے وہ یہ ہے کہ حدیثون کی کثرت روایت کو روکتے تہے" پھر فرماتے ہین "حضرت عمر کی روایت حدیث کی مخالفت صرف اُنکی قلت روایت ہی سے ہین ظاہر ہوتی بلکہ وہ اسکی علانیہ طور پر مخالفت کرتے تھے اور دانستہ حدیثونکی کثرت کو روکتے تہے" کوفہ اور عراق جانے والون کو احادیث کم بیان کرنیکی وصیت کرتے ہوئے کہا کہ "انکو حدیثون مین نہ پھنسا لینا"۔ اِسی مورخ نے آگے چلکر اُنکے اقوال مین لکھا ہو کہ "قرآن تفسیر اور رسول اللہ سے روایت تھوڑی کیا کرو اِسمین مین بھی تمہارا شریک ہون"۔

قرآن کی تفسیر کرنیکا حکم

مؤلف الفاروق حکم کی غرض بتلاتے ہین۔

مولوی شبلی صاحب الفاروق مین خلیفہ کے حکم کو معہ وجہ کے بیان فرماتے ہین کہ "حضرت عمر اس ڈر سے کہ صحابہ آنحضرت سے روایت کرنے مین غلطی نہ کرین صحابہ کو حکم دیتے تہے کہ رسول اللہ سے کم روایت کرین"۔

حکم اور غرض پر نظر۔

اِسمین غور طلب امر یہ ہے کہ آیا کم روایت کرنا غلطی کے خوف کو مرتفع کر دیتا ہے یا نہین۔ اس لئے کہ یہ بہت ممکن ہو کہ کسی کی کم گوئی اُسے غلط بیانی سے محفوظ نہ رکھ سکے۔ ہوا صرف اِس قدر کہ اگر ایس کم گو لیکن غلط بیان شخص سے کم گوئی کی حالت مین تھوڑی غلطیاں ہوئین تو زیادہ گوئی کی مقدار کے لحاظ سے

غلطیان ذہن مین زیادہ ہوتی جاتین۔ یعنی اِس حکم نے کسی طرح غلط بیانی کا انسداد نہین کیا۔ یہ حکم کم بیان کرنیکے متعلق ہے۔ قابل سوانح نویس کہین یہ حکم نہین لکہتے کہ صحیح روایات بیان کرو اگرچہ تمہین زیادہ یاد ہون اور اِس سے مقدار بڑہ جائے۔ اِس کم گوئی کے حکم مین اگرچہ صحیح گوئی کیلئے کوئی رعایت ملحوظ نہین رکھی گئی ہے لیکن مین بحث کے لئے اِسے قبول کرلیتا ہون کہ غیر صریحی منشا یہی تھا۔ مگر اسکا معیار کیا تہا کہ اِسکے بعد جو کہے گا وہ صحیح کہے گا۔ اور یہ کیون نہ سمجہا جائے کہ اگرچہ کوئی کیسا ہی صحیح کیون نہ کہے لیکن جہان کچہہ زیادہ کہا اور وہ غلط بیانی کے میدان مین آگیا۔ یہ ایک حکم تہا جسنے کسی طرح صحیح گوئی کی مدد نہ کی بلکہ اپنے ہیئت سے جسکی غرض مفقود ہے صحیح گوئی پر لگام چڑہا دی۔

اسکا اثر

غلط بیانی کا روکنا کسی طرح امکانی بات نہ تہی جو کچہہ انسداد ممکن تہا وہ یا تو کسی حد تک تقریر و تحریر سے یا خلاف ورزی کا ثبوت ملنے پر سزا کرنے سے بلکہ جو طرز عمل کہ نہایت منصفانہ اور ناقابل اعتراض معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ وہ زمانہ تہا جسمین زیادہ تر اصحاب رسول زندہ تہے اور یہ تمام لوگ اگرچہ کُل احادیث کی تعداد تو نہ بہی کرسکتے ہون اور باوجود اِسکے کہ رسول کے بعض اصحاب کو معلوم ہون لیکن یہ ممکن نہ تہا کہ وہ امورات جو شرع اور عامہ مسلمین سے متعلق ہون اُنکے متعلق وہ لوگ رسول کے احکام اور اصول نہ سُن چکے ہون۔ اِس لحاظ سے یہ بہت آسان تہا کہ کوئی حدیث جو کسی صحابی کے زبانی غیر معمولی معلوم ہوتی وہ جانچ کے لئے ان اصحاب کے حوالہ کیجاتی اور وہ انکار یا تصدیق کرتے۔ نہ کہ ایک ایسا حکم صادر کردیا جاتا جس سے لوگ احادیث بیان کرنا حکومت کے حکم کے خلاف سمجہہ کر خوف زدہ ہوتے۔ حضرت عمر کے لئے کافی تہا کہ وہ ایک ایسی تحریک کے باعث ہوتے جس سے آخری وقت کے ایسے مفید موقع پر رسول مسلمانون کے لئے ہدایت کی مخصوص وصیتین نہ لکہوا سکتے۔ نہ کہ انہون نے اپنے دور خلافت کو اِس سے بہی مخصوص کیا کہ کچہہ لوگ ہون جنہین مفید شاغل کے متعلق احادیث یاد ہون اور وہ بیان نہ کرسکے ہون اور زبان کہُلنے کے قبل دنیا سے گذر گئے ہون۔ یہ انسداد شبہات کے جواز کے ساتہہ یہ خیال بہی دلاتا ہے کہ کیا خلیفہ نے کسی یا چند مخصوص امور کے متعلق رسول کی احادیث کو بیان کرنے سے روکا تہا؟

اِن تذکرون کے بعد جسمین خلیفہ ثانی کا خود رسول کی احادیث کے متعلق طرز عمل واضح ہوجاتا ہے۔ ہمین الفاروق کی اِس عبارت پر کوئی تعجب نہین ہوتا کہ "حضرت علی کے ہم صحبت اکثر وہ لوگ تہے جو فن حدیث مین بلند پایہ نہ تہے۔ حضرت علی سے جن لوگون نے روایتین کین اُنپر اعتبار نہین کیا جاتا تہا" نہ ہمین اسپر

سوال کرنیکی ضرورت ہے کہ آیا یہ ممکن ہے کہ بزازے کا کوئی معمولی دلال مانچسٹر کے کسی کارخانہ کے منیجر سے اصول تجارت کو بہتر سمجھتا ہو۔ ہمارا یہ خیال کہ آیا کسی یا چند مخصوص اُمورات کے متعلق رسول کی احادیث کو بیان کرنے سے روکا تہا الفاروق کی عبارت سے بہت کچہہ صاف ہوجاتا ہے۔

خلیفہ ثانی کا مخاطبہ علی۔

مؤلف تہذیب المتین صفحہ کشف سے نقل کرتے ہین کہ علی ابن عیسی اردبلی اور ابو المؤید خوارزمی نے محمد بن خالد الجبتی سے روایت کی ہے کہ ایک روز عمر ابن الخطاب نے ممبر پر خطبہ کہا کہ ''اے امت محمد اگر ہم تمکو اُس چیز سے جس کو تم پہچانتے ہو (یعنی اسلام) اُس شئے کی طرف پھیر دین جسکے تم منکر ہو (یعنی کفر) تو تم کیا کروگے راوی کہتا ہے کہ لوگ خاموش ہوگئے۔ عمر نے تین مرتبہ اعادہ کیا۔ علی اُس وقت گوشہ مسجد مین نماز پڑھ رہے تہے۔ یہ سُنکر جتیاب ہوگئے' اور کہا۔ ایسا ہو تو ہم تجہسے توبہ کرائینگے۔ اگر تو توبہ کرے تو تیری توبہ قبول کرینگے۔ عمر نے کہا اگر نہ مانین؟ فرمایا اُس وقت گردن مارینگے۔ اب کہا عمر نے۔ شکر خدا کا کہ اُسنے اس امت مین ایسے شخص کو مقرر کیا ہے کہ جب ہم راہ راست سے منحرف ہون تو وہ ہماری کجیونکو درست کرے اور ہمکو سیدہے راستہ پر لا دے۔''

ہم نہین جانتے کہ مورخین اس واقعہ کے متعلق کیا کہنا پسند کرتے ہین۔ غالباً کم لوگ ہونگے جو یہ تصفیہ کرینگے حضرت عمر کے مزاج کے اُس میلان کے لحاظ سے جو متذکرہ صدر مثالون سے ظاہر ہوا۔ اس روایت کے خیالات بہی ''بعید نہین ہین'' حضرت عمر جانین۔ خدا جانے یا شارحین جانین کہ ردت کے اس مُراعیہ سوال مین کیا لِم تہا۔ لیکن غالباً اسوقت نہ تو ارتداد کی بجلی کڑکڑا رہی تہی نہ بادل گڑگڑا رہا تہا نہ طوفان اُٹہہ رہا تہا۔ نہ سیاہی نور پر غالب آئی جاتی۔ جس سے کہا جاسکے کہ لوگون کے غلط میلان کو دبکی سے روک رہے تہے۔

خلیفہ ثانی کا قاتل مغیرہ ابن شعبہ کا غلام ہوا۔

یہ باب اس حیرت خیز اتفاق پر ختم ہوتا ہے کہ ابا حفصہ کا قاتل مغیرہ ابن شعبہ ہی کا غلام ہوتا۔ صاحب صواعق محرقہ ابو لولو کو مجوسی بتاتے ہین درانحالیکہ ابن خلدون کے نزدیک نصرانی تہا۔ اسنے خلیفہ سے شکایت کی کہ میرا مالک مجہسے زیادہ محصول لیتا ہے اِسے کم کرادیجئے۔ محصول ابن حجر کے نزدیک چار درہم روزانہ اور ابن خلدون کے حساب سے صرف دو درہم تہا (سات آنہ) ابو لولو لوہاری۔ نقاشی اور بڑہئی کا کام جانتا تہا۔ خلیفہ نے فیصلہ کیا کہ ''ان صنعتون کے مقابلہ مین یہ محصول زیادہ نہین ہے''۔

فیروز اِس رقم کو گران محسوس کرتا تہا جو فیصلہ سننے کے بعد اُسکے اِس حالت اور قول سے ظاہر ہے جو

ابن حجر بھی نقل کرتے ہیں کہ "آنگاہ غلام خشم گرفت و رفت و گفت عدل او ہمہ کس رسیدہ است غیر از من۔ یا چکی بنانے کے حکم پر ابو لولو روئے ترش کردہ خصمانہ بجانب عمر نظر کردہ گفت آسیا جہت تو سازم کہ مردم سالہا از ان باز می گفتہ باشند" اسنے ایک روز موقع پاکر وار کیا۔ زخم مہلک تہا۔

ابو لولو گھورتا ہے۔

بقول ابن خلدون " ایک طبیب بلایا گیا اسنے عمر فاروق کو نبیذ پلائی " لیکن زخم کی راہ سے باہر نکل گئی۔ اور بقول حجر جو بخاری سے ابن مخرمہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ "چون عمر از زخم خنجر زدند متالم بود و جزع می کرد و ابن عباس گفت ای امیر المومنین مبالغہ مکن در جزع"

نبیذ مفید نہوئی۔

زخم کہانیکے وقت خلیفہ کی حالت

باب چہارم

مرکزی خلاف ورزیونکی ترقی اور اسکا اثر

انتخاب خلافت کی تیسری شکل اور اسکی ترکیب

ابا حفصہ نے دنیا سے کوچ نہیں کیا مگر یہ کہ انہوں نے خلافت کے لئے جو کچہ انتظام کیا اگرچہ اسکی غرض کتنے ہی زمانہ تک کیون نہ پوشیدہ رہی ہو لیکن جاننے والون سے نہ اسوقت پوشیدہ تہی جسوقت اسکا نفاذ ہوا اور نہ اس زمانہ مین مبہم رہ سکتی ہے جب کہ طریقہ انتخاب کی مختلف صورتون سے زمانہ واقف ہوتا جاتا ہے۔ اِسکے خوفناک نتائج کا نشو ہمارے اس باب سے شروع ہوتا ہے۔ یہ ناظرین کے غور کی بات ہوگی کہ رحلت رسول کے بعد سے اسوقت تک جو روش مصلحت تہی۔ اسکے بعد کی روش کو اسکی ترقی کہنا زیبا ہے یا نہیں۔

خلیفہ ثانی کے ذہن میں انتخاب کی یہ تجویز پہلے سے تہی

خلیفہ کے زخمی ہونیکے بعد جو کچہ واقع ہوا وہ یہی تہا کہ انہون نے اپنے جانشین مابعد کی فکر کی۔ اگرچہ عموماً یہ کہا گیا ہے کہ اپنی آخری وقت خلافت کے لئے چھ شخص منتخب کئے لیکن اگر صواعق محرقہ کی یہ روایت بہی نظر انداز نہیں کیجا سکتی کہ "حاکم روایت کرد کہ عمر خطبہ خواندہ گفت کہ در خواب دیدم گویا خروس مرا یک منقار یا دو منقار زد و گمان میکنم مگر آنکہ اجل مرا نزدیک شدہ و قومی مرا ماموری سازند بہ آنکہ شخص را خلیفہ سازم و تحقیق خدائے تعالی دین خود را و خلافت خود را ضائع نخواہد گردانید۔ اگر امر من بسبیل تعجیل واقع شود خلافت شوری باشد میان این شش کس یعنی عثمان و علی المرتضی و طلحہ و زبیر

وعبدالرحمن ابن عوف وسعد ابن ابی وقاص کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از ایشان راضی بود" تو اس سے ظاہر ہے کہ یہ اسکیم پیشتر انکے ذہن میں موجود تھی۔

حضرت عمر ابو عبیدہ جراح یا سالم یا ابن عوف کو پسند کرتے۔

لیکن اپنے بعد کے لئے یہ طرز عمل بھی اُنکی ایسی خواہش نہ تھی جیسا طبری وغیرہ سے ظاہر ہے کہ جس وقت اُنہوں نے اپنے منتخب لوگوں کو بلایا اور معلوم ہوا کہ طلحہ نہیں ہے اور انہوں نے کہا کہ مقررہ وقت میں اگر وہ آجائیں تو خیر ورنہ تم اپنا کام کرنا اور جب لوگوں سے کہا کہ تم خود ہی کسی کو خلیفہ بناؤ جس طرح ابوبکر نے کیا تو کہا کہ" اگر ابو عبیدہ جراح زندہ ہوتے تو بنا دیتا" بعض نے سالم کا نام بھی لیا ہے اور بعض نے ابن عوف ہی کو منتخب کیا ہے لیکن انہوں نے انکار کیا۔ طبری نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر پانچ آدمی موافق اور ایک ناموافق ہو تو اُسے قتل کر ڈالنا اور اگر دو شخص ناموافق ہوں تو ادھر ہونگی جدھر عبدالرحمن ابن عوف ہو۔ روضۃ الصفا میں بھی ابن عوف کا موقع مقدم اور نصف مخالف کے لئے قتل کا حکم لکھا ہے۔ ابو الفدا کے نزدیک عبدالرحمن ابن عمر اس طرف رکھے گئے جدھر عبدالرحمن ابن عوف ہوں جسکی وضاحت ابن خلدون سے ہوتی ہے کہ۔

خلیفہ ابن عوف سے کچھ عہد کیا چاہتے ہیں۔

"آپ (عمر) نے عبدالرحمن کو بلا کر فرمایا۔ میں تم سے کچھ عہد کیا چاہتا ہوں۔ عبدالرحمن نے کہا کیا آپ مجھ سے کچھ عہد کریں گے۔ فرمایا نہیں بخدا میں ایسا نہ کرونگا جاؤ میں انلوگوں سے عہد لونگا جن سے آنحضرت (صلعم) راضی و خوش تشریف لیگئے ہیں۔ یہ کہکر آپ نے علی و عثمان و زبیر و سعد اور خود عبدالرحمن ابن عوف کو بلایا اور انلوگوں سے مخاطب ہوکر کہا تین روز تک تملوگ طلحہ کا انتظار کرنا اگر وہ آجائیں تو فبہا ورنہ تملوگ مشورہ کرکے کسی کو اپنے میں سے امیر بنا لینا۔۔۔ اور ابو طلحہ انصاری و مقداد بن الاسود کو طلب کرکے حکم دیا کہ ان لوگوں کے دروازہ پر جاکر کھڑے رہنا اور کسیکو انکے پاس جانے نہ دینا جب تک وہ باہم مشورہ نہ کرلیں۔۔۔ اور عبداللہ سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ اگر لوگ انتخاب خلیفہ میں مختلف ہوں تو تم کثرت رائے سے موافقت کرنا اور اگر فریقین برابر ہوں تو تم اُس گروہ کے رائے سے اتفاق کرنا جسمیں عبدالرحمن ابن عوف ہوں۔۔۔۔ چنانچہ لوگوں نے عمر فاروق سے کہا۔ آپ اپنا ولی عہد منتخب کرجایئے۔ جواب دیا میں کرچکا" ابن خلدون میں ہے کہ درصورت مساوات عبداللہ ابن عمر حکم بنائے جائیں اور عبداللہ ابن عمر اس فریق سے اتفاق رائے کریں جسمیں عبدالرحمن ابن عوف ہوں"۔

خلیفہ ولیعہد منتخب کرچکے

علی اور عباس نے انتخاب ظاہر ہونیکا کیا کہا اور کیوں؟

اب مجھے یہ کہنا ہے کہ اس انتخاب کے متعلق علی و عباس کا کیا خیال تہا۔ ابوالفدا کہتا ہے "علی عباس کے پاس گئے اور کہا خلافت مجہسے گئی کیونکہ سعد عبدالرحمن سے مخالفت نہ کریگا اس لئے کہ وہ چچا کا بیٹا ہے اور عبدالرحمن خسر ہے۔ یہ لوگ آپسمین ایک دوسرے کو خلیفہ بنالین گے۔۔۔۔ اس گروہ کو چہین آویگا جب تک امر خلافت ہم سے دفع نہ کرلین"۔ یہی مضمون روضۃ الصفا مین بہی ہے "عبداللہ عثمان کا داماد ہے اور سعد ابن ابی وقاص ابن عوف کا ابن عم ہے۔ اگر طلحہ و زبیر ہمارا ساتہہ بہی دین تو بیکار ہے"۔ اور ابن عباس کہتے ہین کہ "ازمکہ این طائفہ ایمن مباش کہ ہمت بہ دفع ما مقصود دارند تا دیگری را بجہ حکومت نشانند"۔ طبری کہتا ہے کہ "علی با عباس گفت ما را نمی خواہد۔ عباس گفت مشو۔ گفت چرا۔ گفت بدانکہ عمر بنی ہاشم نہ دید مگر کہ ہمہ گردانید و یک تن را خلیفہ کنند۔ تو مباش تا گویم کہ کسی از بنی ہاشم آنجا نبود"

صاحب تہذیب المتین نے ابن الحدید کی زبانی ایک دلچسپ موقع دکھایا ہے۔ جسمین گذرے ہوئے خلیفہ نے طلحہ زبیر۔ ابن عوف۔ جناب امیر اور عثمان کے متعلق کچہہ ریمارک کئے ہین صرف آخرالذکر کے متعلق ریمارک سے بحث ہے۔ عثمان کو مخاطب کرکے کہا:۔

عثمان کے متعلق ریمارک انتخاب کی پیشینگوئی کرتا ہے۔

"ھاھا الیک (ایک کلمہ جس سے اونٹ ہنکاتے ہین) مین دیکہتا ہون کہ قریش نے بسبب محبت کے تیرے ساتہہ تجہکو فرمانروا مقرر کیا اور تونے بنی امیہ اور پسران معیط کو خلائق کی گردنون پر سوار کیا اور اموال فی کو اُنکے لئے مخصوص کرایا۔ پس ایک گروہ گرگان عرب نے آکر تیرے فراش پر تجہکو قتل کیا قسم بخدا اگر تجہکو خلافت ملی تو تو بغیر ایسا کئے نہ چہوڑے گا اور تونے یہ کیا تو وہ تجہے قتل کئے بغیر نہ چہوڑینگے۔ پہر اُنکی پیشانی کو ہاتہہ سے پکڑ کر فرمایا۔ جب یہ باتین ہون اور ضرور ہونگی تو اُس وقت مجہے یاد کرنا"۔

سنہ ۲۳ھ

شب چہارشنبہ ۲۷ ذی الحجہ سنہ ۲۳ھ کے بعد موقع ملتا ہے کہ ابن عوف کی جدت اور ذہانت پر نظر کیجائے۔

امیدواروں نے انکار کیا۔

صاحب صواعق محرقہ فرماتے ہین "بعد از فراغ از دفن جماعت مذکورہ یعنی اصحاب شوریٰ دریکجا مجتمع شدند۔ عبدالرحمن بن عوف گفت امر خود را بسہ کس بازگذارید زبیر گفت من امر خود را با میرالمؤمنین الامام برحق علی گذاشتم۔ و سعد گفت من امر خود را بعبدالرحمن بن عوف گذاشتم و طلحہ گفت رجوع امر خود را بعثمان کردم۔ چون این سہ کس بیرون شدند عبدالرحمن بہ عثمان و علی گفت مع ہذا این امر خلافت

ابن عوف علی اور

ندارم ہر یک از شما کہ تبرا کند ازین امر خلافت بدست او میدہیم۔ و عہد خدائے و اسلام بر و باد کہ در نفس خود
لاحظہ افضل کند و حریص باشد بر اصلاح حال امت آنگاہ عثمان و امیر المومنین علی رضی اللہ عنہما
ہر دو سکوت درین امر اختیار فرمودند۔ باز عبدالرحمن گفت اگر شما درین امر سکوت اختیار میکنید
رجوع بمن کنید و خدا راست برمن کہ تقصیر نمی کنم از فضل ایشان ہر یک گفتند بلے بتو رجوع کردیم۔
بعد ازان عبدالرحمن با امیر المومنین حضرت علی خلوت کردہ گفت عہد و میثاق خدا تعالیٰ از تو میگیرم
اگر ترا امیر سازیم طریقہ عدل مرعی داری۔ واگر دیگرے بر تو امیر گردانم اطاعت و انقیاد پیش آری
علی فرمود بلے قبول دارم۔ باز با عثمان رضی اللہ عنہ خلوت کردہ ہمین طریق گفت۔ بعد از عہد و میثاق
بیعت کرد بعثمان"۔ اِسی مولف کے "موافق" ابن عساکر روایت کردہ کہ مردم دریں ایام نزد
عبدالرحمن مجتمع شدہ درین باب مشورت می کردند و ہیچ مرد ذی رائے (۲) نیافت کہ مائل بہ خلافت عثمان
نباشد" اِسی کے موافق " در مسند امام احمد از ابی وائل مرویست کہ گفت عبدالرحمن بن عوف را
گفتم چگونہ بیعت با عثمان کردید و حضرت علی را گذاشتید عبدالرحمن گفت گناہ من نیست۔ ابتدا
بحضرت علی خلوت کردہ گفتم با تو بیعت میکنم بشرط کتاب اللہ تعالیٰ و سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر سیرت
ابوبکر و عمر بداری و بطریق ایشان عمل کنی۔ گفت کہ نہ دارم پس عثمان را گفتم عمل ابوبکر و عمر بجا خود قبول
داری گفت قبول دارم" اچھا کیا کہ ابن حجر نے یہ بھی کہدیا کہ " واضح شد کہ خلافت عثمان فرع خلافت عمر
کہ آن فرع خلافت صدیق است"۔

غالباً جہان "ذی رای" زیرِبحث کا مرادف ہی۔

علی سنت خلفا کی پیروی سے انکار کرتے ہین عثمان کی خلافت گذشتہ کی فرع ہے۔

ابن خلدون کے نزدیک انتخاب گاہ یا دار الشوری مسور بن مخرمہ یا ام المومنین عائشہ کا گھر تہا۔

انتخاب کہاں ہوا۔

یہاں ابن عوف نے اہل شوریٰ سے کہا "تم میں سے ایسا کوئی شخص ہی جو اپنے کو ان لوگون مین سے
نکال لیوے جو خلافت کے لئے نامزد کئے گئے ہین تا کہ وہ اِس امر کا منصرم مقرر کیا جائے کہ تم مین سے جو
افضل و لایق ہو اُسکو خلیفہ بنائے۔ کسی نے اِسکا جواب نہ دیا"۔ اسکے بعد ابن عوف نے اپنے کو نکالا اور
اپنے کو منصرم بنایا۔ سب اِسپر راضی ہو گئے اور علی نے کچھ نہ کہا۔ اِس پر ابن عوف نے پوچھا "یا
ابا الحسن آپ کیا کہتے ہین جو"

خود ساختہ منصرم

"میں بھی راضی ہوں بشرطیکہ تم اقرار کرو کہ حق کرو گے۔ اپنے ہوائے نفس کی پیروی نہ کرو گے نہ کسی کے
رشتہ داری کا پاس و لحاظ کرو گے حق کہنے مین کسی کی ملامت و نصیحت کا خیال نہ کرو گے"۔

علی کے شرائط اور استغنا عکس۔

عہد و پیمان کے بعد ابن عوف نے علی کو "علیحدہ" لیجاکر کہا:-

علی کے حقوق کا اقرار

"تم قرابت داری رسول اللہ (صلعم) اور سابق الاسلام اور حسن مساعی دین کی وجہ سے خلافت کے زیادہ مستحق ہو اور تم سے زیادہ موزون کوئی اور شخص خلافت کے لئے نہین ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ انلوگون مین جو خلافت کے لئے نامزد کئے گئے ہین تمہارے بعد کون زیادہ مستحق ہے۔ جواب دیا عثمان ابن عفان پھر عثمان کو تخلیہ مین لیجاکر ان سے بھی ایسا ہی کہا انھون نے کہا علی"۔

" اِس قدر باتین ہونے کے بعد جلسہ ختم کر دیا گیا اور عبد الرحمن ابن عوف۔ صحابہ کبار اور اُن لوگون سے جو اسوقت مدینہ مین موجود تھے ملتے اور اُن سے خلافت کے بابت چوتھے روز کی صبح تک دریافت کرتے رہے۔

زبیر اور سعدؓ کو منتخب کرتے ہین۔

پھر مسور بن مخرمہ کے مکان پر آئے اور زبیر و سعد کو بلاکر کہا۔ لوگون کا اتفاق علی و عثمان کی خلافت پر ہوا ہے تملوگ کیا کہتے ہو۔ اِن دونون بزرگون نے علی پر اتفاق کیا"۔

" نماز فجر کے بعد مہاجرین اور سابقین اسلام انصار و امرا لشکر کو طلب کیا ایک ساعت مین ساری مسجد پُر ہو گئی تل رکھنے کی جگہہ باقی نہ رہی عبد الرحمن نے حاضرین سے کہا جس کو تملوگ خلافت کیلئے منتخب کیا چاہتے ہو اُسکی طرف اشارہ کرو۔ عمار نے علی کی طرف اشارہ کیا۔ ابن ابی سرح نے کہا۔ اگر قریش کے اختلاف کا اندیشہ ہو تو عثمان کے خلافت پر بیعت کیجائے۔ عبد اللہ ابن ربیعہ نے اِس رائے سے اتفاق کیا۔ عمار و ابن ابی سرح مین گفتگو بڑھ گئی سخت کلامی کی نوبت آگئی۔ سعد نے اُٹھکر کہا۔ اے عبد الرحمن اِس سے پیشتر کہ لوگون مین فتنہ برپا ہو جائے تم جسکو چاہو خلیفہ منتخب کر لو۔ عبد الرحمن نے جواب دیا مین نے اپنے ذہن مین خلیفہ منتخب کر لیا اور رائے قایم کر لی۔ اے لوگو ذرا دم بھر کو خاموش ہو جاؤ پھر علی کی طرف مخاطب ہوکر اور انکا ہاتھ پکڑ کر کہا تمکو اِس شرط پر خلافت دیجاتی ہے کہ تم کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی تعلیم دینا اور خلیفتین (جو انکے بعد ہوئے ہین) اُنکی اتباع کرنا۔ علی نے جواب دیا کہ مین امید کرتا ہون کہ مین اپنے مبلغ علم و طاقت کے موافق عمل کرونگا۔ یہ جواب پاکر اُنھون نے عثمان سے مخاطب ہوکر یہی کلمات کہے۔ عثمان نے کہا ہان مین اقرار کرتا ہون کہ مین ایسا ہی کرونگا انشاء اللہ تعالی۔ عبد الرحمن نے یہ سنتے ہی سقف مسجد کیطرف سر اُٹھایا اور اُنکا ہاتھ عثمان کے ہاتھ مین تھا"۔ اِسی مورخ کے موافق مغیرہ ابن شعبہ اور عمر عاص دار الشوریٰ کے پاس آکر بیٹھے

عمار یاسر علی کی طرف

ابن عوف نے اپنے ذہن مین خلیفہ چُن لیا۔

ابن عوف عثمان کا ہاتھ اپنے ہاتھ مین لیکر چھت کی طرف دیکھتے ہین۔

اگر سعد نے یہ کہکر اٹھا دیا کہ تم بہوگئے کہ ہم بھی ارکین شوریٰ مین تہے۔

ابو الفدا ابن سنت وغیرہ کے سوال پر ابن خلدون کے "نقیل لتلفظ" مبلغ "کے علاوہ سب وہی جواب ہے۔

روضۃ الصفا مین اس قدر زیادہ ہے کہ مقداد ابن الاسود نے عمار یاسر کی تائید کی۔

عثمان کی کدورت علی کے متعلق زرآویزو اوبغض کینہ۔

طبری کے موافق بہی سعد اور زبیر نے علی کے لئے ووٹ دیا اور اس وجہ سے "عثمان را از سعد کینہ بر دل بماند"۔ اسی مورخ کے موافق "ابو سفیان نزد عمر عاص شد و گفت عبدالرحمن نزد من شد و گفت کرا خواہی گفتم عثمان را۔ عمرو گفت من نیز عثمان را خواستم۔ ابو سفیان گفت اکنون چہ کنم کہ او مرد نرم است و این کار بیفگند و علی بر باید۔ عمرو گفت اندیشہ مدار کہ امشب ہر دو را بہ بینم و چنان کنم کہ کار بعثمان"۔

بنی امیہ کی کوششین

اسکے بعد الی روایت بہی ہے کہ ابن عاص نے علی سے کہا کہ تم سے اتباع سنت خلفا کے لئے کہا جائیگا تم قبول نہ کرنا اور عثمان سے جا کر کہا کہ تم سے جو کچہ کہے کہنا ہان کرینگے۔ اور جب ابن عوف نے سوال کیا اور علی نے جواب دیا تو ابن عوف نے "دست علی را رہا کرد و گفت بدین ضعیفی نخواہیم" اور عثمان نے کہا "پذیرفتم"۔

کیون علی کو سنت خلفا منظور نہ تہی۔

صاحب نظام عثمانی فرماتے ہین کہ علی کو منصب خلافت تہی لیکن یہ شرط کہ سنت خلفا کی پیروی کرین منظور نہ تہی "اس وجہ سے کہ انھین بہت سی باتین پسند نہ تھین"۔

رائٹ انریبل مولوی سید امیر علی صاحب بالقابہ اسپرٹ آف اسلام مین فرماتے ہین: "علی ابن ابیطالب کو خلافت نذر کیگئی لیکن حکم خدا و رسول کے علاوہ سنت شیخین کی جو قید لگائی گئی تہی وہ بنی امیہ کو معلوم تہا کہ علی منظور نہ کرینگے۔ علی نے بہ خصوص اپنی آزادی سے اپنی تجویز کو مقید کرنے سے انکار کیا"۔ واشنگٹن آرونگ اپنی کتاب سکسیسرس آف محمد مین یہی کہتے ہین۔

ابن عوف اور مقداد کی گفتگو۔

ابو الفدا کے موافق مقداد ابن الاسود اور عبدالرحمن ابن عوف مین بیعت کے بعد یہ گفتگو ہوئی۔

مقداد۔ تونے قسم خدا کی علی کا حق انکو نہ دیا حالانکہ یہ شخص انلوگون مین ہے کہ اسکا حق پورا دینا چاہئے اور انصاف کرنا چاہئے۔

ابن عوف۔ اے مقداد مین نے بہت کوشش کی مسلمان نہ مانین تو کیا کرون۔

مقداد۔ تعجب ہے قریش سے کہ ایسے شخص کو پسند نہ کیا۔ مین تو کبہی نہ دیکہونگا۔ میرے نزدیک علم اور عمل مین کوئی

شخص اُس سے بہتر نہین ہی۔

فتنہ مین گرفتار ہونگی ڈرکو

عبدالرحمٰن۔ اے مقداد خدا سے ڈر کہین تو کسی فتنہ مین گرفتار نہو جائے۔

عثمان کی بیعت کے بعد علی نے کیا کہا۔

اب مین یہ کہنا چاہتا ہون کہ بیعت کی اِس کارروائی کا علی پر کیا اثر ہوا۔ ابو الفدا کے موافق:۔ "علی نے کہا کہ یہ وہی روز اول ہو کہ دکھلانے کو حجت کی ہے۔ تو نے اس لئے بیعت کی کہ خلافت تیری طرف عاید ہو"۔ روضۃ الصفا کے موافق "اے پسر عوف غرض تو ازین حرکت آن بود کہ مرجع خلق گردی این نہ اول روز است کہ شمارا بر من غلبہ کردہ باشید"۔ طبری کے موافق "علی باہر آ ماند و گفت خدعۃ و ای خدعۃ ۔۔۔۔ عبدالرحمٰن عنہ گفت کہ ہر کس مخالفت عبداللہ کند بکشید" صاحب نظام شمائی کے موافق "علی اور عباس نے بیعت نہ کی اور کہا یہ پہلا دن تمہارے ظلم ظاہر ہونے کا نہین ہی"۔

ابن عمر نے حکم قتل یاد دلایا۔

نہج البلاغۃ مین ہے کہ:۔

تسلیم و رضا کی مفید شرط۔

"تم خوب جانتے ہو کہ مین اپنے غیر سے زیادہ حکومت اور بیعت کیلئے قابل اور مستحق ہون۔ مین تسلیم کرتا ہون جب تک اُمور مسلمین سلامت رہین اور اسکے ایام خلافت مین کچھ کھلا ظلم و جور نہو۔ گو خاص مجھپر ظلم و ستم ہوتے رہین۔ مین اس تسلیم و رضا کو اس لئے اختیار کرتا ہون کہ مجھے خداوند تعالی کیجانب سے اسکا اجر و ثواب عطا ہو اور تقرب خداوندی نصیب ہو کیونکہ جس چیز کے سبب سے تم اسکے طالب ہو اور اسپر راغب ہو مین اُس سے پرہیز کرتا ہون"۔

قریش اور عثمان

صاحب صواعق محرقہ زہری سے روایت کرتے ہین کہ "نزد قریش دوست تر عثمان بود از عمر رضی اللہ عنہ زیرا کہ عمر شدت و غلظت بر ایشان میکرد چون عثمان والی شد بر ایشان بہ لینت و نرمی سلوک می نمود و طریق مواصلت و موافقت پیش گرفتہ بود"۔

عثمان کا انتخاب اسلام کی تباہی کا باعث ہوا۔

رائٹ انریبل سید امیر علی صاحب بالقابہ اپنی تاریخ اسلام مین فرماتے ہین:۔ "اس تعلق (جانشین کی تقرری) اپنے پیش رو کے نقش قدم پر نہ چلنے مین اُنسے ایسی غلطی سرزد ہوئی جسنے بنی اُمیہ کی سازشون کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ بنی اُمیہ اب مدینہ مین نہایت زبردست ہوگئے تھے اور رسول صلعم کے خاندان ہاشمیون کے مدت سے رقیب تھے اور اُن سے سخت نفرت رکھتے تھے۔۔۔ چند دنون کے بحث مباحثہ کے بعد بنی اُمیہ خاندان کے ممبر حضرت عثمان بن عفان کو منتخب کیا گیا اُنکا انتخاب آخر مین اسلام کی تباہی کا باعث ہوا"۔

عثمان کی بیعت کے بعد ابوسفیان اور حسین

اُسوقت کے متعلق علامہ مجلسی بحار میں ایک مفید روایت نقل کرتے ہیں جسے مین محاسن الابرار سے لکہتا ہون کہ "ابوسفیان نے امام حسین علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ لیا جبکہ عثمان کی بیعت کی گئی اور اُن سے کہنے لگا کہ اے بیٹے میرے بہائی کے تم میرے ساتھ بقیع غرقد کو چلو۔ وہ نکلا یہانتک کہ جب وہ قبرونکے بیچ مین آیا تو آواز بلند سے چیخا یہ کہکر کہ اے اہل قبور وہ ملک کہ جسپر تم ہمسے مقابلہ کرتے تہے وہ ہمارے ہاتھ مین ہوگیا اور تم خاک مین بوسیدہ ہوگئے۔ پس حسین بن علی علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا تیری بڑہاپے کا بُرا کرے اور تیرے مُنہ کو بُرا کرے۔ پھر حسین علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اُسکے ہاتھ سے چہڑالیا اور اُسے ویسا ہی چہوڑ دیا۔ پس اگر نعمان ابن بشیر نے اُسکا ہاتھ نہ پکڑ لیا ہوتا اور اُنھین مدینہ مین نہ پہیر لائے ہوتے تو ابوسفیان اُسی روز ہلاک ہوتا"۔

پہلا خطبہ

ابوالفدا کو ایک مفرح واقعہ لکہنا ہے کہ "جبکہ بیعت اِن سے لوگون نے کی اُسوقت حضرت عثمان رضی اللہ منبر پر چڑہے اور خطبہ پڑہا۔ پہلے حمد اللہ کی کی اور کلمہ شہادت ادا کیا بعدہ بند ہوگئے اور پہر یہ کہا کہ اول ہر شئے کا سخت ہوتا ہے اور اگر مین جیتا رہونگا تو بہت سے خطبے سنوگے بعد ازان منبر سے نیچے اُترے"۔ اسپرٹ آف اسلام مین ڈوزی کی زبانی ایسے ہی خیالات کا اظہار ہے۔

قتل ہرمزان

خلافت عثمان کا پہلا واقعہ جو ابن خلدون مین ملتا ہے وہ قتل ہرمزان ہے جسے مولوی شبلی صاحب اپنے رسائل مین اِن لفظون بیان کرنیکا موقع پاتے ہین :-

عبداللہ (ابن عمر) تلوار ہاتہہ مین لیکر نکلے۔ فیروز کے بیٹے اور جفینہ اور ہرمزان کو جنپر سازش کا شبہہ تہا قتل کردیا۔ اِنہین سے ہرمزان مسلمان ہوگیا۔ تمام مہاجرین یعنی اُن بزرگوارون نے جو رسول اللہ علیہ وسلم کے ساتہہ وطن چہوڑ کر چلے آئے تہے اور تمام صحابہ کے نسبت افضل سمجہے جاتے تہے ایک زبان ہوکر کہا کہ عبداللہ کو قتل کردینا چاہئے۔ حضرت علی علیہ السلام بہی اِس مجمع مین موجود تہے اور اُنھون نے بہی یہی رائے دی۔ اگرچہ حضرت عثمان بعض مصلحتونکی وجہسے اس فیصلہ کی تعمیل نہ کرسکے۔ تاہم اُنہون نے تینون مقتولون کے بدلے بیت المال سے خون بہا دلایا"۔

مہاجرین نے ابن عمر کے قتل کا فیصلہ کیا۔

فیصلہ کی عدم تعمیل اور بیت المال۔

بقول ابن خلدون قتل کی رائے کے بعد عمرو ابن عاص کے اِس جواب پر کہ "ایسا نہ ہوگا۔ کل اسکا باپ مارا گیا ہے اور آج لڑکا مارا جائے۔ عثمان نے کہا مین اُسکا ولی ہون اور اُسکا خون بہا ادا کرتا ہون"۔

غیر معمولی ہیں۔ وہ واقعات جنکے قریب ایام آپ کو دیکھ رہے ہیں اور اس سے زیادہ مشکل ہے کہ بہت بہی ہیں۔ ہمیں ہر وقت اپنے دانتوں کے تیزی کا خیال رکھنا ہوگا کہ کہاں تک ہم انھیں اس طرح چبا سکتے ہیں جس سے ہمارا اس ماہ کی روشنی قایم رہے جیسے دکھائے بغیر ہم گویا اسباب شہادت حسین سے جو سوانح عمری حصہ اول کی سب سے ضروری چیز ہے عمداً اعراض کر دینگے۔

یہ باب اسکا خاکہ ہے کہ اس زمانہ کے واقعات گذشتہ بارہ برس پر کیا عکس ڈالتے ہیں؟

بنی امیہ کی تقرری شروع ہوئی۔

قتل ہرمزان کی واقعہ نگاری کے بعد ابن خلدون مغیرہ ابن شعبہ کو حسب وصیت عمر معزول کرکے سعد ابن ابی وقاص کو کوفہ کا گورنر مقرر کرتا ہے۔ چونکہ خلیفہ ثانی کے انتقال کا واقعہ آخر ماہ ذی الحجہ ۲۳ھ کا ہے غالب قرینہ ہے کہ سعد ۲۴ھ کے کسی مہینہ میں مقرر کئے گئے ہوں۔ لیکن ۲۵ھ میں وہ معزول بھی کر دیئے گئے اور اسکی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ سعد نے ابن مسعود سے کچھ روپیہ قرض لیا تھا جسے وہ باوجود تقاضے کے ادا نہ کر سکے اور انکی جگہہ ولید ابن عقبہ ابن ابی معیط مقرر کیا گیا۔ اسی سنہ میں عتبہ ابن ابی فرقد آذربائجان کا گورنر ہٹا لیا گیا۔ ہٹنے کے ساتھ ہی بغاوت ہوئی اور فوج کشی کرنی پڑی۔ اعثم کوفی کے موافق عثمان نے "عمر ابن الخطاب کے عاملوں کی جگہہ دوسرے عامل بھیجے" اور اسی ضمن میں بجائے ابو موسیٰ کے عبداللہ ابن عامر کریز کو جو خالہ زاد بھائی تھا بصرہ کا عامل مقرر کیا۔

مال غنیمت کیلئے مسلمان سپاہی آپس میں لڑگئے۔

ان سرایا میں جو دور دور کے ممالک فتح کرنیکے لئے روانہ کئے گئے تھے ارمینہ کی مہم قابل ذکر ہے جسمیں خلیفہ نے عامل شام یعنی معاویہ کو اسکی فتح کا فرمان بھیجا۔ معاویہ نے حبیب بن مسلمہ فہری کو روانہ کیا۔ قریب پہونچکر معلوم ہوا کہ رومیوں نے ایک بڑا لشکر مہیا کیا ہے جسکے مقابلہ کے لئے اسلامی لشکر عدداً کافی نہیں ہے۔ حبیب نے معاویہ کو خبر دی۔ امیر شام نے خلیفہ کو لکھا اور خلیفہ نے ولید ابن عقبہ کو مدد بھیجنے کا حکم روانہ کیا۔ ولید نے سلمان بن ربیعہ کی ماتحتی میں ایک لشکر بھیجا۔ مدد پہونچنے کے قبل حبیب نے رومیوں پر حملہ کیا اور فتح ہوئی۔ مال غنیمت ملا اور تقسیم ہوا۔ مددگار لشکر پہونچا اور اسنے ابھی زبردست اور علانیہ اپنا حصہ طلب کیا کہ تمنے ہماری مدد کی خبر سنکر ہمت کی۔ فاتح لشکر نے کہا کہ ہمنے محنت اور خون سے جو چیز حاصل کی ہے وہ تمہیں کیونکر مل سکتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ ہوئی اور بقول اعثم کوفی "یہ پہلی جنگ تھی جس سے اہل شام اور عراق میں دشمنی پیدا ہوئی"۔

حسنین اور افریقہ

ابن خلدون کہتا ہے کہ سنہ ۲۷ھ مین فتح افریقہ کے لئے جو لشکر عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرح کی ماتحتی مین روانہ کیا گیا تہا اسمین حسنین علیہ السلام بہی تشریف لیگئے تہے۔ اعثم کوفی مین ہے کہ خلیفہ نے اکابر صحابہ مثل حضرت علی۔ طلحہ۔ زبیر۔ سعد۔ اور سعد ابن زید وغیرہ سے صلاح لی لیکن انہین "زیادہ تر کی راے یہی تہی کہ اہل افریقہ سے کوئی تعرض نہ کیا جائے" یہ مورخ بہی نہین کہتا کہ حضرت علی کی کیا صلاح تہی۔ اگر حضرت بہی کثرت کی طرف تہے تو بہت کم قرینہ ہے کہ حسنین افریقہ کیطرف روانہ ہوئے ہون۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جسے عموماً مورخین نے نقل نہین کیا ہے۔ علاوہ برین اسکے آثار بہی ہین کہ جناب امیر حسنین کو صفین مین لیجانے سے متردد رہتے تہے۔ جسکی وجہ ظاہر ہے کہ وہ فرزندان رسول کو خطرہ مین گرفتار نہین کرنا چاہتے تہے اور دوسرے فرزند محمد حنفیہ کو جنگ کیلئے روانہ کرتے تہے۔ نظر برین مجہے روانگی کے بہ نسبت عدم روانگی کے قرائن زیادہ قوی معلوم ہوتے ہین۔

بقول ابن خلدون عثمان نے ابن ابی سرح کو اس شرط پر فتح افریقہ پر مقرر کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کامیابی و فتحیابی عنایت فرمائیگا تو مال غنیمت کے خمس کا خمس خمس خدمت کے صلہ مین دیا جائیگا "اسی کتاب مین ہے کہ ۲۷ ابن زبیر فتح کی خبر اور خمس لیکر مدینہ کو آئے۔ جسکو مروان ابن حکم نے پانچ لاکہ کو خرید لیا بعضے کہتے ہین کہ افریقہ کا خمس اسکو دیا گیا لیکن یہ صحیح نہین ہے بلکہ ابن ابی سرح کو افریقہ کی پہلی لڑائی کا خمس الخمس دیا گیا۔"

ابن عاص اور مغیرہ خلیفہ کے مخالف ہوگئے

سنہ ۲۹ھ شروع ہوا اور اسمین مصر کا فاتح مشہور عمر ابن عاص معزول کیا گیا۔ اور بقول روضۃ الصفا "ابن عاص نے اس طرح انتقام لیا کہ عثمان کی بہن کو جو اسکی زوجیت مین تہین "طلاق دیدیا" اسی مورخ کے موافق مغیرہ اور ابن عاص یہ دونون خلیفہ پر طعن کرنے لگے۔

جزیرہ قبرس کی فتح اور ابوذر کا تاسف

جزیرہ قبرس معویہ کے اہتمام مین فتح ہوا۔ جسوقت سپاہی مال غنیمت آپسین تقسیم کر رہے تہے ابوذر غفاری انہین دیکہ کر مغموم تہے کسی نے ایسے مبارک وقت اُنکے اسطرح بے موقع تاسف کی وجہ پوچہی اور ابوذر نے جواب دیا:—

" تم جو کچہہ کہتے ہو صحیح ہے۔ لیکن مین جسوقت ان عورتون اور بچون اسیرا کو دیکہتا ہون مجہے خیال آتا ہے کہ یہ امت کے گناہگارون کی بدولت اس تکلیف مین مبتلا ہوتے ہین۔ یہ لوگ

نعمت اور فراغت مین بسر کر رہے تھے اور جب گناہ کیا اور حکم خدا کو عزیز نہ رکھا اس حالت مین گرفتار ہوئے۔ جیسے خدا اپنے بندون کا بندہ قرار دیتا ہے وہ ایسی ہی خذول و مقہور ہوتے ہین"

تقسیم غنیمت کیوا خصومتین۔

اعثم کوفی کے موافق تقسیم غنیمت دیانت داری سے نہ ہوئی اور آپسمین خصومتین پیدا ہوئین وہ وقت اور اُسکے تعلیم کی فضا دور ہو گئی تھی کہ کوئی سپاہی کوئی سوئی کپڑا سینے کے لیے غنیمت کا غنیمت سے بغیر حکم رسول کے لیتا اور رسول اُسے عدم مساوات کے لحاظ سے واپس کر لیتے۔ ابوذر کے علاوہ عبادہ ابن الصامت بدراد۔ واثلہ بن الاسقع اور ابو امامہ وغیرہ نے دیکھا کہ ایک شخص دو دراز گوش ہنکائے لئے جاتا ہے دریافت سے معلوم ہوا کہ معویہ نے دیا ہے۔ انلوگون نے کہا کہ نہ معویہ کو دینا اور نہ تمہین لینا جائز ہے۔ یہ واقعہ بھی معاویہ سے کہا گیا۔ یہ لوگ بلائے گئے اور انہون نے صلاح دی کہ صفات تدین امانت اور حسن سیرت سے متصف کوئی شخص تقسیم غنیمت کے لیے مقرر کیا جائے۔ معاویہ نے خمس مین خلیفہ کے لئے جہان بہت کچھ نقد بھیجا منجملہ اسکے ایک نہایت ہی حسین اور خوش ادا کنیز بھی تھی لیکن اہلیہ عثمان نے اہتمام کیا کہ وہ دار الخلافت مین نہ رہ سکے اور شام روانہ کر دیجائے۔ بہرحال معویہ کی اہلیہ کوئی بغاوت نہ کر سکی۔ معاویہ اسوقت نہ صرف اضلاع شام بلکہ فلسطین۔ قبرس اور صقلیہ کا بھی حاکم تھا اور شام کے علاوہ مقامات بھی زمانہ عثمان مین اُسکی حکومت مین شامل کئے گئے تھے۔

غنیمت کی ایک کنیز اہلیہ عثمان۔

زمانہ عثمان مین معاذ اقتدار کی وسعت۔

ولید کی شکایت کا

ولید ابن عقبہ کی شکایت کے لئے کوفہ سے ایک وفد آیا اور اُسنے ولید پر شرابخواری۔ بدمستی اور غفلت کا الزام لگایا۔ شکایت کے وقت دربار مین ایک شخص ابو زینب حاضر تھا اسنے ایک انگوٹھی پیش کی اور کہا کہ مین ایک دن کوفہ تھا اور ولید اس درجہ بدمست تھا کہ مین نے انگوٹھی اُتار لی اور اُسے خبر نہ ہوئی اور لوگون نے بھی تصدیق کی اور جناب امیر کی صلاح سے طے یہ پایا کہ ولید اپنی صفائی کیلئے طلب کیا جائے ولید حاضر ہوا اور صفائی نہ دے سکا۔ بعض جنہون نے شراب پیتے نہ دیکھا تھا انھون شراب کی قے کرنے کی شہادت دی۔ عثمان نے سعید ابن العاص (آئندہ گورنر کوفہ) کو درہ لگانے کا حکم دیا بعض کے نزدیک حسن یا عبد ابن جعفر نے درہ لگایا۔ اور بقول ابن خلدون "جب چالیس درے پر پہونچے تو علی ابن ابیطالب نے کہا بس اب درہ نہ لگاؤ۔ آنحضرت اور ابوبکر نے چالیس چالیس درے مارنے کا حکم دیا اور عمر نے اسّی درے شراب خوار کو مارے تھے اور یہ سب سنت ہے۔ لیکن وہ سب مجھے

علی شرع کے موافق جاری کرتے ہین۔

زیادہ محبوب تھا۔

مشکل سے سوچا جاسکتا ہے کہ کسی ایک شافع کے متعلق مورخین کے پاس جبکہ وہ عین سنت ہو جبکہ یہ ظاہر کر دیا گیا کہ رسول کا کیا حکم تھا اور جناب امیر بھی اسے پسند فرماتے تھے۔ ولید کا حالت نشہ مین صبح کی نماز کے بعد خواہش کرنا کہو تو دو چار رکعت اور پڑھا دون۔ کوئی اذیا طلب نہی جبکہ حضرت عمر نے سزا صرف دو ہی کر دی تھی۔

بعض اور زیادتیان جنپر اعتراض ہوا۔

بقول ابن خلدون "منجملہ ان امور کے جن سے مخالفین کو موقع اعتراض ملا یہ بھی تھا کہ امیر المومنین عثمان نے نداء ثالث جمعہ مین زیادہ کردی تھی اور منیٰ و عرفہ مین پوری نماز پڑھی تھی حالانکہ آنحضرت صلعم کے عہد مبارک عہد اور شیخین کے دور خلافت مین نماز قصر کیجاتی تھی" اسکے بعد مکالمہ ہوا اور آخر مین" امیر المومنین عثمان نے کہا یہ میری رائے ہے اور میرے نزدیک یہی مناسب ہے"

سعید ابن العاص کی تقرری اور اسکے آئندہ نتائج۔

ولید معزول کیا گیا اور سعید ابن العاص اموی جو فتح شام مین معاویہ کے ساتھ تھا اور جسنے عثمان کی گود مین پرورش پائی تھی اور جسے مدینہ بلاکر عقد کر دیا تھا بجائے اسکے گورنر مقرر ہوا۔ ہونے والا تھا کہ عثمان کے ایسے معتمد سے انھین [illegible] ارادہ وہ سب دیکھنا پڑتا جو آئندہ بیان کیا جانیوالا ہے اور جو کہ دور حکومت عثمان کے اسباب خلع اور قتل میں بڑا سبب ہوا۔

طبرستان اور حسنین

ابن خلدون ہی کے پاس یہ روایت بھی ہے کہ سعید ابن العاص نے جب طبرستان پر حملہ کیا تو اس لشکر کے ساتھ حسنین علیہم السلام بھی تھے۔ میرے وجوہات وہی ہین جو افریقہ کے متعلق لکھے گئے ہین۔

اسی مورخ کے موافق "امیر المومنین عثمان حج کو گئے اور مقام منا مین خیمہ نصب کرایا یہ پہلا خیمہ ہے جو اسلام مین مقام منا پر نصب کیا گیا۔ اسی واقعہ سے لوگون نے کھلم کھلا امیر المومنین عثمان پر حرف گیری کرنی شروع کی"۔

قرآن کے ساتھ مخالفت

سنہ ۳۰ کا ایک دوسرا نازک معاملہ قرآن کے نسخون کا پارہ پارہ کرنا اور جلوا دینا تھا۔ ابن خلدون اسے حذیفہ سے شروع کرتا ہے جنہین اسکا تجربہ ہوا تھا کہ قراۃ قرآن مین اختلاف ہے اسکے نزدیک حمص کے لوگون نے مقداد سے قراۃ سیکھی تھی۔ اہل دمشق اسکے خلاف کہتے تھے۔ بصری کہتے تھے کہ ہم نے ابو موسیٰ سے سیکھا ہے اور کوئی ابن مسعود کو اپنا معلم بتلاتے تھے۔ حذیفہ نے قرآن مجید کو ایک قراۃ و صورت

پر جمع کرنیکی خواہش کی اور ابن مسعود سے بہی کہا لیکن اُنہوں نے منظور نہ کیا۔ حذیفہ نے مدینہ مین آکر
خلیفہ سے کہا۔ خلیفہ نے وہ قرآن جو خلیفہ اول کے حکم سے زید ابن ثابت نے جمع کیا تہا اور جو حفصہ کے پاس
امانت تہا منگوایا۔ اور "زید ابن ثابت عبداللہ ابن زبیر۔ سعد ابن العاص۔ عبدالرحمن ابن الحرث
ابن ہشام کو اسکی نقل و ترتیب پر مامور کیا اور یہ ارشاد کیا کہ اگر تمکو کسی لفظ مین اختلاف واقع ہو تو محاورۂ
قریش کے مطابق لکہنا کیونکہ قرآن مجید انہیں کی زبان مین نازل ہوا ہے۔ پس ان بزرگوارون نے
ایسا ہی کیا اور متعدد نسخے قرآن مجید کے لکہے۔ امیرالمومنین عثمان نے اسی قرآن کے نسخے تمام بلاد
اسلامیہ مین بہیجدیئے اور یہ حکم دیا کہ اسی پر اعتماد و بہروسہ کیا جائے اسکے سوا اور جو نسخے ہین انکو [illegible]
جلادیا۔ کوفہ مین جب یہ قرآن پہونچا تو صحابہ رضی اللہ عنہم بہت محظوظ ہوئے لیکن عبداللہ ابن مسعود
نے اس قرآن کے نسخے کے لینے سے انکار کیا اور لوگون کو اپنی ہی قراۃ پر رکہا۔"

قرآن کی نقل و ترتیب ذمہ دار اور ایک حکم

خلافت کے تیر قرآن کے علاوہ اور نسخے جلوا دیئے گئے۔

ابن مسعود حکومت کا قرآن نہین لیتے۔

ابن خلدون خلیفہ کی محتاط حفاظت لیکن تدوین کی قابل افسوس بے لحاظی سے ان نسخون کو صحابہ کے
ہاتہون جلوا دیا ہے حالانکہ خود "احیاء علوم" و جمع قرآن کے سرخی مین بخاری کی روایت بہی نقل کرتا ہے
جسکی آخری عبارت یہ ہے کہ "تا آنکہ صحف کے متعدد مصاحف مین نقل ہو گئی۔ عثمان نے اس صحیفہ کو
حفصہ کے پاس واپس کر دیا اور منقول کو اطراف و جوانب مین بہیجدیا اور سوا اس قرآن کے اور صحیفہ اور مصحف
کے جلادینے کا حکم دیا۔"

ابوالفدا بہی قرآن کے جلائے جانے اور "قریش کی بولی" مین لکہنے کے حکم کا تذکرہ کرتا ہے۔ ابن خلدون
ابن مسعود کا کوئی تذکرہ نہین کرتا ہوا اعثم کوفی مین اس طرح ہے جبکہ طلحہ و زبیر لوگون کی شکایت لیکر خلیفہ
کے پاس گئے ہین "گفتند ترا با عبداللہ ابن مسعود چہ کار بود کہ فرمودی کہ قراۃ او مہجور است و او قراۃ
از مصطفے صلے اللہ علیہ و آلہ آموختہ است و چندان بر شکم او زدی کہ این ساعت در خانہ خویشتن افتادہ است
و تن ندادہ ہا تا کہ برخیزد"۔ صاحب صواعق محرقہ صرف اشارہ دیتے ہین۔ یہ لکہتے لکہتے کہ جب عثمان کا
غلام مصر جاتے وقت پکڑ گیا "ہیچ کس از اہل مدینہ نماند تا آنکہ بر عثمان دل تنگی و خشم نمودند و جمیع کہ
بواسطہ ابن مسعود و ابوذر و عمار در غضب بودند غیظ و غضب ایشان زیادہ گشت"۔ اسکے کچہ پہلے ہی
اسی کتاب مین ابن حجر نے لکہا ہے "و قبل ازین میان عثمان و عبداللہ ابن مسعود و ابوذر و
عمار یاسر نزاع واقع شدہ بود"۔

ابن مسعود کے ساتھ خلیفہ کا برتاو۔

بنی اُمیہ اور خلیفہ

اعثم کوفی زمانہ خلافت عثمانی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "عثمان نے کچھ دنون تک تو عمر کے عمال کو رکھا اسکے بعد اس ولایت کو بنی امیہ کو دیدیا اور مثال مین عبداللہ ابن عامر عامل بصرہ ولید ابن عقبہ عامل کوفہ۔ معاویہ ابن ابوسفیان عامل شام۔ عمر ابن عاص اور ابن سرح وغیرہ کو پیش کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ تقسیم غنایم مین ایک مرتبہ عبداللہ ابن خالد بن اسید بن ابی العاص بن امیہ جو موجود نہ تھا اُسے حاضر ہونے پر تین لاکھ درہم دیئے اور حکم بن العاص جسے رسول نے مدینہ سے نکال دیا تھا عثمان نے اُسے بلایا اور ایک لاکھ درہم انعام دیا اور خمس افریقہ اُسے عنایت کیا اور اُسکے لڑکے حارث بن حکم کو بھی بہت کچھ دیا۔ اصحاب کو یہ اُمورات ناگوار ہوئے اور اُنہون نے ابن عوف سے شکایت کی اور کہا کہ یہ سب ہمین تمہاری بدولت دیکھنا پڑا ہے۔ تمنے عثمان کو خلافت دیتے وقت ہم لوگون سے اِن امورات کا اقرار نہین لیا تھا۔ ابن عوف نے لاعلمی اور عدم رضامندی ظاہر کی اور علی نے فرمایا کہ "صورت معاملہ یہ نہونی چاہئے اور واجب نہین ہے" ابن عوف نے کہا یا ابوالحسن اگر ایسا ہے جیسا یہ لوگ کہرہے ہین تو ہم اور تم دونون آدمی تلوار کھینچین۔ ابن عوف کی یہ باتین خلیفہ کے کانون تک پہونچین اور اُنہون نے ابن عوف کو منافق کہا۔ خلیفہ کے اس ریمارک کو ابن عوف نے بھی سنا اور کہا "مجھے گمان نہ تھا کہ مین ایسے زمانہ تک پہونچونگا کہ عثمان ہمین منافق کہین! اور اِسکے بعد قسم کھائی کہ پھر کبھی عثمان سے بات نہ کرینگے" ابوالفدا بھی کہتا ہے کہ جب لوگون نے عبدالرحمن ابن عوف سے عمال کی تقرری کے نسبت شکایت کی تو ابن عوف نے بات کرنا عثمان سے چھوڑ دیا" طبری کہتا ہے کہ "ہمہ شہر عمال عثمان بنی امیہ بود چون یکے را از ایشان باز کردی دیگرے راہم از ایشان قرار کردی"

خلیفہ گر اور خلیفہ

جناب امیر اسوقت کی مصوری کرتے ہیں۔

اِسوقت کی عام حالت مختصر لفظون مین جناب امیر کے خطبہ شقشقیہ کے موافق جہان خلیفہ ثالث کے زمانہ کا ذکر کیا گیا ہے یہ تھی کہ "اِسکی یہ حالت تھی کہ اُس نے اپنے معدے اور امعا کو حلق تک دنیا کے مال سے بھر لیا۔ تن پروری اختیار کی۔ لوگون کے مال کھانا شروع کئے اور پھر اسکے ساتھ ہی اسکے باپ کے بیٹے بھی کھڑے ہوگئے اور خدا کے مال کو اس طرح کھا گئے جیسے اونٹ فصل بہار کی گھانس کو چرجاتا ہو"
صورت معاملہ یہ ہوتی جاتی تھی کہ اصحاب رسول نے اپنی شکایتین لکھین جسمین یہ فقرہ بھی تھا کہ "اگر یہ بے قاعدگیان ترک نہ کیگئین تو ہم تمہین معزول کرکے دوسرے کو خلیفہ بنائینگے" پہلے یہ معلوم ہوا کہ

سب لوگ چلیں آخر میں طے یہ ہوا کہ عمار یاسر لیجائیں۔ عمار لے گئے خط دیا اور جواب مانگا۔ خلیفہ نے چند سطریں پڑھکر کاغذ پھینکدیا۔ عمار نے کہا اسے اصحاب رسول نے لکھا ہے پھینکنا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ جو لکھا ہے اسپر غور اور تامل لازم ہے۔ ہم تمہارے خیر خواہ ہیں۔ یہ باتیں تم سے مصلحت اور نصیحت کے لئے لکھی جاتی ہیں۔ اسپر عمار جھوٹے بنائے گئے اور غلاموں کو مارنے کا حکم دیا گیا۔ عمار گر پڑے اور اب خلیفہ نے بھی تبرکا چند لاتیں پیٹ اور حلق پر ماریں۔ عمار بیہوش ہوگئے اور عارضہ فتق میں مبتلا ہوگئے۔ بنی مخزوم اُٹھا لیگئے اور قسم کھائی کہ اگر عمار جانبر نہ ہوئے تو عثمان کو قتل کر ڈالینگے۔

ابوذر شام میں کیا دیکھتے ہیں۔

یہ خبر ایسی بہی کہ مدینہ میں بند نہ رہ سکتی اور ابوذر غفاری کے پاس شام پہونچی۔ بات ایسی نہ تھی کہ ابوذر چپ رہ سکتے جب وہ ایسی باتیں بہی دیکھتے رہتے تھے کہ شام کے بیت المال کو بیت المال اللہ کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ امیر کو اُسکے تصرف پر پورا اختیار ہو اور مومنین کو باز پرس کا کوئی حق نہ رہے۔

امیر شام ابوذر کے اخراج کیلئے لکھتا ہے اور خلیفہ کا حکم۔

معاویہ نے انکی حالت خلیفہ کو لکھی جنہیں اسکا تذکرہ مناسب سمجھا کہ ابوذر کا شام میں رہنا مناسب نہیں ہے وہ لوگوں کو تم سے پھیرتے ہیں مبادا کوئی فتنہ کھڑا ہو جائے۔ عثمان نے حکم بھیجا کہ فوراً ایک سخت اونٹ پر بٹھاؤ۔ ساربان شب و روز ہنکاتا ہوا آئے کہ ابوذر پر نیند غالب ہو جائے جس سے ہارا اور تیرا ذکر بھول جائے۔ معاویہ نے ایک درشت خوشتربان کے حوالہ کیا اُسنے برہنہ کوہان پر سوار کرکے مدینہ کا رخ کیا۔ مدینہ پہونچتے پہونچتے بوڑھے ابوذر کا گوشت ہڈیوں سے علیحدہ ہو گیا تھا۔ اسکے بعد ابوذر اور

ربذہ میں جلاوطنی

خلیفہ میں گرم گفتگو رہی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ ابوذر کو ربذہ میں جلاوطنی کا حکم دیا گیا۔ مروان کو ہدایت کیگئی کہ ابوذر کو اونٹ پر بٹھا کر مدینہ کے باہر لیجاؤ اور کوئی شخص اُنکے رخصت کرنے کو نہ جائے۔ اصحاب کو یہ امر بہی ناگوار گذرا اور ابوذر کی مشایعت کے لئے علی۔ ابن عباس۔ حسنین۔ مقداد اور عمار یاسر وغیرہ گئے۔ مروان نے خلیفہ سے ان لوگوں کے مشایعت کا ذکر کیا۔

مشایعت کی شکایت

علی کا ابوذر سے مخاطبہ

ابوذر کے ساتھ خلیفہ کے برتاؤ نے علی کو بہت متاثر کیا تہا اور مشایعت کے وقت یہ الفاظ فرمائے جو نہج البلاغہ میں ملتے ہیں:۔

"اے ابوذر تو محض خدا کی وجہ سے خشمناک ہوا تہا اب اُسی سے امید وار رہ جسکی خاطر تونے خشم اختیار کیا۔ اس قوم نے تیری طرف سے اپنی دنیا کا خوف کہایا اور تونے اُنکی طرف سے اپنے دین کا خوف کیا۔ اب تو اُس چیز کو اُنہیں کے ہاتھوں میں چھوڑ دے جسکے زوال سے یہ خائف ہو رہے ہیں اور تو اُس چیز کو

لیکر فرار کر جاتا جسکا نتیجہ قاتل ہو جاتا کیونکہ انکی طرف سے خوف تھا۔۔۔ اگر تو انکی دنیا کو قبول کر لیتا تو وہ بھی تیرے
ساتھ دوستی سے پیش آتے۔ اگر دنیا کو اُن سے قرض لیتا تو تجھے اپنی صفوں میں پناہ دیتے۔"

رحلت ابوذر اور انکی تجہیز و تکفین۔

مقدس صحابی اس ویران جگہ رہنے لگا مددگار یا صرف بی بی تھی اور یا لڑکی تھی۔ یہانتک کہ غربت میں
موت آگئی۔ بی بی سر راہ بیٹھکر رونے لگی۔ اتفاقاً کچھ لوگ حج سے فارغ ہوکر واپس آ رہے تھے جنمیں مشہور
لوگ عفیف ابن قیس التیمی۔ عبداللہ بن مسلمہ النخعی۔ علقمہ ابن قیس۔ صعصعہ بن صوحان اور
بلال ابن مالک۔ جریر ابن عبداللہ البجلی۔ اسود ابن زید وغیرہ تھے جنکے میر کارواں مالک اشتر
تھے۔ جب یہ قریب پہونچے تو ضعیفہ کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی کہ "اے مسلمانو! ابوذر نے جو رسول
کے صحابی تھے یہاں رحلت کی۔ میں انکی زن بی بی ہوں اور اس جگہ غربت میں کوئی میرا مددگار
نہیں ہے جو دفن کرے۔ اگر تم لوگ اس کام کو انجام دیدو تو خدا تمہیں اجر دیگا۔" یہ سنکر لوگ
رو دیئے۔ افسوس کرنے لگے۔ تہیہ اور طلب آمرزش کی۔ اور ہر شخص نے خواہش کی کہ اُسکے مال سے
کفن دیا جائے۔ نماز اور دفن کے بعد مالک اُشتر قبر پر کھڑے ہوئے اور بقول اعثم کوفی یہ
یادگار دعا کی:۔

مالک اُشتر کی یادگار دعا

"خداوندا ابوذر غفاری تیرے رسول کے ساتھ رہا۔ تیری کتاب اور تیرے رسولوں پر ایمان
لایا۔ تیری راہ میں لڑا اور جادہ اسلام پر ثابت قدم رہا۔ اُسنے شرع میں کوئی تغیر نہیں کیا۔ اُسنے کچھ چیزیں
دیکھیں جو سنت رسول کے موافق نہ تھیں اُس نے اُن سے انکار کیا۔ اسوجہ سے اُسے لوگوں نے
ستم کیا اور اُسے روضہ رسول کے طواف کی دولت سے محروم کرکے نکال دیا اور اُسے ضائع چھوڑ دیا
یہانتک کہ غربت میں مر گیا۔ خداوندا اُسے بہشت عطا کر جسکا تو نے مومنین سے وعدہ کیا ہے اور اُسے بھی
سزا دے جسکا وہ مستحق ہو جسنے اُسے حرم رسول سے نکال دیا" لوگوں نے آمین کہی۔

سعید ابن العاص کی سیاسی بے تمیزی۔

کوفہ میں یہ ہو رہا تھا کہ بقول ابن خلدون سعید ابن العاص نے کوفہ میں پہونچکر روساء شہر اور
اہل فساد سے ملے جنکے اسماء یہ تھے اشتر۔ مالک ابن کعب۔ اسود بن یزید۔ علقمہ بن قیس نخعی۔ ثابت
بن قیس ہمدانی۔ جندب ابن زہیر۔ جندب ابن کعب ازدی۔ عروہ بن الجعد۔ عمرو ابن الحمق خزاعی
صعصعہ و زید پسران صوحان۔ ابن الکواء۔ کمیل ابن زیاد۔ عمیر بن ضابی۔ طلیحہ بن خویلد وغیرہم کو بلوا کر
جو لوگوں کے انساب اور عرب و اسلام کے ایام و اخبار کے تذکرے اور باہم ہنسی مذاق کرتے تھے

صحبت مین حاضر ہوا کرتے تہے۔ اکثر ہنسی مذاق ہوتے ہوتے نوبت طعن و تشنیع و سخت کلامی کی پہونچ جاتی تہی ایک روز اتفاق سے سعید نے اثنا کلام مین کہا هذا اسواد بستان قریش۔ اشتر نے جواب دیا جس سواد کو اللہ تعالیٰ نے ہماری تلوار ون کے زور سے عنایت فرمایا ہے تم اسکو اپنا اور اپنی قوم کا بستان خیال کرتے ہو۔ اشتر کے اس جواب سے اور حاضرین نے بہی کچہہ کہنا شروع کیا۔ عبدالرحمن اسدی (سعید ابن العاص کے پولیس کے افسر) نے اُن لوگون کو شور و غل مچانے اور لاحاصل تقریر کرنے سے بہ تشدد منع کیا۔ لوگ اُسپر ٹوٹ پڑے اور اسقدر مارا کہ وہ بیہوش ہوگیا"۔

ابن خلدون نے اسکے پہلے کا ایک واقعہ نہین لکہا ہے جس طرح اُسنے عمار۔ ابوذر اور ابن مسعود کے اصل واقعات کو اپنے لئے بلاضرورت سمجہکر ترک کیا ہے ہم اُسے اعثم کوفی سے نقل کرتے ہین۔

سعید اور ہاشم ابن عتبہ۔

سعید ابن العاص اور ہاشم ابن عتبہ ابن ابی وقاص مین کچہہ گفتگو ہوئی اور سعید نے اُسے کاٹا کہا۔ اور بات یہانتک بڑہ گئی کہ سعید نے اپنے آدمیون سے مارنیکا حکم دیا اور گہر جلوادیا۔ جب یہ خبر سعد ابن ابی وقاص کو ہوئی تو بہت برافروختہ ہوئی اور عثمان سے شکایت کی اور اُنہون نے بہی سعید ابن العاص کے گہر مین آگ لگادی۔ اسکے بعد کا واقعہ ہے کہ ایک روز زمینون اور اُنکی پیداوار کا ذکر ہو رہا تہا کہ مالک اشتر نے کوفہ کی تعریف کی اسپر عبدالرحمن ابن خنیس الاسدی نے کہا کہ عراق اور اُسکا سواد قریش کے لئے بمنزلہ بستان ہے جس قدر ہم چاہین لےلین اور جس قدر نہ چاہین چہوڑ دین"۔

قوم نے اشتر کے جواب پسند کیا۔

اس واقعہ کے بعد سے بدمزگیان بڑہنے لگین اشتر کی اُنکے ہمخیالون نے تعریف کی کہ اگر تمنے ایسا نہ کیا ہوتا تو یہ گروہ اسکے بعد ہمارے گہربار مین تصرف شروع کرتا اور ہمین ہمارے آبا و اجداد کی میراث سے محروم کردیتا۔ سعید نے عثمان کو حالات لکہے اور ان لوگون کے جلاوطنی کی خواہش کی۔

مالک اشتر کی جلاوطنی

سعید اور خلیفہ دونون آدمیون نے اشتر وغیرہ کے متعلق اچہے الفاظ استعمال نہ کئے اور انہین شام روانہ کردیا۔ روانگی کے وقت سعید نے کہا کہ "جاتے ہو تو اُن سفہا اور اوباشون کو بہی لیتے جاؤ جو تمہین برانگیختہ کرتے ہین"۔ اشتر نے اسکا نہایت ہی مدبرانہ جواب دیا کہ "کوفہ مین جتنے لوگ ہین سب میرے ہواخواہ ہین اور کوئی اسپر راضی نہ ہوگا کہ تو اُنکے شہر اور گہرون کو اپنا بستان قرار دے"

طنز اور اُسکا جواب

یہ لوگ معٰویہ کے پاس پہونچے معٰویہ نے مدبرانہ پہلو سے قریش کی تعریف شروع کی کہ اگر جلاوطن لوگ خاموش رہین تو گویا اپنا کام کیا اور عذر کرین تو رسول کا نام بہی قریش مین شامل کردین۔

معاویہ اور جلاوطن

شام سے بھی نکالے گئے

اِن لوگون نے بجا جچتی ہوئی تقریرین کین ۔ معویہ نے دھمکایا اور جب دیکھا کہ یہ لوگ رُعب مین آنے والے نہین ہین تو خلیفہ کو لکھہ بھیجا کہ" اُن سے نیکی کی کم امید اور بُرائی کا زیادہ اندیشہ ہے"۔

یہ لوگ حمص بن عبدالرحمن بن خالد ابن ولید کے پاس بھیجے گئے اور بقول ابن خلدون عبدالرحمن نے" انکے ساتھہ ایسا سختی کا برتاؤ کیا کہ یہ لوگ مرعوب ہوکر کہنے لگے ہم اپنے اقوال سے رجوع کرتے ہین اور اللہ تعالے کے سامنے توبہ کرتے ہین"۔

دوسرا شکایتی وفد

زیادہ عرصہ نہین گذرا کہ کچھہ مشاہیر کوفہ نے اکر اشتر وغیرہ کے جلاوطنی اور سعید ابن العاص کے نسبت شکایت کی ۔ اتفاقاً کچھہ بصری بھی آئے تھے اور اِنلوگون نے عبداللہ ابن عامر کریز کی شکایت کی اعثم کوفی کے موافق عثمان نے اپنے عاملون کو طلب کیا اور اُنھین نصیحتین کرکے واپس کیا لیکن یہ لوگ اپنے پُرانے رنگ پر رہے ۔ اہل کوفہ نے پھر خط لکھا اور اُسکے ساتھہ ساتھہ بقول ابن خلدون عامر ابن عبداللہ تیمی کو روانہ کیا اسنے پہونچکر عام مجمع مین کہا" اے عثمان لوگون نے تمہارے افعال پر نظر کرنا شروع کیا ہے تم نے بڑے بڑے ناروا کام کئے ہین ۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور توبہ کرو ۔ امیرالمومنین عثمان نے فرمایا تملوگ سنتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے ۔ لوگ اسکو زاہد و متورع سمجھتے ہین اور یہ مجھے بالمواجہہ ایسی ایسی باتین نا ملائم کہہ رہا ہے واللہ یہ اللہ تعالے کو نہین جانتا کہ کیسا ہے ۔ عامر نے جواب دیا مین اللہ تعالیٰ کو نہین جانتا؟ بے شک اللہ تعالے ظالمون پر قابو پانیوالا ہے"۔ اعثم کوفی کے موافق جو شخص کہ اہل کوفہ کا خط لایا تھا اُسکی خوب مرمت کرائی گئی اور قید کا حکم دیا گیا ۔ جنلوگون نے عرضداشت بھیجی تھی وہ سفہا ۔ اہل بغی اور حسد ۔ سمجھے گئے ۔ کعب ابن عبیدہ جنھون نے اہل کوفہ کے ساتھہ خط بھیجا تھا بلائے گئے انھین کوڑے مارے گئے اور کہین پہاڑ پر قید کئے گئے۔

لوگون نے خلیفہ کی باتون پر نظر شروع کی

خلیفہ کا اللہ تعالے

عرضداشت کے ساتھہ سلوک۔

ابن خلدون کے موافق دیدہ عثمان نے معاویہ ۔ عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرح ۔ سعید ابن العاص عبداللہ ابن عامر ۔ عمر ابن العاص کو مشورہ کی غرض سے طلب کرکے ارشاد کیا ۔ تملوگ میرے وزیر میرے ناصح ۔ میرے معتمد علیہ ہو تم پر مجھے اطمینان ہے کہ تملوگ نیک نیتی سے رائے دوگے ۔ تملوگ اور لوگون کا برتاو دیکھتے ہو ۔ طرح طرح کے الزامات مجھپر قایم کرتے ہین ۔ میرے عمال کی معزولی چاہتے ہین اور جسکو وہ دوست رکھتے ہین مجھے اُسکا پابند اور اُسکی طرف لوٹانا چاہتے ہین ۔ اس امر مین غور کرکے بتلاؤ کیا کیا جائے ۔ جس سے یہ یورش فرد ہو جائے ۔ ابن عامر نے کہا میرے نزدیک ان لوگون کو جہاد مین

معتمدون کی صلاح ۔

معروف کر دیجیے کیونکہ جب فارغ بیٹھینگے تو طرح طرح کے خیالات پیدا کرکے آئے دن ایک نہ ایک فتنہ اُٹھاتے رہینگے۔ سعید نے کہا مناسب یہ ہے کہ انکے سردار ونکی معقول گرفت کیجائے جب انکے سردار ہلاک ہو جائینگے تو یہہ لوگ خود بخود متفرق ہو جائینگے۔ امیرالمومنین عثمان نے فرمایا یہ رائے ضرور مناسب ہے لیکن اسپر عمل کرنا کسی قدر مشکل ہے۔ معاویہ بولے امیرالمومنین اسکام کو امرائے لشکر کے سپرد کیجیے میں شام کو ان لوگوں سے صاف کر دونگا۔ آپ مدینہ کو سنبھالئے اور امرا اپنے صوبہ کو صاف کریں۔ عبداللہ نے کہا یہ لوگ طمعی ہیں انکو مال وزر دیکر اپنا بنالیجیے اس سے زیادہ تالیف قلوب اور کسی صورت سے ممکن نہیں ہے۔ امیرالمومنین عثمان نے ان لوگوں سے رائے لینے کے بعد انکے صوبجات کی طرف واپس کیا اور یہ حکم دیا کہ لوگوں کو جہاد پر روانہ کرو تاکہ اسکی مصروفیت انکو ان خیالات سے روک دے"۔

تصفیہ جو گذشتہ مصالح کی تقلید تھی۔

بعض کے موافق معاویہ نے صلاح دی کہ علی اور طلحہ وزبیر قتل کر دیئے جائیں۔

اہل کوفہ کی مخالفت۔

جس وقت مدینہ میں خلیفہ اپنے معتمدین سے اپنے قیام اختیارات کے متعلق مشورہ کر رہے تھے اہل کوفہ انھیں معزول کرنیکی صلاحوں میں سرگرم تھے۔ چنانچہ سعید ابھی کوفہ واپس بھی نہ آیا تھا کہ یزید ابن قیس نے خروج کیا اور ان لوگوں کو بھی بذریعہ خط کے طلب کیا جو حمص میں عبدالرحمن ابن خالد کے پاس نظربند تھے۔ اعثم کوفی کے موافق مالک اشتر ولایت شام سے کوفہ تیرھویں دن پہونچ گئے۔ انہوں نے موضع جرعہ کو اپنا فوجی مرکز بنایا اور مختلف کار آزمودہ لوگوں کو سپاہیوں کے ساتھ بصرہ۔ عین التمر۔ حلوان۔ مدائن وغیرہ اس حکم کے ساتھ روانہ کیا کہ اگر سعید ابن العاص کوفہ کا قصد کرے تو اُسے مدینہ لوٹا دیں۔ عمر ابن حریص اسکونی نے جسے سعید اپنا قایمقام کر گیا تھا قعقاع کو اس سے روکنا چاہا لیکن قعقاع نے جو فوجی افسر تھا یہ کہکر اُسے روکا کہ "تم سیلاب کو حالت جوش میں روکنا چاہتے ہو صبر کرو یہ لوگ بغیر فساد کیے ہوئے نہ رکینگے"۔ (ابن خلدون) خلیفہ کو یہ خبریں پہونچیں اور انہوں نے سعید ابن العاص کو روانہ کیا اور اعثم کوفی کے موافق عذیب کے قریب عبداللہ کنانہ نے تین سو سواروں سے روک کر کہا "اے دشمن خدا کہاں جاتا ہے لوٹ جا جہاں سے آیا ہے۔ اب دوسری مرتبہ اگر قصد کیا ذکر ہے تو فرات کا ایک قطرہ نہ پی سکیگا"۔ بقول ابن خلدون سعید کے نوکر نے کچھ تکرار کی اشتر نے اسکی ٹانگ گھسیٹ کر ایک ہاتھ مارا اور کہا:۔

مالک اُشتر اور فوجی انتظام

سواد بستان قریش کا جواب

جاؤ عثمان سے کہدو کہ ابو موسیٰ کو بھیجدے"۔ خلیفہ نے ابو موسیٰ کو بھیجدیا اور یہ غالباً اُسوقت تک کوفہ کا برابر عامل رہا جبتک مالک اشتر نے امارت سے نہ ہٹایا۔ جسکا ذکر آنیوالا ہے۔

خلیفہ نے کہنے کے مطابق بدلا۔

اعثم کوفی نے سعید ابن العاص کی روانگی کے وقت اہل کوفہ کے نام عبد الرحمن ابن ابی بکر کی معرفت عثمان کا ایک خط بھیجا ہے اور اشتر نے اُسکا جواب دیا ہے جسے دلچسپ سمجھ کر ہم اُسکا لفظی ترجمہ پیش کرتے ہیں:۔

اہل کوفہ کے نام خلیفہ کا خط

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ عبد اللہ عثمان امیر المومنین۔ یہ خط مالک اشتر اور اُس جماعت مسلمین کو لکھتے ہیں جو اُسکے موافق ہیں۔ تمہیں جاننا چاہئے کہ خلیفہ وقت پر طعن کرنا ایک بڑا وبال ہے اور ظاہری نقصان۔ جو شخص ایسے گناہ پر اقدام کرتا ہے اُسکا نتیجہ بجز بلا۔ سختی۔ عذاب اور مشقت کے کچھ نہیں ہوتا تمنے میرے نائب کی جو بیحرمتی کی وہ مجھے معلوم ہوئی۔ تمکو جاننا چاہئے کہ تمنے جو ظلم کیا وہ خود اپنے اوپر کیا اور اسوجہ سے تمنے خدا کے غضب کے دروازہ کو اپنے اوپر کھولدیا۔ تمنے عوام کو فتنہ مین مبتلا اور اپنے کو عیب و نقص کا خوگر کردیا ہے۔ رعیت مین سے پہلا فرقہ جسنے مخالفت شروع کی اور اپنا طریقہ علیحدہ مقرر کیا وہ تم ہو۔ صورت یہ ہے کہ اُمت کا کوئی گروہ تمہارے اس منافشہ اور مخالفت مین تمہارا ساتھ نہ دیگا۔ اور اِس ناپسندیدہ کام مین تمہاری موافقت نہ کریگا۔ اور اسکا وبال تمہارے اوپر رہیگا۔ ای بندگان خدا خدا سے ڈرو اور حق کی طرف پھرو۔ اعمال ناپسندہ سے توبہ کرو کہ رستگار ہو۔ تمہاری جو غرض اور شکایت ہو مجھے لکھو۔ اگر تم اُس امیر کو نہیں چاہتے جسے مین نے مقرر کیا ہے تو اُسے معزول کردو ہم اُسے مقرر کرینگے جسے تم چاہتے ہو"۔

عبد الرحمن ابن ابی بکر نے یہ خط دیا اہل کوفہ کے سامنے پڑھا گیا اور لوگون نے اشتر سے جواب دینے کو کہا۔ اشتر نے یہ جواب دیا:۔

اہل کوفہ نے مالک اشتر کو جواب کا ذمہ دار کیا

"یہ خط مالک ابن حارث اور مسلمانون کی جماعت کی طرف سے خلیفہ ... کے نام ہے جو سنت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پھر گیا ہے۔ اما بعد خط پہونچا۔ اُسمین لکھا تھا کہ خلیفہ اور ایک جماعت کی مخالفت اور ائمہ پر طعن کرنا وبال عظیم اور ظاہر خسران ہے۔ یہ بات سچی ہے بشرطیکہ خلیفہ عادل ہو اور امورات کو طریقہ حق پر انجام دے اور اگر ایسا نکرے اور راہ صلاح پر نہ چلے تو اُسکے خلاف کرنا اور اُس سے مفارقت کرنا خدا کے نزدیک ایک بڑا وسیلہ اور قربت ہے۔ اپنے عامل کی جو حدیث تونے یاد کی ہے اور کہا ہے کہ

یادگار جواب

ہمنے ظلم کیا اور احترام نہ کیا ہمنے تیری عامل پر ظلم نہین کیا بلکہ اپنے اور بندگان خدا پر سے اُسکا ظلم دفع کیا تجھے چاہیے کہ تو اپنے اور اپنے عاملون کو ظلم سے منع کرے کہ ہم تیرے مطیع اور فرمانبردار رہین اور امر حق مین تیری مدد کرین۔ اور یہ جو لکھا تہا کہ تیرے عامل پر جو کچہہ ہوا اُس سے ہمنے اپنے اوپر ظلم کیا۔ یہ ایک گمان ہے جو تیری نقصان کا باعث ہوگا کہ انصاف اور طلب انصاف کو ظلم کہتا ہے۔ ہملوگ خدا کے فضل سے راہ راست پر ہین اور اچھے آدمیون کے ساتھ سلوک کرتے ہین اور اُسمین کوئی شک اور شبہہ نہین کرتے ہملوگ اپنے اِس شیوہ جمیل مین کوئی تغیر اور تبدل نہ کرینگے۔ جو شخص ہماری اقتدا کریگا راہ راست پر رہیگا اور سعادت حاصل کریگا۔ دنیا اور آخرت مین عزیز اور مکرم ہوگا اور اُنلوگون مین ہوگا جو ظالمون کو مدد نہین دیتا اور قیام سنت اور فرائض مین مداہنت نہین کرتا۔ یہ جو لکھا تہا کہ ہم توبہ کرین اور راہ حق کی طرف لوٹ آئین۔ ہمارا تیری طاعت کی طرف لوٹنا ضلالت ہے اور تقویٰ سے دور ہو جاتا ہے۔ تونے کہا ہے کہ جو ہماری مراد ہو اور جسے ہم امیر چاہتے ہون مقرر کیا جائے تو پہلی خواہش ہماری یہ ہے کہ تو خدا سے طلب امرزش کرے۔ اپنے جرم و گناہ اور تعدی اور ظلم سے جو ہمپر کیا ہے۔ ہمین اپنے گھربار۔ بال بچون اور اعزا سے چھڑا کر دور پھینکدیا اور جو فاسق نائب اور عامل ہمپر مقرر کئے اُن سے توبہ کرے۔ اگر اِس طریقہ پر چلے جو ہمنے کہا ہے تو ہم تیری اُسوقت تک مطیع رہینگے جب تک تو خدا اور رسول کا مطیع رہیگا ورنہ تیرے مخالف ہونگے اور اسپر اصرار کرینگے جب تک خدا ہم مین اور تجھ مین فیصلہ نہ کرے۔ اگر ہماری یہ نصیحتین قبول ہون اور ناپسندیدہ کامون سے توبہ کرے تو عبداللہ ابن قیس کو ہمارے شہر مین بھیج کہ ہم مین مساوات جاری رکھے اور شرائع اسلام کو قایم کرے۔ حذیفہ بن الیمان کو افسر مال مقرر کر کہ وہ رعب سے اپنا معاملہ کرے۔ سعید ابن العاص اور ولید ابن عقبہ کے ایسے لوگون کو جو تیرے عزیز ہین اور رعیت پر اپنے خواہشات نفس کی پیروی سے ظلم اور مخالفت شروع کرتے ہین اپنے پاس رکھ کہ ہم اُنکی امارت کے خواہشمند نہین ہین"۔

کمیل ابن زیاد کا زبانی جواب۔

جو لوگ یہ خط عثمان کے پاس لائے اُنمین کمیل ابن زیاد بہی تھے اور جب پوچھا گیا کہ تملوگ کیا چاہتے ہو تو انہون نے کہا کہ "ہمین وطن مالوف سے باہر نہ کرو کہ ہم اپنے اعزا اور اولاد سے جدا ہو جائین۔ ہمارے وظیفے دو۔ اپنے نوجوان عزیزون کو جو "ہوائے نفس اور شہوات کی تتبع" کرتے ہین ہمارا امیر نہ بناؤ۔ اور اچھے لوگون کے ہوتے ہوئے بُرے کو منتخب نہ کرو"۔

خلیفہ کے ہاتھ سے رسول کی انگوٹھی گر گئی۔

ابن خلدون کہتا ہے کہ "منجملہ اُن اُمور کے جن سے لوگون کے قلوب پر خراش پڑ کر مائل ہوئے آنحضرت صلعم کی انگشتری کا امیر المومنین عثمان کے ہاتھ سے چاہ اریس مین گرجانا تہا جو مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر تہا بہت تلاش کرائی لیکن نہ ملی"۔

عام مخالفت۔

بقول اِسی مورخ کے جب "چارون طرف علانیہ طعن و تشنیع کا بازار گرم ہوگیا۔ روزانہ اسکی متواتر خبرین مدینہ مین پہونچنے لگین۔ مدینہ مین ہی لوگون مین سرگوشیان شروع ہوگئین۔ امیر المومنین عثمان اور اُنکے عمال پر زبان طعن دراز ہوگئی تو" ایک گروہ عوام کا مجتمع ہوکر علی ابن ابیطالب کے پاس گیا اور امیر المومنین عثمان کی شکایات اور بنا ر مخالفت بیان کی۔ علی ابن ابیطالب انلوگون کے کہنے سے امیر المومنین عثمان کے پاس گئے اور لوگون کے خیالات اور اُنکی شکایات و اسباب مخالفت بیان کرکے .....

ایک گروہ علی کے پاس خلیفہ کی شکایت کیلئے گیا۔

علی نے خلیفہ کو متنبہ کیا

اور امیر المومنین عثمان کو انجام کار اور جن خطرات کا اندیشہ ہوتا تہا اُس سے مطلع کیا"۔

جناب امیر کی تقریر

اِسی کتاب کے نوٹ مین جناب امیر کی جو تقریر لکہی اُسکے بعض عبارت توجہ کے قابل ہے کہ "تم اپنے بابت غور کرو بخدا تم بے بصیرتی سے نہین دیکہتے اور نہ تم جہالت کیوجہ سے نہین جانتے اور بیشک راستہ واضح ظاہر ہے اور بیشک اعلام دین قائم ہین۔ سمجہو اے عثمان بیشک اللہ تعالی کے بندون مین افضل امام عادل ہے۔ خود ہدایت پایا (ہوا) اور (جسنے) دوسرونکو ہدایت دی پس اُس نے سنت معلومہ کو قایم اور بدعت متروکہ کو مردہ کیا بخدا یہ دونون امور کہلے ہوئے ہین اور بیشک سنتین قایم ہین انکے لئے اعلام ہین اور بیشک بدعتین بہی قائم ہین اور اُسکے لئے بہی اعلام ہین اور بیشک اللہ تعالے کے نزدیک شریر آدمیون سے امام ظالم ہے (جو) گمراہ ہوا اور (جسنے) گمراہ کیا پس مردہ کیا اُسنے سنت معلومہ کو اور زندہ کیا بدعت متروکہ (کو) اور مین تمکو اللہ تعالے کی سطوت اور انتقام سے ڈراتا ہون کیونکہ اللہ تعالے کا عذاب نہایت شدید و دردناک ہے۔ اور مین تمکو اِس سے ڈراتا ہون کہ تم اِس امت کے امام مقتول ہوکر تمہارے قتل سے اِسپر قتل و قتال کا دروازہ قیامت تک کے لئے کہل جائے اور اسپر اُسکے واقعات ملتبس اور مشتبہ ہوجائینگے اور ایک گروہ چہوڑ دیئے جائینگے جو حق کو بوجہ علوے باطل نہ دیکہہ سکینگے اور اِس مباحثہ مین خلط ملط ہوگا۔ اضطراب و اختلاف اسمین پیدا ہونگے"۔

عثمان منبر پر۔

عثمان اِسکے بعد منبر پر گئے اور کہا کہ "تملوگ میری نرمی اور الطاف کیوجہ سے جری ہوگئے ہو۔ ایسی جرأت تمکو ابن خطاب کے زمانہ خلافت مین نہین ہوئی تمکو مناسب ہے کہ تملوگ اپنے خیالات تبدیل

کردو اپنی رائے سے رجوع کرلو اور اپنے کامون کو اپنے امراپر چہوڑدو جنکو مین نے مامور کیا ہے؛ علی سے کہا "بخدا اگر تم میری جگہہ پر ہوتے تو تمکو مین قرابت دارون کے پاس لحاظ کرنے پر کچہہ بہی کہتا"

اہل مصر کا وفد

اعثم کوفی کے موافق اہل مصر آئے اور انہون نے بہی وہی شکایتین کین جو اور صوبجات کے لوگ کرچکے تہے اور عثمان نے ایک حکم جاری کیا کہ جہان جہان کے لوگون کو شکایت ہو وہ میرے پاس حاضر ہوکر اپنے عذر پیش کرین۔ ابن خلدون کے موافق خلیفہ نے ایام حج مین اپنے عمال کو طلب کیا اور سبہونکو فہمایش کی اور جب لوگ مدینہ آئے تو معاویہ نے کہا (علی۔ طلحہ وزبیر بلوائے گئے تہے)

علی طلحہ اور زبیر سے معاویہ کی پر معنی تقریر

"تملوگ ارباب حل وعقد ہو اور اس اُمت کے سرپرست ووالی ہو تمنے اپنے دوست (عثمان) کو بلا سو رعایت اِس کام کے لئے منتخب کیا اور اب وہ بڈہا ہوگیا اور اسکے حق مین طرح طرح کی باتین مشہور ہورہی ہین تملوگون نے اِس امر مین اگر کچہہ فیصلہ کیا ہے تو مین موجود ہون۔ باقی رہا یہ امر کہ اگر کوئی شخص خلافت وامارت کی طمع کرے تو واللہ تملوگ سوائے پیٹھ پہیر کر بہاگنے کے اِس سے اور کچہہ نہ دیکہوگے" عثمان نے بہی اثنائے گفتگو مین کہا کہ "میرے اعزہ واقارب غریب اور کم مایہ والے ہین مین نے اپنا ہاتہ اُنکے لیئے کہول دیا پس اگر اسمین تملوگ میری غلطی دیکہو تو اسکو واپس لیلو"

جلسہ برخاست ہونے پر معاویہ کہا:۔

معاویہ کی آخری صلاح

"امیرالمومنین! اِس سے پہلے کہ آپ پر حملہ ہو جسکا آپ تحمل نہ کرسکین مناسب ہوگا کہ آپ میرے ساتہہ شام چلے چلین کیونکہ کل شام میرے مطیع ہین"

اِسکے بعد معاویہ شام رخصت ہوگیا۔

اعثم کوفی کے موافق عثمان کے طلب کرنے پر کوفہ۔ بصرہ اور مصر سے لوگ آنے لگے اور وہ لوگ انکے ساتہہ ملگئے جو مہاجر وانصار مین سے تہے اور جنہین عثمان سے شکایت پیدا ہوگئی تہی۔ اور انمین مشورہ ہوا کہ خلیفہ سے کہو کہ وہ عزل گوارا کرین یا ہم قتل کرڈالین گے۔ ابن خلدون کے موافق مصریونکی تعداد ایک ہزار تہی۔ اِسی مورخ کے موافق اہل بصرہ کی طبیعتین طلحہ کی طرف مائل تہین اور کچہہ لوگ بلوایان کوفہ کے اپنے گروہ سے نکل کر اعوص مین آکر مجتمع ہوئے۔ اِن لوگون کا رجحان زبیر بن العوام کی جانب تہا اِس گروہ کے ساتہہ کچہہ لوگ اہل مصر کے بہی تہے اور عام بلوائی تو ذوالمروہ مین ٹہیرے رہے۔ مصریونکی طبیعت علی ابیطالب کیجانب تہی"۔

ابن خلدون کے تین گروہ

اسکے بعد ابن خلدون کے موافق مخالفین عثمان نے علی طلحہ اور زبیر کو خلیفہ منتخب کیا لیکن ان لوگون نے جھڑک دیا اور یہ لوگ اپنے اپنے کمپ مین واپس گئے۔ صبح ہوتے دیکھا تو امیر المومنین عثمان کا مکان محاصرہ مین تھا۔ بلوائیون نے اسکو چارون طرف سے گھیر لیا تھا اور یہ منادی کرائی تھی کہ جو شخص اپنا ہاتھ جنگ سے روک لیگا وہ مامون ہے۔ چند ایام تک امیر المومنین لوگون کو نماز پڑھاتے رہے اور اہل مدینہ اپنے اپنے مکانون مین گوشہ گزین رہے۔"

دار الامارت کا محاصرہ

صاحب صواعق محرقہ ابن عساکر سے زمانہ عثمان کے دوسرے انقلاب بیان کرتے ہوئے جسمین انکی خلاف فرمانیان بنی امیہ کی تقرری۔ ابوذر۔ عمار اور ابن مسعود اور انکے قوم کی ناخوشی کا ذکر کیا ہے کہتے ہین " چون اہل مصر شکوہ عبداللہ ابن ابی سرح کردند عثمان کتابتے نوشت اورا تہدید و نہی ازان اعمال فرمود۔ عبداللہ مذکور ابا کرد از آنکہ سخن عثمان بشنود و در باب آن جماعت و آنکس کہ کتابت از جانب عثمان آوردہ بود اورا بقتل رسانید اہل مصر چون مشاہدہ این حال نمودند ہفتصد کس متفق شدہ بمدینہ آمدند و در مسجد نزول کردند و نزد اصحاب پیغمبر شکوہ آغاز کردند در مواقیت صلوٰۃ از آنچہ عبداللہ ابن ابی سرح باشان کردہ بود۔ آنگاہ طلحہ ابن عبداللہ برخاستہ متکلم شد و سخنے سخت بعثمان گفت۔ باز عائشہ کسے را نزد عثمان فرستاد و گفت اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نزد شما آمدہ اند و التماس میکنند کہ این عامل را عزل کنید و این معنی را ابا مینمائید و حال آنکہ آن مرد شخصے از ایشان را کشتہ است باید ایشان را طریق عدل و انصاف مرعی دارند و دیگر آنکہ علی کرم اللہ وجہہ آمدہ گفت این جماعت اراد نہ دارند مگر آنکہ شخصے را بجائے شخصے نصب کنی و حال آنکہ قبل ازین دعوے خون خود می کردند۔ این عامل را عزل کن و میان ایشان حکم کن اگر حقے بر او ثابت کنند طریق عدالت مرعی دار۔ عثمان گفت ہر کس را کہ ایشان اختیار کنند بجای او نصب کنم آنجماعت محمد ابن ابی بکر را اختیار کردند۔ عثمان او را والی گردانید۔ فرمان جہت او نوشتہ بجانب مصر متوجہ شد و بعضے از مہاجران و انصاریان باتفاق ایشان بیرون آمدند تا ملاحظہ نمایند کہ صحبت میان ایشان و عبداللہ ابن ابی سرح بکجا منجر خواہد شد چون محمد ابن ابی بکر با رفیقہا سہ روز راہ از مدینہ دور شدند در اثنای راہ غلامے سیاہ دیدند کہ بر شترے سوار است و شتر را بسرعت تمام می راند گویا کسی را میجوید یا از کسے میگریزد۔ آنگاہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باو گفتند حال قصہ تو چیست باین مانند کہ از کسے می گریزی یا

طلحہ عثمان کو سخت باتین کہتے ہین۔

عایشہ اور علی بھی نصیحت کرتے ہین۔

محمد ابن ابی بکر کی تقرری۔

شتر سوار۔

کسے را میجوئی گفت من غلام امیرالمومنین علی ام که مرا نزد عامل مصر فرستاده است گفتند او در این مقام حاضر است یا نزد او دیم گفت مرا با ین عامل کار نیست بلکه نزد عامل اول میروم۔ آنگاه محمد ابن ابی بکر را خبردار گردانیدند۔ او شخصے را بطلب غلام فرستاد او را گرفته آوردند چون ازو پرسیدند که غلام کیستی گاهی گفت که غلام حضرت امیرالمومنین عثمان ام وگاہے میگفت غلام مروانم۔ اتفاقاً مردے در انجا حاضر بود و آن غلام را می شناخت گفت غلام مروانست پرسیدند که بچه مهم بمصر میروی و کتابتے میداری یا نه گفت برسالتے میروم و کتابتے ندارم چون تفتیش کردند غیر از اداوه (کوزه) خشک شده با او چیزے دیگر نه بود۔ چون اداوه را متحرک ساختند چیزے دران بود و بیرون نمی آمد آنگاه ان اداوه را شگافتند و کتابتے از انجا بیرون آمد۔ محمد ابن ابی بکر جمعی که از مهاجر و انصار در انجا حاضر بودند ایشان را طلب نموده آن کتابت را خواندند و مضمون آن کتابت این بود که از عثمان نوشته شد بجانب ابی سرح که محمد ابن ابی بکر و فلان فلان که بانجانب می آیند در قتل ایشان حیله کن و کتابت ایشان را باطل سازی و بر عمل خود باقی مانی و برقرار باشی۔ تا وقتیکه پیغامے دیا نامه من بتو رسد و اگر کسے به تظلم تو و شکایت به طرف من آید او را حبس کن تا وقتیکه خبر بتو رسد انشاء الله تعالے۔ آنگاه محمد ابن ابی بکر و اصحاب فارغ شدند از خواندن کتابت آنرا به مُهر جمع که همراه بودند رسانیدند و به کسے امین سپردند و بجانب مدینه مراجعت نمودند"۔

عثمان کا غلام اور خط

خط کا مضمون

جب اصحاب کو یہ حال معلوم ہوا تو "هیچکس از اهل مدینه نماند مگر آنکه بر عثمان دلتنگی و خشم نمودند و اصحاب محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم جمیعاً غمناک شده بمنزلهائے خود رفتند و جماعه مذکور عثمان را محاصره کردند و محمد ابن ابی بکر بجماعت بنی تیم و غیر ایشان بر وے لشکر کشیدند"۔

محمد ابن ابی بکر مدینہ واپس ہوئے کوئی ایسا نہ تھا جو عثمان سے خفا نہ ہوا۔

چون علی مشاهده این امر نمود۔ طلحه و زبیر و سعد و عمار را و جمعی دیگر از اصحاب را که جمع ایشان از اهل بدر بودند طلب نمود و نزد عثمان رفت و شتر و کتابت مذکوره۔ آنگاه بجانب عثمان التفات نمود و گفت۔ این غلام ملک شماست۔ گفت بلے۔ باز گفت این شتر شماست۔ عثمان گفت بلے۔ باز گفت این کتاب شما نوشته آید۔ عثمان قسم یاد کرد بخدائے که این کتابت من نه نوشته ام۔ و کسے را امر نه کرده ام بنوشتن آن و به این علم نه دارم۔ علی گفت مُهر که بر این کاغذ است مهر شماست۔ عثمان گفت بلے مُهر من است باز علی گفت چگونه غلام شما با شتر و کتابتے و مهر شماست بیرون

مقدمہ

مروان کے دینے سے انکار اور اصحاب کا اثر

میرود و شما خبر نہ دارید" .... گفتند مروان را بما تسلیم کن و مروان چون در خانہ عثمان بود از تسلیم نمودن او امتناع نمود و اصحاب بواسطہ امتناع از تسلیم شاکی و غضبناک از منزل عثمان بیرون آمدند۔ و نزد ایشان ظاہر و وانیح بود کہ عثمان سوگند دروغ یاد نمی کند و ازین معنی خبر نہ دارد۔ ولیکن قومے گفتند کہ ابرار ذمہ عثمان نمی شود مگر آنکہ مروان را بما تسلیم نماید و باو مباحثہ کنم و بدانیم کہ چون امر نمودہ است بہ قتل دو مرد از اصحاب مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم بغیر حق۔ از دو حال بیرون نیست اگر عثمان نوشتہ باشد او را عزل میکنم۔ و اگر مروان از زبان عثمان نوشتہ در امر مروان نظر خواہم کرد۔ و بعد ازین حکایت اصحاب از خانہ خود بیرون نیامدند و عثمان مروان را نزد ایشان نہ فرستاد از قتل او اندیشید بنابراین آن گروہ محاصرہ عثمان کردند و آب از وی منع نمودند"

محاصرہ کرنیوالوں نے عثمان کے پیچھے نماز پڑھنا ترک کر دی۔

اِس واقعہ کا اثر اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ بقول ابن خلدون" اُسوقت تک بلوایان مصرو کوفہ وبصری امیر المومنین عثمان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے لیکن اس واقعہ کے بعد اُنہون نے لوگون کو امیر المومنین عثمان کے پاس جانے اور اُنکے پیچھے نماز پڑھنے سے روکنا شروع کیا"۔

عثمان اپنے عاملونکو مطلع کرتے ہین

امیر المومنین عثمان نے والیان ممالک اسلامیہ کے نام متعدد فرامین بھیجے اور اُن کو اِن واقعات سے مطلع کیا۔

اعثم کوفی کے موافق زمانہ محاصرہ مین عثمان نے عبد اللہ ابن عمر سے کہا تم دیکھتے ہو کہ مخالفین میری عزل کی نسبت کہتے ہین اسپر عبد اللہ نے کہا:۔

ابن عمر کی صلاح کہ جماعت کو عزل کا اختیار نہ دو

" یہ طریقہ جاری نہ کرو کہ جس وقت جماعت خلیفہ سے راضی نہ ہو اُسے معزول کر دے اور دوسرے کو اُسکی جگہہ بٹھائے۔ جس لباس کو خدا تعالےٰ نے تمہین پہنایا ہے اُسے محفوظ رکھو اور جدا نہ کرو۔ اس قوم سے کہو کہ ہم کتاب خدا اور سنت محمد مصطفےٰ پر عمل کرینگے اگر مانین تو وہ اُن کے لئے بہتر ہے اور اگر انکار کرین تمہارے لئے اچھا اور اُنکے لئے بُرا ہوگا۔"

عمرابن عاص اور مغیرہ کی سفارت بیکار ہوئی۔

عثمان نے مغیرہ ابن شعبہ کو بلایا اور انھین سفارت پر روانہ کیا لیکن انکے استقبال کو "فاتحانہ کامیابی مطلق نصیب نہ ہوئی۔ عمرابن عاص بھیجے گئے اور یہ بھی "شرمندہ" واپس ہوئے۔

جناب امیر کی وساطت اور لوگونکا صاف جواب اور رضامندی۔

اب ابن عمر کی صلاح سے علی کو بیچ میں ڈالنا پایا اور جناب امیر نے اِس شرط پر سفارت منظور کی کہ "مجھسے عہد کرو کہ جو کچھ تم سے کہونگا اُسپر وفا کروگے۔" جناب امیر تشریف لیگئے

اور لوگون نے کہا اے ابوالحسن آپ سعادت واپس چلے جایئے اور اس مین تکلیف نہ اُٹھایئے۔ ہم جانتے ہین کہ یہ معاملہ طے نہ ہوگا۔ اِس قوم کا ارادہ دوسرا ہے۔ ہم لوگون کو آپ کی عزت ہے۔ آپکی عزت واجب۔ ہم چاہتے ہین کہ ہماری طرف سے آپکی حُرمت مین کوئی تقصیر نہ ہو"۔

جناب امیر کی ذات نے اُنھین راضی کیا۔ عثمان پاس آئے صلحنامہ ہوا اور اسکے بعد غلام اور خط کا قصہ تہا۔

واقعات کے خلاف تقریر پر لوگون کی صدا

اِسکے بعد عثمان نے خطبہ پڑہا اور برارت ظاہر کی۔ مجمع کی حالت بہت جوش کی تہی۔ اثنائے تقریر مین عثمان پر ڈھیلے پڑے اور یہ ممبر پر نہ رہ سکے۔ ابن خلدون نے بہی یہ کہا ہے کہ جب علی کے سمجہانے سے لوگ واپس ہوئے تہے تو مروان نے خلیفہ سے کہا کہ آپ منبر پر تقریر کیجئے کہ اہل مصر اسوجہ سے واپس ہوئے کہ اُنھین جہوٹ خبرین ملی تہین۔ جون ہی عثمان نے تقریر شروع کی چارون طرف سے آواز آنے لگی اتق اللہ یا عثمان وتب الی اللہ۔ سب کے پہلے اِس فقرہ کو عمرو ابن العاص نے کہا تہا"۔ اِسی مورخ نے یہ بہی کہا ہے کہ جب توبہ والی تقریر کر چکے تو

لوگون سے سختی کرنیکا حکم

بنی اُمیہ نے عثمان کو ملامت کی اور جب اِسکے بعد چند آدمی رخصت ہونے یا اور کسی غرض سے دروازہ پر جمع ہوئے تو عثمان نے مروان سے فرمایا کہ تو جا کر اِن لوگون سے ہمکلام ہو اور گفتگو کرنے مین درشتی سے کام لے چنانچہ مروان نے نکل کر کہا:۔

بنی امیہ اپنے ذاتی اختیار کیلئے لوگون کی صدا سے لاپرواہ تہے۔

"تم لوگون کو کیا ہوگیا ہے تمہاری کیا حالت ہے۔ تم لوگ ہمارے قبضہ سے ہمارے ملک کو چھیننے کو آئے ہو۔ بخدا اگر تمنے کسی قسم کا قصد کیا تو ہم تمپر ایسا بوجھ ڈالین گے کہ جسکو تم اُٹھا نہ سکوگے۔ جاؤ اپنے اپنے مکانات کی طرف لوٹ جاؤ بخدا جو ہمارے قبضہ مین ہے اُسمین ہم تمسے مغلوب نہین ہین"۔

اِسی مورخ کے موافق جب جناب امیر نے یہ تقریر سُنی تو فرمایا:۔

یہ تقریر سنکر علی پر اثر

"تمنے عثمان کا خطبہ کل اور مروان کا کلام آج سُنا ہے۔ مین جب گھر مین بیٹھ رہا تو عثمان نے مجھے کہا کہ تمنے مجھے چھوڑ دیا تمنے میری قرابت وحق کا پاس نہ کیا اور جب مین نے دخل دیا اور لوگو نکو سمجہا بوجہا کر درست کیا تو مروان کے کہنے سے لڑکون کے کھیل کی طرح اُسکو اُلٹ پلٹ دیا۔ تعجب ہے کہ عثمان باوجود مُسن ہونے اور آنحضرت صلعم کے صحبت سے مشرف ہونیکے مروان کے قبضہ مین ہے جس طرح وہ چاہتا ہے اُسطرف پھیر دیتا ہے"

علی عثمان کے پاس جانیکا مشورہ کرتے ہین۔

اسکے بعد جناب امیر نے عثمان کو مروان کے تسلط پر ملامت کی اور کہا کہ "آج سے اب مین پھر تمہارے پاس نہ آونگا" نائلہ زوجہ عثمان یہ تقریر سن رہی تھین انہون نے بھی مروان کی پابندی پر نصیحت اور علی ابن ابیطالب سے صلاح و مشورہ لینے کی رای دی"۔

نائلہ کی صلاح

اس روایت کے موافق کہ وقت نماز، جناب امیر خیبر مین تھے [illegible] آئے اور عثمان ملاقات کو گئے تو کہنے لگے:

عثمان کس بات کو باعث ننگ جانتے ہین۔ طلحہ اور علی

"اے علی میرے حقوق تم پر بہت ہین۔ بھائی ہونے کا حق ہے۔ قرابت داری کا حق ہے۔ ہم الف ہونیکا حق ہے اور بفرض تقدیر اگر جاہلیت ہی کا زمانہ ہوتا تو بھی بنی عبد مناف کے لئے یہ امر باعث ننگ تہا کہ بنو تیم انکے قبضہ سے حکومت چھینے۔ علی ابن ابیطالب یہ سنکر طلحہ کے پاس گئے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ جواب دیا۔ کیا جب اسکے کہ تنگ نے مس کیا چھاتیونکو اے ابوالحسن (کسی کام کے حد سے تجاوز ہونیکا محاورہ۔ یہ ظاہر ہے کہ جب تنگ چھاتیون تک پہونچ جائے گا تو زین پشت پر نہین ٹھہر سکتا) علی ابن ابیطالب لوٹکر بیت المال کی طرف آئے لوگون کو جو کچھہ مناسب تہا دیا۔ لوگ طلحہ کے پاس سے اٹھکر چلے گئے۔ اکیلے طلحہ رہ گئے۔ امیر المومنین عثمان کو اس سے مسرت ہوئی۔ بعد اسکے طلحہ امیر المومنین عثمان کے پاس آئے آپ نے فرمایا مین تائب نہین ہوا لیکن مغلوب ہوا ہون پس اللہ تعالی اے طلحہ تمکو کافی ہو"۔

اہل مصر جس وقت غلام کو گرفتار کے واپس آئے تو انہون شکایتین پیش کین اور کہا "یہ تعجب کا مقام ہے کہ اس قسم کے خطوط تمہاری مہر سے لکھے جائین اور تمہارا غلام لیکر جائے اور تمکو اسکی اطلاع نہو۔ پس تم جھوٹے ہو یا سچے ہو اور ہر دو تقدیر پر تم سے خلافت لے لینا مناسب ہے کیونکہ جھوٹے کو مسلمانون کا والی بنانا جائز نہین ہے اور اگر سچے ہو تو تمہارا ضعف اس حد تک پہونچ گیا ہے کہ تمہارے بغیر اجازت و اطلاع جسکا جو جی چاہتا ہے کرتا ہے لہذا بہتر یہ ہے کہ تم خلافت چھوڑ دو۔ امیر المومنین عثمان نے فرمایا مین اُس لباس کو نہین اُتارنا چاہتا جس کو اللہ تعالی نے مجھے پہنایا ہے۔ یعنی مین خود منصب خلافت ترک نہین کرونگا۔ ہان یہ ہوگا کہ اگر مجھسے غلطی ہوگی تو مین توبہ کرونگا اور اپنی غلطیون سے رجوع کرونگا۔ ابن عدیس نے کہا

جہان عثمان کو خلیفہ بنانیوالے اللہ تعالی ہے مرادف ہین۔

ہم بارہا دیکھہ چکے ہین کہ تم توبہ کرتے ہو اور پھر وہی کام کرتے ہو اب ہمپر فرض ہے کہ ہم تجسے خلافت چھین لین یا تمکو قتل کر ڈالین اور اگر تمہارے دوستون مین سے کوئی مزاحمت کرے تو اُس سے بھی لڑینگے اور جب تک ہم

زندہ مین لوٹتے جائینگے بس یا تو ہم کہ پہونچین یا مر جائینگے"... علی ابن ابیطالب اُٹھے اور بلوائیون کو امیر المومنین عثمان کے پاس سے نکال کر اپنے مکان پر چلے آئے۔ اور مصریون نے امیر المومنین عثمان کے مکان کا دوبارہ محاصرہ کر لیا۔ دوبارہ محاصرہ کرنے کے بعد معاویہ و ابن عامر کو امداد کیلئے لکھا۔

معاویہ وغیرہ سے عثمان امداد طلب کرتے ہین۔

معاویہ کا جواب۔

اعثم کوفی کے موافق معاویہ نے جواب دیا خدا نے جب تک کوئی نعمت تمہین دی ہو مین اُسے واپس نہین کر سکتا اور تین بیابان سے بھاگ کر تو دشمن آن کر اس صوبہ پر حاوی ہو جائینگے۔ عبد اللہ ابن عامر کو بڑی بہت تنگ لوگون کو آمادہ کرنا چاہا لیکن کوئی نہ گیا۔

"پھر امیر المومنین عثمان کے مشیر ان نے رائے دی کہ علی ابن طالب کو ان لوگون کے روکنے کیلئے بھیجو کہ وہ انکو سمجھا بوجھا کر واپس کر دیں اور انسے وعدہ کر دین کہ اُنکی مرضی کے موافق عمال کی بحالی و معزولی کیجائیگی چنانچہ علی ابن ابیطالب بلوائیون کے پاس گئے۔ وعظ و پند کرکے اُنکی درخواستون کے موافق عملدر آمد کرنیکا وعدہ کیا بلوائیون نے کہا آپ ایک میعاد مقرر کیجئے۔ علی ابن ابیطالب لوٹ کر امیر المومنین عثمان کے پاس آئے۔ امیر المومنین عثمان نے تین دن کی مدت مقرر فرمائی۔ علی ابن ابیطالب نے ایک عہد نامہ لکھ کر بلوائیون کو دیا جسمین اقرار تھا کہ تین دن کے اندر اُنکی مرضی کے موافق عمال کی تقرری و معزولی اور اُنکی شکایات رفع کر دی جائینگی۔ بلوائی اس اقرار نامہ سے بلا جنگ و جدل رکے رہے لیکن امیر المومنین عثمان نے کسی وجہ سے کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ کیا۔ بعد انقضاء میعاد بلوائیان مصر ذی خشب سے مدینہ مین ایفاء عہد کی غرض سے آئے۔ امیر المومنین عثمان نے انکار کیا۔ بلوائیون نے برہم ہو کر چارون طرف سے محاصرہ کر لیا"

پھر علی کی وساطت اور تین دن کی میعاد مہلت

اسکے بعد ابن خلدون ہی کے موافق عثمان نے سب لوگون کو بلوا بھیجا جسمین بلوائی اور غیر بلوائی سبھی تھے اسکے بعد کہنا شروع کیا "اے اہل مدینہ مین تمکو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہون اور اس سے دعا کرتا ہون کہ میرے بعد تمپر کسی اچھے کو خلیفہ بنائے۔ یہ کہکر تھوڑی دیر تک خاموش رہے پھر سر اُٹھا کر بولے۔ تمکو مین اللہ تعالیٰ کی قسم دلاتا ہون کیا تم جانتے ہو کہ عمر کے زخمی ہونے کے وقت تمنے اللہ تعالیٰ سے دعا کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کسی کو منتخب کر دے اور تمہارے بہترین شخص پر تمکو مجتمع کر دے۔ کیا تم کہوگے کہ یہ نہین قبول کیا یا کہوگے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو اس دین کا ولی کیا ہے اسکو ابتلا مین نہین ڈالا یا کہوگے کہ امت نے مکابرہ سے یا بغیر مشورہ کے ولی کیا ہے۔ بس اپنے کام کو اسکے

عثمان کا لوگون سے خطاب

سپرد کر دیا بغیر میرے انجام بینی کے۔ پھر مین تمکو اللہ کے قسم دلاتا ہون تم لوگ میرے سوا ان کو جانتے ہو جنکا حق واجب ہے پس درگذر کرو۔ کیونکہ تین آدمیون کے سوا اور کسی کا قتل کرنا جائز نہین ہے۔ زانی محصن اور مرتد اور قاتل بغیر حق کا۔"

لوگون کا جوا

" بلوائیون نے جواب دیا کہ جو تم نے بعد عمر فاروق کے استخارہ کے نسبت کہا ہے تو اصل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے جو کچھ اسمین کیا اچھا کیا لیکن درحقیقت اللہ تعالے نے تمکو ایک بلا بنایا ہے جسمین اس نے اپنے بندون کو مبتلا کیا ہے۔ اور حق اور سابقیت اسلام کو جو تم کہتے ہو تو وہ صحیح ہے اور تم ضرور اسکے مستحق تھے لیکن تم نے بہت سی باتین ایسی کین ہین جس سے تمکو ہم حق قائم کرنیکے لیے بہی نہین چہوڑ سکتے اس خیال سے کہ مبادا اسسال آیندہ اور فتنہ و فساد برپا ہو اور باقی رہا حصر کرنا کہ تین ہی آدمیون کو قتل کرنا چاہئے اسکے نسبت ہم یہ کہتے ہین کہ ہم اللہ تعالی کی کتاب مین سوائے اُن تینون آدمیون کے اور لوگون کا قتل کرنا بہی جائز دیکھتے ہین ازانجملہ ان آدمیون کا قتل کرنا روا ہے جو دنیا مین باعث فساد ہون یا بغاوت پر جو شخص لڑے یا حق و راستی کو منع اور اُسپر مکابرہ کرے۔ اور تم نے بیشک بغاوت کی اور حق پر مکابرہ کیا اور جو لوگ فساد کے باعث ہین اُنکے طرفدار ہوئے اور بلاشبہہ تم نے امارت کا زور و دباؤ ہمپر ڈالا اور بیشک جو لوگ ہمسے لڑے اور لڑنے کو آتے ہین وہ تمہاری امارت کی وجہ سے لڑتے ہین پس اگر تم خلافت چہوڑ دو تو وہ لوگ برسر مقابلہ نہ آئین گے۔"

کھانا پانی بند کرنے پر
علی لوگون کو ملامت
کرتے ہین۔

اسکے بعد خلیفہ کے پاس پانی پہونچنا مشکل ہوگیا۔ اور بقول ابن خلدون عثمان نے علی و طلحہ و زبیر و امہات المومنین کے پاس کہلا بہیجا کہ بلوائیون نے میرا پانی بند کر دیا ہے اگر تم لوگ مجہکو پانی پہونچا سکتے ہو تو مجہے پانی بہیجدو۔ علی ابن ابیطالب اس دردناک خبر کے سنتے ہی علی الصباح سوار ہوکر بلوائیون کے پاس گئے اور اُنکو مخاطب کرکے فرمایا:۔ "ای لوگو تمہارا یہ فعل نہ مسلمانون سے مشابہ ہے نہ کافرون سے تم لوگ اُس شخص (عثمان) کا پانی و کھانا نہ بند کرو۔ بلاشبہہ رومی اور ایرانی اپنے قیدیون کو کھلاتے پلاتے ہین۔"

حضرت عایشہ

واقعات کی یہ صورت تھی کہ بقول ابن خلدون "ام المومنین عایشہ صدیقہ بقصد حج نکلین اور اپنے بھائی محمد کو ہمراہی کی غرض سے بلایا۔ محمد نے ساتھ جانے سے انکار کیا۔ حنظلہ کاتب وحی بولے تمکو ام المومنین اپنی ہمراہی کے لئے بلاتی ہین۔ تم اُنکے ساتھ نہین جاتے ہو اور سفہاء عرب کی اتباع کرتے ہو

جو تمہارے شایان شان نہین ہے۔ لغرض محال اگر اسکا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ امیر المومنین عثمان مغلوب تو تم پر بنو عبد مناف مسلط ہو جائینگے"۔

بنو عبد مناف کے تسلط کا خوف۔

یہ واقعہ اعثم کوفی مین جس وضاحت سے موجود ہے اُس سے اِس وقت حج کی روانگی اور انکے بعد حیرت خیز جذبہ ہمدردی کا پیدا ہونا دونون اچھی طرح سمجھ مین آئیگا۔ وہ لکھتا ہے:۔

حضرت عایشہ اور عثمان مین کشیدگی تھی

"پیش ازین در میان عایشہ و عثمان گفتگوے رفتہ بود و عایشہ از و ناخوش دل گشتہ خشم گرفتہ سبب آنکہ گر روزے چند در وظیفہ ارزاق کہ عایشہ رامعین بود تاخیرے افتادہ و بمتعلقان او واصل نشدہ۔ عایشہ او را گفت اے عثمان امانت بخوردی و رعیت را ضایع گذاشتی و جماعتے بد مردمانرا از خویشاوندان خویشتن بر سر نیک مردان و ضعیفان مسلط گردانیدی خدا یتعالیٰ ترا از آسمان آب ندہاد و از برکات زمین محروم بگرداناد۔ اگر حرمت پنج نماز نیستی کہ می گذاری والا ترا چنان کشندے کہ شتران را کشند۔ عثمان این آیت از قرآن مجید در جواب سخنان او بر خواند۔

حضرت عایشہ کا غصہ

ضرب اللہ مثلا للذین کفروا امراۃ نوح وامراۃ لوط کانت تحت عبدین من عبادنا الصالحین فخانتاہما فلم یغنیا عنہما من اللہ شیئاً وقیل ادخل النسار مع الداخلین۔ ازین معنی خاطر اندیشہ مردان بر عثمان بغایت (۲) ومیگفت بکشید این پیر کفتار را کہ ہنوز پیراہن حضرت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ کہنہ نشدہ است کہ سنت او را کہنہ کردند بکشید این پیر کفتار را و زندہ مگذارید۔ درجملہ چون مردمان بمنازعت عثمان برخواستند و بر در سرای او گرد آمدند و او در سرای نیا فتند عایشہ کار ساختہ کرد و راحلہ مرتب گردانید و جانب کہ بر عزیمت حج گذاردن روان شد۔ مروان حکم بخدمت او رفت و گفت اے مادر مومنان اگر عزیمت حج در توقف داری و درمعنی این واقعہ کہ عثمان را افتادہ است بآن قوم کلمہ گوئی تا شر این قوم از و دفع شود ہمانا اولیٰ تر باشد و ثواب آن از حج زیادت۔ عایشہ گفت آن ساعت این سخن با من مگوی کہ حج بر من فرض شدہ است و اللہ کہ مقام نتوانم کرد۔ مروان حسب حال ابن بیتہ بخواند۔ ضرب قیس علی البلاد حتی اذا اضطرب اجحما۔ یعنی قیس آتش فتنہ در شہرہا زد چون آتش در گرفت و شعلہ فتنہ بلند گشتہ قیس سر خویش گرفت و برفت۔ عایشہ گفت بیدانم کہ این چہ مثل است

مروان اور عایشہ

مروان جہلا کر شعر پڑھتا ہے۔

کہ میرزنی۔ مراد وضع این طایفہ از امیر المومنین عثمان مقصر دانی دراست پنداری کہ من در خلافت بشکم داوما ا یمن نمی شناسم این بگفت بجانب کہ معظمہ زاد ہا مدشر خاروانہ شد"۔

توبہ یا خلع

طبری کہتاہے "حضرت عایشہ بجنگ بود چون اورا (عثمان) حصار گرفتند او بحج می رفت ومی گفت عثمان رضی اللہ عنہ راکہ توبہ بابستے کردن ویاخویشتن راخلع کردن"۔

لوگو رسول کے کپڑے پرانے نہیں ہوئے کہ سنت کہنہ ہوگئی

صاحب روضۃ الصفا کہتاہے کہ عایشہ آزردہ تہین اور "مردمان را بر مخالفت می گماشت و میگفت ہنوز جامہ رسول نو است کہ سنت او کہنہ ومتروک شد"۔

مدد کی خبر سنکر محاصرہ کی سختی۔

بقول طبری جس وقت محاصرہ کرنے والونکو معلوم ہوا کہ عثمان نے اپنے عاملون سے مدد طلب کی ہے تو انہون نے محاصرہ مین سختی شروع کی۔ طلحہ نے بیت المال پر قبضہ کرلیا اور کہا کہ "عثمان را سخت گیرید کہ فوج نزدیک او آمد" اور عثمان نے یہ سنکر کہا کہ یہ سب طلحہ کا کیا ہوا ہے کہ خود خلیفہ ہو جائے۔

بقول روضۃ الصفا "عثمان گفت کہ طلحہ این فتنہ انگیختہ است"۔

طلحہ زبیر اور سعد کا عثمان کے پاس آنے

اعثم کوفی کہتاہے کہ ایام محاصرہ مین جو پچاس روز تک قایم رہا۔ ایک روز عثمان کوٹھے پر آئے اور سلام کیا اور پوچھا کہ تم مین طلحہ زبیر اور سعد ہین اور جب یہ لوگ سامنے آئے تو شکایت کی کہ ہمین گمان نہ تھا کہ تم کسی مجمع مین ہو ہم سلام کرین اور تم جواب نہ دو۔ اسکے بعد خلیفہ نے علی کو پیغام بھیجوایا کہ ہمارے پاس پانی نہین ہے اور بقول صاحب صواعق و اعثم کوفی وغیرہ علی نے تین مشکین بھیجدین

حسنین زخمی ہوئے۔

کھانا علی تو کرتے

حسنین قنبر اور اکثر بنی ہاشم کو حکم دیا کہ مخالفین مین سے کسی کو گھر مین داخل نہ ہونے دو۔ اور روایتین یہ بھی کہتی ہین کہ اس کشمکش مین حسنین زخمی بھی ہوئے۔

اعثم کوفی نے یہ بھی کہاہے کہ جسوقت محاصرہ کی شدت ہوئی عثمان نے چند شعر علی کو لکھ بھیجے جسکا مفہوم تہا کہ کیا تم اسے گوارا کروگے کہ تمہارا ابن عم قتل ہوجائے۔ جب علی نے یہ شعر پڑھا مسجد مین آئے۔ بنی ہاشم اور خدام جمع ہوئے اور جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ علی مدد کے لئے آتے ہین تو لوگون نے طلحہ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ طلحہ نے اپنے کو تنہا دیکھکر عثمان کے پاس جاکر عذر کرنا مناسب سمجھا۔

عذر

عثمان نے عذر قبول نہ کیا اور جواب دیا کہ تمہاری معذرت اُس وقت شروع ہوئی جس وقت تمنے دیکھا کہ لوگ تمہین چھوڑ کر علی کے پاس چلے گئے اور وہ مدد کے قصد سے آتے ہین۔

اس درمیان مین محاصرہ کرنے والون نے دروازہ مین آگ لگادی اور کچھ لوگ پشت سے گھر مین داخل ہوگئے۔ صواعق محرقہ ہو ابن خلدون ہو یا اعثم کوئی ہر شخص اسکا تذکرہ کرتا ہے کہ محمد ابن ابی بکر گئے اور عثمان سے گفتگو ہوئی۔ "اگر عثمان نے کہا کہ تمہارے باپ ہوتے تو میرے بڑہاپے کی قدر کرتے تو محمد ابن ابی بکر نے کہا کہ میرا باپ تمکو یہ کام کرتے دیکھتا تو وہ ان کامون کو پسند نہ کرتا اور مجھے زیادہ سختی سے تمہاری ڈارھی پکڑتا" اور اسکے بعد چلے گئے۔

۱۸ ذی الحجہ سنہ ۳۵ھ

اب کچھ لوگ داخل ہوئے اور انھون نے قتل کرڈالا۔ قاتل کا نام نہ مورخین کو معلوم ہے اور نہ علی کے سوال پر نائلہ بنت الفرافصہ بتاسکین۔ اور اسکی بھی تصدیق کی کہ محمد ابن ابی بکر قاتل عثمان نہیں ہین۔ ابن خلدون کتاب کر "بیان کیا جاتا ہے کہ ..... عمیر بن صابی نے ٹھوکرین مارین جس سے چند پسلیان ٹوٹ گئی تہین۔ ٹھوکرین لگانیکے وقت یہ کہتا جاتا تھا تمنے میرے باپ کو قید کیا تہا جو بیچارہ حالت قید ہی میں مر گیا"

کوئی قاتل عثمان کا نام نہ جانتا تہا

باپ کا انتقام

قتل عثمان کے وقت عمال

اسی مورخ کے موافق "بوقت شہادت ممالک اسلامیہ مین عمال اس تفصیل سے تھے۔ مکہ مین عبد اللہ ابن الحضرمی۔ طائف مین قاسم بن ربیعہ ثقفی۔ صنعا مین یعلیٰ ابن منبہ۔ جند مین عبد اللہ ابن ربیعہ۔ بصرے مین عبد اللہ ابن عامر۔ شام مین معاویہ بن ابی سفیان۔ اور حمص مین عبد الرحمن ابن خالد۔ قنسرین مین حبیب بن مسلمہ۔ اردن مین ابو الاعور اسلمی فلسطین مین علقمہ بن حکیم کندی۔ معاویہ کی طرف سے۔ اور بحرین مین عبد اللہ بن قیس فزاری عامل تھے قضا ابو الدردا کے سپرد تہی۔ کوفہ مین امامت ابو موسیٰ اشعری کرتے تھے جنگی افسری قعقاع ابن عمرو کے قبضہ مین تہی۔ خراج سواد پر جابر مزنی اور سماک انصاری مامور تھے۔ اور قرقیسا مین جابر بن عبد اللہ۔ اذربائیجان مین اشعث ابن قیس۔ حلوان مین عتبہ بن نہاس۔ اصفہان مین صائب ابن اقرع۔ سیدان مین خنیس گورنر تھے۔ مدینہ منورہ مین بیت المال کے افسر عقبہ ابن عمرو اور قضا پر زید بن ثابت تھے۔"

باب چہارم کا نشو

اور واقعات کا خلاصہ

گذشتہ افسوسناک حالت کے لکھنے اور اُسپر تنقیدی نظر ڈالنے مین ذاتی طور سے مجھے کیسے ہی کراہت کیون نہ ہو لیکن ایک مورخ کی دیانت اِسکی مقتضی ہے کہ وہ واقعات لکھے۔ واقعات کسی نوعیت کے کیون نہ ہون اور دیکھے اور دکہائے کہ ان واقعات کو اُن واقعات اور شخص سے کیا نسبت ہے جکا دکھانا اصل مقصود ہے۔

رسول کے بعد سے ہمنے اسکا ضروری اہتمام کیا ہے کہ ہم یہ دکھاتے آئین کہ کون کون سے لوگ انکے مددگار اور ہمخیال تہے۔ اور ان لوگون کا ضروری تعارف بہی کسی حد تک کرایا جا چکا ہے۔ ان لوگونمین جس حد تک آپس کی مشورت اور یکجہتی غرض کیون نہ ہو چونکہ انکا واقعہ حکومت ایک انقلابی شکل کا تھا اور بلحاظ اِسکے کہ فوراً ہی حاصناس کو اہل ردت اور مانعین زکوٰۃ کی طرف جھکار دیا اس لئے صاحب اختیار لوگون کو اِسکا کافی موقع ملا کہ وہ نہ صرف اپنے کو اپنی جگہہ مضبوط کرتے بلکہ لوگون کو جو اُنکے قریب یا دور سے تہے امید وبیم مین مبتلا کرکے اور بانونکی طرف غور کا موقع نہ دیتے۔ خلیفہ اول کا دو برس یا کچھہ زیادہ کا زمانہ ایسا نہ تہا جسمین لوگون کی یہ مشغولیت تمام ہو گئی ہوتی بلکہ یہہ زمانہ وہ تہا جسمین انہین ایسی مشغولیت کی چاٹ پڑ گئی اور اُنکے ذہن مین یہ بات سما گئی کہ قسمتاً جو کچھہ ہے وہ تو باہر ہے مدینہ مین کیا دہرا ہوا ہے۔ اِسنے مدینہ کی بچی بچائی پرانی فضا سے علیحدہ کر دیا۔

مشغولیت نے اپنے ہاتھ خالی رکھے اور دوسرونکو غور کا موقع نہ دیا۔

بنی امیہ کو شام کا صوبہ دکہا دیا گیا ظاہراً ان سے کام نکالا گیا اس لئے کہ وہ علی کی طرف رُخ نہ کر سکین اور صدر مقام سے حتی الوسع دور ہی رہین۔ انکی ماتحتی مین لوگ تہے۔ فتح۔ نام آوری اور غنیمت تہی۔ خالد دیکھہ رہا تہا کہ ہمنے جس نصیفہ سے اسلام قبول کیا تہا وہ کسی طرح غلط نہ تہا۔ آج حکومت ہمارے سیف اللہ ہونیکا اعلان کر رہی ہے۔ ہمارے ہاتھہ اور تلوار کی آزادی مین کوئی شئے حائل نہین ہے۔

ابوبکر اور عمر کی پسند کے عناصر مین کوئی فرق نہ ہو سکتا تہا حقیقتاً یہ دونون آدمی ایک اتفاق مین بسر کر رہے تہے۔ اور ایک دوسرے کے معاون تہے۔ تعین عمال مین ابوبکر کی پسند اور عمر کی قبولیت مین جس قدر اختلاف دکھائی دیا وہ صرف خالد کے متعلق تہا۔ کچھہ دنون تک تو عمر اور خالد کا معاملہ ذاتی حیثیت کا رہا لیکن اِسکے بعد خالد یا مثنے ابن حارثہ کی معزولی بقول خلیفہ اس حد

ابن حارثہ ا خالد کے معزولی کی وجہ۔

کے اندر بھی آئی کہ انھین فتوحات کی وجہ سے غرور پیدا ہو گیا تھا۔ یا مغیرابن شعبہ اسوجہ سے ہٹایا گیا کہ وہ بنوایاد مین بہت صاحب اثر ہو گیا تھا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ان جوابون مین انلوگونکے صاحب قوت ہونیکا خوف چھپا ہوا نہین تھا۔

عموماً شرکت جنگ سے امر مانع نہ تھا۔

خلیفہ ثانی کے زمانہ مین نئے لوگ بھی آزمائے گئے۔ نئے سے میرا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جنھون نے بنی ہاشم کے حقوق سے کوئی مخالفت نہ ظاہر کی تھی اور جنھون نے ابتدائی یورش مانعین زکوۃ کے قتل مین کوئی شرکت نہ کی تھی اور جو آخر مین بنی ہاشم کے بڑے موید اور دوست ثابت ہوئے جنھین مین نے خلیفہ ثانی کے مخصوص عمالون کے علاوہ دکھایا ہے مثلاً عبداللہ ابن بدیل۔ جریر۔ اشتر۔ براء وغیرہ۔ مین سوچتا ہون کہ اب حالت یہ ہو چلی تھی کہ نہ حکومت کو بغیر دائرہ اعتبار بڑھائے مفر تھا اور نہ اُن لوگون کو پیش قدمی بغیر چارہ تھا جو کچھ زمانہ تک خاموشی اور بیکاری سے سوکھتے رہتے تھے۔ اور موقع تو ا بھی یہ تھا کہ خسرو اور قیصر سے جنگ کیجائے جنھین سے اول الذکر مقام اگر اس الزام سے بری نہ تھا کہ اُس نے رسول کے نامہ کی خفت کی تو آخر الذکر نے مسلمانون کے سفیر اور مسلمانون کو قتل کیا تھا۔ یہ حالتین ایسی نہ تھین جنھین کام لینے مین حکومت کو کسی غیر ضروری شبہہ پسندی کی ضرورت ہوتی تاہم یہ ہوا کہ یہہ لوگ کسی بڑی فوجی افسری یا ملکی نگاہداشت کے لئے کام مین نہین لائے گئے جس سے مین یہ نتیجہ اخذ کرتا ہون کہ شاید حکومت کے نزدیک انکی تقرری تجربہ کی ابتدائی حالت مین ہو۔

خلیفہ ثانی اپنے کو احتضار پر بنی اُمیہ مین گھرا ہوا پاتے ہین

خلیفہ اول کے زمانہ مین جب اسکا موقع آہی گیا تھا کہ بنی اُمیہ کا رُخ شام کی طرف پھیر دیا جاتا تو حضرت عمر کے نزدیک بھی ابو سفیان۔ یزید ابن ابو سفیان اور معاویہ کی کوششون کے بعد اب کوئی چارہ نہ تھا کہ معاویہ شام کے صوبہ مین مستقل کر دیا جاتا۔ اور اگر شرجیل۔ ذوالکلاع۔ معاویہ۔ عمرو ابن عاص۔ ولید ابن عقبہ۔ یعلی ابن امیہ اور ابو موسیٰ زمانہ خلافت اول مین دکھائی دیتے تو خلیفہ ثانی کے زمانہ مین انھین سے زیادہ تر لوگ شام کے صوبہ مین سکونت پذیر ہوتے جس سے شام ایسے لوگون کی ایک نو آبادی ہو جاتا جنکے اور متعلق تذکرے ہمارے اصل تذکرہ سے بہت تعلق رکھتے ہین۔ بلکہ حضرت عمر کی عمالون کی فہرست مین ایسے ہی اور لوگون کا اضافہ ہوتا جنکے نام ابو الاعور اسلمی۔ حصین ابن نمیر۔ معاویہ ابن خدیج اور عمر ابن سعد ہین۔ عجب نہین ہے کہ خلیفہ

تمالی نے اپنے کو بستر موت پر دیکہکر جب تین مین سے تیسرے (ابو عبیدہ جراح) کو نہ پاکر آہ سرد کہینچی ہو اور خلیفہ منتخب کرنیکے لیے تفرقہ و نزاع ہو تو اپنے کو بنی امیہ مین گہرا ہوا دیکہا ہو۔ اب نہ چارہ تہا اور نہ غم تہا۔

مجہے یقین ہے کہ وہ بنی امیہ کے صاحب اختیار ہونے کو کسی خوف سے نہ دیکہتے تہے اور یہ امورات اُنکے ذہن مین تہے کہ بنی امیہ کا صاحب اختیار ہونا اُنکا صاحب اختیار ہونا ہے جو ایک زمانہ تک اسلام اور مسلمین کے سخت ترین دشمن تہے اور اُنہین صاحب اختیار بنانا گویا اُنکی بہولی ہوئی انتقامی خاصیتوں مین گدگدی پیدا کرنا ہے۔ کسی وقت تک شاید یہ امر نظر پڑنے کی قابل نہ ہوتا کہ ابوسفیان یزید ابن ابوسفیان اور معاویہ کی تقرری ہوش کے اندر تہی یا بے سمجہے ہوئے اتفاقی کارروائی تہی۔ خاندان کے ایک فرد کے بعد دوسرے کی تقرری اور اکثر بنی امیہ پر ایسی ہی توجہ ایسے اتفاقی حیثیت مین زیادہ دیر تک نہین رہ سکتی تہی لیکن آخری وقت اُنکی عثمان سے وہ تقریر جو ہمنے ابن ابی الحدید سے نقل کی ہے خصوصاً اُسکا یہ فقرہ کہ "جب یہ باتین ہون اور نہ یہ ہونگی" کوئی شبہہ نہین رہنے دیتا کہ اس کے بعد جس طرز حکومت کا نشو ہوا تہا اُس نے قریش (بہ استثنائے بنی ہاشم) کو اس درجہ مغرور کر دیا تہا کہ اب اُنکے علاوہ دوسرے کا نام قرعہ فال نہ نکلنے کی پیشینگوئی کیجا سکتی تہی۔ اور اگر یہ تمام باتین نظر انداز بہی کردی جائین تو عمر نے مرتے مرتے خلیفہ نامزد کرنیکے لیے جو طریقہ اور لوگ مقرر کیے تہے اُنسے یہ اچہی طرح سمجہا دیا کہ اُنکی غرض یہی تہی کہ بنی امیہ ہی صاحب اختیار ہون!

آخر کیا وجہ ہو سکتی تہی علی کو انتخاب سے قبل یہ کہنے کی کہ ہم منتخب نہین ہونگے۔ اس لیے کہ سعد عبد الرحمن عبد اللہ اور عثمان مین۔ ایسی قرابت ہے کہ وہ آپس مین ابن عم۔ اور داماد تہے۔ اب ان روایات کے موافق کہ طلحہ نے تہے علی کی طرف صرف زبیر رہجاتے ہین اور چونکہ طلحہ نے آخر مین عثمان کے لیے رائے دی لہذا سعد نے ابن عوف کے بعد علی کے متعلق رائے دی پہر بہی گورنمنٹ پارٹی نہ صرف عدداً زیادہ تہی بلکہ جناب صدر انجمن صاحب بہی اُسی انتخاب کے طرفدار تہے۔

لیکن اسکے بعد بہی ابن عوف کا پس و پیش صاف صاف کہہ رہا ہے کہ وہ صورت معاملہ کو سمجہ رہے تہے اگرچہ اُنہین یہ معلوم تہا کہ عبد اللہ یا عثمان کا داماد میری رائے کا مقلد بنا دیا گیا ہے اور کچہہ ہی دن کے بعد تاریخ کے سینہ پر یہ واقعہ بہی ثبت ہونیوالا تہا کہ ان منتخب لوگون مین سعد۔ طلحہ۔ زبیر۔ اور ابن عم

اپنے اقوال کی مخالفت [illegible] اعلیٰ شی تہی۔

گورنمنٹ پارٹی ہر حال مین قوی تہی۔

ابن عوف کے پس و پیش کے معنی۔

علی کی بیعت سے اکراہ کرتے۔ اگرچہ ابن عمر یزید کی بیعت نہ کرنا اجماع مسلمین کے خلاف گناہ تصور کرتے حقیقت یہ ہے کہ ابن عوف کا پس و پیش ہی اس امر کی کنجی ہے کہ وہ علی کو خلیفہ نہیں بنانا چاہتے تھے اور ایک ایسے پہلو کی فکر میں تھے جس سے یہ نہ کہا جاسکے کہ اُنھوں نے خسر ہونے کی وجہ سے عثمان کی جنبہ داری کی۔ ورنہ زبیر اور سعد علی کیلئے رائے دینے پر صرف طلحہ عثمان کے حامی رہجاتے تھے اور اب ابن عوف کو اپنا میلان ظاہر کرنا رہگیا تھا۔ لیکن ابن عوف نے اب کیا کیا۔ بقول ابن حجر "ذی رائے" لوگوں سے صلاح لی اور یہ سب عثمان کے لئے کہتے تھے۔ طبری ان ذی رائے حضرات کے نام بتاتا ہے اور وہ ابو سفیان اور عمرابن عاص ہیں۔ یہ بھی بمقابل علی عثمان کی کمزوریوں کے قائل ہیں اور یہ تینوں مدبر یہ طے کرتے ہیں کہ علی سے نامزدگی کی شرط سنت خلفا کی پیروی قرار دو جسے وہ منظور نہ کرینگے اور اس طرح عثمان خلیفہ ہو جائینگے۔ بلاشبہ عامہ ناس کو اپنی معذوری دکھانے کیلئے انھوں نے ایک بات سامنے کھڑی کردی اور اسی طرح اسمیں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ علی نے اس شرط پر خلافت قبول نہ کرنے سے عام مجمع میں یہ بھی ظاہر کردیا کہ سنت خلفا کی پیروی ہمارے نزدیک قابل عمل نہیں ہے۔

وہ وقت آیا کہ اب مشورہ تمام ہوتا اور عام مجمع میں انتخاب کا اعلان کیا جاتا۔ مہاجرین۔ انصار۔ اور امرائے لشکر جمع تھے۔ ابن عوف نے "حاضرین" سے کہا جسکو تم لوگ خلیفہ منتخب کیا چاہتے ہو اُسکی طرف اشارہ کرو۔ میں نہیں کہسکتا کہ ابن خلدون کے "حاضرین" سے عام مجمع مراد ہے یا وہ لوگ جو ارباب شوریٰ قرار دیئے گئے تھے۔ اس لئے کہ عامہ ناس کو انتخاب میں کوئی اختیار نہیں دیا گیا تھا غالباً ابن عوف کا یہ خطاب عام نہ ہو لیکن کوئی عجب نہیں ہے اگر اس سے عام دکھاوا مقصود ہو۔ غالباً ابن عوف کی اسکے خلاف جسوقت اُسکا نتیجہ اور نمایش اس اطمینان پر تھی کہ ایک بڑی جماعت ہمیں سنبھالے گی مجمع میں سے عمار سے ایسے مشہور صحابی کی آواز علی کے لئے بلند ہوئی۔ کون جانتا ہے کہ اس صدا سے بنی امیہ کو سردی معلوم ہونے لگی ہو اور سبھوں نے انتشار اور بے چینی سے ابن عوف کی طرف دیکھا ہو۔ کون جانتا ہے کہ مقداد کے تائید کرنے سے مجمع کا رنگ بدلنے لگا ہو — لیکن یہ صدا بھی ویسی ہی تھی جیسی ثقیفہ بنی ساعدہ میں انصار میں سے کسی نے بلند کی تھی اور اوسپر مرتب مخالفت غالب آگئی۔ اس لئے کہ نہ اُسنے اپنے لئے کوئی تحت پر کی تھی جس کے لئے یہ صدا بلند ہوئی تھی اور نہ آواز دینے والے نے اپنی کو قوت دینے کے لئے اہتمام کیا تھا بلکہ سچی بات تھی جو بغیر غور اور اہتمام کے

عمار کی صدا مرتب مخالفت کے سامنے بے اثر ہوئی

منہ سے نکل پڑی تھی۔ سب نے دیکھا کہ مرتب مخالفت اور تجاہل اُمیر غالب آگیا۔ مقداد کی صدا ویسی ہی
تھی اور اس وقت بھی علی نے کوئی نظام اپنے صاحب اختیار ہونیکے لیے درست نہ کیا تھا۔ کیونکہ علی کے
نزدیک یہ مذہب اور رجال کا امام ہونا ہوتا بلکہ ابن عباس کا ایسا اثر دار ہاشمی علی کو کنارہ کشی کی
صلاح دے رہا تھا جس سے یہ کہنے کا موقع ملے کہ کوئی بنی ہاشم تمہارے مشورہ مین شریک نہ تھا جو دلیل وہ
ثقیفہ بنی ساعدہ کے بعد پیش کر رہے تھے۔ پھر بھی علی گئے۔ نہ اس امید سے کہ وہ کامیاب ہونگے۔ اسکی تو
وہ پیشنگوئی کر چکے تھے۔ بلکہ ثقیفہ بنی ساعدہ اور انصار کی اس صدا کا جواب دینے کہ اگر علی ہوتے
تو تمہارا کام ناتمام رہ جاتا یا یہ کہ اگر ہمین پہلے تمہارا خیال معلوم ہوتا تو ہم دوسرے کی بیعت نہ کرتے
وہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے خلاف ایک مرتب مخالفت ہے۔ علی خاموش بیٹھکر اب یہ نہین دکھا سکتے تھے
اسکے برخلاف دن اور راتین گذری تھین کہ بنی امیہ اور وہ جو انکے امیدوار اور متعلقین تھے اس
امر مین سرگردان تھے کہ ہم کس کس طرح یا کس ذریعہ سے صاحب اختیار ہو جائین۔ اور گویا اس قطعی تصفیہ کے
میدان مین آنیکے قبل وہ طے کر چکے تھے کہ ہم کیا کرینگے۔

علی نے حصول اختیار کے لیے ترتیب جماعت نہ کی تھی۔

اگرچہ عامہ مہاجرین اور انصار کا مجمع تھا جسمین مدبرین۔ سپاہی۔ روسا اور ہر طبقہ کے لوگ
موجود تھے لیکن قضا و قدر نے بجز اُس شخص کے کسی کے حلق مین آواز نہ پیدا کی جسے خیانت وحی کے
لحاظ سے جلا وطن اور عثمان کے ہاتھون امیر مصر ہونا تھا۔ عمار کو سچائی کی حمایت کا غصہ آیا اور اُنھون نے
حقارت کے طنز سے کہا کہ "چپ رہ او مرتد تجھے مسلمانون کے امورات مین دخل کا کیا حق ہے"! لیکن
آج کا دن وہ زمانہ اور وقت ظاہر کر رہا تھا جسمین ابن ابی سرح کو جرات ہوتی اور رسول کے مقدس
صحابی منہ دیکھتے رہتے کیونکہ یہ شخص کے منہہ کے الفاظ وہ کوئی اور کیسا ہی کیون نہ ہو قومی گروہ بندی
کے مقابلہ مین سننے کے قابل نہ تھے نقطہ اقدام یہی تھا۔ ابن ابی سرح کی جرأت آزادانہ جرأت نہ تھی

کیسے عثمان کی تائید کی تھی اور کیون۔

وہ دیکھتا تھا کہ مجمع زیادہ تر کون سی افراد سے مرکب ہے اور اُسے عثمان کے نزدیک جیسی قربت حاصل
تھی اُس سے یہ خیال کرنا کہ ابن عوف۔ ابو سفیان اور عمر ابن عاص وغیرہ کے مشورون سے وہ ناواقف
تھا۔ معمول سے زیادہ بھولاپن ہوگا۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ ارباب رائے کون ہین اور وہ عدداً کیسے
قوی ہین۔ اب اُسے مجمع پر اپنی رائے کھینچ مارنے مین کسی پس و پیش کی وجہ باقی نہ رہ گئی تھی۔ اور نہ
عبداللہ ابن ربیعہ کو تائید کرنے مین کسی تردد کی ضرورت تھی۔

ابن ابی سرح کی جرأت آزادانہ نہ تھی۔

صورت معاملہ پر مزید روشنی علی کے ان فقرات سے پڑتی ہے جس سے وہ اُسکو مخاطب کرتے ہین جو
بظاہر ایثار نفس دکہا رہا ہے اور اپنے کو اُن لوگون کی فہرست مین سے باہر نکال رہا ہے جس سے خلیفہ
منتخب کیا جا سکتا تہا کہ "اقرار کرو کہ حق کروگے۔ اپنے ہوائے نفس کی پیروی نہ کروگے نہ کسیکی رشتہ داری
کا پاس و لحاظ کروگے۔ حق کے کہنے مین کسی کی ملامت و نصیحت کا خیال نہ کروگے"۔ بادی النظر مین یہ ایک
اقرار ہے لیکن حقیقتاً موقع کے عناصر کا نام گنوانا اور واقعہ خوانی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ "ابتدائے ہوائے
نفس" کہنے مین علی نے اسمین مبتلا نہ ہونے سے صرف ہوشیار کیا ہو اور اُنکی نگاہ مین صریحاً ایسا
کہنے کے وجوہات ہون یا نہ ہون لیکن یہ فقرہ کچھ ہی دیر کے بعد شرح کی صورت مین سامنے آیا جب
عثمان کے انتخاب پر علی نے کہا کہ "تو نے اِس لئے بیعت کی کہ خلافت تیری طرف عاید ہو"۔ علی کا یہ کہنا
گذشتہ واقعات کا ترجمہ تھا۔ تجربہ کہلوا رہا تہا یا تاریخ اپنے کو دُہرا رہی تہی۔ "رشتہ داری" ظاہر
ظاہر بات تہی۔ "ملامت" سے اُنکی طرف اشارہ کر رہے تہے جو یہ کہتے کہ گذشتہ حکومت کے
اصول کے مؤید مین اور بنی امیہ کے ہوتے ہوئے تم نے کیون دوسرے کو چُنا اور "نصیحت"
سے یہ مراد ہو کہ "خلافت اور نبوت ایک خاندان مین نہ ہونی چاہیے"!

اس جماعت کی قوت بلکہ ضرر رسان روش بہی معلوم ہو گئی جس وقت مقداد نے ابن عوف سے
علی کو منتخب نہ کرنیکی شکایت کی اور اُنہون نے جواب دیا کہ "خدا سے ڈر کہین تو کسی فتنہ مین گرفتار
نہ ہو جائے"۔ مشکل سے سمجھ مین آئیگا کہ جب خدا کے اختیارات ایسے پُر معنی شورے مین منتقل ہو گئے
تہے تو پھر اُس سے ڈرنیکی غیر ضروری دہمکی کیون دیجاتی تہی بجز اِسکے کہ اُن لوگون سے ڈرا رہے
ہون جو اپنے کو اختیارات کا عامل اور اُسکے مددگار سمجھ رہے تہے۔ اور اپنے فوائد کے کسی مخالف
سے انتقام لینے کے لئے آمادہ ہو سکتے تہے۔

کون امید کر سکتا تہا کہ رسول کے انتقال کو بارہ برس کے بعد حالت یہ ہو جائیگی کہ علی کے لئے کچھ نہ کہنا
"خدا سے ڈرنے اور فتنہ مین گرفتار ہونیکا مستوجب ٹھہرائے"!

ہونیوالا یہ تہا کہ یہ دہمکی بغیر مثال دیئے نہ رہے۔ اگر سعد ابن ابی وقاص کے علی کے لئے رائے
دیئے پر طبری کو لکہنا ہے کہ "بعض عثمان را از سعد کینہ در دل ماند" اور ہم لوگون نے دیکہا کہ وہ کس طرح معزول کیا گیا
اور ہاشم ابن عتبہ ابن ابی وقاص ابا ح تو ہین قرار دیا گیا تو بوڑہا عمار علی کی گرما گرم حمایت کرنیکی بدولت

علی موقع کے عناصر کا نام گنوا رہے تہے۔

علی کے فقرات کا ترجمہ

ضرر کی دہمکی تہی

نئی جماعت کیونکر ہوا تہا۔

علی شاکین۔

معیار خلافت میں اُس استقبال کا شایان قرار دیا گیا جو عثمان کے خلاف بدمزگی کا ایک بڑا سبب ہوا۔ اسمین بھی کوئی نئی بات نہ تھی۔ جب بیار سعد ابن عبادہ کو مجمع میں کچل جاتے اور ابن الخطاب کو یہ کہتے سُن چکے ہیں کہ "اسکو اللہ تعالیٰ ہی نے مارا ہے"۔ اور یہ بھی دکھلا چکے ہیں کہ خالد ابن سعید معزول کیا گیا اور اُس وقت تک مورد الطاف نہ ہوا جب تک اُسنے موجودہ حالت پر رضامندی ظاہر نہ کی اور بنی ہاشم خصوصًا علی ابن ابیطالب کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

سوال ہوگا کہ پھر اُسوقت بدمزگیاں کیون پیدا نہ ہوئین اور کیون عثمان کا زمانہ ہی طبیعتون مین ایک انقلاب عظیم کا باعث ہوا۔ اسلئے کہ کام اور کام کرنیوالون اور اُسکے دیکھنے والون کی ابتدا تھی۔ اسلئے کہ اُنھین دیکھنے اور رائے پختہ کرنیکا مشغولیت کی وجہ سے وقت نہ ملا۔ اس لئے کہ رحلت رسول سانحہ عظیم اور اُسکے بعد فوری انقلاب نے نہ کسی کے منہ مین لفظ رکھے تھے اور نہ ہاتھون مین حرکت تھی۔ اِس لئے کہ ابتدائی اختیار حاصل کرنیوالونکی جماعت جن افراد سے مرکب تھی اُنھین کسی کی کجھنی غرض اور عمل کیون نہ پائی جاتی ہو لیکن وہ قریبی قرابت اور ایک قبیلے کے افراد کی حیثیت سے نامزد نہین کیجا سکتی تھی۔ جو نسبت عثمان کو بنی امیہ سے تھی۔ اور جب لوگون نے یہ دیکھا کہ ہر وہ شخص جو حکومت کے افعال مین اُسکی مدد کرے تو فائدہ اور اعتبار کا شایان ہوتا ہے تو فوری منافع کی امید نے محرکات طبعی اور اخلاقی پر غلبہ حاصل کیا برخلاف اسکے عثمان کے زمانہ مین ہر شخص اپنی آس کے قوی ہونے اور دشمنین کو زیادہ تر مورد الطاف دیکھکر اپنے موقع اور نفع کیلئے خوف زدہ ہوا۔ اور صورت حال سلکس نیا سرخت علم تیر از من بد کر مراعاقبت نشانہ نکرد۔ کی ایسی ہو گئی علاوہ اِسکے عثمان اپنے جیش ہوا کے ایسے مستعد اور ہوشیار نہ تھے۔ اور سبکے آخر مین اُسوقت اِس لئے بدمزگی پیدا نہ ہوئی کہ وہ جسے علی مخالفت کا حق ہو سکتا تھا اُسے یہ عزیز وصیت یاد تھی کہ "جس وقت لوگ دنیا مین مشغول ہون تم دین اختیار کرنا"۔ اُسوقت خاموش رہنا دین تھا اور شروع ہی شروع مین مسلمانون پر تلوار آزمانا اُنھین بُرا سبق دینا تھا۔ بلکہ کسی مددگار کے پیشکش کو بھی رد کر دیا۔ اور وجہ بھی ظاہر کر دی۔ عثمان کے خلیفہ ہونیکے وقت بھی باختلاف الفاظ لیکن اُسی معنی مین یہ فقرہ ارشاد فرمایا کہ "مین تسلیم کرتا ہون جب تک امور مسلمین سلامت رہین۔ اور اُسکے ایام خلافت مین کھلم کھلا ظلم وجور نہ ہو گو خاص مجھپر ظلم وستم ہوتے رہین"۔ افسوس

کیون عثمان ہی کے زمانہ مین انقلاب ہوا پیشتر کیون نہ ہوا۔

تاریخ کے سینہ مین داغ ہین کہ کہلم کہلا ظلم و جور بہی ہوا اور علی پر ظلم و ستم بہی ہوتے رہے اور زمانہ نے جناب امیر کے اِن فقرات کے سمجہنے مین بہی مدد دی کہ "جس چیز کے سبب سے تم اسکے طالب اور راغب ہو مین اُسی سے پرہیز کرتا ہون"۔

خود ساختہ منصرم کا پتیرہ۔

عبارت کی رُو مین مین خود ساختہ منصرم یا حکومت کے بنائے ہوئے پنچ کے ایک خاص پتیرے اور اُسکے مضحک انتشار سے دور ہو گیا۔ علی کے شرائط کہتے ہین کہ اُنہون نے ابن عوف کو غیر مشروط اطاعت کا شایان نہ سمجہا۔ اور یہ تو یاد دلانا بیکار ہے کہ عثمان کو کیا عذر ہو سکتا تہا۔ پہر بہی ابن عوف نے بقول ابن خلدون علی کو "علیحدہ" لیجا کر اُنکی اُن تمام صفات اور دعاوی کو جو وہ اپنی خلافت کے لئے پیش کر سکتے قبول کر لیا۔ جس طرح ثقیفہ بنی ساعدہ کے بعد عمر ابوبکر اور عبیدہ جراح نے عام مجمع مین علی کے تمام دعاوی کو قبول کر لیا تہا۔ مدبرین اولین کو "تمام مجمع" مین قبول کرنے مین اب کوئی خوف نہ تہا اِس لئے کہ مسئلہ خلافت اب عامہ ناس کی نگاہ مین ایک شکل اختیار کر چکا تہا۔ اِس وقت ابن عوف نے "علیحدہ" یعنی مجمع کے کان اور آنکہہ سے دور اقرار کیا اِس لئے کہ ابہی انتخاب خلیفہ باقی تہا۔ مین نہین سمجہتا کہ علی کے حقوق کی سچائی اور اثر کے لئے اِس سے زیادہ کوئی قوی دلیل اور

بے پردہ اور پس پردہ اقبال کی وجہ۔

اُنکے خوف زدہ نفس کی حالت سمجہانے کے لئے جو عامہ ناس کے خیال پر پردہ ڈالنے کے لئے آمادہ تہے اِس سے اچہی کوئی مثال پیش کیجا سکتی ہے۔ ابن عوف کو جرات نہ تہی کہ قبل اعلان انتخاب وہ علی کو علی کی صفات کے ساتہہ مجمع مین یاد کرتا جس طرح ثقیفہ بنی ساعدہ مین نام آتے ہی علی کے علاوہ کسی شخص سے فوراً بیعت کی ضرورت سمجہہ لیگئی اِسی طرح اِس مجمع مین علی کا نام آتے ہی خصوصاً عمار کے وکالت کرنے سے کچہہ کیفیت پیدا ہوئی کہ سعد کو جلد تصفیہ کرنے کے لئے ابن عوف سے کہنا پڑا اور ابن عوف نے جواب دیا کہ "مین نے اپنے ذہن مین خلیفہ منتخب کر لیا"۔ کیا ابن عوف کے "ذہن" مین علی تہے جو نہین۔ سنت خلفا کی شرط کہتی ہے کہ نہ تہے۔ وہی امر جسپر آراکین بنی امیہ غور اور بحث کر چکے تہے کہ علی قبول نہ کرینگے۔ تم کہوگے کہ سب کچہہ غور اور بحث ہی سہی لیکن ابن عوف کو یقین

اول اور آخر کی مناسبت۔

کیا تہا کہ علی انکار ہی کرینگے۔ مناسب۔ لیکن سوچو کہ علی اقرار بہی کر لیتے تو عثمان کو ابہی اقرار کرنیکا موقع باقی تہا اِس لئے کہ علی سے پہلے سوال کیا گیا تہا اور پہر اِسکے بعد بہی تصفیہ کا اختیار ابن عوف کو حاصل تہا۔ اور اُسکا تصفیہ قطعی تہا۔ سوال پہلے عثمان سے نہ کیا گیا اِس لئے کہ اقرار کے بعد بہی تصفیہ نہ کر سکتے

اگر علی اقرار بہی کر لیتے تو عثمان سے پوچہنا اور پنچ کا تصفیہ باقی تہا

کیونکہ علی باقی رہ جاتے اور اُن سے نہ پوچھنے کی ایک ظاہر شکایت رہ جاتی۔ اِس لئے "منتخب کر لیا" کے
یقین ہے علی سے پہلے سوال کیا کہ اُنکے انکار کرتے ہی عثمان کا آخری اقرار اُنھیں خلیفہ منتخب کرنیکے اعلان کو پہلے
عذر منصفانہ اعلان سمجھا جائیگا۔ سب کچھ تھا مگر اُسی وقت علی کو بھی کہدیا تھا کہ "خدعۃ"۔

حکم قتل کس کے لئے ہو سکتا تھا۔

معاملہ انتخاب جس شکل میں تھا اُسکی آخری عجیب بات ابھی باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ "اگر پانچ آدمی موافق اور
ایک ناموافق ہو تو اُسے قتل کر ڈالنا"۔ یہ ناموافق کون ہوتا۔ کیا سعد۔ عبداللہ۔ عثمان اور ابن عوف
میں سے جو ایک دوسرے کے عزیز تھے کوئی قتل کیا جاتا۔ اور طلحہ تو عثمان کے لئے رائے دے ہی چکے تھے۔ کون رہ
جاتا ہے۔ زبیر اور علی۔ یعنی ایک وہ جو ہمیشہ سے صاحب حق تھا اور دوسرا وہ جسنے اُسکی اول معرکے کے بعد
بھی تائید کی تھی۔ میں شدت کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ اصول انتخاب کی تعزیری دفعہ زبیر پر سختی سے نافذ کیا
جاتا۔ شاید یہ محفوظ بھی اور شاید انتہائی ضرورت کے لئے رکھا گیا ہو۔ اب کون رہ جاتا ہے جسکے نام لینے کی جرأت
نہیں ہے۔ لیکن وہ جسکے متعلق ایک مرتبہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ اگر بیعت نہ کروگے تو گردن ماریں گے۔ ہمارے
یہ خیالات واقعات سے کیسا ہی قریبی علاقہ [illegible] لیجئے وہ پھر بھی ہر ایک کو تو ہمارا شاعرانہ بیجا تعرض
خیال اور بے اعتبارانہ الزام سے متاثر قبول کرلینگے تاہم واقعہ کے اس [illegible] کیا جواب دینگے جو عبدالرحمن
ابن عمر کا فتوی ہے کہ "ہر کہ مخالفت عبداللہ کند بکشید"۔ ابن عمر کو جو نام لینے کی جرأت نہ ہوئی ہم
سب جانتے ہیں کہ وہ "کس" کون تھے۔ کیا اتفاقاً ابن عمر کا یہ ایک متعلق ہو گیا تھا۔ کیا قضا و قدر کو
بھی اُس مجروح سے عداوت تھی کہ اُسکے انتخاب پر یہ کہا جا سکتا۔ یقیناً نہیں۔ ایک جماعت کی مرتب مخالفت
اور سوچے ہوئے نظام کی موافقت یہ سب کچھ کر رہی تھی۔

انتخاب اُسکے اصول اور طرز عمل کے متعلق مجھے کچھ اور کہنا نہیں ہے۔ نہ قریش کے نزدیک عثمان کے
"دوست تراز عمر" ہونے میں مجھے شبہ ہے جبکہ ایسے زمانہ میں بھی کہ مسلمان اور مشرکین میں جنگ ہو رہی
تھی انکو بھیجے جانے پر انہیں قریش کے ساتھ گھوڑی پر چڑھے چڑھے پھرنے کا موقع ملسکا اور حضرت عمر
سفارت قبول نہ کرسکے۔ نہ ہم اپنی کتاب میں مقررین کی فصاحت بلاغت یا ظرافت کا موازنہ کرنے بیٹھینگے
کہ حضرت عثمان کی بحیثیت خلیفہ پہلی مختصر تقریر کے متعلق یہ کہیں کہ سب کچھ آج ہی پر موقوف تھا۔ اُسکے
لطف میں کوئی آورد نہ تھی۔ کون کہہ سکتا تھا کہ آج کا ناقابل تعریف حالت میں منبر سے اُترنا آیندہ
تخت سے اُترنے کی پیشگوئی تھی۔

کیون ابتدائی ۶ برس شورش نہ ہوئی۔

مجھے جو کچھ کہنا ہے وہ یہ ہے کہ خلیفۂ ثالث کے چھ برس نسبتاً امن سے گذرے اور اُنمین نظام حکومت کے متعلق کوئی شورش پیدا نہ ہونے پائی۔ کیا اِس لئے کہ اُس زمانہ تک انکا طرز حکومت اچھا تہا اور آخر مین نقص پیدا ہوگیا ہو؟ نہین۔ بلکہ ہم شدت کے ساتھ ابن حجر کے اِس فقرہ کے موافق ہین کہ "عثمان کی خلافت عمر کے خلافت کی اور عمر کی خلافت ابوبکر کے خلافت کی فرع ہے"۔ مین جو کچھ کہہ رہا ہون وہ یہ ہے کہ عثمان کو جو کچھ دیکھنا پڑا وہ پہلی دو خلافتون مین بہی ہوتا اگر اُنکا موقع بہی عثمان کا ایسا ہوتا۔ اور وہ موقع کیا تہا؟ وہ یہ تھا کہ عثمان کی خلافت کا چھہ برس۔ یعنی وہ زمانہ جسمین قوم اور سپاہی اسکندریہ۔ اور منیہ۔ اذربائجان۔ افریقہ۔ قبرس۔ خراسان۔ کابل۔ زابلستان۔ طبرستان وغیرہ کی فتح یا شورش فرو کرنے اور دوبارہ فتح کرنے مین مشغول رہے (جس طرح ابوبکر اور عمر کا زمانہ گذرا تھا) اُسوقت نظام حکومت پر کسی کو نظر اُٹھانے کا موقع ملا۔ لیکن اسکے بعد اسکے آسان مواقع نہ رہے اِس لئے کہ مرکز سے بہت دور دور کے مقامات پر فوجین پہونچ چکی تھین اور آگے بڑہنا ناممکن نہین کہہ رہا ہون بلکہ یہ کہہ رہا ہون کہ اب اُن دور دور کے مقامات پر فوجکشی کرنے یا انتظام درست رکھنے مین ویسی آسانیان نہ تھین جیسی اُن مقامات پر جو اب تک فتح کئے جا چکے تہے۔ سچ پوچھو تو عمر کے زمانہ مین فتوحات کا دائرہ اس قدر وسیع ہو چکا تہا کہ انحطاط کی امید کی جا سکتی لیکن قضا و قدر کے نزدیک عثمان کا زمانہ ہونے والے واقعات کیلئے مخصوص ہوا تھا۔ نتیجہ کیا ہوا۔ قوم کی قوم جسکا مشغلہ صرف جنگی کارگذاری پر موقوف تھا مصروفیت کے ذرایع ڈہونڈہنے لگی۔ سچ سچ یہ قصور قوم کا نہ تھا بلکہ اُن کا جنہون نے اس شغل مین مبتلا کرنیکی تو کوشش کی لیکن اُنھین اپنی صفات قومی مین نہ ترقی کا کوئی ذریعہ حوالہ کیا نہ اس جوش کو آپس کیلئے معتدل رکھنے کی کوئی کوشش کی۔ نہ مصروفیت کے لئے کچھہ سامان کئے۔ دوسرون سے لڑنے مین وہ قدر مشترک پر جمع تہے۔ لیکن آپسمین صلح اور اتحاد سے رکھنے کے لئے اُنھین کسی قدر مشترک پر توجہ نہ دلائی گئی اب شاید حکومت کرنیوالونکی مصلحت یہ ہو کہ جماعت کو حصونمین تقسیم کرنے سے حکومت کرنا ممکن ہوگا اور نہ کوئی ذمہ دار ذات تہی جسکے طرز عمل کا لوگون پر کوئی وزن ہو۔ فطری ہے یہ امر کہ جسوقت قوم کو جنگی نام اور بہونکنے لئے ایک وسیع حلقہ ملتا ہو تو اُس نے تجارت اور صنعت و حرفت یا زراعت کی طرف سے آنکھہ بند کرلی ہو بلکہ انھین سب بے قدر سمجھنے لگی ہو۔ لیکن قوم کے حکمرانون نے اشغال صلح کی قدر کیلئے کیا سامان کئے تہے؟

فتوحات کب تک چلتیین اور اُسکے پاؤن کس قدر لانبے ہو جاتے کرہ علی الارض مین مشغول رہتے
فاصلہ اُنھین تھکاتا۔ جوش کم ہوتا مفتوحہ ممالک کی غنیمت اور محاصل امارت کے سامان مہیا کرتی۔
آرائش۔ اور لذتون کا لطف انہماک پیدا کرتا اور رفتہ رفتہ تلوار کی جھنکار اور طبل کی جگہ دلفریب
صدائین لے لیتیین۔ یہ بھی بعد کی باتین تھین ابھی تو سپاہی جنگی کیفیت محسوس کر رہے تھے کہ ٹکڑے ٹکڑے
اور پُرانی صفتین عود کرنے لگین۔ اب قوم کی مہار رسول کے ایسے کسی مخلوق الٰہی کے ہاتھ مین نہ تھی
بلکہ ایسے لوگون کے ہاتھ مین جنکے زمانہ نے مسلمانون کو قتل حق دار کو محروم۔ فرقہ بندیون کو تازہ اور
بغض حسد کو زندہ اور خود غرضیون کو پیدا ہوتے دیکھا تھا۔ یقیناً مسلمانون نے غیر اقوام کے مقابلہ مین
اپنے کو بڑا بہادر ثابت کیا۔ لیکن افسوس کہ آپسمین شجاعت آزمائی نے اُنھین ایسا تباہ کیا کہ وہ دوسرون
کے مقابلہ سے غافل ہو گئے۔ فتح کرنے باہر گئے تھے اب تو گھر ہی مین انتشار سے خالی جنگی مشغلہ
حاصل ہو رہا تھا!

اسکے آثار عثمان کے ابتدائی زمانہ مین بھی دکھائی دیئے مثلاً آرمینہ کی فتح مین جو حبیب بن مسلمہ فہری
نے بقول اپنے محنت اور خون سے" حاصل کی تھی سلیمان ابن ربیعہ اور اُسکے لشکر نے اس دلیل سے حصہ
طلب کیا کہ "تم نے ہماری آمد کی خبر سُنکر ہمت کی"۔ ظاہر ہے کہ فوجی امداد سے دشمن جو اثر پڑ سکتا تھا
اور لازماً اپنے لوگون مین مدد سے جو ہمت افزائی ہو سکتی تھی وہ بغیر خود غرضانہ اصول منفعت کے
نہ گذرتا بلکہ اُسکا دام لینے کرنے آپس کے بہت سے سپاہی لڑے اور مارے گئے۔ ایک نے اس غرض
سے پیش قدمی کی کہ غنیمت مین حصہ دینا نہ پڑے تو دوسرے نے اپنے رفقا کے فوجی کارنامونکی اُسوقت
تک داد دینی مناسب نہ سمجھی جب تک غنیمت مین شرکت حاصل نہ ہو لے۔ آپس کی فتح اور نام آوری قوم کا
افتخار کا سرمایہ نہ رہی تھی جب تک کہ اپنا نفع۔ نام اور شہرت اُسمین داخل نہ ہو لے۔ کیون ہوتا
جب نقطۂ اقدام یہ تھا کہ "ہم کیون نہ ہون" ذمہ دار مدبرین ایثار نفس اور حب قومی کی کیسے امید
کرتے اور لوگ کیسکے نمونہ پر چلتے! جبکہ انفرادی تشخص کا قوم شکن بھوت سر پر سوار تھا۔

قوم کے خیال کی شکست کی مثال۔

اسوقت کی باتونمین یہی ایک واقعہ نہ تھا جسمین خود غرضیون سے آپسمین جنگ ہوئی ہو جنہین
ملکی فرد ہتون نے کوفہ اور شام مین رکھا تھا۔ بلکہ جزیرہ قبرس کی غنیمت بھی اس طرح تقسیم نہ ہوئی جسکی
شکایت اُبتک باقی نہ رہ گئی ہو۔ میرا عذر نہ کسی دراز گوش پر سوار ہے اور نہ مین کسی شیرین ادا

اور دلفریب کنیزیں کیجہ وہ مر رہا ہون نہ مین اسکی شکایت کر رہا ہون کہ امیر شام نے کیون کسی کو اپنی عنایات کے صرف مین ممتاز کیا بلکہ مین یہ موقع دکھا رہا ہون کہ یہ حالت ظاہر ہونے لگی تہی کہ مال لڑائی کی ہڈی اور حوصلون کا مرکز ہو سکتا۔ لیکن یہ بھی خفیف ہی بمقابلہ اسکے کہ سپاہون اور عامہ ناس کو اپنے افسرونکی تقسیم پر اعتبار نہ رہا تھا۔

اعثم کوفی کا ایک واقعہ نہایت پُر معنی ہے کہ جب امیر شام جزیرہ سقلیہ پر حملہ کرتا ہے تو یہان کا مسیحی بادشاہ قناریہ کے شکست خوردہ بادشاہ کے ساتھ عربون کی آمد دیکھکر متعجب ہوتا ہے کہ عربون کے پاس عمدہ عمدہ اسلحہ اور آرایش و زیبایش کی چیزین جو نمود اور نمایش کے کام آتی ہین کہان سے آگئین اور ملک قناریہ اپنا واقعہ بیان کرتا ہے کہ ہم سے جو جماعت جنگ کرنے آئی تہی وہ "غریب۔ صاحب نیت صادق۔ صالح اور یقین واثق کی تہی جو اپنے تقویت دین کے لئے جنگ کرتی تہی اور اسباب دنیاوی کی زیادہ گرویدہ نہ تھی اور یہ جماعت جو آج آئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسباب دنیاوی اور مال کی طمع رکھتی ہے اگر یہ ملک مال سے دفع کئے جا سکین تو اس سے اچھا ہے کہ جنگ کیجائے"

یہ تغیر تہا جو مسلمین کی روش مذاق مین ایک غیر مسلم نے دیکھا تہا مجھے ایک مسلمان کی حالت لکھنی ہے جسکے زہد اور ورع کے سب قائل تھے اور جسے رسول نے "اصدق" فرمایا تھا مین ابوذر غفاری کو کہہ رہا ہون۔ فاتح لشکر قبرس کی غنیمت تقسیم کر رہا ہے۔ خوش ہے۔ مال اور اسرائے جنگ سامنے ہین لیکن ابوذر کا چہرہ بھرا بھرایا ہوا اور آنکھین پُرنم ہین اور کسی کے غالباً بر طنز غصہ سے ٹوکنے پر کہتے ہین کہ "جس وقت ان عورتون اور بچون کو دیکھتا ہون تو مجھے خیال آتا ہے کہ یہ امت کے گناہگارونکی بدولت اس تکلیف مین مبتلا ہوئے ہین۔ یہ لوگ نعمت اور فراغت مین بسر کر رہے تھے اور جب گناہ کیا اور حکم خدا کو عزیز نہ رکھا تو اس ذلت مین گرفتار ہوئے۔ جسے خدا نے بند ونکا بندہ قرار دیتا ہے وہ ایسے ہی مخذول و مقہور ہوتے ہین"۔

کونسی قوم تباہ ہوتی ہے مگر یہ کہ اُسمین وہ صفات جو قومی یکجہتی کے باعث ہوتے ہین ضعیف اور معدوم ہو جاتی ہیں۔ ہوتا ہے کہ قومین جو فلسفۂ اخلاق کے لحاظ سے پست درجہ ہوتی ہین ملکی یا سیاسی اخلاق مین ایسی فوقیت رکھتی ہین کہ وہ اعلیٰ اخلاقی مقاصد کے تجاہل پر بہی اپنی قومی حیات کو نومی طریقون سے قائم رکہتی ہین اسکی مثالین ہمارے زمانہ کو اس قدر حاصل ہین جسپر ہمین کچھ کہنے کی اُس شخص کے لئے کوئی ضرورت نہین ہے جو واقعات عالم کو ہوش سے دیکھتا ہے۔ بلکہ زمانہ کو تو اس حد تک تجربہ ہو رہا ہے کہ ماہرین فلسفۂ سیاست

چند برسون مین فرق ظاہر ہوگیا تہا۔

ابوذر کی آہ سرد معنی نظام قومی کی اور حفاظت تہی۔

دوسرونکو اِس لئے فلسفۂ اخلاق کا سبق پڑہاتے ہین کہ وہ بے کھٹکے ہماری تدبیر کا شکار ہوسکین تو ہمیں
ابوذر کی اِس حالت کا مجبہر جو اثر پڑرہا ہے وہ محض یہ نہیں ہے کہ وہ انسانی ہمدردی سے بیقرار ہوگئے
یا محض بحیثیت ایک ناصح کے اُنہون نے قبل از وقت اپنی قوم کو اُن نتائج سے آگاہ رکہنا چاہا جو غفلت
کاہلی۔ حب الوطنی اور حُب قومی کی ناموجودگی یا اضمحلال کی بدولت دیکہنا پڑتا ہے یا بغض وحسد جو کچھہ
عدم مرکزیت پیدا ہوجاتی ہے۔ بلکہ باوجود اسکے۔ وہ اس وقت کے غالب فاتحین مین وہ آثار دیکہہ رہے
تہے جو اُنکے نزدیک ایسے نہ تہے جو ایسی خوشی کے موقع پر بہی اُنہین خوش اور شریک کرسکتے۔ اُنھون نے
قوم کو ایسے وقت مطلع کیا ہے جس وقت مغلوب قوم مع اپنے مال کے سامنے کہڑی ہے اور وہ سیر حصول
دولت مین نہ صرف انہماک ظاہر کررہی ہے بلکہ عدم مساوات خودغرضی۔ بغض وحسد سے بہی پاک نہین کہی
جاسکتی تہی۔ جو کچھہ دنون کے بعد اُس حالت پر منتہی ہوسکتی تہین جو مفتوح قوم کی دکہائی دے رہی تہی
ابوذر نے جو باتین صاف صاف محض قومی درد سے کہی تہین مجہے اُن سب پر تفوہ لانیکی ضرورت نہین ہے
لیکن یہ کہنا ہے کہ اُنکی ایسی قوت دار اور کہرے لہجہ کی نصیحت نہ صرف بے توجہی کے حوالہ کیگئی بلکہ مسلمانونکی
بدنصیبی سے ذمہ دار مدبرین نے درستی اور حفاظت قومیت کے اس آہ سرد کو اپنے اغراض ذاتی اور نفاذ
اختیار کے حق مین مضر سمجہا اور دشمن ہوگئے اور مصلح اپنی نصیحتون کے ساتہہ ایسی جگہہ جلاوطن کیاگیا جہان
قید تنہائی مقصود تہی کہ کوئی اُسکی بات سننے کیلئے موجود نہ رہے! اِسکے معنی اور کیا ہین کہ کسی مصلح کا قوم
کو اپنی مرکز پر لانا بہی قوم اور حکومت کے نزدیک قابل لحاظ نہ رہا تہا۔ قومی حس فنا ہوگیا تہا۔

حکومت کا پہلا فیصلہ صرف غیر منصفانہ ہوا بلکہ بیت المال مین بیجا دخل دیا گیا۔

عثمان کے زمانہ کو سامنے کر حکومت از بہارش بیداست کا موقع نہ ملا بلکہ غالباً اُنکے محکمہ قضا کو عام کرنے
اور انصاف کے خلاف بیت المال سے مدد لینی پڑی۔ اگرچہ یہ جز و تاریخ نہین ہے کہ عامہ ناس نے اِس فیصلہ کا
کس حیثیت سے استقبال کیا لیکن سوچنا آسان ہے کہ جب اُنھون نے دیکہا ہوگا کہ خلیفہ کے عزیز کے لئے
نہ صرف سات خون معاف ہے بلکہ ایسے قابل عذر حالات وغیرہ کے لئے پبلک فنڈ کام مین لایا جارہا ہے
تو اِس زمانہ کے انصاف کی طرف سے اعتبار اُٹھ گیا ہوگا اور سب تو سب خود اُن مہاجرین و انصار نے کیا کہا
ہوگا جنہون نے "یک زبان ہوکر کہا کہ عبد اللہ کو قتل کردینا چاہیے"" کیا اُنھون نے سوچا ہوگا کہ خلیفہ
ہوجانیکے بعد خلیفہ کو "اجماع" کی پابندی لازمی نہین ہے؟ میرے نزدیک خالد ابن ولید یا مغیرہ ابن شعبہ کا
بچا لیا جانا اس سے کم قابل اعتراض نہین ہے۔ بچانیکے اغراض ایک ہین۔ اِس لئے کہ یہ مددگار اور حکومت کے

مغیرہ اور عمر عاص کی معزولی انکو اثر مین کمی نہ کرتی تھی۔

عثمان سے مخالفت کے ذاتی وجوہات۔

سعد ابن ابی وقاص اور ہاشم ابن عتبہ۔

نزدیک قابل اعتبار تہے۔

عثمان کے پہلے چھ برس کے زمانہ مین یہ ہی ہوا کہ پہلے زمانہ کے اکثر گورنر معزول کیے گئے اِس لئے کہ خلیفہ اپنے قابل اعتبار بنی امیہ کو انکی جگہہ مقرر کرسکین۔ اِن واقعات مین اگرچہ عمر ابن عاص اور مغیرہ ابن شعبہ بہی داخل ہین لیکن انکا معزول ہونا انکے اختیار اور اثر مین میرے نزدیک کوئی کمی نہ کرتا تھا اِس لئے کہ یہ لوگ اگرچہ کسی خاص صوبہ کے حاکم نہ رہے ہون لیکن یہ وزارت کے رکن رہے جیسا اکثر مفید مواقع پر انکی کارگذاری اور کاربرآری سے معلوم ہوتا ہے۔ سعد ابن وقاص جنکی سپاہیانہ قابلیت سب کو معلوم ہے انلوگوں مین پہلے شخص تہے جنکو [illegible] خلیفہ کے [illegible] ہمدردی نہ رکہنے پر مجبور کیا۔ اسکی وجہ یہی نہ تھی کہ خلیفہ کو انکی طرف سے [illegible] بدگمانی ہوگیا تہا کہ انہون نے [illegible] اپنی رائے انتخاب کے متعلق نہ دی۔ بلکہ یہ بہی کہ [illegible] وہ مقامات [illegible] ایک سال کے اندر ہی قبضہ سے نکال لیے گئے۔ لیکن یہ ذاتی نقصان ہی [illegible] ان پہنچنا ہو گوارا کئے بغیر چارہ نہ تھا یہانتک کہ سعید ابن العاص کی ناقابل برداشت [illegible] نے ہاشم ابن عتبہ کے ایسے بہادر سپاہی کو جس نے لڑائیون مین بڑے بڑے کام کئے تہے اور تلوار سے شیر کو قتل کرسکتا تہا اپنے آدمیون سے ذلیل کرایا۔ بہادر بہائی کی ایسی ذلت سعد کے نزدیک ناقابل برداشت تہی اور اسکے بعد انکی حالت کہتی ہے کہ وہ کمال غیض مین آگئے تہے۔ یہ سب اُنہی ہاتہون (سعید ابن العاص) ہوا جو اُنکی (سعد ابن ابی وقاص) جگہہ قائم کیا گیا تہا۔ ہم نہین جانتے کہ سعید ابن العاص نے "عثمان را از سعد کینہ در دل بماند" کا بحیثیت ایک وفادار خادم کے کچہہ معاوضہ کرنا چاہا تہا یا نہین۔

سعد صرف سپاہی تہے۔ عثمان نے ایک سپاہی مدبر۔ بیسوین صدی کے معیار کے مدبر۔ عمر ابن عاص کو جسنے انکے خلیفہ بنا دینے مین بہت کچہہ کیا تہا۔ ناخوش کر دیا۔ اسنے بہی اپنے بے اختیار ہو جانیکو اُسی طرح محسوس کیا ہوگا جس طرح سعد نے اسلئے کہ مصر اسکے ہاتہون فتح ہوا تہا اسنے مفتوحہ کا انتقام منکوحہ سے لیا۔ لیکن پہر بہی کچہہ زمانہ لنگتا رہا جب تک وہ یادگار موقع نہ آیا کہ خلیفہ بجائے اپنے قول کی پابندی کے انکو دہمکانے جنہین زبان دی تہی اور ابن عاص ہی وہ شخص ہوتا جو مجمع سے بول اُٹہتا کہ "خدا سے ڈرو اور توبہ کرو"۔ اُس وقت تک ابن عاص مین اتنا حس باقی تہا کہ عدم ایفائے وعدہ پر ٹوکتا اور خدا سے ڈراتا۔ لیکن آیندہ زمانہ اُسکے سیاسی خاصہ اور روش مین اُسے طمانہ حد تک پختہ کرنیوالا

تہا۔ مغیرہ ابن عاص سے کسی طرح کم درجہ کا نہ تھا بلکہ گزشتہ خلافتون پر اُسکے بڑے پایہ کے تعلیم کردہ
سیاسی اصول کی مدد کا احسان تہا۔ یہی تخفیف مین آیا۔ اور یہ بھی باوجود تخفیف کے جو میری ذہن مین
عامتہ ناس کے مخالفت کی قوت اور اُنھین خوش کرنیکی نیت سے عمل مین آئی تہی حکومت کی کل کا ایک
پرزہ رہا۔ لیکن اُسکے ایسے موقع مین شخص کی ذات سے یہ ناممکن تھا کہ تخفیف اور دوبارہ امورات
مملکت کی شرکت کے درمیانی زمانہ مین روضۃ الصفا کے خیال کے موافق خلیفہ کے خلاف اپنی طعن
کسی قدر بلند کردی ہو۔ اسکا ایک یہ پہلو بہی غور کے قابل ہے کہ مغیرہ "حسب وصیت عمر" معزول کیا گیا
تہا۔ یعنی خلیفہ دویم کے مصالح اسکے مقتضی نہ تہے کہ وہ معزول کیے جاتے بلکہ دوسرے کو وصیت کی تہی۔
شاید ان امورات نے بہی لوگون کی نگاہ مین غور اور انقلاب کی کوئی وجہ پیش نہ کی ہو لیکن یہ بہی ہوتا

مروان کی رعایت

تہا کہ مروان کی ذات اور غیر معمولی رعایت یا انعام لوگون مین مذہبی جوش اور حسد دونون پیدا کرتین
مذہبی جوش اِس لئے کہ خلیفہ کے نزدیک مورد عنایت وہ ٹہرا تہا جسے رسول جلاوطن کر سکتے تہے۔ حسد
اِس لئے کہ عرب کو یہ گوارا نہ تہا کہ عثمان کا عزیز تو اپنی آسان قربت کے لحاظ سے بڑے انعام کا مستحق ٹہرے
اور ہم باوجود ملک گردی کے خشکی کی شکایت مین مبتلا رہین۔ یہ کُل باتین اسکا آئینہ ہین کہ ہم اُسوقت تک
دوست ہین جب تک نفع مین شرکت ہے۔ باوجود عام مورخین کے اس اقرار کے کہ عثمان نے ابن حکم کو
افریقہ کا خمس دیدیا۔ ہم ابن خلدون کے اِس بیان کو ماننے کے لئے آمادہ ہین کہ جب ابن زبیر خمس افریقہ لائے تو
مروان نے اُسے پانچ لاکھ کو خریدا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ابن حکم کب کا قارون تہا کہ اُسکے پاس اتنا روپیہ تہا
جبکہ خود خلیفہ کا یہ فقرہ موجود ہے کہ مین نے اپنے کم مایہ اعزہ کے لئے اپنا ہاتھ کھول دیا۔ بجز اِس صورت
کے کہ مروان کے پاس بیت المال کے نام کوئی چک ہوتی۔ خمس دیدینا یا اُس کا دام ادا کر دینا
دونون برابر تھا۔

خمس افریقہ کے خریدنے کے لئے مروان کے پاس روپیہ کہان سے آیا۔

ولید ابن عقبہ

خلیفہ کا کوفہ کا خلیفہ ولید ابن عقبہ مورد الزام ٹہرایا گیا۔ الزام مسلمانون کی نگاہ سے نہ
صرف سخت بلکہ قابل نفرت تہا۔ اسلئے کہ اسلام نے شراب کی طرف سے جو نفرت دلائی تہی اور جس پر سختی سے
عمل ہو رہا تہا اُسکی خلاف ورزی جماعت کے ایک مفید اصول سے اغماض تہا۔ شراب پینا۔ پلانا۔
بیچنا۔ شراب بنانیکی چیزون کا شراب بنانے کی نیت سے کاشت کرنا وغیرہ وغیرہ سب ممنوع تہا۔ ہم مسلمان
اسکے (ممانعت) کی پورے منافع حاصل کرتے اگر ولید ابن عقبہ کے ایسے گورنر اور اکثر غیر محتاط لذت

پسند مسلمان بادشاہون سے سبق دیا ہوتا۔

ولید ابن عقبہ تو صرف انگلی سے دکھانیکے قابل ہوگیا تہا حالانکہ مولوی سید امیر علی صاحب بالقابہٖ کے موافق جیسا وہ اپنی تاریخ اسلام میں فرماتے ہین:۔

"حضرت عثمان کے تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوتے ہی تو جوانون اور خاص کر بنی امیہ کے نوجوانون نے وہی عیاشانہ زندگی اختیار کر لی۔ اُنکے اپنے بھتیجے نے ایک قمار خانہ جاری کیا اور عورتون کا عاشقی معشوقی کرنا ایک فیشن ہوگیا۔ مکہ کی عیاشی بنی امیہ کے عہد مین دمشق مین ... ترین صورت مین نمودار ہوئی۔"

زمانہ عثمان مین کی اخلاقی حالت

یہ واقعات ہین جنکے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ انہین خلیفہ کی ذات سے غیر صریح تعلق تہا۔ یعنی عمال کی بے عنوانیان صرف اِس قدر قابل اعتراض نہین کہ کیون اُنہون نے عائشہ ناس کے مقابلہ مین بنی امیہ ہی کو اعتبار کا شایان سمجہا یا کیون ایسے لوگ مقرر کئے جنہون نے لوگون کو خوش نہ رکھا اور پھر شکایت پر یا تو توجہ نہ کی اور یا ویسا ہی دوسرا شخص مقرر کیا لیکن بدنصیبی سے زیادہ تر واقعات ایسے ہوئے جنکی ایجاد مصلحت بہی خلیفہ کی ذات سے ہوئی جس کا نفاذ اُنکے حکم سے ہوا۔ اور بعض اوقات خلیفہ کے غور اور لحاظ کی کمی نے اُنکے خلاف سخت برافروختگی پیدا کر دی۔

شالین جنکا خلیفہ کی ذات سے غیر صریح تعلق کہا

صریح تعلق کی شالین

اگرچہ خلیفہ ہونا ایک موقع موقع پیدا کرتا تہا کیونکہ نجلا اور وجوہات کے کسی نہ کسی طرح تمدن اور مذہب کا تعلق ابھی ایک ہی شخص مین مجتمع تہا اور ابھی حکومت نے اپنے کو اِس قدر مذہب کے ذمہ داری سے مطلق العنان نہین کیا تہا کہ وہ اِس شاخ کو علیٰحدہ کر دیتی اور امام سازی کی طرف متوجہ ہوکر مذہب کو حکومت کا ماتحت کر لیتی۔ پھر بہی رسومات کی خلاف ورزی نے خلیفہ کو آماج اعتراض بنا دیا۔ ابہی کچھ ایسا زیادہ زمانہ نہ گذرا تہا کہ لوگ رسومات مذہبی کو بھول گئے ہون جس طرح وہ رسول کے ساتھ یا انکی تعلیم سے بجا لاتے تہے۔ اُنھون نے دیکھا کہ ندائے ثالث جمعہ مین زیادہ کر دی گئی ہے اور عرفہ مین نماز قصر نہ کی گئی۔ منا مین شان و شوکت سے خیمے نصب کئے گئے۔ لوگون نے خلیفہ کی شکایت کی اور اُسے کہنا پڑا کہ مین نے تمہین اِس لئے خلیفہ بنایا ہے کہ سنت کے موافق کروگے نہ کہ اُسکے خلاف کرو۔

رسومات کی خلاف ورزی

کہا جاسکتا ہے کہ یہ بہت بڑے درجہ کی خلاف ورزی نہ تہی بلکہ تھوڑا سا فرعی ڈھیلا پن تہا۔ ہو لیکن قضا و قدر کو یہ بہی منظور تہا کہ خلیفہ نے ترتیب قرآن کیسی ہی عمدہ غرض سے کیون نہ کی ہو اور

قرآن کے ساتھ طرز عمل لوگون کی خواہش کے موافق نہ تہا۔

کسی کو لفظی اختلاف کے لحاظ سے قریش کی بولی میں لکھنے کا آسان حکم دیدیا ہو مگر پھر بھی حکومت کے اس مرتبہ نسخہ کے علاوہ نسخوں کے جلا دینے کا حکم برافروختگی پیدا کرے۔ مسلمانوں کو گوارا نہ تھا کہ وہ اپنے مذہبی۔ اخلاقی۔ تمدنی اور معاشرتی ہدایت نامے کے ساتھ کسی قسم کی توہین کو دیکھ سکیں۔ ایک طبعی انقلاب ہوا۔ یہانتک کہ ام المومنین عائشہ نے قرآن جلانے والے کے قتل کا فتویٰ بھی دیدیا۔

ابن مسعود کی مخالفت کے کچھ معنی تھے۔

اِس علم کے بعد بھی کہ موجودہ ترتیب قرآن میں کم و بیش گذشتہ خلافتوں نے اہتمام کیا تھا یہ حالت توجہ کے قابل ہے کہ " ابن مسعود نے اس قرآن کے نسخہ کے لینے سے انکار کیا اور لوگوں کو اپنی ہی قرأت پر رکھا " اور لوگوں نے اقرار کیا کہ انہوں نے خود رسول سے قرأت سیکھی ہے۔ یقیناً کچھ اختلاف تھا کہ انپر مرتبہ حکومت قرآن کے لینے کا زور ڈالا گیا! اور یقیناً کچھ اختلاف تھا کہ انہوں نے نہ لیا اور انہیں اپنے اوپر باوجود دباؤ کے اعتبار رہا۔ ورنہ اگر ایک صورت ہوتی تو نہ دباؤ کی ضرورت تھی نہ انکار کی۔ اور یہ تو کہنا ہی نہیں ہے کہ گذشتہ دو خلافتوں نے باوجود علم کے علی کا مرتبہ قرآن نہ لیا اور نہ تیسری خلافت کی قرآن مرتب کرنیوالی جماعت میں علی کا نام ہے۔ اور چونکہ تمام دیگر نسخوں کے جلنے کا حکم دے دیا گیا تھا علی کا مرتبہ نسخہ اِس حکم کے اندر آگیا و حقیقتاً جلا ہو یا نہ جلا ہو۔ میں خود اِس امر پر بھی بغیر رُکے آگے نہیں بڑھ سکتا کہ اگر گذشتہ دو خلافتوں میں ترتیب قرآن کا کام پورا ہو چکا تھا تو کیوں نہ اسکی نقل اور اشاعت کی گئی۔ کیا انھیں رسول سے قریب تر زمانہ میں ہونے کے لحاظ سے اپنی ترتیب کے خلاف یورش پیدا ہونے کا اندیشہ تھا اگرچہ جنگ یمامہ میں سات سو حافظ قرآن شہید ہو چکے تھے۔

احراق مصاحف کا حکم میں علی کا مرتبہ قرآن بھی اصولاً داخل تھا۔

کیوں دو گذشتہ خلافتوں میں اشاعت نہ کی گئی۔

لیکن واقعہ قرآن تنہا نہیں گذرا بلکہ اُسمیں رسول کے معتقد صحابی کی توہین بھی ضم ہو گئی۔ ہم نہیں جانتے کہ غریب ابن مسعود سے بیشتر سے بہرے ہونیکی کوئی اور وجہ تھی یا نہ تھی۔ ہمیں اُس وقت کا کلام بھی نہیں معلوم جسکے بعد اُنکے پیٹ پر غالباً قے کرانے کے لئے لاتیں ماری گئیں۔ یقیناً اسوقت کا مکالمہ معاملہ کے سمجھنے میں بہت معین ہوگا۔ بہر حال یہ پہلا موقع تھا جسمیں اختلاف رائے (جسکے علاوہ ہمیں کچھ نہیں معلوم) رسول کے صحابی کو سزا کا مستوجب ٹھہراتا۔

اصحاب کی توہین

اب سید امیر علی صاحب کی تاریخ اسلام کے اِس فقرہ کا وقت گذر چکا تھا کہ " اُنکے عہد کے پہلے چھ سال میں اگرچہ لوگوں نے گورنروں کے ظلم سے ناک میں دم آگیا تھا (مگر لوگ چپ چاپ رہے " بلکہ اب وہ وقت آیا جبکہ وہ آنگے

وقت بدلا

چلکر فرماتے ہین کہ "اِس اثنا مین خلیفہ کی کمزوری انکو دیکھ کر نزدیک کے لوگون کی شرارتین لوگون مین سخت غیظ و غضب پیدا کررہی تہین۔ اُنکے گورنرون کے ظلم و تعدی کی پرزور شکایتین ڈھر ڈھیر دار الخلافہ مین موصول ہونے لگین .... آخر نوبت بہ اینجا رسید کہ صوبون سے انصاف کا تقاضا کرنے کے لئے وفد آنے شروع ہو گئے وعدہ وعید پر ٹال کر انکو واپس کیا گیا۔" انہین مواقع مین سے ایک تہا جبین اصحاب رسول نے غالباً تو قیر گرامی کی احتیاط سے شکایتین کاغذ کے حوالہ کین اور مزید لحاظ سے بہ یک جسم جاتا ہی نمو و قوت کی دہمکی سمجھ کر ترک کیا بلکہ ایک شخص کو اپنا وکیل کیا۔ وہ شخص وہی تہا جس کے متعلق رسول کی یہ حدیث کہ "اے عمار تجہکو ایک فرقہ باغی قتل کرے گا" اور مورخین کی طرح ملا جامی بہی شواہد النبوۃ مین نقل کرتے۔ نہ صرف رسول کے ساتہہ عمار کی محبت اور درجہ اسلام کی حمایت ہر شخص کو معلوم تہی بلکہ انکے پدر بزرگوار اور مادر گرامی اوائل اسلام مین کفار کی تعدی کے شکار اور حیرت خیز اسلامی استقلال کے نمونے تہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ مستغیثین نے انہین بجز صلح اور دادرسی کے اور کسی نیت سے اپنا وکیل بنایا تہا۔ لیکن ایسے وزنی استغاثہ اور مقدس وکیل کی اِس طرح توہین کی گئی کہ چند سطرین پڑہکر کاغذ پہینکدیا گیا۔ پہر بہی وکیل غصہ مین نہ آیا۔ لیکن اُسے ایک فرض ادا کرنا تہا۔ وہ اور اصحاب رسول کے وفا کا بہی وکیل تہا کہا کہ اسے اصحاب رسول نے لکہا ہے ہم پہینکنا مناسب نہین ہے" لیکن اسکے علاوہ یہی ایک اور نازک فرض تہا اور وہ ناصح ہمدرد اور مسلمان کی حیثیت سے کہنا تہا کہ "اسپر غور اور تامل لازم ہے ہم تمہارے خیر خواہ ہین۔ یہ باتین (جو کچہہ لکہی ہین) تمہاری مصلحت اور نصیحت کے لئے لکہی جاتی ہین" کون کہیگا کہ ان الفاظ مین کوئی گرمی یا سختی ہے یا آداب شاہی کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔

اصحاب کی عطا فہ لحاظ۔

کسکے ساتہہ نا ملائم برتاؤ ہوا۔

عمار سنجیدگی سے اصحاب کی وکالت کررہے تہے۔

یہ سب کچہہ نہ تہا بلکہ صورت معاملہ یہ ہوگئی تہی کہ یہ کہتے بہی کہ ہم عذر یا داد خواہ ہین حکومت کے خوشگوار سر مین ایک تکلیف دہ پیچ مخلوط کردیتی تہی۔ عمار کے سیاق مین ایک اور ناگوار بات تہی جسے خلیفہ کا حافظہ دماغ سے خارج نہکر سکا ہوگا۔ یہی تہے جنہون نے خلیفہ سازی کے مجمع مین علی کی وکالت کی تہی۔ کسی کا بڑا صاحب اخلاق حمیدہ اور مذہباً مقدس ہونا اُسے سیاسی جرم سے محفوظ نہین کرسکتا نہ کہ سیاسی حیثیت سے رقیب کا وکیل ہونا۔ اگرچہ اسکے بعد اُنکے دل مین اُس واقعہ کی کوئی یاد باقی نہ رہی ہو۔ آج قبضہ مین تہے۔ اسکے بعد خلیفہ کی حرکت کی قدر دانی کے لئے مین ابن خلدون یا مترجم ابن خلدون کے لئے ووٹ دیتا ہون۔ نتیجہ کیا ہوا۔ بنی مخزوم نے قسم کہائی کہ اگر عمار جانبر

عمار کے ساتہہ برتاؤ کا اثر۔ اُسکی وجہ۔

یہ ہوئے تو عثمان کو قتل کر ڈالیں گے۔ تم کہو گے کہ یہ انکی گستاخی تھی کہ انہوں نے خود انتقام کا قصد کیا اور عدالت میں نہ گئے۔ عدالت کہاں تھی؟ جب داماد کے لئے بیت المال تھا تو اپنے لئے ممالک محروسہ فروخت کئے جا سکتے تھے۔ کیا عدالت کی طرف سے بے اعتباری انصاف کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کافی وجہ نہ تھی؟ یہ موقع تو خیر گذر گیا۔ محمد ابن ابی بکر کو ابھی ایسا ہی موقع باقی ہے۔ صرف برخاستگی کا جوش بڑھتا جا رہا ہے۔

ابوذر غفاری۔

کسی طرح ابن مسعود اور عمار یاسر کے واقعہ سے کم جوش خیز ابوذر غفاری کا واقعہ نہ تھا۔ ابوسفیان کا بیٹا کب خوش ہو سکتا تھا کہ حکومت اور فتوحات کا تلذذ و تسویہ۔ انصاف اور احتیاط کی تلخی میں ڈبو دیا جائے

نازک موقع

اور تصرف کے وقت کھٹکا لگا رہے کہ کوئی دیکھنے والا آگاہی کی صدا لگایا چاہتا ہے۔ معاویہ کو اس صورت میں کہ وہ اپنے لوگوں کو مخصوص توجہ سے نہ دیکھ سکے ایک مضبوط تائید سے شیفتہ ہونا پڑتا اور اس صورت میں کہ عامہ ناس پر ابوذر غفاری کی تقریر اور فقرات کا اثر پڑتا کیونکہ وہ حقوق مسلمین اور عامہ ناس کی وکالت کرتے تھے اُسے لوگوں کی طرف سے بھی اطمینان کی امید نہ تھی۔ یہی وکالت کی قوت تھی کہ تنہا آدمی نے حکومت کے خود غرضانہ اقتدار و اختیار کا [illegible] اس قدر نازک کر دیا تھا۔ کیا کیا جاتا۔ معاویہ کے حوصلے اس سے کہیں زیادہ تھے کہ وہ اپنے کو مساوات اور احتیاط کا پابند کرتا۔ صرف اب یہ رہ گیا تھا کہ وہ خلیفہ کو مدد کے لئے پکارتا اور کہتا کہ ابوذر کو اس قدر جرأت ہو گئی ہے کہ وہ نہ صرف میرے افعال پر معترض ہے بلکہ وہ خلیفہ وقت سے بھی جواب طلب کرنے کا اپنے کو مستحق سمجھتا ہے۔ وہ حکومت کا رفیق نہیں ہے بلکہ قانون اور عامۂ ناس کا اپنے کو وکیل سمجھتا ہے۔ خلیفہ نے نہ صرف ابوذر کے قول کی صدق یا کذب کے سمجھنے کی متعلق کوشش نہ کی بلکہ قطعاً اپنے عامل کی مصلحت کے پیرو ہو گئے اور سختی شروع کر دی۔ ابوذر کی اسلامی منزلت بھی حکومت کی روش کے لحاظ سے کسی سفارش کے قابل نہ ہوئی۔ حکومت کا درشت مذاق تھا کہ مسلسل دوڑتے ہوئے اونٹ پر اپنے ملزم کو قلابازیاں کھلوائے اس لئے کہ "ہمارا (حکومت) اور تیرا (عامل) ذکر بھول جائے" لیکن درد انگیز بھی تھا کہ [illegible] میں اپنے جسم کا گوشت بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ بڑا مقدس صحابی اس طرح اُدھ موا دار الخلافہ پہونچا کر

نیکی اپنا آپ انعام ہے

حکومت تحقیر اور طنز سے استقبال کرے۔ نہ سفر کی جھنجھوڑ اور نا ملائم برتاؤ اور نہ خلیفہ کا رعب اور سختی ابوذر کو یہ کہنے سے روک سکے کہ مجھے جہاں چاہے بھیجو جہاں رہونگا سچ کہونگا۔ ابوذر نے اُس

وان کی رقابت

...افریقہ کے خر...
...ے مروان کے
...یہ کہاں سے آ...

ولید ابن

اعتبار کی وقت قائم رکھی جسکی بنا پر رسول نے انھین اصدق فرمایا تھا۔ طبیعت شناس رسول نے فرمایا تھا۔

سزا کے بعد عدا نہ ہوئی۔

چند بھیڑ اور ایک آدہ اونٹ کے ساتھ جو انکی بقیہ زندگی تک کے گذارہ کے لئے دیا گیا تھا انکی خاص ملکیت تھی بوڑھا صحابی ربذہ کی طرف جلاوطن ہوا۔ جو مقام اُسے نہایت ناپسند تھا۔ جلاوطنی کے حکم کے بعد بھی حکومت کے دل مین خنکی نہ پیدا ہوئی اور وہ وقت بھی کہ جسمین کوئی یا چند آدمی تھوڑی دور مشایعت کرتے ابوذر کی ہمراہی کے لئے مخدوش سمجھا گیا کہ مبادا وہ لوگونکے کان مین ایسے لفظ پھکا دین جو برا اثر کرین۔ اور حکم دیا گیا کہ کوئی مشایعت نکرے۔ یہی مصلحت تھی کہ ایک غیر آباد مقام انکی سکونت کے لئے مخصوص کیا گیا۔

ابوذر سے علی کی شرکت۔

نہ اس لئے کہ علی نے فرمایا ہے بلکہ حالات پر غور کے بعد اُن فقرات پر نظر کرو جو علی نے ابوذر سے اُس وقت کہے ہین جس وقت وہ مدینہ نبی کو وداعی نگاہ سے دیکھ رہے تھے کہ اس سے زیادہ مناسب لفظون مین اُسوقت کی صحیح حالت نہیں بیان کیجا سکتی۔ ابوذر کو خواہش اصلاح مین کوئی خودغرضانہ وجہ محرک نہ ہوئی تھی بلکہ وہ "خدا کی وجہ سے خشمناک" ہوئے تھے لیکن چونکہ ایسا چاہنا بنی امیہ کی بے مہار خواہش حکومت کے نزدیک دلپذیر نہ تھا اسلئے "اس قوم نے انکی طرف سے اپنی دنیا کا خوف کھایا"۔ آسان تھا کہ وہ بھی حکومت کے ساتھ تالیان بجاتے لیکن یہ ابوذر کے ضمیر کے خلاف تھا اور اپنے "دین کا خوف کیا" ورنہ اگر یہ انکی دنیا کو قبول کر لیتے تو البتہ بنی امیہ انکے ساتھ دوستی سے پیش آتے اور اگر دنیا کو اُنسے (بنی امیہ سے) قرض لیتے تو ابوذر کو اپنی نفرت سے پناہ دیتے۔ اب جبکہ ابوذر چلے جارہے ہین تو انھین اس سے بہتر کیا تسکین ہوسکتی کہ "اب تو اُس چیز کو انکے ہاتھون مین چھوڑ دے جسکے زوال سے یہ خائف ہو رہے ہین"۔ انھین فصل بہار کی گھانس اطمینان سے چرنے دے کہ انکی انتڑیان حلق تک بھر جائین اور "تو اُس چیز (دین) کو لیکر فرار کر جا جسکے زائل ہو جانیکا تجھے انکی طرف سے خوف تھا"۔

روز جزا کے آثار

روز جزا کی آمد کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ ساز بنا ہوا تیار تھا چھیڑنے کی دیر تھی۔ غریب ابوذر باوجود مظلوم ہونے کے بھی ظلوم حامئین حکومت اور اُسکے مداحون کے نزدیک کس قدر مورد الزام ہوتا اگر اُسکی زندگی مین اُنکا کوئی لفظ کسی پر یہ اثر کرتا۔ جو حکومت کی طرف سے نفرت آمیز غصہ

موت کی زبان کا اثر

پیدا کردیتا - اور کہا جاتا کہ خلافت ایک زمانہ سے سستی چلی جارہی تہی - زندگی نے کچہہ نہین کہا موت نے کہا -
اتفاق تہا جس نے جریر ابن عبد اللہ البجلی - صعصعہ اور مالک اشتر کے مادہ کے لوگون کو اُسوقت پہونچا
دیا جسوقت حالت یہ تہی کہ ایک کمزور عورت گویا لاش سے پوچہہ رہی تہی کہ ہم کیا کرین - نہ ہم تمہارا رسم
دفن ادا کرسکتے ہین اور نہ ہمارے پاس کفن ہے جو تمہارا آخری لباس ہو - یہ محض وصیت نہ تہی کہ ضعیفہ
سرراہ بیٹہ گئی بلکہ موقع کا بہترین انتشار تہا جسنے اُس جگہہ پہونچا جہان سے لوگون کے گذرنیکی امید تہی -
یہ پرسہ کی معمولی رسم نہ تہی کہ جریر اشتر اور صعصعہ کے ایسے سپاہی ادا کرتے بلکہ گذری ہوئی باتون کی
یاد - موجودہ موقع اور ایک غریب عورت کی صدائی استغاثہ تہی جسنے بہتر گہلا دیا - سپاہی اینٹہ گئے
اور بچہینی سے روئے - لیکن صرف ہمدردی سے رو دینا عورتون کے کرد ووسنے سے کسی طرح اچہا
نہین ہے - نہ یہ اِس طرح رودئے تہے - آیندہ ذریت سے مطالعہ اور خیالات کی تشریح سمجہائیگی - انکی

روان کی رعایت

دعا پر نظر -

دوامی دعا کو غور سے دیکہو - مین اُسکا کوئی لفظ ایسا نہین دیکہتا جو نظر انداز کئے جانے کے
قابل ہو اور عین واقعہ یا واقعہ کے متعلق بے تکلف خیال نہ ہو - ابوذر کے ایمان لانے - رسول کے
ساتہہ ہجرت - مشرکین سے جنگ - اسلام پر ثابت قدم رہنے کے حقوق یاد کئے گئے ہین - کہا گیا ہے کہ اُنہون
نے " شروع مین کوئی تغیر نہین کیا "

یہ ابوذر کے مخالفین پر عکس تہا جسکی شرح آیندہ فقرات سے ہوتی ہے جہان زمانہ کے واقعات بیان
کئے جاتے ہین کہ " اُس نے کچہہ باتین دیکہین جو سنت رسول کے موافق نہ تہین - اُس نے اُن سے انکار

ما افریقہ کے خرا
لئے مروان کا
یہ کہان سے آیا

کیا " اِسکے بعد وہ فقرہ ہے جسے ہم آیندہ کی گنجی کہہ سکتے ہین کہ " اِسوجہ سے اسے لوگون نے حقیر سمجہا اور
اُسے روضہ رسول کے طواف کی دولت نے محروم کرکے نکال دیا اور اُسے ضایع چہوڑ دیا یہان تک
کہ غربت مین مرگیا " اور آخر مین دعا تہی کہ " اُسے بہی سزا و جزا دے جس کا وہ مستحق ہو جس نے
اُسے حرم رسول سے نکال دیا "

ولید ابن عقبہ
اتفاقات

قسمت کی حیرت خیز مخالفت تہی کہ یہ بزرگ کوفہ کے ہوتے جہان ہاشم ابن عتبہ کی توہین ہوتی
اور سعید ابن العاص سے وہ معاملات پیش آتے جنہین ہم بیان کرتے ہین - سعید ابن العاص اموی
عثمان کی گود کا کہلایا - جبکا عقد بہی عثمان نے کرایا جو گویا معاویہ کی فوجی شاگردی مین تہا کوفہ کے
ایسے مفید مقام کا اپنے کو حاکم دیکہہ رہا تہا - اِس سے زیادہ کون اپنا موقع قوی سمجہہ سکتا تہا جسکا

ایک اُستاد شام کے صوبہ مین حاکم اور دلی مدینہ مین خلیفہ ہو- اسنے اِسمین ناگوار رعونت اور حاکمانہ تبنحتر پیدا کیا یہان تک کہ اُس کے منہ سے نہ صرف موجودہ بلکہ گذشتہ مصلحت کے بہی بالکل خلاف یہ فقرہ نکل گیا کہ "عراق اور اُسکا سواد قریش کے لئے بمنزلہ بوستان ہے جس قدر ہم چاہین لے لین اور جس قدر نہ چاہین چہوڑ دین" یہ خود غرضانہ فقرہ نہ صرف اُنکے روبرو تہا جو اب گذشتہ اور موجودہ حکومت کے زمانہ کے فتوحات مین حصہ لینے والے سپاہی تھے لیکن قریش نہ تہے بلکہ وہ جنکا وطن عراق تہا- اُنہون نے کیا سونچا- یہ کہ کوشش ہماری لیکن نام آوری بنی امیہ یا حاکم گروہ کے چند متنفس کی ہمین اسکی دہکی دیرہے ہین کہ ہمین عزکہلاتے دیکہتے رہو اور اسکی دعائین مانگو اور منہہ دیکہتے رہو کہ ہم ہڈی بہی تمہاری طرف پہینکتے ہین یا نہین! سعید کو سننا پڑا کہ "جس سواد کو اللہ تعالیٰ نے ہماری تلوارون کے زور سے عنایت فرمایا ہے تم اُسکو اپنا اور اپنی قوم کا بستان خیال کرتے ہو" بات یہین تک ختم نہ ہوئی بلکہ واقعہ کا اثر اس سے سمجہ مین آئیگا کہ سعید بن العاص کا پولیس کا افسر مجروح ہوا- اور لوگون نے اشتر کی تعریف کی اِس لئے کہ "اگر ایسا نہ کیا ہوتا تو یہ گروہ اسکے بعد ہمارے گہرون مین تصرف شروع کرتا اور ہمین ہمارے ابا و اجداد کی میراث سے محروم کر دیتا"

سعید ابن العاص نے وہی مصلحت اختیار کی جو معاویہ نے کی تہی اگرچہ دونون کے نشکاروں کے خیالات مین فرق تہا- اور ایک گروہ پر مخصوص الطاف غالباً قدر مشترک تہی- لیکن ابوذر محض بحیثیت ایک مسلمان اور مصلح کے نصیحت کرتے تہے اُنہین اپنی کسی جائداد پر حکومت کی دستبرد کا اندیشہ نہ تہا درانحالیکہ اہل کوفہ کو سعید ابن العاص کے فقرات نے ذاتی نقصان کا خطرہ دلایا تھا یعنی مشورہ معاملہ کسی خاص گروہ کے مورد عنایت ہونے سے بڑہکر اب اِس دوہرے خوف کی بہی محرک ہوگئی تہی کہ ہمارا مال اور معاملہ عمال کے رحم اور مزاج کے اعتدال یا عدم اعتدال پر موقوف ہے-

جب ایک عامل دوسرے عامل کے عمل کی تقلید کر رہا تھا تو کوئی وجہ نہ تہی کہ خلیفہ اپنے پیشتر کے دستور العمل سے انحراف کرتے- اس مرتبہ اُنہون نے ملزمون کو مدینہ نہ بلایا- کون جانے کہ اِس لئے کہ اصحاب رسول محض اُنکے عمال کا بیان کیا ہوا الزام نہ سنینگے بلکہ خود ملزمین سے بہی کچہ پوچہین گے اور اگر اُنکے نزدیک الزام درست نہ نکلا تو پہر اُنہین ویسی ہی بددلی پیدا ہوگی جیسی ابوذر کے متعلق پیدا ہوچکی تہی- اِس لئے مناسب سمجہا کہ اِن لوگون کو شام یعنی وہان کے بیدار مغز عامل کے نگاہ کے

بیجھیج دین۔ سعید نے ان لوگون کو جلاوطنی کا حکم سُنایا اور برافروختگی مین جو کچھ کسر باقی رہ گئی تہی اُسے یہ کہکر پورا کردیا کہ "جاتے ہو تو اُن سفہا اور اوباشون کو بہی لیتے جاؤ جو تمہین بانگیختہ کرتے ہین"

جائز نکتہ چینی پر تشدد۔

لیکن سچ مچ حکومت نے جنلوگون کو جائز نکتہ چینی پر خاموش اور ذلیل کرنے کا ارادہ کیا تہا اُنکی غرض کیسی ہی کیون نہ ہو کسی طرح سمجہہ کی جہلک اُسمین نہ پائی جاتی تہی۔ اشتر محض گنبد سپاہی نہ تہا سردار قبیلہ۔ مقرر۔ مدبر۔ اور نہایت ذکی الحس تہا۔ اپنے اُن تقریرون مین جو امور است سیاست کے متعلق تہین نہایت محتاط تہا۔

سعید کے فقرہ کے بعد اُسکا کہنا کہ "کوفہ مین جتنے لوگ ہین سب میرے ہوا خواہ ہین اور کوئی اسپر راضی نہ ہوگا کہ تو اُنکے شہر اور گہر ونکو اپنا بستان قرار دے"۔ اُسی تدبیح تہا جیسا مبرانہ تہا۔ اُسنے ایسے موقع پر نہ صرف اہل کوفہ کو اپنا ہوا خواہ بنایا بلکہ یہ بہی ذکر کے قابل سمجہا کہ حکومت کی بے مہار اور غیر محتاط تقریر پر اہل کوفہ راضی نہین ہوسکتے اور سب میرے ہمخیال ہین۔ معاملہ جوش خیز تہا۔ اشتر نے سانس کے اُس تار پر اُنگلی رکھی ہی جو حکومت کو بہلا نہ معلوم ہوتا۔ لیکن عام رائے جسکا طبعی اقرار کرلی۔

مدبر معاویہ نے مالک اشتر وغیرہ کو اپنا کرنے کے لئے دسترخوان کو مدد کیلئے بلایا۔ تقریری مغالطے دیکر دہمکی اور فقرہ سے کام نکالنا چاہا لیکن اُسکے تمام مدبر کو کامیابی نہ ہوئی۔ جب ابوذر کا ایسا بے غرض مُصلح شام مین رکہے جانیکے قابل نہ ہوسکتا تہا اس لئے کہ وہ خدا کے لئے خاموش جم غفیر کے حقوق کی آزادانہ وکالت کرتا تہا تو ایسے حوصلون مین بسر کئے ہوئے لوگ جنہین آئندہ کا حوصلہ ہوسکتا تہا کب ایسے مہمان ہوسکتے تہے جو زور دسترخوان کی مخدوش زینت بنتے۔ دوبارہ امیر شام کو تم بدھرسے زیادہ متین الصوۃ فلسفی اور دین کی حمایت کا مجسمہ بنکر خلیفہ کو صدا دیتا ہے اور ان لوگون کی موجودگی سے انصاف۔ حق۔ دین۔ اور نیکی سبکو معرض خطر مین مبتلا دیکہتا ہے اور یہ چند جری صاف گو۔ دمشق سے اِس لئے نکالے جاتے ہین کہ حمص روانہ کئے جائین۔

دسترخوان کی مخدوش زینت دور ہوگئی۔

شخص نہ کہ مقام

لیکن یہ جگہہ نہین تہی جہان انکا بہیجا جانا کوئی خصوصیت رکہتا ہے بلکہ حقیقتاً اسکا تعلق شخص سے تہا۔ وہ شخص دور اول کے دست راست اور شمشیر کا فرزند تہا۔ میری غرض خالد ابن ولید کے

عبدالرحمن ابن ولید نے آگ بہڑکائی

فرزند عبدالرحمن سے ہے۔ یہ اپنے باپ کا بجا کر یہہ الفاظ سے اس گروہ کا استقبال کرتا ہے اور "ایسی
سختی" کا برتاؤ کرتا ہے جس سے کوئی عجب نہیں ہے اگر ان لوگون نے اپنا موجودہ موقع دیکھکر مجبوری سے "توبہ"
کی ہو۔ زمانہ نے بتایا کہ یہ توبہ ایک آگ تہی جو وقت پر بہڑکنے کیلئے دبا دیگئی۔

ہم نہین جانتے کہ اہل کوفہ اس سے واقف تہے یا نہتے کہ مالک اشتر اور صعصعہ وغیرہ شام اور حمص مین
ہر طرح کی ذلتون مین بسر کر رہے ہین اور انکا مدینہ مین آکر خلیفہ سے عامل اور اپنے لوگون کی جلاوطنی کی
شکایت محض فریاد رسی کی حیثیت سے تہی۔ اور وہ اور جوش مین آتے اگر انھین صحیح حالات معلوم ہوتے
جو کچھہ بہی ہو اہل کوفہ کے وفد نے اپنے کو تنہا نہ دیکہا بلکہ اہل بصرہ کو بہی موجود پایا۔ ان وفود کا اس قدر
نتیجہ ہوا کہ عاملون کو "نصیحت" کی گئی۔ عمال نے یا تو نصیحت کو اس قابل نہ سمجہا جسے وہ اپنے اپنے
عمل مین لیجاتے یا خلیفہ نے دریافت پر ان عاملونکی روش کو حکومت کے نقطہ نگاہ سے قابل چشم نمائی
نہ سمجہا اور واپس کیا۔ اہل کوفہ کو تشفی نہ ہوئی اور انھون نے دوبارہ ایک متقی آدمی کو اپنا سفیر
بنایا اور دوسرے ایک مقدس بزرگ نے علیحدہ سے بہی ایک خط بہیجا۔ مجھے سفیر کے اس فقرہ سے
بحث ہے کہ "اے عثمان لوگون نے تمہارے افعال پر نظر کرنا شروع کیا ہے"۔

وجہ کی کہتی

کسی ہوشیار حکومت کے لئے لوگون کا امورات حکومت پر نظر کرنا حکومت کی آنکہین کہولنے کا
باعث ہوتا۔ لیکن افسوسناک ضد نے خلیفہ کے منہ سے یہ خیالات ظاہر کرائے کہ "ایسی باتین نا ملائم"
ہین اور ایسا کہنا کہنے والے کے "زاہد اور متورع" ہونیکو مشتبہ کر دیتا ہے۔ ساتہہ ہی ساتہہ حکومت کے
خوفناک "اللہ تعالے" کو بہی پہچوانا چاہتے ہین اور جواب ملتا ہے کہ "مین اللہ تعالی کو نہین جانتا۔
بیشک اللہ تعالے ظالمون پر قابو پانے والا ہے"! اسکے بعد خلیفہ نے تصفیہ کیا کہ فریاد خواہ "سفہا
اہل بغی اور حسد" ہین۔ سفیر پر "اللہ تعالی" نے توجہ کی بلکہ اس طرح پہچنوایا گیا کہ بغیر کسی ایسی ہولناک
مزاج کے ایجاد کے ہوئے جو ابوذر کیلئے اختیار کیا گیا تہا کسی طرح نہ پہوٹا۔ کعب ابن عبیدہ کوفہ سے
گرفتار کر کے بلوائے گئے۔ اور کوڑونکی سانٹین یا خون آلود نشان کے مٹانے کے لئے پہاڑ
تجویز ہوا۔

خلافت معلمت الفاظ

اللہ تعالی کا تعارف کرایا گیا

حالت ضرور نازک تہی کہ خلیفہ نے معاویہ۔ ابن ابی سرح۔ سعید۔ ابن عامر اور ابن عاص کو طلب کیا۔ اس لئے
کہ یہہ لوگ "وزیر" نہ تہے "معتمد علیہ" تہے۔ انپر "اطمینان" تہا کہ یہ لوگ "نیک نیتی" سے

نازک حالت اور معتمد لوگ۔

رائے دینگے۔ رائے زنی کا مضمون یہ تھا کہ لوگ ”طرح طرح کے الزامات مجھپر قائم کرتے ہین میرے عمال کی معزولی چاہتے ہین اور جس کو وہ دوست رکھتے ہین مجھے اُس (امر) کا پابند اور اُسکی طرف لوٹانا چاہتے ہین“ چونکہ ابن ابی سرح کی لالچ دینے والی رائے قبول نہ ہوئی تہین اس سے کوئی واسطہ نہین نہ سعید کی اِس رائے سے کہ ”سرداروںکی ہلاکت“ سے لوگ خود بخود متفرق ہو جائینگے“ باوجود اسکے کہ خلیفہ نے ”ضرور مناسب“ سمجھی ہمین کوئی بحث ہے اس لئے کہ مورخ نے یہ بھی بتایا ہے کہ ”اسپر عمل کرنا مشکل“ تہا۔ اور ہم اپنے کو اُسی صلاح پر متوجہ کرتے ہین جو عبداللہ ابن عامر کریزنے دی کہ ”انکو جہاد مین معروف کر دیجے کیونکہ جب یہ فارغ بیٹھینگے تو طرح طرح کے خیالات پیدا کرکے آئے دن ایک نہ ایک فتنہ اُٹھاتے رہینگے“۔ خلیفہ نے یہ رائے منظور کی اور حکم دیا کہ ”لوگون کو جہاد پر روانہ کردتا کہ اسکی مصروفیت انکو اور خیالات سے روک دے“ یہ دکھانے کے لئے مشکل سے مین کوئی اور دلیل لاسکتا ہون کہ رسول کے بعد کامیابی کا یہی ایک بڑا راز تھا جسکے تجربہ پر

تاریخ اپنا حل آپ ہی کر رہی تہی۔

اب پھر توجہ ہوئی تہی۔ لیکن جہاد کی آسانیان اب دور ہوچکی تھین اِس لئے کہ فتوحات کا دایرہ وسیع سے بہی کچہہ زیادہ ہوچکا تہا۔ دور دور از مقامات پر فوجین بہیجنا آسان نہ تھا بلکہ خود مفتوحہ ممالک مین ذراسی غفلت بغاوتین کہڑی کردیتی تہی اور عمال پر نظر رکھنا ایک اور مشکل کام ہوگیا تہا۔

اب وقت نہ تہا

اہل کوفہ کی کوشش

خلیفہ اور اُنکے نیک نیت ناصح جسوقت آیندہ کا دستورالعمل درست کرکے انجمن مشورت برخاست کرچکے تہے اور ہلکے دل سے اپنے اپنے عمل کی طرف واپس جارہے تہے کہ اب یزید ابن قیس نے اپنا موقع پایا اور مالک اشتر وغیرہ کو ولایت شام سے طلب کیا اور یہ لوگ رات دن مسافت طے کرتے ہوئے کوفہ مین داخل ہوگئے“۔ کوفہ کی عام براگیختگی اِس سے سمجہہ مین آئیگی کہ بہت سے کارآزمودہ سپاہیونکی ماتحتی مین فوراً بہت سے سپاہی مفید فوجی مقامات پر بہیجی جاسکے اور جرعہ فوجی مرکز قرار دیاگیا۔ یہ اشتر کی فوجی قابلیت۔ ہوشیاری۔ مستعدی اور کارآزمودگی تہا۔ عام حالت اِسی سے بہی سمجہہ مین آئیگی کہ اگرچہ کوفہ مین حکومت کی طرف سے قعقاع ابن عمر کا ایسا تجربہ کار اور بہادر سپاہی موجود تہا لیکن اُس نے بہی حکومت کے موجودہ قایمقام عامل عمر ابن حریض اسکونی کو صلاح دی کہ ”سیلاب کو حالت جوش مین“ نہ روکے۔ سعید جس وقت

سردارون کی معقول گرفت" کی صلاح صادر کرکے کوفہ واپس آرہا تہا اور غضب پہونچا
اُسے عبد اللہ ابن کنانہ کے تین سو سوارون کی فولادی صف سامنے دکھائی دی جو یہ کہہ رہی
تہی کہ" اے دشمن خدا کہان جاتا ہے لوٹ جا جہان سے آیا ہے - اب دوسری چیزون کا کیا
ذکر ہے تو فرات کا ایک قطرہ نہ پی سکیگا" اور دردانگیز منظر تہا کہ لانبی شان والا سعید چہینکتا
ہوا چلا کہ خلیفہ سے فریاد کرے کہ جسکی "معقول گرفت" اور "ہلاکت" کی ہم صلاح دیرہے تہے اُنہون نے
ہماری "معقول گرفت" کی اور ہمارے وقار کو "ہلاک کیا" اور اگر ہم اپنے کو حلم کا متحرک مجسمہ نہ
دکھاتے تو ہلاکت دور نہ تہی - یہی نہ تہا - فریاد کرنے اور عرضداشتین بہیجنے کا وقت گذر چکا تہا
دلیل منہ سے اب داہنے ہاتہ مین آگئی تہی زبانی گفتگو کا موقع نہ رہا تہا تلوار کے بولنے کا وقت
تہا اور اشتر کو اب حکم دینا تہا کہ "جاؤ عثمان سے کہدو کہ ابوموسیٰ کو بہیجے" اور خلیفہ کو
تعلق قایم رکہنے کے لئے راضی ہوجانا تہا - نہ اِس کے قبل کہ وقار کو صدمہ پہونچ چکتا اور اس سے
زیادہ قابل افسوس یہ ہے کہ یہ تمت نہ تہی -

اب جو خط خلیفہ نے اہل کوفہ کو بہیجا اگر اُسکا مفہوم یہ تہا کہ وہ لوگون کی جرأت بازپرس کی شان وا
حیرت صرف کررہے تہے بغیر لوگون کا حق قبول کئے ہوئے اور اسکی نصیحتین کررہے تہے کہ بس تم اطاعت کے سوا
کوئی خیال ہی دل مین نہ لاؤ تو اہل کوفہ اپنے جواب مین خلیفہ کی بے رعایت نکتہ چینی کررہے تہے اور اپنی
پسند کے قابل امام کی تعریف کررہے تہے اور اِس امر کو قوت سے ظاہر کررہے تہے کہ ہم اپنے خیال پر قائم
ہین اگرچہ اس سے ہم مین اور تمہارے روابط مین شکستگی ہی کیون نہ ہوجائے - وہ ایسے خودغرض -
بے لحاظ اور ناشنو عامل نہین چاہتے تہے جو حکومت کو اپنی خواہش کا پرتو دیکہنا چاہتے ہین -
وہ حکومت کی کاروش سے بے شبہہ ہوگئی تہی کہ وہ ایسے لوگ بہیجتی ہے جنہین اُس نے ہمارے ساتہ سب
کچہہ کرنے کا اختیار دیا ہے لیکن ہمین کسی اعتراض کرنے کا حق نہین دیا ہے بلکہ ہمارا اعتراض وہ کیسی ہی
فریادرسی اور دادخواہی کے لہجہ مین کیون نہ ہو اِس لئے ناگوار گذرتا ہے کہ ہمنے کیون دادخواہی
کے لئے اپنی صدا بلند کی - اور حکومت کو اپنے عاملون پر یہ اعتبار تو ہے کہ وہ حکومت کے ساتہ
فائدہ کے اشتراک کے لحاظ سے کوئی بدمعاملگی نہ کرینگے لیکن اُسے متعلق اسکی فکر نہین ہے کہ وہ عام رعایا
کے ساتہ کس طرح کا برتاؤ کرینگے اور اُنکا برتاؤ قابل بازپرس بہی ہے یا نہین - بلکہ اُنہین خیال تہا کہ

خلیفہ اپنے عاملوں سے اِس لئے باز پرس نہین کرتے کہ مبادا وہ حکومت سے برافروختہ ہوکر اپنی جگہہ آزاد اور خود مختار دکھنا نہ چاہین اور اِس لئے عمال کی ناخوشی پر اُنہوں نے رعایا کی ناخوشی کو گوارا کرلیا ہے۔

پھر بھی اہل کوفہ نے اپنی آواز سنانے کے بعد خاموشی سے حکومت کے ہر حکم کو اپنے اوپر گوارا کیا اور اُس وقت تک مصمم عملی مخالفت کا ارادہ نہ کیا جب تک وجوہات مین اضافہ نہ ہوتا گیا اور انھین یہ یقین نہ آگیا کہ موجودہ نظام حکومت سے کسی اصلاح کی امید کرنا اپنے کو تباہ کرتے جانا ہے۔

کیا یہ ممکن تھا کہ ایسا نہ ہوتا جیسا ہوا۔ نہین۔ ضرور ہوتا۔ وہ حوصلہ خیز مصلحت جو رسول کے بعد ایجاد ہوئی تھی اُسکا اور کوئی نتیجہ نہ ہوتا بجز اسکے جو کچھہ ہوا۔ کچھہ عثمان ہی کے ساتھہ موقوف نہ تھا۔ کوئی دوسرا انکی جگہہ ہوتا یا خلیفہ ثانی کو کچھہ اور زمانہ ملتا جسمین انھین دم لینا پڑتا۔ مین سمجھتا ہون کہ خلیفہ ثانی کے زمانہ مین ایرانی سلسلہ کوہ کے سرحد قرار دیئے جانے اور صلح کے بعد فارس پر دوبارہ فوجکشی کسی بھی وجوہات پر کیون نہ مبنی ہو لیکن سپاہیونکو مشغول رکھنے کی فرصت نے دوبارہ فوجکشی کے تصفیہ پر قوی اثر ڈالا ہوگا۔ اِس ناگوار نتیجہ کے جلد واقع ہونے مین ضرور حضرت عثمان کی کمی احتیاط نے جلدی کی۔ جو کچھہ ممکن تہا وہ بہی تہا کہ نتیجہ آیندہ کے لئے ٹالا جاتا۔ اسکے لئے ابو قحافہ یا ابن الخطاب چاہئے تھے۔

ضمناً مین یہ بہی سوچنا چاہتا ہون کہ کیا یہ ممکن تہا کہ بنی ہاشم کے حقوق اور تقدس کی طرف سے تجاہل اور اُنکے اختیارات کی پامالی کے بعد بنی امیہ صاحب اختیار نہ ہوتے۔ نہین۔ اِس لئے کہ اگر عرب کی جماعت سے بنی ہاشم نکال دے جاتے تو بنی امیہ کو ثروت اور عدد کی جو مدد ملتی اور انکے جاہلیت کے اثر کی یاد جس قدر معین ہوتی وہ دوسرے کو حاصل نہ تھی۔ ابوبکر یا عمر اپنے اپنے لڑکون کو خلیفہ منتخب نہین کرسکتے تھے۔ نہ کرسکنا انکے اِس ہوش پر مبنی تہا کہ بنو تیم اور بنی عدی کی وقعت ایسی نہین ہے کہ ہمارے لڑکون کے مدد کے لئے صرف خلیفہ کا لڑکا ہونا کافی ہو۔ اور لوگ اور بہت سے اعتراض لیکر کھڑے ہو جائین درانحالیکہ ان لڑکون کے پاس نہ خلیفہ ہو جانے کے وہ اتفاقات ہون اور نہ دلائل ہون جو ہمارے لئے لائے جاسکتے تہے۔ جیسا خود دیکھے

نا۔ کر

وہ ضرور ہوتا جو کچھہ ہوا

۱

بنی ہاشم کی پامالی کے بعد بنی امیہ کا صاحب اختیار نہوتا ممکن نہ تہا۔

ایک سوال یہ کہ ابن عثمان کو خلیفہ بناؤ۔ زبیر نے اپنے حوصلوں کے زمانہ میں بقول ابن خلدون جواب دیا کہ "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اکابر و شیوخ مہاجرین کو چھوڑ کر ان لڑکوں کو حاکم بنائیں"۔ نہ حضرت ابوبکر حضرت عمر کی موجودگی سے چشم پوشی کر سکتے تھے اور نہ علی ہذا القیاس حضرت عمر اپنے گرد و پیش کے واقعات سے غافل تھے۔ اس لئے انہیں (اولاد کو) نہ صرف ان قیاسات کے حوالہ کرنا تھا کہ انکی مخالفت ہو بلکہ انہیں اُس لحاظ سے بھی محروم کر دینا تھا جو اِس سے پیدا ہوتا کہ خلفا نے اپنے اعزا کو اپنا جانشین نہیں کیا اگرچہ کسی کی دانست میں محض "ممکن ہو"۔ بہت سی باتیں ممکن ہیں لیکن سب قابل عمل نہیں ہیں۔ اور نہ خلفا کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ بنی اُمیہ کو علیحدہ رکھتے جس طرح بنی ہاشم کو علیحدہ رکھا تھا۔ ایسا کرنا ان دو زبردست گروہ کو ایک کر دینا ہوتا۔ بلکہ دیکھا یہ گیا کہ عملاً ایسا موقع آتی ہی ایک جو قبضہ میں کیا جا سکتا تھا یعنی بنی امیہ کا گروہ خرید اگیا اور خواہی نخواہی قوی ہوتا گیا۔

جہاں یہ سب ہو رہا تھا عقیدت کے لحاظ سے عامۃ ناس میں خلیفہ کی طرف سے ایک اور تشویش پیدا ہوا۔ اور وہ یہ تھا کہ کہا جاتا ہے کہ جس انگوٹھی سے جناب رسالتمآب اپنے فرامین پر مہر فرماتے تھے اور جو غالباً اپنے اعلان نیابت کیلئے خلفا نے اپنے قبضہ میں رکھنا مذہبی پہلو سے مفید سمجھا تھا۔ عثمان کے ہاتھ سے گر گئی۔ انگوٹھی کا گرنا انکا تخت سے گرنا یا لوگوں کے قلب سے گرنا تصور کیا گیا۔ چاہ عرش نہ کچھ زیادہ گہرا تھا اور نہ پانی تھا۔ خاک چھانی گئی لیکن انگوٹھی کہیں نہ تھی۔ ان واقعات میں کسی قدر حیرت خیز صورت ایک یہ بھی تھی کہ لوگوں کی توجہ جناب امیر کی طرف مائل تھی اور اکثر موقع پر صرف انھیں کو مداخلت یا وساطت کا شایان سمجھتے۔

انگوٹھی کا گرنا تخت سے گرنا تھا۔

ایک حیرت خیز نشو

ان واقعات میں یہ دیکھنا ہے کہ ایسے موقع پر جبکہ لوگوں کو حکومت سے کوئی اذیت پہونچی تھی وہ کیوں علی کو ڈھونڈتے تھے۔ کیا اس لئے کہ ایک غمزدہ دوسرے دردرسیدہ کو ہمدردی کے لئے تلاش کرتا ہے یا لوگوں کی توجہ ایسی کچھ ہے کہ سیاسی حیثیتوں سے قطع نظر کر کے علی کی وقعت عامۃ ناس کی نگاہوں میں کبھی کم نہیں ہوئی تھی اور وہ ایک مشکل وقت جب انھیں کسی اور سے تسکین نہ ہو علی کو تلاش کرتے تھے۔ کیا اس لئے کہ زمانہ گذر ا تھا جس میں پیش پیش لوگ اپنے خیالات اور معاملت کے لحاظ سے اس طرح سمجھ میں آ گئے تھے کہ وہ اخلاقی اعتبار کے مرکز نہ ہو سکتے اور ان شورانگیز فتنوں نے علی کو موقع دیا تھا کہ وہ اپنے کو اپنی حقیقی شان سے دکھاتے اور انکی خوبیاں دلوں میں گہری جڑ پکڑتیں اور وہ لوگوں کی خوشی

لوگ کیوں علی کے پاس جاتے تھے۔

اُمید ہوتے۔ اور یہ لوگ یہ دیکھتے کہ ایسے نازک وقتون مین جب کہ اعتبار ایک نہایت مفید شئے ہوتی ہے اور جسکے بغیر کسی بڑے معاملہ کی ابتدا ہی نہین ہوسکتی بغیر کسی سفارش یا نمایش کے لوگونکو کوئی ذات ہی نہین دکھائی دیتی۔ علی کی ذات کے سوا۔ جو اعتبار اور اطمینان دلاسکے۔

معاملت کی یہ صورت اسی طرح تمام نہین ہو جاتی بلکہ اسکے عکس مین ایک اور پرتو اختیار کرتی ہے۔ یعنی پہلی صورت تو یہ تھی کہ لوگون کو حکومت سے معاملہ تھا اور وہ لوگون کی کم تولی ہو۔ انصاف پسند از خواہش اصلاح ہو۔ یا محض خاموشی سے شکایت ہو کر انھین ایک پنچ کی ضرورت تھی لیکن واقعات کا نشو اس طرح بھی ہونیوالا تھا کہ حکومت بھی علی کی وساطت پر مجبور ہوتی۔ وہ حکومت کی کمزوری ہو۔ یہ سمجھکر ہو کہ اعضائے حکومت اس قدر مرفوع الاعتبار ہوگئے ہین کہ اب اُن سے کوئی کام لینا لوگون کو اور جوش دلانا ہے۔ یا اس لئے ہو کہ علی (یا وہ ذات جسپر لوگون کو اطمینان تھا) کو درمیان مین لاکر وقت حاصل کیا جائے۔ اور لوگ علی کی وساطت کو بھی غیر مفید سمجھکر حکومت کے ساتھہ علی سے بھی ناخوش ہون۔ دکھایا جائیگا کہ آخری موقع کو علی سمجھہ چکے تھے اور اس اخلاقی حد سے آگے نہ بڑھے جس سے فریقین کے تصفیہ کی امید ہوسکتی تھی۔ اور جب امید منقطع ہوگئی تو اپنے پنچ کے منصب سے استعفا دیدیا۔

غالباً پہلا موقع وہ تھا کہ بنی مخزوم نے عمار کے ساتھ تشدد کی علی سے شکایت کی اور انہون نے جاکر سمجھایا۔ اسکے بعد اگرچہ کسی نہ کسی طرح عمار اور عثمان مین التوائے جنگ کی حالت پیدا ہوگئی لیکن ابوذر کی رحلت کی خبر سنکر جب خلیفہ نے "رحمۃ اللہ" کہا اور عمار سے پوچھا کہ کیا یہ ویسے کہاہے؟ تو اسپر عثمان نے جواب دیا کہ "کیا تجھے شک ہے کہ مین نے جو نکال دیا تو اب شرمندہ ہون" عمار نے جواب دیا "واللہ نہین"! اسپر عثمان نے انھین بھی نکالدینے کا حکم دیا تو پھر بنی مخزوم علی کے پاس شکایت لائے اور جناب امیر نے دوبارہ عثمان سے فرمایا کہ "ابوذر کے واقعہ سے لوگ ناخوش ہین اور عمار کے لئے بھی جو حکم دیا گیا ہے وہ مناسب نہین ہے" اسپر جواب ملا کہ "پہلے تمہین شہر بدر کرنا چاہیے" بھی مجمع تھا جنمین مغیرہ ابن اخنس ثقفی ان لفظون مین علی کی تائید کرتا کہ "رسول کی خدمت مین جو تیرا مرتبہ ہے وہ کسی کا نہین ہے" اور مغیرہ ابن شعبہ کہتا کہ "تم چاہو یا نہ چاہو تمہین محکوم رہنا ہوگا"!

خلق اللہ کے میلان سے حکومت بھی علی کی وساطت چاہتی تھی۔

علی نے کب تک اس نازک دوہرے منصب سے برات کا اعلان نہین کیا۔

آگ اس قوت سے نہین لگی تہی کہ دو ایک چھینٹے اُسے بجہا سکتے یا بجہتی درانحالیکہ بجہانے کی مناسب کوشش ہی نہ کی جاتی۔ اسوقت تک چارون طرف علانیہ طعن و تشنیع کا بازار گرم ہوگیا روزانہ اِسکی متواتر خبرین مدینہ مین پہونچنے لگین اور مدینہ مین بھی لوگون مین سرگوشیان شروع ہوگئین" اب پھر علی تھے اور لوگ تھے۔ لوگ تھے جو علی سے کہتے تھے کہ ہماری شکایتین خلیفہ سے کہدیجئے اور اصلاح کرادیجئے۔

علی کی حیثیتین

موقع کی صحیح صورت یہ ہے کہ جناب امیر کی آنکھہ واقعات کو دیکھہ رہی ہے اور عثمان کو سمجہا رہی ہے۔ علیؑ کے لحن اور الفاظ پر غور کرو کہ آیا اِس سے زیادہ شریفانہ متانت ایک ایسے شخص سے ممکن ہے جس کا حکومت کے نزدیک اپنے حق کے لحاظ سے نہایت ہی نازک موقع رہا۔ پھر بھی وہ اس وقت جماعت کے ایک فرد۔ ایک گروہ کی زبان۔ اپنے علم اور اپنے یقین کے لحاظ سے ناصح کی حیثیت سے آیا ہے۔ اور معلوم نہین ہوتا کہ سطح سے کوئی چہوٹی سی چہوٹی لہر بلند ہورہی ہے جسمین ناگوار نغمہ ہو بلکہ وہ اس وقت انسانی "حق"، کے وکیل تھے اور اپنا "فرض" ادا کررہے تھے۔

شاید جناب امیر کے یہ الفاظ کہ "اپنے بابت غور کرو" یا یہ چبہتی ہوئی جھنجوڑ کہ "تم بے بصیرتی سے نہین دیکھتے اور نہ تم جہالت سے کچھہ نہین جانتے" یا فرمانا کہ "راستہ واضح ظاہر اور اعلام دین قایم ہین"، بعض کے نزدیک محض استعارہ ہو۔ اگر کسی کی دانست مین یہ صورت ہو تو آگے چلکر یہ فقرہ استعارہ کی سرحد سے نکل کر صراحت کی صورت اختیار کرتا ہے کہ "مین تمکو اس سے ڈراتا ہون کہ تم اس امت کے امام مقتول ہو" اور اُسکا ایک نتیجہ یہ ہو کہ "قتل و قتال کا دروازہ قیامت تک کھل جائے" جس سے "واقعات ملتبس اور مشتبہ ہوجائینگے"۔ اور لوگ "حق کو بوجہ علوی باطل نہ دیکھہ سکین گے"۔ اور اضطراب و اختلال اسین پیدا ہونگے" امت کی بدنصیبی سے جناب امیر کے یہ الفاظ ایسے سچ ہوئے کہ گویا وہ جناب آیندہ کو اس طرح دیکھہ رہے تھے کہ اُسنے صورت اختیار کرلی تہی جسکا تذکرہ ہمارے آیندہ باب مین کیا جائیگا۔

کسوقت بہی خلیفہ نے اپنے افعال پر نظر ثانی نہ کی۔

اگر کوئی اور دلیل نہین بہی لائے جاسکتی تہی تو غالباً امت رسول مین "واقعات کے ملتبس اور مشتبہ ہوجانے سے" قتل و قتال اور اضطراب و اختلال پیدا نہ ہونے کا واسطہ ایسا تہا

جسکے لحاظ سے خلیفہ کو اپنے روش پر نظر ثانی کی ضرورت تھی۔ لیکن ایسا ہونیوالا نہ تھا۔
سونچو اگر تم سونچ سکتے ہو کر خلیفہ کو اپنی روش پر اصرار کے علاوہ کچھہ اور سمجھاتا تھا جبکہ علی کی وکالت کے تمام ہونے پر وہ منبر پر گئے۔ آج فصاحت اُنکا ساتھہ دے رہی تھی اور وہ داد خواہوں سے کہرہے تھے کہ "تملوگ میری نرمی اور التفات کی وجہ سے جری ہوگئے ہو" تملوگ اپنے خیالات تبدیل کردو..... اور اپنے کاموں کو اپنے امرا پر چھوڑدو۔ جنکو مین نے مامور کیا ہے"۔

اِن واقعات مین مدبر معاویہ کو بھی دُہرے وار کرنے کا موقع ملا جنمین سے ایک تو یہ تھا جو علی۔ طلحہ اور زبیر کے سامنے آزمایا گیا کہ "تملوگون نے اِس امر مین اگر کچھہ فیصلہ کیا ہے تو مین موجود ہون"۔ اِس سے یا تو یہ غرض تھی کہ یہ لوگ ٹٹولے جائین کہ آیا انمین عثمان کو معزول کرنیکا کوئی تصفیہ ہوا ہے یا نہین اور اگر ہوا ہو اور یہ لوگ آیندہ کیلئے کوئی دستور العمل مرتب کرچکے ہون تو اپنی رضامندی ظاہر کرکے اُسکے ایک معتمد حصہ دار بنجائین۔ اِسمین کامیاب نہین ہوا۔ ایسا ہی خیال کعب الاحبار کے سامنے معاویہ نے ظاہر کیا تھا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ عثمان کے بعد کون خلیفہ ہوگا تو مین اُسکی بیعت کرتا۔ چلتے چلاتے عثمان سے بھی ایک بات کہہ لی کہ "اِس سے پہلے کہ آپ پر حملہ ہو جس کا آپ تحمل نہ کرسکین مناسب ہوگا کہ آپ میرے ساتھہ شام چلے چلین کیونکہ کل اہل شام میرے مطیع ہین"۔ اِس فقرہ مین خوش خُلقی اور محبت یا احسان کی تحریر واضح سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن میرے خیال مین آج پہلا موقع تھا جسمین معاویہ کا آیندہ خلیفہ بنجانیکا حوصلہ ظاہر ہوا۔ وہ خلیفہ کو نہ صرف بھلے یا بُرے ہوا خواہونکے اثر سے نکال رہا تھا بلکہ انہین شام مین خلیفہ دکھاکر تمام اختیارات اور اثر پر خود قابض ہوجانا چاہتا تھا۔ اور اسکے بعد خلیفہ کے رحلت پر مطیع اہل شام کے سامنے اپنے کو خلیفہ کہنا کچھہ مشکل نہ تھا۔
یہ مصلحت حضرت عمر اور ابن عوف کی مصلحت سے قطعاً مشابہ تھی صرف اتفاقات کی قوت کا فرق تھا یعنی معاویہ وہان خلیفہ کو قائم رکھنا چاہتا تھا جہان وہ حاکم بھی تھا۔ اور اسے آیندہ کے لئے نہ صرف احسان بلکہ اپنی قوت سے بھی امید تھی۔ لیکن یہ آخر موقع تھا کہ معاویہ عثمان کی حیات مین مدد کا وعدہ کرتا اس لئے کہ خلیفہ کے آخری وقت اُنکے استغاثہ

پہلا موقع جس سے معاویہ کا حوصلہ خلافت ظاہر ہوا

مدد کو یہ جواب پاتا تھا کہ "خدا نے جس سے کوئی نعمت چھین لی ہو میں اُسے واپس نہیں کر سکتا" اور
بقول جناب امیرؑ کے معاویہ طلیق ابن عفان کی مدد کرتا تھا جہاں اُسے اپنے نفع کی امید تھی۔

آخری وقت قریب آتا جا رہا تھا اور اہل مصر کے ابن سرح کی شکایت پر جب عامل کے نام خلیفہ نے
تہدیدی خط روانہ کیا تو عامل مصر نے بجائے اسکے کہ کوئی اصلاح کرتا اُس شخص ہی کو رفع کر دیا جو خط
لایا تھا اور جس جماعت کی طرف سے شکایت کیگئی تھی اُسکی بازپرس شروع کی۔ اب بقول ابن حجر مصر
سے سات سو آدمی آئے اور اوقات نماز میں اصحاب رسول سے مسجد میں جا کر شکایت کی۔ طلحہ نے
عثمان کو "سخت" باتیں کہیں۔ خود حضرت عائشہ نے بھی ابن ابی سرح کو معزول کرنے کے لئے کہلوایا
اور جناب امیرؑ نے بھی ایسا ہی فرمایا۔ اب خلیفہ نے لوگوں کی خواہش سے محمد ابن ابی بکر کو
مصر کا عامل مقرر کرنا منظور کیا۔ لوگ روانہ ہوئے اور کچھ مہاجر و انصار بھی صورت معاملہ
دیکھنے کے لئے ساتھ چلے۔ مدینہ سے ابھی تین دن کا راستہ طے کیا تھا کہ ایک حبشی غلام دکھائی
دیا جو "کسی کو ڈھونڈھتا تھا یا کسی سے بھاگتا تھا" اُسے روکا تو اُسنے اپنے کو کبھی عثمان اور
کبھی مروان کا غلام بتایا۔ لیکن جو بات اُسنے لوگوں کے توجہ کے قابل کہی وہ یہ تھی کہ "ہم
مصر کے عامل کے پاس جاتے ہیں" لوگوں کا استعجاب اِس سے اور بڑھ گیا اور اُنھوں نے کہا
کہ چلو عامل مصر کے پاس لے چلیں وہ تو یہیں ہیں تو اُس نے کہا کہ "یہیں عامل اول" سے کام ہے شبہ ہوا
تلاشی لیگئی اور مُہلک خط برآمد ہوا جو حاشیہ ناس کے سامنے پڑھا گیا۔

خط گرفتار کرنے والوں کی احتیاط۔

آسان تھا کہ یہ خط خلیفہ کے سامنے پیش ہوتا اور حکومت اُس سے انکار کر جاتی اِس لئے اُسپر حاضرین
کی دستخط یا مُہر کرائی گئی اور ایک معتمد کے پاس حفاظت سے رکھا گیا۔ یہ لوگ اُلٹے پاؤں مدینہ واپس
گئے ابھی بعض مقامات کے دادخواہ و خود واپس بھی نہ گئے تھے کہ اُنھیں یہ حقیقت معلوم ہوئی اور
نتیجہ یہ ہوا کہ "اہل مدینہ میں کوئی نرہا جو عثمان سے دلتنگ اور غصہ نہوا ہو"

لوگ رفع نزاع چاہتے تھے۔

پھر بھی خلیفہ کے خلاف کوئی سخت کارروائی اختیار نہ کی گئی بلکہ اسکے پہلے لوگوں نے تصدیق اور
رفع حجت چاہی۔ اور عثمان نے اسکا اقرار کیا کہ "یہ اونٹ۔ مُہر اور غلام ہمارا ہے"۔ لیکن مضمون
خط سے انکار کیا۔ اِسکے بعد بھی لوگ مان لینے پر آمادہ تھے بشرطیکہ عثمان اپنے سکرٹری کو حوالہ
کر دیں جسکے علاوہ کوئی تیسرا یہ مضمون نہیں لکھہ سکتا تھا۔ لیکن عثمان نے مروان کو حوالہ کرنے سے

انکار کیا۔ مشکل سے یہ موقع سمجھنے کے قابل ہے۔ ایسے موقع پر یا تو عثمان اس لئے حوالہ کرنے سے انکار کرسکتے تھے کہ مروان نے جو کچھہ لکھا تھا وہ انکے ایما سے لکھا تھا اور اگر اپنے موقع کے بچانے کے لئے خلیفہ نے انکار کر کے مروان پر عکس ڈالا تھا تو اُسکا بچالینا بھی انکا فرض تھا۔ اور یا اسلئے بچاسکتے تھے کہ اگرچہ اُنھین علم نہ تھا کہ کیا لکھا گیا ہے لیکن معلوم ہونے پر اُسکے بچالینے کی کوشش سے یہ سمجھایا کہ جو کچھہ اُسنے کیا اُسے ہم پسند کرتے ہین جسکی مثال پیشتر گذر چکی تھی کہ خلیفہ اول کے عہد کو جب ابن الخطاب چاک کر ڈالتے تو ابوبکر اُنکے اس فعل سے کوئی اظہار ناراضی نہین کرتے بلکہ اُسے اپنی طاعت کے شایان سمجھتے ہین۔

مروان کی حفاظت بے معنی

کسی فرد قومی کی حفاظت کے لحاظ سے حضرت عثمان نے مروان کا بچالینا کیسا ہی ضروری کیون نہ سمجھا ہو۔ لیکن اگر وہ اِسپر راضی ہے کہ انکا سکرٹری بگناہون کو قتل اور حبس کرا دیتا اگر اسکی چل جاتی تو انھین اب اسپر بھی راضی ہو جانا تھا کہ سلطنت کا اعتبار قایم رکھنے کے لئے اُنکا یہ مخدوش دوست قربان کرا دیا جائے۔ ایسے پُرجوش موقع پر اُسے بچاکر اپنا اعتبار کھونا تہا۔ اور ایسا کرنا اپنے نظام سیاست کو شکستگی اور جلتی ہوئی آگ کے حوالہ کرنا تھا۔ مین اسپر نظر ڈالنے کی ضرورت نہین سمجہتا کہ بحیثیت خلیفہ رسول کے اُنکا یہ فعل کس نگاہ سے دیکھے جانیکے قابل تہا ابن خلدون احتیاط کرتا ہے کہ اِن طرز عمل کے تذکرہ کے وقت بھی نام کے ساتھہ "امیرالمومنین" کا لفظ چھوٹنے نہ پائے۔ اگرچہ وہ یہ بھی دیکھہ رہا ہو کہ مہاجر و انصار گھر سے باہر نہین نکلتے اور اہل مصر کوفہ اور بصرہ نہ خود خلیفہ کے پیچھے نماز پڑھتے ہین نہ دوسرے کو پڑھنے دیتے ہین!

جنگی تیاری

کوئی حیرت کی بات نہین ہے اگر ایسے وقت مین خلیفہ نے بقول ابن خلدون "والیان ممالک اسلامیہ کے نام متعدد فرامین بھیجے اور اُنھین واقعات سے مطلع کیا" کیا غرض ہوسکتی تھی ان فرامین کی بجز اسکے کہ اپنے کو اپنی جگہہ قائم رکھنے کے لئے فوجی امداد طلب کیجاتی کہ شکایت کرنے والون کا نہ گلا رہے نہ آواز رہے۔ اور حقیقتاً فوجین روانہ بھی ہوین لیکن قضا و قدر نے انھین وقت پر نہ پہونچایا۔ اور اسی زمانہ مین خلیفہ نے عبداللہ ابن عمر کی یہ یادگار صلاح بھی پسند کی کہ "یہ طریقہ جاری نہ کرو کہ جس وقت جماعت خلیفہ سے راضی نہ ہو اُسے معزول کر دی" اور اسکا یقین دلایا کہ جماعت کی ضرورت اور عصمت محض نصب تک تہی۔ مین نہین جانتا کہ علامہ ابن حجر

اِس موقع پر کیا فرماتے۔ اور اِس فقرہ میں عصمت دیکھتے یا نہ دیکھتے کہ تم جھوٹے ہو یا سچے ہو اور بہر تقدیر تم سے خلافت لے لینا مناسب ہے کیونکہ جھوٹے کو مسلمانوں کا والی بنانا جائز نہیں اور اگر سچے ہو تو تمہارا ضعف اِس حد تک پہونچ گیا ہے کہ تمہارے بغیر اجازت و اطلاع جسکا جو جی چاہتا ہے کرتا ہے" اور اِسکے بعد نہیں معلوم مولوی شبلی صاحب اپنے "حاکمانہ لیاقت" والے فقرہ میں عدد کے لحاظ سے کوئی ترمیم مناسب تصور فرمائینگے یا نہیں جسکو اُنہوں نے (حضرت عمر کے چھ منتخب لوگوں میں جنمیں عثمان بھی تھے) حضرت عثمان کے لئے بھی استعمال فرمایا ہے۔ اگر "جسکی چلگئی" کا فلسفہ سیاست درست ہے تو کیسے اس سیاسی اخلاق کے بناپر اُن لوگوں پر کوئی اعتراض کریگا جنہوں نے خلیفہ کو محصور کرلیا درانحالیکہ اُنکے افسرونکو اِسکا اندیشہ تہا کہ اگر خلیفہ یا اُنکے مؤیدین کی چلگئی ہوتی تو ہم کو یا تو ملک الموت کے جلد آنیکی دعا مانگنی ہوتی اور یا ابن بلائے ہمیں مجبوراً اُنکا استقبال کرنا ہوتا۔ اور اب بہی وہ اندیشہ رفع نہ ہوا تہا جیسا طلحہ کی زبان نے بتایا کہ "عثمان را سخت گیر ید کہ فوج او نزدیک آمد"۔

اُن تمام امورات کے برداشت کے بعد بھی جو علی پر گذر چکے تہے اور اِس فرمانیکے بعد ہی کہ "قسم خدا کی مین نے محاصرہ کو اُس سے دفع کیا حتے کہ اب مجہے گنہگار ہونے کا خوف ہے" وہ فریقین کی اصلاح کے لئے آمادہ تہے صرف اِسکی ضرورت انکی نگاہ میں تہی کہ "مجہہ عہد کرو کہ جو کچہہ تم کہتے ہو اُسپر وفا کروگے" کیونکہ بغیر کسی ایسے اطمینان کے اُنکے پاس جانا بے سود تھا جو اِسلئے "نہیں چھوڑ سکتے" تہے کہ "مبادا سال آئندہ اور فتنہ و فساد برپا نہ ہو" اور جو اِن تینوں باتوں میں سے کسی ایک پر ارادے مصمم کرچکے تہے کہ "خلع۔ موقوفی عمال۔ یا قتل"۔ عثمان جب خلیفہ ہوجانیکے لئے تمام شرائط قبول کرسکتے تہے جو عاید کی جاتی تو لذت حکومت حاصل ہونے کے بعد کیا کچہہ اقرار نہیں کرسکتے تہے اگر اُسکا شدید تزلزل مائل بہ سکون ہوجائے۔ لیکن وہ مداخلت جسکے لئے علی بغیر اکراہ آمادہ نہ ہوئے تہے اور جسکے بغیر ایسا بڑا نتیجہ حاصل نہیں ہوسکتا تہا کہ ایسے مصمم لوگ جو گویا اپنے قتل قریب کا انتقام لینا چاہتے تہے ہتیار روک رکہتے انکا اپنے جوش کو حکومت کے باربار عہد شکنی کے بعد بھی اصلاح کی امید پر روک لینا بے انتہا تعریف کا مستحق تہا۔ اب اُس تمام کوشش کا یہ تاسف خیز مذاق تہا کہ "امیرالمومنین عثمان نے کسی۔ جسے کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ کیا" یا ایک مرتبہ مفقود

اور اصلاح کا وعدہ کرنیکے بعد پھر منبر پر بیٹھکر انکار کرتے اور لوگ پکار اٹھتے کہ "خدا سے ڈرو اور توبہ کرو" یا جب کسی وعدہ کے بعد لوگ خوش خوش رخصت ہونے کے لئے آتے تو سکرتری کو "درشتی" کی ہدایت ہوتی اور وہ لوگون سے کہتا کہ "تم لوگ ہمارے قبضہ سے ہمارے ملک کو چھیننے آئے ہو؟" اس طنز پر بھی تسکین نہ ہوتی اور جبجام ابن سلیمان ابن داؤد کے لہجہ مین جسکی چھنگلیا اپنے باپ کی کمر سے زیادہ دلدار تھی" مروان جواب دیتا کہ "اگر تم نے کسی قسم کا قصد کیا تو ہم تمپر ایسا بوجھ ڈالینگے کہ جسکو تم اٹھا نہ سکوگے" اور نعرہ یہ ہوتا کہ "جو ہمارے قبضہ مین ہے اسمین ہم تم سے مغلوب نہین ہین"

حالت اب ایسی ہوگئی تھی کہ جناب امیر خلیفہ کے پاس جاکر کہدیتے کہ "آج سے اب مین پھر تمہارے پاس نہ آؤنگا" کب تک علی مداخلت کرتے رہے اور اپنے کو اس مخدوش شبہہ مین مبتلا کرتے کہ وہ تنہا شخص جسکا اب تک تمام فریق اعتبار کرتے رہے کہین حکومت کے امور امتدین شریک تو نہین ہے اور ان افعال کو پسندیدگی سے تو نہین دیکھتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ" اب گناہگار ہونے کا خوف تھا" یعنی حکومت کے افعال بتکرار صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے ثابت ہوچکے تھے اور اب مصلحانہ مداخلت کے معنی یہ تھے کہ ایسے ہی افعال کے صدور کے لئے دوبارہ وقت اور موقع دیا جائے۔ کیا یقین تھا کہ آیندہ ایسے ہی امور پھر سرزد نہ ہونگے۔ اس لئے کہ خلیفہ کے سیاسی مجموعہ مین لوگون کے حقوق کا کہین موقع نہ تھا۔ بلکہ اگر انھین علی سے بھی کچھ کہنا تھا تو یہ کہ "اگر جاہلیت ہی کا زمانہ ہوتا تو بھی بنی عبد مناف کے لئے یہ امر باعث ننگ تھا کہ بنی تیم انکے قبضہ سے حکومت چھینے" مین ان تمام لوگون کو جو ثقیفۂ بنی ساعدہ کے مجمع کو اسلام کے جمہوریت کی شمع سمجھتے ہون۔ اس سمجھنے کے لئے اپنی مدد کو بلاتا ہون کہ وہ اسمین جمہوریت تلاش کرین۔ افسوس مین کہان کہان دکھاؤن کہ جمہوریت شعبدہ باز کا وہ کھلانا تھا جو دیکھتے دیکھتے اپنی صورت بدل دیتا ہے۔ ابن ابو قحافہ کو بمقابلہ انصار نہ قریش یا مہاجرین کی افضلیت کے ادعا کا حق تھا نہ اجتماع انتخاب یہ کہہ سکتے تھے کہ "قبیلہ زہرہ کو خلافت و حکمرانی سے کوئی نسبت نہین" نہ عثمان کے پاس بجز اسکے کوئی دوسری وجہ بمقابلہ بنی تیم بنی عبد مناف کے "ننگ" کی ہوسکتی تھی کہ وہ خود بنی عبد مناف مین واقع ہوئے تھے۔ نہ یہ بنی عبد مناف کی حاکمانہ قابلیت کی تعریف کا موقع تھا جسکی غرض استغاثہ

خلیفہ کا سیاسی مجموعہ

مدویا خود ستائی سمجہی جاتی حقیقتاً بنی عبد مناف کی تعریف نہ ہوتی۔

اور وہ تمام لوگ جو نفس انسانی کے اُس نا و ما نہ انقلاب کو جسے توبہ کہتے ہین اصلاح کا پہلا زینہ سمجہتے ہین - اِن تمام باتون کے بعد جو اب تک ہو چکی تہین خلیفہ کے اِس فقرہ کو غور سے پڑہین جو طلحہ کے سامنے کہا گیا کہ "مین تائب نہین ہوا لیکن مغلوب ہوا ہون" کہ آیا اسپر اصلاح کا کوئی اسلوب پڑا ہے بلکہ اپنے فعل پر اصرار کی لئے اس سے زیادہ قوت سے کچہہ کہنا ممکن نہ تھا۔

یہ سب کچہہ تھا لیکن ابہی انسانیت کا حق باقی تہا۔ اِنصاف اور فیصلہ دوسری چیز ہے اور ایسا رحم جو فیصلہ پر اثر نہ ڈال سکے دوسری چیز ہے۔ یہ کہنا ہمارا کام نہین ہو کہ اگر مصلحین ایک طرف اور خلیفہ دوسرے فریق ہو کر علی سے انکے مقدمہ کے فیصلہ کی خواہش کرتے تو وہ کیا تجویز سُناتے۔ اُسوقت خلیفہ نے پانی طلب کیا تہا علی نے اپنے آدمیون سے بہجوا دیا بلکہ محاصرہ کرنے والون کو بہی اِس "حق بشری" سے منع نہ کرنے کی نصیحت کی۔ نائلہ نے غلطی نہ کی تہی اگر اپنے خلیفہ شوہر کو علی کے مشورہ پر عمل کرنیکی صلاح دی تہی۔ خلیفہ اگر مردونکے سیاسی حقوق قبول کرتے تہے تو عورتون کے ایسے حقوق کا تسلیم کرنا اُنسے صدیون دور تہا۔

اُن چھہ آدمیون مین جو خلافت کے لئے نامزد کئے گئے تہے چار آدمی خلیفہ کے مخالف ہو گئے تہے۔ ابن عوف کی ناخوشی زیادہ تر اپنی انتخاب کی ذمہ داری پر مبنی تہی۔ سعد ابن ابی وقاص کے ساتہہ بہی ذاتی وجہ تہی اور طلحہ و زبیر نے عام جوش و خروش دیکہکر تیار چیز مین شرکت نہ کرنا موقع بینی کی مصلحت کے خلاف سمجہا تہین طلحہ کو خلیفہ بہی اچہی طرح سمجہ گئے۔ کبہی کہا کہ " اللہ تعالےٰ تمکو اے طلحہ کافی ہو" اور کبہی کہا کہ "یہ سب تمہارا کیا ہوا ہے" اور کبہی افسوس ظاہر کیا کہ طلحہ زبیر اور سعد مجمع مین ہون اور ہمارے سلام کا جواب نہ دین۔

به استثنا علی کے عثمان کی کوئی مدد نہین کرتا تہا

عبداللہ ابن عمر کا قریبی نازک رشتہ کی وجہ سے کسی مخالفت پر آمادہ نہ ہونا زیادہ قابل تعریف نہ تہا۔ اگرچہ ہم اسمین متردد ہین کہ انہون نے خلیفہ کو عزل منظور نکرنیکی صلاح دیکر کہانتک شدنی امر کے واقع ہونے مین مدد دی اور کہانتک صلاح دینے کی ذمہ داری محسوس کی - اب علی رہجاتے ہین اور اپنے اُس تمام زمانہ کے افعال مین سخت سے سخت جارح کو چیلنج دیتے ہین کہ وہ اُمور مسلمین مین کسیسے بے التفاتی کے باعث ہونیکا اشارہ بہی تلاش کر سکے۔ کیا اُنکی یہ روش

اُسوقت علی کی فرماں نے کیا کیا۔

اِس لیے تھی کہ حکومت نے اُنکے ساتھ احسان اور نرمی کا برتاؤ جائز رکھا تھا؟
افسوس زمانہ جانتا ہے کہ رسول کے بعد سے اسوقت تک وہ کسی طرح کے برتاو کے شکار رہتے لیکن
وہ اِس سے نہایت بلند ہے کہ واقعات انھین احسان کرنے سے باز رکھ سکتی بلکہ اِس لیے کہ جب آئیندہ
زمانہ کی نسلین اِن تمام حالتون پر نظر ثانی کرین اور سوال کرین کہ آیا اُسوقت کوئی محب قوم۔ محب
وطن اور محب مذہب تھا تو انھین وہ ذات دکھائی دے جسنے اپنے ہادی کے اعتبار کے ساتھہ
خیانت نہین کی کہ "جب لوگ دنیا مین مشغول ہون تو تم دین اختیار کرنا" دین کو بہت محدود کر دیگا وہ
شخص جو اس سے محض چند رسومات مراد لے۔

حضرت عایشہ کی مخالفت کا اثر۔

بلاشبہہ حضرت عایشہ کی مخالفت عورت کی مخالفت تہی اور ابھی مخالفت کی ترتیب مین اُنکو
وہ انتظامی قابلیت نہین دکھائی تہی جو چند مہینون کے بعد دکھانے والی تھین اور ابھی وہ زمانہ
بھی کچھہ دنون بعد آنیوالا تھا جنمین وہ روایتین نمودار ہوتین جو اثر کی زیادتی مین معین ہو سکتین
لیکن یہ امر کم قابل لحاظ نہ تہا کہ وہ ایک گذرے ہوے خلیفہ کی صاحبزادی تھین اور رسول کا شرف
زوجیت بھی حاصل ہو چکا تہا۔ سو نچو صدیقہ کے اِس سچے ریمارک کے اثر کو کہ "ابھی رسول کا کپڑا
پرانا نہین ہوا ہے کہ اُنکی سُنّت کہنہ ہو گئی" اِس فقرہ کا طنز نہایت پر حرارت عنصر سے مرکب
تہا۔ اُنکا فتوے اگرچہ عثمان کے عبرتناک نتیجہ کا تمامتر سبب تہا لیکن ایک قومی سبب فردہ تہا مین
مروان ابن حکم کے اِس مثل کہنے پر غور کرتا ہون جب وہ ام المومنین سے ہٹرنے اور کلمہ خیر کہنے کی
استدعا سے مایوس ہو جاتا ہے کہ "قیس نے آگ لگائی اور جب دیکہا کہ شعلے بلند ہو گئے تو اپنی راہ
لی" حضرت عایشہ نے مروان کو مثل کہنے کے معنی سمجہا دیئے اور بغیر معذرت یا انکار کے اپنی
راہ لی۔

عثمان کے خلاف انقلاب کی نوعیت۔

ایک آخری لفظ اور بس مین یہ باب تمام کر چکا اور وہ یہ ہے کہ اکثر انقلاب اسکے باعث ہوئے
ہین کہ وہ اپنے زمانہ کے تمام بھلائی اور برائیون کو اپنی جگہہ سے اُکھیڑ دین اور جب انقلاب تمام
ہو تو چار دن طرف ایک خیالی حالت دکھائی دی۔ لیکن پیش نظر انقلاب کی اُٹھان ہی اس لیے
تہی کہ وہ اُن تمام برائیون کے دور کرنے کی وکالت کرے اور اچھی حالت کو اپنی جگہہ قایم کرے۔
اُسکے طرز عمل کی کوئی بڑی فہرست نہ تہی جسنے موجودہ حالت کا تار تار علیحدہ کر دیا ہو بلکہ وہ چند

آویزش کی برطرفی اور اسی نتیجہ کے حاصل کرنے پر مصر اور کوشان تھی۔ انقلاب اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوا۔ کامیابی کے لئے جو ذرائع اختیار کئے وہ پس پردہ نہ رکھے گئے بلکہ اعلان کر دئیے گئے اور تو سے کسی قسم کی خلاف ورزی نہ کی۔ اُنکا طرز عمل کس قدر انصاف سے دیکھے جانیکے قابل ہے اب اس قدر واقعات لکھنے اور اُنکی شرح کے بعد مجھے خود کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہین ہوتی۔ اسی طرح یہ بھی ناظر کے تصفیہ کی چیز ہوگی کہ کہان تک یہ انقلاب اُس گذشتہ نظام کے خلاف مدرکانہ یا پیشوایانہ انقلاب تھا جسکی عثمان کا زمانہ حکومت ایک فرع تھا۔ عثمان کو اُس اصول نے قتل کیا جسکے معتدل مصرف نے اُنکے پیشرؤن کو اپنی جگہہ قائم رکھا اور اِس مصلحت کے سانچے مین ڈھلے ہوئے لوگون مین اپنے خودغرضانہ حوصلون کے آزمانے کی اُس وقت تک جرأت نہ ہوئی جب تک خلق اللہ کی ہم آہنگی اِنھین شرکت کے لئے دکھائی نہ دی۔ اِس طرح عثمان کے خلاف دو قوتین مختلف نقطہ خیال سے متحد تھین اِن دقتون مین حسین کی قابلیتون کا فطری نشو اس حد تک ہو چکا تھا کہ وہ بغیر کسی کی مدد کے واقعات کو دیکھتے اور سمجھتے۔

انقلاب اور پس بینی

مین نے اِن واقعات مین زیادہ وقت صرف کیا۔ مجھے اسکے سوا چارہ نہ تھا۔ اِس سے بہی کمی کرنا گذشتہ اور آیندہ واقعات کی زبان کاٹ لینا ہوتا۔

باب ۵ پنجم

رسول کے بعد کے نظام کا سکون اور دوبارہ حرکت

اِس باب کے شروع کرنے کے ارادہ کے ساتھ ہی مجھے خیال ہوتا ہے کہ میری کتاب کا ناظر جسنے عثمان کے اختتامی واقعات پڑھے وہ سوچتا ہوگا کہ مین اب جناب امیر کی حیات کے اِس زمانہ کے واقعات بیان کرنیکے لئے یہ آہنگ اختیار کرونگا جس سے جناب امیر علیہ السلام سمجھے جا سکین۔ نہین بلکہ صرف اُنکی محدود حیثیت تک کہ اُنھون نے نظام قومی اور روح دینی کے قائم رکھنے کے لئے اپنے زمانہ مین

اِس باب کا آہنگ

کون سے وسایل اختیار کئے۔ خصوصاً اُس زمانہ مین جبکہ اسکی مخالفانہ کوششین تہین کہ یہہ کچہہ نہ کرسکین۔
گذشتہ ابواب مین جس حدتک کوئی واقعہ یا سلسلۂ واقعات پیش کئے گئے ہین وہ محض اس نقطۂ
خیال سے کہ وہ کون سے اسباب اور آثار تہے جو بالارادہ یا بے ارادہ شہادت حسین کے باعث
اور موجب ہوسکتے اور اگر ہم نے جناب رسالتمآب۔ جناب فاطمہ زہرا اور جناب امیر علیہ السلام کے
نشو ونمائے اسلام کا ذکر کیا تو اُسکی غرض یہی کہ ہم آیندہ حسین کی روش اور تعلق دکھا سکون
اور حسین کے افعال مین جو عکس دکھائی دیتے اُسکی ابتدا تلاش کرنے مین شاعرانہ تخیل سے کام
نہ لینا پڑے۔ اِن نفوسِ قدسی کے حالات اِس لئے لکہے گئے کہ یہ سمجہا جاسکے کہ حسین کس روح اور
مادے سے بنے تہے۔ لیکن یہ باب اِسکے سمجہنے مین مدد دیگا کہ حسین کو اپنے مشہور دونون مین اپنے
پدر بزرگوار کے کون سے افعال اور روش سے اپنی روش کے اختیار کرنے مین مدد ملی۔ اسکے
مقابل مین مین یہ بہی دکہاتا آرہا ہون کہ انکی روش کے خلاف بہی کچہہ افراد یا جماعتین کچہہ کر رہی
تہین یا نہین۔ اور اِن دونون کوششونکی جو اپنی نوعیت مین متضاد تہین کیا صورت
ہوتی جاتی تہی اور کیا نتیجہ دکھائی دیتا تہا۔ حسین کی سوانح عمری نہین ہو مگر یہ کہ افراد اور ایک جماعت کا
خروج اور مخالفت ہے۔ بنی ہاشم کے حقوق سے یہ واقعات تہے جنکے حیرت خیز کہنے مین مجہکو کوئی کلام
نہین ہے اور اُنکا نتیجہ یہ تہا کہ رسول کے بعد جو نظام دکھائی دیتا تہا اُسمین دفعتاً سکون پیدا ہوگیا
اگر اسوقت تک کے ابواب یہ سمجہانیکے لئے کافی ہوئے ہون کہ اُنکی غرض یہ تہی کہ "نبوت اور خلافت ایک
خاندان مین نہ ہونی چاہیے" تاہم اُسکے سکون سے یہی نتیجہ نکالنا کہ لوگونکی فطری خواہش سے خلافت
اور نبوت ایک خاندان مین ہو ہی جاتی۔ اعتقادی یقین کی حد کے اندر آتا۔ لیکن یہ ایک ایسا
معاملہ تہا جو محض تخیل کے آئینہ مین اپنی صورت نہین دکہتا رہا بلکہ دن اور رات نے بہی ایسا ہی دیکہا۔
گویا زمانہ کو اسکا انتظار تہا کہ طبیعتونکی روش اپنی فطری شان مین دکہائی دے اور کچہہ دخل دینے
والے اور درمیان مین آجانیوالے خودساختہ منصرم نہ دکھائی دین تو ہم اپنی خواہش ظاہر کرین
یہ حالت اِس سوال کو پیش نظر کرتی ہے کہ اگر منصرمین کا زمانہ مداخلت کا زمانہ سمجہکر نکال دیا جائے
تو لوگون کی خواہش کے بلافصل کہنے مین کسی مبالغہ کی کوشش نہ کرنی پڑیگی۔
باوجود اس حالت کے علی کو خلیفہ دیکہکر اس زمانہ کو علی کا زمانہ حکومت سمجہنا واقعہ فہمی کی غلطی

دو متضاد جماعتونکا اثر۔

رسول کے بعد کے نظام کے سکون کا نتیجہ

عامۂ ناس کی بلافصل خواہش۔

علی کا زمانہ حکومت تمامتر انکی حکومت کا زمانہ تہا۔

ہوگئی یا واقعہ کی مقدار سمجھنے مین مبالغہ کرتا ہوگا۔ واقعہ اس قدر تہا اور بس کہ گذشتہ نظام کے خلاف
ایک انقلاب ہوا اور انقلاب کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نظام مین سکون پیدا ہوگیا اور علی سامنے دکھائی دیے۔
لیکن علی کے سامنے دکھائی دیتے ہی گذشتہ نظام مین ایک منتقمانہ جوش سے حرکت پیدا ہوگئی۔ اور اسنے
علی کو اسکے علاوہ کوئی موقع نہ دیا کہ وہ اسے ساکن کرنے کے لئے اپنے ممکن ذرائع سے کوشش کرتے۔ یہ
حقیقتاً اُس قدر جناب امیر کی خلافت کا زمانہ نہ تھا جس قدر رسول کے بعد کا نظام اپنی کچھ دیر کی کھوئی
ہوئی قوت کے حاصل کرنے کے لئے بیجان توڑ کوشش کر رہا تھا۔ علی اسکے ساکن کرنے مین پوری کامیاب
نہین ہوئے۔ نہ اسوجہ سے کہ اُنھون نے جو طریقے اختیار کئے تہے وہ غلط تہے۔ نہین۔ بلکہ سامان اور نظم
کا فرق تہا پچیس برس تک جو حالت انکے خلاف پیدا ہوئی تہی اور اُس نے جو صورت قائم کر لی تہی اُسکے
مقابلہ۔ انکے موافق ایک فوری انقلاب سے یہ امید کرنا کہ وہ اس طرح کامیاب ہوجاتا کہ گذشتہ کوششون
زمانہ پر غالب آجاتا ایک غیر معمولی امید ہوگی۔ دونون کی قوت کا اندازہ تو اُسوقت ہوسکتا جبکہ علی کو
بہی لوگون کو اپنے رنگ مین رنگنے کا موقع ملتا۔

علی کو ترتیب جماعت کا موقع نہ ملا۔

علی کا اختیار بے اختیاری سے صرف ظاہری صورت مین مختلف تھا۔ لیکن وہ اختیار بہ نسبت بے اختیاری
علی کو لوگون کے کانون تک یہ صدا پہونچادینی تہی کہ خلافت ملے یا نہ ملے ہم سنت خلفا کی پیروی کبہی منظور کرینگے
کیا یہ انکار سیاسی حیثیت سے علی کے مفید تہا۔ نہین۔ اب تو نسبتاً بڑی بہاری سلطنت ملتی تہی۔ بہرحال میرا
یہ باب بہی یہی دکھائیگا کہ علی کے موافق انقلاب پر غالب آنیکے لئے گذشتہ نظام نے کیا طریقے اختیار کئے اور یہ
سکون کیونکر حرکت سے بدلا۔ اور یہ حرکت آیا صورت اور غرض مین اُس سے مختلف کہی جاسکتی ہے جو رسول کے
بعد سے علی کے خلیفہ دکھائی دینے تک جاری رہی۔ اور جب یہ سمجھ مین آجائیگا تو پھر یہ سمجھنے کا موقع ہوگا کہ
علی کے دور حکومت سے مخالفت آیا اُس اصول کے روح اور طرز عمل سے مخالفت تہی یا نہ تہی جو گذشتہ تین
خلافتون کے پہلے تہا۔ اور جب علی نے سنت خلفا کا اتباع منظور نہ کیا اور قرآن اور سنت رسول کی شرائط
کو منظور کیا اور بدعتون کے متغیر کرنیکی حسرت ظاہر کی تو آیا علی کے طرز عمل کے کوئی اور معنی بجز اسکے ہوسکتے تہے
کہ وہ اُس راہ کو روشن کرنیکی کوشش مین تہے جو تین خلافتون کے پہلے تہی؟ علی کے مخالف جو قوتین حرکت
مین تہین آیا اُنکے عناصر کے سمجھنے کے لئے علی کے پہلے کا زمانہ اور انکا طرز عمل کوئی مدد دیتا ہے ؟ اسی طرح یہ
بہی کہدون کہ جس طرح علی نے ازابتدائے بعثت تا رحلت رسول بے کسل ایثار سے کام کیا اور اسکے بعد

چند مفید تنقیحات

علی کی گذشتہ اور آیندہ روش

رحلت رسول سے آجتک جبکہ جماعت اسلامی کی موت و زندگی اکثر موقعون پر علی کے طرز عمل پر موقوف ہوئی تھی اور مسلمانون کا
شیرازہ منتشر ہوسکتا تھا علی نے اپنے حق کو تحجالاً مین دفن ہوجانے دیا جس سے کوئی شکستگی انکی وجہ سے
نہ پیدا ہوئی۔ اسی طرح اب بھی آپ دیکھینگے کہ ایسے وقت مین بھی جبکہ عناصر تفرقہ اپنے پورے جوش و خروش
کے عالم مین تھے علی نے کس احتیاط سے قدم اُٹھایا بلکہ ناشنو دشمنون کو اتنی بار سمجھایا جسے ایک ایسا حاکم
جو اپنے موقع کو محض حاکمانہ سمجھتا ایسی بار بار استغاثہ امن کو کسر شان سمجھتا۔ یہ باب دکھانیوالا
ہے کہ دشمنون کا کوئی فریب علی پر غالب آیا لیکن انکے نافہم ہمراہی فریب یا لالچ مین آگئے جس سے
اُنھون نے وجہ اسلام کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تباہ کردیا۔ ہم "نافہم" "ہمراہی" کا لفظ مجبوراً استعمال کرتے ہین
اس لئے کہ ایسے لوگ جو بظاہر علی کے ساتھ ہوگئے تھے لیکن انکی ترتیب خصائل قطعاً دوسری ہوا اون مین
ہوئی تھی اور وہ نہ خود سمجھنے کی قابلیت رکھتے تھے نہ سمجھانے پر عمل کرتے تھے اُنکے لئے ہم بجز اس فقرہ
کے اور کیا کہین۔ لیکن کسیطرح وہ "ہمراہی" کے وسیع اور پورے مفہوم مین نہین آسکتے تھے اگرچہ کچھ وقت
ملنے اور علی کی تعلیم کے زیر اثر رہنے پر انکا ویسا ہوجانا ممکن تھا جیسے علی کے پہچاننے والے دوست
اور پیرو تھے۔

دشمنون کا کوئی فریب علی پر کارگر نہ ہوا بلکہ اُنکے نافہم ہمراہیون پر۔

اب ہم واقعات کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتے ہین ابن خلدون کہتا ہے:۔

لوگ بیعت کیلئے علی کے پاس گئے۔

" بعد شہادت عثمان بن عفان طلحہ و زبیر اور مہاجرین و انصار (رضی اللہ عنہم) کا ایک گروہ
علی ابن ابیطالب کے پاس بیعت کے واسطے گیا علی نے کہا مین تمہارا وزیر ہونگا امیر۔ یہ بہتر ہے
کہ مین امیر ہون تم جسکو منتخب کروگے مین اُس سے راضی ہوجاؤنگا۔ اِن لوگون نے منت و سماجت سے
کہا ہم تمسے زیادہ کسی کو اسکا مستحق نہین پاتے اور نہ تمہارے سوا کسیکو منتخب کرسکتے ہین۔ علی ابن ابیطالب! ان
لوگون کے اصرار سے مجبور ہوکر مسجد کیطرف تشریف لائے اور صحابہ کرام کے مواجہہ مین طلحہ و زبیر سے کہا
مین تمہین اختیار دیتا ہون اگر تم پسند کرتے ہو تو مین تمہارے ہاتھ پر بیعت کرون ویا راضی ہو تو تم میرے
ہاتھ پر بیعت کرو۔ انھون نے کہا نہین ہم تمہارے ہاتھ پر بیعت کرینگے یہ کہکر طلحہ و زبیر نے بیعت کی ....
بعد طلحہ و زبیر کے اور لوگون نے بیعت کی پھر لوگ سعد ابن ابی وقاص کو لائے اور بیعت لینے کو کہا سعد نے
جواب دیا لوگون کو بیعت کرلینے دو تو مین بیعت کرون۔ علی نے کہا اسے رہنے دو۔ پھر ابن عمر کو لائے گئے۔ ابن عمر نے بھی ایسا ہی
کہا۔ لوگون نے کہا کوئی ضامن لاؤ۔ ابن عمر بولے کہ مین ضامن نہین دیسکتا۔ اشتر نے کہا مجھے اجازت دیجئے

سعد ابن ابی وقاص اور ابن عمر کا توقف۔

مین اُسکو قتل کرڈالون۔ علی ابن ابیطالب نے فرمایا چہوڑ دو مین اسکا ضامن ہون۔ بعد اسکے انصار نے بیعت کی مگر چند لوگون نے بیعت سے تخلف کیا از انجملہ انصار سے :۔

انصار متخلفین بیعت کے نام۔

حسان ابن ثابت۔ کعب بن مالک۔ مسلمہ بن مخلد۔ ابو سعید خدری۔ محمد بن مسلمہ۔ نعمان بن بشیر۔ زید بن ثابت۔ رافع بن خدیج۔ فضالہ بن عبید۔ کعب بن عجزہ۔ سلمہ بن سلامہ بن وقش۔

مہاجرین مین سے

مہاجرین متخلفین۔

عبد اللہ بن سلام۔ صہیب بن سنان۔ اُسامہ ابن زید۔ قدامہ ابن مظعون مغیرہ ابن شعبہ تہے۔

عثمان کا کرتہ شام گیا۔

نعمان ابن بشیر نامزد وجہ عثمان کی اُنگلیان اور اُسکا قمیص خون آلودہ لیکر شام چلے گئے،،

یہی مورخ لکھتا ہے کہ جب علی۔ طلحہ۔ زبیر۔ سعد اور ابن عمر نے بیعت لینے سے انکار کیا تو بلوائیون نے اہل مدینہ کو جمع کرکے کہا کہ اگر تم امام نصب کروگے تو ہم فلان فلان کو قتل کر ڈالین گے۔ ابن اثیر نے بجائے فلان فلان فلان کے علی۔ طلحہ اور زبیر کا نام لیا ہے۔ تو ”اہل مدینہ یہ سنکر علی ابن ابیطالب کے پاس گئے اُنھون نے خلافت سے انکار کیا۔ ان لوگون نے اسلام کے انجام سے ڈرایا تب علی نے مجبور ہوکر اگلے دن کا وعدہ کیا۔

علی بیعت لینے پر راضی ہوئے۔

صبح ہوتے ہی وہ لوگ۔ پھر آپہونچے اور حکم بن جبلہ مصریون کے ساتھ اور اشتر کوفیون کے ہمراہ حاضر ہوا۔ حکم بن جبلہ نے زبیر کو اور اشتر نے طلحہ کو بہ اکراہ لاکر پیش کیا۔ چنانچہ لوگون نے علی ابن ابیطالب کے ہاتھ پر بیعت کی علی ابن ابیطالب مسجد مین آئے اور منبر پر چڑھکر فرمایا :۔

علی کا خطبہ

اے لوگو! ہماری بابت کسی کو کوئی حق سوائے اسکے نہین ہے کہ مجہکو تمنے امارت کے لئے منتخب کیا۔ کل تملوگ میرے پاس پریشان ہوکر آئے تہے اور مین خلافت و امارت سے گریز کر رہا تہا۔ لیکن تملوگ اسپر مصر ہوئے کہ مین تمہارا امیر ہون اور تمہاری کنجی میرے ہاتھ مین ہو۔

حاضرین نے کہا۔ ہان ہملوگ اپنے اسی کل کے خیال پر ہین۔

علی ابن ابیطالب بولے۔ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ۔ بعد اسکے وہ لائے گئے جنہون نے بیعت سے تخلف کیا تہا پس اُنہون نے بہی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ و اقامۃ الحدود پر بیعت کی۔ پہر عوام کی بیعت کرنے کے بعد علی ابن ابیطالب نے خطبہ دیا،،

جمعہ ۲۰ ذی الحجہ ۳۵ھ

ابن حجر نے صواعق محرقہ مین لکھا ہے :۔

”آنگاہ آنجماعت بجانب علی شتافتند و گفتند دست بکشا تا با تو بیعت کنیم۔ علی گفت شما را

رجوع نیست بلا این امر برای اہل بدر منوط است۔ بہرکس کہ ایشان با و راضی شوند آنکس خلیفہ باشد۔ آنگاہ از اہل بدر ہیچکس باقی نماند مگر آنکہ نزد علی آمدند گفتہ ما احق و اولی از شما نمیدانم۔ دست بکشا تا بیعت کنیم علی قبول کرد و با او بیعت کردند۔ مروان و دو لو مروان فرار اختیار نمودند"۔

"ابن سعد گوید بیعت علی وقت صبح روز دویم از قتل عثمان بود در مدینہ و جمیع اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم در مدینہ بودند با او بیعت کردند" "گفتہ اند کہ طلحہ و زبیر بیعت حضرت اسد اللہ الغالب علی را کارہ بودند و بعد از آنکہ بکرہ بیعت کردند از مدینہ بیرون رفتند و بمکہ آمدند و چون عائشہ در مکہ بود او را برداشتہ بجانب بصرہ توجہ نمودند و طلب خون عثمان کردند"

علی نزد زوجہ عثمان آمد و از وے سوال کرد کہ قاتل عثمان کہ بود گفت نمی دانم دو مرد آمدند کہ ایشان نمی شناختم و محمد ابن ابی بکر با آن دو مرد ہمراہ بود و بیان آن واقعہ بتفصیل نزد علی نمود۔ آن گاہ علی کس را بہ طلب محمد ابن ابی بکر فرستاد چون حاضر شد از و سوال کرد از انچہ زوجہ عثمان گفتہ بود۔ گفت انچہ او می گوید راست ست و اللہ کہ من داخل بر عثمان شدم و ارادہ قتل او داشتم لیکن نام پدر من بر زبان راند و او را گذاشتم و تائب شدہ بسوئے خدا و اللہ کہ او را نکشتم و نگاہ نہ داشتم کرکہ اما سر گشت۔ زوجہ عثمان گفت محمد ابن ابی بکر راست می گوید ولیکن او آن دو مرد را بندر دن خانہ آورد و باین تشنیع ترغیب فرمودہ"

صاحب روضۃ الاحباب کہتا ہے کہ بیعت سے "علی علیحدہ می داشت زیرا کہ اختلاف مشاہدہ می فرمود" اس مورخ نے بھی علی۔ نائلہ اور محمد ابن ابی بکر کی روایت کو ابن حجر کی طرح لکھا ہے۔ اور بیعت کے الحاح پر علی نے فرمایا ہے کہ "از حد شرع نجاوز نہ کنم۔ میل دلہا از من واقع نہ شود۔ بفصل امور بمشاورت جمہور ... کلید درم از بیت المال برائے خود تصرف نہ کنم و میان شما ترجیح نہ نہم" اسکے بعد خلافت کا قصیدہ پڑھا گیا اور علی نے طلحہ و زبیر کے طلب قصاص کے جواب میں فرمایا ہے کہ خون عثمان میں بہت سے متہم ہیں جب کسی کی نسبت گواہی سے تصدیق ہو تو ہم حکم دیں۔ اسی مورخ کے موافق بنی امیہ کچھ عائشہ کے پاس چلے گئے۔ کچھ شام کی طرف چلے اور کچھ مخفی ہو گئے۔ دوسرے دن بیت المال تقسیم کردیا گیا۔ عثمان کی ذاتی جائداد انکے ورثا پر تقسیم کی گئی اور حکومت کا مال علیحدہ کردیا گیا۔

اعثم کوفی زیادہ بیان خیز ہے اور مورخانہ تیز نگاہی سے واقعات دیکھتا ہے۔ اسکے نزدیک جب کہ لوگ

اہل بدر کے نزدیک علی سے احق کوئی نہ تھا۔

مروان بھاگا

بیعت کا وقت۔

علی نے نائلہ سے عثمان کے قاتل کا نام پوچھتے ہیں اور نائلہ کا لاعلمی

محمد ابن ابی بکر کی طلبی

نائلہ محمد ابن ابی بکر کے قول کی تصدیق کرتی ہیں

علی بیعت لینے کے شرائط پیش کرتے ہیں۔

شہادت کے لئے تصدیق

بنی امیہ شام چلے گئے۔

عثمان کا مال انکے ورثا پر تقسیم ہوا۔

طلحہ کا علی سے قبول خلافت کا اصرار۔

بیعت کی استدعا سے جناب امیر کے پاس آتے ہین تو آپ اُنھین طلحہ و زبیر کے پاس لیجاتے ہین اور وہ کہتے ہین کہ
"اے ابوالحسن تو بدین کار اولی تری و خلافت حق تست بحکم سوابق جمیل و فضائل بسیار کہ تراست و
شرف قرابتے کہ با رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ داری" اور یہ سُنکر جناب امیر نے فرمایا کہ "ازان می اندیشم

علی کو خدشہ تہا۔

کہ اگر این کار قبول کنم و دران شروع نمایم مغلطہ فتنے و منازعتے ظاہر شود" یہ سنکر طلحہ نے بڑی زیردستی
"استغفراللہ" کی ہی اور عہد کے بعد زبیر سے بہی یہی معاملہ پیش آیا۔ اب جناب امیر مسجد رسول مین تشریف
لیجاتے ہیں۔ یہان علاوہ اور لوگون کے ابوالہیثم۔ رافع بن رفاعہ۔ مالک بن عجلان۔ ابوایوب۔ خالد ابن زید۔ اور
خزیمہ ابن ثابت تہے۔ اِن لوگون نے لوگون کو مخاطب کرکے کہا:۔

بعض اصحاب کا عام لوگوں سے مخاطبہ

"تم لوگ جانتے ہو کہ تمہارے ساتھہ عثمان کا کیا طریقہ برتاؤ تہا۔ اب وہ گذر گیا۔ علی کی فضیلت۔ کرامت
اور قربت آفتاب سے زیادہ ظاہر ہے۔ جن علوم۔ محاسن اخلاق اور خوش خصلتی پر اُنکی ذات شریف
حاوی ہے وہ شرح اور بیان سے مستغنی ہے اُنہین دقائق حلال و حرام پر جیسا وقوف ہے اور جیسا
تمھین ہر روز بلکہ ہر لمحہ اُنسے جو احتیاج پڑتی ہے اُسے جانتے ہو اگر امورات خلافت کی انجام دہی کیلئے
ہم علی سے زیادہ کسی کو فاضل۔ پرہیزگار اور خداترس جانتے تو ہم اسکی طرف اشارہ کرتے۔ لیکن آج
تمام روئے زمین پر ان خصائل خیر کے لئے ہم علی سے زیادہ معتبر کسیکو نہین پاتے۔ اب تم اس معاملہ
مین کیا کہتے اور سوچتے ہو"۔ اسکے بعد" جملہ متفق اللفظ والمعنی گفتند کہ علی علیہ السلام را انقیاد

بلا اختلاف مراتب

و مطیعیم و فرمانبردار بطوع و رغبت نہ باکراہ و اجبار این سخن میگوئیم۔ از سر ایقان و بصیرت نہ
از وجہ تردد و تحیر" اور علی یہ سُنکر پوچہتے ہین کہ:۔

علی کا سوال

یہ جو کچھہ تم کہتے ہو محض اپنی حسن رائے کی وجہ سے یا خدائے تعالیٰ کی جانب سے میرا
حق واجب جانتے ہو؟ جواب دیا بلکہ ہم اس حق کو خدا تعالیٰ کے حکم سے اپنے اوپر واجب جانتے
ہین" یہ سنکر فرماتے ہین کہ:۔

پھر سوچنے کا وقت دیتے ہین۔

اچہا آج جاؤ اور پہر سوچکر کل پہر آؤ اور تم جو کچہہ طے کروگے اُس طرح اُسکا انجام ہوگا"
دوسرے دن پہر لوگ جمع ہوئے اور آج پہر حکومت اور اقتدار پر ٹھکرانے والا اپنے ارادہ اپنے
نفس پر اپنا اختیار دکھاتا ہے جبکہ وہ کہتا ہے کہ

دوبارہ آگاہی۔

"ابہی کام کا آغاز ہے اور اسکا رشتہ تمہارے ہاتھون مین ہے۔ قبل اسکے کہ لگام تمہارے ہاتھہ سے

چھوٹ جائے۔ خوب غور کرلو۔ تم جسے چاہو اور لائق سمجھو اُسے اختیار کرو۔ مین تمہارے موافق ہون اور مجھے کوئی جھگڑا اور مناقشہ نہین کرنا ہے" لیکن

عام آواز

از ہر گوشہ مسجد آواز با بر آمد کہ ما امروز ہم بر آنیم کہ دیروز بودہ ایم و در اتمام مہم خلافت بر تو مزید نہ داریم دست بیرون کن تا با تو بیعت کنیم"

اسوقت علی کا انداز

امیرالمومنین علی علیہ السلام چون حال بران جملہ دید و سخن مہاجر و انصار برین منوال شنید۔

خاموش ایستاد"

اب اس مجمع مین کوئی نفس ایسا ذی نہ تھا جو علی کو اتمام حجت کے بعد اس کیفیت مین دیکھتا اور نہ کھچتا۔ دنیا کے تمام فصیحون کی خوش بیانی اس "چپ کھڑے ہوجانیکی" ادا پر صدقے ہتی۔ مین بیعت کی حالت کو علی لفظون مین بیان کر کے ہنستا ہون اور روتا ہون۔ فرماتے ہین۔

علی اور بیعت کے وقت کی مجبوری۔

"تمنے بیعت کے لئے میرا ہاتہ پھیلا دیا۔ مین نے اُسے کھینچ لیا۔ تمنے میرا ہاتھ کھینچا۔ مین نے اُسپر قبضہ کر لیا پھر تم میرے گرد ہو کر اس طرح ایک دوسرے کے مزاحم ہونے لگے جیسے کہ پیاسے اونٹ اپنی اپنی ہانکا ہونیر وارد ہو کر ایک دوسرے کی مزاحمت کیا کرتے ہین۔ حتی کہ میری نعلین کے تسمے ٹوٹ گئے۔ ردا میرے کاندھے سے گر پڑی۔ ضعیف آدمی اس ہلچل مین پس گیا اور لوگون کی خوشی کی اس بیعت مین یہ نوبت پہونچی کہ چہوٹے تو خوش ہوئے۔ کبیر السن بیچارے بیعت کے لئے آتے آتے راہ مین گر پڑے۔ بیمارون نے اُس بیعت کے مقام تک پہونچ کر رنج اُٹھایا اور اِس بیعت کے لئے لڑکیون تک نے اپنے گھونگھٹ الٹ دیئے"

اهتم کوفی کے موافق تقسیم بیت المال مین ہر شخص کو تین دینار ملے۔ جب مین کہہ رہا ہون کہ ہر شخص کو تین دینار ملے تو مین یہ سمجھا رہا ہون کہ امتیاز اُٹھا دیا گیا اور مساوات قائم کی گئی۔ نہ کسی کو خمس ملا خمس الخمس دیا گیا اور نہ حکومت کی جائداد کسی کو جاگیر مین عطا ہوئی۔ مین اُن چہرون کے دیکھنے کے لئے جو امتیاز کے عادی اور بڑی بڑی زمین پاکر رونق نگاہ کے ہوگئے ہے کیا کچھ قربان نہ کرتا جو کچھ کر سکتا کہ انہون نے کس طرح تین دینار ہتھیلی مین دبائے ہونگے۔ مشکل سے مین امید کر سکتا ہون کہ میرے زمانہ کا سب سے بڑا مسخرہ ایکٹر اسکو فطری شان سے نباہ سکتا ہوگا۔ اور زمانہ یہہ پہونچگیا تہا کہ مساوات کا برتا جانا قابل شکایت تہا اور وہ شکایت کرنے والے طلحہ و زبیر ہوتے جنہین علی جواب دیتے کہ یہ مساوات

مساوات کی تیغ تفریق

مساوات پر اعتراض اور علی کا جواب

بارہ میں جو تم ذکر کرتے ہو تو یہ ایک ایسا امر ہے جس میں میں نے اپنی رائے سے حکم نہیں کیا نہ اپنی خواہش نفس سے اسکا مرتکب ہوا ہوں بلکہ میں نے اور تم دونوں نے اُس حکم کو پالیا ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ لائے تھے جس سے اب فارغ کر دیئے گئے... جسکی تقسیم سے خداوند عالم فارغ ہو چکا ہے اور اس بارہ میں اُسکا حکم نافذ ہو چکا ہے اب تمہارا اور تمہارے اختیار کا کوئی حق نہیں کہ مجھے اس معاملہ میں معتوب کریں۔

ولید ابن عقبہ بنی ہاشم کی ہجو کرتا ہے اور فضل ابن عباس جواب دیتے ہیں

روضۃ الاحباب کے موافق ولید ابن عقبہ نے آل ہاشم کی مذمت میں اشعار کہے اور فضل ابن عباس نے اُسکا جواب دیا۔ وکان ولی الامر بعد محمد۔ علی وفی کل موطن صاحبہ۔ وصی رسول اللہ حقا وصہرہ۔ واول من صلی ومادم جانبہ۔

عمار یاسر کی ایک صلاح اور علی کا جواب۔

اعثم کوفی کے موافق عمار یاسر اور اشتر نے امیر المومنین کی خدمت میں عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو وہ لوگ جو اب تک شریک بیعت نہیں ہوئے ہیں وہ بھی لائے جائیں کہ اُنھیں عذر نہو۔ لوگ اپنی صلاح کار کے لئے آپ سے بیعت کرتے ہیں آپ بھی اپنے صلاح کار محفوظ رکھیئے۔ جناب امیر نے فرمایا کہ اے عمار اور مالک جسکو ہماری رغبت نہیں ہے ہمیں بھی اُسکی احتیاج نہیں ہے۔ ہم آدمیوں کو تم سے اچھا پہچانتے ہیں۔ رہنے دو یا مجھے اپنی رائے پر چلنے دو۔ زیاد ابن حنظلہ تیمی نے جناب امیر کی تائید اور شرح میں کہا کہ ایسے لوگ جنسے باکراہ بیعت لیجائیگی اُسکا کوئی فائدہ نہو گا اگر وہ بہ رغبت بیعت کریں تو مناسب ہے ورنہ اُنسے ہاتھ اُٹھالو۔

علی اور سعد ابن ابی وقاص

سعد ابن ابی وقاص نے کہا کہ مجھے کوئی شک نہیں ہے کہ آپکی خلافت برحق ہے۔ مگر یہ بھی ہے کہ ہم میں سے ایک جماعت اس معاملہ میں آپ سے لڑے گی اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم بیعت کریں تو ہمیں ایک تلوار دیجے کہ جسکے زبان اور دو ہونٹ ہوں اور بات کر سکے اور حق و باطل میں فرق کر سکے۔ جناب امیر نے جواب دیا کہ مہاجر و انصار اور کافہ مسلمین سے کتاب اور سنت پر عمل کرنیکی شرط ہے اگر تمہیں خواہش ہے تو بیعت کرو ورنہ گھر میں بیٹھو کہ ہم تمہیں کسی امر پر مجبور نہ کرینگے۔

علی بنی امیہ سے وجہ مخالفت پوچھتے ہیں۔

جناب امیر نے مروان ابن حکم، سعید ابن العاص اور ولید ابن عقبہ کو طلب کیا اور اُنسے تخلف کی وجہ دریافت کی ولید نے کہا۔

جواب

اے ابو الحسن ہم آپ سے کس امید پر بیعت کریں اور کس آنکھ سے دیکھیں۔ آپ نے ہمارے پیر و بال کو نوچا اور ہمارے سینہ کو کینہ سے بھر دیا۔ ہمارے باپ کو بدر میں قتل کیا اور عثمان کو جو خلیفہ اسلام تھے

خوغا مین چہوڑ دیا اور مدد نہ کی یہانتک کہ وہ قتل ہوگئے۔ سعید ابن العاص کے باپ کو بھی جو بنی امیہ کا سردار تھا بدر مین قتل کیا اور مروان ابن حکم کے باپ کو جب عثمان مدینہ مین لائے تو آپ نے کہا جو کچھہ کہا۔ عثمان کی رائے کو ضعیف اور غلط سمجھا۔ ہم نے تینون آدمیون کے حال کو بتا دیا اب ہم کس طرح بیعت کرین اور کس دل سے آپ کو دوست رکھین۔ اور اگر بیعت کرنی ہی ہوگی تو اس شرط سے بیعت کرینگے کہ قاتلان عثمان کو قتل کیجئے اور اگر ہم سے کوئی سہو اور خطا ہو تو اُسے معاف کیجئے اور اگر آپ سے ہم اپنے ابن عم معاویہ کے پاس شام جانے کی اجازت طلب کرین تو اجازت دیجئے اور منع نہ کیجئے"۔

علی کا جواب

جناب امیر نے فرمایا کہ تمہارا مجھسے کینہ رکھنا بحق نہین ہے وہ حکم خدا تھا اور مروان کے باپ کے حق مین بھی مین نے کوئی نا حق بات نہین کہی اور کشندگان عثمان کو اگر آج قتل کرسکون تو کل پھر نہ اُٹھا رکھونگا۔ مین تمہارے خوف کو دور کرتا ہون۔ ان لوگون نے بیعت کی اور چلے گئے۔

مروان کے اشعار

لیکن جناب امیر کو انکے بے اطمینانی کی خبرین پہونچی رہین یہانتک کہ ایک دن مروان ابن حکم کے چند شعر پڑھے گئے جو اُسنے بیعت کی عدم رضامندی اور اپنے تردد کی حالت کے متعلق کہے تھے۔

جناب امیر نے ان لوگون کو پھر طلب کیا اور فرمایا کہ اگر تم لوگ یہان ڈرتے ہو تو تمہین اجازت ہے کہ جہان چاہو چلے جاؤ۔ یہ لوگ یہہ کہکر واپس ہوئے کہ ہمین اطمینان ہوگیا ہم اب مدینہ ہی مین رہینگے۔ چند روز نہ گذرے تھے کہ مروان نے پھر شعر کہے جنکا مفہوم یہ تہا کہ قاتلان عثمان مدینہ مین بعافیت بسر کررہے ہین علی دیکھتے ہین اور خاموش ہین۔ مسلمانون نے مروان سے باز پرس چاہی لیکن جناب امیر نے منع فرمایا۔

معاویہ اور حجاج ابن خزیمہ۔

اس زمانہ مین امیر شام بنی امیہ کا حال دریافت کرتا تہا یہانتک کہ مدینہ کا ایک شخص جسکا نام حجاج بن خزیمہ تہا شام گیا اور اُسنے یہ کہنے کے بعد کہ "علی سے اشراف حجاز۔ اعیان یمن اور اکابر و معارف مصر بیعت کرچکے اور ابتک اہل بصرہ نے بھی بیعت کرلی ہوگی۔ کہا۔ اس وقت شام مین تیرے پاس جس قدر لشکر اور سامان ہے وہ علی سے بہت زیادہ ہے ابھی اُنکا انتظام جا[illegible] نہین ہے کہ وہ مدینہ سے جنبش کرسکین۔ لشکر تیرے موافق ہے۔ تھوڑا اسا کیدل اور موافق لشکر اُس فوج پر غالب آجاتا ہے جو موافق نہ ہو اگرچہ عدد مین زیادہ ہو حالانکہ تیرا لشکر خود علی کے لشکر سے زیادہ ہے۔ اگر تو علی سے مخالفت کرنا چاہتا ہے تو اسکے قبل جنگ کرکہ اُنہین قوت پیدا ہو جائے۔ جب وہ اپنا انتظام کرلین گے تو ہمین یقین ہے کہ وہ عراق و حجاز پر بغیر شام کے راضی نہ ہونگے۔

خزیمہ کی تقریر سنکر جو گویا معاویہ کے دل کی باتین کہہ رہا تہا معاویہ نے اُسکی تعریف اور عثمان کی مدد نہ کرنے کی

مغیرہ ابن شعبہ کو معاویہ کے اشعار سے انکا خیال ہوا۔

شہر مندگی ظاہر کی عثمان کے قہر مین شعر کہے اور یہ اشعار مدینہ مین پہونچے اور مغیرہ ابن شعبہ کو معلوم ہوکر
اور اسنے جناب امیر کے پاس حاضر ہوکر بقول ابن خلدون کہا کہ جبتک حکومت و خلافت کو استقلال
حاصل نہو اسوقت تک عمال عثمان کو بدستور بحال رکھو بعد استقلال و استقرار حکومت جسکو چاہنا معزول و تبدیل
کرنا۔ علی ابن ابی ابیطالب نے اس سے انکار کیا" اور اسکے بعد اسی مورخ کے موافق "چونکہ مغیرہ ابن شعبہ

مغیرہ علی کو صلاح دیتا ہو اور علی قبول کرنے سے انکار کرتے ہین۔

نے نصیحت کی تہی اور علی ابن ابیطالب نے اسکو قبول نہ کیا تہا اسوجہ سے ناراض ہوکر مکہ چلا آیا"
مورخین نے اہتمام کیا ہے کہ ابن عباس کو بہی مغیرہ ابن شعبہ کا ہمخیال بنا دین اور ابن خلدون نے ایک
بھلا چنگا مکالمہ درج کردیا ہے جسمین ابن عباس علی کو یہ صلاح دیتے ہین کہ" واللہ اگر تم میرے کہنے پر عمل کرو تو
مین تمکو ایسے راستہ پر چلا دون کہ وہ انجام کار پر غور ہی کرتے رہجائین اور پیش افتادہ امور انکو نہ سوجہین"
"ہم نہین جانتے کہ یہ بہی کہا یا نہین کہ جب تک وہ سمجہین ہم پہر ایسا ہی ایک امر اور پیش
کردین۔ علی کا یہ جواب خوش ذوقی ہے کہ "تمہین نہ تمہاری خصلتین ہین نہ معاویہ کی"
ابن خلدون کو یہ بہی کہنا ہے کہ مروان اور بنی امیہ شام کی طرف بہاگ کر چلے گئے۔ علی ابن ابیطالب قریش
کو خروج سے نہ روک سکے۔ تیسرے دن اعراب کو انکے بلاد کی طرف واپس جانیکا حکم دیا۔ انلوگون نے اس سے

طلحہ و زبیر بصرہ اور کوفہ جانیکی اجازت مانگتے ہین۔

انکار کیا اور اسکے ساتھ سبئیہ نے فتنہ و فساد کی آمادگی ظاہر کی اس اثنا مین طلحہ و زبیر آئے اور کہا ہمکو
آپ کوفہ و بصرہ جانیکی اجازت دیجیے تاکہ لوگون کے منتشر خیالات کو ہم مجتمع کرین۔ علی ابن ابیطالب نے کسی
مصلحت سے انکو روک لیا"

علی حصول اجازت کی غرض بتا دیتے ہین۔

اعثم کوفی کے موافق جب طلحہ و زبیر نے جناب امیر سے عمرہ کیلئے مکہ جانیکی اجازت طلب کی تو امیر المومنین نے انکو تمام
دلی ارادے بتا دیے اور "ایشان سر و زیر افگندہ بودند" اور اسکے بعد "واشکستہ آزردہ گی کے لفظون" ایسی
حالت مین کہ لب پر تقویٰ اور دل مین مکر تھا یہ عائشہ سے جا ملے جو مخالفت کے لئے تیار تھین" اسی مورخ کے

زینب بنت ابوسفیان کے اشعار۔

موافق شب کو یہ واقعہ گذر چکا تہا کہ جناب امیر کسی راستہ سے تشریف لا رہے تہے اور جب زینب بنت ابوسفیان
کے گھر کے قریب پہونچے تو سنا کہ کوئی دف پر شعر گا رہا ہے جسکا مفہوم یہ ہو کہ "طلحہ و زبیر نے عثمان کے قتل مین
کوشش کی اور فتنہ کھڑا کیا اگر آج علی کی بیعت کی ہو تو اسکی کوئی اصل نہین ہر آخر مین مخالفت کرینگے ظاہر مین
دوست ہین اور باطن مین دشمن ہین"
حضرت عائشہ مکہ معظمہ سے حج کرکے واپس آ رہی تہین اور جب مقام سرف مین پہونچین تو بقول ابن خلدون

ایک شخص عبید بن ابی سلمہ سے ملاقات ہوئی دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ عثمان شہید ہوگئے اور لوگوں نے علی
کی خلافت کی بیعت کی ہے۔ ام المومنین عائشہ نے ارشاد کیا واللہ عثمان مظلوم مارے گئے ہیں میں اُنکے خون کا
معاوضہ لونگی۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا آپ یہ کیا کہتی ہیں اور اس سے پیشتر آپ کیا کہتی تھیں جواب دیا
بیشک ان لوگوں نے پہلے عثمان سے توبہ کرائی پھر انکو شہید کیا غرض ام المومنین عائشہ صدیقہ اُس مقام سے لوٹ
کر مکہ واپس آئیں لوگوں کا ایک مجمع ہوگیا.... عبداللہ ابن عامر حضرمی (عثمان کی طرف سے مکہ کا عامل تھا)
بولے میں سب سے پہلے خون عثمان کا بدلہ لینے والا ہوں۔ اِس کلام کے تمام ہوتے ہی بنی امیہ نے (جو بعد شہادت
عثمان مکہ کی طرف بھاگ گئے تھے) سمعاً وطاعۃً آمادگی ظاہر کی از انجملہ سعید ابن العاص۔ ولید ابن عقبہ
وغیرہ تھے۔ اِس عرصہ میں عبداللہ ابن عامر بصرہ سے اور یعلی بن منیہ یمن سے چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ
دینار لیکر مکہ میں آئے بعد ازاں طلحہ و زبیر مدینہ سے وارد مکہ ہوئے.... ام المومنین عائشہ نے کہا ہمارے
ساتھ شام کی طرف خروج کرو۔ حاضرین میں سے بعضوں نے رائے دی کہ شام کی طرف چلنا چاہئے اسپر ابن عامر بولے شام
میں معاویہ ہیں وہ اسکے لئے کافی ہیں بصرہ کی طرف چلو میری وہاں بات بنی ہوئی ہے اور لوگوں کا رجحان طلحہ
کی جانب ہے۔ لوگوں نے بصرہ سے ابن عامر کے چلے آنیکو غیر مستحسن سمجھ کر بصرہ کی طرف جانے پر اتفاق کرلیا...
ام المومنین حفصہ نے ہمراہی کا قصد کیا لیکن اپنے بھائی عبداللہ ابن عمر کے کہنے سے رک گئیں۔ غرض ابن عامر
اور یعلی ابن منیہ نے اپنے مال و اسباب سے قافلہ کی روانگی کا ساز و سامان درست کیا اور یہ ندا کرادی کہ
ام المومنین عائشہ اور طلحہ و زبیر بصرہ کی طرف جارہے ہیں پس جو شخص اسلام کی ہمدردی کرنا اور خون عثمان کا
بدلہ لینا چاہتا ہو اور اُسکے پاس سواری نہ ہو وہ آئے اُسکو سواری دیجائیگی.... جب نماز کا وقت آیا تو مروان
نے اذان دی اور طلحہ و زبیر کے پاس آکر کہا تم دونوں میں سے امامت کس کے سپرد کی جائے۔ ابن زبیر نے کہا
میرے باپ کو۔ ابن طلحہ بولے میرے باپ کو۔ ام المومنین عائشہ نے یہ سنکر مروان کے پاس کہلا بھیجا کہ کیا تم ہمارے
کام کو درہم و برہم کیا چاہتے ہو امامت میرا بھانجا عبداللہ ابن زبیر کرے گا"

اعثم کوفی کہتا ہے کہ جب عائشہ نے سنا کہ "عثمان قتل ہوگئے تو پوچھا کہ پھر اسکے بعد کیا ہوا کہا علی سے بیعت
کیگئی۔ عائشہ نے کہا۔ کاش آسمان پھٹ پڑتا کہ یہ برا دن نہ دیکھتے" اور عبید نے کہا کہ "اے ام المومنین یہ
اچھا نہیں کرتی ہو کہ لوگوں میں شورش پیدا کررہی ہو"

روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب عبید بن سلمہ نے عائشہ سے خون عثمان کا دعویٰ سنا تو کہا کہ کیا تمہیں اُنکی شان

کوئی حضرت عائشہ کے تغیر پر اعتراض کرتا ہے

مخالفین علی کا مجمع اور مرکز۔

ڈگڈگی پیٹ دی گئی

امامت نماز کا جھگڑا۔

حضرت عائشہ کا کلام علی کی بیعت کی خبر اور حضرت عائشہ پر اثر

عبید نے حضرت عائشہ کا انکا فتویٰ یاد دلایا

ہین" اقتلوا نعثلا فقد کفر" نہین کہتی تہین۔ اور جب عائشہ نے حضرت ام سلمہ کو بہی اپنے موافق بنانا
چاہا تو اُنکے "تعجب کی آواز گھر کے ہر شخص نے سنی" اور اُنھون نے کہا کہ اے دختر ابوبکر کیا تو نے رسول کی
یہ حدیث نہین سُنی کہ "علی خلیفتی علیکم فی حیاتی و فی مماتی فمن عصاہ فقد عصانی" اور عائشہ

طلحہ و زبیر کب علی کے منکر ہوئے۔

نے تصدیق کی لیکن عبداللہ ابن زبیر کی محبت سے پہر اپنا خیال بدل دیا۔ اسی مورخ کے موافق طلحہ و زبیر نے
بیعت سے اُسوقت انکار کیا جبکہ ریاست بصرہ و کوفہ نہ دیگئی۔ اور عبداللہ ابن عامر کریز نے یہ سمجہکر کہ علی
اُسے نکالدینگے بصرہ مین برافروختگی پیدا کرنیکا قصد کیا اسپر جاریہ ابن قدامہ سعدی نے جواب دیا کہ تو بہ
اکراہ حاکم ہوا ہے اس لئے کہ عثمان نے تجہے یہان بہیجا تہا اب اگر علی تجہے نکال دینگے تو نا خوش ہوگا۔ یہ سنکر بصرے سے
بہاگا اور طلحہ سے ملا۔

اعثم کوفی نے بہی بالکل یہی لکہا ہے اور جب ابن عامر طلحہ کے پاس آیا تو آخر الذکر نے کہا کہ "تو کیون آیا کہ بصرہ کا
مال ہاتہ سے جاتا رہا تجہے اس قدر صبر کرنا چاہیے تہا کہ ہم پہونچ جاتے" اور یعلیٰ ابن منیہ نے بہی ایسا ہی کہا۔

معاویہ کے اشعار اور عائشہ۔

اسی مورخ کے موافق جب معاویہ نے سُنا کہ عائشہ اور انکے رفقا شام کا قصد کرتے ہین تو اُسنے چند شعر لکہکر
مکہ مین بہجوا دیے کہ وہ لوگ ادہر آنیکا ارادہ فسخ کر دین۔ اگرچہ اپنا نام ظاہر نہین کیا۔ عائشہ اور ام سلمہ سے گفتگو
ہو چکنے کے بعد ابن زبیر نے حضرت ام سلمہ سے کہا:۔

ابن زبیر اور حضرت ام سلمہ

"اے ام سلمہ ہمنے اپنے بارہ مین تمہاری دشمنی دیکہی ہے اور جانتے ہین کہ ہمین دوست نہ رکہوگی۔" حضرت
ام سلمہ نے جوابدیا:۔

"اے ابن زبیر آیا تیرے نزدیک یہ مصلحت ہے کہ مہاجر و انصار اور اشراف صحابہ علی کو جو مسلمانون کے والی ہین
چہوڑکر تیرے باپ سے بیعت کرینگے۔ تجہے اور تیرے باپ کو جو یہ فتنہ کہڑا کر رہا ہے یقین کرنا چاہیے کہ اس سے کوئی مطلب
نکلیگا۔" ابن زبیر نے کہا:۔

"ہمنے کبہی رسول سے یہ نہین سنا کہ علی مسلمانون کے والی ہین" حضرت ام سلمہ نے فرمایا:۔

"اگر تو نے نہین سُنا تو تیری خالہ نے جو یہان بیٹہی ہے سُنا ہوگا اُس سے پوچہہ لے مین بالمشافہ کہہ رہی ہون کہ آیا
رسول نے یہ نہین کہا ہے کہ "علی میرا خلیفہ ہے میری زندگی مین اور میری وفات کے بعد۔ اے عائشہ تم نے رسول سے
یہ سُنا ہے یا نہین اور گواہی دوگی یا نہین" عائشہ نے گواہی دی اور تصدیق کی۔

حضرت عائشہ کے متعلق ایک مشہور حدیث۔

اسکے بعد حضرت عائشہ سے حضرت ام سلمہ نے وہ مشہور حدیث بیان فرمائی جسے عامہ مورخین نے نقل کیا ہے

کہ "اے عایشہ ہرگز تو وہ عورت نہو جسے دیکھ کر اب جواب کے کتے بہونکین"

مورخ تاریخ الاسلام اور حضرت عایشہ کی روش

مولف تاریخ الاسلام مولوی عباسی صاحب گورکہپوری کو اقرار ہے کہ "وہ ایک بڑی فساد کی بُنیاد عایشہ کی ذات سے قایم ہوئی"

اہل کوفہ اور ابوموسیٰ

کوفہ کا یہ حال تھا کہ جناب امیر کے خلیفہ ہونیکی خبر پہونچی تو لوگ ابوموسیٰ کے پاس آئے اور اُس سے پوچھا کہ تو کیون علی کی بیعت نہین لیتا اُس نے جواب دیا کہ ہم ابھی توقف کرتے ہین دیکھین اسکے بعد کیا ہوتا ہے۔

ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص نے یہ سُنکر کہا:۔

"اب تجھے کیا خبر ملیگی۔ عثمان قتل کئے گئے اور مہاجر و انصار خاص و عام نے علی سے بیعت کی۔ اس سے نہ ڈر کہ اگر تو علی سے بیعت کریگا تو عثمان اُس جہان سے واپس چلے آئینگے"

یہ کہکر اُس نے اپنے داہنے ہاتھ مین بایان ہاتھ لیا اور کہا:۔

"بایان ہاتھ میرا ہے اور داہنا علی کا ہے مین نے علی سے بیعت کی اور اُنکی خلافت پر راضی ہوا"

اب ابوموسیٰ کوئی عذر نہ کرسکا اور اسنے اور اسکے بعد تمام اہل کوفہ نے بیعت کی۔

اہل یمن اور بیعت۔

اہل یمن نے جناب امیر کی خلافت کا ذکر سنکر برسم تہنیت مدینہ کا قصد کیا اور انکا استقبال کیا گیا

جناب امیر نے اپنے جو عمال روانہ کئے اُنکا حسب ذیل نتیجہ ہوا۔

عثمان ابن حنیف بصرہ بھیجے گئے اور حکومت اپنے ہاتھ مین لی۔

عمارہ ابن شہاب کوفہ بھیجے گئے۔ راہ مین طلیحہ ابن خویلد نے کہا کہ ہم بجز ابوموسیٰ کے کسی کو نہین چاہتے تم جاؤ نہین تو قتل کر ڈالین گے۔ یہ واپس ہوئے۔

عبیداللہ ابن عباس یمن گئے اور اختیار اپنے ہاتھ مین لیا۔

قیس ابن سعد مصر گئے اور جناب امیر کا فرمان پڑہا۔ کچھ نے ساتھ دیا۔ کچھ نیوٹرل رہے۔ کچھ نے عثمان کا قصاص طلب کیا۔

سہیل ابن حنیف شام جارہے تھے انہین تبوک مین چند سوار ملے اور کہا کہ اگر تمھین عثمان کے علاوہ کسی نے بھیجا ہو تو واپس چلے جاؤ۔

جناب امیر کا خط معاویہ کے نام۔

ابن خلدون کے موافق علی نے سبرہ جہنی کے ہاتھ معاویہ کے پاس خط بھیجا اُس نے تین مہینہ تک کوئی جواب نہ دیا۔ اسکے بعد قبیصہ عبسی کے ہاتھ ایک سربمہر خط روانہ کیا جس کا عنوان تھا "من معاویہ الی علی"

اور جب لفافہ چاک کیا گیا تو اسمین کوئی خط نہ تھا۔ علی نے قاصد کی طرف دیکھا اور اُس نے کہنا شروع کیا:۔

معاویہ کا قاصد شام کا حال بتاتا ہے۔

"مین شام مین ایسے لوگون کو چھوڑ آیا ہون جو سوا اسکے بدلے کے کسی طرح راضی نہ ہونگے۔ مین نے ساٹھ ہزار شیخ کو دیکھا ہے کہ وہ عثمان کے قمیص خون آلودہ پر رو رہے ہین جو اسی غرض سے جامع دمشق کے منبر پر رکھا ہے"

اعثم کوفی مین اس قدر زیادہ ہے کہ پہلے وہ شیطان پر لعنت کرتے تھے اب قاتلان عثمان پر لعنت کرتے ہین

جناب امیر کا ایک صحابی

جناب امیر نے پوچھا کہ اور وہ لوگ قتل عثمان سے کسے متہم کرتے ہین۔ قاصد نے کہا آپکو۔ یہ سنکر خلیہ بن زفر العبسی نے کہا "تو عجب بے شرم ہے کہ امیرالمومنین اور مہاجرین و انصار کو اُس جرم مین متہم کرتا ہے جو اُنھون نے نہین کیا۔ اگر جہال کی کوئی جماعت عثمان کے کُرتے پر روتی ہے تو نہ وہ کُرتہ پیراہن یوسف ہے اور نہ وہ رونا گریہ یعقوب ہے اگر قتل عثمان پر رونا تھا تو اُسوقت مدد کیون نہ کی جبکہ مدد طلب کرتے تھے"

سکونت عراق کا خیال

ابن خلدون کے موافق اب جناب امیر نے شام کی طرف روانگی کے لئے تیار ہو جانیکا حکم دیا۔ اعثم کوفی کے موافق ابوایوب انصاری کی صلاح نہ ہوئی اور جناب امیر نے فرمایا کہ خزانہ اور لشکر کے لحاظ سے ہمکو عراق مین رہنا چاہئے اس سے ہم شام کی طرف سے مطمئن رہینگے تاہم جناب امیر نے کچھ دنون کے لئے یہ ارادہ ملتوی کر دیا۔ اور مختلف مقامات پر عمال روانہ کئے۔

دیگر عمال کی روانگی۔

اسکے بعد جب ہر طرف سے شورشون کی خبر آنے لگی تو فرمایا:۔

شورش کے متعلق خیال

"جسکا مجھکو اندیشہ تھا وہ ظاہر ہوا اور لوگ مخالفت کرنے لگے۔ فتنہ کی مثال آگ کی ایسی ہے کہ بھڑک اُٹھنے کے بعد شعلے زیادہ ہوتے جاتے ہین۔ جہان تک میرا امکان مین ہے مین اِس فتنہ کے فرو کرنے اور اس آگ کے بجھانے مین کوشش کرونگا۔ اگر حالت درست ہوگئی تو خیر ورنہ بجز جنگ کے چارہ نہوگا"

حضرت ام سلمہ کا خط جناب امیر کے پاس آیا

جناب امیر ان افکار مین مبتلا تھے کہ انھین حضرت ام سلمہ کا خط ملا جسمین مکہ کے حالات کی خبر اپنے فرزند عمر ابن سلمہ کے ہاتھ روانہ کی تھی اور لکھا تھا کہ "اگر جناب رسالتمآب نے عورتون کو گھر سے باہر نکلنے کو منع نہ کیا ہوتا تو مین بھی تمہارے لشکر کے ساتھ اُس طرف حرکت کرتی جدہر تم جاتے مین اپنے فرزند کو بھیجتی ہون یہ آپکا تابع فرمان رہیگا"

ام الفضل کی اطلاع

اسیطرح اُم الفضل بنت الحرث ام عبداللہ ابن عباس نے قبیلہ جہینیہ کے ظفر نامی ایک شخص کی زبانی عائشہ کی

خروج کی خبر امیر المومنین کے پاس پہنچی۔

بقول ابن خلدون جب اس خروج کی خبر معلوم ہوئی تو جناب امیر نے خطبہ مین فرمایا کہ "بلا شبہ طلحہ و زبیر و عائشہ نے میری خلافت و امارت کے درہم و برہم کرنے پر در پردہ اتفاق کر لیا ہے اور بظاہر لوگون کو اصلاح کی طرف بلایا ہے اور مین تحمل کرونگا جب تک تمہاری جماعت پر مجھے کسی امر کا اندیشہ ہوگا اور مین رکار ہونگا اگر وہ لوگ رکے رہے" اعثم کوفی کے موافق منجملہ اور اصوات کے جناب امیر نے محمد ابن ابی بکر سے فرمایا کہ "سنتے ہو تمہاری بہن نے کیا ارادہ کیا ہے" اور انھون نے کہا "اے امیر المومنین مسلمان آپ کے موافق ہین خدا آپ کو فتح دیگا"

ایک اور دلچسپ واقعہ یہ تھا کہ بقول ابن خلدون سعید ابن العاص "طلحہ و زبیر کے پاس آئے اور کہا۔ اگر تم فتحمند ہوگے تو کس کو صاحب الامر بناؤگے جواب دیا ہم دونون مین سے جسکو لوگ منتخب کرینگے۔ سعید نے کہا نہین بلکہ عثمان کے لڑکے کو حکومت دینا کیونکہ تم لوگ خون عثمان کا معاوضہ لینے کو نکلے ہو۔ جواب دیا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اکابر و شیوخ مہاجرین کو چھوڑکر ان لڑکون کو حاکم بنائین۔ سعید بولے مین گمان کرتا ہون کہ ایسی حالت مین کوشش نہ کرسکونگا مگر یہ کہ بنی عبد مناف سے حکومت نکالنے کی کوشش کیجائے۔ طلحہ و زبیر نے اسکا کچھہ جواب نہ دیا سعید لوٹ کھڑے ہوئے انکے لوٹتے ہی عبد اللہ ابن خالد ابن سعید اور مغیرہ ابن شعبہ اور جو لوگ اسکے ہمراہ قبیلہ ثقیف کے تھے واپس ہوئے اور طلحہ و زبیر بقیہ لوگون کو ہمراہ لئے ہوئے آگے بڑہے انکے ہمراہ ابان و ولید پسران عثمان تھے۔

حضرت عائشہ اپنی "اصلاح" کے لشکر کے ساتھہ بقول ابن خلدون اب جواب پر ایک شبانہ روز شہر مین تھین کہ لشکر مین علی پہونچ گئے "کا غل اٹھا اور سبھون نے "نہایت تیزی سے بصرے کا رخ کیا" اور روسائے بصرہ کو چلتے نام احنف ابن قیس اور صبرہ ابن شیمان وغیرہ ہین مدد کے لئے خط لکہا۔ احنف وغیرہ نے الٹے انھین کو الزام دیا اور انکی شرکت نہ کی۔ عثمان ابن حنیف کو جب خبر معلوم ہوئی تو اسنے ابو الاسود وغیرہ کو عائشہ اور طلحہ و زبیر کے پاس دریافت حال کے لئے بہیجا اور اگر کسی نے اپنے آنکی غرض "اصلاح" بتائی تو کسی نے "انتقام خون عثمان" بتایا اور اگرچہ انھین بیعت شکنی کا الزام دیا گیا لیکن یہ انکے لئے کافی نہ تہا۔ عثمان ابن حنیف نے سنکر کہا "برب کعبہ اسلام کی چکی چلی" و نیز یہ کہ "مین انکو روکونگا تاوقتیکہ امیر المومنین علی آئین"

حضرت عائشہ مربد تک آپہونچین۔ عثمان ابن حنیف مقابلہ کو پہونچ گیا اور طلحہ و زبیر نے اپنی اپنی صف

[حاشیہ:] ۔۔۔ہ و زبیر کی مخالفت سے جنگ ۔۔۔ندہ کی مصلحت ظاہر ۔۔۔رتے ہین۔

[حاشیہ:] ابن عثمان کو خلیفہ بنانے کا خیال طلحہ و زبیر سے ۔۔۔ال اور اسکا جواب

[حاشیہ:] حضرت عائشہ کا خط بعض روسائے بصرہ کے نام اور اسکا جواب۔

[حاشیہ:] علی کا عامل

جاریہ ابن قدامہ اور حضرت عائشہ۔

نکلکر خون عثمان کے انتقام کے لئے اُبھارنے مین فصاحت کا کوئی نکتہ بے چھوئے نہ چھوڑا۔ اور حضرت عائشہ نے بھی الیسی کوشش کی جاریہ ابن قدامہ سعدی نے بقول عامہ مورخین کہا۔

اَے ام المومنین واللہ عثمان کا قتل ہونا زیادہ ناپسندیدہ تھا اس سے کہ تم اس ملعون اونٹ پر سوار ہوکر لڑائی کے لئے مکان سے نکلتین۔ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے پردہ وحرمت تھی تم نے پردہ کی ہتک کی اور حرمت کو مباح کیا اور بیشک جو شخص تم سے لڑا چاہتا ہو اُسکا قتل کرنا مناسب ہے پس اگر تم اپنی طبیعت سے آئی ہو تو بہتر ہے کہ اپنے مکان پر واپس جاؤ اور اگر بہ جبر و اکراہ آئی ہو تو اللہ تعالیٰ سے استعانت چاہو اور لوگون سے واپس چلنے کو کہو۔

جنگ اور التوا

فریقین مین خوب جنگ آزمائی ہوئی آخر مین تھک کر صلح کی اور ہتھیار روک رکھنے کا معاہدہ ہوا۔ طلحہ وزبیر نے عثمان سے شہر خالی کرنے کو کہا مگر اسنے انکار کیا اور بقول ابن خلدون" طلحہ وزبیر نے لوگون کو

عہد کے بعد مسجد پر شبخون اور ابن حنیف کے ساتھ برتاؤ۔

مجتمع کیا اور شب تاریک مین بعد نماز عشا مسجد کیطرف آئے۔ عبدالرحمن بن عتاب نے بڑھکر حملہ کیا تلوار ونکی جھنکار سے مسجد گونج اٹھی تقریباً چالیس آدمی اُسوقت مسجد مین موجود تھے لڑائی ہوئی مارے گئے بالآخر عثمان بن حنیف کے گھر مین گھس کر اُسکو نکال کر طلحہ وزبیر کے پاس لائے اس حالت مین کہ اُسکے چہرے کے کل بال نوچ ڈالے گئے تھے" اِسی مورخ کے موافق بعض کے نزدیک عثمان ابن حنیف کی گرفتاری نماز پڑھنے کی حالت مین عمل مین آئی اور عائشہ نے انھین مارنے اور شہر بدر کرنے کا حکم دیا۔ مجاشع ... مسعود اِسکے لئے مامور کیا گیا۔

(ابن خلدون)

طلحہ اپنے خطبہ میں جھٹلائے گئے۔

بصرہ مین داخل ہوکر طلحہ نے کہا" اے اہل بصرہ توبہ گناہ کے لئے ہم چاہتے تھے کہ امیرالمومنین عثمان کو راضی کرلین اس اثنا مین کمینون بلوائیون نے بلوہ کرکے انکو شہید کر ڈالا حاضرین نے طلحہ کو مخاطب کرکے کہا ہمارے پاس تو تمہارے خطوط اسکے خلاف آتے تھے۔ زبیر بولے ہمنے یقیناً ایسے خطوط نہ لکھے ہونگے"!

جناب امیر نے کوچ کیا حسین سردار میسرہ

امیرالمومنین نے مدینہ پر ابن عباس یا سہیل ابن حنیف کو اور مکہ پر قثم ابن عباس کو اپنا نائب کرکے کوچ فرمایا۔ اسوقت کی ترتیب لشکر کے موافق حسین افسر میسرہ تھے۔

زبدہ مین قبیلہ طے اور اسد نے شرف قدمبوسی حاصل کیا اور رکاب مین چلنے کو عرض کیا۔ آپ نے فرمایا اپنے اقرار پر تملوگ ثابت وقایم رہو مہاجرین کافی ہین۔ اسی مقام پر ایک شخص شیبانی کوفہ سے آیا آپنے اُس سے ابوموسیٰ کو دریافت فرمایا اُسنے جواب دیا۔ اگر صلح کا قصد رکھتے ہو تو وہ تمہارا ہمراہی ہے اور اگر قصد

جنگ ہے تو وہ تمہارا شریک نہین ہے۔ آپنے فرمایا واللہ ہمارا قصد سوائے صلح کے اور کسی امر کا نہین ہے جب تک ہمپر کوئی وقوعہ نہ ہو۔ سراہ مین عثمان ابن حنیف وغیرہ کے واقعہ کی خبر معلوم ہوئی۔ ذی قارمین قبلہ بکر ابن وائل نے حاضر ہوکر ہمراہی کے لئے گذارش کی اور آپنے متذکرہ صدر جواب دیا۔

ابو موسیٰ کا خیال

امیر المومنین نے محمد ابن ابی بکر اور محمد ابن جعفر کو کوفہ روانہ کیا تھا۔ ابو موسیٰ نے انھین جواب دیا کہ "لڑائی کے لئے خروج کرنا دنیا کی راہ ہے اور بیٹھ رہنا آخرت کی۔۔۔۔ واللہ عثمان کی بیعت میری گردن میں ہے اور علی کے گردن مین بھی ہے اگر لڑائی ضروری امر ہے تو قاتلین عثمان سے جہان کہین ہون لڑنا چاہیے" یہ واپس گئے جناب امیر نے مالک اشتر اور ابن عباس کو روانہ کیا یہ بھی واپس آئے اب جناب امیر نے حسن اور عمار کو روانہ کیا ابو موسیٰ نے عمار سے کہا "اے ابو الیقظان تم نے امیر المومنین کی مخالفت مخالفین کے ساتھ ہوکر کی اور اپنی ہمراہی کو فجار کے ساتھ جائز رکھا"۔۔۔ پھر زید بن صوحان

حضرت عایشہ کے خطوط

مسجد مین ام المومنین عایشہ کا ایک خط اپنے نام کا اور ایک بنام اہل کوفہ لئے ہوئے آئے اور ان کو بمواجہہ حاضرین علی سبیل انکار پڑھا (نوٹ مین لکھا ہے):۔

"ہر دو خطوط کا مضمون کا یہ تھا کہ اس زمانہ مین تم لوگ کسی کی مدد نہ کرو اپنے اپنے مکان مین بیٹھ رہو یا ہماری نصرت پر آمادہ ہو ہم خون عثمان کا معاوضہ لینے کو آئے ہین") ابو موسیٰ یہ کہتے جاتے تھے کہ میری اطاعت کرو اور عرب کے ٹیلون مین سے ایک ٹیلہ بن جاؤ تاکہ مظلوم تمہارے سایہ مین آکر پناہ گزین ہو۔

زید ابن صوحان

اہل کوفہ کو علی کا مدد کے لئے ابھارتے ہین

زید بن صوحان نے کھڑے ہوکر کہا۔ ای عبد اللہ ابن قیس! فرات کو لوٹا دو جس طرف سے بڑھکر آتا ہے اور امیر المومنین وسید المسلمین علی کی مدد کو چلو۔ قعقاع ابن عمر نے کھڑے ہوکر اس اس کلام کی تائید کرتے ہوئے بیان کیا۔ امیر نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ سب درست وصحیح ہے لیکن مین تم لوگون کو نصیحتانہ کہتا ہون اور سوا حق کے اور کچھ نہین کہتا ہون کہ امیر المومنین علی کی مدد کرو حق تک پہونچ جاؤ گے۔ عبد خیر نے بھی اسی قسم کی تقریر کی اور ابو موسیٰ سے مخاطب ہوکر کہا۔ تم جانتے ہو کہ طلحہ وزبیر نے علی کی بیعت کی تھی؟ جواب دیا ہان۔ پھر دریافت کیا۔ کیا علی نے کوئی ایسا کام کیا ہے جس سے انکی بیعت توڑ دی جائے؟ جواب دیا: مین نہین جانتا۔ اسپر عبد خیر نے خشونت سے کہا۔ تم یہہ نہین جانتے ہو تو ہم تمکو چھوڑ دیتے ہین تاآنکہ تم جان جاؤ! اے لوگو۔ تمکو امیر المومنین نے بلایا ہے تاکہ جو معاملات انین اور انکے دونون رفیقون (طلحہ وزبیر) مین ہین انکو دیکھو اور وہ (علی) امت پر فتنہ دین

مین مامون ہین۔ پس جو شخص اُنکی مدد کو جائیگا اُسکے ہمراہ چلنے کو تیار ہون۔ عمار بولے علی نے تملوگونکو

حسنؑ کا مخاطبہ

حق کے دیکھنے کو بلایا ہے۔ چلو اور اُنکے ہمراہ ہوکر لڑو۔ حسن ابن علی نے کہا۔ تملوگ ہماری دعوت قبول کرو اور

ہماری اطاعت کرو اور جس بلا مین تم اور ہم بھی مبتلا ہوگئے ہین اُسمین ہماری مدد کرو اور بیشک امیرالمومنین

کہتے ہین کہ ہم اگر مظلوم ہین تو ہماری امداد کرو اور اگر ہم ظالم ہین تو ہم سے حق لو واللہ طلحہ و زبیر نے

سب کے پہلے میری بیعت کی اور سب کے پہلے مجھسے بیوفائی کی۔ لوگون کے دلون پر اِس تقریر سے ایک نوری

اثر پیدا ہوگیا سبھون نے آمادگی ظاہر کی۔ عدی ابن حاتم اپنی قوم کو اور حجر ابن عدی نے اُسی طرح

نو ہزار سپاہی تیار ہوئے۔

تحریک کی چنانچہ حسن ابن علی کوفہ سے نو ہزار کی جمعیت سے روانہ ہوئے،،

اعثم کوفی مین اِس قدر زیادہ ہے کہ ابو موسی نے کہا کہ عایشہ کا ہمارے پاس خط آیا ہے اور اُسمین ایت

کہ ہم اہل کوفہ سے گھر وںمین خاموش بیٹھے رہین اسپر عمار نے کہا کہ اگر عایشہ نے تجھے یہ کہا ہے تو امیرالمومنین نے

ہمین حکم دیا ہے کہ لوگون کو جمع کرکے اُنکی خدمت مین لیجائین۔

اِسی اثنا مین مالک اشتر پھر کوفہ پہونچگئے اور دارالامارت سے ابو موسی کا معہ خیل طبل کے کامل اسقاط

ہوگیا اور جب رؤسائے کوفہ اور سرداران لشکر ذی قار مین آئے آپ (امیرالمومنین) اُنکے استقبال

کو سوار ہوکر گئے انپر مرحبا کہا اور یہ ارشاد فرمایا۔ اے اہل کوفہ ہم نے تمکو اِس غرض سے بلایا ہے کہ ہماری

ساتھ اپنے بھائیون اہل بصرہ سے مقابل ہو۔ اگر وہ لوگ اپنی رائے سے رجوع کرلین تو فہو المراد اور اگر

جناب امیر نے امدادی لشکر کا استقبال کیا۔

اپنے خیال پر اصرار کرینگے تو اُنکا علاج ہم نرمی کے ساتھہ کرینگے تاکہ ہماری طرف سے ظلم کی ابتدا نہ ہو اور

اور ہم کسی کام کو جسمین ذرہ بھر فساد ہوگا بغیر اصلاح کے نہ چھوڑینگے انشاء اللہ تعالی۔ پس اہل کوفہ نے

امیرالمومنین کے پاس ذی قار مین قیام کیا اور عبدالقیس جنکی تعداد ہزارون سے متجاوز تھی بصرہ اور

امیرالمومنین کے درمیان ٹھہرے ہوئے اِنکا انتظار کررہے تھے۔ پھر امیرالمومنین علی نے قعقاع ابن عمرو

کو اہل بصرہ کی طرف طلحہ و زبیر کے پاس سمجھانے اور اتفاق کرنے روانہ کیا،،

بقول اعثم کوفی ذی قار مین اُنیس ہزار لشکر جمع ہوگیا اور اب جناب امیر بصرہ کی طرف روانہ

حضرت عائشہ کے لشکر کی تعداد اور ترتیب

ہوئے۔ اِنکے آنیکی خبر سُنکر طلحہ۔ زبیر۔ عبداللہ ابن زبیر۔ مروان ابن حکم۔ عبدالرحمن ابن عتاب

بن اسید۔ ہلال ابن وکیع۔ عبدالرحمن ابن حارث۔ عبداللہ ابن عامر کریز۔ حاتم بن بکر الباہائی۔

حمز ابن طلحہ اور مجاشع ابن مسعود نے تعبیہ لشکر درست کیا۔ لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی۔

امیرالمومنین سے سنا اور اپنے لشکر سے خبر کی اور اہل لشکر نے بہی درستی کی صلاح دی۔ اسی اثنا مین احنف ابن قیس نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ "اہل بصرہ مین افواہ ہے کہ اگر علی کو فتح ہوئی تو وہ ہمارے مردون کو قتل کرکے ہمارے بچون اور عورتون کو غلام بنائین گے۔ جناب امیر نے جواب مین فرمایا کہ مین ہرگز یہ نکرونگا اہل بصرہ مسلمان ہین۔ اسکے بعد دریافت کیا مین نہین جانتا کہ تو نے کیا سونچا ہے تو ہمارے موافق ہے یا نہین ؟ احنف نے موافقت کا یقین دلاکر کہا کہ اگر آپ فرمائین تو دوسو بہادرون سے ہم آپکے ہمراہ رہین یا چار ہزار جنگجو سپاہیون کو آپ سے دفع کرین امیرالمومنین نے شق ثانی کو پسند فرمایا۔ اسکے بعد خطبہ فرمایا کہ :-

(اشتر کوفی)

احنف کی وکالت اور علی کا جواب

"مجھے اپنے بھائیون سے نقض عہد۔ بغاوت اور ظلم و حسد سے سامنا ہوا ہے۔ میرے بھائی اور دوست مجھے خلیفہ رسول نہین دیکھ سکتے۔ حاسد محسود فیہ کے زوال کے علاوہ کچھ نہین چاہتا۔ یہ لوگ چاہتے ہین کہ لباس خلافت کو جو خدا نے مجھے پہنایا ہے مجھسے اتار کر خوش ہون ... اس لئے مختلف حیلے اختیار کئے ہین .... اور سخت تر امر یہ ہے کہ چار شخص جو چار باتون مین بے ہمتا ہین۔ میرے مخالف ہین۔ رسول کے بعد ایسے چار آدمیون سے کسی کو سامنا نہین ہوا۔ انمین سے پہلا زبیر ابن عوام ہے جس سے زیادہ کسی بہادر نے رکاب مین پاؤن نہین رکھا۔ دوسرے طلحہ ابن عبداللہ جس سے بڑھکر کوئی نمکار نہین ہے۔ تیسرے عائشہ جنسے زیادہ کسی کے فرمانبردار نہین ہین۔ چوتھے یعلی ابن منیہ کہ جس سے زیادہ اس زمانہ مین کسی نے مال دنیا جمع نہین کیا۔ اول الذکر تین شخص میری مخالفت مین صرف کرینگے جس قدر روپیہ اُس سے طلب کرینگے دیگا۔"

مخالفت کے عناصر کا اندازہ۔

خزیمہ ابن ثابت نے یہ سنکر علی کی سچائی۔ شجاعت اور علم کی تعریف کی۔ لوگون کی اطاعت کا ذکر کیا اور کہا کہ "ان لوگون نے ظلم سے جو مال جمع کیا ہے اس سے جہل ور فساد کی شکم پُری کرینگے"

اسکے بعد جناب امیر نے طلحہ و زبیر کو خط لکہا جسمین واقعات بیان کئے تہے۔ فرمایا کہ اہل مدینہ کو حکم بناؤ جو اس وقت کسی کے ساتھ نہین ہین۔ تم نے بہت سے مسلمانون کو قتل کیا اور عائشہ کو نکال لائے تمہین عثمان سے کوئی قرابت نہین کہ تم خون کا دعوے کرسکو۔ عثمان کے لڑکون کو پہلے میری بیعت کرنی چاہئے اسکے بعد جسپر انہین دعوے ہو پیش کرین کہ موافق انصاف شریعت کا حکم نافذ کیا جائے۔ اسی طرح عائشہ کو بھی خط لکہا کہ تم کہتی ہو کہ ہم اصلاح کے لئے آئے عورتون کو لشکر کشی اور مردون کے

جناب امیر کا خط جسمین اہل مدینہ کو حکم بنانیکا خیال ظاہر کرتے ہین۔

درمیان اصلاح کیا کام تم مین اور عثمان مین کوئی قرابت نہین ہو۔ عثمان بنی امیہ سے تھے اور تم بنی تیم بن مرہ بن کنانہ ہو تم گھر سے باہر نکلین اور خلق کو معرض ہلاکت مین ڈالا۔

طلحہ و زبیر کا جواب

طلحہ و زبیر نے جواب دیا کہ تم نے شہرت کی غرض سے لشکر کشی کی ہے۔ ہم تمہاری اطاعت نہ کرینگے اور ابن زبیر نے تقریر کی کہ "اپنے حزن و فرزند اور حسب و نسب کی حفاظت کے لئے لڑو" کسی نے حسن سے یہ تقریر نقل کی اور انہون نے جواب مین اپنے لشکر کے سامنے تقریر کی جس کا مضمون یہ تہا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ زبیر نے

حسن کا لشکر سے خطبہ

عثمان کو کیا کچھ نہین کہا اور طلحہ نے بیت المال پر کیا تصرف نہین کیا۔ ہمیں انصار عثمان سے کوئی غرض نہین ہے بلکہ ہم شتر نشین کے رفقا سے آمادہ جنگ ہین۔" ہر شخص نے اس خطبہ کو پسند کیا!!

علی اور صلح کی کوشش

دونون لشکر ایک دوسرے کے مقابل پہونچ اور سپاہیون مین جنگی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی کہ کعب بن سور نے عائشہ سے کہا "بہت خون بہا چاہتا ہے اے مادر مومنان کچھ فکر کرو ورنہ پھر تسکین ممکن نہ ہوگی" یہ سنکر ہودج مین بیٹھکر آئین اور دیکھا کہ علی اپنے سپاہیون کو جنگ سے روک رہے ہین۔ یہ دیکھکر واپس آئین۔ جناب امیر نے دوبارہ ابن صوحان اور ابن عباس کو سمجھانے کے لئے بھیجا لیکن عائشہ نے جواب دیا کہ "ہم کوئی جواب نہین دینگے اس لئے کہ ہم حجت مین علی پر غالب نہین آسکتے" یہ سنکر جناب امیر نے سرداران لشکر کو طلب فرمایا اور جب حاضر ہوئے تو فرمایا:۔

جناب امیر کا لشکر سے جنگی خطبہ

"جہانتک میرے امکان مین تھا مین نے نرمی اور تساہلی کی۔ جنگ کی سختیون سے ڈرایا۔ قسم دی کسی کا نتیجہ نہوا بلکہ مجھ سے کہا ہے کہ لڑائی کے لئے آمادہ ہو اور مردون کے سامنے آؤ۔ ہم سے یہ کہا ہے جس کا نشو و نما میدان جنگ مین ہوا ہے۔ مین وہی علی ہون جس نے انکی صفین توڑی ہین انکے آبا و اجداد کو قتل کیا ہے اور انکی صف کو پریشان کیا ہے۔ وہی تلوار میرے قبضہ مین ہے۔ میرا دل اور بازو متین ہین۔ جو قتل ہوگا مریگا ضرور۔ مرنے سے قتل ہونا بہتر ہے۔ مجھپر تلوار کے ہزار زخم عورتونکی طرح فراش پر مرنے سے زیادہ آسان ہین"

اسکے بعد علی نے مناجات کی مسلمانون کے درمیان جنگ کرانے والونکی شکایت کی۔ نقض عہد اور بیوفائی کا شکوہ کیا۔ اور اپنے کو لڑائی چھڑنے سے معذور کرکے تعبیہ کا حکم دیا۔ عمار یاسر۔ شریح ابن ہانی۔ سعید ابن قیس۔ رفاعہ بن شداد البجلی۔ محمد ابن ابی بکر۔ عدی بن حاتم۔ زیاد ابن کعب۔ حجر ابن عدی۔ عمرو ابن الحمق اور جندب بن زہیر کو افسران لشکر مقرر کرکے حکم دیا کہ ہر قبیلہ اپنے افسر کے حکم پر توجہ دے

لیکن خواہش اصلاح سے علی سیر نہین ہوئے رسُول کا کرتہ پہنا رسول کی ردا اوڑھی سیاہ عمامہ سر پر رکھا اور رسول کے مرکب دُلدُل پر سوار ہوکر غیر مسلح میدان جنگ مین آئے اور آواز دی :-

صلح کرنیکے لئے علی غیر مسلح میدان آئے اور زبیر کو حدیث یاد دلائی۔

"زبیر کہان ہے میرے سامنے آئے"

زبیر آگے بڑھے اور عایشہ نے فریاد کی کہ کیا اسما کو بیوہ کر ڈالیگا۔

زبیر نے جواب دیا

"مطمین رہو علی مسلح نہین ہین۔ وہ بہ قصد جنگ نہین آئے ہین شاید مجھسے کچھ کہنا ہے"

جب زبیر پہونچے تو علی نے فرمایا :-

"اے ابا عبداللہ یہ کس بات کے لئے تم آمادہ ہوئے ہو"

جواب دیا

"طلب خون عثمان کے لئے"

فرمایا

سُبحان اللہ! تم نے اور تمہارے دوستون نے عثمان کو قتل کیا۔ قصاص کس سے طلب کرتے ہو؟"

اسکے بعد جناب امیر نے جناب رسالتمآب کے اقوال یاد دلائے۔ زبیر پر اثر پڑا اور یہ واپسی کا عہد کرکے پلٹے

حضرت عایشہ اور ابن زبیر کا زبیر سے مکالمہ۔

عایشہ نے مضمون گفتگو دریافت کیا۔ بتایا۔ اور کہا کہ "لڑائیون مین مجھے بصیرت اور قوت رہتی تھی لیکن آج علی کے مقابلہ مین گویا متردد اور تحیر سے اپنے قدم اپنی جگہہ نہین دیکھتا۔ عایشہ نے جواب دیا کہ تم علی کی تلوار سے ڈر گئے۔ یہ کوئی عیب کی بات نہین کتنے پہلے بڑے بڑے ڈر چکے ہین۔

ابن خلدون بھی حدیث بیان کرنے کے بعد عبداللہ ابن زبیر سے کہلواتا ہے کہ

"ہان جب دونون فریق کو مجتمع کرلیا اور ایک کو دوسرے کی عداوت پر اُبھار دیا تو اب چھوڑکر جانیکا قصد کرتے ہو"

"زبیر نے کہا مین نے قسم کھالی ہے۔ جواب دیا کہ اپنی قسم کا کفارہ دیدو۔ اپنے غلام مکحول کو آزاد کردو"

لڑائی شروع ہوئی

جنگ شروع ہوئی اصحاب جمل نے تیر مارنا شروع کیا۔ علی کے سپاہی خاموش کھڑے تھے۔ یہانتک کہ اُنھون نے کہا۔ امیر المومنین! اب اُنکی شوخی حد سے گذر گئی اور ہمارے آدمی زخمی ہوگئے اب کیا انتظار ہے۔ فرمایا مین اپنی معذوریت چاہتا تھا۔ اب علی نے اسلحہ جنگ زیب جسم فرمایا اور ایک جوان کو قرآن دیکر فرمایا کہ جاؤ اور اسکے اوامر ونواہی یاد دلاؤ۔ قرآن بردار سپاہی گیا اور بہادر کی طرح اُس نے ہاتھ کٹوائے اور جان دی۔ جناب امیر نے اپنے فرزند محمد حنفیہ کو علم دیا اور حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اثنائے گرمی جنگ مین بقول اعثم کوفی مروان ابن حکم نے طلحہ کو ترغیب جنگ دیتے ہوئے دیکھکر غلام سے کہا کہ مجھے عجب ہے کہ قتل عثمان مین طلحہ سے زیادہ کوئی تحریص نہین کرتا تھا۔ آج کہتا ہے کہ مین خون عثمان کا انتقام لیتا ہون۔ مین مسلمان ہوتا تو اس سے قصاص

قرآن بردار سپاہی

مروان اور طلحہ

کہتا ہون تو میرے سامنے کھڑا ہوجا کہ کوئی نہ دیکھے مین اُسے تیر مارتا ہون۔ یہ کہکر زہر آلود تیر مارا۔ تیر طلحہ کو لگا اور اُس کے صدمے سے بیہوش ہو کر گرے اور کچھ دیر کے بعد مرگئے۔ عایشہ کو صدمہ ہوا۔

مولوی عباسی صاحب گورکھپوری اور روضۃ الصفا و جامع التواریخ وغیرہ نے بھی اسکا تذکرہ فرمایا ہے

جناب امیر اور اُنکے سرداران لشکر نے تصفیہ کیا کہ جب تک عایشہ کا اونٹ زندہ رہیگا مسلمان قتل ہوتے رہینگے اِس لئے اونٹ کے پاؤن کاٹنے پر سپاہیونکو مشغول کیا۔ اونٹ گرا۔ لڑائی ختم ہوئی نہ اسکے قبل کہ عایشہ کے نو ہزار اور علی کے ایک ہزار ستر سپاہی قتل ہو چکے ہوتے۔ جناب

مقتولین جنگ کی تعداد منادی

امیر نے قبل آغاز جنگ منادی کرادی تہی کہ "کوئی شخص اس معرکہ مین بھاگنے والے کا تعاقب کرکے اُس سے نہ لڑے اور نہ کسی زخمی پر حملہ کرے اور نہ کسی کا مال و اسباب چہینے" بعد ختم جنگ بہی یہی منادی کرائی جسمین اس قدر زیادہ تہا کہ کوئی "کسی کے گھر مین نہ گھسے" بقول روضۃ الاحباب اپنی فوج سے فرمایا کہ "ہماری نیت دفاعی ہے نہ کہ قتل کی۔ تم ابتدا بہ جنگ نہ کرو اور مجروح یا مریض کو قتل نہ کرو"۔

عایشہ بہائی کی حفاظت مین۔

بعد ختم جنگ جناب امیر نے بقول ابن خلدون "مقتولین کے درمیان سے عماری اُٹھا لینے اور محمد ابن ابی بکر کو اُسپر قبضہ کرنیکا حکم دیا اور یہ ارشاد کیا کہ دیکھو ام المومنین کو کہین زخم تو نہین لگا" جب لوگ عایشہ کے پاس گئے تو کہا "مجھے محبوب و منظور تھا کہ آپکے واقعہ سے بیس برس پہلے مین مرجاتی"

عایشہ کی حسرت

"زبیر بھی اِس جنگ کے بعد زندہ نہ رہے۔ حضرت عایشہ ابن خلف کے مکان پر ٹہرائی گئی تھین۔ امیر المومنین جہان تشریف لیگئے اور بقول ابن خلدون "چونکہ اس واقعہ مین عبداللہ ابن خلف کام آئے تہے انکی ماں اور نیز بعض اور عورتون نے امیر المومنین علی کو سخت و سُست کہا آپنے مطلق توجہ نہ کی بعض مصاحبین نے آپکو بر خلاف اُنکے اُبھارنا چاہا آپ نے فرمایا چونکہ عورتین ناقص العقل ضعیف البنیان ہوتی ہین اِسوجہ سے ہم ہمیشہ عورت مشرکات سے تعرض کرنے کو منع کرتے ہین چہ جائیکہ مسلمان عورتون سے ہم متعرض ہون"

عایشہ نے عبداللہ ابن زبیر کے لئے امان طلب کی اور جناب امیر نے فرمایا کہ "ہم نے تمام عالم کو پناہ دی ہے" اِسکے بعد جناب امیر نے ابن عباس کو عایشہ کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ تم اب مدینہ جاؤ۔ بصرہ مین زیادہ قیام کی ضرورت نہین ہے۔ کچھ دیر تک آپس مین گرم کلام ہوئے اور "امیر المومنین" کے لفظ سے انکار کرتی رہین آخر مین کہا اچھا "اِس شہر سے چلی جاؤنگی مجھے کوئی گھر اُس سے زیادہ دشمن نہین ہے

حضرت عایشہ سے مدینہ جانیکو کہا گیا۔

حضرت عایشہ کو ... کے ... دیا

جہان اے بنی ہاشم تم ہو" بقول روضۃ الاحباب کہا "ہم بدہان جائینگے جہان اے بنی ہاشم تم نہ ہو"۔

اور یہ سنکر ابن عباس اسکو تفصیلاً کہتے ہے کہ تمہین تمام شرف بنی ہاشم سے حاصل ہوئی ہین۔ اور آخر مین یہ سنکر عایشہ نے کہا کہ "تم المنان رکھو کر علی تمہاری ان باتون پر توجہ نہ کرینگے اور تمہین اسیر مسلم نزر کھینگے" ابن عباس نے جواب دیا کہ "ہم علی سے ان امورات مین کوئی معنائقہ نہ کرینگے او تمہین مسلم رکھینگے کہ وہ بہ نسبت میرے قریب تر ہین"

حسن بھیجے گئے اور انکے ایک اشارہ نے اثر کیا

ابن عباس نے واپس آکر تمام مکالمہ علی سے عرض کیا۔ علی نے دوسرے دن حسن کو بھیجا اور انہونے کہا "امیر المومنین سوگند یاد می کند بدان خدائے کہ خلق آفریدہ اوست کہ اگر این ساعت برنہ خیزی و بجانب مدینہ باز نہ گردی سخنے کہ میدانی در حق تو بگویم و عایشہ دران ساعت سر را شانہ می کرد و گیسوئی راست بافتہ بود و چپ ماندہ چون حسن رضی اللہ عنہ این بگفت گیسوئے چپ نا بافتہ بگذاشت و بر پائے جست و گفت بشتابید و راحلہ من بیارید تا بجانب مدینہ روم" صاحب روضۃ الاحباب نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک عورت اسوقت موجود تھی اُس نے کہا کہ آپ نے ابن عباس اور خود امیر المومنین کو سخت جواب دیئے اِس لڑکے کے کہنے سے اِس قدر مضطرب ہونیکی کیا وجہ ہے اور قسم دی۔ حضرت عایشہ نے فرمایا جس رمز کا علی نے اشارہ کیا ہے اُس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک دن تقسیم غنیمت مین ہم لوگ زیادتی کی درخواست کر رہے تھے کہ علی نے منع کیا اور ہم نے سختی سے جواب دیا علی نے یہ آیت پڑہی کہ "عسیٰ ربہ ان طلقکن ان تبدلہ ازواجا خیراً منکن" پھر ہمنے سختی کی اور رسول نے فرمایا کہ "این زنان را بدست تو کردیم ہر کرا از ایشان طلاق دہی ہیچکس از من نباشد و از جبالہ من بر طرف گردد و این طلاق را وقتے معین نہ کردہ کہ در حالت حیات من یا بعد از وفات من دہی از زنان می ترسم کہ اگر این ساعت اشارت علی گوش نہ دارم علی طلاق گویا انگاہ ہیچکس مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ را نباشم و از دولت ابدی محروم باشم"

فتح جمل کا فائدہ

جمل کی فتح نے جناب امیر کو اس قدر موقع دیا کہ وہ گردو پیش کی دشمنون سے ایک گونہ مطمئن ہو جائین اور اُنھین اچھی طرح پہچان لین۔ یہ بھی ہوا کہ عطائی امان سے بہت سے زخمی دشمنون۔ دشمنون اور منافقین نے بیعت کی اور کہا جاسکتا تہا کہ بجز شام کے تمام صوبجات پر جناب امیر کو اختیار حاصل ہو گیا۔ جناب امیر نے بقیہ مقامات پر اپنے عامل کو روانہ بہی کئے۔

رجب ۳۶ھ
کوفہ اور استقبال

امداد اور سرداران لشکر نے بعد ختم جنگ سوال کیا کہ "امیرالمومنین اب کس طرف توجہ فرمائینگے کہ ہم بھی مستعد ہیں" اور جواب ملا کہ اس وقت کوفہ چلنے کی صلاح ہے اسکے بعد جو مصلحت ہوگی ویسا کیا جائیگا اور نہ صرف وہ سردار۔ شرفا اور سائر انکے لشکر جو کوفہ کے تھے اور اس وقت شریک فوج تھے خوش ہوئے بلکہ خود جو کوفہ میں تھا انہوں نے نہایت مسرت اور خوشی سے استقبال کیا۔ جناب امیر قصر امارت میں فروکش نہ ہوئے بلکہ جعدہ ابن ہبیرہ کے مکان کو پسند فرمایا اور یہاں عابدین سلام کے لئے حاضر ہوئے۔ اور جناب امیر نے اکثر سے فرمایا کہ "اگرچہ تو بھی ہمارے مخالفین میں سے تھا مگر آج مخلص ہو"

جنگ صفین کا مقدمہ
جزیرہ کی چھیڑ چھاڑ

جناب امیر کو معلوم ہوا کہ ولایت جزیرہ کے لوگوں نے عثمان کی ہوا خواہی کے لحاظ سے یہ مناسب سمجھا کہ معاویہ سے بیعت کر لیں۔ امیرالمومنین نے مالک اشتر کو اسکا عامل مقرر فرما کر روانہ کیا۔ ضحاک ابن قیس الفہری معاویہ کا معتمد سردار اُس وقت حران میں تھا۔ اُس نے اہل رقہ سے مدد طلب کی اور لکھا کہ مالک اشتر کو داخل ہونے نہ دو۔ رقہ اور حران کے لشکروں نے ملکر مالک اشتر پر حملہ کیا لیکن اشتر نے شکست دی اور ضحاک کو امیر شام سے کمک طلب کرنی پڑی۔ اشتر کے پرانے دوست عبدالرحمن ابن خالد ابن ولید فوج شام کی مدد کے لئے آئے لیکن شام کے مجموعی لشکر کو آج وہ موقع نہ ملا جو اشتر کے ساتھ حمص میں ملا تھا۔ شام سے پھر مدد آئی اور پھر اشتر کی تلوار نے سب کو شام کی سڑک دکھا دی۔ جزیرہ قبضہ میں آگیا اور اشتر نے واقعات کی باضابطہ اطلاع بھیجی۔ حالات کے ملاحظہ پر امیرالمومنین نے حسب ذیل خطبہ فرمایا:۔

فتح جزیرہ کی اطلاع پر
جناب امیر کا خطبہ۔

"خداوند عالم اپنے بندوں سے بجز اسکے راضی نہیں ہوتا کہ وہ براہ حق کے سالک ہوں اور جب تک آپس میں دوستی اور موافقت رہتی ہے اور ایک دوسرے پر طعن و تشنیع نہیں کرتے اُس وقت تک اُنکے قبضہ سے انتظام اور حکومت نہیں نکلتی۔ جب اسکے خلاف کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو افعال ناپسندیدہ اور افعال ناستودہ سے نسبت دیتے ہیں کاموں میں خلل واقع ہوتا ہے جسکا نتیجہ تباہی ہے۔ ضرورت خطاب یہ کہ معاویہ نے اہل شام کو شک میں ڈال رکھا ہے اور اُنکے دلوں کو میری اطاعت اور بیعت سے پھیر دیا ہے اور کہا ہے کہ علی ابن ابیطالب نے عثمان کو قتل کیا۔ یہ بڑا کام میرے سپرد کیا ہے۔ اس بنیاد پر میری مخالفت میں اُس نے مالک اشتر سے لڑائی کی۔ فوج بھیجی جو جزیرہ کا عامل ہو گیا تھا۔ اور لشکر جمع کر کے مجھ سے لڑنے کا قصد کر رہا ہے۔ یہ صلاح معلوم ہوتی ہے کہ اُسے نصیحت کروں اور خط لکھوں شاید اُسپر اثر ہو اور لڑائی کے خیال کو فسخ کر دے۔ اسمیں تمہاری کیا صلاح ہے"۔

حاضرین نے جواب دیا کہ "امیر المومنین کی رائے نہایت صائب ہے ہو گی آپکے ایسے معاملے میں جیسے رسول تھے"۔

معاویہ سے خط و کتابت

جناب امیر اور معاویہ میں جس قدر خط و کتابت ہوئی وہ بہت زیادہ ہے جو نہ صرف عام تاریخون میں ملتی ہے بلکہ وہ نہج البلاغہ میں بھی موجود ہے۔ اسکا کوئی نتیجہ نہوا اور فریقین تلوار سے فیصلہ کیلئے آمادہ ہوئے۔

جناب امیر اپنے عمال سے مدد طلب کرتے ہیں۔

جناب امیر نے اپنے عاملون کو اپنی ممکن فوج کے ساتھ حاضر ہونے کا حکم بھیجا اور انھین مین اشعث ابن قیس کندی کے نام بھی تھا جو اُن دنون آذربائجان کا عامل تھا اسے عبداللہ ابن عامر کریز نے اُس وقت مقرر کیا تھا جبکہ ابن عامر عثمان کے پاس مشورہ کے لئے آیا تھا۔

علی کا فرمان اور اشعث ابن قیس۔

یہ اُسوقت سے برابر آذربائجان مین رہا۔ جب امیر المومنین کا فرمان پہونچا تو بقول اعثم کوفی وہ سوچنے لگا کہ امیر المومنین کے پاس جائے یا معاویہ سے ملجائے کہ حساب فہمی سے محفوظ رہے۔ اِس نے اپنے اعزا اور مقربین سے اپنا تردد بیان کیا اور سبنے اسے امیر المومنین کی خدمت حاضر ہونیکی تساہلی پر ملامت کی اور یہ شرما کر مع سامان روانہ ہوا۔ اور شرف قدمبوسی حاصل کیا۔ جریر ابن عبداللہ البجلی عامل ہمدان بھی حاضر ہوا اور یہ معاویہ کے پاس بغرض فہمائش روانہ کیا گیا۔

عمرو عاص پر علی کی بیعت کا اثر۔

اِس اثنا مین عمرو ابن عاص بھی انتظار کا جو اکھیل رہا تھا اور بقول ابن خلدون جب "علی کی بیعت کا حال سُنا سخت رنجیدہ ہوئے" "اور جب عائشہ کے خروج کی خبر لگی تو یہ اِس سے ایک گونہ انکی طبیعت کو شگفتگی ہوئی" "اور جب عائشہ کو شکست ہوئی تو" "انکے حالات مین تذبذب واقع ہوا" "اور جب اہل شام اور معاویہ کو خون عثمان کا معاوضہ طلب کرتے ہوئے پایا دل ہی دل مین خوش ہوئے"۔

اِسکے بعد عمرو عاص کا بیٹون سے صلاح لینا انکی رائے۔ غلام کا فقرہ۔ عمرو عاص کا جناب امیر کی مدح کرنا۔ معاویہ کے پاس جانا۔ مکالمہ اور شرکت کے صلہ مین مصر کی دستاویز کا لکھا جانا قریب قریب تمام تاریخون مین پایا جاتا ہے۔

معاویہ اور عمرو عاص کے تصفیہ کے بعد ابن عاص کے ایک چچازاد بھائی نے اُسے ملامت کی کہ تو نے دین کو دنیا کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اسپر ابن عاص نے ہنسکر جواب دیا۔

"وہ اسے برادر کار دنیا حکم تقدیر سے وابستہ ہین نہ یہ معاویہ اور نہ علی کے ہاتھ مین ہین میں نے کوشش کی کہ شاید موافق ہو جائے اور نام و نصیب حاصل ہو"۔

ابن عاص کا ابن عم شام سے روانہ ہوکر کوفہ مین آیا اور امیر المومنین کی خدمت مین حاضر ہو کر صورت معاملہ عرض کی۔ اگرچہ خود جناب امیر طے کرچکے تہے کہ معاویہ کی فوراً خبر لینی ضروری ہے لیکن صلاح لینے پر معلوم ہوا کہ کچھ لوگ عجلت اور اکثر لوگ توقف چاہتے تہے۔ بنابرآنکہ جناب امیر نے فرمایا:۔

اثنائے سفارت مین تیاری جنگ

"اہل شام سے لڑائی کیلئے میرا مستعد ہو جانا حالانکہ میرا قاصد جریر اُنکے پاس موجود ہے گویا اُن لوگون کیلئے درجعت بند کر دینا ہے اور گویا مین اہل شام کو اگر وہ اطاعت کا ارادہ بہی رکہتے ہون روک رہا ہون ..... ہان مین تمہاری تیاری جنگ کو بُرا اور مکروہ نہین سمجہتا"۔

جریر کو تاکیدی حکم

اسکے بعد جناب امیر نے جریر کے نام حکم بہیجا کہ معاویہ سے گفتگو ختم کیجائے اور جریر نے معاویہ کو امیر المومنین کے حکم کی اطلاع دی۔ معاویہ نے عمرعاص سے صلاح کی۔ سوچا گیا کہ علی سے بیعت نکرنے مین خطرہ ہے لیکن طے یہ کیا گیا کہ شرجیل ابن سمط الکندی جو روسائے شام مین سے اسوقت حمص مین سکونت پذیر تہا بلایا جائے اور چند مقبول القول گواہ تیار رکہے جائین جو یہ کہین کہ علی نے عثمان کو قتل کیا۔ بشر ابن ارطاۃ۔ حمزہ ابن مالک حابس ابن سعد الطائی ابوالاعور اسلمی۔ یزید ابن انس وغیرہ شہادت دینے پر راضی کر لئے گئے۔

شرجیل کیلئے گواہونکی تیاری۔

شرجیل بلایا گیا اور تیار شدہ نقل بغیر غلطی کے کیگئی۔ اور شرجیل نے جواب دیا کہ "اب ہم مین اور علی مین بجز تلوار کے اور کسی چیز سے معاملہ نہین ہو سکتا"۔ جریر نے اسکی تقریر سنی اور اُسے سمجہایا لیکن اُس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اب معاویہ نے جریر سے کہا:۔ "تو نے اہل شام کی رائے سنی اور دیکہی اب تو نے جو کچہ دیکہا یا سنا ہو اُسے جاکر علی سے بیان کر"۔ اسکے بعد شرجیل نے صلاح دی کہ اس امر مین بغیر موافقت عوام کام نہ چلیگا اور اپنے زیر اثر شہرون مین تقریرین کین اور منادی کر دی کہ "علی ابن ابیطالب نے عثمان کو قتل کیا۔ امت رسول مین تفرقہ ڈالا۔ بصرہ مین قتل عام کیا۔ اب تمہاری طرف رخ کیا ہے کہ تمہین گہرون سے نکال دے اور رنج و مشقت مین گرفتار کرے۔ کوئی بجز معاویہ کے مقابلہ کی طاقت نہین رکہتا اس لئے تم سب لوگ اپنے دشمن کے دفع کرنے کیلئے معاویہ کی مدد کرو"۔ اسی زمانہ مین عبداللہ ابن عمر خطاب بہی شام تشریف لائے اور امیر شام نے کمال اظہار مسرت سے عمرعاص سے کہا "مجہے معلوم ہوا کہ عمر ابن خطاب پہر سے زندہ ہوگئے (لوگون سے مخاطب ہو کر) اگر یہ علی سے کشیدہ نہ ہوتے تو ہرگز میرے پاس نہ آتے اب ہمارے پاس انکی موجودگی سے لوگون کا اعتقاد بڑہیگا"۔ عمرعاص نے کہا:۔

علی کے خلاف برانگیختگی کیلئے الزامات کا اعلان

"یہ تیری موافقت سے نہین بلکہ علی سے بہاگ کر آئے ہین"۔ اسکے بعد ابن عمر کیلئے تقریرین مشہاس اور وعدہ وعید کا اہتمام کی حدتک اہتمام کیا گیا اور اُن سے چاہا گیا کہ تم منبر پر علی کی مذمت کرو اور کہو کہ انہون نے

عثمان کو قتل کیا۔ ابن عمر نے مشق شامی کو قبول کیا لیکن منبر پر جاکر چپ ہوگئے اور اُتر آئے جب پوچھا گیا تو کہا کہ "مین نہ چاہا کہ منبر پر جھوٹ بولون"۔

کسنے معاویہ کی دعوت قبول کی اور کس نے نہ کی

امیر شام نے عبداللہ ابن عمر۔ سعد ابن وقاص۔ محمد ابن مسلمہ انصاری وغیرہ کو اپنا ساتھ دینے کے لئے بلایا لیکن اِن سب لوگون نے اسے سخت جواب دی بقول روضۃ الصفا۔ شہود ابو ہریرہ۔ ابو دردا۔ ابو اُسامہ اور نعمان ابن بشیر الانصاری نے معاویہ کی دعوت قبول کی اور اب معاویہ نے اہل شام کے سامنے خطبہ دیا اور کہا :۔

معاویہ علی کے مقابلہ مین اپنی فضیلتون کا رجز پڑھتا ہے۔

"تم لوگ بیان کرو کہ علی کو مجھپر کس بات سے فضیلت ہے۔ مین رسول کا منشی تھا۔ میری بہن اُنکے گھر مین تھی۔ مین عثمان کا نائب اور عامل تھا۔ میری مان ہندہ دختر عتبہ ابن ربیعہ ہے۔ اگر اہل حجاز و عراق نے علی سے بیعت کی ہے تو اہل شام نے میری بیعت کی ہے۔ ہم مین اور علی مین کوئی فرق نہین ہے۔ اگر دو شخص کسی چیز کے بارے مین جنگ کرین تو وہ چیز اُسکی ہے جو غالب ہو" اور پھر علی کو خط لکھا کہ "پہلے اہل حجاز اجرائے احکام حق کے حاکم تھے اب وہ اختیارات شام مین منتقل ہوگئے"۔ اور بہت سی خط کتابت کے بعد علی نے جواب دیا کہ "تو اپنے باپ کا بیٹا نہ ہوتا اگر اُسکے افعال کی تقلید نہ کرتا"۔ اگر معاویہ نے لکھا کہ ہم اتنے سوار اور پیادے لا رہے ہین لڑنے کو تیار رہو۔ تو علی نے جواب دیا کہ "وہ ہاتھ جس نے تیرے دادا عتبہ چچا شیبہ خالو ولید اور بھائی حنظلہ کو قتل کیا ہے ابھی ویسا ہی سالم ہے"۔ یا کبھی فرمایا کہ :۔

"حقیقت یہ ہے کہ تو نے عثمان کی وہان مدد کی جہان تجھ کو اُسکی مدد سے فائدہ پہونچا اور اُس مقام پر اُسکی امداد سے ہاتھ اُٹھا لیا جہان اُسے تیری امداد سے فائدہ پہونچ سکتا تھا"۔

فوجین روانہ ہوئین معاویہ کے انتظام فوج مین لحاظ طلب بات یہ تھی کہ مروان ابن حکم عثمان کی تلوار حمایل کئے ہوئے فوج کے آگے آگے رکھا گیا تھا۔

مروان ابن حکم عثمان کی تلوار لگائے تھا

جناب امیر نے فوجی احکام کے ساتھ اپنے سرداران لشکر کو روانہ کرنا شروع کیا۔ اپنے مقدمۃ لشکر کے افسر زیاد ابن نصر اور شریح ابن ہانی سے فرما دیا کہ "دیکھنا قبل اسکے کہ دشمن تمہین لڑائی کے لئے میدان مین طلب کرین قبل اِس کے کہ اُنکے عذر تمام ہون کہین اُنکے سینون مین جوش کھانے والی دشمنیان تمہین اُنکے ساتھ جنگ و قتال پر آمادہ نہ کرین" اور یہ احتیاط بھی افسر دونین کو مالک اشتر نے ابو الاعور کا انکاری خط ثبوت کے لئے امیر المومنین کے دکھانے کو اپنے پاس رکھ لیا۔

صفین مین جناب امیر کا خواب

جناب امیر کا خواب جسے مین نے مقدمہ کتاب مین ذکر کیا ہے صفین کی روانگی کے زمانہ مین تھا جسے ملا جامی ان لفظون مین بیان فرماتے ہین "بکربلا رسید برا است وچپ نگریست وگریان گریان ازانجا بگذشت پس گفت واللہ انیست محل خوابانیدن شتران ایشان وموضع مردن ایشان۔ اصحاب گفتند ای امیر المومنین این چہ موضع است فرمود کہ این کربلا است۔ اینجا قومے را بکشند کہ بے حساب در بہشت درآیند بعد ازان برفت و ہیچکس تاویل سخن وی ندانست تا آن روز کہ واقعہ امیر المومنین حسین رضی اللہ عنہ واقع شد" صاحب سر الشہادتین فرماتے ہین کہ "اور برملا ذکر کیا امیر المومنین کرم اللہ وجہہ نے صفین کے سفر مین"۔

اعثم کوفی یہ ذکر کرتے ہوئے کہ فرات کے کنارہ تشریف رکھتے تھے اور نیند آگئی تھی "بعد ران زمان بیدار گشت چنانکہ کسی از چیزے ترسیدہ باشد بعد ران حالت ابن عباس را بخواند وفرمود ای عبد اللہ عجب خوابے دیدہ ام ... دیدم کہ جماعتے از مردان سپید در دست از آسمان می آمدند ... پس این درختان خرما را دیدم کہ شاخہائے خویشتن بر زمین میزدند وجوے دیدم کہ پُر از خون تازہ می رفت وحسین پسر من ادرا دیدم در میان جوے خون افتادہ وفریادی خواست وادرا کس بفریاد نمی رسید ومددی جست وکسے اورا مددی نکرد پس آن مردان سپید روی را دیدم کہ منادی میکردند ومی گفتند صبر کنید ای فرزندان رسول خدا وبدانید کہ بر دست بدترین خلق کشتہ می شوید" اسکے بعد حسین کو قریب بلایا اور فرمایا "ای فرزند صبر کن اور صبر مین ثابت قدم رہ کہ دنیا محنت وبلا کی جگہہ ہے" مین نہین جانتا کہ جناب امیر کے دیوان کا یہ شعر کہ "حسین اذا کنت فی بلدۃ غریبا فعاشر بآدابہا" اور اسکے بعد کے اشعار اسی موقع کے لئے یا اسکے بعد کے لئے جنکا مفہوم یہ ہے کہ "خوشی نہ کر دنیا کے اسباب پر اور پریشان نہو اسکے رنج وغم سے۔ قیاس کرلینے والے کل کو گذشتہ کل پر تاکہ تو راحت پائے۔ اور حریصونکی طرح تلاش نہ کرے گویا کہ مین بذات خود مع اپنی اولاد کے کربلا اور کربلا کے مقام جنگ مین ہون۔ رنگین ہین ہماری ڈاڑھیان خون سے مثل رنگین ہونے عروس کے اپنے لباس مین۔ چند مصیبتین ہین کہ آمادہ کرینگی تجھکو پھر جانے پر بس آمادہ ہو انکے لئے انکے آنے سے پہلے ... اے حسین پریشان نہ ہو فراق احباب سے کہ دنیا تیری بربادی کے لئے پیدا ہے"

حسین کو صبر اور مصیبت آنیکے پہلے تیار ہونیکی نصیحت۔

معویہ کا لشکر فرات سے قریب اُترا تھا۔ جب امیر المومنین کے سپاہی پانی لینے گئے تو انہین شامیون نے روکا یہ خبر جناب امیر کو ہوئی۔ آپ نے شیث ربعی اور صعصعہ ابن صوحان کو بلا کر فرمایا کہ تملوگ معاویہ کے پاس جاؤ اور کہو کہ تیرے لشکر نے ہمارے خدمتگار اور چارپایون کو پانی سے روک دیا ہے۔ لشکر کے ساتھ ضعیف۔ کمزور اور

اہل شام نے فرات کا پانی روکا۔

جناب امیر پانی کو وجہ جنگ نہیں قرار دینا چاہتے تھے۔

ہوتے بھی ہیں۔ یہ مناسب ہو گا مسلمانوں سے پانی باز رکہا جائے۔ اگر ہم تیرے پہلے وارد ہوتے تو ہرگز منع نہ کرتے اسوقت دو باتوں میں سے ایک کرنی ہوگی یا تو ہمارے خادموں کو پانی لینے دے اور تیرا لشکر بھی بقدر ضرورت سیراب ہو۔ دونوں طرف سے ایک دوسرے کو پانی کی روک نہ ہو اور اگر مضائقہ ہے تو جس وجہ سے جنگ کی تیاری ہے اُسے ترک کرکے پیشتر پانی کے واسطے جنگ کریں جسے فتح ہو اُسپر قبضہ کرے"۔

صعصعہ اور ولید کی گرم گفتگو۔

یہ لوگ گئے اور معاویہ سے کہا لیکن ولید ابن عقبہ کی یہ صلاح پسند کیگئی کہ" اے معاویہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے چالیس روز تک عثمان کو پانی نہ دیا یہ لوگ مستحق عذاب ہیں۔ خدا اُنہیں اس عالم میں بھی پانی نہ دیگا"۔ یہ سنکر صعصعہ نے کہا" اے پسر عقبہ خدا تیرے ایسے کافروں کو جس نے گناہ کئے اور بدکار ہیں پانی نہ دیگا۔ تو نے شراب پی۔ مسجد جامع کوفہ میں بحالت مستی پیش نمازی کی اور صبح کی نماز چار رکعت پڑھی اور سلام پھیرنیکے بعد کہا کہ آج بہت خوش ہوں کہو تو دو چار رکعت اور اضافہ کردوں۔ عثمان نے تجھے حد ماری۔ تو نے علی سے مناظرہ کیا جسپر تیرے لئے کفر اور علی کے لئے مومنیت کی آیت نازل ہوئی اور تو مہاجر و انصار کے سامنے ذلیل ہوا"۔ اس پر ابن ابی سرح نے ولید کی حمایت کی اور تلوار کھینچی لیکن بیچ بچاؤ کردیا گیا۔

ابو الاعور گھاٹ کا محافظ تھا۔

ان لوگوں نے امیر المومنین سے حالات بیان کی اور اجازت جنگ طلب کی۔ اجازت دیگئی ابو الاعور نے روکا لیکن آخر میں بقول ابن خلدون" ہمراہیان امیر المومنین نے اس تیزی سے حملے شروع کئے کہ لشکر شام کے پاؤں اکھڑ گئے۔ دریائے فرات سے انکا قبضہ اُٹھ گیا۔ اشتر اور اُنکے ہمراہی پانی پر قابض ہوگئے۔ ان لوگوں کا بھی یہی قصد تھا کہ ہمراہیان معاویہ کو پانی نہ دیں۔ لیکن امیر المومنین علی نے اس سے منع کیا"۔

فتح کے بعد علی نے دشمن کے ساتھ حق بشری کا لحاظ کیا۔

امیر المومنین گویا ہمیشہ اس فکر میں رہتے تھے کہ ہم کب موقع پائیں اور نصیحت کریں نہ صرف اس واقعہ کے بعد آپ نے اپنے بعض نامی افسروں کو معاویہ کے پاس روانہ کیا بلکہ محرم تک لڑائی کو سختی سے جاری نہ کرنیکی وجہ بیان فرمائی کہ "شاید معاویہ سوچے اور مخالفت سے باز آئے"۔ اور پھر عدی ابن حاتم وغیرہ کو بھیجا اور اُنہوں نے کہا" اے معاویہ امیر المومنین علی کی اطاعت قبول کرو شاید اللہ تعالیٰ تمہارے بیعت کرنے سے مسلمانوں میں اتفاق پیدا کردے اور واقعی تمہارے سوا کسی اور شخص نے بیعت سے تخلف نہیں کیا"۔ یزید ابن قیس نے کہا" ہم تمکو نصیحت نہیں کرنے آئے ہیں لیکن اس امر کی فکر در کوشش کرینگے

کہ تفریق جماعت نہ ہونے پائے اور آپس مین ربط و اتحاد بڑھے"۔ اسکے بعد آپسمین سختی سے کلام ہوئی اور معاویہ نے بقول ابن خلدون "زیاد ابن حفصہ کو تنہائی مین لیجاکر امیر المومنین کی شکایت کی اور اُنکے قبیلہ سے مدد طلب کی اور یہ کہا کہ دونون شہرون مین جسکو پسند کروگے اُسکا مین تمکو والی کردونگا زیاد نے اس سے انکار کرکے کہا مین موید من اللہ ہون گناہگارون کا معین نہین ہوسکتا"۔ اسکے بعد معاویہ نے عمرو ابن العاص سے کہا مین انمین سے جس سے کچھ بات کہتا ہون وہ ایک ہی جواب دیتا ہے گویا ان سبھون کے دل ایک ہی ہین"

معاویہ کی پس پردہ کارروائی۔

اسوقت علی کے رفقا کی ہم آہنگی۔

معاویہ نے بھی امیر المومنین کے پاس شرحبیل وغیرہ کو بھیجا۔ اعثم کوفی نے قاتلان عثمان کی حوالگی کا سوال ابو ہریرہ اور ابو درداکی معرفت کرایا ہے۔ جناب امیر نے اُنکے آنے سے لاعلمی ظاہر فرماکر کہا کہ اگر سچے تعین ہو تو جس نے قتل کیا ہو اُسے گرفتار کرلیجا۔ روضۃ الصفا ابو درداوغیرہ کی فہرست مین قریب قریب اُن تمام لوگون کو داخل کیا ہے جو جناب امیر کے بڑے جان نثار تھے۔ ابو ہریرہ کسی ایک کے پاس گئے اور صورت معاملہ بیان کی۔ لشکر مین شور ہوا اور قریب دس ہزار سپاہی آمادہ جنگ ہوکر کہنے لگے:۔

قاتلان عثمان کی فہرست۔

"ہم سب نے عثمان کو قتل کیا ہے۔ وہ جب تک قاعدہ پر تھے اور حکم خدا اور رسول کی اطاعت کرتے تھے ہم سب مطیع تھے۔ جب اس سے تجاوز کیا اور مسلمانون کو دکھ دینا شروع کیا اور بنو امیہ کو مسلمانون پر مسلط کردیا تو ہم سب نے بالاتفاق قتل کیا اور سب شریک ہین"

دس ہزار نے اپنے کو قاتل عثمان کہا اور قتل کی وجہ بتائی۔

محرم کے بعد کے اعلان جنگ پر جو فوجی انتظام ہوا اُسمین حسین سواران میمنہ کی افسری مین اپنے برادر معظم کے شریک تھے۔

حسین کا شریک عہدہ

محرم ۳۷ھ

ابن خلدون نے بھی منبر مین۔ ضعفا اور عورتون کے متعلق صفین مین جناب امیر کے حکم کو نقل کیا ہے جسمین یہ زیادہ ہے کہ "کسی کا ستر نہ کھولنا اور نہ مثلہ کرنا اور نہ کسی عورت پر غصہ سے دست اندازی کرنا اگرچہ وہ تمکو گالیان دین کیونکہ وہ ضعیف النفس والقویٰ ہین"

صفین اعلان

ابن خلدون اور اعثم کوفی نے اُس روز کی جنگ مین جسمین معاویہ نے عبداللہ ابن عمر کو میدان جنگ مین بھیجا ہے اور امیر المومنین نے محمد ابن الحنفیہ کو حملہ اور لشکر کا افسر مقرر کیا تھا لکھا ہے کہ "عبداللہ ابن عمر نے صف لشکر سے علیحدہ ہوکر محمد ابن الحنفیہ کو مقابلہ کے لئے للکارا محمد ابن الحنفیہ جوش مردانگی مین آگے بڑھے لیکن امیر المومنین علی نے گھوڑا دوڑا کر واپس کرلیا"۔

محمد ابن حنفیہ کو ابن عمر کے مقابلے سے روکا۔

اعثم کوفی کو ایک دوسرا واقعہ لکھتا ہے کہ عبداللہ ابن عمر نے حسن کو طلب کیا۔ حسن میدان مین تشریف

حسن کو نہ روکا

لیگئے۔ اور انہین مسلح دیکہکر ابن عمر نے کہا:-

حسن اور ابن عمر کا مفید مکالمہ۔

"تمنے اسلحہ کیون پہنا۔ معاذ اللہ مجہے تم سے مخالفت نہ تہی بلکہ صرف ملاقات کرنی تہی اور اسکے ضمن مین کچہہ نصیحت کرنا چاہتا تہا"۔ حسن نے کہا "تمہین جو کچہہ کہنا ہو کہو"۔

کہا:-

"تمہارے باپنے قریش کے ساتہہ اچہی زندگی بسر نہین کی۔ اس لئے لوگ اُنکے دشمن ہین اور سب کہتے ہین کہ عثمان کو قتل کیا۔ مصلحت یہ ہے کہ تم علی کا ساتہہ چہوڑ کر ہمارے پاس چلے آؤ کہ ہم لوگ اتفاق کر کے خلافت تمہارے سپرد کرین سب مطیع ہو جائین اور خصومت بر طرف ہو جائے"!!

فرمایا

"تو چاہتا ہے کہ مین خلاف حکم رسول کرون اور خلیفۂ دوم رسول کا مخالف بنون۔ تیری آنکہو نمین بصیرت نہین رہی تو دین سے نکل کر ظالم۔ بد کردار۔ فاسق و مکار کے پاس گیا شاید تو بہول گیا کہ وہ اور اُسکا باپ ہمیشہ مسلمانونکا دشمن رہا۔ یہ سب خدا و رسول پر ایمان نہین لائے صرف مصلحت وقت پر نظر ڈال کر اپنی حفاظت کیلئے اِنلوگون نے کلمہ پڑہ لیا تو اب واپس ہجا اور تجہسے جہانتک ہو سکے کوشش کر کہ ہم خدا پر بہروسہ رکہتے ہین اور جب تک ممکن ہوتا ہے کسی کو نہین ستاتے"،

اور سپاہیوں کو ملانے کی کوشش۔

معاویہ اب نہ صرف علی کے اکثر سپاہیون کے ملانے کی کوشش مین رہا۔ مثلاً۔ خالد ابن معمر السدوسی کو امارت خراسان کی لالچ دی۔ جس وقت وہ شام کے فوجون کو معاویہ کے خیمہ تک ہنکا لایا تہا اور اسکے بعد تساہلی کرنے لگا بلکہ اب امیر شام نے یہ دیکہکر کہ ہمارے سپاہی اور افسر علی کے سپاہی اور افسرون کے ایسے شجاع اور پُر جوش نہین ہین اور ترکیبین اختیار کین۔ مثلاً نعمان ابن جبلہ قضاعی کو جسکا میلان علی کی طرف تہا اور امیر شام سے صاف نہ تہا بلایا۔

معاویہ آخری حیلے کر رہا تہا۔

استغاثہ کیا۔ بیٹا بنایا اور چاہا کہ تو اپنے بڑے قبیلے سے ہماری مدد کر نعمان مارا گیا۔ اور کبہی ابن الخطاب سے کہا کہ آج تمہین کچہہ کرو کہ اہل شام خوش ہون یہ بہی مارے گئے نہ اسکے قبل کہ

ابن عمر قتل ہو گئے۔

بقول ابن خلدون یہ کہہ چکے ہوتے کہ اے اہل شام یہی لوگ امیر المومنین عثمان کے قاتلین ہین ذرا خدا کا خیال کرو۔ ایسی مردانگی پر امیر المومنین عثمان کے خون کا بدلہ لینے کو آئے تہے"،

معاویہ کو موقع ملا

اِنکے مارے جانے سے وہ موقع ملا جسکے حاصل کرنے کے لئے انہین قتل کرا دینا مفید تہا۔ معاویہ نے اظہار غم مین مبالغہ کیا اور سرداران لشکر نے متاثر ہو کر انتقام پر آمادگی ظاہر کی۔ اسّی نشان فوج کے پیچہے فوجین جمع تہین اور ایک بڑا نشان آگے آگے چلا۔ عبرتناک جنگ ہوئی جسمین تلوارین۔ نیزے اور چہریان ٹوٹین اور بیکار ہوئین یہان تک کہ سپاہیون نے دانتون سے بوٹیان کاٹین۔ عمار یاسر بلند آواز سے کہہ رہے تہے کہ "جو شخص

اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرے اُسے چاہئے کہ وہ مال و اولاد کی طرف واپس جانیکی امید نہ رکھے۔ اور امیرالمومنین کے سپاہی جواب دیتے تھے کہ ہمارے ساتھ ہو کر ان لوگوں پر حملہ کرو جو خون عثمان کے طالب ہیں اور اس ذریعہ سے اپنی دلی باطل خواہشات کو پھیلاتے ہیں"، انکے ساتھ اصحاب رسول کی سپیلی جھکی ابن عاص دکھائی دیا اور اُس سے کہا" اے عمرو تف ہو تجھ پر تو نے اپنے دین کو مصر کے عوض فروخت کر ڈالا"! جنگ ہوتی رہی یہاں تک کہ رسول کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ" عمار کو گروہ باغی مار یگا"۔

قومی تمیز

رسول کی پیشگوئی پوری ہوئی

امیرالمومنین کا یہ شغل تھا کہ کبھی انکی تلوار گردو پیش موت برساتی تھی۔ کبھی گھوڑے سے اتر کر کسی مقدس مجاہد کو دم توڑتے لینے کے لئے اپنا زانو عنایت فرماتے تھے اور کبھی کسی مرتے ہوئے سپاہی کا آخری سلام لیتے تھے۔

جناب امیر کا شغل

لشکر شام کی ہمتوں کے پرزے جدا ہوگئے تھے اور اُنپر عام یاس اور خوف طاری تھا یہاں تک کہ معاویہ کو ان الفاظ سے تسکین کی ضرورت ہوئی کہ" اگر ذوالکلاع (حمیری) ہمارے لشکر سے مارا گیا تو علی کے لشکر سے عمار یاسر قتل ہوا۔ اگر حوشب (ذوالظلیم) کا حادثہ ہوا تو ہاشم بن عتبہ بھی زندہ نہیں ہے۔ اگر عبداللہ ابن عمر الخطاب قتل ہوئے تو عبداللہ ابن بدیل بھی مارے گئے۔ اور لیکن سبب ہے کہ ہم لوگ دلتنگ نہ ہوں بلکہ خوش ہوں کہ تین آدمی سے جنکا عرب میں نظیر نہ تھا خلاص ہوئے اب تین آدمی اور رہ گئے ہیں۔ اشتر نخعی۔ اشعث ابن قیس و عدی ابن حاتم کوشش کرو کہ یہ بھی تمام ہو جائیں"۔

لشکر شام کی حالت

معاویہ کو علی کے لشکر کی کن کی فکر تھی۔

میدان جنگ میں اب شام کا تعبیہ اور نظام فوج بھی قائم نہ رہتا تھا اور غالباً اشتر کی مخلصانہ رقابت گوارا نہ کرتی تھی کہ اُسکی شمشیر زنی جناب امیر کے ناقابل مقابلہ قوی نفس کی موجودگی سے اپنے درجہ سے دھندلی پڑ جائے۔ اور وہ مطیعانہ لجاجت سے کہہ اُٹھتا تھا کہ" یا امیرالمومنین خوش ہو جئے کہ میدان ہمارے ہاتھ سے نزدیک ہے کہ ہم تھوڑی ساعت ہی میں فتحیاب ہوں۔ آپ سعادت واپس ہوں کہ سرداران لشکر آپ کو ڈھونڈ رہے ہیں"۔

مالک اشتر اور علی۔

بہادر اشتر دیکھتا ہے کہ حسن حسین محمد حنفیہ۔ محمد ابن ابوبکر اور عبداللہ ابن جعفر کی تلواریں سُرخ ہو رہی ہیں اور اب اپنے رجز میں انکی مدح بھی شامل کر لیتا ہے۔

حسین شریک جنگ ہیں

اعثم کوفی کے مطابق معاویہ اب امیرالمومنین کو خط لکھتا ہے جس میں قتل عام کے تذکرہ کے بعد گذارش کرتا ہے کہ ہم اپنے صوبہ پر رہنے دیئے جائیں اور ہم سے بیعت طلب کی جائے تو لڑائی موقوف ہو جائے۔ اور جناب امیر فرماتے ہیں کہ ابھی یہ معرکہ تمام نہیں ہوا تو نے کونسا نیا حق قائم کر لیا ہے کہ دوبارہ یہ اعتدعا کرتا ہے

شام پر تیرے قایم رہنے کی درخواست بغیر میری بیعت کے ممکن نہین ہو"

معاویہ علی سے دست بدست جنگ سے دور رہا

جناب امیر نے علاوہ خطوط اور متواتر سفارت کے یہ بھی چاہا کہ خود اور معاویہ مین دست بدست جنگ سے فیصلہ ہوجائے اور عمر عاص نے بھی جو اپنے مشہور غیرت دارانہ تفنن سے علی کے ہاتھ سے بھاگ نکلا تھا امیر شام کو غیرت دلائی لیکن معاویہ نے ہنسکے ٹال دیا۔ امیر المومنین نفسًا جنگ کیلئے آمادہ ہوئے۔ اور اپنے سپاہیون سے فرمایا:۔

علی مجبوراً حملہ کیلئے آمادہ ہوگئے ہین۔

"یہ قوم اگر دین کے حدود کو معطل نہ چھوڑتی۔ باطل کی سعی اور وسوسہ شیطانی سے خدا کی نعمتون کا کفران نہ کرتی تو مین کبھی میدان مین قدم نہ رکھتا۔ لیکن مین مجبور ہون کہ بہ ضرورت اس قوم کی ہدایت کرنی ہوگی اور طریقہ دین کی طرف بلانا ہوگا۔ حالت یہ پہونچی ہے کہ بغیر جنگ کے چارہ نہین۔ صبر نہایت اچھی چیز ہے علی الخصوص جنگ مین۔ عجز اور کاہلی سے کسی کا نام نہین ہوا۔ ان دو خصلتون سے ادبار اور رنج ہوتا ہے۔ نصیب اور اقبال کارکنی اور محنت کشی سے حاصل ہوتا ہے۔ صبر اور نصرت کو ایک دوسرے سے قریبی تعلق ہے۔ ثبات اور وفا سے مشکل کام سہل ہوجاتے ہین"

اٹھارہ ہزار کا حملہ اور اُسکا اثر۔

اسوقت اٹھارہ ہزار سپاہی جان دینے اور جنگ کرنیکے لئے مستعد ہوئے۔ اشتر آل منبج کو بڑہاتا ہوا۔ ابن عباس بصرہ کے سپاہیون کے ساتھ۔ قیس ابن سعد اپنی قوم اور علی حجازیون کی فوج کے ساتھ بڑھے۔ عدی ابن حاتم رکاب مین حاضر رہا اور اس حکم نے فوج مین گشت کی کہ جون ہی مین حملہ کرون یہ اٹھارہ ہزار آدمی اس طرح حملہ کرین کہ سب کا حملہ ایک کا حملہ سمجھا جائے۔ یہ خاموش لیکن عظیم لشکر بڑھا۔ ذوالفقار کی نرم خمیدگی نے کسی طرح اسکی ہیبت مین کمی نہ کی تھی۔ اٹھارہ ہزار تلوارین پیچھے چمک رہی تھین جنپر سپاہیون کے ہاتھ کی گرمی اور جوش نے صیقل کیا تھا۔ اس افسوس سے کام نہین چلیگا کہ عکسی متحرک تصویر کے فن کی ایجاد کیون نہ ہوئی تھی کہ یہ جلالت خیز منظر دکھائی دیتا۔ سوچو کہ لشکر شام دلکی کس حالت سے اس امنڈتے ہوئے دریا کا انتظار کرتا ہوگا۔ شاعرانہ تصویر کشی کی ضرورت نہین ہے جس وقت اس لشکر نے پہلا حملہ کیا تو عمر عاص چیخ اُٹھا کہ " اگر علی نے ایک حملہ ایسا ہی کیا تو لشکر کا کہین نشان نہ ملیگا"

عمر عاص کی چیخ۔

ایک دن کے مقتول

ان لڑائیون مین کوئی لڑائی ایسی ہی تھی جسمین فریقین کے ۳۶ ہزار مارے گئے اور غالبًا وہ کوئی دوسری لڑائی لیلۃ الہریر کی آخری لڑائیون کے علاوہ نہین ہوسکتی تھی مالک اشتر نے شام کے علمدار کو قتل کیا شامی نشان سرنگون ہوگیا۔ اور امیر المومنین نے پیہم مدد بھیجنی شروع کی۔ اہل شام کی فریاد

اہل شام کی فریاد۔

رحم کے لئے بلند ہوئیں اور بقول ابن خلدون "عمر عاص اشتر کے حملے سے گھبرا گئے اور اپنے ہمراہیوں کے کشت و
خون سے ڈر کر معاویہ سے کہا کیا دیکھتے ہو تمہارے ہاتھ میدان نہ آئیگا لوگوں کو حکم دو کہ قرآن شریف کو نیزوں پر
اٹھائیں اور آواز بلند سے کہیں ہمارے تمہارے درمیان یہ قرآن شریف ہے اگر اسکو وہ لوگ منظور کرینگے
تو سردست لڑائی بند ہو جائیگی کشت و خون سے نجات ملجائیگی اور اگر انمیں سے بعض لوگوں نے اس سے اختلاف
کیا تو انکے اختلاف سے بھی ہمکو فائدہ ہو پہنچیگا چنانچہ مصاحف نیزوں پر اٹھائے گئے لوگوں نے کہنا شروع کردیا
ہم کتاب اللہ کے فیصلہ کو منظور کرتے ہیں۔ امیر المومنین علی نے للکارا۔ اے اللہ کے بندو اپنے حق کے حاصل کرنے
کو بڑھو اور دشمنوں سے جنگ کرنے میں تامل کرو کیونکہ معاویہ۔ ابن ابی معیط۔ حبیب۔ ابن ابی سرح۔ ضحاک نہ
صاحب دین و قرآن ہیں اور نہ صاحب ایمان ہیں۔ ہم انکی حالت سے بخوبی واقف ہیں۔ ہم انکے لڑکپن اور بڑے
ہونیکے بعد بھی صحبت میں رہے ہیں۔ لڑکپن میں وہ نہایت شریر لڑکوں میں سے تھا اور سن شعور میں پہونچکر بھی بد ترین
آدمیوں سے ہوا۔ افسوس ہے تمکو سمجھ نہیں پڑتا۔ ان لوگوں نے قرآن شریف کو براہ مکر و فریب اٹھایا ہے
لوگوں نے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم کتاب اللہ کی طرف بلائے جائیں اور اسکو منظور نہ کریں۔ امیر المومنین نے
ارشاد کیا۔ ہم لوگوں سے اس لئے لڑتے ہیں کہ کتاب اللہ پر عمل کریں کیونکہ انہوں نے اسکو پس پشت ڈالدیا ہے
مسعر ابن فدک تمیمی اور زید بن حصین الطائی مع ان لوگوں کے جو بعد کو خوارج ہو گئے تھے بولے۔ اے علی کتاب اللہ
کو منظور و قبول کرو ورنہ ہم تمکو چھوڑ دینگے اور تمہارے ساتھ وہی برتاؤ کرینگے جو ابن عفان کے ساتھ ہم نے
کیا تھا۔ امیر المومنین علی نے فرمایا اگر تم میرے مطیع ہو تو برابر لڑتے رہو اور اگر باغی ہو اچاہتے ہو تو جو تمہاری
سمجھ میں آئے وہ کرو"

خوارج نے اب اشتر کو میدان جنگ سے واپس بلانے پر زور دیا اور اشتر نے جسپر اب تک واقعات واضح نہ
ہوئے تھے نہایت صحیح کہا کہ "یہ وقت میری طلبی کا نہیں ہے اور نہ یہ مناسب ہے کہ میں موقع جنگ سے ہٹایا جاؤں مجھے
تو امید ہے کہ اللہ تعالی مجھے فتح و نصرت عنایت فرمائیگا" خوارج نے پھر زور دیا۔ پھر قاصد گیا اور جناب امیر نے
کہلوایا کہ جہانتک جلد ممکن ہو میرے پاس آجاؤ کیونکہ فساد کا دروازہ کھلگیا۔ اشتر نے دریافت کیا کیا قرآن کے
اٹھانے سے؟ یزید (قاصد) نے جواب دیا ہاں۔ اشتر بولے مجھے اسکا خیال پہلے ہی ہوا تھا کہ لوگوں میں
اختلاف پڑ جائیگا اور مجموعی حالت جماعت کی باقی نہ رہ جائیگی۔ میں کیسے ان لوگوں کو چھوڑ کر واپس چلوں
اللہ تعالی کی عنایت سے فتح ہوا ہی چاہتی ہے۔ یزید نے کہا۔ کیا تم اسے دوست رکھتے ہو کہ تم تو فتحیاب ہو

حیلۂ قرآن

علی دشمن کے فریب سے آگاہ اور حصول حق کیلئے آمادہ کرتے ہیں۔

لشکر کی مخالفت

اشتر کی طلبی اور انکا جواب

آخری پیغام اور اشتر

اور امیر المومنین دشمنون کے حوالہ ہوجائین یا شہید کرڈالے جائین۔ اشتر یہ سنتے ہی مسعود غیرہ کے پاس چلے آئے اور انسے مخاطب ہوکر کہا اے اہل عراق بڑے افسوس کا مقام ہے کہ جس وقت اللہ تعالی نے تمکو ان لوگون پر غالب کیا اُسوقت تملوگ اہل شام کے فریب مین آگئے۔ ... عجب تہا کہ باہم جنگ چھڑجاتی لیکن امیر المومنین علی کرڈانٹنے سے وہ شور وغل فرو ہوگیا۔"

کسنے پہلے مخالفت کی

اعثم کوفی کے موافق پہلا شخص اشعث ابن قیس کندی تہا جسنے لڑائی روک دیے کا زور ڈالا اور اس شورانگیز گفتگو کو سنکر جناب امیر نے جواب دیا کہ "اے قوم کیا وہ پہلا شخص جس نے قرآن کو قبول کیا مین نہین ہون اور کیا مین شروع ہی سے یہ نہین کہتا تہا لیکن فرق یہ ہے کہ کل حکم دیتا تہا لیکن آج مامور ہون۔ کل منع کرتا تہا۔ آج منع کیا جاتا ہون۔ مین کیا کہون کہ تم مین اختلاف دیکہہ رہا ہون۔ کہہ رہا ہون کہ یہ معاویہ کا فریب ہے اور وہ اپنے کو اس حیلہ سے خلاص کیا چاہتا ہے۔ مین نے تم سے اصل بات کہدی آیندہ تمہین اختیار ہے۔"

علی کل اور آج کا فرق بتاتے ہین۔

یہی مورخ اشتر کو یہ خبر بتا کر "اگر جلدی نہ چلے تو علی کو زندہ نہ پاؤ گے" تصویر کہینچتا ہے کہ "اشتر نے تلوار پھینکدی اور غصہ مین بھرا ہوا لوٹا۔ سر ہلاتا جاتا تہا اور کہتا جاتا تہا کہ اے گروہ عاق اور اہل نفاق یہ کیا بیہودہ حرکت ہے۔ جس وقت دوستون کی مراد بر آئی اُس وقت تم نے فتنہ کھڑا کر دیا۔" امیر المومنین نے اشتر کو اور اشتر نے امیر المومنین کو دیکہا اور یہ بہی دیکہا کہ بیس ہزار مسلح سپاہی جنکے مشہور افسر اشعث اور سفیان ابن ثور البکری ہین گویا آیندہ طرز عمل کے متعلق احکام صادر کر رہے ہین۔ اشتر نے قائل معقول کرنا چاہا۔ میدان جنگ مین جانیکی خواہش کی جو لجاجت کے قریب پہنچ جائے۔ گرم الفاظ کہے۔ کوڑے چلے اور اور حالت مخدوش ہونے لگی تہی کہ امیر المومنین نے مداخلت کی۔ حکمین کے تقرر کی صلاح ہوئی۔ معاویہ نے عمرو ابن عاص کو منتخب کیا اور اشعث اور انکی جماعت نے ابو موسی اشعری کو اپنا حکم تجویز کیا اور ابن خلدون کے موافق امیر المومنین علی نے ارشاد کیا "مین اس انتخاب سے راضی نہین ہون" اور وجہ بتائی کہ "مین اسکو ثقہ نہین سمجہتا اسلئے میری رفاقت ترک کی۔ لوگون کو میرے ساتہہ جمل مین جانے سے روکا مجہسے متنفر ہوکر چلا گیا۔ پہر بہی مین نے ایک مہینہ کے بعد اُسے امن دیا۔ مین اسکو حکم ہرگز نہ بناؤنگا۔ البتہ ابن عباس کو مین اپنی طرف سے حکم منتخب کرسکتا ہون۔"

مالک اشتر اور علی کیا دیکھتے ہین۔

علی کے انتخاب مین کیا علی کی مخالفت کیگئی اور ابو موسی چنا گیا۔

متخلفین نے کہا:

"ابن عباس تمہارے عزیز ہین۔ ہم انکو حکم نہ بنائینگے۔"

"اچھا اشتر تو میرا عزیز نہیں ہے!"
"کیا اشتر کے سوا روئے زمین پر کوئی اور شخص نہیں ملتا" ؟
"پھر کیا تم لوگ سوائے ابو موسیٰ کے اور کسی کو حکم نہ بناؤ گے" ؟

اور اسکے بعد بقول ابن خلدون" امیر المومنین علی ان مباحث سے تنگ ہوگئے اور مجبور ہوکر ارشاد کیا اچھا جو چاہو اور جو تمہاری سمجھ میں آئے وہ کرو" اب" عمرو بن العاص امیر المومنین علی کے پاس اقرار نامہ لکھنے کو حاضر ہوئے کاتب نے بسم اللہ کے بعد لکھا ھٰذَا مَا تَقَاضِیْ عَلَیْہِ امیر المومنین۔ عمرو بن العاص نے جھٹ قلم پکڑ لی۔ بولے۔ یہ ہمارے امیر نہیں ہیں تمہارے امیر ہوں تو ہوں۔

احنف۔ اِس لفظ کو محو نہ کرو مجھے اسکے محو کرنے سے بدفالی کا خیال ہوتا ہے۔

اشعث امیر المومنین کا لفظ ضرور محو کردو۔

امیر المومنین۔ اللہ اکبر صلح حدیبیہ میں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا کفار نے آنحضرت صلعم کے اسم مبارک کے ساتھ رسول اللہ کو نہیں لکھنے دیا تھا۔ کیوں عمرو بن العاص اِس واقعہ میں تم بھی ایسا ہی جانتے ہو۔

عمرو بن العاص سبحان اللہ آپ کفار سے ہماری تشبیہ دیتے ہیں حالانکہ ہم لوگ مومن ہیں۔

امیر المومنین علی۔ اے ابن النابغہ! تو کب فاسقین کا ولی اور مومنین کا دشمن نہ تھا"

عہدنامہ لکھا گیا۔ دستخطیں ہوئیں" لیکن اشتر نے دستخط کرنے سے انکار کیا۔ اشعث مصر ہوئے"۔ اسی مورخ کے موافق" احنف ابن قیس نے امیر المومنین سے یہ خواہش ظاہر کر کہ مجھے بھی ابو موسیٰ کے ساتھ حکم بنائیے لیکن لوگوں نے اس سے مخالفت کی"۔ اعثم کوفی کے موافق احنف اور شریف بن ہانی کچھ دور ابو موسیٰ کو پہونچانے گئے۔ لیکن شرجیل ابن سمط الکندی نے ابو موسیٰ سے کہلوایا کہ جو لوگ تیرے وداع کرنے کو آئے ہیں انھیں رخصت کردے اسکے بعد امیر المومنین کوفہ کی طرف اور معاویہ شام کی جانب روانہ ہوگئے تھے۔ جناب امیر نے عمال کو اپنے اپنے عمل پر واپس کر دیا۔ فیصلہ کا دن آیا۔ اور بقول ابن خلدون" حکمین کے ساتھ مجلس حکم میں عبد اللہ ابن عمر۔ عبد الرحمٰن ابن ابی بکر۔ عبد اللہ ابن زبیر۔ عبد الرحمٰن بن الحرث ابن ہشام عبد الرحمٰن ابن عبد یغوث زہری۔ ابو جہم بن حذیفہ عدوی مغیرہ بن سعد۔ سعد ابن ابی وقاص مع

---

۱۳ رمضان ۳۷ھ

علی کا وہ موقع جو رسول کیلئے صلح حدیبیہ میں تھا

اشعث عہدنامہ پر دستخط نہ کی۔

احنف ساتھ نہ رکھے گئے

حکمین کے فیصلے کے وقت حاضرین کے نام۔

تب عمرو بن العاص نے کہا۔ ای ابو موسیٰ تم جانتے ہو کہ عثمان براہ ظلم مارے گئے ہین اور معاویہ اور انکی قوم اولیا و دوستدار عثمان ہین۔ ابو موسیٰ نے کہا ہان۔ پھر عمرو بن العاص بولے پس کون امر تمکو انکی خلافت قبول کرنے سے روکتا ہے حالانکہ وہ قبیلہ قریش سے ہین جیسا کہ تم جانتے ہو اگرچہ سابق الاسلام نہین ہین لیکن انمین سیاست و ملکداری کا مادہ بہت بڑا ہے اور وہ ام المومنین ام حبیبہ زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی ہین اس سے زیادہ قریب قرابت اور کیا ہوسکتی ہے اور وہ تو ان آنحضرت صلعم کے کاتب رہے ہین اور شرف صحبت سے بھی ممتاز ہوئے ہین اس قدر کہنے کے بعد کہا اگر تم میرے رائے سے موافقت کروگے تو تمکو جس شہر کی حکومت پسند کروگے فوراً دیجائیگی"

ابو موسیٰ کیلئے حکومت کی پیشکش۔

اسی مورخ کے موافق ابو موسیٰ نے عبداللہ ابن عمر کو والی و حاکم بنانے کا خیال ظاہر کیا اور ابن عاص نے کہا تمکو میرے لڑکے کے والی مقرر کرنے مین کیا عذر ہے۔ تم اسکی حالت و صلاحیت و فضیلت سے بخوبی واقف ہو" اور یہ بھی کہا کہ "یہ کام تو ایسے شخص کو سپرد کرنا چاہیئے کہ جسکے دانت ہون جس سے وہ کھاتا پیتا ہو"۔ آخر طے پایا کہ علی اور معاویہ دونون معزول کردیئے جائین اور مسلمان جس کو چاہین شوریٰ کرکے مقرر کرین۔ اعلان کا وقت آیا اور صحبت رسول کے شرف اور بزرگی سنی کے لحاظ سے عمر عاص نے چاہا کہ ابو موسیٰ پہلے اعلان کرے اور

ابن عاص اپنے لڑکے کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے

ابو موسیٰ کا اعلان

ابو موسیٰ نے کہا:۔

"اے لوگون! مین نے بہت کچھ غور و فکر کیا لیکن سوائے اسکے جسپر ہمنے اتفاق کیا ہے اور کچھ سمجھ مین نہ آیا کہ ہم اور عمرو بن العاص دونون باتفاق رائے علی و معاویہ کو معزول کردین اور مسلمانون کو اختیار دین جسکو وہ چاہین باتفاق رائے خلیفہ بنائین۔ چنانچہ مین نے علی اور معاویہ دونون کو معزول کردیا پس تم جسکو لائق سمجھو اسکو خلیفہ بناؤ۔"

عمر عاص کا اعلان

ابن عاص نے کہا:۔

"وہ تم لوگ گواہ رہنا (ابو موسیٰ کی طرف اشارہ کرکے) کہ اس شخص نے اپنے رفیق (علی) کو معزول کردیا ہے اور بیشک مین بھی اسکو معزول کرتا ہون جیسا کہ اسنے معزول کیا ہے اور معاویہ کو بحال رکھتا ہون کیونکہ وہ عثمان ابن عفان مظلوم خلیفہ کا ولی ہے اور اسکے قائممقام ہونیکا مستحق ہے"

حکمین کی گرم گفتگو اور تصفیہ کا اثر

اسکے بعد ابو موسیٰ اور ابن عاص مین جنگ زرگری ہوئی۔ اور شریح بن ہانی نے عمرو بن العاص پر تلوار چلائی عمرو بن العاص نے جواب ترکی بہ ترکی دیا لوگ درمیان مین پڑ گئے" "اعثم کوفی کے موافق بھی" نزدیک بود کہ اصحاب امیر المومنین علی علیہ السلام و لشکر معاویہ بایکدیگر جنگ کنند"۔ اہل شام خوش تھے اور عراقیون پر طعن

کرنے تھے اور سعید ابن قیس ہمدانی کہتا تھا کہ "اگر یہ لوگ راہ راست پر رہتے اور اس قوم سے جنگ کرتے تو یہ شماتت سننے مین نہ آتی اب بھی کچھ نہین گیا ہے اور نہ ہم مین سستی آئی ہے"۔

وقف علی الاولاد اور حسین

صفین سے واپس تشریف لا کر جناب امیر نے اپنی جائداد خاصہ کے متعلق ایک دستاویز تحریر فرمائی کہ "اس حکم کے ساتھ حسن ابن علی قایم ہو۔ موافق شرع اس مال مین تصرف کرے اور حسب شرع اس مال کو فقرا و مساکین مین تقسیم کرے۔ اگر حسن کو کوئی حادثہ پیش آئے اور حسین زندہ ہو تو اسکے بعد وہ اس حکم کے ساتھ قیام کرے اور اس وصیت کو اسکے مصدر اور موقع کے متعلق جاری کرے۔ بیشک علی کے اس مال مین فاطمہ کے بیٹون کا وہی حق ہے جو تمام اولاد علی کا ہے"۔ فرمایا ہے کہ بوجہ قربت رسول اور انکے احترام کے (تولیت) اولاد فاطمہ کے متعلق رکھی گئی ہے۔ اصل کی حفاظت اور منافع کے تقسیم کا حکم دیا گیا ہے۔

ایک دوسری وصیت ہے جسمین جناب امیر نے حسن کی تعلیم کا تذکرہ کیا ہے۔ انہین مضر تعلیم کے اثر سے محفوظ رکھنے اور ایک شفیق باپ کی طرح ہر کام مین توجہ لازم سمجھنے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ کتاب خدا کی تعلیم۔ اسکی تاویل پر عبور اور اسلام کے طریقے اور اسکے حلال و حرام کا اہتمام فرمایا ہے۔ اور بہت سے مسائل فلسفہ پر مفید نصیحت کی ہین۔

جناب امیر حکمین کے فیصلہ سے بیزاری اور تیاری جنگ کا حکم دیتے ہین۔

حکمین کے فیصلہ کے بعد جناب امیر نے خطبہ مین فرمایا: "حکمین نے قرآن کے حکم کو چھوڑ کر ہر ایک نے اپنی خواہش کی اتباع کی اور دونون نے فیصلہ کرنے مین اختلاف کیا اور دونون راہ راست سے علیحدہ رہے پس اس حکم و فیصلہ سے اللہ اور اس کا رسول اور صلحاء امت بری ہین لہذا تم لوگ شام پر حملہ کرنے کی تیاری کرو"۔

خطبہ کی نقل خوارج کو بھیجی۔

اسی زمانہ مین خوارج کا گروہ برسر فساد ہوا۔ سمجھایا گیا۔ لیکن روبراہ نہ ہوا۔ جناب امیر نے متذکرہ صدر خطبہ کی نقل انکے پاس بھیجدی اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ "ہم اسی پہلی رائے پر ہین جسپر اس سے پیشتر تھے یعنی اہل شام سے جنگ کرینگے"۔ اس کا بھی کوئی نتیجہ نہ ہوا اور جناب امیر نے مدائن کے گورنر کو انکے روکنے کا حکم بھیجا اور اس نے نہروان کے قریب انھین روکا۔ بصرہ کے خوارج سعر ابن فدک تمیمی کی ماتحتی مین چلے (جو قصہ تقرر حکم اور قرآن کے بلند کرنیکے وقت اشعث کا ہم آواز تھا) اور عبد اللہ ابن عباس نے روکا اور یہ بھی نہروان چلا آیا۔ اس زمانہ مین جناب امیر کے

جو لشکر شام کے لئے جمع ہوا۔

حکم سے شام کی طرف روانگی کی تیاری مین بصرہ سے احنف ابن قیس اور جاریہ ابن قدامہ کی کمی
مین تین ہزار ایک سو سپاہی آئی اور کوفہ کی فہرست کے روسے چالیس ہزار تجربہ کار سپاہی۔ سترہ ہزار
نوعمر۔ اور آٹھ ہزار خادم میدان جنگ مین جانیکے قابل پائے گئے۔

ابن خلدون کے موافق باوجود لوگون کی اس خواہش کے کہ پہلے خوارج سے جنگ کیجائے فرمایا "اہل
شام پر فوجکشی کرنا زیادہ ضروری ہے کیونکہ اُنھون نے تم سے مقابلہ کیا برابر لڑتے رہے اور اُنکا مقصد
یہ ہے کہ وہ بزور وجبر بادشاہ بنجائین اور بندگان خدا کو اپنا غلام بنائین"۔ لیکن اسکے بعد خبرین آنے
لگین کہ خوارج نے عبد اللہ ابن حباب کو ذبح کرڈالا اور اُنکی بی بی کا پیٹ پھاڑ ڈالا۔ اور قبیلہ طی کی
تین عورتون کو قتل کیا۔ جناب امیر نے حرث بن مرہ کو دریافت حال کیلئے بھیجا اور یہ بھی مارے گئے۔

اب بجز اسکے سوائے چارہ نہ تھا کہ پہلے اُنکی فکر کیجائے۔ مقابل پہونچے۔ کہلوایا کہ "ہمارے بھائیون
کے قاتلین کو ہمارے حوالہ کردو ہم اُنکے عوض مین انکو قتل کرینگے تاکہ ہم تمکو چھوڑ کر اہل مغرب کی طرف
جائین اور تم سے اسوقت تک جنگ نہ کرین گے جب تک ہم جنگ اہل شام سے واپس آئینگے شاید
اللہ تعالی اِس اثنا مین تمکو راہ راست کی ہدایت کرے" خوارج نے جواب دیا ہم سب نے ملکر ان کو
مارا ہے اور ہم سب تمہارے خون اور اُنکے خون کو مباح سمجھتے ہین"

امان کا علم

اب جناب امیر نے حجر ابن عدی۔ شیث ربعی۔ معقل ابن قیس۔ ابو ایوب انصاری۔ ابو قتادہ
اور قیس ابن سعد کو افسر مقرر کیا۔ اور ایک امان کا علم ابو ایوب انصاری کے حوالہ کیا گیا اور
یہ اعلان کیا گیا کہ "جو شخص بلا جنگ کئے ہوئے آئیگا اُس کو امن دیا جائیگا اور جو شخص متعرض
نہوگا اُسکو بھی امن دیا جائیگا اور جو شخص کوفہ یا مدائن کی طرف لوٹ جائیگا اُس کو بھی امن دیا
جائیگا"۔

اسکا نتیجہ

خونریزی سے بچنے کے لیے اِس اعلان کا یہ نتیجہ ہوا کہ "فروہ بن نوفل اشجعی پانچسو سوارون کو لیکر فوج
سے علیحدہ ہوکر دسکرہ مین جاکر قیام پذیر ہوا۔ کچھ لوگ کوفہ کی طرف چلے اور کچھ لوگ امیر المومنین
علی کے لشکر مین آملے ان سبھون کی تعداد تقریباً چار ہزار تھی" اب امیر المومنین کے فوجی نظام نے
خوارج کو بیچ مین لے لیا۔ سوارون نے دو طرف سے دبایا اور پیادون نے تلوارون سے حملہ
شروع کیا اور خوارج کے کل نامی سردار مارے گئے بلکہ خوارج کے عوام بھی اگر

بچے ہون تو صرف معدودے چند۔ صرف اسباب حرب اور مویشیان لشکر پر تقسیم کی گئین۔ غلامون اور عورتونکو واپس کردیا۔ امیرالمومنین کے مقتولین کی تعداد صرف سات سپاہی تھی۔

شام کی طرف کوچ کا حکم لشکر کا تساہل۔

جناب امیر نے اب شام کی طرف بڑہنے کا قصد فرمایا لیکن اہل لشکر نے کسل اور زخم کا عذر پیش کیا اور بقول ابن خلدون "اس گفتگو کرنے پر اشعث ابن قیس مامور کئے گئے تھے"۔ امیرالمومنین نے اسے منظور نہ کیا۔ لیکن کوفہ واپس ہوئے نخیلہ مین قیام کیا اور "عام حکم دیدیا کہ کوئی شخص اپنے مکان پر نہ جائے جب تک دشمنونکی طرف خروج کرکے فتحیاب ہو آئے"۔ باوجود اس حکم کے اکثر لوگ چھاونی سے گھرون کو واپس گئے۔ اور جب جناب امیر نے تاخیر کی وجہ دریافت فرمائی "تو ان لوگون مین سے نہایت کم آدمیون نے شام پر فوجکشی کی خوشی ظاہر کی"۔

۱۵ جمادی الاول ۳۶ھ امام زین العابدین کی ولادت۔

پندرہ جمادی الاول ۳۶ھ مین حضرت شہربانو کے بطن سے حضرت امام زین العابدین کی ولادت ہوئی اور بعض مورخین کے موافق حضرت شہربانو نے اسی زمانہ مین رحلت کی۔

مالک اشتر کی شہادت

حکمین کے فیصلہ کے بعد معاویہ نے مصر کی طرف دیکھا۔ محمد ابن ابی بکر بیان کے والی تھے۔ معاویہ ابن خدیج اور عثمان کے خونخواہ شورش کر رہے تھے اور محمد ابن ابی بکر کے ایک افسر ابن مضاہم کو شکست بھی دی تھی۔ معاویہ نے ابن خدیج وغیرہ کو خط لکھکر ملایا اور "امیرالمومنین علی کی مخالفت کرنے پر شکر گذاری ظاہر کی" اور عمرابن عاص کی ماتحتی مین چھ ہزار آدمی روانہ کئے۔ عمرعاص نے محمد ابن ابی بکر کو خط لکھا اور انہون نے وہ خط مع مدد کی عرضداشت کے امیرالمومنین کے پاس بھیجدیا۔ جناب امیر نے جزیرہ سے مالک کو بڑہنے کا حکم دیا۔ اور بقول ابن خلدون جب معاویہ کو اسکی اطلاع ہوئی تو اسنے یہ سمجھ لیا کہ اب مصر پر قبضہ کرنا کارے دارد کا مضمون ہے کیونکہ اسکا محافظ جدید (اشتر) اسکو بیرونی حملہ سے بچالیگا لیکن اتفاق یہ پیش آیا کہ اشتر جون ہی حاکم خراج قلزم کے پاس آکر اترا انتقال کرگیا۔ کہا جاتا ہے کہ معاویہ کی سازش سے حاکم خراج قلزم نے اشتر کو زہر دیا تھا اس طمع سے کہ اسکا خراج معاف کردیا جائیگا" اسکے بعد مورخ کا اموی میلان بغیر کسی دلیل کے اس سے یہ بھی کہلوا دیتا ہے کہ "لیکن یہ دور از قیاس اور خلاف واقعہ ہے" واشنگٹن آروینگ اور ہلوسیورن۔ ابن خلدون کی طرح معاویہ کے محافظ نہین ہین اور نہ طبری اور روضۃ الصفا یا جامع التواریخ نے یہ لکھنے مین کمی کی ہے کہ معاویہ کے ایما سے زہر دیا گیا۔ اعثم کوفی

اشتر کی محض شہادت اور ایما العدا زہر دیئے جانے کا تذکرہ کرتا ہے - اپنے اس وفادار خادم اور بہادر دوست کی اس افسوسناک موت کی خبر سنکر سچ کہا علی نے کہ "گو زمین میں مثل اُسکے دوسرا نہ جنے گی اور اُسکی مثال دوسرا موجود نہیں ہے" علی کا داہنا ہاتھ کٹ گیا - اور بایاں ہاتھ بھی باقی نہ رہا - کوشش کی - ترغیب دی کہ سپاہی مصر کی طرف مدد کے لئے روانہ ہوں - دو ہزار آدمی دیر میں تیار ہوئے - لیکن اس درمیان میں محمد ابن ابی بکر کو دشمن کی کثیر تعداد نے گھیر لیا تھا گرفتار ہوئے - بقول ابن خلدون "دشمنوں نے پیاس کی حالت میں اُنھیں ایک مردار گدہے کی کھال میں بھر کر جلا دیا"۔

مالک کی خبر شہادت سنکر جناب امیر کے الفاظ۔

محمد ابن ابی بکر کی گرفتاری اور شہادت۔

اسکے بعد عبداللہ ابن حضرمی بصرہ بھیجا گیا کہ وہاں کے لوگوں کو جناب امیر سے برافروختہ کرے - عامل نے خبر دی جناب امیر اعین بن ضبعہ کی ماتحتی میں کچھ سپاہی بھیج سکے - ابن الحضرمی کو شکست ہوئی اور مارا گیا -

بصرہ سے شامی بھاگے

ایرانیوں نے کچھ شورش کی جناب امیر نے زیاد کو بھیجا اور اس نے باغیوں کو سزا دی اور حالت اپنی جگہ قائم رہی - معاویہ نے عین التمر میں اسکے بعد قسمت آزمائی کی - گورنر محصور ہوا اور اگرچہ مدد بھیجنے میں علی کی کوششیں بیکار ہوئیں لیکن اتفاق سے عبدالرحمن ابن مخنف پچاس آدمیوں کے ساتھ مالک ابن کعب (گورنر) کی مدد کے لئے پہونچا شامی سمجھے کہ کوفہ سے بڑی مدد آئی اور خوف سے بھاگ گئے۔

زیاد نے فارس کا انتظام کیا

شامی عین التمر سے بھاگے۔

اسکے بعد اہل شام نے ہیت اور انبار کو لوٹا علی کا عامل حسان البکری مارا گیا - جناب امیر نے خبر سنکر خطبہ دیا :- "قتل اور غارت تمپر گر جائیں - تمہارے مال تاراج ہونگے - تمہارے گھروں پر قبضہ کر لیا جائیگا . . . . سوار ولایت انبار میں داخل ہو گئے ہیں - وہاں کے عامل حسان البکری کو قتل کر ڈالا ہے - تمہارے سواروں کو تمہارے اسلحہ خانوں سے ہٹا دیا ہے - مجھے ان حملہ آوروں کے ظلم و جور کی ہولناک خبر پہونچی ہے کہ ان میں سے ایک شخص کسی مسلمہ یا ذمیہ عورت کے گھر میں داخل ہوا - اسکے پازیب اسکے کڑے اسکا گلوبند اسکے گوشوارے یہ سب زیورات نہایت بیرحمی کے ساتھ چھین لئے - وہ عورت اس مرد کو نہ روک سکی - مگر ہاں وہ برابر صدائے گریہ بلند کر رہی تھی اور قبیلہ والوں کو بلا رہی تھی - اور یہ لشکر ایک کثیر اور وافر مال غنیمت لیکر واپس گیا - نہ تو انمیں سے کسی کو زخم پہونچا نہ کسی کے خون کا ایک قطرہ زمین پر گرا - اب اگر کوئی مسلمان اس سانحہ دل خراش پر افسوس کرتا کرتا مر جائے تو اُسے ملامت نہیں کیجا سکتی بلکہ وہ اس مرگ کا سزاوار ہے - آہ! تعجب اور سخت تعجب ہے . . . . کہ وہ مخالف تو سب کے سب اپنے فعل باطل پر اس قدر

اہل شام کے ہیت کو لوٹنے کی خبر سنکر جناب امیر کا خطبہ۔

دشمن باطل پر متفق لیکن تم حق سے پراگندہ

اجماع کر رہے ہین اور تم امر حق سے یون متفرق و پراگندہ ہو۔ وہ تم سے لڑائی لڑتے ہین اور تم لڑائی سے جان چراتے ہو۔ خدا کی نافرمانیان اور معصیتین کیجا رہی ہین اور تم راضی ہو بیٹھے ...... اے مرد صورتو حالانکہ مردو تم مین کوئی نہین ہے۔ اے خوابہائے اطفال۔ اے عقول زنان حجلہ نشین مین اس بات کو دوست رکھتا تھا کہ تمھین نہ دیکھون اور تمھین نہ پہچانون..... تمنے اپنے عصیان و نافرمانی کی وجہ سے میری رائے اور تدبیر کو بھی فاسد کر دیا..... حقیقت یہ ہے کہ رائے اور تدبیر اُس شخص کیلئے سود مند نہین جو اسپر عمل کرنیوالا نہین"۔

رائے اور تدبیر بغیر عمل بے سود ہے۔

اب جناب امیر نے اپنی ذمہ داری کے لحاظ سے تنہا روانہ ہونے کا قصد فرمایا۔ قیس ابن سعد نے روکا اور کچھ سپاہیونکو لیکر روانہ ہوئے لیکن دشمن انکے آنیکے پہلے روانہ ہو چکا تھا۔

جناب امیر تنہا روانہ ہونیکا قصد کرتے ہین۔

معاویہ نے ایک فوج تیما بھیجی۔ امیر المومنین سیب فرازی کی ماتحتی مین دو ہزار سپاہی روانہ کئے شامی محصور ہوئے اور آخر مین بھاگے۔

شامی تیما سے بھاگے۔

غالباً زمانہ حج قریب تھا کہ معاویہ نے ضحاک ابن قیس کو چار ہزار سپاہیون کے ساتھ مکہ کیطرف روانہ کیا۔ اِس نے حاجیون کو یہ کہکر واپس کرنا شروع کیا کہ کوئی امام نہین ہے کس کے ساتھ حج کروگے اور شرطہ کے اُن سپاہیونکو قتل کرڈالا جنھین امیر المومنین نے حاجیونکی حفاظت کے لئے ریگستانی راہون مین تعینات فرمایا تھا۔ اب جناب امیر نے حجر کندی کی ماتحتی مین چار ہزار سپاہی بھیجے۔ ضحاک کو شکست ہوئی اور یہ شام بھاگا۔

حاجی بھگائے گئے اور انکے محافظ سپاہی قتل کرڈالے گئے۔

بشر ابن ارطاۃ مدینہ آیا اور قبضہ کرلیا اور ابوہریرہ کو بھی عامل بنجانے کا موقع ملا۔ امیر المومنین نے وہب ابن مسعود کو روانہ کیا اور اُنہون نے دوبارہ قبضہ کرلیا۔ بشر ابن ارطاۃ یمن گیا اور یہان عبد اللہ ابن عباس کے دو صغیر السن بچون کو ذبح کرڈالا۔ یہ خبر سنکر جناب امیر نے فرمایا: "مجھے بشر ابن ارطاۃ کی خبر ملی ہے کہ اُس نے یمن پر قبضہ کرلیا۔ تم اپنے برحق امام سے مخالفتین کر رہے ہو۔ تم مین تفرقے ظاہر ہو رہے ہین مجھے اِس قوم کی طرف سے یہ گمان ہے کہ وہ تمہاری بدعنوانیون سے فائدہ اُٹھا کر تمھین اپنی رعایا بنالیگی اور تم اُسکے فرمانبردار ہو جاؤگے۔ بنی اُمیہ کے متعلق کہین اور فرماتے ہین:۔ "وہ تمھین برابر اذیت پہونچاتے رہینگے۔ یہانتک کہ ایک شخص کو بھی تم مین سے ایسا نہ چھوڑینگے جو انھین نفع نہ پہونچائے یا اُنکے نفع کیلئے اُنکا نفس بے مضرت ثابت نہ ہو۔ اُنکی بلائین تمپر مسلط رہیگی جبتک کہ تم مین سے

ابوہریرہ مدینہ کے عامل ہوئے۔

ابن عباس کے دو بچے دشمن نے ذبح کرڈالے۔

جناب امیر پیشنگوئی کرتے ہین۔

ایک ایک شخص اُنکا غلام اور خدمتگار نہ بنجائے۔"

سجستان کی شورش فرو کی گئی۔

سجستان میں شورش ہوئی اور وہ فرو کی گئی۔ بنی ناجیہ کے نصرانی فرقہ نے خوارج سے ملکر جنگ کی اور وہ بھی اپنی حالت پر لائے گئے۔

شام پر فوجکشی کیلئے علی کی آخری کوشش اور شہادت۔

باوجود اِن تمام شورشوں کے جناب امیر اپنے اُس پہلے خیال پر قائم رہے کہ جب تک امیر شام اپنی جگہہ پر قائم رہیگا شورشوں کا سلسلہ بند نہ ہوگا اور علی کی آخری کوشش دکھائی دیتی ہے کہ وہ لوگوں کو آمادہ کرکے دس ہزار سپاہی اپنے فرزند حسین کی ماتحتی میں دیتے ہیں۔ قیس ابن سعد اور ابو ایوب انصاری بھی دس دس ہزار سپاہیوں کے افسر ہوتے ہیں اور دیگر سرداران لشکر کو اور سپاہی سپرد کئے جاتے ہیں۔ تیاری قریب بہ تمام اور کوچ کا وقت نزدیک آگیا تھا کہ اسلام کی امید ہمیشہ کے لئے زہرآلود تلوار سے ذبح ہوگئی۔

سنہ ۴۰ھ

کون مسلمان نہیں جانتا کہ اُنیسویں رمضان کی نامبارک تاریخ کو جس وقت یہ رضائے الٰہی کا شیدا صبح کو مسجد میں نماز پڑھنے اور پڑھانے جارہا تھا کوئی محافظ سپاہی نہ تھا۔ کسی چھپے ہوئے قاتل کا اندیشہ نہ تھا کہ عین حالت نماز میں جبکہ سر مبارک سجدہ سے اُٹھا بھی نہ تھا کہ تین قاتلوں نے یکے بادیگرے اپنی زہر کی بجھی ہوئی تلوار سے وار کئے۔ ایک تلوار اُسی جگہہ لگی جہاں احزاب میں عمر ابن عبدود کے ہاتھ سے لگی تھی۔ قاتل نے ابھی سر مبارک سے تلوار کھینچی بھی نہ تھی کہ علی نے "فزت برب الکعبہ" (خدائے کعبہ کی قسم فتحیاب ہوا) فرمایا۔

حالت نماز میں زخم کھاکر علی نے کیا فرمایا

جراح نے زخم دیکھا

شور ہوا۔ لوگ دوڑے۔ قاتل گرفتار ہوا حسین آئے دیکھا کہ در و دیوار پر باپ کے خون کے چھینٹے پڑے ہیں۔ خود خون میں نہائے اور درد سے پہلو بدل رہے ہیں۔ عمر ابن نعمان جراح نے زخم دیکھا اور کہا "زخم علاج پذیر نہیں ہے تلوار زہرآلود معلوم ہوتی ہے" یہ سنکر لوگوں پر یاس اور تاریکی چھاگئی۔ اپنے زخمی ہونے اور رحلت کے درمیانی زمانہ میں جناب امیر نے فرمایا: "اپنے درمیانی تنازعات کے مصلح بنو۔ آنحضرت فرماتے تھے کہ اپنی ذات اور گروہ کی اصلاح تمام روزہ و نماز سے افضل ہے"۔

لوگوں کو نصیحت۔

بنی عبدالمطلب سے فرمایا:-

بنی عبدالمطلب کو نصیحت۔

"اے اولاد عبدالمطلب! میں تمہیں ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ تم مسلمانوں کے خون میں سر سے پاؤں تک رنگین ہوتے پھرو اور کہتے جاؤ کہ امیرالمومنین قتل ہوگئے

اکاوہ ہو کہ میرے قاتل کے سوا کوئی دوسرا شخص قتل نہ ہونا چاہیئے۔

اسکے بعد جناب امیر نے اپنے دونون فرزند حسن و حسین کو جو مخصوص نصیحت فرمائی وہ یہ تھی کہ "تم دنیا کو طلب نہ کرنا اگرچہ وہ تمہین طلب کرے اور تمہاری طرف مائل ہو اور کبھی اُس چیز پر حسرت و افسوس ظاہر نہ کرنا جو از قسم مال دنیاوی تم تک پہونچنے سے روک دیجائے۔ سچی باتون پر زبان کھولے اجر و ثواب کے لئے عمل کرنا۔ ظالم کے دشمن رہنا اور مظلوم کے مددگار"۔

یہ نصیحتین نہج البلاغہ مین ملتی ہین جنکا خلاصہ ابن خلدون نے بھی دیا ہے۔ آخرالذکر مورخ کے موافق "حسنین اور محمد حنفیہ کو ایک دوسرے کے لحاظ کی وصیت فرمائی اور پھر حسن کو تھوڑی دیر تک سمجھاتے رہے"۔ اسی مورخ کے موافق برک بن عبداللہ جب معاویہ کے ارادہ سے گیا اور گرفتار ہوا تو اس نے کہا:-

برک اور معاویہ کی گفتگو۔

"مین تمکو ایک خوشخبری سنایا چاہتا ہون اگر تم اس سے مجھے مستفید کرو اور وہ یہ ہے کہ آج ہی شبکو میرے ایک بھائی نے علی کو مار ڈالا۔ معاویہ نے استعجاب سے کہا۔ شاید وہ اس امر پر قادر ہوا ہوگا۔ برک نے جواب دیا۔ یہ غیر ممکن ہے کیونکہ اُسکے ساتھ کوئی محافظ نہین رہتا"۔

معاویہ کی ایک غور طلب کوشش اور جناب امیر کے الفاظ۔

صاحب شواہد النبوۃ نے ایک روایت لکھی ہے جو مین ناظر کے غور کے لئے پیش کرتا ہون اور وہ یہ ہے کہ معاویہ نے اپنے "عاقبت کار" کے معلوم کرنیکے لئے اپنے مصاحبین سے صلاح لی اور پھر خود ہی تصفیہ کیا کہ اسے "علی سے معلوم کرین گے" اور تین آدمیونکو کوفہ بھیجا اور ان تینون نے کچھ بعد کہنا شروع کیا کہ معاویہ نے انتقال کیا یہ خبر جناب امیر کو پہونچائی گئی لیکن "آن حضرت التفات نہ نمود" اور لوگون کے اصرار پر کہا "کلا کہ وے بمیرد ما دام کہ این (و اشارت بمحاسن خود کرد ازین و اشارت بسر خود کرد) خضاب کردہ نشود، و رنگین نگردد و این اکلۃ الاکباد بآن ملاعبہ نکند۔ و آن سہ تن این خبر را بمعاویہ بردند"۔

تجہیز و تکفین۔

اب مجھے اور یہ کیا کہنا ہے بجز اسکے جو مین اوپر کہہ چکا ہون کہ "رمضان کی اکیسوین کو مقتولین کا شہید ولایت مآب، شیعون کا "امام اول" دنیا کا "بہادر دلی" رضائی الٰہی کا شہید مسجد کوفہ کا عابد۔ دشمن پر رحم کرنے والا۔ دنیا سے گذر گیا ..... حسنین نے غسل دیا اور وصیت کے موافق دفن کیا۔ بغیر کسی نمایش اور شان کے غالباً چپکے ہوئے تھوڑے سے لوگ اس مقدس اور متبرک

بوجہ کو اپنے کاندہون پر لیگئے۔ اسلام کے علانیہ مدد کرنے والے کو دشمنان اسلام کے خوف سے (پوشیدگی سے) زمین مین دفن کردیا۔ کوئی نشان قبر۔ کوئی لوح۔ کوئی کتبہ نہ رکھا گیا بلکہ زمین برابر کردیگئی۔ لوگون کو دفن کی خبر اُسوقت ہوئی جب یہ لوگ گھر واپس آرہے تہے۔ عامہ ناس کو یہ بہی معلوم نہ ہوا کہ شتان رضائے الٰہی کو کس جگہہ زمین مین چہپایا ہے!"

باب شجرہ کا نشو

(جسکی بہار یہ ہو پھر اُسکی خزان نہ پوچھ)

کیا ہوا کہ گذشتہ باب مین نہ کہین بالادوئی دکھائی دی نہ کہین اپنا پہلو تشتہی مین مضبوط دبا کر بحث کیگئی نہ ملک جہپکنے کا موقع غنیمت سمجہا گیا نہ زبان کاٹنے کے لئے اقرار لیا گیا اور نہ اسکا موقع دیا گیا کہ ایک حکم کے سامنے کوئی عذر کی ضرورت سمجہا اور نہ کچہہ لوگ تصفیہ خلافت کے لئے مقرر کئے گئے جنکی مجموعی صورت کسی سمجہنے والیکو دہوکا نہین دے سکتی تہی۔ انقلاب ہوا کسکے خلاف۔ رسول کے بعد جو نظام دکھائی دینے لگا تہا اُس کے خلاف۔ اُسکی "فرع" کے خلاف۔ ہم کہہ چکے ہین کہ اُس پہلے نظام کے قایم ہوتے ہی یا اُسکے بعد کیون انقلاب نہین ہوا۔ اور یہ بہی کہہ چکے ہین کہ جون جون دن گذرتا جاتا تہا انقلاب کا ذخیرہ زیادہ اور انقلاب کا وقوع قریب ہوتا جاتا تہا۔

کسکے خلاف انقلاب ہوا

مین نے یہ بہی کہا ہے کہ رسول کے بعد جو روش تہی وہ کسی صورت پر منتہی نہین ہو سکتی تہی مگر یہ کہ بنی امیہ صاحب اختیار ہوجاتے لیکن اب مین تذکرہ اور واقعات کے اس حد تک نشو کے قریب آگیا ہون جہان بے تردد یہ کہہ سکون کہ اگر ایسے ذرائع نہ بہی اختیار کئے جاتے جس سے بنی امیہ کو حصول اختیار مین سہولت ہوئی تاہم وہ بغیر کوشش کئے باز نہ رہتے۔ سہولت پیدا کرنا تو دفع الوقتی تہی اگر مین رشوت کا لفظ استعمال کرنا چاہون۔

بنی امیہ بغیر کوشش کے باز نہ رہتے۔

مین انقلاب کا ذکر کر رہا ہون۔ حیرت کی جا سکتی ہے کہ جسوقت عناصر قومی کے منتشر کردینے والی کل چلتے چلتے اس حد تک نتائج دکہا چکی تہی کہ بے لگام جذبات کے پیچھے نہ دوڑنا ناکامی سمجہی جاتی

کیونکہ نظام اُلٹ گیا

اور محض نوجی جوش۔ حوصلہ۔ مال اور شہرت کی نہ بجھنے والی پیاس اُنکا امتزاج ہوتی اور وہ اسپر طلق
غور نہ کرتے کہ اسکے ضبط۔ احتیاط اور اعتدال پر رکھنے کی بھی کوئی کل ہے یا نہیں جو آیندہ انتشار تو...
اور بے مشغلہ بیکاری کے خطرات سے محفوظ رکھے۔ جس وقت بغیر ترجیحی سلوک کے حکومت اپنی بنیاد
مضبوط نہیں کر سکتی تھی اور اپنے اغراض قیام اور استحکام کے لئے معتمدین کی بنیاد دہیون سے چشم پوشی
کر سکتی تھی اور جبوقت حکومت کا۔ افراد اور جماعت کی موافقت حاصل کرنیکا عکس یہ تھا کہ ایسی
جماعت اور افراد رسوخ اور اقتدار کی امید کرتے اور اپنے کو عامہ ناس سے اہل اعتبار سے بلند رتبہ
سمجھتے۔ اِن حالتون مین قومی عناصر مین سے کونسا عنصر نیست ہونے سے بچ رہا تہا جسے مدبرین کی نگاہ نہ
دیکھ سکی اور چھپا چھپا بارہ گیا اور جو لڑکھڑاتا ہوا اُٹھا اور اُسمین یہ قوت پیدا ہو گئی کہ وہ ایک نظام کو
اُلٹ دیتا!

کیا علیؑ کے سوا مدینہ مین کوئی نہ تھا

لیکن میری حیرت اس غور اور استفہام پر ختم نہین ہو جاتی۔ مین آگے بڑھتا ہون اور اب سوال
کرتا ہون کہ کیا تمام مدینہ مین بجز علیؑ کے اور کوئی نہ تہا جسکی طرف لوگون کی نظر اُٹھ سکتی۔ جسے بنی امیہ
بھی اپنی دقتون مین اپنا مشکلکشا سمجھتے۔ جس سے عثمان استغاثہ کرتے جنہین نائلہ اپنے شوہر کا
موت سے آزادی دہندہ سمجھتین اور جو عثمان کو مروان پر قربان ہونے سے بچا لیتا۔ ایسے جوش
کے عالم مین جبکہ قعقاع ابن عمر کا ایسا فاتح ایران بہادر نسبتاً لوگون کے کم تعداد کے جوش مین بھی
اُنسے باز پرس کرنا موقع کے خلاف سمجھتا۔ ہان قعقاع سپاہی مدبر تھا۔ رسول کا پیار۔ رسول کا
ممدوح اور رسول کا مرکزِ امید نہ تھا!

انمین کوئی علیؑ نہ تھا!

اصحاب تھے۔ کوئی شخص جو اسلام لایا ہو۔ کسی عقل۔ کسی تقوے۔ کسی فضل و رکسی علم کا کیون
نہ ہو لیکن رسول کی خدمت کی حاضری کا مشرف اُسے صحابی سمجھا سکتا تہا۔ لیکن خدا کا بزرگ نام کرم
مرتبہ رکھو یا تمام عمر کاغذ پر لکھا ہوا دیکھتے رہو۔ عبادت محض رسمی حیثیت کی ایک چیز سمجھکر بجا لاتے
رہو لیکن تم نہ ایک انچ بڑھو گے نہ بلند ہو گے۔ گریہ مون کا متواتر صدا دینا اُسمین کوئی شعور نہین
پیدا کرتا۔ اِن مقدس چیزون کے خصلت گرا اثر کے استقبال کی نوعیت اور اندازہ حالت سے
جسپر جمال ہمنشین در من اثر کرد صحیح ہو سکتا ہے۔ یہ تمہاری قبولیت کی قابلیت پر موقوف ہے ورنہ
من ہمان خاکم کہ ہستم۔ صحابی بہت سے تھے۔ بہت سے ایسے تھے جو کسی مذہب اور مجموعہ مذاہب مخالف

کے معتقد تھے لیکن انھین کوئی علی نہ تہا۔ اور لوگون مین اسکا ہوش تھا انھین اقرار تہا کہ ہم علی نہین ہین۔ یہ بہی تہا کہ کچھ صحابی علی کے خلاف ہوگئے لیکن یہ اُنکی انکار صفات کی بنیاد پر نہ تھا بلکہ جیسا صاحب صواعق محرقہ فرماتے ہین "امام الحرمین گفتہ کہ اعتداد و اعتباری نیست بر قول کسی کہ گفتہ است اجماع بر امامت علی منعقد نہ شدہ زیراکہ ہیچکس انکار امامت وارث الانبیا علی نہ کرد۔ این فتنہ و فسادی کہ در میان ایشان واقع شدہ بواسطہ دیگر امور بود نہ بسبب امامت او"۔

کوئی علی کا منکر صفات ہوکر انکا مخالف نہین ہوا

کہان گئے لوگ جس وقت نظم امور کے لئے کوئی نہ دکھائی دیا۔ مصری۔ بصری۔ کوفی۔ مدنی کہان جارہے تھے۔ مدینہ دار الخلافت تہا یعنی ایک مرکز تھا جہان ممالک محروسہ کے لوگ اکثر حیثیون سے موجود رہتے ہونگے۔ ان لوگون کا بار بار اُس گھر کی طرف جانا جو کبہی مہبط جبرئیل تہا لیکن رسول کے دفن کے قبل سو ختنی ہوگیا تہا۔ سوال پیدا کرتا ہے کہ آیا اب رسول کے بعد پچیس برس تک صاحب خانہ کی اکثر انکی نا موافقت اور علیحدگی اُسے مزید تشدد کا مستوجب ٹہرا رہی تہی اور یہ لوگ گئے تہے کہ اب اُس مکان اور مکین کا نام و نشان باقی نہ رکھین ہم نہین ہے اس مجمع کا جانا نہ اپنے حصول اختیار کے لئے تہا اور نہ اپنے اختیارات کے طوعاً یا کرہاً منوانے کی غرض تہا۔ یہ امام ڈہونڈہنے نکلے تہے۔ درانحالیکہ اسکے قبل امام اپنی رعایا ڈہونڈہتے نکلتے تہے! یہی نہین بلکہ آج کا مرکز نگاہ "سب قبول ہے" والا خلیفہ نہین بنتا تھا بلکہ خود شرائط لکھوا رہا تہا۔ شرائط قایم کرتے وقت علی کے چہرہ پر غم کا سایہ دکھائی دیتا ہے۔ وقت آیا کہ علی اُس وقت خلیفہ ہوتے جس وقت نہ ہونیکا گمان بہی نہ ہوتا۔ زمانہ ڈہلکتا اور اِس طرح کہ گویا اُسکا سارا وزن بنی ہاشم اور اُنکے مؤیدین حقوق کو دبیں ڈالنے کے لئے ہے۔ یہ بھی گذرتا اور اب پھر زمانہ اُس وقت علی کو خلیفہ بنا یا دکرتا جس وقت علی کو خلیفہ ہونیکا ادنی گمان باقی نہ رہ سکتا۔ لیکن یہ کوئی عالم خیال کی تصویرین نہ تھین نہ خواب کے تماشے تہے۔ بلکہ علی لوگون کو اور لوگ علی کو دیکھہ رہے تہے۔ علی کا وقار خلافت پر منحصر یا مجبور نہین پڑتا تہا۔ اور اب مین علی کی آنکھون مین لوگون کی استدعا پر طنز دیکھتا ہون اور اُنکا بار بار رد کرنا سمجھاتا ہے کہ سچ مچ خلافت خلافت کی مشہور حیثیت سے علی کی نظر و نمین بکری کی چھینک سے زیادہ وقعت نہین رکہتی تہی۔ غم اِس خیال سے شروع ہوتا ہے کہ سفیر الٰہی کی نیابت کا مسئلہ اب کس صورت سے لوگون کے خیال مین قائم ہوگیا ہے اور اُس نے کیا کچھ اثر کرلیا ہے۔ جو لوگ

اسوقت امت امام ڈہونڈہنے نکلی تہی حالانکہ اِسکے قبل امام اپنی امت ڈہونڈہ رہے تہے۔

آج کا خلیفہ شرائط لکھوا رہا تہا۔

کب نہ ہوتے اور کب ہوئے۔

علی کا چہرہ ایک اظہار تاسف تہا۔

یہ سمجھتے ہوں کہ گذشتہ طرز عمل کو ہم بھی سطے شدہ امر سمجھتے ہیں اور آئندہ اپنے طرز عمل کو رسول کے بعد کے کسی نظام سے متاثر نہ ثابت کرینگے نئے اپنے روش کے آزاد رکھنے کا عہد لیتے ہیں اور لوگ بھی محض کتاب اور سنت پر عہد لیتے ہیں "سنت خلفا" کا نام بھی نہیں لیتے۔ یہ حالت تھی جو ہمسے کہلواتی ہے کہ نہ صرف لوگ یہ سمجھتے ہے کہ علی کیا پسند کرینگے اور کیا پسند نہ کرینگے بلکہ ہم اسے رسول کے بعد کے کل نظام کے خلاف ایک انقلاب کہتے ہیں۔

جائز نوعی طریقہ کے بعد روحانی اثر کی طرف عود کرتے ہیں۔

جناب امیر اس پر قناعت کرنے کے لئے آمادہ نہ تھے بلکہ انہیں یہ بھی کہہ دینا تھا کہ "تم مجھے خلیفہ یا لوحی اور بالفصل اور وزیر از جانب خدا تسلیم کرو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم اپنی بیعت کے سبب سے خلیفہ مانو"۔ کیا اسکے بعد بھی اس شبہہ کی جگہہ رہتی ہے کہ جناب امیر گذشتہ طرز انتخاب کو دلوں سے دہو نہیں رہے تھے؟ کیونکر ایسا نہ کہتے جب انھیں فرمانا تہا کہ "ابر جہالت آفاق پر چہایا ہوا ہے اور شاہراہیں متروک اور ناپید ہوگئیں"۔ اور بغیر ایسی باتوں کے ہوے کیسے یہ حسرت ظاہر کیجا سکتی تہی کہ "اگر میری خلافت اور امامت کے پاؤں لڑائیوں کے لغزش کرنے والے مقامات سے قرار پاگئے تو بیشک بدعتوں کو متغیر کرونگا"۔

علی کا تجربہ

کیا یہ نہ تہا کہ قوم عرب کی درستگی اسوقت شروع ہوئی تہی جبکہ علی بالغ اور سمجھدار ہو چکے تھے اور کوئی کام ایسا نہ ہوتا تہا جو علی سے پوشیدہ ہو یا انکا اسمیں علی حصہ نہ ہو۔ فوجی۔ اخلاقی۔ قانونی۔ سیاسی اور مذہبی امورات تھے جنہیں رسول نے تخصیص کے ساتھ علی کے سپرد کیا اور کبھی رسول کو شکایت نہ ہوئی بلکہ علی کے انجام دہی امورات پر رسول نے شکریہ ادا فرمایا۔ رسول کی تعلیم ایک ایسی قوم کو بنا رہی تھی جو بالوکے ذرات سے زیادہ علیحدہ تھی۔ بلاشبہہ قوم اور افراد کے اختیارات سمٹ ہو کر رسول کی تنہا ذات میں مجتمع ہوگئے تھے اور علی نے رسول کی اس ذات کو اپنا فرض انجام دیتے دیکھا تہا۔ یہ ذات اور اسکا طرز عمل وہ محور رہتا جسپر قوم گھومتی تہی اور یہی قومی حرکت کی روح تہی۔ اسنے قومی جسم کو جس انداز سے بنایا تہا وہ علی کی آنکھوں کے سامنے کا تماشہ تہا اسکے اصول نہ صرف دیکھے تھے بلکہ رسول نے سمجہائی بھی تھے۔ راز دار تھے۔ اب تیسری حالت پیدا ہوئی یعنی سانچہ بدلا اور اب قوم کے خصائل جو صورت اختیار کرتے جاتے تھے وہ بھی علی سے پوشیدہ نہ تھے۔ علی کا گذشتہ تجربہ رسول کی ساخت قومی اور موجودہ روش کے تقابل سے یہ

تصفیہ کر رہا تہا کہ شاہراہین یعنی خصائل سازی کے بڑے اصول متروک اور ناپید ہو گئے — اور ابر جہالت آفاق پر چھا گیا — یعنی وہ روشنی کی روح جو دکھائی دیتی تہی غفلت یا تجاہل سے متاثر ہو گئی۔ ان متضاد حالتون کا تمیز کر سکنا بجائے خود تمیز کر سکنے والے کی طرف امید کی نگاہین اٹھا سکتا تہا خصوصاً جبکہ وہ کہہ بہی رہا تھا کہ "خوب جان لو۔ اگر مین تمہاری التماس کو قبول کرون اور تم سے بیعت لون تو تمہین احکام خداوندی کا متحمل بنا دیگا جنہین مین اچھی طرح سے جانتا ہون "۔ اگر ایسا تہا کہ علی یہ سمجہ رہے تہے کہ لوگ اپنی ترقی کے اصل گُر کو مقبول کر کے ظاہر فریب چیزون کے طرف دوڑ رہے ہین جس سے وہ گہری تباہی کی طرف جا رہے ہین تو اسمین بلا خوف مبالغہ اس یقین کی جگہہ ہے کہ اگر کوئی تھا جو بقول ابن خلدون "علی منہاج النبوۃ" چلا سکتا تو وہ علی ہتے۔ اور علی نے قومی ساخت کو دوبارہ شروع کیا بغیر اسکے کہ وہ "لوم لائم" کی پروا کرتے۔ لیکن ایک مرتب مخالفت ابتدا ہی سے پے درپے سامنے آنے لگی۔ مخالفت دفعۃً نہ پیدا ہو گئی تہی بلکہ اسکی ابتدا اُس وقت سے برابر جاری تہی جیسکے دکھانیکے لئے مین نے طوالت گوارا کی۔

مین نے کتاب مین ابتدا ہی سے اسکا اہتمام کیا ہے کہ اُن گون کے نام احتیاط سے لکہتا اور

دو صفین

جنکا میلان کسی خاص امر کی طرف دکھائی دیا ہے اور اس سے میری غرض ظاہر ہے کہ تشخص واقعات کے سمجہنے مین معین ہو۔ اب اس باب مین یہ غور سے پڑہو کہ وہ کون لوگ یا کسکے قایم مقام یا اوتار تہے جنہون نے اپنے میلان کو عملی مخالفت کی صورت مین دکہایا۔ زمانہ نے اس واقعہ مین رنگ طبیعت کی دو صفین سامنے کھڑی کر دی ہین جو اپنی اپنی روش اور خیال کی نقابت کر رہی ہین۔

جناب امیر کو یہ واقعات پیش آتے اگر انکی خلافت کے پہلے اُس نوعیت کی حکومتین نہ گذر چکی

عینک

ہوتین جو گذرین اور اگر جناب امیر کو یہ واقعات پیش نہ آتے تو یہ دکھانا اس قدر آسان نہ ہوتا کہ کچھہ افراد اور جماعت تہی جو اُنکے حقوق کی مخالفت کا بیج اُسوقت سے اپنے دل مین بو چکی تہی جسوقت تیز سے تیز آنکھہ جو منافقت یا مخالفت کے تمیز مین مہارت رکہتی ہے پہچاننے کا کوئی اقدام نہ کر تی۔ حقیقتاً یہ باب وہ عینک ہے جس سے دور کی چیزین اور وہ خوردبین ہے جس سے ادنے ذرات مخالفت دکھائی دیجاتے ہین۔

ماہرین اصول انتخاب سے مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ رسول کے بعد باوجود ادعائے انتخاب اُس

کسیقدر حقوق بشری کا لحاظ کیا۔

پہلا یا تیسرا انتخاب بین باقاعدگی۔ دیانت۔ اور اُسکی فطرت پائی جاتی تھی یا اُس وقت جبکہ وہ منتخب کیا گیا جس نے اصول انتخاب کو تسلیم نہ کیا تھا۔ نہ مجھے اسکی تفصیل کی ضرورت ہے کہ یہ فقرہ کہ خدا کے بندون کو اپنا بندہ نہ بناؤ اعلان کنندگان جمہوریت کا قول نہ تھا بلکہ اُسکا جسنے اپنے اُستاد کی طرح انسان کی پیدائشی حقوق کا لحاظ اور اُسکی ہمیشہ کوشش کی تھی۔

پس وپیش کے معنی

کیا یہ واقعہ نہیں ہو کہ جناب امیر نے کئی دن تک خلافت قبول نہ فرمائی۔ اور جب لوگون نے اسلام کے انجام سے ڈرایا تو کبھی اہل بدر کو بلایا۔ کبھی لوگون سے مسجد مین اپنی خواہش ظاہر کرنے کو کہا۔ کبھی وزارت قبول کرلینے پر قناعت کی اور کبھی طلحہ وزبیر کے خلیفہ بنانے کا استمزاج لیا۔ کیا یہ علی کا پُر مذاق طنز تھا۔ اسپر ہم کسی بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھکر بیعت نہین کرو لیتے۔ کہین شہر سے کوسون دور نہین بیعت کراتے بلکہ مسجد مین طلب کرتے ہین۔ کئی دن انکار یا تامل سے لوگون کو غور کا موقع دیتے ہین۔ اور اس امر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے صاف کر دیتے ہین کہ ہم نے موقع دیا کہ ہر قسم کے لوگ استشارہ اور اظہار خیال مین شریک ہوسکین۔ اور امر بیعت بلاؤنا گہانی کا مرادف نہ ہو جائے۔

کیا پس وپیش تھا جو کوئی مورخ مثل صاحب سیرۃ الفاروق کہدیگا کہ خلافت کی عظیم الشان ذمہ داری کے لحاظ سے کوئی قبول نہین کرتا تھا اور ابوبکر نے قبول کرکے اسلام اور مسلمانون پر احسان کیا۔ ایسا خیال "پس وپیش" کے لفظ کی مولفانہ قواعد سمجھی جائیگی۔ کیونکہ رسول کے بعد نہ علی کو خلافت قبول کرنے کا موقع دیا گیا اور نہ اُنہون نے کوئی پس وپیش ظاہر کیا۔ پس وپیش اُنہون نے اپنے انتخاب کے وقت یعنی رسول کے رحلت کے چوبیس برس بعد ظاہر کیا جبکہ لوگ اُس نظام سے متاثر ہو چکے تھے جسکا ذکر کیا جا رہا ہے اور اب اس نظام سے نہ صرف پرانی قوم متاثر ہو چکی تھی بلکہ ایک پشت سوچی اُسین نشو ونما پا چکی تھی بلکہ دوسری تیار ہو رہی تھی۔ اور مزید کمی یہ تھی کہ اس زمانہ مین جو ممالک فتح ہوئے تھے اور انمین جس قدر لوگ اسلام میلاتے تھے وہ جناب امیر کے متعلق نہ حضرت رسول کے خیالات اور تعلق قلبی سے واقف تھے نہ اُنہین علی کے درجہ اور اُنکے اسلامی خدمات کے واقفیت کے آسان ذرائع حاصل تھے۔ اُنہین جو کچھ تعلق تھا موجودہ سیاسی نظام سے تھا اور جس طرح کا اسلام اُنہون نے سیکھا تھا اسی نظام کے سایہ مین سیکھا تھا یہ تھا کہ علی رسول کے بعد خلافت نہ ملنے پر متاسف ہوتے اگرچہ اُنہین تھوڑی رعایا اور ریگستانی خطون پر حکومت کرنی پڑتی اُنہین تو اُس درجہ خصائل پر لوگ چاہیے تھے جیسے رسول چھوڑ گئے تھے لیکن اُس خلافت

سکے قبول کرنے میں پس و پیش کرتے جسمین کسریٰ اور قیصر کے ملک جوڑ دی جا چکے ہوتے اور جسمے عمر عاص۔ معاویہ اور خالد ابن ولید کے ایسے لوگون نے اضافہ کیا ہوتا۔ اور صرف عدد اُ مسلمان بڑہ گئے ہوتے بغیر اسکے کہ اُنپر اسلامیت کا قابل اعتبار سایہ پڑا ہوتا۔

متخلفین کے بارے علی اور انکے اصحاب کی مصلحت

زوج بتول نے جو بقول سید امیر علی صاحب جیسا وہ تاریخ اسلام مین فرماتے ہین "انتخابی حق کے پہلو بہ پہلو موروثی حق بہی رکہتا تہا" خلافت کے قبول کرنیکا اعلان کیا "کنجی" اپنے ہاتہہ مین لی۔ معلوم ہوا کہ کچہہ لوگ بیعت سے آنکہین چُرا رہے ہین۔ خاموش رہے۔ پُرجوش مخلصین نے غالباً گزشتہ مثال کے لحاظ سے گذارش کی کہ ہمین منکرین کے ساتہہ سخت برتاو کی اجازت دیجئے۔ دلیل یہ لائے کہ "لوگ اپنے صلاح کار کے لئے اپنی بیعت کرتے ہین آپ بہی اپنی صلاح کار محفوظ رکھے"۔ اس جوڑ توڑ کی صلاح کے معنی اور کیا تہے کہ اقرار کے بوجہہ سے دبا دیجے کہ آخر مین وہ انکار نہ کر سکین۔ لیکن اجازت نہ دی کیونکہ علی کے نزدیک یہ رسمی بیعت بے سود تہی جب تک "رغبت" نہ ہو۔ فرماتے ہین کہ "ہم آدمیون کو تم سے اچہا پہچانتے ہین"

یہ بہی فرماتے ہین کہ "مجہے اپنی رائے پر چلنے دو" اِس سے سمجہہ مین آتا ہے کہ جناب امیر نے انلوگون کے متعلق کسی برتاو اور معاملت کو اپنے ذہن مین طے کر لیا تہا۔ ابہی کے دن گذرے ہے کہ اُسکا اثر محسوس ہوتا یا وہ کوئی مصلحت جاری کر چکے ہوتے۔ یہ ایک امر تھا جسے زمانہ اور وقت طے کرتا۔ ممکن ہے کہ جناب امیر وقت اور اپنی حکومت کے جم جانے کے منتظر ہون جسکے بعد نظام کا وزن انہین دبا دیتا۔ ممکن ہے کہ جناب امیر وقت دے رہے ہون اور امید ہو کہ ہمارا برتاو دیکہکر روبراہ ہو جائینگے۔ ممکن ہو کہ جناب امیر سوچے ہون کہ انپر تشدد انہین بہگا دینے کا سبب ہو جس سے دور و دراز مقامات پر جا کر یہ غلط فہمیان پہیلائین۔ ممکن ہو کہ انلوگون کے ساتہہ ان لحاظ کے اس لئے ضرورت محسوس ہوی ہو کہ وہ دیکہنا چاہتے ہون کہ مکہ اور دمشق کدہر کروٹ لیتا ہے۔

حوصلوں سے رسوخ پیدا کرنا چاہتے تہے۔

کچہہ لوگ جو بڑے حوصلون والے تہے لیکن فی الجملہ متانت پسندی ظاہر کیا چاہتے تہے اگرچہ انکو یقین نہ تہا کہ ہم امیر المومنین پر چہا جائینگے لیکن تاہم بغیر تجربہ کے وہ کوئی اور دوسری راہ اپنے لئے اختیار نہ کیا چاہتے تہے۔ وہ لوگ سوچتے تہے کہ اگر ہم ایسے ظاہر ہو سکے جس سے یہ سمجہا جا سکے کہ ہم خلافت کے رسمی یا غیر رسمی مشیر ہین تو یہ بہی کچہہ زیادہ دبی بات نہ ہوگی اور اس طرح ہم خلقت کی نگاہ میں بہی

قدو قامت کے دکھائی دیجیے اور خود خلافت بھی امرار کے ساتھہ ہین شریک دیکھکر ہمارے تخلیقی کوشش نہ کرنگی بلکہ لگار کھی گی - اور اگر ایک دفعہ امتیاز کا عکس ہم پر پڑگیا تو اب سے کہانتک ہم زیادہ نفع مین نہ رہین گے - اس ذیل ڈول کے ساتھہ لوگ جناب امیر کے قریب گئے - مصلاحون کی گھڑی بندہی تیار تہی لیکن یہان کی قضا سخت ردکھی دکھائی دی -

علی کی اسکیم

علی کے پاس کوئی ایسی اسکیم نہ تہی جس سے ایسے لوگون کو لگے رکہنے کی ضرورت محسوس ہولی - اسکے وقت گزر گئے - علی کی اسکیم یہ تہی کہ وہ قومی اندرونی اصلاح کرین جو مدتون سے غفلت کے حوالہ تہی خصائل قومی کی عدم مرکزیت کو دور کرین اور مرکز پر قائم کرین - علی چاہتے تہے کہ انفرادی جائز حوصلے اس طرح نکلین کہ قومی خصائل اسمین جذب یا معدوم نہ ہو جائین - مختصر لفظون مین علی چاہتے تہے - کہ لوگون کو رسول کی طرف پھیر لائین -

بہر حال اور کسی کو کوئی امتیاز حاصل ہوا ہو یا نہ ہو طلحہ و زبیر کو یہ امتیاز ضرور حاصل ہوا کہ نہج البلاغہ کا ایک خطبہ اس مضمون سے ہے - جسمین امیر المومنین صلاح نہ لینے یا مساوات برتنے کا جواب دیتے ہین ایسے لوگون کے لئے تو بہتر یہ ہوتا کہ ایک خلیفہ ہوتا جو انکی رائے اور رہنمائی کا محتاج ہوتا - اور انہین مساوات کی خفت نہ برداشت کرنی ہوتی - عجب تہا کہ اگر جناب امیر کو خاموشی سے حکومت اور اندرونی اصلاح کا موقع ملتا تو اکثر لوگون کے سنگ مرمر کے محل رہن یا بیع ہو جاتے اور اکثر جو مال حکومت سے خواہ مخواہ کے زمیندار بن گئے تہے اب اپنے ہاتہون مین آبلے دیکہتے - اور سچ تو یہ ہے کہ جناب امیر سے مخالفت کا ایک سبب یہ بہی تہا کہ ایسے لوگ سمجھ چکے تہے کہ اب ہمارے ہاضمہ مین فتور پیدا ہو جائیگا - جناب امیر سے یہ ممکن نہ تہا کہ انفرادی مالی مرکزیت کے مقابلہ مین قومی نقصان اور نا انصافی گوارا کر سکتے - یہی لوگ اکیلی مثال نہ تہی بڑے بقراط مغیرہ ابن شعبہ بہی ایک عدد مشورہ کے ساتھہ تشریف لائے اور صلاح اس سے کم نہ تہی کہ معاویہ ابن ابو سفیان اپنی جگہہ رہنے دیا جاوے - انکے اسلام لانے کا موقع تاریخون مین مذکور ہے اسکے سیاق کا ہم تذکرہ کر چکے ہین - ہم نہین جانتے کہ گذشتہ حکومتون کو انہون نے جو صلاحین دی تہین وہ محض اپنے نفع اور سلطنت کی وفاداری کے لحاظ سے تہین یا ذاتی طور پر انہین بہی بنی ہاشم سے کوئی شکایت تہی اگرچہ آگے چلکر ایسے مواقع پیش ہو گئے جن سے ذاتیات کا معاملہ درپیش ہو جاتا - یہ کیسے کہہ سکتا ہون کہ بنی ہاشم انکی حرکات کو استحسان کی نظر سے دیکہتے تہے

نہ مغیرہ کو بنی ہاشم کی اُس حالت مین اسکی بڑی کوئی فکر تھی کہ ہمین یہ کن نگاہوں سے دیکھتے
ہین جب کہ ایسے زبردست مددگار موجود تھے جو اسکے خلاف سخت شہادت کو مجروح کر دیتے اور
شرمسار ہونے سے بچا لیتے۔ اگرچہ ممکن سے دور نہین ہے کہ اس وضع کا مدبر اب اس صلاح کے ساتھ اُسکے
وقت اس فکر سے خالی نہ ہو کہ اگر امیر المومنین ؑ ہمین امید دلائی تو ہم اپنے پہلے دوستون کے خلاف
چھری چلانے لگین۔ لیکن علی کا دور حکومت وہ دور نہ تھا جسمین ایسے خصایل کے مدبرین کی قدر کیجا سکتی۔
قطع نظر اسکے و نیز اسکے کہ علی اور بنی ہاشم کو اس سے کسی نیک صلاح کی امید نہ ہو سکتی تھی ہم دیکھتے ہین
کہ اسکی صلاح نہ صرف قابل عمل نہ تھی بلکہ معاویہ کی تحریک تھی جسے وہ بحیثیت ایجنٹ کے ادا کر
رہا تھا۔

مغیرہ کی صلاح ممکن العمل نہ تھی۔

مین کہہ چکا ہون کہ کیونکر حجاج بن خزیمہ شام پہونچا اور اُسنے معاویہ سے ظاہر کیا اور صلاح دی کہ
"شام مین تیرے پاس جس قدر لشکر اور سامان ہے وہ علی سے بہت زیادہ ہے۔ ابھی اُنکا انتظام جیسا چاہیئے نہین
کہ وہ مدینہ سے جنبش کر سکین۔ لشکر تیرے موافق ہے اگر تو علی سے مخالفت کرنا چاہتا ہے تو اسکے قبل چاہئے
کہ اُنمین قوت پیدا ہو جائے۔ جب وہ اپنا انتظام کر لین گے تو یقین ہے کہ وہ عراق و حجاز پر بغیر نیام
کے راضی نہ ہونگے"۔ معاویہ کے خیالات مغیرہ کو معلوم ہوے اور اب یہ اس "نیک نیتی" کی صلاح سے
لدے ہوے امیر المومنین کے پاس پہونچے۔ کیا جناب امیر کے لئے بنی امیہ کے حالات سے پوری واقفیت
ہونے کے بعد و نیز اس علم پر کہ بنی امیہ کے افراد جو مدینہ مین موجود تھے وہ انھین خلیفہ دیکھکر پیچ و تاب
کھا رہے تھے یہ ممکن تھا کہ وہ معاویہ یعنی اصل مخالف اور بنی امیہ کے مرکز امن کو اپنی جگہ قایم رہنے دیتے
نہین۔ یہ علی کی حکومت اور اختیار کے لئے ہمیشہ ایک دھمکی ہوتی۔ وہ کبھی معاویہ کی طرف سے مطمئن نہ ہو سکتے تھے
اور ہر وقت انھین اندیشہ ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی قوت کے آزمانے کو مستعد ہو جائیگا علی کا خلیفہ ہونا اور
ایک زبردست صوبہ کا مخالفت پر تلے رہنا یا اطاعت کی آمادگی ظاہر نہ کرنا بلکہ حکومت کے بھیجے ہوے نائب کو
واپس کر دینا اعلان جنگ تھا اور اب جو حکومت کا فرض تھا کہ باغی عامل کو سبق دے۔ معاویہ سے ایسی
حالت مین چشم پوشی کرنا اور اُسے اپنی مخالفت پر آمادہ ہوتے دیکھتے رہنا دوسرے عاملون کو ایک تحریک
ہوتی کہ تم بغاوت پر کیون آمادہ نہین ہوتے۔ اور جب ایسا سبق دے چکتے تو تو دار السلطنت کی کون
ذمہ داری کرتا اور کیون نہ ہر شخص ہر روز حکومت کا امیدوار بنکر آتا اور وہ کامیاب ہوتا جیسے ساتھ ہو نہ

ہتیار اور آدمی ہوتے۔ پھر ایک صوبہ کا عامل دوسرے سے جنگ کرتا تمام ملک میں بے امنی اور قتل و غارت کا بازار گرم ہو جاتا یا ایسا ہوتا کہ انمین سب سے زیادہ قوی اپنی حکومت منوا لیتا۔ یا دو تین - چار برابر کے اپنی اپنی حکومتین اور سرحدین قائم کر لیتے۔ اسکے معنی یہ ہوتے کہ وجہ اپنے اختیارات کو آئندہ اور موجودہ بھلائی کے لیے صرف کرنے کا موقع تہا وہ اس لیے خاموش ہوتا کہ تیس چالیس برس کی متواتر خونی جنگین قائم ہوتیں اور مخالفتوں کا ذخیرہ برابر تقسیم ہو کر ابد الآباد تک جاری رہتا۔ اور رسول کے خلیفہ کا نظام یہ چاہ سکتا تہا کہ ایک ایسا عامل حکومت کا نائب سمجھا جائے جو خلاف حق اور خلاف راستی ذرائع اپنے کو اپنی جگہہ مضبوط کرنے کے لیے اختیار کرے اخلاق - اور مذہب پس پشت ڈال کر محض حکومت سامنے ہو اور اسکی حفاظت کے لیے بے تکلفی سے وہ ذرائع اختیار کیے جائیں جس سے اسلام کے بڑے اصول - اخوت - مساوات راستی - اعتبار اور محبت پر مکارانہ تدبیر کی قینچی چلتی رہی - لوگوں کو بے عنوانیوں کے بازپرس کی آزادی نہ رہے اور حکومت اپنے اختیار سے انکے منہہ بند کر دے انپر تشدد کرے اور مختلف قسم کے مصیبتوں مین گرفتار کر دے - اس لیے کہ کسی نے حکومت کو شخصی مال سمجھکر اپنے اوپر حکومت کے حق اور فرائض سمجھنا چاہے ہوں - وقت تہا کہ مسلمان کسریٰ اور قیصر کے نظام سیاسی کو طنز اور نفرت کے اظہار کے لیے مثال مین لاتے تہے - آج اسپر پورا عمل ہو رہا تہا -

لیکن محض حکومت اور اخلاق ہی کے نقطہ خیال سے ضروری نہ تہا کہ وہ لوگ جنہین عامل نہ رہنا چاہیے تہا عامل رہ سکتے بلکہ انقلاب کی اصل غرض یہ تہی کہ جنکے خلاف شکایتیں ہیں وہ اپنی جگہہ قائم نہ رہیں اور خلیفۂ ثالث کو قتل یا معزولی کی شرط اسی لیے پیش کی گئی تہی کہ وہ قابل شکایت عمال کی طرف داری سے چشم پوشی کرنا چاہتے تہے - جناب امیر کا خاموش رہنا گویا اسکا اعلان ہوتا کہ ہم بھی اسی مصلحت کے عامل ہیں جس مصلحت کے خلاف انقلاب ہوا جو خلیفہ کے قتل پر منتہی ہوا - دوسرے لفظون مین اسکے معنی یہ تہے کہ اصلاح کے خواہشمند اپنی تلوار اسوقت نیام مین رکہتے جب تک علی سے بہی تصفیہ نہ کر چکے ہوتے اب ہر شخص کو فیصلہ کا اختیار ہے کہ جناب امیر کے لیے یہ ممکن تھا کہ وہ معاویہ - ابن ابی سرح - ولید اور سعید ابن العاص وغیرہ کو اپنے ساتھ لیتے یا ان لوگوں کو جنکی تمام شکایتیں اب ملک اور قوم کی زبان پر تہیں - اور ان الذکر گروہ کے ساتھ اخلاقی سیاسی مذہبی اور خاندانی تجربہ کے اعتبار سے کوئی امید

نہ تہی۔ آخرالذکر گروہ نے جو کچہہ کیا تہا یا جو کچہہ چاہا تہا اُسے یا تو لوگون نے پسند کیا اور ساتہہ دیا یا متوقف رہے۔ صحیح ہے کہ جناب امیر نے بجز کتاب اور سنت کے کوئی شرط اپنے ذمہ نہ لی تھی بلکہ یہ ایک شرط بہی جو خود اُنکا عین منشا تہا اور لوگون سے صاحب صاف کہہ بھی دیا تہا کہ تمہارے بابت کسی کوئی حق سوا اسکے نہین ہے کہ مجہکو تمنے امامت کے لئے منتخب کیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہین کہ یہ تم نہین ہو جو مجہے مصلحتیں گڑھکر دیا کروگے بلکہ یہہ مین ہون جو تمہین کسی امر کا حکم دونگا اور تمہین بجالانا ہوگا۔ اور اس خیال کے ظاہر کرنیکے بعد بھی وہ یہی تصفیہ کرسکے کہ ہم اُن عمال کو معزول کرین۔ بغیر اسکے کوئی دوسری مصلحت علی کی مصلحت نہین ہوسکتی تہی۔ کسی نے اسکی مخالفت نہ کی بجز مغیرہ ابن شعبہ کے اگرچہ بعض مورخین نے یہ بہی مصلحت سمجہی کہ اُسکی ذرہ بہر تائید کے لئے ابن عباس کا نام بہی لیوین۔ کیا شکل تہا اِن مورخین کے لئے جب اُنہون نے خود حسنؑ کی زبانی اپنے مقدس باپ کو نصیحت کرادی ہے ۔

مجہے اسکے بعد کہنے کی ضرورت نہین ہے کہ مغیرہ ابن شعبہ نے اپنے صلاح کا بہندا خود چہوڑ دیا۔ کیا یہ صلاح کا پسند نہ آنا تہا کہ وہ دفعتہً مکہ چلا جاتا اور پہر شام سے صفین مین آتا جو اِس سے زیادہ کوئی امر صاف نہین ہے کہ وہ معاویہ کی وکالت کررہا تہا یا بذات خود بنی امیہ کی قوت اور صیانت کا کوشان تہا اور یہ امید کرتا تہا کہ اگر صلاح کارگر ہوگئی تو ہم معاویہ کی فوجون کو مدینہ کے قریب دیکہینگے۔ اور جب دیکہا کہ علی اس دام مین گرفتار نہ ہوئے جسکے معنی معاویہ کی طرف سے ہوشیاری اور آگے حرکت کرنیکا ارادہ ہے تو اب مصلحت نہ تہی کہ وہ علی کی نگاہ کے نیچے رہتا۔

یہ حالتیں کہتی ہین کہ کچہہ لوگ باوجود اسکے کہ جناب امیر سے اچہی طرح واقف تہے اور جانتے تہے کہ ہر صلاح اور صلاح دینے والا ایسا نہ ہوگا جو اُنکے خیال مین دخیل ہوسکے لیکن پہر بہی کچہہ تہے جو گئے اس امید پر کہ شاید حکومت کے تردوات اور ضرورتین علی کو اس قدر ڈہیلا کردین کہ وہ بعض ایسی چیزون کو گوارا کرلین جو عدم حکومت کی حالت مین اُنکے نزدیک قابل اعتراض ہوتین اور جب دوبارہ تجربہ ہوا کہ علی کی حکومت اور نظام سیاسی اخلاق کی حدود شکن نہین ہین۔ اور اُنہین اپنے نام و نمود سے یاس ہوگئی تو اُنہون نے اپنے حوصلے پورا کرنے والا گہر ڈہونڈہ لیا اور ڈہونڈہتے رہے۔ تاریخ اپنے کو دہرا رہی تہی کہ اگر ایک مرتبہ باپ ہوتے جو لوگون کے اِن جذبات کے سہارے سے اختیار حاصل کرسکتے تو دوسری مرتبہ بیٹی ہوتی جو ایسے لوگون کی مرکز امید ہوسکتی۔ حضرت ابوبکر کے علم کے

معترضین کے لئے حضرت عائشہ کا فوجی میلان حیرت خیز ہوگا لیکن اُنکی تمام حیرت۔ صفات کا اثر دیکھنے والونکی حیرت سے بڑھ نہ جائیگی جب وہ غور کرینگے کہ حضرت ابوبکر کے حلم نے بنی ہاشم کے حقوق کے ساتھہ جوکچھہ کیا وہی حضرت عائشہ کے آج کی فوجی جوشش کا باعث ہوا۔ متضاد صفات ایک نتیجہ کے لئے تھین۔ بنی ہاشم کی بے اختیاری۔

حضرت عائشہ نے کیون دارالخلافت سے علیحدہ مرکز قرار دیا۔

مین اس لئے نہین کہتا ہون کہ اسپر کوئی اصرار کرون لیکن سوچتا ہون کہ حضرت عائشہ مروان ابن حکم کے استغاثہ کے باوجود اُس وقت مکہ تشریف لیگئین جسکے چند ہی روز بعد حضرت عثمان کو سانحہ دہشتناک ہوا۔ یا عین اُسی وقت کے قریب جب سے محاصرہ کرنے والون کا تشدد بڑہگیا یا محاصرہ کرنیوالونکا مصمم ارادہ معلوم ہوگیا۔ اور کوئی شبہہ کی گنجایش نہ رہی کہ وہ کیا چاہتے ہین۔ طلحہ وزبیر بغاوت کی کسی نہ کسی شاخ کے سالار یا ایک جزو تھے۔ یہ حضرت عثمان کو بھی معلوم تہا۔ حضرت عائشہ اور حضرت عثمان کی آپس کی ناموافقت نہ اب بصیغہ راز تہی اور نہ صدیقہ کے فتوے نے اوسکی سچائی مین کوئی شبہہ باقی رکہا تہا۔ اِن حالتون مین یہ سوال آسانی سے بیشک دیے کانہ ہوگا۔ کہ کیا حضرت عائشہ اپنی ہی تجویز یا طلحہ وزبیر کی صلاح سے ایسی جگہہ گئی تھین جہان اُنھین عثمان کے بعد اپنے آیندہ ارادون کے نفاذ کی پوری آزادی حاصل رہے۔ اور اُنھین مناسب قرینہ معلوم ہوا ہو یا امید ہی نہ ہو کہ لوگ علی کیطرف میلان ظاہر کرینگے اور اگر ایسا نہ ہوا تو ظاہر لوگون مین کوئی ایسا اثر وارنہ ہوگا جیسا طلحہ زبیر اور عائشہ کی تثلیث سے متصور ہوسکتا تہا۔ اور نتیجہ یہ ہوگا کہ اس طرح اختیار ہاتہ مین آجائیگا۔ انھین اسکے لئے کی اس لئے بھی امید ہوگی کہ جوکچھہ انقلاب ہے وہ بنی امیہ کے خلاف ہے اس لئے بنی اُمیہ کا کوئی ذی اثر سامنے آنے کی جرأت نہ کریگا۔ مختصر یہ کہ جوکچھہ پیش بندی کی ضرورت محسوس ہوئی ہو اُنھین اپنی کامیابی کے لئے بنی ہاشم اور بنی اُمیہ سے کوئی بڑا خوف نہ تہا اور گویا وہ اپنی کامیابی کو حتمی سمجھتے تہے۔ دیر اُسی قدر تہی جس قدر وقت عثمان کے قتل مین صرف ہو۔ طلحہ اور زبیر اگرچہ خود کوشان تہے اور اُنھین امید ہوسکتی تہی لیکن اُنھین عایشہ کی ایسی ذی اثر ذات کے سایہ مین پناہ لینا مفید تہا اور اس لئے یہی ضروری تہا کہ وہ اِن دونون آدمیون مین اپنی قوت قایم رکھہ سکتین۔ تم کہوگے کہ اگر طلحہ وزبیر اور خلافت کے درمیان تہندی سانسون کا جزر ومد تہا تو اُنہون نے اُس وقت خلافت کیون نہ قبول کرلی جس وقت جناب امیر نے اُنکا استمزاج لیا۔ لیکن اسکی ذمہ داری کون کرتا ہے

طلحہ وزبیر کی آپس کی دشواریان

کہ طلحہ یا زبیر ایک دوسرے سے بھی یہ تصفیہ کرسکتے تھے کہ ہم مین سے کوئی خلیفہ ہوجائے بلکہ مین یہ کہہ رہا ہون
کہ طلحہ وزبیر عایشہ کے زیر اثر ایک نظام درست کرتے جو نظام شوری (ڈولسنگ) کہا جاسکتا۔ آپس مین
کسی کو کوئی ترجیح نہ ہوتی اور انھین حد پر رکھنا عایشہ کا کام ہوتا۔ اسکے علاوہ کچھہ اور نہ ہوسکتا اس لیے
کہ ان دو حضرات کے دو فرزند تھے جنھین گرم خون اور بلند حوصلہ تھا جس سے ہر تصفیہ کی موقت امید کر
لیجاسکتی لیکن اُسپر اعتبار کرلینے کا کوئی اعتبار نہ تھا۔ دوسرا امر یہ تھا کہ جناب امیر کا بفرض محال یہ فرمانا
کہ "اگر تم پسند کرتے ہو تو مین تمہارے ہاتھہ پر بیعت کرون" اونکا ایک ذاتی اعلان تھا اسکے بعد یہ لوگون کی
خواہش ہوتی کہ وہ بھی انھین سے کسی کو پسند کرتے یا نہ کرتے یا باوجود انکی پسند کے علی ہی سے خلافت قبول کرنے کی
استدعا کرتے۔ طلحہ وزبیر نے علی کے ایسا فرمانے پر اپنے اعلان پسندی کی سبقت نہ کی اس لیے کہ وہ لوگون کے
موج خیز میلان کو علی کی طرف دیکھہ رہے تھے اور یہ محض بشرہ اور دل مین نہ تھا بلکہ صدا انکی جو ایک بڑے
دور مین سنائی دیجاچکی تھی مجھے کوئی شبہہ نہین کہ انکی بیعت خوشی سے نہ تھی لیکن مین حسن کے خیال کو
دوہرانا چاہتا ہون کہ حکم شرع ظاہر پر ہے۔ وہ اپنے اقرار بیعت کے ذمہ دار تھے۔ اور یہ تو کہنا ہی نہین ہو کہ
اگر طلحہ وزبیر کو علی کی بیعت سے اکراہ تھا تو کس وجہ اور کسکی طرف رغبت کے لحاظ سے۔

جناب امیر کے فرمانے کے وقت کیون طلحہ وزبیر نے خلافت قبول نہ کی۔

ان اتفاقات مین انھین بجز اس فوری عمل کے کوئی چارہ نہ تھا کہ یہ دیکھین کہ ہم امورات خلافت مین
کس درجہ دخیل ہوسکتے ہین درانحالیکہ انھین اپنی اندرونی فکرون سے کوئی روک نہین سکتا تھا
کچھہ تعجب سے زینب بنت ابوسفیان یہ کہہ سکتی تھی کہ "طلحہ وزبیر نے عثمان کے قتل مین کوشش کی اور فتنہ
کھڑا کیا اگر آج علی کی بیعت کی ہے تو اسکی کوئی اصل نہین ہے آخر مین مخالفت کرینگے۔ ظاہر مین دوست اور
باطن مین دشمن ہین" یہ لطیفہ نہین ہے کہ انکا دل اپنے کو اس درجہ ظاہر کرچکا تھا کہ بے شعور دف بھی منہہ چڑھانے
کی کوشش کرتا۔ تجربہ ہوا۔ دیکھا کہ علی کو انکے اس اعلان سے کہ "میل و محابا از من واقع نہ شود" اور میان
شما ترجیح ننہم" ہٹا نہین سکتے ہین تو اب اپنی دلکی دبی ہوئی آگ کو سرد کرنا ممکن معلوم نہ ہوا۔ نہ اسکے قبل کہ
طلحہ بصرہ کی اور زبیر کوفہ کی حکومت کے خواستگار ہوچکے ہوتے۔ عالم سیاسیات کا اقتضا یہ نہین ہے کہ چیزین
اپنی ظاہری صورت مین قبول کرلی جایا کرین۔ یا اعلان اپنے الفاظ کے اعتبار اور شکل سے قابل وثوق ہوجایا
کرے اسمین اعتبار سب سے آخری چیز ہوا کرتی ہے بلکہ ظاہری صورت کی جگہہ اسکی تہ اعلان کی جگہہ غرض اور
نیت الفاظ کی جگہہ عمل اور اُس کا اثر دیکھا جاتا ہے اور گذشتہ یا آیندہ قرائن کا وزن کیا جاتا ہے سیاق

اور سیاق پر تیلاشی۔ چھانٹی ہوئی نظر چھوئی جاتی ہے۔ اور اسکے بعد حکومت کی کشتی کھینے والیکا وہم اُسے اس طرف لیجاتا ہے۔ جدہر اُسے طوفان کا سب سے کم قرینہ اور اپنے تجویز کے محفوظ اور مفید مقام پر اُتار دینے کا یقین ہوتا ہے۔

حکومت کو اسکا مشکور ہونا چاہیے تہا کہ طلحہ و زبیر نے اس لئے بصرہ اور کوفہ جانیکی خواہش کی کہ "لوگوں کے منتشر خیالات کو مجتمع کریں" اور جناب امیر نے بعض مورخین کے موافق یہ فرمایا کہ "تمہارا میرے پاس رہنا مناسب ہے"؟ کیا اس لئے کہ انہیں تسکین ہوتی۔ اور مشکل امورات میں اُنکی صلاح لیتے۔ نہیں۔ صلاح قبول کیجانے کے لئے یہی ضروری نہیں ہے کہ صلاح دینے والا بڑا سمجھدار ہو بلکہ کوئی صلاح قابل عمل نہیں ہو جب تک کسی مخصوص صلاح کے متعلق صلاح لینے والیکو اعتبار نہ ہو۔ کیا یہ موقع تہا کہ جناب امیر اس صلاح کو قبول کرتے؟ کیا جناب امیر نے کوئی صلاح طلب کی تہی؟ نہیں۔ بلکہ بصرہ اور کوفہ کے "منتشر خیالات" ہی قابل سوال تہے۔ بصرہ پر جناب امیر کا عامل قابض ہو چکا تہا اور اُسے کوئی شکایت نہ تہی۔ کوفہ میں ابو موسی بیعت کر چکا تہا اور اگرچہ جناب امیر کو اُسکی طرف سے اطمینان نہ تہا لیکن ساتہہ ہی یہ بہی معلوم تہا کہ اہل کوفہ زیادہ تر ہمارے موید حقوق ہیں۔ یہ جناب امیر کے سمجھنے اور دیکھنے کی بات تہی کہ وہ کوفہ کے ساتہہ کیا کرینگے اور کس طرح اپنا اطمینان کرینگے۔ اور یہ بہی ذکر کیا گیا کہ جب بغیر اطمینان کئے ہوئے آگے بڑہنا قرین مصلحت نہ نظر آیا تو جناب امیر نے مسلسل کوشش سے اُس وقت تک آگے قدم نہ اُٹھایا جب تک انہیں کامیابی نہ ہوئی یہ کامیابی فوجی ذرائع سے نہ تہی بلکہ خالص سیاسی تہی۔ تو پھر کیا تہا کہ اب طلحہ و زبیر ان دونوں مقامات پر جا رہے تھے۔ اس لئے کہ انہیں امید تہی۔ ایک جگہ ابو موسیٰ تہا جسے اپنا ہمخیال وہم عمل بنا سکتے تہے اور اسکے علاوہ بیٹھے ہوئے دریا میں پرند جانوروں کے بیٹھ جانیکے لئے بہت سی لاشیں ملجاتی ہیں۔ عبداللہ ابن عامر ابہی چند روز ہوئے تہے کہ بصرہ سے بھاگا تہا، وہاں بہی اثر ڈالنا ممکن تہا اور راز تو یہاں تک ظاہر تہا کہ یہ حضرت ابن عامر کے بھاگ آنے پر یہ کہہ سکتے کہ تو نے جلدی پہلے آنے میں غلطی کی تجہے ہمارے آنے تک انتظار کرنا چاہیے تہا! اب یہ سوچنے کی بات ہے کہ آیا علی یا انکے موقع پر کسی دوسرے مدبر کا یہ موقع تہا کہ وہ انہیں انکا امن اور صلح کے الفاظ کا شکریہ ادا کر کے روانہ کر دیتا اور اسکا منتظر رہتا کہ فقرہ امن یا حکومت کے خلاف فساد کی خبر آتی اور اسکے بعد نہ صرف معاویہ کی فکر ہوتی بلکہ بصرہ اور کوفہ کے ایسے دو مفید مقامات بہی قبضہ سے نکل جاتے۔ بغرض محال طلحہ و زبیر نہایت نیک نیتی سے صلاح دیرہے تہے اور یہ سب غلط کہ جناب امیر انکے دلی ارادے سے واقف تہے اور جب

انہوں نے مکہ جانیکی اجازت چاہی اور جناب امیر نے ساری باتیں کھول کر رکھدیں تو انہوں نے تشریح [illegible]
لیکن سوال تو یہی کہ اصلاح کے قبول نہ کئے جانے پر انہیں مدینہ رہنا کیوں ناگوار ہو گیا۔ یہی نہیں بلکہ آیندہ کیلئے
الزامات گڑھنے کیلئے آمادہ ہوئیں۔ اگر پہلی غرض یہ تھی کہ علی کو راستے سے ہٹادیں اور جب اُسمیں کامیابی نہ ہوئی
تو اب اُسکے عکس یعنی لوگوں پر ہاتھ صاف کرنے کا ارادہ کیا اور دنیا کو اسکا کافی تجربہ ہے کہ جم غفیر پر قبضہ کر لینا
خصوصاً ایسے ذرائع سے کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ دونوں کا نتیجہ ایک تھا یا دونوں چالیں ایک ہی نتیجہ کے
لئے تھیں۔

مدبرین کے نزدیک یہ ہمیشہ ناقابل معافی گناہ رہا ہے کہ اونکی مصلحت اور اونکی غرض کو وہ کیوں سمجھے جنپر وا
لیگئی تھی اور اُسکے اجرا تک سخت احتیاط کرتے ہیں اور اسکے بعد طرح طرح کے عذرات سے تجاہل پیدا کرتے ہیں
یہانتک کہ انکی مصلحت اپنے مرکز پر پہونچ جاتی ہے اور ڈہانک لیتی ہے کیسے بھلا معلوم ہوتا طلحہ و زبیر کو جب وہ نہ صرف
دیکھتے بلکہ جناب امیر کو فرماتے ہوئے بھی سُنتے کہ "میں وہ کفتار (ایک جانور) نہیں ہوں جو ٹھکیا ٹھکی آہستہ آہستہ
زمین پر لکڑی مارنے سے سو جاتا ہے یہانتک کہ اُسکا طالب اُس تک پہونچ جاتا ہے اور اُسکا منتظر اُسے دہوکا دیتا ہے"
شاید ہم میں سے بعض یہ خیال کریں کہ اصحاب جمل میں دفعتہً کیسے یہ ہم آہنگی پیدا ہو گئی کہ وہ سب کے سب مکہ میں جمع
ہو جاتے اور وہ کرتے جو کچھ کیا۔ ضرور اُنمیں آگے پیچھے جمع ہو جانیکی ہم آہنگی پیدا ہوئی لیکن اُنکی یہ ہم آہنگی کہ وہ
اُس غرض کیلئے جمع ہو جاتے جسکے لئے جمع ہوئے کوئی فوری انقلاب طبیعت نہ تہا جسکی تاریخ نہ صرف ہم واضح کرتی
ہے بلکہ واقعات کے قریب قریب یکسان نوعیت کی تکرار نے اسکے اچھی طرح ذہن نشین کر دیا۔ یہ کچھ نہ تھا
مگر پیکر واقعات کا نشو تھا۔ مجھے اس وقت ان لوگوں کا جمع ہونا حیرت میں نہیں ڈال سکتا جبکہ بعد رسول کی
رحلت کے بعد ہی حاکمانہ اختیارات سے لدی ہوئی صورتیں رسول کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے دکھائی دیتی ہیں
اور جب یہ لوگ اس طرح صریحاً دن کو رات کہنے پر آمادہ تھے تو کیا غم تہا کہ کوئی یہ کہتا کہ حرم رسول کو یہ کیونکر
گوارا ہوتا کہ عثمان قتل ہو جاتے بہ نسبت اسکے کہ تم اس طرح باہر آتیں"۔ یا یہ کہ تم نے اپنی بیبیوں کو پس پردہ
بٹھا رکھا ہے اور زوجہ رسول کو اس طرح لئے پھرتے ہو" اُس وقت تک نسوانی بے حجابی غیرت سے اس درجہ
بلند نہ ہو گئی تھی کہ اُسکے بہت سے حامی ہوتے۔ شاید یہ بے حجابی موقت ہو اور منافع ایسے واضح ہوں جسپر غیرت
قربان کیجا سکتی ہو۔

کوئی حیرت کی جگہ نہیں ہے اگر حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ کی ہمراہی گوارا کی اور اسی طرح اسمیں بھی کوئی

عجب کی بات نہیں ہو کہ حضرت ام سلمہ نے حضرت علی کا ساتھہ دیا۔ کیسے صاف ہوتا کہ حیات رسول مین بعض ازواج کا ایک گروہ تہا اور بعض کا دوسرا جسمین یہ کہا جاچکا کہ حضرت عایشہ اور حفصہ ایک طرف تھین اور حضرت ام سلمہ دوسری طرف۔ اور صورت معاملہ جو ہو رہی تہی اُس سے حضرت عایشہ اور حفصہ کا اپنے اپنے باپ کو مفید حالات سے مطلع کرنا اور اپنے موقع کے لحاظ سے اُنکی کامیابی پر اثر ڈالنا بعید نہ تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ عبداللہ ابن عمر نے اپنی بہن کو روکا۔ اِنکا تصفیہ کر سکنا کہ اِس سے اُنکی کیا غرض تہی کسی قدر مشکل ہو۔ لیکن یہ امر واقع ہو کہ کسی طرح ابن عمر کو مساوی یا ادنے نصیب کی امید نہین ہوسکتی تہی۔ اِس لئے کہ خون عثمان کے بہانے سے انتقام لینے کی صلاح مین ابن عمر کا کوئی ہاتھہ نہ تھا بلکہ مصلحت گر بننے والا گروہ محض موقع کے تقدس کے اضافہ کے لئے حضرت حفصہ کو بھی ساتھہ لینا چاہتا تھا۔ اُنھین معلوم تھا کہ یہہ کون کون لوگ ہین اور اُنھین یہ بہی معلوم تھا کہ طلحہ و زبیر اور عایشہ مین جو ایک دوسرے کا لحاظ ہے اوسمین بہن یا ہماری بہن کی شرکت کو کوئی امتیاز نہین دیا جاسکتا۔ اُنھین یہ بہی معلوم تہا کہ طلحہ وہ شخص ہین جنہون نے میرے باپ کی نامزدگی پر عذر کیا اور اُنہین یہ بھی معلوم تہا کہ ہمارے باپ قریش مین ایسے مقبول نہ تہے کہ اب کسی سہارے کی امید کیجائے۔ وہ اِس سے بہی واقف تہے کہ اپنے دوران خلافت مین میرے باپ کی سخت دیکھہ بھال یا بے اعتباری نے اکثر صاحب اثر لوگونکو جو اُنکے وقت مین معزول ہوئے اُنکی طرف سے کبیدہ کیا۔ اِن خیالات کے باوجود مین اسے بہول نہین جاتا کہ ابن عمر گوشہ نشین اور عابد مشہور تہے اور ممکن ہے کہ اُنھون نے ایسی شور انگیزی مین اپنی بہن کی شرکت سے احتیاط کی ہو۔ مین یہ بہی کہہ سکتا ہون کہ اُنھین اصحاب جمل کی اس کوشش کے عدم حقیت کا یقین تھا جو اُنکے بعد کے اِس خیال سے ظاہر ہے جسے مین سیرۃ الفاروق مین پاتا ہون کہ "اپنے مرنے کے قریب کہا کرتے تہے کہ مین اپنی زندگی مین کوئی چیز ایسی نہین پاتا جسپر افسوس کرون اور اب اسکے کرنے کا موقع نہ رہا ہو بجز اسکے کہ حضرت علی کے ساتھہ ملکر باغی گروہ سے لڑائی نہ کی"۔

صورت حال کے متعلق امیر کے خطبات کا کام

تمام تاریخون اور روایات و حدیث کی کتابون مین جناب امیر کے وہ جواب لکھے ہین جو اُنہون نے اُنکے متعلق الزام پر دیے ہین۔ مین نے اسے الگ اور مین کافی سمجھکر نہج البلاغہ سے نوٹ کیا ہے۔ جناب امیر کہین اہل بصرہ کو عہد شکن بتاتے ہین۔ کہین طلحہ و زبیر کے حوصلہ حکومت کا ذکر فرماتے ہین۔ کہین طالبان خون عثمان سے اِس مسئلہ کے متعلق مختلف جماعتون کے خیال بتاتے ہین۔ فرماتے ہین کہ ایسے کام نہ کرنا جس سے قوت متزلزل ہوجائے۔ امید دلاتے ہین کہ مین عنقریب امر خلافت سے اس طرح تمسک کرونگا جس سے یہ محکم و استوار

حضرت حفصہ کو ابن عمر کے روکنے کے اسباب۔

ہوجائے اور جب کوئی چارہ کار نظر نہ آئیگا تو پھر آخر ش درد کی دوا داغ ہے"

مخالفین کی حرکات پر صبر کا وعدہ فرمایا ہے۔ جب تک موافق جماعت کے ضرر کا اندیشہ نہو کہتے ہیں کہ اِس جماعت نے احکام اسلام کو ایک پشت سر کی طرف لوٹانے کا ارادہ کیا ہے۔ اب تمھین لازم ہے کہ کتاب خدا و سنت رسول کے ساتھ ہمارے طریقہ پر عمل کرو۔ رسول کے حق کو قایم کرو۔ اسکی شریعت کو بلند و برتر بناؤ"۔ فرماتے ہین کہ طلحہ طلب خون عثمان سے لوگون کو مغالطہ مین ڈال رہے ہین۔ کہ بلحاظ اُس سرگرمی کے جو اُن سے مخالفت عثمان مین ظاہر ہو چکی اُنسے مطالبہ خون عثمان نہ کیا جائے۔

باوجود اسکے کہ جناب امیر نے منصفانہ طریقہ سے اُن لوگون کو قاتلان عثمان کا تصفیہ کرنے کے لئے مقرر کیا جو کسی طرف شریک نہ تھے لیکن اگر ایسا ہی ہوتا اور مدینہ کے لوگ حکم بنکر تصفیہ کر دیتے تو آیندہ طلحہ و زبیر کے لئے آگے بڑھنے اور ہاتھ پاؤن مارنے کی کونسی سبیل رہجاتی۔ جناب امیر یہ جانتے تھے لیکن چونکہ غلط فہمیون کے جواب کی ضرورت تھی اِس لئے کہ بقول مؤلف تاریخ الاسلام "لوگ واقعات سے واقف نہ تھے اُنکا (معاویہ) یہہ کہنا کہ علی قاتلان عثمان کے سردار ہین اثر کر جاتا تھا"۔ جناب امیر بھی اس زہریلے الزام کو حتی الوسع صاف کر دیتے تھے۔ جناب امیر کا یہ فرمانا کہ "اِن دونون مین سے ہر ایک اپنی امارت کی امید رکھتا ہے"۔ یہ کبھی ایسا صاف نہین ہوا جیسا اُس وقت جبکہ امامت نماز کا سوال درمیان مین آیا اور صورت معاملہ یہانتک پہونچی کہ حضرت عایشہ کی ذات کو یہ کہکر دخل کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کیا تمھارے کام کو درہم برہم کیا چاہتے ہو" اور یقیناً یہ کہنا بھی لفظ بلفظ پورا ہوتا اگر خدا نخواستہ اسکا موقع آتا کہ "اگر یہ اُس چیز تک پہونچ جائین جسکا یہ ارادہ کر رہے ہین تو بیشک اُنمین سے ہر ایک دوسرے کی جان لے لے"۔ واقعات نے صاف کر دیا کہ حضرت عایشہ کو ابن زبیر کی زیادہ محبت تھی اور اس سے بشرط کامیابی یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہ تھا کہ کون خلیفہ بنایا جاتا۔ اگرچہ بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ امامت نماز کے لئے ایک دن طلحہ اور دوسرے دن زبیر مقرر کئے۔ کیا مین سمجھ سکتا ہون کہ یہ محض امامت نماز تھی جس کے لئے یہ اہتمام جائز رکھا گیا ہو اور کیا کسی کا یہ نماز پڑھا دینا تو یا جسپر سے "کام درہم و برہم" ہو سکتا۔ نہین بلکہ اپنے پیشرو کے ایک خود ساختہ اصول کے اثر سے فائدہ اُٹھایا جاتا تھا کہ خلیفہ وہ ہوگا جو امامت نماز کرے مین نہین تصفیہ کر سکتا کہ اگر یہ مسلمہ اصول تھا تو آگے چلکر یہ ثانی کی بی بی کیونکر خلیفہ نہین ہو سکتی تھی۔

کون خلیفہ ہوتا اگر حضرت عایشہ کو فتح ہوتی

کیا قاتلین عثمان سے انتقام ممکن تھا۔

نظام حکومت کی اُس برہمی کی حالت میں جس وقت کہ جناب امیر نے اختیار اپنے ہاتھ میں لیا اور جسکے متعلق صاحب سیرۃ الفاروق تصانیف احمدیہ جلد اول سے یہ عبارت نقل فرماتے ہیں کہ "حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام تک جب خلافت پہونچی تو ایسی ابتر و خراب ہو گئی تھی جسکا درست ہونا اگر ناممکن نہ تھا تو قریب قریب ناممکن تھا"

ایا کسی طرح یہ قرین عقل تھا کہ جناب امیر کسی بڑے پیمانہ پر قاتلان عثمان کی تفتیش کر سکتے ہیں جبکہ یہ ہر ایک کو معلوم تھا کہ صوبے۔ قبیلے۔ شہروں اور خود مدینہ کے لوگ عثمان کے قتل کے محرک اور مؤید تھے۔ کیا یہ ممکن تھا کہ جناب امیر ایسی مشتبہ حالت میں طلحہ زبیر اور عائشہ سے قاتلین عثمان کی فہرست طلب کرتے اور اُن لوگوں کو جنکے نام لکھے ہوں ایک ایک کر کے قتل کرنا شروع کرتے ہیں درحالیکہ اُس فہرست میں طلحہ و زبیر کا نام ہوتا۔ کیا یہ ممکن تھا کہ طلحہ و زبیر جو جناب امیر کے نزدیک شریک شورش ہیں جناب امیر کی طلب پر کہ تم بھی اُن لوگوں میں ہو جو مستحق سزا ہیں اپنے کو امیر المومنین کے حوالہ کر دیتے کہ قانون اور انصاف پھر جاری کیا جائے؟ کیا کسی حاکم کی مصلحت اسکی مقتضی ہے کہ وہ ایسے مبہم فعل کے لئے آمادہ ہو جائے درحالیکہ اُسکی رعایا میں سے چند اُس سے انصاف نہیں چاہتے نہ استغاثہ کرتے ہیں بلکہ بہ نوک شمشیر اپنے شرائط لکھواتے ہیں اور اُسکا نتیجہ یہ ہو کہ انکی خواہش پوری کرنے پر بھی انکی اطاعت کی کوئی امید نہ ہو اور دوسرے طرف وہ جو بغیر تحقیقات کے مستوجب سزا ٹھہریں اپنے حق میں یہ ناانصافی دیکھکر خود بھی انصاف کو اپنے ہاتھ میں لے لیں اور اس طرح حکومت دو مخالف قوتوں کے درمیان گردش میں ہے؟ بلکہ عقل۔ انصاف اور مصلحت کا تقاضا اس سے بہتر نہیں ہو سکتا جیسا جناب امیر نے فرمایا کہ "عثمان کے لڑکوں کو پہلے میری بیعت کرنی چاہئے اسکے بعد پھر اُنہیں دعویٰ ہو پیش کریں کہ موافق انصاف شریعت کا حکم نافذ کیا جائے"۔

کون پیش کیا جا سکتا جبکہ خود نائلہ کو کوئی معلوم نہ تھا۔ انھیں تو انتقام چاہئے تھا۔ اس سے کیا بحث تھی کہ علی اسے "زمانہ جاہلیت کے جاہلوں کا کام" سمجھتے۔ اور چاہتے کہ لوگ مطلق العنانی چھوڑ کر حکومت سے تصفیہ کی خواہش کریں۔ نہ اُن لوگوں کو اس معاملہ کو اس وسعت سے دیکھنے کی ضرورت تھی جس ذمہ دارانہ حیثیت کے لحاظ سے امیر المومنین ملاحظہ فرما رہے تھے کہ تم انتقام کا غل مچا رہے ہو۔ دوسرا فریق انھیں واجب القتل سمجھتا تھا۔ تیسرا متوقف ہے اور انتقام کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ نہ انھیں اس [illegible]

مین کوئی فائدہ نظر آتا تھا کہ ؑ دل اور رائین اپنے مقام پر قایم ہوجائین پھر حقوق انسانی نے سے بیجا سکینگے کیا نتیجہ ہوتا اسکا بجز اسکے کہ قاتلان عثمان قتل کئے جاتے۔ بس۔ اور پھر ہم ۳ علی خلیفہ ہوجائین ایا اسکے قتل ہونیکے لیے بہت سے مسلمان ملتے ہین۔!

کس نے علی کو وقت دیا۔ کس نے انکی تائید کی اور کون اس تلخ صبر کے قابل ٹہرا جو بیعت کرلینے کے شوق اور جوش کے بعد اس ہوش کو اپنے سامنے رکہتا کہ بیعت کے معنی یہ بہی ہین کہ ہم اس راہ پر چلین جدہر ہم چلائے جائین راہ خشک تہی۔ لیکن انھین پتھر کی طرح سخت بنانے والی تہی۔ علاوہ ازین جس طرح بگڑ گئی تہین اُنکے بعد اسپر چلنا اور بہی دشوار ہوگیا تہا۔ لوگ تہوڑا آگے قدم ثابت نہ رہے۔ یعنی یہ لوگ تہے جنہون نے اپنے کو ناکامیاب کیا نہ وہ جو انھین کامیابی کی طرف لیجا رہا تہا وہ تو اپنی مصلحت کی ناکامی کا اس وقت ذمہ دار ہوتا جسوقت لوگ اُسکی خواہش پہ چلتے اور ناکامیاب ہوتے۔ واقعات کہتے ہین کہ یہ علی کی مصلحت نہ تہی جو ناکامیاب ہوگا بلکہ لوگون کی عدم اطاعت اور تساہلی تہے جو ناکامی پر مصر ہوئی انھین ابتدا کی تہوڑی سی تکلیف جو آزادی اور اختیار کی طرف لیجاتی بہلی معلوم نہ ہوئی اور وہ غلامی پر منہ کے بل گرے۔

نتائج کی تنبیہ

جناب امیر نے انہین قبل اسکے کہ کوئی واقعہ ہوتا پیشتر سے تمام نتائج سے مطلع کردیا اور اس طرح وہ اپنے تمام فرائض سے سبکدوش ہوگئے جسے ہم آگے ذکر کرینگے۔

بیان کئے جانیوالے واقعات جناب امیر کے اس فرمانے اور طرز عمل کا ثبوت ہونگے کہ "جب کوئی چارہ نہ ہوگا تو پھر آخرش درد کی دوا داغ ہے" یا "مین ابہی انلوگون کی حرکات پر صبر کرتا ہون جب تک تمہاری جمعیت کو ضرر پہونچنے کا خوف مجہے لاحق نہ ہو" اور یہ بہی بغیر فرمائے نہ رہ سکتے تہے کہ "مخالفین کے ضعف عقل اور بیجا ضد سے مسلمانون کے کامونکا انتظام بگڑ جائیگا" اور ان لوگون کے طرز عمل کے لحاظ سے اور کیا نتیجہ نکالا جاسکتا تہا مگر یہ کہ "اس جماعت نے احکام اسلام کو اسکے پشت سر کی طرف ہٹانے کا ارادہ کیا ہے"!

چونکہ اُنکے مین ایک طویل زمانہ کی تاریخ مضمر ہے

چونکہ اُنکے جو اسے خلاف اپنا امر سمجہتا ہو کہ حضرت اُم المومنین نے قتل عثمان کی خبر بغیر کسی جذبہ کے سُنی اور جب معلومات مین اس سے اضافہ ہوا کہ "اور علی خلیفہ ہوئے" تو زبان نے یہ الفاظ اور فقرہ مرتب کرلیا کہ "کاش آسمان پھٹ پڑتا کہ یہ برادان نزدیکہے" طبعاً حضرت عائشہ کا چونک اُٹھنا فطری تہا۔ لیکن انکا چونک اُٹھنا واقعات کی شرح بہی تہی کہ اب جناب امیر کا خلیفہ رسول ہونا اس قدر بعید از قیاس ہوگیا تہا کہ حیرت اور

مجمع کے انسداد کے لئے کوئی امداد و احتیاطاً بھی پیشتر سے موجود نہ ہوتا۔ مکہ کا اموی عامل مددگار ہو گیا۔ مکہ
بنی امیہ کا مرکز ہو گیا اور سامان کی درستی کے لئے یعلے ابن امیہ چھ لاکھ دینار لے آیا۔ جناب امیر نے اصحاب جمل
کی اصلی قوت کا نہایت صحیح اندازہ کیا تھا جہاں وہ فرما رہے تھے کہ جمل کے حقیقی عناصر طلحہ زبیر۔ عایشہ اور
یعلے ابن منیہ ہیں۔ جنمیں ایک پُرتلعفن مدبر۔ دوسرا بہادر سپاہی۔ تیسرا مرکز متقدس اور چوتھا مالی تائید ہے
اور جب یہ باتیں جو فوجی آراستگی کے لئے مفید اور ضروری ہو سکتی تھیں موجود تھیں تو کون امر اس اعلان
سے مانع تھا کہ جو شخص اسلام کی ہمدردی کرنا اور خون عثمان کا بدلہ لینا چاہتا ہو اور اسکے پاس سواری نہ ہو تو
آئے اُس کو سواری دیجائیگی"۔

مخالفت کے عناصر کا اندازہ۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ کوئی مدبر ایسی "اسلام کی ہمدردی" کا اور کیا عملی ترجمہ کر سکتا ہے بجز اسکے کہ ہمیں
صاحب اختیار بنانے کے لئے اپنی جانیں دو۔ اور علی ابن ابیطالب کو اختیار سے ہٹا دو۔ سواری
دینے کے لئے ہم تیار ہیں اور پھر ہم کامیاب ہوئے تو کبھی تمہاری گردن کو یہ شکایت نہ ہوگی کہ اُسپر بوجھ
نہیں ہے۔ اسے کون دکھاتا ہے؟

اصحاب جمل اور بنی امیہ میں رد و بدل۔

محرکین جمل کے لئے تھوڑی دیر سوچنے کی بات پیدا ہو گئی تھی جس وقت سعید ابن العاص نے انسے سوال کیا
کہ "اگر تم فتحمند ہو گئے تو کس کو صاحب الامر بناؤ گے"۔ اب تک طلحہ و زبیر جو سوال کا مطلب سمجھے تھے اطمینان سے
کہنے لگے کہ "ہم دونوں میں سے جس کو لوگ منتخب کرینگے"۔ اور یہہ سنکر سعید نے ایک بد مزہ تجویز پیش کی کہ
"نہیں۔ بلکہ عثمان کے لڑکے کو حکومت دینا" اور تائید اس سے کی کہ "کیونکہ تم خون عثمان کا معاوضہ لینے کو نکلے ہو"
طلحہ و زبیر نے جواب دیا کہ "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم شیوخ مہاجرین کو چھوڑ کر ان لڑکوں کو حاکم بنائیں"۔ ہم نہیں
جانتے کہ انکا یہ جواب سنکر کسی بوڑھے بدری صحابی نے ابو قحافہ کے لفظوں میں یہ خیال ظاہر کیا تھا یا نہیں کہ "اگر
بزرگی سن سے کوئی خلیفہ ہو سکتا ہے تو ہم کیوں نہ ہوں" اور سعید نے جواب دیا کہ "ایسی حالت میں میں کوشش
نہ کر سکونگا" اور یہ کہکر وہ عبداللہ ابن خالد اور مغیرہ ابن شعبہ کے الگ ہو گئے۔ اور پھر شام۔ کیا یہ اسکی
ایک مثال نہ تھی کہ ہر مغضوب گروہ اور اسکے افراد میں یہ خود غرضانہ خیال مضمر تھا کہ "ہم کیوں نہ ہوں"۔ بنی امیہ
اب وہ بنی امیہ نہ تھے جنہیں تھوڑی سی لالچ موافق بنا لیا کرتی۔ اب معاویہ اپنے اختیار سے شام کا عامل
تھا جو امیہ کی نوآبادی اسکی بستی تھی اور سلطنت اور اُسکے اختیارات کو قومی حیثیت سے بچانے پر مستعد تھی۔
یہ واقعہ ہے کہ اصحاب جمل نے شام کو اپنا مرکز نہیں بنایا۔ بلکہ اپنے لئے ایک دوسرا میدان تلاش کیا اور کچھ تعلق

اصحاب جمل کی فتح ہوتی تو امیر سے جنگ کا مقدمہ ہوتی

ان لوگون نے یا تو معاویہ سے مدد طلب کی یا معاویہ نے انکی طلب پر انہین کھرا جواب دیا۔ اور یہ خاموش ہو رہے۔ اب کیا یہ سوچا جا سکتا ہے کہ اگر طلحہ و زبیر کو فتح ہوتی تو یہ ابن ابو سفیان کو اپنے ماتحت بنانے کی کوشش نہ کرتے یا اُسے معزول نہ کرتے۔ یا مدد نہ کرنے کی سزا نہ دیتے۔ بنی امیہ اور اُنکے حوصلے اب اس سے کہین بڑھ گئے تھے کہ وہ حضرت عائشہ یا طلحہ و زبیر کی صاحبیا امری گوارا کرتے وہ علی سے اپنے اختیارات کے لئے لڑے وہ طلحہ و زبیر سے لڑتے اگرچہ کتنا اختیار ہوتے۔

سامانون کی درستی کے بعد اونٹ اپنے عالم پسند خوش رفتاری سے آگے بصرہ کیجانب بڑھا۔

پہنچے

جناب امیر کے آمد کی خبر نے اس اصلاح پسند لشکر کو تھوڑی دیر کے لئے انتقام خون عثمان بھلا دیا اور بصرہ کی جلدی لگی۔ احنف ابن قیس کے ایسے بہادر سمجھدار و تجربہ کار افسر کو ملانیکی کوشش کیگئی لیکن اُنکے متعلق پہلا ادام سنتا تھا۔

عثمان ابن حنیف کا ایسا مقدس صحابی جو عائشہ کے لشکر کشی کی خبر سنکر ایسا موافق واقعہ پر مختصر فقرہ کہہ سکتا تھا کہ اب اسلام کی چکی چلی!! اُس سے امید نہین کیجا سکتی تھی کہ وہ کوئی ایسی روش اختیار کرے جس سے قومی منفعت کا شائبہ پایا جائے اور اُنہے نہایت صحیح تصفیہ کیا کہ مین انکو روکونگا تا آنکہ امیر المومنین آئین ہو۔ لیکن اس لشکر کے خاتمانہ حوصلونکو اسمین کامیابی کی صورت زیادہ نظر آئی کہ کسی مقامی عامل اور اسکی موجودہ فوج سے لڑنا آسان ہے بہ نسبت اسکے کہ انتظار کے بعد فوجین اُسکی مدد کو آجائین۔ جنگ ہوئی عثمان ابن حنیف نے شہر کی حفاظت اور اپنی ذمہ داری کے فرض کو خوب ادا کیا یہانتک کہ فاتح لشکر نے بھی امیر المومنین کے آنے تک ہتیار روک رکھنا گوارا کیا۔ لیکن یہ عہد صرف دھوکا دینے کے لئے تھا اور جس وقت کہ بوڑھا صحابی عشرہ مبشرہ کے دو اصحاب اور ایک ام المومنین کے قول پر ایک مسلمان یقین کے ساتھ مطمئن ہوکر مسجد مین خدا کی عبادت کر رہا تھا یہ لوگ دوسرے سپاہیون کے طرز عمل کو اختیار کر رہے تھے جو اسکے منتظر رہتے ہین کہ یہود یوم السبت کو عبادت مین مشغول ہون تو ہم حملہ کرین۔ شاید یہ پہلا موقع تھا کہ خانہ خدا مین مسلمانون نے مسلمانون کا خون بہایا۔ مسجد مین خدا کا نام تک نہ لیا گیا بلکہ تلوارونکی جھنکار سے مسجد گونج اٹھی "کیا عجب ہو کہ قتل کے جوش اور خوشی مین ۔۔ اللہ اکبر منہ سے نکل گیا ہو۔ کون تھا جو عبرت سے کہتا! آئندہ ذکر کیا جائیگا جس سے بڑھکر کسی بڑے موقع پر تکبیر نہین کہی گئی

اصحاب جمل نے وہ طریقہ اختیار کیا جو رومی یہود کے مقابلہ کرتے تھے۔

اور سب جانتے ہین کہ عثمان بن حنیف کسکے حکم سے کس سزا کا مستوجب ٹہرا۔ اور پھر فاتحانہ داخلہ کے بعد طلحہ نے خطبہ کہا اور معاملہ عثمان مین اپنی براءت کی کوشش کرنی چاہی تو کسی نے صاف منھ پر کہدیا کہ "ہمارے پاس تو تمہارے خطوط انکی خلاف آتے تھے" کیا مشکل تہا کہ یہ سنکر زبیر جواب دیتے کہ "ہمنے یقیناً ایسے خطوط نہ لکھے ہونگے" اقرار کرنا موجودہ موقع کے خلاف بلکہ مضر ہوتا ۔ مگر مذہب کے سایہ مین اسوقت نہ تھے مدبر تھے۔ اسوقت سیاسی اخلاق پر عمل کرنا پڑ گیا تھا۔

جناب امیر حالتِ جنگ کا وسعت نہ دینا چاہتے تھے

مین نہین کہہ سکتا کہ کیون لیکن غالباً جنگ اور اُسکے نتائج کو وسعت نہ دینے کا خیال تہا کہ امیر المومنین نے قبیلے طے۔ اسد اور بکر ابن وائل کی شرکت جنگ کی خواہش کو منظور نہ فرمایا۔ اور اسیطرح احنف ابن قیس کے متوقف رہنے اور لوگون کو کسی طرف شریک ہونے سے علیحدہ رہنے کو پسند کیا۔ اہل کوفہ کو بھی یہ پیغام نہین دیا کہ تم میرے شریک ہوکر لڑو بلکہ "جس بلا مین تم اور ہم بھی مبتلا ہوگئے ہین اُسمین ہماری مدد کرو۔ اگر ہم مظلوم ہین تو ہماری امداد کرو اگر ہم ظالم ہین تو ہم سے حق لو"۔ اور رؤسائے کوفہ کی حاضری پر خود فرمایا کہ "اگر وہ لوگ اپنی رائے سے رجوع کرلین تو فہو المراد اور اگر اپنے خیال پر اصرار کرینگے تو اُس کا علاج ہم نرمی کے ساتہہ کرینگے تاکہ ہماری طرف سے ظلم کی ابتدا نہ ہو" اور یہ بھی فرمایا کہ "ہم کسی کام کو جسمین ذرہ بھر فساد ہوگا بغیر اصلاح کئے نہ چھوڑینگے"۔

احنف کا سوال پہلے خلیفہ کے طرز عمل سے پیدا ہوا تھا۔

ان واقعات مین ایک نہایت مفید عکس ڈالنے والا سوال احنف ابن قیس کا تھا جس نے امیر المومنین کی خدمت مین حاضر ہوکر اہل بصرہ کا یہ خوف بیان کیا کہ "اگر علی کو فتح ہوئی تو وہ ہمارے مردون کو قتل کرکے ہمارے بچون اور عورتون کو غلام بنائینگے"۔ مجھے اس سوال کی وجہ کے لئے اور کوئی ماخذ بجز اُس برتاؤ کے نہین دکھائی دیتا جسمین مانعین زکوٰۃ مبتلا ہوئے تھے۔ لوگ سوچتے تہے کہ جب ایک خلیفہ مسلمانون کی زن و بچہ کو پسندیدگی سے دیکھ سکتا ہے تو دوسرے کو کونسا امر مانع ہے شاید ان کو معلوم یا یاد نہ تھا کہ نہ صرف علی نے ابتدا ہی مین اُسنے اس جنگ کو پسند نہ فرمایا تہا بلکہ ایک مرتبہ سنت خلفا کو منظور نہ کرنے پر خلافت سے محروم ہو گئے تہے اور اس مرتبہ بغیر اس شرط کے خلیفہ ہوئے تہے۔ اہل بصرہ بھی اُن لوگون مین تہے جنہین علی کے متعلق زمانہ رسول کے واقعات معلوم نہ ہوسکتے۔ اِنھین کیا ذریعہ تھا بجز اُن چند لوگون کے جو یہان قیام پذیر ہوگئے ہون یا جنھون نے کچھ اور بھیال بنائے ہون اور جنکے ذہین مین دیکھے اور سنے ہوئے واقعات رہ گئے ہون۔ بہرحال جناب امیر نے یہ فرماکر اسوقت بھی اپنے پہلے خیال کی تصدیق کردی کہ مین ہرگز

ایسا نہ کرونگا اہل بصرہ مسلمان ہین"

ابو موسی

ہر شخص جس نے کوفہ مین ابو موسی کے بیعت اور مدد کرنیکے تردد اور انکار پر غور کیا ہے وہ اسمین ذرا شبہہ
نہین کرسکتا کہ وہ کسی طرح وجہ علی کا حامی نہ تھا۔ بعض اُسکی خاموشی بہی علی کے لئے مخدوش تہی۔ وہ نہ جانتے کہ
ہم کیا کرین اور آیندہ اپنے طرز عمل کو کس طرح درست کرین جبکہ ایک خوفناک بغاوت تمام سامانون سے سامنے
کھڑی ہے۔ ابو موسیٰ حسرت خیز نظریہ پیش کر رہا تھا کہ میری گردن مین عثمان اور علی دونون کی بیعت ہے۔ ہوسکتا
ہے کہ اسکی عثمان والی بیعت علی کے مخالف نہ ہو لیکن اسکی ذمہ داری کون کر رہا تھا کہ ایسے اُنلوگون سے
ہمدردی نہ تہی جو انتقام خون عثمان چاہتے تہے اور علی کے مخالف تہے۔ یہ صورت اُس قدر علی کی اطاعت
نہ تھی (اگرچہ علی کی بیعت کا زبانی اقرار تھا) جس قدر علی کے مخالفین کی تسکین تہی۔ حضرت عایشہ سے جو خط و کتابت
جاری تہی اُس سے یہ قیاس کرنا کہ ابو موسیٰ امیر المومنین کے وکلا کو بلطایف الحیل اُس وقت روک رہا تہا جب تک
حضرت عایشہ کوفہ مین داخل ہو جائین ایک ظاہر بات تہی۔ ابو موسی نے ایک لفظ منہ سے ایسا نہین نکالا جو
امیر المومنین کے لئے امید خیز ہوتا۔ ایسی صورت مین اصحاب جمل سے ابو موسی کی اخلاقی ہمدردی ہو یا علی
علی کے لئے خوشگوار نہ تھی کیونکہ اگر ہارتے تو ایک خلقی دشمن سے مشتبہہ رہتے اور اگر فتح پاتے تو خوف تھا کہ
اہل کوفہ ہار کر بھاگے ہوئے دشمنون کا نشیمن نہ ہو جس سے اُنھین جنگ اور خونریزی دوبارہ قوت حاصل
ہو جائیگی۔ اب اُس تمام گفتگو کو ختم کرنے کے بعد جو جناب امیر کے بھیجے ہوئے لوگون یا اُنکے مویدین نے کی ابو موسی کے
پہچاننے کے لئے اس قدر اور کہتا ہون کہ وہ جو علی اور اسلام کے فوائد کی پامالی چہرے کے مرتب رشتون سے
دیکھ سکتا تہا۔ عجز اور انکسار کا پتلا بنگیا جب اُسے یقین ہوگیا کہ سراپے سلطانی ہمین اپنے سایہ مین قبول
نہ کریگی۔ اور مالک اشتر سے اپنے مال و اسباب کے ملجانے کی استدعا کی۔ یہی ابو موسی آیندہ علی اور اسلام کا
وکیل بنایا گیا!

باپ اور بیٹے کی گفتگو
نفس اور واقعات کی تشریح

باوجود اسکے کہ جناب امیر نے مقابل ہونیکا خطوط۔ وکیل۔ ملاقات اور ہر طریقہ سے اصلاح چاہی جس سے
کشت و خون کی نوبت نہ پہونچے لیکن اُنلوگون سے صلح کرنیکی امید بہت دور تہی جو جان بوجھکر تلبیس حق
سے اپنے حوصلے پورے کرنا چاہتے تہے۔ یا جو اپنے ساتھ دینے والون کو ان الفاظ سے آمادہ کرتے تہے کہ
"اپنے زن و فرزند اور حسب و نسب کی حفاظت کیلئے لڑو" اگر زبیر پر دو بدو گفتگو کا اثر پڑا بہی تو اس
لئے کہ تہوڑی ہی دیر مین ظلم و ستم کی قربانی قرار دیا جائے۔ اور یہ تلخ سچائی اپنے بیٹے کے منہ سے سننی پڑی

کہ "جب دونون فریق کو جمع کر لیا اور ایک کو دوسرے کی عداوت پر اُبھار دیا تو اب چھوڑ کر جانیکا قصد کرتے ہو"۔ بہادر زبیر کے لئے یہ آسان امر نہ تھا کہ وہ اپنے ہی فرزند سے سنتا کہ "تم مین نامردی آگئی ہے"

جناب امیر نے برے وقت کو کب تک دور رکھا۔

وہ برا وقت آگیا کہ بجز جنگ کے چارہ نہ ہوتا۔ جناب امیر نے اس قدر صبر کیا تھا کہ دوست یا دشمن کوئی اس الزام کا خیال ہی نہین کر سکتا تھا کہ ہم تو معاملہ کے سمجھنے اور صلح پر آمادہ تھے علی کے فاتحانہ جوش نے ہمین موقع ہی نہ دیا۔ دشمن کے تیرون کے مینہ سے سپاہی گرے اور زخمی ہوئے۔ سپاہی دیکھتے رہے اور اب اپنے افسر کے حکم کے قبل تیار اور جوش جنگ سے بیچین ہو گئے اور خود بھی دشمن کے زیادتی کو روکنے کی اجازت چاہی اور علی کا قرآن بردار سفیر قتل کیا گیا اور کٹتے ہوئے لفظون مین جناب امیر نے جنگ کی ضرورت کا اقرار کیا اور جب یہ تصفیہ کر چکے تو اب علی کا تمام خاصہ جنگ ہی سے فیصلہ کرنے پر تیار ہو گیا۔ اور وہ جو بر سوں سے علی کی تلوار سے بےخوف ہو گئے تھے حیرت سے دیکھنے لگے کہ ذوالفقار مین کوئی دندانہ نہین پڑا ہے اور نہ علی کے نفس کی اُس قوت مین کوئی فرق آیا ہے جس سے مقابل ہو کر دشمن اپنے کو حواس سے معرا پاتا تھا۔ وہی ام المومنین جنکے ساتھ رسول کا غلوی محبت ظاہر کرنیکے لئے کسی کے پاس اس وضع کی روایتین ہین کہ رسول نے اپنے کاندھے پر انھین حبشیون کا ناچ دکھایا اور دف سننے دیا۔ جمل مین مسلمان بسملون کا عبرتناک رقص اور دل شگاف کراہ سُن رہی تھین۔ جسوقت زخمی لاشے منھ کے تھے۔ تڑپتے تھے اور کرب مین اپنی ہتھیلیان رگڑتے تھے۔ یقیناً یہ استقبالی تالیان نہ تھین!

جناب امیر قعقاع ابن عمر یا عمار یاسر تھے جنھون نے اونٹ کی ٹنگڑی کو مسلمانون کا قاتل سمجھا اور اگرچہ حضرت عایشہ کے تشریف فرما ہونے سے کیسا ہی تقدس کیون نہ آگیا ہو لیکن انکے ذہن مین وہ مسلمانون کے خون سے زیادہ مقدس نہ تھا جسکا بیٹھا رو کا جانا ضروری تھا۔ لڑائی ختم ہوئی لیکن نہ اسکے قبل کہ مروان ابن حکم طلحہ کو

مروان کا تیر ایک قلم تھا جو اصحاب جمل کے دلائل کو کاٹ رہا تھا۔

اپنے زہر آلود تیر کا شکار کر چکا ہوتا۔ کون انکار کریگا کہ یہ تیر وہ قلم تھا جو اصحاب جمل کے دلائل کو کاٹ رہا تھا۔ وہ زبان تھی جو سچی واقعہ خوانی کر رہی تھی۔ افسوسناک تھا یہ امر کہ طلحہ کا ایسا شخص مروان کی اس مکاری کا شکار ہوتا لیکن کسی گناہ گار قاتل نے اپنے مقتول کے واقعات کو قتل سے اس صفائی سے نہین دکھلایا کون جانتا تھا کہ یہ (فعل قتل) طلحہ کے خلاف قطعی دلیل ہو جائیگا اور خود بقول طلحہ اس خون سے ضائع تر کوئی خون نہ ہوگا۔

دشمنون کے ساتھ جناب امیر کا برتاؤ۔

لڑائی ختم ہوئی - بھاگے ہوئے دشمنون کے ساتھ جناب امیر نے جو رحم کیا شاید ہی کوئی قوم اسکا جواب لا سکتی ہو۔ امیر المومنین اسکے بعد میدان جنگ مین تشریف لیگئے کیون اور کس نیت سے نہین معلوم - نہ کسی مورخ نے جناب امیر کی اُس وقت تصویر کشی کی ہے اور نہ واقعات لکھے ہین جو خفیف اشارہ مل سکتا ہے وہ محض اس فقرے سے کہ "افسوس! لوگ یہ سمجھے تہے کہ ہم پر عوام الناس نے صرف خروج کیا تہا حالانکہ انھین یہ لوگ موجود تہے" تشریف لے گئے تہے کہ جنگ کے نتیجہ کے تالیف حسی کرین اور اُس عبرتناک عالم پر غور کرین جہان گیارہ ہزار سے زیادہ زخمی اور مقتول سپاہی جنگ آزمائی کر کے پڑے ہین اور اُس افسوسناک وجہ کے لئے جسے ہر شخص جانتا تہا!

حضرت عائشہ کے فقرات۔

مین حضرت عائشہ کا اس وقت کا فقرہ نہین سمجہا کہ "مجہے محبوب و منظور تہا کہ آج کے واقعے سے بیس برس پہلے مین مرجاتی" کیا اس لئے کہ اس خوفناک قتل اور اُسکے ضمنی نتایج سے متاثر ہوئی تھین - کیا اس لئے کہ طلحہ و زبیر کے قتل نے ایسے مفید مددگارون سے محروم کر دیا تہا - کیا اس لئے کہ باوجود تمام کوششون کے یہ ناممکن ہوا کہ علی اپنے اختیارات سے ہٹا دیے جاتے - اور یہ فقرہ اسکی شرح تہا کہ "تجہے کوئی گھر اس سے زیادہ دشمن نہین ہے جہان اے بنی ہاشم تم ہو" اور اس جوش نے یہ کہلوایا کہ "اب وہان جاؤنگی جہان اے بنی ہاشم تم نہ ہو" کونسی جگہہ تہی جہان اب بنی ہاشم صاحب اختیار نہ ہوتے بجز صوبہ شام کے - جس سے قیاس ہوتا ہے کہ اس فقرہ مین دہمکی تہی کہ اب ہم معاویہ کی شرکت سے تم سے سمجہینگے - معاویہ کو اب انہین ساتہہ لینے مین کیا عذر ہو سکتا تہا جبکہ یہ اُسکے اغراض پورے کرنیکے کام آسکتی تھین اور اصحاب جمل کی شکست کے بعد پر پرزے نوٹ چکے تہے جو کسی خوف کے باعث ہو سکتے - یہ معنے اور دہمکی تہی ورنہ کیا تہا کہ حضرت عائشہ باوجود متواتر فہمایش کے مدینہ کی طرف واپس ہونے کے لئے مستعد نہ تھین - لیکن حضرت عائشہ کے ان تمام اظہار خیال مین سب سے زیادہ خطرناک یہ کوشش تہی کہ انھون نے اس فقرہ مین کہ "تم اطمینان رکھو کہ علی تمہاری ان باتون پر توجہہ نکرینگے اور تمھین امیر مسلم نہ رکھینگے" ابن عباس کو بمقابلہ علی اپنا موقع درست کرنے اور اختیار حاصل کرنے کے لئے اُبھارا تھا - یا علی کی وفادارانہ وکالت ادا کرنے پر طنز کیا تہا - ابن عباس نے صاحبزادی کو وہی جواب دیا جو قریب قریب عباس نے باپ کو دیا تہا۔

جنگ جمل کے بعد کیا پیشین گوئی کیجا سکتی تہی۔

اصحاب جمل کی شکست اُس ہمت اور جوش کی شکست تہی جو علی کو صاحب اختیار نہ دیکھہ سکتا تہا اور اس شکست سے بنی ہاشم کے بخیال مددگارون کو امید ہو سکتی تہی کہ آیندہ ہماری روش بغیر کسی ایسی مزاحمت کے کامیابی سے

اپنے مقصد پر پہونچگی - جس قدر ظاہر خطرہ تہا وہ معاویہ کا تہا - یعنی برگد کے درخت کا اصل تنہ گرچکا تھا لیکن اسکی دوسری شاخ بڑہتے بڑہتے زمین گیر ہو کر اصل سے زیادہ قوی ہو گئی تھی باوجود اس خطرہ کے علی کو لوگوں کی اس وقت تک کی اطاعت اور لوگوں کو علی کی رہنمائی پر جو یقین تھا اُس سے یہ امید ہو سکتی تہی کہ آیندہ کسی مخالفت کا آسانی سے مقابلہ کیا جا سکیگا اور جب بجز شام کے تمام صوبجات ہماری اطاعت کرینگے تو ہم مالی اور شخصی مدد کے لحاظ سے نسبتًا زیادہ قوی ہونگے - یا دوسرے لفظوں میں جب ہم نے تہوڑے سامان اور ابتدائی حالت سے ایسے خوفناک بغاوت کو فرو کر دیا اور اس آہستہ قدمی اطمینان اور رحم کے ساتھ تو مزید سامان اور جمی ہوئی حالت میں ہم اس سے کہیں بڑے پیمانے کی سرکشی کو بھی دبا سکتے ہیں۔

تقسیم غنیمت

طبری نے کہا ہے کہ جناب امیر نے مال محصول کو فوج کی غنیمت نہ قرار دیا اور اعلان کیا کہ جو جسکا مال ہو پہچان کر لیجائے روضۃ الصفا نے بھی غنیمت کی واپسی کا ذکر کیا ہے - ابن خلدون کہتا ہے امیر المومنین علی نے بیت المال کو کھولا چھ ہزار سے زائد نقد موجود تھا آپ نے اُسکو حاضرین معرکہ پر تقسیم کر دیا ہر شخص کو پانچ پانچ سو ملے - وقت تقسیم آپ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا اگر تملوگ ملک شام پر فتحیاب ہوگے تو تمہارے وظائف کے علاوہ اسی قدر اور دیا جائیگا - یہ سُنکر فرقہ سبئیہ نے آپ پر بھی در پردہ طعن و تشنیع شروع کر دیا اور اس سے پیشتر بھی آپ پر انلوگوں نے طعنہ زنی کی تھی جس وقت آپنے مال و اسباب کے لوٹنے سے منع فرمایا تھا" ابن خلدون کے "چھ ہزار" سے ہم نہیں سمجھکے وہ دینار تھا وہ ہم تھا یا ابن خلدون کی چھ ہزار جلدیں تھیں اور یہ تو میری ہندسوی معلومات سے کہیں زیادہ ہے کہ کیسے یہ چھ ہزار اٹھارہ ہزار سپاہوں پر اس طرح تقسیم ہوتے کہ ہر ایک کو پانچ پانچ سو ملتے - مجھے درہم و دینار سے بحث نہیں ہے بلکہ میں صرف یہ سمجھنا چاہتا ہوں کہ آیا کچھ بیت المال کی رقم وصول ہوئی اور وہ تقسیم ہوئی اور تقسیم کو سپاہوں اور افسروں نے کس طرح قبول کیا یا لوٹ سے روکے جانے کو انہوں نے کس نظر سے دیکھا میں جو کچھ سمجھ سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ یعلی ابن منیہ کی پس ماندہ رقم یا بصرہ کا بیت المال ملا اور وہ تقسیم ہوا لیکن اس تقسیم کو جس طرح جناب امیر نے جائز رکھا آیا اُس طریقہ کو ہر ایک نے استحسان سے دیکھا - ابن خلدون کہتا ہے کہ کچھ بدگو لوگوں نے طعن و تشنیع کیا - کیوں ہو نہیں معلوم - اور یہ بھی اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ ایسی ہی لوگوں نے لوٹ نہ کرنیکے حکم پر طعن و تشنیع کی - اگر یہ واقعہ ہے کہ ایک گروہ نے

لوٹنے کی اجازت نہ پاکر طعن و تشنیع کی اور جناب امیر کے طریقہ تقسیم پر راضی نہ ہوا تو ہم صاف صاف
وہ سراپاتے ہین جس سے صفین کے آخری واقعات سمجھین کہ کیونکر کچھ لوگ ملگئے یا اُسکے بعد کے واقعات
مین انلوگون کے کاہلانہ طرز عمل کی حقیقت اور وجہ سمجھ مین آئے - یہ طرز عمل اسکا ایک ثبوت ہوگا کہ لوگ
اگرچہ بظاہر جناب امیر کی بیعت مین تھے لیکن من حیث الواقعہ وہ ابھی اُس فضا سے علیٰحدہ نہ ہوئے تھے جو انھین
ایسی روش کا خوگر بناتی یا باز پرس نہ کرتی - یہ ایک انکار تھا کہ ہم ذاتی فوائد کے معاملات مین جناب امیر کے اس
بے رعایت انصاف پر را نہین ہین - اور ہم اِس طرح چلین گے کہ ہم ادھر جائینگے جہان ہمین امتیاز - زیادہ
فائدہ اور خصوصیت نصیب ہو - ہم دوسرون پر فخر کرین - حسد - بغض - قطع و برید - ہر وقت ہمارے مددگار
آئے ہون - اور اِس طرح ہم مین کے تھوڑے سے مخلوقات الٰہی کے بڑی تعداد کو اپنے ناخونون مین رکھین -
اُنھین بجز ہماری اطاعت - ہم سے خوف کرنے اور مرعوب رہنے کے کوئی کام نہ ہو -
اِس جگہہ یہ نہایت مفید روایت بیان کیجاتی ہے جو ابن ابی الحدید نے فضل ابن جعد سے نقل کی ہے کہ بہت
بڑا سبب نصرت جناب امیر مین عرب کے بیٹھ رہنے کا امر مال ہی کیونکہ نہ وہ حضرت شریف کو مشروف پر اور عربی
کو عجمی پر فضیلت دیتے تھے اور نہ کبھی روسا اور امرائے قبائل کو رشوت دیتے تھے جیسا ملوک دیا کرتے ہین اور
کبھی کسی کو اپنی طرف مائل کرتے تھے اور معاویہ اسکے برخلاف تھا"
جناب امیر کا کوفہ کو دار الخلافت قرار دینا اُنکے اِس پہلے خیال کو قوت کے ساتھ پیش کر رہا تھا کہ وہ امیر شام سے
بغیر معاملہ طے کئے ہوئے خاموش نہ رہین گے اور اگر درمیان مین اصحاب جمل اپنے خصائل اور نشو خیالات
کے مقلد نہ بنجاتے تو کوئی شبہہ نہ تھا کہ امیر شام سے معرکہ آرائیان شروع ہوگئی ہوتین -

کس نے چھیڑ کی ابتدا کی

مغیرہ ابن شعبہ کے مصلحت اور صلاح پر وجد کرنے والے غور کرینگے کہ یہ علی نہ تھے جنھون نے علانیہ چھیڑ چھاڑ
شروع کی بلکہ یہ امیر شام ہی تھے جنھون نے ولایت جزیرہ کو اپنے قبضہ مین لانا چاہا اور - ضحاک ابن قیس
نے اُن لوگون کو ملانے اور میدان جنگ مین اپنا شریک کرنیکے لئے کوئی کوشش اُٹھا نہ رکھی - یہ واقعات
جب اِس عمل کے ساتھ ملا کر غور کئے جاتے ہین کہ ابتدا ہی سے عثمان کا خون آلودہ کرتا اور انگلیان جامع مسجد
مین رکھی گئی تھین فصیح مقرر اپنی تمام طاقت لوگون کے جوش دلانے مین صرف کر رہے تھے اور معاویہ نہ
صرف بنی اُمیہ بلکہ مدینے کے اکثر لوگون کے خیال دریافت کر رہا تھا اور خبر لے رہا تھا کہ کہان کہان کے لوگون نے
علی کی بیعت کی ہے تو کون اس اصلاح کو مشتبہ بہ اطمینان کہہ سکتا تھا کہ جب تم کچھ دنون کے بعد [illegible]

ہوجاؤگے تو معاویہ کو آسانی سے نکال سکوگے اور وہ تسلیم ورضا سے تمہاری بڑھتی ہوئی قوت کو دیکھیگا اور خوش ہوگا۔ بجز اسکے کہ علی کو دھوکا دیا جارہا تھا کہ وہ غافل رہین اور معاویہ ہاتھ پاؤن ہلاکر دروازہ کھٹکھٹائے اور اُسوقت کوئی چارہ نہ ہو۔ بلکہ جناب امیر نے اعثم کوفی کے موافق اپنے خطبہ مین یہ بھی فرمایا کہ معاویہ قیصر سے دوستی کرکے آیا ہے اگر اُسے شکست ہوئی تو قیصر سے مدد لیگا جیسا روضۃ الصفا مین بھی اسکا تذکرہ ہے کہ جس وقت عمر عاص اور معاویہ مین پیش نظر واقعات کی گفتگو ہوئی تو قیصر سے دوستی رکھنے کے لئے یہ طے کیا گیا کہ اُسکے قیدی واپس کئے جائین۔ مین آخر شخص ہونگا جو اسمین شبہہ کرے کہ معاویہ کی خداداد تدبر اسمین دوراندیشی نہ تھا یا وہ مسلمانون پر فتح پانے کیلئے غیر مسلم کو اپنا شریک نہ کرتا اور سیور صاحب نے کوئی رعایت یا مبالغہ نہیں کیا ہے جہان وہ کہتا ہے کہ " بنی امیہ کا یہ پہلا فطرتی۔ بیرحم اور بے لحاظ خلیفہ کسی ایسی گناہ سے نہ ہچکتا تھا جو اُسی اُسکی جگہہ پر مضبوط کردے"۔ اور کیا آخر مین اُس نے یہ نہین کہا کہ " اگر اہل حجاز و عراق نے علی سے بیعت کی ہے تو اہل شام نے میری بیعت کی ہے ہم مین اور علی مین کوئی فرق نہین ہے۔ اگر دو شخص کسی چیز کے بارہ مین جنگ کرین تو وہ چیز اُسکی ہے جو غالب ہو"۔ اور نہ صرف یہ کہا کہ میری بہن رسول کے عقد مین تھی بلکہ یہ بھی کہا کہ ارباب حل وعقد کے اختیارات مدینہ سے شام مین منتقل ہوگئے امیر شام یہ فقرہ منہ سے نہین نکال سکتا تھا اگر اُسے یہ یقین ہوتا کہ زیادہ تر اصحاب رسول کو اپنے بڑے خطاب کا پاس ہے۔ اور کیا اس سب کے معنی یہ نہین ہین کہ وہ اُن تمام نکات پر غور کررہا تھا جو عملاً یا استدلال کی حیرت زا قلابازی سے توڑ مروڑ کر لوگون کو اُسکی طرف متوجہ کردے۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ جب ایک بی بی اپنے حق زوجیت سے کہین بڑا حوصلہ کرتی ہے اور سامان مہیا کر لیتی ہے بغیر اسکے کہ اُسکا ایک پیسہ اپنے پاس سے خرچ ہو یا اپنا کوئی آدمی ضائع ہو تو پھر وہ اپنی بہن کا وکیل کیون نہ ہوتا در انحالیکہ ایک صوبہ پر اختیار تھا اور درصورت ہر ممکن تباہی کی بھی نہ اُسکی ذاتی جائداد کا کوئی تل بھر ٹکڑہ ضائع ہوتا تھا اور نہ لاکھون کے قتل عام پر ٹھنڈی سانس کی کوئی لہر اُسکے دل پر سے گذرتی۔

(اسپرٹ آف اسلام)

یہ سب پھر ہوا کہ مثل اپنے مثل کی طرف کھینچنے لگا۔ تمام بنی امیہ شام چلے گئے اور عمر عاص کو بھی فلسطین بھلا معلوم نہ ہوا۔ فوج کشی کی عملی کارروائی شرجیل ابن سمط الکندی کی مذکورہ پر فریب کارروائی سے شروع ہوئی۔ اور شام کا یہ خلیفہ اپنی وجاہت اور اعتبار کو ناواقف مخلوقات کی جہالت پر صرف کرنے لگا۔ وہ تمام الفاظ صرف کئے گئے جس سے کسی بیرحم حملہ آور کی تصویر کھینچی جاسکتی ہے اور کوئی ترکیب اثر ڈالنے کیلئے

اُٹھا نہ رکھی گئی جس سے عثمان کی مظلومیت ثابت ہو۔ اور لوگ ایک خلیفہ رسول کو بیگناہ بے محابا مارے جانیکا قانون سے بدلہ لین۔ اور جب یہ عمل جاری ہوگیا تو پُرا طمینان زہرخند سے جریر سے کہا کہ "تونے اہل شام کی رائے دیکھی اور سُنی اب تونے جو کچھ دیکھا یا سُنا ہے اُسے جاکر علی سے بیان کر"

سادے کاغذ کے معنی بھی یہ تھے کہ ہم تمہارا کوئی جواب نہین دینا چاہتے۔ تم جو کرسکتے ہو کرو۔ اور سفید کاغذ جو کچھ نہ سمجھا سکتا تھا اُسے قاصد کی زبان نے پورا کردیا

جناب امیر جنگی انتظام شروع کرتے ہین۔

جزیرہ نسبتاً کم سامان سے اشتر کے قبضہ مین آگیا اور اس طرح ابتدا امید خیز ثابت ہوئی۔ جناب امیر نے اپنے پُرہوش انداز سے خاموشانہ عمل شروع کیا۔ اور آہستہ آہستہ پے درپے ایک ایک افسر کو روانہ کرنا شروع کیا۔ مقدمہ لشکر مین زیاد ابن نضر۔ شریح ابن ہانی۔ ہاشم ابن عتبہ ایسے لوگ تھے جنکی افسری ہر سپاہی کے لئے مایہ ناز تھی اور یہ اسپر خوش تھے کہ ہم سب مالک اشتر کے ماتحت ہین۔ ابتک جناب امیر کے حکم کا اس درجہ لحاظ تھا کہ نزاعی روش اختیار نہ کرنیکے ثبوت مین شام کے افسر کا انکاری خط رکھ لیا جاتا کہ امیر المومنین کو دکھایا جائے۔ ابوالاعور کو جو ایک تجربہ کار افسر اور معاویہ کا مایہ ناز تھا ضحاک ابن قیس کی طرح شکست ہوئی اور یہ بھاگا کہ شام کے اصل لشکر مین ملجائے۔ قبل اسکے کہ مالک اشتر سے سامنا ہوجائے۔ مالک اشتر کا تو کیا ذکر ابھی تک سپاہون مین یہ جوش تھا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ ہم تنہا پہاڑ پر حملہ کردین ابو الاعور کیا چیز ہے۔ اسی طرح شامیونکی چھیڑ چھاڑ مین یہ دوسری فتح تھی جو امیر المومنین کو حاصل ہوئی۔ امیر المومنین کی یہ بھی دوراندیشی تھی کہ اُنھون نے خود کوچ فرماکر نہ صرف سپاہیون کی ہمت بڑھائی بلکہ قریب پہونچکر دشمن کو مرعوب کیا۔ صفین شام سے زیادہ قریب تھا۔ اور تیسری نمایان فتح فرات کے کنارہ حاصل ہوئی جبکہ شامیون نے پہلی مرتبہ فرات کا پانی بند کیا بنی ہاشم کو آج اختیار تھا کہ وہ ہنوز شامیونکو گھاٹ سے ہٹادیتے اور اختیار رکھتے تھے کہ شامیونکو پانی نہ دیتے مگر یہ رحمۃ للعالمین کے جانشین سے امید نہین کیجاسکتی تھی کہ وہ انسان کو اُسکے حق بشری سے باز رکھے۔ علی کا یہ احسان رسول اور علی کے عام احسانون کے طرح آگے ذکر کے بچانیوالے زمانہ میں بالکل بھلا دیا گیا۔

علی فتح سے کیا کام لیتے تھے

کوئی فاتح فوج جس وقت فتح کے جوش مین کمزور سے ناقابل برداشت رعونت کا برتاؤ کرتی ہے اور آیندہ کمزور کرتے رہنے کے لئے رحم اور ایمان کے خلاف کارروائیان کرتی رہتی ہے۔ علی اپنی قوت اور فتح کو حصول صلح کیلئے صرف کرتے ہین۔ فتح کرتے ہین اور رُکتے ہین اس لئے کہ شاید دشمن سوچے اور مخالفت سے باز آئے ہم بار بار سفیر بھیجتے ہین جو یہ کہتے ہین کہ شاید اللہ تعالیٰ تمہارے بیعت کرنے سے مسلمانون مین اتفاق پیدا

کر دے"۔ یا مع تفریق جماعت رہو نہ پانے اور آپس میں ربط و اتحاد بڑھے"۔ صحیح ہے کہ ربط و اتحاد کا نتیجہ
وہ اعلیٰ الاج ہے جس پر پہونچنے کے لئے قومی حکومتیں جہاں توڑ کوششیں کرتی ہیں لیکن اتفاق اور اتحاد
اُنکے لئے زہر سے زیادہ کڑوا ہے جو تفریق جماعت میں اپنی کامیابی دیکھتا ہو۔ امیرالمومنین اور اُنکے
رفقا صلح اور اتحاد کی کوششیں کر رہے ہیں اور ابھی اُنکے منہ کے الفاظ تمام نہیں ہوئے ہیں کہ معاویہ
زیاد ابن حفصہ کو علی کے خلاف اُبھارتا ہے۔ مدد مانگتا ہے اور کسی شہر کی حکومت کی لالچ دیتا ہے اور
جب اسوقت مایوس ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ "جس سے بات کرتا ہوں وہ ایک ہی جواب دیتا ہے گویا اُن
ان سبھوں کے دل ایک ہی ہیں"۔ کاش سبھوں کے دل ایک ہی رہنے پاتے!

ابوہریرہ اور فہرست

اسی زمانہ کی یہ روایت بھی ہے کہ ابوہریرہ نے۔ وہی ابوہریرہ جو باوجود کئی ہزار احادیث یاد رکھنے
کے معاویہ کے بلانے پر اُس کے شریک ہو گئے تھے اور آیندہ ابواب میں بھی دکھائی دینگے۔ تجویز کیا کہ
اگر قاتلان عثمان مل جائیں تو آپس میں تصفیہ ہو جائے۔ مشکل سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ انکی یہ تجویز معاویہ
کی صلاح یا علم کے باہر تھی۔ لیکن جو کچھ بھی ہو ابوہریرہ اگر اپنے شکار پہچانتے تھے تو انھیں کیا ہوا تھا
کہ وہ امیرالمومنین کو اُسوقت اُن قاتلوں کی فہرست دے دیتے جس وقت تک اُنھوں نے معاویہ کی بیعت
قبول نہ کی تھی۔ درمیان میں نہ صرف کئی مہینہ تک علی کی خلافت بغیر کسی جنگ کے گذری بلکہ جمل کی
جنگ ہوئی اور ختم ہوئی لیکن کبھی اُنھوں نے بھجوانے اور نام لینے کی جرأت نہ کی نہ کہیں عثمان کے
خاتمہ کے وقت اسکا تذکرہ ہے کہ وہ قتل عثمان کے زمانہ میں قصر امارت میں تشریف رکھتے تھے اور اُنھیں
پہچاننے کا کوئی موقع حاصل تھا۔ لیکن کیا غم تھا کہ یہ کسی کو پہچانتے یا نہ پہچانتے اور اس تجویز میں عثمان کے
قاتل قتل ہوتا یا وہ گمان سے دور رہتا انھیں تو ایک فہرست پیش کرنی تھی کہ اگر یہ لوگ ہمارے حوالہ کر دئے
جائیں تو صلح ہو سکتی ہے۔ اور فہرست اس سے کیا کم ہوتی کہ ہر وہ ذی اثر شخص جس پر علی کی محبت کا شبہہ
بھی ہو حوالہ کر دیا جائے۔ بیشک یہ صلح کی سب سے اچھی ترکیب تھی۔ علی کس طرح قبائل کو اپنا شریک کر سکتے
تھے جب اُنکے سرداروں کو دشمن کے حوالہ کر دیتے اور غالباً ان لوگوں کے قصور معاف ہونے کی بھی ایک
ہی ترکیب تھی اور وہ یہ کہ معاویہ کے شریک ہو کر علی سے جنگ کرتے جس شرط پر آخر زمانہ میں عمرو ابن الحمق
اور حجر ابن عدی وغیرہ کی جان بخشی کی جاتی تھی۔ مختصر یہ کہ اس سے کہیں زیادہ لوگوں نے اپنے کو قاتل
عثمان کہا جس عدد میں ابوہریرہ کو حدیثیں یاد تھیں۔ ان لوگوں نے قتل کر کے کن وجوہات میں

ایک یہ وجہ بیان ہوئی تھی کہ عثمان نے معاویہ کو مسلمانوں پر مسلط کر دیا تھا۔ خوفناک وجہ تھی جس کی حاوی قبر میں بھی تھپلنے لگتا۔

اگر یہ واقعہ ہے تو اسمین ذکاوت حسن غور طلب ہے کہ جناب امیر نے کس طرح اپنے فرزند محمد حنفیہ کو عبید اللہ ابن عمر کے مقابلہ میں جانے سے روکا حالانکہ اسکے بعد یا پہلے اپنے فرزند حسن کو نہ روکا۔ کیا اس جگہ سوا اسکے جواب تھا کہ ایک فرزند کو جانے دیا اور ایک کو نہ جانے دیا۔ نہیں۔ کیا محمد حنفیہ سے بہ نسبت حسن کے زیادہ محبت تھی کہ روکا۔ نہیں۔ قیاس کے باہر ہے۔ بلکہ جب دشمن للکار چکا تھا تو اب مارا جانا سوچنے سے بعید ہو گیا تھا۔ بلکہ یہ عبد اللہ ابن عمر کی ذات تھی جس کے متعلق سوچنا تھا کہ اگر وہ قتل ہوں تو کس کے ہاتھ سے۔ محمد حنفیہ اور حسن کے درمیان بڑا فرق تھا۔ ایک محض علی کے فرزند تھے۔ دوسرا علی و فاطمہ کا فرزند تھا جسے رسول اپنا فرزند کہتے تھے اگر ابن عمر محمد حنفیہ کے ہاتھ سے قتل ہوتے تو معاویہ کو جناب امیر کے خلاف جوش مخالفت پیدا کرنیکا ایک نیا وسیلہ ہاتھ آتا۔ لیکن اگر وہ حسن کے ہاتھ سے قتل ہوتے تو معاویہ کو فرزند رسول کے خلاف لوگوں کو بھڑکانیکی آسانی متصور نہ تھی۔ ابھی تک لوگ فرزندان رسول کی مخالفت پر صریحاً آمادہ نہیں ہوئے تھے۔ حالانکہ یہ تمام واقعات غیر صریح طریقہ سے اس طرح روش اختیار کرتے جاتے تھے جو انکی خلاف ایک بند سوی اندازہ سمجھا جاسکے۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ جس طرح یقیناً جناب امیر نے ابن عمر کو محمد حنفیہ کے ایسے شجاع فرزند کے ہاتھ سے قتل ہونے سے بچایا۔ معاویہ نے انھیں (قتل ہونیکے لئے) محمد حنفیہ سے جنگ کرنیکی صلاح دی تھی یا نہیں جیسا آخر میں ان سے کارنمایاں کرنے کا استغاثہ کرکے انھیں لڑوایا اور یہ قتل ہوئے اور دیکھو دیئے اس ترکیب سے اپنی فوج میں ایک مجموعی حیثیت کا ہیجان پیدا کر دیا۔ ابن عمر حسن کے مقابلہ میں نہ صرف بحیثیت سپاہی کے آئے تھے بلکہ حقیقت میں وہ ایک بڑی تدبیر کے ایجنٹ بنکر آئے تھے۔ انکا مشن بمقابلہ ابو ہریرہ اور ابو الدرداء زیادہ مدبرانہ اور لطیف ہونا بھی چاہیئے تھا۔ پہلی ترکیب اگر فوجی حیثیت سے علی کو کچھ کھٹکا ... تھی تو اب کا کل اظہار اخلاص سے حسن کی خلافت سوا الرکیجاری ہی تھی گر یہ اس ... [illegible] ... کا ساتھ چھوڑ کر امیر شام کے لشکر میں چلے جاتے اور اسی طرح علی کے لشکر میں یا تو پھوٹ ڈالدی ... [illegible] ... شبہ میں مبتلا کر دی جاتی کہ ہم نواسہ رسول کا ساتھ دیں یا امیر المومنین کا۔ اور جب [illegible] جاتے تو پھر حسن کا خلیفہ بنانا یا نہ بنانا تو ہمارے اختیار میں ہے تھوڑا سا ولید [illegible] ... فیصلہ کر دیگا کہ ان لوگوں نے شجرہ طیبہ کے خصائل کا نہایت ہی غلط [illegible] ... چالوں نے فریب دیتا

دشمن کی ترکیبیں اور جناب امیر کی ... حسن۔

چاہتے تھے جو بقول امیر المومنین ایسی تھیں جیسا بچوں کو دودھ چھڑانے کے لئے دیا جاتا ہے۔ موقع تھا کہ حسن
نفرت اور حقارت سے تلخ سچائی ظاہر کر دیتے۔ اور جس وقت معاویہ کبھی نعمان ابن جبلہ کبھی عبداللہ
ابن عمر سے استغاثہ اور اُنکے قتل ہو جانے کے جوش سے وقت ٹال رہا تھا اور کبھی اپنے لشکر کو اسطرح تسکین دیتا تھا
کہ علی کے نامی افسر بھی قتل ہوئے اور ہر ممکن ذرائع سے اپنے سپاہیوں کو تلوار کی باڑھ پر جھونک رہا تھا کہ کسی طرح
جنگ کی صورت موافق ہو جائے۔ کبھی علی کے کسی افسر کو جب وہ اسکے خیمہ تک حملہ کرتا ہوا پہونچ جاتا تھا الٹی اور
رشوت دیتا تھا جناب امیر اس قتل عام سے متاثر ہو رہے تھے اور چاہتے تھے کہ مجھہ میں اور معاویہ میں تصفیہ ہو
جائے۔ معاویہ کے لئے اس سے اور کونسا عمدہ موقع ہو سکتا تھا کہ وہ علی سے نہ صرف عثمان بلکہ اپنے اولین کی
فہرست سامنے رکھکر انتقام لیتا لیکن پھر آگے چلکر فریب کے جال کون بچھاتا۔ وہ اب اس سے بڑا مدبر تھا کہ علی
کو غیرت دلانے سے ذوالفقار کی چمک میں اپنی صورت دیکھنے جاتا۔ ایسے وقت اپنی جان بچانا بھی حواس کی
بات تھی۔ اور دوسرے عمر عاص کا غیرت دلانا بھی اس قدر پر معنی ہو سکتا تھا کہ مسکرا دیتا۔ وہ کیوں عمر عاص
کے لئے میدان خالی کرتا۔ اور ان تمام باتوں کے ساتھہ یہہ کوشش بھی کی کہ علی سے اپنے کو شام میں رہنے دیئے
جانیکی گذارش کرلے۔ علی اس درخواست کو منظور کرکے اپنی آپ ہی تردید کرتے۔

جناب امیر نے جس عنوان سے جنگ شروع کی اُس سے ظاہر ہے کہ وہ ابتدا ہی سے یہ فیصلہ نہیں کر چکے تھے
کہ تصفیہ محض جنگ سے ہوگا۔ بلکہ متین اور پُرہوش تساہلی اور آہستگی کی غرض کو جناب امیر نے خود بھی اپنی
زبان مبارک اور افعال سے ظاہر فرما دیا۔ اس آہستگی کی دوسری غرض یہ ہو سکتی تھی کہ شامیوں کی طریقہ جنگ کا
مطالعہ کیا جائے۔ جو ایک دو دو دستہ کی جنگ اور متواتر چھوٹی چھوٹی لڑائیاں سمجھا سکتی تھیں
جنمیں اکثر کچھہ زیادتی بھی ہو جاتی تھی۔ اور واقعات بتلاتے ہیں کہ علی کی آنکھہ اپنے اور دشمن کے سپاہیوں
اور موقع کو دیکھنے سے سیر نہ ہوتی تھی۔ اور جب نصیحت اور مطالعہ اتمام حجت تک پہونچگیا تو جناب امیر نے
اپنی فوج سے مخاطب فرمایا کہ ہم اب پورے ارادے سے جنگ شروع کرینگے۔ سپاہیوں کو صبر اور کاہلی کی مضرتیں
بتائیں۔ بیکارگی اور محنت کشی سے نصیب اور اقبال کے حصول کا خیال دیا۔ صبر اور فتح کے قریبی تعلق کو کھول
اور مشکل کاموں کا صبر اور وقار سے آسان ہو جانا ارشاد فرمایا اور اب اپنے نامی سرفروش افسروں کو
ایک لگی سلسلہ اور موقع سے روانہ فرمانا شروع کیا کہ دشمن اپنی جگہہ پہچاننا بھول گیا۔ اور سب سے بڑا مرتبہ حملہ
وہ تھا جو خود جناب امیر کے افسری کا تھا وہ ہزار سپاہیوں نے کیا۔ اسنے شام کے لشکر پر کاری ضرب

لگائی۔ جنگ دیر تک جاری رہی اور اب معاویہ کا خیمہ نہ اپنی جگہہ تھا اور نہ خود اُسے اپنے شہر تک کے لیے محفوظ جگہہ معلوم تھی کیونکہ علی کے افسر کسی سپاہی یا افسر پر معاویہ کے شبہہ سے بھی حملہ کر دیتے تھے اور ہٹاتے ہٹاتے ٹیلو نپر لائے تھے اور ٹیلون سے پستیون کی طرف ڈھکیل دیا تھا۔ شام کا لشکر ڈہلک رہا تھا زمین اُسکے پانو کے نیچے سے نکل چکی تھی اور غالباً اسمین مبالغہ نہین ہے کہ شام کے زیادہ تر سپاہی رحم کے لئے فریاد کر رہے تھے۔ عمرو عاص کا گھبرانا اور یہ کہنا کہ اگر ایک حملہ اور ایسا ہی ہوا تو ہمارا نشان نہ ملیگا یا معاویہ کا کہنا کہ کیا دیکھتے ہو میدان تمہارے ہاتھہ نہ آئیگا"۔ یا حیلہ قرآن یہ سب بجائے خود لشکر شام کے واقعہ خوان ثبوت ہین۔

اب مین کہنا چاہتا ہون کہ ذالحجہ ۳۵ھ سے صفر ۳۸ھ تک کا وہ زمانہ ہے جسمین علی حکم دیتے تھے اور لوگ سُنتے تھے اور اسپر عمل کرتے تھے یہی زمانہ ایک برس کئی مہینہ کا تھا جسمین ایسے منتشر وقتون مین علی خلیفہ ہوئے۔ ہر جگہہ عمال بھیجے اُنھین مختلف قسم کی مفید ہدایتین کرتے رہے اور دو ایسی بغاوتو نپر کامیاب ہوئے۔ علی نے جو کچہہ کیا اُسکی کامیابی اور ناکامی محض اسی زمانہ سے سمجھی جاسکتی ہے جسمین اُنکی کامیابی پر شبہہ کرنا بھی سطحی باتون کے سمجھنے سے انکار ہوگا۔ اس زمانہ مین علی کے تمام افعال کی کامیابی نہ صحابہ کی کسی کونسل کی صلاح تھی اور نہ محض خلیفہ ہونیکے لحاظ سے تمام کامیابیون کا سہرہ اُنھین کے سر چڑہتا اگرچہ مسلمان سپاہی۔ اُنکا اسلامی مزاج۔ خالد ابن ولید۔ سعید ابن ابی وقاص نعمان ابن مقرن اور قعقاع ابن عمرو کے ایسے قابل فوجی افسر فتح کرتے۔ کوئی صاحب شعور انسان اُس زمانہ کو کسی حاکم کا زمانہ نہین سمجھہ سکتا جسمین اُسکی اطاعت نہ کیگئی ہو۔ اور نہ اُسے کسی ایسے فعل کا ذمہ دار ٹہرا سکتا ہے جو اُسکی صلاح سے نہ ہوا ہو بلکہ اُسکا انکار اور اُسکے خلاف صلاح موجود ہو۔ اور نہ یہہ واقعات اور حالات ہوتے کہ چونکہ ہمارے افسر نے ہمین غلط حکم دیا تھا اور وہ اس درجہ ناقابل عمل اور غلط تھا کہ ہم اُسکی اطاعت نہین کر سکتے تھے۔

قصہ قرآن سے ایک نئی صورت پیدا ہو گئی اور اب ایک دور شروع ہوا جسمین کبھی علی کی اطاعت کیگئی اور کبھی خلاف ورزی یا قسا بلی یا لاپرواہی کی گئی۔ جب اطاعت کی گئی تو اُنھون نے اپنے مقابل دشمنو کو بھاگتے اور ذلیل ہوتے دیکھا اور جب حکم نہ سنا تو سرحدی مقامات یا بعض اندرونی شہرون پر دشمنو کی غارتگر فوج کو حملہ آور دیکھا۔ لوگ قتل ہوئے۔ وقار قومی کو ٹھیس پہونچے اور بے امنی مدد اپنے

علی کے زمانہ حکومت کی مقدار اور اُسکی کامیابی

علی کی حکومت کا دوسرا دور۔

بے مہار افواہوں کے ہوا مین اُڑتی رہتی ہیں اور پست ہوتی رہیں یہانتک کہ وہ زمانہ آگیا جو اپنے
قومی وقار کے محفوظ نہ رکھنے اور لاپرواہی یا خطرہ سے خوف زدہ ہونے کا لازمی نتیجہ تھا۔ اور جس سے
اُنکا ناخدا بار بار اُنکے منہہ پر اُنھیں متنبہ کر چکا تھا۔ اُنکا ناخدا اُس اکیلے ذریعہ کو سمجھ چکا تھا جو اُنھیں دشمن
کی شورہ انگیزیوں سے محفوظ اور آیندہ کے لئے گرم و سرد چشیدہ قوم بنا دیتا۔ لیکن اب تو وہ یہ فرما رہا تھا کہ
رائے اور تدبیر بیکار ہے جب اُسپر عمل کرنے والا نہیں پایہ فرمانیکے بعد کہ جنگ کی رائے نہایت محکم تھی کہتا
"گو مین کسی طرح ایسا حکم دیتا کس کے بھروسہ پر یہہ فرمان نافذ کرتا۔ میرا ارادہ تھا کہ اُمت کی خلافت کے آلام کا
تمہارے ساتھہ علاج کر دوں مگر تم خود میری نافرمانی کے درد مین گرفتار ہو۔ پھر نوک خار سے خار کیونکر نکلے۔
حالانکہ خار نکالنے والا جانتا ہے کہ یہہ نیش خلش کئے بغیر نہ رہے گا اور گمان غالب ہے کہ اِسکی نوک بھی ٹوٹکر
بدن میں پیوست ہو جائے"۔

قرآن بلند کیا گیا اِس مصلحت سے کہ منظور کرنا اور اختلاف کرنا دونوں معاویہ کی نازک حالت کے لئے مفید
ہوگا۔ اُسے وقت ملجائیگا۔ علی۔ مالک اشتر اور ابن عباس سبنے دیکھا۔ آخر الذکر نے سچ کہا کہ جنگ ختم
ہوئی اور فریب شروع ہوا۔ اشتر فوجی چالوں مین تھا کہ کو سمجھا اگر رُکتا تو گویا دشمن کا فریب کھا گیا۔ سپہ
سالار نے دیکھا اور فرمایا کہ "اے اللہ کے بندو اپنے حق حاصل کرنیکے لئے بڑھو اور دشمن سے جنگ کرنے
مین تامل نہ کرو۔ معاویہ۔ ابن ابی مخیط۔ حبیب۔ ابن ابی سرح۔ ضحاک نہ صاحب دین و قرآن ہیں نہ
صاحب ایمان" حیرت خیز ہے کہ اُدہر مکر شروع ہوا۔ اور ادھر جناب امیر کے سپاہیوں نے کہنا شروع
کیا کہ "ہم کتاب اللہ کے فیصلہ کو منظور کرتے ہیں"۔ اور جناب امیر نے فرمایا "افسوس ہے تمکو سمجھہ نہیں پڑتا۔
اِن لوگوں نے قرآن کو فریب کو براہ کر و فریب اُٹھایا ہے" یا "یہ ایسا امر ہے جو ظاہرا تو ایمان معلوم
ہوتا ہے مگر اسکے باطن میں ظلم اور حیلہ و فریب ہے اسکا اول تو یہ ہے کہ اُنپر رحم کرو اور آخر یہ ہے کہ
تمہیں پشیمانی اور ندامت نصیب ہو"۔ اور اب علی کے مار آستین یہ کہہ رہے تھے کہ "کتاب اللہ کو منظور کرو
ورنہ ہم تمکو چھوڑ دینگے اور تمہارے ساتھہ وہی برتاؤ کرینگے جو ابن عفان کے ساتھہ کیا تھا" اور
علی فرماتے ہیں کہ "اگر تم میرے مطیع ہو تو برابر لڑتے رہو اور اگر باغی ہوا چاہتے ہو تو جو تمہاری سمجھہ
مین آئے کرو"۔

مالک اشتر

کوئی فاتح سپاہی اپنی فتح کے عالم مین اُس افسوسناک استقبال کا مستوجب نہیں ٹھرایا گیا جو اشتر کو

اپنی قوم اور اکثر اپنے ماتحت سپاہیون کے ہاتھون نصیب ہوا۔ اُسکا استفہام درد انگیز حیرت کا
نمونہ تہا جو وہ میدان جنگ سے ایسے وقت طلب کے متعلق کر رہا تھا۔ بیچین تھراہٹ اُسکے تمام الفاظ
اور انداز مین پائی جاتی ہتی۔ موت کا کرب اُسے اس وقت کی بیکاری سے زیادہ آرام دہ تھا۔
افسوس ہان۔ ایسے موقع قوم کی تاریخون اور تجربہ مین ہین جب کہ وہ اپنی قوم یا فرد کے حُسن معاملات
کی طرف سے بہری ہو جاتی ہے۔ اُسکی ترقی کو بھول جاتی ہے۔ ترقی کی کوشش کو اپنی بے حمیتی یا
پست ہمتی سے بیکار یا مصلحت کے خلاف سمجھتی ہے یا اس قوم فروشی کی قیمت پا چکی ہوتی ہے کہ تم ترقی
کیا معنی۔ ترقی مین یاس اور جسم مین آرہ لگا دو وہ مفلوج ہو جاتی ہے اور مرض اُسکے رگ و پے مین
اسی طرح سرایت کرتا جاتا ہے کہ آخر مین اسکی زبان بہی حرکت سے باز آتی ہے اور خوبیون کے
اعتراف کی جرأت نہین رہتی۔ اور اپنی اس مغلوجانہ خاموشی کو انتہائی عقلی پختگی یا تدبر سمجھتی ہے۔
وہ مرتی جاتی ہے بغیر اس ہوش اور درک کے کہ ہم مر رہے ہین۔ بلکہ کسی مین زندگی آثار یا زندہ ہونے کیلئے
ہاتھ پیر مارنے کی کوشش کو آخر مین اس مضحک نگاہ اور ابلہانہ انداز سے دیکھتی ہے کہ گویا کوئی ایسی کوشش
ناقابل معافی گناہ ہے۔

کہتا اشتر جس قدر کہہ سکتا کہ ”اے اہل نفاق یہ کیا بیہودہ حرکت ہے کہ جس وقت دوستونکی مراد بر آئی
اسوقت تم نے فتنہ کھڑا کر دیا“ لجاجت کرتا جس قدر چاہتا کہ ہمین تھوڑی دیر اور کوشش کی مہلت دو
لیکن قوم فروش دام پا چکے تہے اور اپنے زیر اثر لوگون کو اپنی روش سے باندھ چکے تہے۔ وہ کیون کوشش
کیے جاتے رہتے۔ وہ دور کے نفع کو تھوڑی سے موجودہ نفع پر کیون ترجیح دیتے اگرچہ بعد کے نتائج خود انکے
یا انکی اولاد کے لئے کیسے ہی افسوسناک کیون نہ ہوتے۔ ایسے انتشار اور جوش کے وقت مین یہ سنکر کہ ”کیا
تم ایسے دوست ہو کہ تم تو فتحیاب ہو اور امیر المومنین دشمنونکے حوالہ ہو جائین یا شہید کر ڈالے
جائین“۔ اب اشتر کا فوراً رک جانا اخلاص اور وابستگی کی ایک مثال تھی جسکی نظیر نہین لائی جاسکتی
اُشتر کا یہ چشم زدن کا لحاظ عالم کے ایک زمانہ کے علی کی محبت سے کہین زیادہ وزنی تھا۔ اور یہ فعل اس
امر کے سمجھنے کی کنجی ہے کہ اشتر کی یہ کوشش۔ جوش اور توجہ کس لئے تہی جو رُکا۔ فتح کسکے لئے کرتا جب
علی نہ ہستے! فتح تو علی کی خوشی کے لئے تہی علی فتح کے ضمن مین نہ تہے۔ اب تلوار کیا کرتا! اشتر چاہتا
کہ مین زندہ واپس جاکر علی کی صورت نہ دیکھتا لیکن اسے پسند کرتا کہ علی کو زندہ دیکھ لیتا۔ اس وقت

علی کی ایک نگاہ اُسکے لیے تسکین ہو سکتی تہی۔ علی کی ایک سانس اُسکا مایہ حیات اور علی کی ایک نظر
اُسکے زرہ کی گرمی تھی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اپنے کثیر التبسم (جناب امیر کا حلیہ) کا چہرہ افسردہ دیکھکر
اشتر کا جوش کھاتا ہوا خون رگون مین سرد نہ ہوگیا ہوگا! اپنے پیشوا کو بیس ہزار کانٹون مین گھرا دیکھہ
رہا تھا اور وقت نہ تہا کہ کسی فوجی نقل و حرکت سے اپنے بت کو اپنے سپاہون کے حلقہ مین لے لیتا۔

نازک وقت

سراغ کم نہین ہوتا کہ کس جگہہ سے ایسی قوم فروشانہ کارروائی شروع ہوئی جبکہ اشعث ابن قیس
سے اپنی گستاخانہ ضد اور اپنے پیشتر کے واقعات کے سلسلے کھڑا ہے۔ وہی اشعث جو کبھی وجہہ علی کا حامی
تہا جسنے پھر اپنے کو فروخت کردیا۔ جو پھر علی کے زیر نگاہ آیا نہ اسکے قبل کہ علی کی شرکت کرنے یا نہ کرنے مین مردد
ہوتا۔ اسے بیت المال کے متعلق دہمکی دیگئی تہی۔ یہ شبہ ایک ہوا اور اب پھر وہ کہین سے بڑہکر کسی نے نقصان
نہین پہونچایا۔ اُسکے انداز مین کہین سے سمجہنا اور محض استدعا کرنے کا میلان نہین پایا جاتا بلکہ اُسکی
اس امر پر مستعدی کہ جو کچھہ ہم کہہ رہے ہین وہی کرو صاف ظاہر کرتی ہے کہ اُسے اسی امر کا دام ملا تھا کہ جس
طرح ہوسکے جنگ کو موقوف کراؤ۔ اس وقت کے متعلق اکثر ایسے آثار ملتے ہین جس سے یہ سمجہا جاتا ہے کہ کچھہ لوگ
تہے جنہین ایک بھلا چنگا روزگار ملگیا تہا کہ وہ [illegible] ویسے اس دہکی سے رہ [illegible] کرین کہ علی سے نہ ملجائین
اور علی کے لشکر مین رہکر معاویہ کے روپیے تک حرام [illegible] ہین۔ اشعث کی بیجا ضد بہت [illegible] تہی۔ جسکا نتیجہ
تہا کہ اشتر سے سخت کلامی ہوئی اور دور نہ تھا کہ آپس مین تلوار چلجاتی۔ اور پھر ایک افسر دوسرے سے جنگ کرتا
یہان تک کہ امیر المومنین کے لشکر مین دو صفین ہو جاتین اور ایک خوفناک جنگ شروع ہو جاتی۔ وقت
تھا کہ جناب امیر ہی کی ذات اقدس اور اُسکا وزن کام آتا۔ اور کوشش فرماتے کہ باوجود اس صاف بگڑی ہوئی
صورت اور باغیون سے رشتہ کی قطع ہونیکی حالت کے یہان تک بات بنی رہ سکتی ہے اور لگام ہاتھہ مین
رکھی جاسکتی ہے۔ کہ اس نقصان مین یہ مزید خطرہ شامل نہ ہوجائے کہ معاویہ باغیون کو اس طرح ملالے کہ
وہ فوراً جنگ پر مستعد ہو جائین۔ علی کامیاب ہوئے اور اس جوش خیز حالت کو سرد کیا۔ اور اب باغیون
نے اپنے چہرہ سے علی کی مخالفت اور اُنکے ساتھہ بے ایمانی کا رہا سہا پردہ بہی ہٹا دیا جبکہ اُنہون نے مسلمانونکے
امور کے تصفیہ اور جناب امیر کے وکالت کے لئے ابو موسیٰ کو نہ صرف منتخب کیا بلکہ اقرار کیا۔ اور پھر جناب
امیر نے فرمایا کہ "جو ہوچکا ہوا اور جو تمہاری سمجھہ مین آئے وہ کرو" یہ بہی ہونے والا تھا کہ عہد نامہ سے امیر المومنین
کے لقب کو محو کرنے پر اشعث بہی اصرار کرتا۔ کیسے ہوسکتا تہا کہ اشتر اس عہد نامہ پر اپنی دستخط کرتا۔

سوچو اگر تم سوچ سکو کہ یہ عہدنامہ جناب امیر کیطرف سے تہا۔ اور اسکے نتائج کے ذمہ دار جناب امیر ہین یا اُنپر اس عہد نامہ کی پابندی لازمی تہی۔ پھر بہی جناب امیر نے رشتہ کو اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیا جب تک کہ قاتل کے خنجر نے اُسے کاٹ نہ دیا۔

ناقابل بیان حالت

جناب امیر اس طرح واپس ہوئے کہ صفین کے میدان مین اپنی فتح کو چہوڑ آئے۔ جناب امیر کا لشکر اس طرح واپس ہوا کہ پہلے تو وہ اپنے خون بہا تا کہ فتح کرے اور جب فتح پر ہاتہہ رکھنے کا موقع ہوتا تو ہاتہہ اور فتح کے درمیان اپنی تلوار رکھدیتا اور منہہ پھیر لیتا۔ کیسے کہون کہ جناب امیر مین اس سے دل شکستگی پیدا ہوئی ہوگی اور اُنکی بہی خواہون کو یاس اپنی صورت نہ دکھا رہی ہوگی۔ کیونکر نہ کہون کہ شمع امامت کے پروانے اپنے مرکز قربانی کی اُداسی سے سرگرداں ہے ہونگے۔ جھلاہٹ۔ غصہ اور افسوس پیدا ہو رہا ہوگا۔ اور وہ گم ہوگئے ہونگے کہ اب ہم کیا کرین۔ چوٹ لگی تہی۔ بغیر اسکے کہ اس چوٹ کہانے کے لئے تیار ہون۔ سادہ مزاج سپاہی بہادرون کی طرح جنگ کرنے گئے تہے۔ مکاروں کی طرح فریب دینے اور فریب کہانے نہ گئے تہے۔ اُنکے گمان سے دور تھا کہ ہمارے ہمراہی ہماری جہہ۔ ہماری فتح ہماری آیندہ بہبودی۔ اور اسلام کی امید کو اپنی ضد اور ناشنوی سے ذبح کر دینگے!

کامیابی اور ناکامی

معاویہ یہہ کہتا ہوا واپس ہوا کہ "بچ گئے"! علی کے سپاہیونکی تلوار اپنے گردن سے دور دیکہکر اطمینان سے سانس لیتا ہوگا۔ جنھیں گھنٹے تہے کہ شام اور اُسکی حکومت ہمیشہ کے لیے اُس سے رخصت ہوتی۔ اِس وقت کو اُسنے بچایا۔ یہی اُسکی کامیابی تہی۔ علی کو اپنی فتح نہ ملی یہی اُنکی ناکامی تہی۔ معاویہ اِس مفید تجربہ کے ساتہہ واپس جا رہا تہا کہ علی اور اُنکے لشکر پر تلوار سے فتح نہین حاصل کیجا سکتی بلکہ اب اُسے دوسرے ذرائع معلوم ہوگئے تہے۔ یہ نسبتاً کم مخدوش اور زیادہ مفید تہے اور اسمین ذرا شبہہ نہین کہ صفین کے بعد یہی مصلحت اپنا عمل کر رہی تہی۔

مجھے حکم کی کاروائی کی کوئی شرح نہین کرنی ہے۔ نہ اسکی ابتدا پوشیدہ ہے نہ اسکی کارکن پوشیدہ ہین مجھے اِس وقت صرف حضرت عمرو عاص کی چوکھی کوششون سے بحث ہے کہ معاویہ کی وکالت کے بعد خودی بند و مادہ کی سفارش سے نہین چوسکتے۔ اپنے اُس اظہار مصلحت کی موافقت میں کارروائیا حکم تقدیر سے وابستہ ہین۔ کوشش کی ہے شاید کارگر ہو جائے۔ لیکن بہت کچھ اُس میلان کے پھر پڑنے سے جسکے آثار دکھائی جاتی ہیں کہ ہم کو ... چلی گئی تو خیر ورنہ ایک ٹھکانا تو یہی ہے۔ اور اِس حکم

مضحک یہ کوشش نہ تھی کہ یہ کام تو ایسے شخص کو سپرد کرنا چاہیے کہ جسکے دانت ہون جس سے وہ کھاتا پیتا ہو" اپنے موقع کے لحاظ سے ابن عاص یا اُسکے بھائیوں کا یہ کہنا کسی طرح غلط نہ تھا۔ جب کوئی خود کھانے سے احتیاط کرے گا تو اسکا کب روادار ہوگا کہ دوسرا کھاسکے۔ فرہنگ کہ دانت والا تلاش کیا جائے۔ شکستہ دندان پوپلا متقی اسکے لئے کبھی خوش ادا نہین ہوسکتا تھا۔ ایسے لوگون کے ہوتے ہوئے یہ سونچکر علی والی امر ہون یا علی کے والی امر ہوتے ہوئے اُنکو دانت جلاتے ہوئے دیکھنا دن اور رات کو ایک وقت دیکھنا ہوگا۔

حکمین کی کارروائی کا نتیجہ معاویہ کیلئے مفید نہ تھا

حکمین کی کارروائی سے زیادہ سے زیادہ اہل شام اسپر خوش ہوگئے کہ ہمارے وکیل کو ایک سیاسی فتح حاصل ہوئی۔ لیکن یہ ایک فتح تھی جس سے اہل شام کو کوئی مزید نفع نہین حاصل ہوسکتا تھا وہ معاویہ کو اسکے پیشتر بھی اپنا مرکز امید اور امیر سمجھتے تھے۔ علی کے لشکر کو اس فریب سے جھلاہٹ پیدا ہوئی اور یہ لوگ اُسی جگہہ نوک شمشیر تصفیہ پر آمادہ ہوئے۔ انہین اور تمام لوگون مین اہل شام کی مکارانہ کارروائیون کا جو اثر پڑا وہ اخلاقی حیثیت سے معاویہ کے مخالف تھا۔ اسکے عکس مین یہ جناب امیر کے لئے مفید تھا جنکے رائے اور روش کی صحت اب عام لوگون پر ظاہر ہوتی جاتی تھی اور وہ تاسف کر رہے تھے کہ کیون ہم نے امیرالمومنین کے حکم کو نہ سُنا اور تساہلی جائز رکھی۔ جناب امیر نے اعلان فرمایا کہ "اس حکم و فیصلہ سے اللہ اور اُسکا رسول اور صلحاء امت بری ہین لہذا تملوگ شام پر حملہ کرنیکی تیاری کرو"

نئے جوش سے علی نے تیاری شروع کی۔ صرف بصرہ اور کوفہ کے فوجی مقامات نے جس قدر جنگ دیدہ اور رولیف مہیا کردے وہ اسکے لئے بہت کافی تھے کہ معاویہ کی اُس قدر فوج کا جو وقت ملنے کے قبل میدان مین لائی جاسکے۔ کامیابی سے مقابلہ کرے حالانکہ نہ ابھی ان دونون مقامات کی ذرائع ختم ہوسکے تھے اور نہ دیگر صوبجات سے مدد طلب کیگئی تھی۔ اس زمانہ مین خوارج کی سرگرمی زیادہ ہونے لگی۔ جناب امیر کی نگاہ انکے ساتھ بھی تھی اور جو مقامات فوجی حیثیت سے انہین روک سکتے تھے خبردار کردیئے گئے تھے۔ یہان تک کہ خوارج گھیر کر نہروان مین لائے گئے۔ معافی اور پناہ کا نشان قائم کیا گیا جسنے ہزارون جانین بچالین۔ اور جب بجز جنگ کے چارہ نہ ہوا تو دشمن کو دو طرف سے سوارون نے دبایا اور پیادے جنگ کی عملی صف مین رہے یہانتک کہ خوارج کو انکی ناشنوی نے تباہ کیا۔ اور خوارج کی ان سختیون اور انحراف کے باوجود جناب امیر نے انکے زخمیون کو اپنے جراح کے حوالہ کیا۔ غنیمت مین صرف اسلحہ جنگ اور مویشیان تقسیم کی گئین۔ گرفتار مرد

اور عورتیں رہا کر دی گئیں۔ ظاہر ہے کہ یہ گروہ نہ پیدا ہوتا اگر قصہ قرآن نہوتا۔

[illegible]ہیون کے عذر [illegible] معنی۔

خوارج کی جنگ کے بعد جو فوجی کارگذاری کی حیثیت سے ایک بڑی شاندار فتح تھی۔ جب جناب امیر نے شام کی روانگی کا قصد فرمایا تو کسل اور زخم کا عذر کیا گیا اور آج بھی گویا فوج کا مقرر اشعث ابن قیس تہا۔ جناب امیر نے توقف کے عذر کو منظور نہ فرمایا لیکن پھر بھی فوج کے عذر کا لحاظ کرکے کوفہ تشریف لائے اور نخیلہ کو مرکز قرار دینے کے بعد عام حکم دیدیا کہ "کوئی شخص اپنے مکان پر نہ جائے جب تک دشمنون کے طرف خروج نہ کرکے فتحیاب ہولے" لیکن ملاحظہ کیا کہ اکثر لوگ اپنے گھرون کو واپس گئے تہے اور "نہایت کم آدمیون نے شام پر فوجکشی کی خوشی ظاہر کی"

ان واقعات سے سمجھہ مین آتا ہے کہ اگر جناب امیر نہروان ہی سے شام کی طرف روانگی کا اصرار کرتے تو جس طرح نخیلہ سے لوگ خلاف ورزی پر آمادہ ہوگئے اسی طرح اثنائے راہ یا شام پہونچکر کنارہ کشی کرتے۔ جناب امیر نے انھین جانچنے کے لئے نخیلہ تک اپنے حکم پر اصرار کیا اور یہان فوج کی سرتابی سے انھین وہ نقصان نہ ہونے پایا جو دشمن کے مقابلہ مین متصور ہوسکتا تہا۔ کیا یہ واقعات کہین سے اسمین شبہہ رہتے ہین کہ علی کے اکثر افسران فوج اسکی تنخواہ پاتے تہے کہ تم شام پر حملہ آوری کے لئے کبھی آمادگی ظاہر نہ کرنا۔ بلکہ آگے چلکر تو یہ بھی طے پاگیا کہ اور شام کے لشکر سے بھی کہین جنگ نہ کرنا یقیناً یہ شام کے لشکر کی شمشیرزنی کا خوف نہ تہا جسکا علی کے سپاہی ہونہ سکتہ جا ہوتے جنھین یہ ایک دو دفعہ نہین بلکہ اکثر روندکر آزما چکے تہے۔

جناب امیر کے داہنے اور بائین بازو۔

یہ کہا جاچکا ہے کہ علی کے سرداران لشکر مین معاویہ کی نظر خصوصیت سے اشعث ابن قیس۔ مالک اشتر اور محمد ابن ابی بکر پر تہی۔ اشعث ابن قیس کے حالات دین اور قوم فروشی کا اعلیٰ نمونہ ہین یعنے اسنے معاویہ کو اپنی طرف سے مطمئن کردیا۔ بقیہ دو مشاہیر مین سے ایک دوسرے مصر مین خفیہ سازشون کا اس طرح شکار ہوا کہ مصری باغی اور شامی فوجون مین گھرجاتا اور پیاس کی حالت مین "مردار گدہے کی کھال مین بھرکر جلا دیا"

جناب امیر مصر کے واقعات سے واقف تہے۔ اور بہترین انتظام یہ کرسکتے تہے کہ اپنے بہترین عامل کو اسکے انتظام کے لئے روانہ کرتے۔ لیکن افسوس وہ بہادر جیسے تلوارون کے سایہ مین مرنے کی جیئے ہوتی جو اس طرح مرنے پر مرتا تہا اسکی موت کو نامرد اور مکار دشمن زہر کے چند خاموش قطرے خرید تا

کہ اُسکی تلوار سے محفوظ رہے اور بہادر اشتر اس طرح دم توڑتا کہ اُسکا سر جناب امیر کے زانو پر ہوتا۔ اور جس وقت اس لاثانی شجاع۔ مدبر اور عامل کی خبر موت سنکر علی چونک اُٹھے اور یہ فرما کر اشتر کے بھیجنے مین مدد دیتے کہ "عورتین مثل اُسکے دوسرا نہ جنینگی"۔ امیر شام کہتا کہ "خدا کا شکر شہد کا لشکر بھی مین ہے"! ان دونون وفادار دوست اور خادمون کی موت نے علی کا موقع کمزور کردیا۔ ایسے قحط الرجال مین اِس سے کم تسکین نہ ہوگی کہ ہمارے داہنے اور بائین بازو جزیرہ اور مصر کے ایسے زرخیز اور مفید مقام پر ہمارے مطیع اور دوست ہین اور ضرورت کے وقت ہم انھین اپنی مدد اور تسکین کے لئے طلب کرسکتے ہین۔ امیر المومنین ایک کو "مہربان ناصح" اور دوسرے کو "پسر مہربان" فرماتے تھے۔ لیکن افسوس کہ یہ امید ہمیشہ ہمیشہ کے لئے منقطع ہوگئی۔ یہ دونون دل جو علی کی محبت کی گرمی سے دھڑکتے تھے سرد ہوگئے بغیر اسکے کہ آنکھین ایک دوسرے پر لانے وداعی نظر ڈالتین۔ اور جب سے جدا ہوتین کھچتین مگر پھر لپٹ جاتین۔ اِن دونون شریف النفس حق پسندونکی خبر موت سنکر جو کچھ جناب امیر نے فرمایا اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب امیر کا ایسا قوی النفس ہمدرد کس طرح رہتا ہے۔

مین تصفیہ نہین کرسکتا کہ اُسے مرثیہ کہون یا مدح کہون۔ یا خصائل نگاری کہون یا سب کہون۔ اور سب مین تحسین مدد کا آہنگ محسوس کرون۔ تاسف اور زیادہ شدید ہوجاتا ہے جب امیر کی یہ شکایت بہی ملتی ہے جو جناب نے ابن عباس کو تحریر فرمائی تہی کہ "مین لوگون کو اُس سے ملحق ہونے کی تحریص اور اس واقعہ شہادت سے پہلے اُسکی فریادرسی کے لئے حکم کرتا تھا بعض تو اُنھین سے کراہت اور بے رغبتی کے ساتھ اس حکم کو قبول کرتے تھے۔ بعض جھوٹے عذر کے ساتھ اعتذار سے کام لیتے تھے۔ بعض تارک جہاد ہوکر اپنے گھر سے بھی نہ اُٹھتے تھے"۔

جناب امیر کام کرنیوالے نہین پاتے۔

گذر گئے یہ لوگ اور آیندہ ضرور تھین بیش آئین کہ کچھ حکم بجالانے والے ہوتے اور اسوقت جناب امیر اپنے اُن مثالی دوستونکو تلاش کرتے اور اُنکی ناموجودگی کو سختی سے محسوس کرتے۔ اب لوگ ہوتے جنھین فرماتے کہ "اے مرد صورتو۔ حالانکہ تم مین کوئی مرد نہین ہے۔ اے خوابہائے اطفال۔ اے عقول زنان حجلہ نشین۔ مین اس بات کو دوست رکھتا تھا کہ تمہین نہ دیکھون اور تمہین نہ پہچانون۔ تمہاری اس جان پہچان نے پشیمانی کے دروازے کھول دیئے ہین۔ تم نے اپنے عصیان اور نافرمانی کی وجہ سے میری رائے اور تدبیر کو بھی فاسد کردیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رائے اور تدبیر اس شخص کے لئے سود مند نہین جو اسپر عمل کرنے والا نہین"۔ کیسے زمانے تجب یہ ملاحظہ کرتے تھے کہ دشمن کے چھوٹے چھوٹے دستے شہرون اور سرحدی مقامات پر محض امن کے لئے حملہ کرتے تھے

ہین۔ ہم آدمی تلاش کرتے ہین اور نہین ملتے۔ خصوصاً جبکہ دشمن کی جرأت اور شجاعت محض حملہ تک رہتی ہے
اور اُس وقت شکست کھا کر بھاگتا ہے جب حجر ابن عدی اور قیس ابن سعد وغیرہ کے ایسے بچے ہوئے وفادار
فوج لیکر سر پر پہونچ جاتے ہین۔ حقیقت یہ ہے کہ دشمن کی جرأت اس علم پر تھی کہ ہمنے اکثر سرداران لشکر کو خرید لیا
ہے۔ علی ادائے فرائض کی تنہا مثال دکھائی دیتے ہین جب وہ ہیت کے تاراج کی خبر سنکر ایک مسلمہ باذمیہ کی
فریاد سے متاثر ہوتے ہین اور خود روانہ ہونے کا ارادہ ظاہر فرماتے ہین۔ فرماتے ہین کہ ان خبرون کو سنکر
اگر کوئی مسلمان افسوس کرتا کرتا مرجائے تو اُسے ملامت نہین کیجا سکتی بلکہ وہ اسی مرگ کا سزاوار ہے"
فرماتے ہین کہ "مجھے اس قوم (بنی امیہ) کی طرف سے یہ گمان ہے کہ وہ تمہاری بدعنوانیون سے فائدہ اُٹھا کر
تمھین اپنی رعایا بنالیگی اور تم اُنکے فرمانبردار ہوجاؤگے" ارشاد کرتے ہین کہ "تم میرے بعد بنی امیہ کو بہت
بُرے حاکم اور خداوند پاؤگے اُس کاٹنے والی اُونٹنی کی طرح جو اپنے مُنھ سے کاٹتی ہو اپنے ہاتھون سے زمین کو
کوٹتی ہو اپنے پاؤن سے لاتین مارتی ہو اور اپنے دودھ سے منع کرتی ہو۔ وہ تمہین برابر اذیت پہونچاتے رہینگے
یہان تک کہ ایک شخص کو بھی تم مین سے ایسا نہ چھوڑینگے جو انہین نفع نہ پہونچائے یا اُنکے نزدیک اُسکا نفس بے
مضرت نہ ثابت ہو۔ اُنکی بلائین تم پر مسلط رہینگی جب تک کہ تم مین سے ایک ایک شخص اُنکا غلام نہ بنجائے۔
اُسوقت تمہین میری قدر معلوم ہوگی۔ اور اُس وقت تمنا کروگے کہ تم سے اُس چیز کو بالکل قبول کرون جسکے
بعض حصون کو طلب کر رہا ہون اور یہ بھی مجھے دینے سے انکار کرتے ہو۔ افسوس کہ اسکا ایک ایک لفظ
صحیح ثابت ہوا بعد شہادت امیرالمومنین لوگون کے یہ اقوال ملتے ہین کہ "اس وقت ہم بعینہ اُن بکریونکے
گلہ کی طرح ہین جسکا کوئی گلہ بان نہو اور بھیڑیئے ہر طرف سے لئے جارہے ہون" کیونکہ اب وہ نہ تھا جسکے لئے
تاریخ الخلفا مین یہ روایت ملسکتی کہ "آپ نے خلافت کو زینت دی خلافت نے آپ کو زینت نہین دی
اُسے آپکی بڑی ضرورت تھی بہ نسبت اسکے کہ آپ کو اُسکی ضرورت ہوتی" علی ملامت کرنے سے چُپ نہین
نہین ہوئے جب تک اپنے سننے والون سے یہ بھی نہ کہہ لیا کہ "مین اُس چیز سے خوب واقف ہون جو تمہارے
فتنہ و فساد کی اصلاح کرسکتی ہے۔ تمہاری کجی کو سیدھا کرسکتی ہے۔ جابر اور ظالم بادشاہون کی سیاستون
کا تمہارے ساتھ عملدرآمد ہوسکتا ہے۔ مگر مین اپنے نفس کو فاسد کرکے تمہاری اصلاح نہین چاہتا"!
اس بلند اظہار خیال کو یہ فخر حاصل ہوا کہ اہل عالم کی زبانون مین علی ہی کی زبان ادا کرتی۔ نافرمانی کی
ان حالتون مین وہ سمجھدار دوستون کی کمی یا کم ہوجانے سے ہو۔ لوگون کے فریب کھاجانے سے ہو یا اُن

ادائے فرض کی مثال

پھر بھی حالت کس قدر پتلی رہی۔

خیال سے ہو کہ ہم مین مساوات برتی جاتی ہے۔ یا اس وجہ سے ہو کہ جب ہم فتح کرتے ہین تو امیرالمومنین ہمین دشمنون سے پورا نفع نہین اُٹھانے دیتے بلکہ خلاف امید رحم فرماتے ہین۔ پھر بھی ایسا گمان نہین نہین کیا جا سکتا تہا کہ ایسا کبہین ہوگا کہ دشمن بجز مصر کے تمام مقامات سے نکال باہر کیا جا سکے۔ اس لئے کہ جناب امیر خاموش نہ ہونگے جب تک انتظام نہ کرلین۔ اُنھین ہر مقامات سے متواتر خبرین ملتی رہینگی اور برابر ہدایتین جاری رکھین گے غریب سے غریب کس مپرس عورت اور بڑے سے بڑی صوبہ کا عامل دونون اُنکی نگاہ کے سامنے رہیگا۔ ایک کی دادرسی کرلینے کے بعد اگر نماز شروع کیجائیگی تو دوسرے کو معاف بے لوث ملامت کیجائیگی اگرچہ وہ ابن عباس یا عقیل ابن ابیطالب کیون نہ ہون۔ ہمین کوئی خبر نہین معلوم کہ جناب امیر نے مصر پر دوبارہ اختیار حاصل کرنے کے متعلق کیا ارادہ فرمایا تہا۔ لیکن جو بات واضح ہے وہ یہ ہے کہ جناب امیر یہ سمجہہ رہے تہے کہ جب تک امیر شام قایم رہیگا ہر روز اِسی طرح کی ایک نئی شورش برپا کرے گا۔ اُسپر کاری ضرب لگانا اِن چہوٹی چہوٹی لڑائیون کا انسداد ہوگا۔ جناب امیر اس کوشش سے کبھی باز نہین آئے تہے یہانتک کہ وہ وقت آیا کہ قیس ابن سعد اور ابوایوب انصاری دس دس ہزار سپاہیون پر افسر مقرر کئے جاتے اور امام حسین بہی معرکہ جنگ مین اس درجہ اور اس حیثیت سے شریک ہوچکے تہے کہ اُنکی تنہا ذمہ داری پر دس ہزار سپاہی ماتحت کئے جاتے۔ جناب امیر کے پاس اجتک انکے علاوہ بہی ایسے سردار تہے جنپر اعتبار کیا جاتا۔ کوئی شبہہ روانگی مین نہ تھا بلکہ چند ہی روز غالباً تو دس روز باقی رہ گئے تہے۔ غالباً اختتام ماہ رمضان کا انتظار ہو کہ ابن ملجم اپنا کام کرگیا۔

مین ابن ملجم کی عشق بازی کی داستانون کو یا اِن روایتون کو کہ ایک ہی دن قاتلون نے جناب امیر معاویہ اور ابن عاص کو قتل کرنا چاہا۔ وہ داستانین سمجہتا ہون جو واقعہ کے چہپانے کے لئے سننے کے قابل بتائی گئی ہین بلکہ میرا قطعی تصفیہ ہے کہ یہ تینون شخص معاویہ کے بہیجے ہوئے تہے کہ وہ جناب امیر پر پوشیدگی سے وار کرین۔ اور اِن لوگون نے ایسی جگہہ رہنا پسند کیا تہا جہان نہ صرف اِن قاتلون کی موجودگی کی خبر جناب امیر کو نہ پہونچ سکتی بلکہ وہ خارجیہ بہی ہوتی۔ قاتل رئیس قبیلہ نہ تھا کہ وہ ایکہزار کی تلوار رکھ سکتا اور اگر رکھ بہی سکتا اور ہوتا بہی تو سپاہی ہوتا کیا یہ قاعدہ نہین ہے کہ وہ اپنی تلوار کو زہر آلود کیا کرین اور اسپر زہر چڑھانے کے لئے ایک ہزار اور صرف کرین۔ ایسا بہی سہی۔ لیکن قتامہ کے اظہار

انتقام کے وقت ابن ملجم کا جواب کہتا ہے کہ اُسین جناب امیر پر حملہ کرنے کا مطلق خیال ہی نہ تھا ایسی صورت مین یہ ممکن نہ تھا کہ وہ پیشتر سے ایسی تلوار رکھتا اور اگر نہ تھی تو کہان سے دفعتہً پیدا ہوگئی۔ اور اگر یہ بھی فرض کیا جائے تو صرف ابن ملجم مین عاشقانہ دیوانگی ایسی پیدا ہوسکتی تھی کہ وہ جان پر کھیل کر مستعد ہوتا کیسے ممکن تہا کہ دو اور عاشق بھی دفعتہً تیار ہوجاتے اور پھر فطری رقابت کیا وجود سبھون مین حملہ کی ہم آہنگی پیدا ہوجاتی۔ اور اگر دوسرے دونون عاشق نہ تھے تو بلا وجہ اُنمین ایسی تصمیم کا پیدا ہونا ویسا ہی بعید از عقل ہے۔

اب سوچئے کہ جو شخص۔ عبداللہ ابن بدیل۔ ہاشم ابن عتبہ اور عمار یاسر کی شہادت سے اس لئے خوش ہوتا کہ وہ علی کے بڑے دوست ہین۔ اور یہ سنکر کہ اشتر کے مصر مین پہونچ جانے پر کوئی افسون کارگر نہ ہوگا اہتمام کرتا ہے کہ سر راہ کے ایک زمیندار کو بلائے اور زہر آلود شہد مہیا رکھے کہ یہ غیر متوقع مہمان سالم تک نہ لے۔ جو وجہ علی کے کمزور کرنیکے لیے ہر اُس شخص کو جسکی مدد علی کے حق مین مفید سمجھتا ہے روپیہ اور حکومت کی لالچ دیتا ہے وہ خود اُس شخص کے معدوم کرنے کے لیے کس سرگردانی مین مبتلا ہوگا جو مرکز تہا اور جسکے گرد تمام ایسے لوگ جمع ہوئے تھے جنکی موجودگی معاویہ مین تزلزل پیدا کرتی تھی۔ حقیقت مین یہ خبر ہے کہ معاویہ نے تین آدمی بھیجے کہ وہ کوفہ جاکر دریافت کرین کہ معاویہ پہلے مریگا یا علی اور اسکے لئے کوفہ جاکر معاویہ کے موت کی افواہ مشہور کرین۔ ہوسکتا ہے کہ اسی طرح مشہور کی گئی ہون جسکا باطنی منشا علی کا قتل ہوا اور جناب امیر کو اُسوقت بھی یہ فرمانا ہو کہ "معاویہ نہین مریگا جب تک میرا سر خون سے رنگین نہ ہولے اور وہ اُس سے ملاعبہ نہ کرے" اور کس قدر عام ہوگی یہ خبر کہ معاویہ کو علی کے انتقال یا قتل سے خوشی ہوگی جس سے یہ روایت ہوسکتی کہ برک معاویہ کو شہادت علی کی "خوشخبری" دیتا ہے اور معاویہ اس درجہ اپنے اوپر حملہ کرنے والے کو سزا دینا بھول جاتا ہے کہ فوراً منہ سے یہ فقرہ نکلتا ہے کہ "شاید وہ اِس امر پر قادر نہ ہوا ہوگا" جسکا مطلب اس ترجمہ کا محتاج نہین ہے کہ اے کاش وہ اس امر پر قادر ہوا ہو۔ اور قاتل اس امکان سے تسکین دیتا ہے کہ "اُنکے ساتھ کوئی محافظ نہین رہتا" کیا اس جواب مین جناب امیر کی نقل و حرکت کا مطالعہ مخفی نہین ہے میرے نزدیک اس سے صاف کوئی اثر نہین کہ جو تین قاتل امیرالمومنین کے لئے تجویز ہوئے تھے اُنہین سے ابن ملجم گرفتار ہوا اور بقیہ بھاگے جنین سے برک نے امیرالمومنین کے شہادت کی خبر دی۔ یہ محض اہتمام ہے کہ "آج ہی کی شب" کا فقرہ کہا گیا ہے

بہت ممکن ہے کہ معاویہ نے اس خبر دینے والے کو مصلحت کی شدید احتیاط سے قتل کر ڈالا ہو۔ اسلئے کہ کہین اُسکے زبان سے راز ظاہر نہ ہوجائے اور آخر مین اس خبر کی شہرت سے پیروان امیرالمومنین انتقام پر آمادہ ہوجائین۔ قاتلون کی تثلیث صاف صاف مدبرانہ احتیاط اور ملنے ارادے پر دلالت کرتی ہے کہ اگر ایک ناکام ہو تو دوسرا اور دوسرا نہ ہو تو تیسرا اپنا کام کر جائے۔ اور کیا یہ دنیا کا اہم ترین حادثہ اُسوقت نہین ہوا جس وقت امیرالمومنین شام کی طرف فوجکشی کی کوششون مین مشغول تھے؟

بقول ابن خلدون "شہادت سے چند دنون پیشتر امیرالمومنین علی نے بقصد شام ایک لشکر سلاح کا مرتب کیا تھا اور چالیس ہزار آدمیون سے موت کی بیعت لی تھی لیکن اتفاق وقت سے لشکر کشی کی نوبت نہ آنے پائی تھی کہ شہید ہوگئے" معاویہ لشکر کشی اور جنگ آزمائی اچھی طرح دیکھ چکا تھا۔ سمجھتا تھا کہ علی کے دوستون مین جس درجہ صفین کے التوا سے جھلاہٹ پیدا ہوگئی ہے اور جس درجہ مکاریون کی خبر مشہور ہوگئی ہے اُس سے کس نئے فریب کا کارگر ہونا دشوار ہے اور اب بجز اختیار سے دست بردار ہونے یا مارے جانے کے کوئی چارہ نہ ہوگا اگر اس مرتبہ علی مضافات شام تک اپنا لشکر لے آئے۔ زہر کا موقع نہ تھا اسلئے کہ ان دنون جناب امیر ایک روز اپنے فرزند حسن اور دوسرے روز اپنے فرزند حسین کے گھر افطار فرماتے تھے۔ پھر ایسے آدمی کیون نہ تلاش کرتا جو کعبہ کے مولود اور کعبہ کے پاک کرنیوالے کو قتل کرسکتا۔ خانہ خدا مین شہید کرتا۔ آیندہ باب مین معاویہ کی ایسی ہی کوششون کی اور مثالین دیکھائینگی۔

مصلح بنی آدم کے جانشین کے آخری وصایا۔

لیکن اس بندہ مافوق الانسان کو اسکے قبل گذرنا نہ تھا جب تک وہ اپنے زمانے کے قابل اپنے اُستاد کی ایک نصیحت کو حاضرین سے نہ کہہ لیتا کہ "اپنے درمیانی تنازعات کے مصلح بنو"۔ آنحضرت فرماتے تھے کہ اپنی ذات اور اپنے گروہ کی اصلاح تمام روزہ و نماز سے افضل ہے"۔ علی کا تمام ایام عمر اسلام اور مسلمانون کی فکر بہبودی مین صرف ہوا تھا کیسے علی گوارا کرتے کہ جس قدر دیر موت کا عالم طاری ہونے مین باقی ہے اُسے ایسی بڑی نصیحت مین صرف نہ کرین جسکے بغیر نہ کوئی قوم قوم ہے۔ نہ کوئی اخلاق اخلاق ہے نہ کوئی مذہب مذہب ہے۔ نہ کوئی فرد انسان کہے جانیکے قابل ہے۔ کاش ہم بیسوین صدی کے مسلمان اسے سنتے۔ آج سنتے۔ کل سنتے۔ یہ سمجھکر اب اپنی حیات کے لئے سنتے کہ جس قدر دیر کرینگے اسلامی

اتحاد و اتفاق کو منسوخ کرینگے اور اپنے پرزے زیادہ کرتے جاینگے۔ لیکن اس محسن اسلام کو ایک اور بڑی نصیحت اور آخری احسان کرنا تھا اور جسکا تعلق محض اپنی ذات سے تھا۔ اور وہ یہ موقع تہا کہ اُنہین بنی ہاشم ہماری شہادت کو ویسا ہی ذریعہ نہ بنالین جو بنی امیہ اور بنی تیم وغیرہ نے پسند کیا تہا۔ قوت دی ہے اپنے لہجہ مین جیسا ن فرمایا ہے کہ " اے اولاد عبد المطلب! مین تمہین ایسی حالت مین نہ پاؤن کہ تم مسلمانون کے خون مین سر سے پانون تک رنگین ہوتے پھرو اور کہتے جاؤ کہ امیر المومنین قتل ہوگئے امیر المومنین قتل ہوگئے " میرے قیاس سے باہر ہے کہ خونخواہان عثمان کی کارروائیونپر اس سے زیادہ کسی واقعہ تاریخی سے روشنی پڑسکتی ہے۔ کیسا موقع ہے۔ کیا فرمایا ہے۔ کس طرح فرمایا ہے۔ طنز ہے افسوس ہے۔ حقارت ہے اور نصیحت ہے۔ بادی النظر مین اس قدر فرمانا کافی تہا۔ مگر نہین جناب امیر نے شرح بہی کردی۔ اور فرما دیا کہ " آگاہ رہو کہ میرے قاتل کے سوا کوئی دوسرا شخص قتل نہونا چاہئے "، یہ سب اسلئے کہ میرے بعد بہی مسلمان قتل نہ ہون آپس مین نہ لڑین اُنکا مرمر کرم اپنے قاتل کو بہی نہ بھولا۔

کہان سے اپنے الفاظ مین یہ درد لاؤن جو یہ اثر پیدا کرسکے کہ زمانہ اُس مسلمان سے خالی ہوگیا جسکی عظیم الشان منزلت پر تیرہ صدیون کے گہرے پردے پڑنے اور بڑے بڑے تغیرات کے بعد آج بہی عالم کے تیس کروڑ سے زیادہ مسلمان ادب۔ اخلاص اور احسان شناسی سے متفق ہین۔

باب ششم

بنی ہاشم کا دائمی زوال

سنہ ۴۰ھ رمضان المبارک

اس باب مین اب ہم اُن تذکرون تک پہونچے ہین جہان یہ کوشش اپنے کمال کو پہونچ گئی کہ صاحب اثر لوگ خاندان بنی ہاشم کی کوئی ایسی مدد نہ کرسکین جس سے اُنہین اپنے اختیارات پر قابض رہنے کی قوت باقی رہے۔ پیشتر اگر وقت تہا کہ بنی ہاشم نے تجاہل پیدا کیا جاتا اور لوگ

اس طرح مشغول کیے جاتے کہ وہ بنی ہاشم سے اپنی فرورتوں میں مستغنی ہو جائیں اور مشغولیت اُنھیں انکی طرف مائل نہ ہونے دے تو اب وقت آیا یا ایسی مصلحت کا نشو ہوا کہ بنی ہاشم کے قطعاً ضعیف اور بے اثر کرنے کے لیے انکے سب و شتم کا عام اعلان ہو اور انکا ذکر الحاد اور سیاسی جرائم سے بھی زیادہ سنگین سمجھا جائے۔ اور پھر اسکے بعد انکے دوستوں سے متواتر اور مسلسل وہ برتاؤ کیا جائے جو انکی معدومیت کا باعث ہو۔ بلکہ قتل اور زہر اس وقت تک مخفی یا علانیہ طور سے استعمال کیا جاتا رہی جب تک علی اور فاطمہ کی اولاد میں سے کوئی امام باقی رہتے رہے۔

حسن مجتبیٰ کی سوانح عمری

امیرالمومنین کے دفن سے فارغ ہو کر آپ کے فرزند اکبر حضرت امام حسن نے خطبہ پڑھا جس این نہایت صحیح اور توجہ قابل یہ بات کہی تھی کہ "تم میں سے وہ شخص اُٹھ گیا جسکے مثل متقدمین نے نہ دیکھا تھا اور متاخرین جیسا نہ دیکھینگے"۔ اس کتاب مین کسی حد تک حسن کا تعارف کرایا گیا ہے جس قدر ہماری کتاب کو فرصت تھی اور وہ اس سمجھانے کے لئے کافی ہے کہ حسن نے اپنے سینتیسویں برس تک عالم کے اُس قدر تغیرات دیکھے تھے جیسے کم دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ کمسنی مین اپنا اختیار۔ پھر فوری بے اختیاری اور پھر اسمین قیام اور سختیاں اور اسکے بعد پھر اختیار اور ترقی اور پھر یکایک انحطاط اور زوال دیکھا تھا زوال کی رُکی ہوئی حالت تھی کہ اپنے کو اپنے پدر بزرگوار کا جانشین دیکھا۔ نہ اس حالت مین کہ لوگون کو تمامتر اپنی اطاعت پر آمادہ دیکھا ہو اور خطرات گردوپیش نہ دکھائی دیتے ہون۔ بلکہ اپنی قوت کے تنزل کے اسباب کو اپنی آنکھون سے لوگون کی نافرمانی کی بدولت دیکھا تھا۔

ان امورات سے میری غرض ہے کہ حسن کے متعلق کوئی فیصلہ اُنکے ایسے واقعات پر نظر ڈالے بغیر ممکن نہین ہے جنہین کبھی وہ کوفے کے لوگون کو ایسی مخدوش حالت مین اپنے موافق کر لیتے ہین کبھی جنگ جمل مین تقریرین کرتے ہین اور لوگ جنہین بوڑھے صحابی۔ مدبر اور تجربہ کار سپاہی ہین جنکے وقت رسول اور جناب امیر کی تقریرین کلام اور انداز دیکھنے اور سننے مین صرف ہوئے تھے انکی تقریرون کو پسند کرتے ہین۔ مزید بران میدان جنگ کا تجربہ بھی عملاً حاصل تھا۔ جس طرح جناب امیر نے اہتمام کیا تھا کہ اُنھیں ایام ہوش سے تقریر کرنا سکھائیں جس سے زبان اور خیال رواں ہو جائے اسیطرح اپنی نگاہ کے سامنے اُنھیں میدان جنگ مین شریک ہونا۔ جنگ کرنا اور فوجی افسری بھی سکھائی تھی۔ جس طرح نادعلی قرآن اور علوم اخلاق کو اپنی زبان سے تعلیم فرمایا تھا۔

یہ تھے حسن۔ یعنی علی اور رسول کے ولیعہد اور جانشین۔ اور وہ اُن تمام قابلیتوں میں ممتاز دستگاہ رکھتے تھے جنکی کسی ولیعہد کو اپنے موقع پر ضرورت ہوا کرتی ہے۔

بیعت کے وقت کی مخصوص حالت

بیعت شروع ہوئی اور سب سے پہلے اُس نے بیعت کی جس نے صفین میں معاویہ کے خیمہ کو گھوڑ دوڑ کا میدان بنا دیا تھا۔ جسپر امیر المومنین کو اعتبار تھا اور جو ایک دستہ کا افسر تھا۔ میری غرض بلند بالا اور قوی ہیکل قیس ابن سعد ابن عبادہ انصاری سے ہے۔ کہا گیا ہو کہ قیس نے بیعت کرتے وقت کہا کہ "اپنے ہاتھ کو کتاب خدا سنت رسول اور قتال ملحدین کے لئے بڑھاؤ" اسپر حضرت سبط اکبر نے فرمایا کہ "کتاب خدا اور سنت رسول میں دیگر شرایط بھی شامل ہیں۔ تفصیل کی ضرورت نہ تھی"۔ اسپر بقول ابن خلدون لوگوں کو شبہ سا پیدا ہو گیا آپس میں سرگوشیاں کرنے اور کہنے لگے یہ تو تمہارا امیر نہیں ہے اور نہ یہ جنگ کا قصد رکھتے ہیں"

امیر المومنین حسن معاویہ کو اپنے بیعت لئے لکھتے ہیں۔

بیعت کے بعد حضرت نے معاویہ کو اطلاع دی کہ لوگوں نے میری بیعت کی ہے اور معاویہ کے عدم استحقاق کو ظاہر کرنے کے بعد خواہش کی کہ وہ بھی بیعت میں داخل ہو جائے۔ لیکن بقول ابن خلدون "امیر المومنین علی کی شہادت کا حال معاویہ کو معلوم ہوا تو اُنہوں نے اپنی خلافت کی بیعت اہل شام سے لیا اور اسی روز امیر المومنین کے مبارک لقب سے پکارے جانے لگے لیکن اصل یہ ہے کہ معاویہ نے بعد اجتماع حکمین بیعت خلافت لی تھی"۔ اور بقول علامہ مجلسی حسن کے جواب میں معاویہ کا یہ فقرہ توجہ کے قابل ہے کہ "میرا اور آپکا امر مشابہ ہے۔ امر ابوبکر اور آپ حضرات کے امر سے بعد وفات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے"۔

جہاد پر آمادہ کرنیکا خطبہ اور لوگ۔

اسکے بعد حضرت نے خطبہ فرمایا اور لوگوں سے جہاد کی فضیلت بیان کی اور اُنھیں آمادہ کرنے کی کوشش کی اور حکم دیا کہ لوگ لشکرگاہ کی طرف نکلیں۔ لیکن لوگوں میں بجز خاموشی کے تعمیل حکم نہ دکھائی دی۔ جسپر عدی ابن حاتم نے کہا:-

"سبحان اللہ! تم لوگ اپنے امام کو کیوں نہیں جواب دیتے۔ خطباء مصر کہاں ہیں جو" اسپر کچھ لوگ تیار ہوئے۔

معاویہ کی خفیہ کاروائی

بقول علامہ مجلسی ارشاد شیخ مفید علیہ الرحمہ میں ہے کہ معاویہ نے "ایک شخص کو قبیلہ حمیر سے کوفہ کی طرف اور ایک شخص کو ابن قین سے بصرہ کی طرف خفیہ طور سے بھیجا تاکہ یہ دونوں وہاں کی خبریں اُسے لکھ بھیجیں اور امور حکومت امام حسن علیہ السلام میں خلل انداز ہوں"۔ بصرہ اور کوفہ کے یہ دونوں

شخص گرفتار ہوئے اور حضرت نے معاویہ کو تحریر فرمایا کہ "تونے پوشیدہ طور سے قتل کرنے اور فریب کے لئے لوگون کو بھیجا ہے تیرے جاسوس بھیجے ہین گویا تو لڑائی چاہتا ہے اور اسمین مجھے شک نہین کرتا۔ پس تو جنگ کے لئے مستعد رہ۔"

علامہ مجلسی کے نزدیک حضرت امام حسن کے لشکر کے عناصر

اسکے بعد بہت سے خطوط کا تبادلہ ہوا اور معاویہ نے شام سے ساٹھہ ہزار فوج کے ساتھہ حرکت کی اور حضرت نے بھی حجر ابن عدی کو منتظم فوج مقرر کیا۔ خود حضرت لوگون کو جہاد پر آمادہ کرتے تھے مگر لوگون مین نامستعدی ایک ظاہر شان تھی۔ لشکر جنلوگون سے مرتب ہوا اُسکے صحیح عناصر بقول علامہ مجلسی یہ تھے کہ "بعض تو اُن جناب کے اور اُنکے پدر بزرگوار کے شیعہ تھے اور بعض خارجی تھے اور بعض اُنمین کے بڑے فتنہ پرداز اور لالچی تھے غنیمتون مین۔ اور بعض اُنمین کے بڑے شکی تھے اور بعض اُنمین سے اصحاب تعصب تھے کہ اُنھون نے اپنے قبیلے کے رئیسون کی متابعت کی وہ دین کی جانب رجوع نہین کرتے تھے۔"

۴۱ھ مقابلہ کیلئے حسن کی روانگی

حضرت کو جب معاویہ کے حرکت کی خبر ہوئی تو آپنے قیس ابن سعد کو بارہ ہزار سپاہونکے ساتھہ انبار کی طرف روانہ فرمایا اور خود کوچ کرتے ہوئے مدائن پہونچے۔

اسکے بعد موقع کے لحاظ سے روایتین اس قدر مختلف ہین کہ ابتدا کے لئے کسی کی اولیت پر اطمینان نہین کیا جاسکتا۔ مثلاً صاحب صواعق محرقہ حسن بصری سے روایت کرتے ہین (جنہون نے صحیح بخاری سے نقل کی ہے) کہ جب امام حسن کا لشکر معاویہ کے مقابلہ مین پہونچا تو عمرو عاص نے کہا کہ مین لشکر دیکھہ رہا ہون جو کبھی پیٹھہ نہ پھیریگا تاوقتیکہ اپنے مقابل کو قتل نہ کرے اور پھر اسکے بعد اُسمین اس درجہ انسانیت حُب قومی اور وطن پرستی بھی) پیدا ہوئی جس سے یہ کہہ سکتا کہ پھر "امور مسلمین کے لئے کوئی نہ رہیگا جو اُنکی عورتون اور اُنکے زمینونکی محافظت کرے" اور اسی بنیاد پر دو شخصون کو مصالحت کے لئے بھیجا۔ اسکے علاوہ اسی مولف نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ لشکرونکے مقابل ہونے پر خود حسن نے تحریک صلح کی۔ ابن خلدون کہتا ہے کہ "یہ مشہور ہوگیا کہ قیس ابن سعد مارے گئے۔ اس خبر کے مشہور ہوتے ہی لوگ بھڑک کر ایک دوسرے سے اُلجھ گئے چند لوگ امام حسن کے خیمہ کیطرف جھپٹے جو کچھہ پایا لوٹ لیا۔ اندر گھسے تو اُس بساط اور چادر کو بھی چھین لیا جسپر آپ بیٹھے اور جسکو آپ اوڑھے ہوئے تھے۔ بعضون نے ناعاقبت اندیشی سے آپکی ساق مین نیزہ بھی مارا۔ ربیعہ و ہمدان آپ کی حمایت پر اُٹھہ کھڑے ہوئے اور باشون کا مجمع منتشر کیا

آپ کو ایک سریر پر اُٹھا کر مداین میں لائے چنانچہ آپ قصر ابیض میں داخل ہوئے" روضۃ الصفا کو کہنا ہے کہ معاویہ نے قیس ابن سعد کو انبار میں محصور کیا اور عبداللہ ابن عامر کی ماتحتی میں ایک فوج مداین کی طرف روانہ کی۔ امام اس لشکر کے مقابل ہوئے اور یہ دیکھکر ابن عامر نے آواز دی کہ" اے اہل عراق میں معاویہ کا مقدمہ ہون۔ میری غرض جنگ نہین ہے۔ معاویہ کثیر فوج کے ساتھ انبار میں ہے۔ ابو محمد (کنیت حسن) کو میری طرف سے سلام کہو کہ عبداللہ آپ کو قسم دیتا ہے کہ آپ اپنے نفس اور اس جماعت کی ہلاکت کے لئے کوشش نہ کیجیے" یہ سنکر حسن کے لشکر پر خوف طاری ہوا اور وہ بیکار ہوگئے۔ حسن نے مدائن کیطرف مراجعت کی اور ابن عامر نے محاصرہ کیا" اعثم کوفی کو کہنا ہے کہ" معاویہ امیر المومنین کے وفات کی خبر سنکر بہت خوش ہوا اور لشکر جمع کر کے اطراف ولایت میں بھیجا اور ولایت جزیرہ۔ عراق۔ یمن اور بصرہ کے حصہ پر قبضہ کرلیا۔ معاویہ لوگون کو عطیہ دیتا تہا اسوجہ سے سب نے اُسکے طرف رجوع کی اور موافق ہوگئے اسکے بعد وہ بصرہ آیا اور لوگون سے بیعت لی۔ امیر المومنین حسن نے یہ دیکھکر خطبہ کہا اور معاویہ کے ساتھ جنگ کرنے کی تحریک کی اور جب دیکھا کہ لوگ سستی و تقصیر کرتے ہین تو عبداللہ ابن حارث ابن نوفل معاویہ کے بھانجے کو اُسکے پاس شرائط صلح کے ساتھ بھیجا"

علامہ مجلسی کہتے ہین کہ" ان کے لوگ معاویہ سے ملگئے تہے حضرت کے ساتھ کوئی ایسا شخص کہ جسکے ذریعہ سے حضرت مامون ہون باقی نرہا مگر مخصوص شیعہ اُنکے پدر بزرگوار کے اور خود آنجناب کے اور وہ ایسے قلیل تہے کہ مقاومت لشکران شام کی نہ کرسکتے تہے۔ پس آنجناب کو معاویہ نے صلح کرنیکے بارہ میں لکھا اور وہ خطوط حضرت کے دوستون کے (جو) جو اُنہون نے معاویہ کو حضرت کے غفلت سے قتل کرڈالنے اور حضرت کو معاویہ کے سپرد کرنیکے بارے مین لکہے تہے معاویہ نے حضرت کو بہیجدیئے"

اسکے بعد مورخین کے موافق حضرت امام حسن نے بعض شرائط صلح لکھکر معاویہ کے پاس بہیجے جسے اُس نے تمام قبول کیا بلکہ ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر وغیرہ کرکے حسن کے پاس بھیجدیا کہ تم اپنے شرائط اسپر لکھدو۔ اور جب ایفا کا وقت آیا تو اُس نے پہلے خط کو قابل عمل سمجھا۔ اب بقول ابن خلدون۔" آپ نے اہل عراق کو مجتمع کر کے خطبہ دیا جسمین بعد حمد و درود کے بیان فرمایا کہ اے عراق! مین نے تین بار تم سے درگذر کیا۔ تمنے میرے باپ کو مارا۔ مجھے نیزہ مارا۔ میرا گھر لوٹا۔ آگاہ ہو کہ تمنے دو مقتولون کے درمیان مسح کیا۔ ایک مقتول صفین کے جسکے لئے تم رو رہے ہو اور ایک مقتول نہروان کے جسکا معاوضہ طلب

معاویہ کا مقدمہ لشکر اور حسن کے سپاہیون کا انتشار

معاویہ کی کوششین

حسن کے خاص دوست صرف اتنے تہے جو دشمن کا مقابلہ نہ کرسکتے

حسن کا خطبہ جو حضرت کی ... لت کی زندگی کا تصفیہ تہا۔

کر رہے ہو اور جو باقی ہین وہ تماذل ہین اور روسنے والے بدلہ لینے والے ہین اور معاویہ نے ایک
امر پیش کیا ہے جس مین نہ تو عزت ہے اور نہ انصاف ہیں اگر تم موت پر راضی ہو تو ہم اس امر کو قبول نہ
کرین اور اُن سے اللہ تعالےٰ کے بھروسہ تیز تلوارون سے محاکمہ کرین اور اگر زندگی دوست رکھتے ہو
تو ہم اسکو قبول کرلین اور تمہارے لئے خوشنودی حاصل کرین۔ لوگون نے یہ سنکر ہر طرف سے چلاکر کہا
صلح قایم رکھئے صلح قائم رکھئے"

لوگ ذلت کی زندگی پر راضی ہوگئے۔

اسی مورخ کے موافق "امام حسن نے قیس ابن سعد کو جو مقدمۃ الجیش کے افسر تھے امیر معاویہ کی اطاعت
قبول کرنے اور انکی بیعت کرنے کو لکھ بھیجا قیس نے اپنے ہمراہیونکو مجتمع کرکے اس خط کو پڑھا اور بنظر
مشورہ اُنکو مخاطب کرکے کہا ہم لوگون کا بغیر امام کے لڑنا مناسب ہے یا کہ امام گمراہ کی اطاعت کرنا۔

لشکر سے قیس کا مخاطبہ جواب۔

لوگون نے پہلی شق کو اختیار کیا"۔ اِسکے بعد نہین معلوم مترجم کے قصر کرنے یا خود مولف کی تافتہ ترتیب کے
لحاظ سے وغیرہ یہ عبارت نظر آتی ہے کہ "قیس ابن سعد بوجہ امیر معاویہ کی بیعت سے رُکے ہوئے تھے اور
عبید اللہ ابن عباس بھی اس رائے سے متفق تھے لیکن جب امیر معاویہ نے عبد اللہ ابن عامر کو بسرگردگی
ایک لشکر جرار عبید اللہ ابن عباس کی طرف روانہ کیا اور عبید اللہ ابن عباس نے خط و کتابت کرکے
امان حاصل کرلی اور شب کے وقت تن تنہا اپنے لشکر سے نکل کر عبد اللہ ابن عامر کے خیمہ مین اور پھر اُنکے
ہمراہ امیر معاویہ کے پاس چلے آئے اور روانگی کے بعد قیس ابن سعد امیر لشکر ہوئے تو اُنہون نے از سر نو
کل لشکریون سے امیر معاویہ سے باین شرط جنگ کرنیکا عہد و پیمان لیا کہ جب تک امیر معاویہ امیر المومنین

قیس کی شرایط صلح کو (امیر معاویہ) نے منظور کیا۔

علی کے گروہ کو انکے جان و مال کا امن نہ دین اور جو کچھ پچھلے واقعات مین اُن سے سرزد ہوا ہے
اس سے درگذر نہ کریں۔ رفتہ رفتہ امیر معاویہ تک یہ خبر پہونچگئی۔ عمر ابن العاص نے جنگ کرنے کی
رائے دی امیر معاویہ نے کہا اسمین بہتری نہین ہے جنگ کرنے مین انھین لوگون کے برابر اہل شام
بھی کام آئینگے۔ پھر ایک قاصد کو بلاکر سادہ کاغذ پر مُہر و دستخط کرکے قیس ابن سعد کے پاس بھیجدیا کہ
جو شرط تمکو منظور ہو لکھدو۔ قیس نے اپنے اور کل ہمراہیونکے لئے امان طلب کیا۔ مال وغیرہ کچھ نہین
مانگا۔ امیر معاویہ نے اُنکو امان دیدیا۔ اور قیس نے معہ اپنے کل ہمراہیون کے بیعت کرلی"۔ اسی
صفحہ مین مورخ اس حصہ کتاب کو ختم کرتا ہوا یہ عبارت لکھتا ہے کہ "مین نے بعض جزئی حالات سوائے
طبری کے اور لوگون کی کتابون سے بھی بقدر طاقت صحیح کرکے اخذ کیا ہے" اور "حق یہ ہے کہ

معاویہ کا شمار خلفا میں ہے"۔

روضۃ الصفا نے قیس ابن سعد کو خبر پہونچانیکے بعد اُس سے لوگوں سے کھلوایا ہے کہ یا بغیر امام کے جنگ کر دیا بیعت با ضلالت پر اقدام کرو" اور لوگوں نے کہا کہ "ہم بیعت با ضلالت کو اس سے زیادہ پسند کرتے ہیں کہ ہم قتل ہوں۔ ہمارے اموال تلف اور اہل و عیال ضائع ہوں"۔

لوگ کس بات پر راضی ہو گئے تھے۔

علامہ مجلسی نے بھی بحار میں روایتیں نقل کی ہیں کہ کس طرح معاویہ نے ابن عباس کو دس لاکھ درہم کا وعدہ کرکے ملا لیا اور قیس ابن سعد نے جو عبیداللہ ابن عباس کے بعد امیر لشکر ہوئے تھے امام حسن کو خبر دی اور پھر معاویہ نے قیس کو ملانا چاہا مگر انھوں نے لکھا کہ "تو مجھے کبھی ملاقات نہ کریگا مگر یہ کہ میرا اور تیرے درمیان میں نیزہ ہوگا"۔ اور جب قیس کو صلح کی خبر پہونچی تو انھوں نے اشعار پڑھے جنکا ترجمہ یہ ہے "کہ مجھے مسکن کی زمین سے مقام حال میں یہ خبر پہونچی کہ امام حق نے صلح فرمائی۔ جب سے مجھے یہ خبر معلوم ہوئی ہے میں متحیر ہوں اور جیسا غمگین قلب کی عاجزی کی حالت میں بیٹھا ہوا تارے گنا کرتا ہوں"۔

جہاں ایک دوست عزیز سے بلند تر ہے۔

صلح کی خبر اور قیس کی حالت

اب میں تمام معاملات میں سب سے زیادہ سفید امر کی طرف آتا ہوں اور شرائط صلح ہے۔ اور یہ جگہ ہے جہاں حیرت اور غصہ کا مورخین سے دور رکھنا معمول سے کہیں زیادہ دشوار ہے۔ بعض انہیں سے دفعات شرائط تک کا ذکر نہیں کرتے بعض چند پر قناعت کرتے ہیں اور کبھی کبھی کہیں دوران تذکرہ میں کہدیتے ہیں کہ یہ شرط بھی تھی۔

شرائط صلح

بقول ابن خلدون "امام حسن نے لوگوں کی خود رائی اور نفاق کی وجہ سے امیر معاویہ کو لکھ بھیجا کہ میں خلافت و حکومت سے دست کش ہوا چاہتا ہوں بشرطیکہ مجھکو جو کچھ مال بیت المال کوفہ میں ہے دیدو (اس وقت بیت المال میں پانچ لاکھ موجود تھا) اور داراب جرد (مقامات فارس) کا خراج مجھے معاف کردو اور علی کو میرے سامنے سخت و نا ملائم کلمات سے نہ یاد کرو۔ خط روانہ کرنیکے بعد انھوں نے بھائی حسین و عبداللہ ابن جعفر سے اسکا تذکرہ کیا۔ ان لوگوں نے سمجھایا بجھایا لیکن وہ اپنے ارادے سے نہ پھرے۔ جب یہ خط امیر معاویہ کے پاس پہونچا تو انھوں نے اس خط کو لیلیا اور اس سے پیشتر ایک سادہ کاغذ پر دستخط و مہر کرکے عبداللہ ابن عامر اور عبداللہ ابن سمرہ کی معرفت امام حسن کی خدمت میں بھیج چکے تھے اور علیحدہ یہ تحریر کیا تھا کہ آپ کو جو شرط منظور ہو اس سادہ کاغذ پر لکھ بھیجئے۔

ہم اسکو منظور کرلین گے۔ امام حسن نے اس سادہ کاغذ پر جسکے نیچے امیر معاویہ کا دستخط و مہر تھی اُن شرائط سے دو چند شرائط لکھے جو اسکے پہلے اپنے خط مین لکھ چکے تھے۔ پس جب امام حسن بعد تفویض امارت ان شرایط کے ایفا کے خواستگار ہوئے تو امیر معاویہ نے پہلے خط کے شرایط پر عمل کیا اور یہ کہا کہ یہ وہی تو ہے جو تم طلب کرتے تھے"۔

صاحب صواعق محرقہ عہد نامہ لکھے جانیکے پہلے یہ شرایط لکھتا ہے کہ معاویہ حسن کے تمام دیوان کو ادا کرے اور اہل عراق و حجاز سے کوئی مطالبہ نہ کرے۔ معاویہ نے کہا کہ ہم صرف عشر لین لینگے۔ حسن نے اصرار کیا اور معاویہ نے سادہ کاغذ بھیجدیا کہ اپنے مدعا کو صلحنامہ مین لکھدو ہم قبول کرینگے۔ اسکے بعد حسب ذیل صلحنامہ لکہا گیا:۔

"یہ صلحنامہ ہے حسن بن علی اور معاویہ ابن ابوسفیان مین۔ ان لوگون نے مصالحت کی ہے اس بات پر کہ مسلمانون کے امورات کی ولایت اس شرط سے معاویہ کو تسلیم کیجائے کہ وہ کتاب اللہ سنت رسول اور سیرت خلفائے راشدین پر عمل کرے۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ معاویہ کو یہ اختیار نہین ہے کہ وہ اپنے بعد کسی کو اپنا ولیعہد بنائے بلکہ یہ امر مسلمانون کے مشورہ پر رہے۔ وہ جسے چاہین اپنا امیر بنائین۔ اور شرط یہ ہے کہ خدا کی زمین مین لوگ اُس سے بیخوف ہون۔ شام ہو۔ عراق و حجاز ہو یا یمن اور اصحاب و شیعہ علی اپنے نفس مال اور اولاد سے بیخوف رہین اور معاویہ ابن ابی سفیان پر خدا کی طرف سے یہ عہد ہے کہ وہ حسن ابن علی اور اُنکے بھائی حسین بن علی یا اہلبیت رسول مین کسی کی ظاہر و باطن مین کوئی کدورت نہ رکھے وہ کہین ہون شہادت فلان فلان اور کافی ہے۔ شہادت حق سبحانہ تعالیٰ کی"۔

اعثم کوفی کہتا ہے کہ حسن نے پیشتر خط مین تحریر فرمایا کہ "اگر بندگان خدا کے ساتھ اچھی زندگی بسر کرے اور انھین مال اور زن و فرزند کی طرف سے بیخوف کردے اور خدا کے اوامر و نواہی اور آداب رسول پر عمل کرے تو امامت تجھے سپرد کردون۔ اور اگر تو مسلمانون سے رعونت اور تکبر کریگا اور انصرام امورات موافق شرع نہ کریگا بلکہ اپنے مذاق کے موافق جاری رکھیگا تو مین جہانتک ممکن ہوگا کوشش کرونگا جب تک خدا ہم مین اور تجھین فیصلہ نہ کرے"۔

اسکے بعد حسن کے وکیل عبداللہ ابن حارث نے معاویہ سے کہا کہ امیرالمومنین نے بران قرار خلافت تسلیم

میکند کہ اگر ترا پیش از وے وفات رسد خلافت از آن او باشد و بعد از تو کار بدست گیرد و در مدتے کہ تو بخلافت قیام نمائی ہر سال پانصد ہزار درہم از بیت المال بدو دہی و خراج دار ابجرد و فارس از آن او باشد تا ہر سال خراج آنرا بر خاتونے کہ بہست می ستاند معاویہ جواب داد کہ برین جملہ رضا دادم" اسکے بعد مہر اور دستخط والا کاغذ بھیجا۔ عبد اللہ ابن عامر اور عبد اللہ ابن سمرہ بھی ساتھ آئے۔ ان لوگوں نے معاویہ کی منظوری بیان کی اور حسن نے کہا کہ معاویہ سے جو کہا گیا ہے کہ اسکے بعد خلافت ہماری طرف آئیگی بہتر یہی ہے۔ میں اسی نہیں چاہتا اگر مجھے اسکی خواہش ہوتی تو میں حوالہ نہ کرتا۔ اب میں خراج دار ابجرد اور دیگر مال بھی نہیں چاہتا۔ ۱۔ اس سے بیعت کرتا ہوں" یہ کہکر صلحنامہ لکھا کہ "یہ صلحنامہ ہے حسن ابن علی اور معاویہ ابن ابی سفیان میں۔ اس سے اس امر پر صلح کی گئی ہے اور خلافت سپرد کی ہے کہ جب وہ وفات کرے اور نزدیک یہ ارتحال ہو تو خود کسی کو ولیعہد نہ بنائے بلکہ مسلمان شوریٰ سے اسکا تعین کرلیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ عامہ مسلمین اسکے ہاتھ اور اسکی زبان سے بیخوف ہوں۔ اور خلق اللہ کے ساتھ اچھی زندگی بسر کرے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ علی ابن ابی طالب کے شیعہ انکے متعلقین اور ان کے زن و فرزند ہر جگہہ محفوظ اور بیخوف رہیں اور ان سے کم و زیادہ کسی طرح کا تعرض نہ کیا جائے۔ امیر معاویہ نے عہد کیا اور اسے قبول کیا کہ اس اقرار پر وفا کریگا اور شرائط بھی بجا لائیگا اور کسی طرح کا مکر و کینہ نہ کریگا اور حسن ابن علی اور انکے بھائی حسین ابن علی اور انکے زن و فرزند اعزا اور اقربا اور اہلبیت حضرت محمد مصطفے صلے اللہ علیہ و آلہ سے ظاہر و باطن بدی نہ کریگا اور ایسا کرنیکا حکم نہ دیگا۔ یہ لوگ جہاں رہینگے محفوظ رہیں۔ انھیں کسی طرح کی دہمکی نہ دیجائیگی۔ گواہ ہوئے عبد اللہ ابن حارث ابن نوفل۔ عمر ابن ابی سلمہ وغیرہ"۔

روضۃ الصفا کے موافق حضرت امام حسن رض علاوہ اور شرطکے ابن عامر سے جو مخصوص شرط لکھوائیں وہ یہ تھی کہ "در عطایا و صلات بنی ہاشم را بر اہل بیت خویش تفضیل و ترجیح کند"۔ اسی مورخ کے موافق معاویہ نے بجز "سب علی" کے تمام شرائط منظور کئے اور کہا کہ جس جگہہ حسن موجود ہوں وہاں سب نہ کی جاوے۔ اور پھر یہ بھی لکھا ہے کہ "یکے از شرایط صلح آنکہ تعین خلیفہ بعد از معاویہ بے مشورت امیر المومنین حسن نباشد"۔ علامہ مجلسی کے موافق ایک شرط یہ تھی کہ معاویہ اپنے کو "امیر المومنین" کے خطاب سے یاد نہ کرے۔ رائٹ آنریبل مولوی السید امیر علی صاحب بالقابہ اپنی تاریخ اسلام میں فرماتے ہیں کہ

"صلح کے شرائط جو معاویہ اور حضرت حسن کے مابین ہوئی تھین۔ حضرت حسین کا حق خلافت بین
طور پر محفوظ رکھا گیا تھا"۔

کامل ابن اثیر مین علاوہ عام حالات کے مخصوص باتین یہی ہین کہ معاویہ نے ایفاء شرائط سے انکار کرتے
وقت کہا کہ ہم پہلے خط کے موافق عمل کرینگے نہ کہ سفید مُہر والے کاغذ کے موافق۔ اسی مورخ کے موافق
معاویہ نے "سب و شتم علی نہ کرنے سے انکار کیا"۔ اور اب حسن نے یہ شرط پیش کی کہ میرے سامنے سب نکرنا
معاویہ نے "اس کا اقرار کیا لیکن وفا نہ کی" اور "خراج بھی نہین دیا"۔

"تاریخ خمیس کے موافق حسن کی شرط تھی کہ معاویہ" نہ طلب کرے اہل مدینہ حجاز و عراق سے کوئی
ایسی چیز کہ اُنکے باپ کے زمانہ مین تھی اور یہ کہ اُسکے بعد ولیعہد ہم مین سے ہو اور یہ کہ اختیار دی کہ ہم
بیت المال مین سے بقدر ضرورت لے لین۔ اسپر معاویہ خوش ہوا" نیز اِسی مین ہے کہ معاویہ نے "دس
آدمیون کو امان دینے سے انکار کیا اور حسن نے اس بارہ مین مراجعت کی پھر معاویہ نے کہا کہ قسم ہے اگر
کو پاونگا تو قتل کرونگا۔ اسپر بھی حسن نے مراجعت کی کہ بیعت نہ کرونگا اور اب معاویہ نے سفید کاغذ
بھیجدیا کہ "جو لکھوگے اُسے قبول کرونگا اور" لکھا حسن نے کُل اُن باتونکو جو پہلے لکھا تھا" ؛ ور معاویہ نے
"سب کو قبول کیا"۔ اب حسن نے "خلع کیا اپنی نفس کو اور امارت معاویہ کو تسلیم کی"۔

ابو اسحق اسفرائنی اپنے رسالہ نور العین فی مشہد الحسین مین معاویہ کی رحلت کے وقت یزید کے
اس سوال پر کہ "آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا"۔ جواب دلواتے ہین کہ "خلیفہ تو ہی ہوگا" لیکن پھر آگے
یہ وصیت بھی کراتے ہین کہ "رعیت کے متعلق کوئی کام حسین رضی اللہ عنہ کے مشورہ بغیر نہ کرنا......
اس لئے کہ ای بیٹا خلافت ہمارا حق نہین ہے یہ حق اُنکا ہے اور انسے پہلے انکے باپ اور انکے نانا کا تھا اور
اُنکے بعد اُنکے اہل بیت کا حق ہوگا۔ بیٹا! تم تھوڑے ہی مدت تک خلافت کرنا یہان تک کہ حسین رضی اللہ
عنہ بالغ ہوجائین اور اچھی حالت مین آجائین پھر وہ خود خلیفہ ہون یا جسکو چاہین اہلبیت مین سے
خلیفہ بنائین اور خلافت اپنے حقدار کے پاس جا پہونچے"۔

انسائیکلوپیڈیا (حسن و حسین) مین یہ عبارت ہے کہ "علی کی رحلت پر اُنکے فرزند اکبر حسن خلیفہ منتخب
ہوئے لیکن وہ اس شرط پر معاویہ کے حق مین مستعفی ہوئے کہ وہ اُنکے بعد پھر خلیفہ ہونگے" مولوی حسن میان

پھلواری صاحب اپنے قابل مطالعہ رسالہ "غم حسینؑ" مین فرماتے ہین "تمام کتب تاریخ وسیر وغیرہ سے ثابت ہے اور تمام محققین علمائے اہل سنت کا اسپر اتفاق ہے کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت صرف اُنکے حیات تک کیلیے سپرد کی تھی اور اسی شرط پر اُنکو خلافت سونپ دی تھی کہ تمہارے بعد خلافت ہماری ہی طرف لوٹے گی۔ تمکو ہرگز یہ حق نہ ہوگا کہ کسیکو اپنا ولیعہد بناؤ یا اس کو میراث سمجھو"۔

اِسکے بعد ابن عبد البر اندلسی کی استیعاب جلد اول صفحہ ۱۴۴ سے فرماتے ہین "باتفاق عام علمائے اہل سنت کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ امام حسنؑ نے امیر معاویہ کو صرف اُنکی حیات تک کیلئے خلافت سپرد کی تھی نہ مابعد کے لئے بھی اور اسی پر ان دونون کے مابین صلح ہوئی تھی"۔ کتاب الامامت والسیاست ابن قتیبہ دینوری سے نقل فرماتے ہین "امام حسن نے امیر معاویہ صاحب سے اِس بات پر صلح کی کہ امامت (خلافت) امیر معاویہ کے لئے ہے جب تک وہ زندہ رہین۔ پھر جب وہ مر جائین تو اُنکے بعد خلافت وامامت حسنؑ کی ہوگی"۔ صاحب شواہد النبوۃ فرماتے ہین:۔ "معاویہ با امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہ در سر مصالحہ کرد و عہد بست برآنکہ اگر ویرا حادثہ پیش آید خلیفہ امیر المومنین حسن باشد" مصالحت کے بعد قیس ابن سعد کوفہ چلے آئے اور معاویہ بھی آیا حسن اور معاویہ کی گفتگو مین مخصوص بات یہ تھی کہ معاویہ نے بقول شواہد النبوۃ واعثم کوفی حضرت امام حسنؑ سے کہا کہ "ابتدائے آفرینش سے کسی نے ایسی شجاعت نہین کی۔ یہ جود وسخاوت خاندان بنی ہاشم کے لحاظ سے حیرت خیز نہین ہے۔ اور آزادونکی طرح امر خلافت مجھے حوالہ کر دیا ہے۔ اسکے بعد کہا "جب آپ یہ احسان کر چکے۔ ممکن ہے کہ ابھی لوگون کو یہ معلوم نہ ہو اور سمجھتے ہون کہ آپ کو رغبت خلافت ہے۔ اگر مصلحت سمجھئے تو کچھہ فرما دیجئے کہ لوگ میرے بارہ مین آپکے احسان سے واقف ہو جائین"۔ تاریخ خمیس کے موافق حسنؑ سے خطبہ کہنے کیلیے عمر عاص نے معاویہ کو اس لئے صلاح دی تھی کہ "دخل نہونیکی وجہ سے نقص ظاہر ہوگا"۔ معاویہ نے اسے مکروہ سمجھا۔ لیکن آخر مین حسن سے خواہش ظاہر کی۔ اور جب حسن اپنے خطبہ مین معاویہ کو مخاطب کرکے اُس جگہہ پہونچے کہ "تیرے وجہ سے فساد اور خون ہوا"۔ تو معاویہ نے کہا کہ "مین نہین خیال کرتا تھا مگر اسی بات کا"۔ بقول ابن خلدون "امیر معاویہ نے آپ کو بٹھا لیا کیونکہ اُنھون نے اُنکے خلاف خیال بیان فرمایا تھا"۔ ابن حجر مکی صاحب صواعق محرقہ کے موافق فرمایا "تملوگ جانتے ہو

صلح کے بعد کی گفتگو اور حسنؑ سے خطبہ کی خواہش

حسنؑ کا خطبہ

کہ خدا نے تمھین گمراہی اور جہالت سے میرے نانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت آزاد کیا اور ذلت و خواری کے بعد تمھین عزیز کیا اور قلت کے بعد تمھین کثرت عطا کی۔ جانو۔ کہ معاویہ نے مجھے ایک ایسے امر مین نزاع کی جو میرا حق تھا اُسکا نہ تھا۔ مین نے صلاح امت پر غور کیا اور فتنہ کو منقطع کیا حالانکہ تمنے مجھسے بیعت کی تھی کہ تم اُس سے صلح کروگے جس سے مین صلح کرونگا اور جنگ کروگے جس سے مین جنگ کرونگا لیکن میری رائے یہ قرار پائی ہے کہ معاویہ سے صلح کرلون اور جو جنگ کہ واقع ہے اُسے برطرف کرون اِس لئے کہ لوگ قتل سے محفوظ رہین۔ انکے خون کی محافظت اِس سے بہتر ہے کہ انکا خون بہایا جائے مین نے اس صلح کا ارادہ نہین کیا مگر تمہاری صلاح اور بقا کے لئے"۔ بعض مورخین کے موافق حضرت نے اپنی تقریر مین شرائط صلح بھی بیان کر دیئے تھے۔

عمر عاص کی صلح شکن

اعثم کوفی کے موافق عمر عاص کھڑا ہوا اور کہنے لگا:۔ ای اہل عراق! ہم اور تم راہ راست پہ تھے کہ مختلف ہوا اُن تے ہلوگون کو جدا کر دیا۔ لڑائیان ہوئین۔ آخر مین حکمین نصب ہوئے اور سب لوگ انکے ایسے حکم پر جو موافق کتاب خدا و سنت رسول ہو راضی ہوئے۔ حکمین نے اُسپر یہ طے کیا کہ تملوگ ہمپر ظلم اور ترجیح کا دعوی کرتے تھے۔ آج حق اپنے مرکز مین قایم ہوا اور جنگ سے فارغ ہوئے۔ تمکو گذشتہ کا عذر اور گذشتہ نافرمانی اور عصیان کا موافقت اور اطاعت سے تدارک کرنا چاہئے۔ کہ دین اور دنیا کے امورات اور مصالح کا انتظام ہو اور پراگندگی رفع ہو"

معاویہ کی دلیسی ہی تقریر

اِسکے بعد معاویہ نے کہا:۔ ...... "ابتک جو کچھہ لڑائیان اور کوششین ہوئین اور جس قدر خون بہا اور مسلمانون کے امورات مین جو کچھہ خلل واقع ہوا یہ سب باتین گذر گئین۔ نظم ظاہر ہوا اور پریشانی و تفرقہ دور ہوا۔ بڑے تزلزل کے بعد حق اپنے مرکز مین ہوا اور فتنہ کی آگ بجھی۔ ہماری دعوت عزیز ہوئی۔ مین نے جو شرطین کی ہین اُسکا سرا میرے ہاتھ مین ہے چاہون وفا کرون خواہ نہ کرون۔ تمہین اُسے کوئی مطلب نہین۔ تمکو اطاعت سے کام رکھنا چاہیئے"

یہ تقریر سنکر بقول اعثم کوفی "تمام آدمی برہم اور غضبناک ہوگئے اور معاویہ کو گالیان دینے لگے اور قصد کیا کہ اُسے مار ڈالین قریب تہا کہ بہت بڑا فساد اور خونریزی واقع ہو معاویہ ڈر گیا اور اپنی گفتگو سے پشیمان ہوا"

قیس اور معاویہ

اسکے بعد ایک نہایت پرجوش روایت یہ ہے کہ قیس ابن سعد جب معاویہ کے دربار مین گئے تو اس نے کہا کہ "اے قیس مین نہین چاہتا تھا کہ مین امیر ہون اور تو زندہ رہے" قیس نے جواب دیا "مین بھی نہین چاہتا تھا کہ مین زندہ رہون اور تو حکومت کرے" بقول علامہ مجلسی قیس کے قول کے موافق۔ جب یہ معاویہ کے پاس آئے۔ تو درمیان مین نیزہ اور تلوار رکھدی گئی تھی اور معاویہ نے خود اپنا ہاتھ بڑھا کر اسکے ہاتھ پر رکھدیا۔

بقول روضۃ الصفا۔ معاویہ نے حسین کے پاس طلب بیعت کے لئے آدمی بھیجا۔ حسین نے انکار کیا۔ امام حسن نے معاویہ سے کہا کہ "اے معاویہ حسین کو بیعت کیلئے مجبور نہ کر اس لئے کہ اُنکے نزدیک قتل ہوجانا تیری بیعت کرنے سے بہتر ہے۔ تو انھین نہین قتل کرسکتا جب تک اُنکے اہلبیت کو قتل نہ کرے اور اہل بیت قتل نہین ہوسکتے جب تک اُنکے شیعہ قتل نہ ہون۔ معاملہ طول کھینچیگا۔ یہ سُنکر معاویہ نے خاموشی اختیار کی"

بقول کامل ابن اثیر حضرت امام حسین نے اپنے بھائی سے کہا "اپنے باپ کی تکذیب اور معاویہ کی تصدیق نہ کیجئے حسن نے کہا چپ رہو مین تم سے زیادہ جانتا ہون" بقول اعثم کوفی "حسین نے حسن کی طرف دیکھا اور کہا "اب کوئی تدارک نہین ہوسکتا اور نہ کوئی اصلاح ہوسکتی ہے۔ جو کچھ آپ نے کیا مجھے اس سے بہت کراہت تھی لیکن مین نے نہ چاہا کہ آپ کی خلاف کرون۔ آپکی خوشنودی کے لئے خاموش رہا"

صلح اور حسین

بقول علامہ مجلسی" امام حسین علیہ السلام اپنے برادر عالی وقار کی خدمت مین روتے ہوئے حاضر ہوئے پھر حضرت کی خدمت سے ہنستے ہوئے باہر آئے امام حسین علیہ السلام کے دوستون نے حضرت سے پوچھا کہ یہ کیا امر ہے حضرت نے فرمایا کہ عجب ہے میرے جانے سے ایسے امام کی خدمت مین کہ انکو مین سکھانا چاہتا تھا پس مین نے اُن سے عرض کیا کہ آپ نے کس وجہ سے حکومت سپرد کردی اُنھون نے فرمایا کہ جو وجہ تمہارے پدر بزرگوار کو داعی ہوئی تھی اُس زمانہ سے پیشتر کے زمانہ مین"۔

مسیب کا سوال و جواب

اعثم کوفی کے موافق معاویہ کی تقریر کے بعد مسیب بن نجبۃ الفزاری کھڑے ہوگئے اور حسن کے قریب جاکر کہا کہ " جہانتک غور کرتا ہون یہ مشکل حل اور میری حیرت تمام نہین ہوتی کہ آپ نے کیون معاویہ سے بیعت کی اور چالیس ہزار مردان شمشیر زن کو مہمل چھوڑ دیا۔ نیز آپ نے اپنے زن و فرزند اور دوستون کے لئے کوئی مضبوط عہد نہین لیا اور ایسا صلحنامہ لکھا جو آپ اور اُسکے درمیان ہے لوگون کو اسکی کوئی

خبر نہین ہے۔ اِس وجہ سے معاویہ منبر پر جاتا ہے اور کہتا ہے کہ مین نے جو عہد کیا ہے اُسکا سر میرے ہاتھ مین ہے چاہون وفا کرون یا نہ کرون۔ یہ آپ کی موجودگی مین کہتا ہے۔ یہ وہ آپ ہی سے کہہ رہا تھا اسکا مخاطب کوئی دوسرا نہ تھا۔ یہ امر عظیم آپ سے سرزد ہوا۔ اسکی عاقبت بخیر ہو"

حسن نے جواب دیا:۔

"اے مسیّب یہ چالیس ہزار مردان شمشیر زن جو بظاہر ہمارے ساتھ ہین تجھے معلوم ہے کہ مطلق حکم نہین مانتے ہین اور جسے معاویہ کے مقابلہ مین جنگ کے لئے بھیجا جاتا تھا اُس سے ملجاتے تھے یا اُسکے پاس چلے جاتے تھے۔ یہ حال دیکھکر صلح کی گئی۔ اگر ایسا نہ کرتا تو کیا کرتا۔ اب تمہین اسکا بہتر تدارک کیا معلوم ہوتا ہے"

مسیب نے جواب دیا:۔

"اے امیرالمومنین اگر آپ کی خواہش ہو تو تدبیر یہ ہے کہ اس بیعت سے باز آیئے اور اپنی پہلی حالت پر عود کیجئے۔ اور اُس سے کہئے کہ تو نے میرے سامنے یہ کہکر کہ چاہے اپنے عہد پر وفا کرون چاہے نہ کرون عہد کو توڑ ڈالا"

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ابھی وہ کا ایک شخص جسکا نام عبیدہ ابن عمر الکندی تھا قریب آیا۔ اسکے چہرہ پر ایک گہرا زخم تھا۔ امیرالمومنین حسن اسے پہچانتے تھے۔ پوچھا کہ تجھے یہ زخم کب لگا تھا؟ کہا قیس ابن سعد کی موافقت مین جب معاویہ سے جنگ کی تھی۔ یہ سنکر حجر ابن عدی الکندی نے کہا:

"کاش تو اور ہم اُس روز ہلاک ہو جاتے کہ یہ برا دن نہ دیکھتے کہ دشمن کی مراد بر آئی اور ہملوگ دل تنگ اور شکستہ دل ہوئے۔ موت اِس زندگی سے کہین بہتر تھی"

یہ سُنکر حسن کا چہرہ متغیر ہو گیا اور اُٹھکر اپنے گھر چلے گئے۔ یہان سے حجر ابن عدی کو بلوایا اور فرمایا:

"حجر مجھے تمہاری شفقت اور اپنے بارہ مین تمہارا اعتقاد معلوم ہے۔ تمنے معاویہ کے مجلس مین جو باتین کہین اُسکا وہان موقع نہ تھا۔ مین چاہتا تھا کہ تمہین وہین تسکین دون۔ لیکن اغیار وہان موجود تھے۔ تم اپنے کو خوش کرو اور رنجیدہ نہ ہو کہ مین نے تمہاری بہتری کے لئے صلح کی اس لئے کہ تم آرام پاؤ اور مسلمانون کا خون نہ بہے۔ مجھے طمع جاہ اور زیادتی مال کی خواہش نہین ہے۔ مین اپنے کو اس کام سے سبکدوش کیا کہ عبادت خدا مین بسر کرون۔ تمکو میری رضا پر توجہ کرنی چاہئے اور ایسی باتین نہ کرنی چاہئین"

اُس وقت سفیان ابن لیلے التمیمی داخل ہوا اور کہنے لگا:۔

"سلام ہو تمپر اے ذلیل کرنیوالے مومنین کے۔ یہ تمنے کیا کیا۔ کاش ہم اور تم مرجاتے کہ یہہ کانٹا

عبیدہ الکندی [illegible]

حجر اور عبیدہ کا تاسف۔

حسن تسکین دیتے ہین

سفیان ابن ابی لیلی اور حسن

نہ چھپتا"۔

اسکے بعد حسین کی متذکرہ صدر تقریر تھی جسے سُنکر مسیب ابن نخبہ نے کہا:۔

"ہمارے لئے مشکل نہیں ہے اس لئے کہ معاویہ کو بہلوگون کی ضرورت ہے اور ہماری ساتھ رعایت کرینگے لیکن ہمارا دل تمہارے طرف لگا ہوا ہے کہ مبادا معاویہ تم سے نقض عہد کرے اور کوئی لحاظ نہ کرے"

بقول روضۃ الصفا

متذکرہ صدر واقعات بہ اختلاف وقت و مقام عام تواریخ مین پائے جاتے ہین۔

علی ابن بشر اور حسین

علی ابن بشر حضرت امام حسن کی وجہ مصالحت سننے کے بعد حضرت امام حسین کے پاس گیا اور جو کچھ سُنا تھا بیان کیا امیر سبط اصغر نے فرمایا" ابو محمد نے جو کچھ فرمایا وہ حق اور مطابق صدق ہے جب تک معاویہ زندہ ہے اب بجز اسکے کوئی چارہ نہین ہے کہ ہر شخص اپنے گھر مین بیٹھا رہے"۔

اہل بصرہ کی استقامت کا درجہ

اعثم کوفی کے موافق جس وقت اہل بصرہ نے سُنا کہ حسن نے امارت معاویہ کو تفویض کردی اُنکو کو بہت رنج ہوا اور بہت سے لوگون نے جمع ہوکر کہا کہ ہم اسپر راضی نہ ہونگے کہ فرزندان علی و رسول کے ہوتے ہوئے ہم معاویہ کی خلافت کو قبول کرلین۔ عمران ابن آبان نے جو روسائے کوفہ مین سے ایک تھا لوگونکو تسکین دی اور شہر پر حسن کے نام سے قبضہ کیا (ابن خلدون بھی قبضہ کا ذکر کرتا ہے) معاویہ کو یہ خبر معلوم ہوئی اُسنے عمر ابن ارطاۃ کو لشکر کثیر کے ساتھ بھیجا۔ جس قدر لوگ عمران کے ساتھ جمع ہوئے تھے۔ متفرق ہوگئے۔ دوسرے روز عمر ابن ارطاۃ قصر الامارۃ سے مسجد مین آیا اور جس قدر نا ملایم الفاظ علی اور اولاد علی کے لئے استعمال کرسکتا تھا کئے اُس وقت ابوبکرہ کھڑے ہوگئے اور کہا "جھوٹ کہتا ہے اے دشمن خدا ....." ابن ارطاۃ نے انکے گرفتاری کا حکم دیا لیکن بنوضبیہ بیچ مین پڑے اور انھین اُٹھالے گئے۔ ابن ارطاۃ چھ مہینہ تک حاکم رہا۔ اسکے بعد عبداللہ ابن عامر کر بز اور اسکے بعد زیاد ابن ابیہ عامل مقرر کیا گیا۔

عمر ابن ارطاۃ اور ابوبکرہ

مصلحت صلح پر مزید عکس۔

علامہ مجلسی احتجاج طبرسی سے زید بن وہب جہنی کے زبانی ایک روایت نقل کرتے ہین جس سے مصالح صلح پر کچھ اور عکس پڑتا ہے اور وہ یہ ہے کہ "جب حسن بن علی علیہ السلام مدائن مین مجروح ہوئے تو مین ان جناب کی خدمت مین حاضر ہوا اور وہ جناب درد مین مبتلا تھے مین نے عرض کیا کہ یا ابن رسول اللہ کیا رائے ہے آپ کی کیونکہ لوگ متحیر ہین۔ حضرت نے فرمایا کہ مین دیکھتا ہون قسم بخدا معاویہ انلوگون سے

میرے لئے بہتر ہے۔ یہ لوگ گمان کرتے ہین کہ یہ میرے شیعون مین سے ہین۔ میرے قتل کے درپے ہوئے میرا اسباب لوٹا۔ میرا مال لے لیا۔ واللہ اگر مین معاویہ سے ایک عہد لے لون کہ مین اُسکے سبب اپنی خونریزی کو روکون اور اُسکے سبب سے مین اپنے اہل مین امن سے رہون تو یہ امر بہتر ہے اِس سے کہ یہ لوگ مجھے قتل کرین اور میرے اہلبیت اور اہل ضائع ہون۔ قسم بخدا کہ اگر مین معاویہ سے مقاتلہ کرون تو یہ لوگ میری گردن پکڑ کر مجھے معاویہ کے سپرد کر دینگے صلح کی راہ سے۔ پس واللہ اگر مین اُس سے صلح کرون اس حال مین کہ میری عزت قائم رہے یہ میرے نزدیک بہتر ہے اِس امر سے کہ وہ مجھے قتل کرے اُس حال مین کہ مین اُسکا اسیر ہون یا وہ منت رکھکر چھوڑ دے اور یہ امر باعث عار ہو بنی ہاشم کے لئے قیامت تک اور معاویہ اور اسکی اولاد ہمیشہ احسان جتلائے اسکا ہمارے ہر زندہ اور مُردے پر۔"

آگے بڑھکر حضرت امام محمد باقر سے ایک روایت ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ سے نقل فرماتے ہین کہ ..... پھر اُنکے فرزند امام حسین علیہ السلام سے بیعت کی گئی اور عہد کئے گئے آنجناب سے۔ پھر آنجناب سے غدر کیا گیا اور اُنکا ساتھ چھوڑ دیا پھر اُن حضرت پر اہل عراق نے حملہ کیا یہانتک کہ اُن جناب کے پہلو پر زخم خنجر لگایا گیا اور آنجناب کے لشکر کو لوٹ لیا اور آنجناب کے کنیزونکی خلخالین بظلم چھین لی گئین پس حضرت نے معاویہ سے مصالحہ کر لیا اور آنجناب نے اپنے اور اپنے اہلبیت کے خون ریزی کو روکا اور وہ انتہا درجہ قلیل تھے۔" بحار ہی مین حضرت امام حسن ابو سعید عقیص سے ہمکلام ہین اور فرماتے ہین "ای ابو سعید علت میرے مصالحہ کی معاویہ سے وہی علت ہے کہ جس علت سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ نے بنی ضمرہ اور بنی اشجع سے صلح کی تھی اور اہل مکہ سے صلح کی تھی جب وہ جناب حدیبیہ سے پھرے۔ وہ لوگ کفار تھے بہ تنزیل اور معاویہ اور اُسکے اصحاب ... ہین بتاویل ... نہین واجب ہے یہ امر کہ میری رائے پر سفاہت کا الزام لگایا جاوے اِس امر مین کہ جس کو مین بجا لاؤن صلح کر لینے یا محاربہ کرنے سے اگرچہ وجہ حکمت اُس امر کی جس کو مین نے کیا ہے معلوم نہ ہوتی ہو۔"

علامہ مجلسی نے کتاب احتجاج سے ایک واقعہ بیان کیا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن معاویہ کے پاس عمر ابن عثمان۔ عمرابن عاص۔ عتبہ بن ابی سفیان۔ ولید ابن عقبہ اور مغیرہ ابن شعبہ بیٹھے تھے انمین سے ابن عاص نے معاویہ سے کہا کہ حسن نے اپنی باپ کی سیرت کو زندہ کیا ہے لوگ اُنکے پیچھے ادب واطاعت سے

نواسہ رسول کی توہین کیلئے بنی اُمیہ کی بیٹھکی اور اسکی وجہ۔

چلتے ہین اور انکی تصدیق کرتے ہین اور یہ باتین انھین اُس چیز کی طرف لیجائینگی جو اُن سے زیادہ بلند ہے تو
انھین یہان بلا اور ہم لوگ کہین کہ تم دونون اِس مرتبہ کمال پر پہونچنے سے قاصر ہو اور انکی ذلت کرین حسنؑ
بلائے گئے سلامتی اور بیخوفی کا اقرار ہوا اور معاویہ نے کہا کہ اِنلوگون نے آپ کو بلایا ہے کہ یہ کہین کہ عثمان مظلوم
قتل کئے گئے اور آپکے پدر بزرگوار نے انھین قتل کیا آپ اِنھین جواب دیجئے جیسا یہ کلام کرین اور میری موجودگی
جواب دینے سے باز نہ رہئے۔
گفتگو شروع ہوئی جسمین ابن عاص نے کہا کہ ہم نے آپکو اِس لئے بلایا ہے کہ آپ اور آپکے باپ کے بارہ مین
بے ادبی کرین اور آپ اتنی طاقت نہین رکھتے کہ ہم پر عتاب کر سکین اور نہ اِس قدر استطاعت رکھتے ہین کہ ہمارا
تکذیب کر سکین۔ اسکے بعد حاضرین نے بدگوئی اور بُرا نے قصّے یاد کرکے جس طرح انتقام لے سکتے تھے لیا اور حسنؑ نے
ہر ایک کی حقیقت جواب اور نسب کو جس طرح ظاہر کر دیا اُسنے سبھونکی گردنین جھکا دین اور حسن وہان سے اُٹھکر
چلے آئے۔ اِس جلسہ مین مروان نہ تھا جب اُسے معلوم ہوا کہ بنی امیہ کو حسن نے ذلیل کیا تو اب یہ آیا اور یہہ
دعوے کیا کہ مین اُنھین اِس قدر ذلیل کرونگا کہ قریش کے لونڈی اور غلام ایسے کہتے رہین گے۔ پھر حسن بلائے
گئے اور ایکی مروان نے پھپھولے توڑے اور حسن نے اُسکے متعلق بھی جو کچھ کہا اُس سے مروان کو بھی سیری
حاصل ہو گئی۔

حضرت امام حسنؑ کا آخری زمانہ

اب مین اُس مصلح بنی آدم کے آخری زمانہ پر آتا ہون اور اُن واقعات کو ترک کرتا ہون کہ عہد نامہ کے
موافق جو رقم ہر سال ملنی چاہئے تھی وہ برسون نہ ملی سختی اور تنگی برداشت کرین اور غالباً متعلقین کی
ضروریات سے مجبور ہو کر بقول صواعق محرقہ معاویہ کو لکھنے کے لئے کبھی قلم دوات طلب کرین لیکن پھر غالباً
غیرت سے واپس کرین اور خاموش ہو جائین۔

شہادت حسنؑ

جامع التواریخ ابو الفدا۔ روضۃ الصفا۔ طبری۔ رسالہ نجات۔ شواہد النبوۃ۔ روضۃ الشہدا۔
صواعق المحرقہ۔ انسائیکلوپیڈیا۔ اوسبورن۔ صواعق محرقہ اور اعثم کوفی یہ سب مورخین انہین سے
کسی امر پر متفق ہین کہ جعدہ بنت اشعث کو بلا کر معاویہ نے حسن کو زہر دلوایا کہ یزید کو ولیعہد کرے۔ یا یہ کہ یزید نے
جعدہ کو بلا کر زہر دلوایا اور کسی نے اگر بہت احتیاط کی ہے تو کہا ہے کہ "مشہور" یہ ہے کہ معاویہ کے ایما سے
زہر دیا گیا۔ صواعق کی ایک روایت کے موافق تین مرتبہ اور روضۃ الشہدا کے موافق سات مرتبہ

زہر دیا گیا لیکن بیشتر یا تو استفراغ کی وجہ سے اثر نہ ہوا یا علاج سے صحت ہو گئی۔ صاحب روضۃ الشہدا کے موافق مروان ابن حکم جو اس وقت مدینہ مین تھا جعدہ بنت اشعث کے پاس ایک رومی کنیز کے معرفت جسکا نام الیسونیہ تھا پیغام بھجوایا کہ اگر تو حسن کو زہر دیدے تو تجھے نہ صرف اس قدر روپیہ ملیگا بلکہ یزید ابن معاویہ جو اسوقت ایسا صاحب اثر ہے تجھے اپنے عقد مین لیلیگا۔

مشہور باپ اور مان کی بیٹی پر فریب کارگر ہوا اور اُس نے سودہ الماس پانی مین ملا دیا امام نے شب کو یہ پانی پیا اور حلق سے نیچے اُترنا تھا کہ فرمایا "آہ کیسا پانی تھا کہ حلق سے ناف تک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا" اسکے بعد حسین کو طلب کیا اور سینہ سے لگا لیا۔ حال کہا۔ حسین انکے لب اقدس تک جام اب لیگئے تھے کہ امام نے جلدی سے چھین لیا اور زمین پر پھینکدیا۔ اسکے بعد درد شکم سے زمین پر لوٹنے لگے۔ آفتاب طلوع ہو رہا تھا کہ طشت جگر کے ٹکڑون سے بھر گیا اور رنگ مین سبزی آنے لگی۔ دوبارہ فاطمہ کے پارہ جگر ایک دوسرے سے لپٹے اور رخسار آنسوؤن سے تر ہو گئے۔ حسین نے اپنے برادر معظم سے پوچھا کہ آپ کو کسپر زہر دینے کا گمان ہے۔ اسپر امام نے سوال کیا کہ کیا اُسے قتل کروگے؟ اور جب اثبات مین جواب سُنا تو بقول عام مورخین کے فرمایا کہ اگر وہی ہے جسپر میرا گمان ہے تو خدا کا غضب سب سے زیادہ سخت ہے اور اگر وہ نہین ہے تو مجھے پسند نہین ہے کہ کوئی بے گناہ میرے لئے قتل ہو"۔ بقول روضۃ الشہدا اسکے بعد بنت اشعث کو خلوت مین طلب کرکے ملامت کی اور اسکے بعد مُنھ پھیر لیا۔ اور زمانہ رسول کے بڑے نواسہ سے خالی ہو گیا۔ بقول اعثم کوفی "ثقہ راویون سے سُنا گیا ہے کہ جس وقت معاویہ نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اپنے بیٹے کو اپنا ولیعہد مقرر کرے تو اُس نے خیال کیا کہ امام حسن کی زندگی مین یہ بات وقوع مین نہ آسکے گی اس لئے اُس نے ہمہ تن کوشش کی کہ اس مسند نشین امامت کو دنیا سے رخصت کردے"۔ اسکے بعد مروان کی کوشش اور جعدہ کو فریب دینے کی تفصیل ہے۔

طبری کہتا ہے "چون حسن علیہ السلام برفت معاویہ در تدبیر ہلاک او ایستاد تا اورا بچہ روی ہلاک نا مروان نداند کہ اورا ہلاک کردہ است" (حاشیہ پر غالباً مترجم نے اسے "مفتریات شیعہ" کہکر تنقید تاریخ کا حق ادا کر دیا ہے اور یزید و مروان کو بل بکرا بنایا ہے) حضرت نے بقول تاریخ خمیس وغیرہ یہ بھی وصیت فرمائی کہ "مین نے عائشہ سے کہا تھا کہ اگر مین شہید ہو جاؤن تو خانہ رسول مین

بھائی کا آخری وقت اور حسین

دفن کے متعلق وصیت

دفن کرنا اور اُس نے اقرار کیا تھا میں نہیں جانتا کہ یہ بات ہو بعد میرے۔ اگر وہ خوشی سے کہدے تو دفن کرنا۔ میں جانتا ہوں کہ لوگ تم سے مزاحمت کرینگے۔ اگر ایسا ہو تو بقیع میں دفن کر دینا"۔

بقول علامہ مجلسی فرمایا "دیکھو میرے لئے ایک چلّو خون نہ گرے" حسین مع بنی ہاشم کے جنازہ کو قبر رسول پر لائے لیکن کہا گیا ہے کہ بنی امیہ نے ہتیار بندی کی اور بقول روضۃ الصفا "قبل از دفن عائشہ ازین معنی وقوف یافتہ بر استرے سوار شدہ بہ انموضع رفت و بہ منع مشغول گشت۔ شیعہ امیر المومنین علی بنیاد غوغا کردہ گفتند اے عائشہ روزے بر شتر نشستہ محاربت کنی و روزے بر استر سوار شدہ بر سر جنازہ نبیرۂ پیغمبر منازعت آغاز نہی و نگذاری کہ او را دفن کنند و چندانکہ سعی نمودند مفید نیفتاد چہ مردم بہ دو فرقہ متفرق شدند و بجانب یکدیگر تیر انداختند چند تیر بہ جنازہ رسید"۔

بقول اعثم کوفی "جب امام حسن کی روح اقدس جوار رحمت الٰہی میں چلیگئی تو غسل اور کفن کے بعد آپ کا جنازہ اُٹھایا گیا اور حضرت رسول خدا کے روضہ مقدس کی طرف لے چلے تاکہ اپنے بھائی کو عالی مرتبہ نانا کے پہلو میں دفن کریں۔ سعید ابن العاص مدینہ کے حاکم نے عائشہ کے پاس پہونچکر اطلاع کی کہ جنازہ کو وہاں دفن نہ ہونے دے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ اونٹ پر سوار ہو کر اور کسی قدر عثمانی گروہ کے آدمی ہمراہ لیکر روکنے میں مشغول ہوئیں"..... امام حسین نے حسب وصیت اپنے مقدس بھائی کا لاشہ نانی (دادی) فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کے پاس دفن کر دیا"۔

طبری کہتا ہے "چون حسن رضی اللہ بمرد چہل و شش سالہ بود پس او را گورے کنند ہم پہلوئے گور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و بہر جنازہ اش نہادند و بیاوردند کہ او را گور کنند حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آگاہ شد بیامد بر استرے نشستہ و رہا نکردش کہ انجاش در گور کنند۔ مردمان مدینہ بر عائشہ شوریدند گفتنکو میکنی یک روز بر اشتر ہمی جنگ کنی و دیگر روز بر استر از بہر جنازہ منازعت ہمیکنی۔ و راہ نمیدہی کہ نبیرہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم را بگور کنند و ہر چند کہ گفتند عائشہ رضی اللہ عنہا رہا نہ کرد کہ او را بگور کنند و مردمان بدو گروہ شدند گروہی کہ شیعت عائشہ بودند تیرانداختن گرفتند تا جنازہ امیر المومنین حسن پر تیر گشت"۔

بقول علامہ مجلسی مروان نے حضرت عائشہ سے کہا کہ "اگر امام حسن علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ دفن ہوئے تو تیرے باپ کا فخر اور اسکے ساتھ ہی عمر کا فخر بالکل روز قیامت تک

دفن کے واقعات

محو ہو جائیگا" اور اسکے بعد حضرت عائشہ نے اپنے کو قبر پیغمبر پر سے گرا دیا اور کہنے لگین واللہ امام حسن یہان پر ہرگز دفن نہ کئے جائینگے یہانتک کہ یہ تراش ڈالی جائین اور اپنے ہاتھ سے اپنے بالونکی طرف اشارہ کیا پس بنی ہاشم نے لڑنے کا ارادہ کیا پس امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ ڈرو خدا سے میرے بھائی کی وصیت کو ضائع نہ کرو اور اُنکا جنازہ بقیع کی طرف پھیرے چلو" بقول تاریخ خمیس بنی امیہ کی مسلح شورش دیکھکر ابا ہریرہ نے کہا کہ "یہ ظلم ہے کہ ابن رسول دفن نہ کیا جائے" اور اُنھون نے مقابلہ کا ارادہ دیکھکر وصیت حسن یاد دلائی۔

خبر علالت و شہادت اور معاویہ۔

یہی مورخ ابن خلکان سے نقل کرتا ہے کہ جب امام علیل ہوئے تو مروان نے معاویہ کو اطلاع دی اور اُس نے جواب بھیجا کہ مجھے برابر خبر بھیجتے رہنا اور جب شہادت کی اطلاع ہوئی تو اسکے تکبیر کی صدا خضرا سے سُنی گئی۔ اور یہ صدا سُنکر اہل شام نے تکبیر کہی۔ اسپر فاختہ بنت قریظہ نے پوچھا "تیری آنکھ ٹھنڈی ہو کیون تکبیر کہی جو کہا۔ مرگیا حسن۔ کہا۔ کیا ابن فاطمہ کی موت پر جو کہا نہین۔ نہ بلحاظ شماتت۔ بلکہ میرا دل ٹھنڈا ہو گیا" اُس وقت ابن عباس معاویہ کے پاس گئے اور اُس نے کہا "جانتا ہو کہ تیرے اہلبیت مین کیا ہوا۔ جواب دیا نہین لیکن تو خوش معلوم ہوتا ہے۔ کہا حسن مرگئے"۔ اِسی مورخ کے موافق خبر شہادت سُنکر معاویہ نے کہا "حسن سے تعجب ہو کہ ایک گھونٹ شہد اور پانی پیا اور مرگئے"۔ اسی مورخ و نیز روضۃ الصفا کے موافق معاویہ کی شماتت پر ابن عباس نے جواب دیا کہ "جو گڑھا تیرے لئے مقدر ہوا ہے وہ حسن کی رحلت سے مسدود نہ ہو جائیگا"۔ اور یہ کہکر اُٹھ گئے۔ علامہ مجلسی نے یہ واقعات ربیع الابرار زمخشری اور کتاب العقد ابن عبدربہ سے نقل کئے ہین۔

بقول اعثم کوفی "ایک دن عبداللہ ابن عباس معاویہ کی محفل مین موجود تھا معاویہ نے ملامت کی راہ سے کہا اے عباس تونے سُنا کہ حسن بن علی نے ملک پر مرگ کو ترجیح دی"۔

امیر شام عبداللہ یا ابن عباس کو حسین افسری ہاشم چاہتا ہے۔

امیر شام اسکے قبل بقول علامہ جیسا احتجاج طبرسی سے نقل کیا ہے عبداللہ ابن جعفر ابن ابیطالب کو حسنین کی تعظیم پر طعنہ دے چکا تھا اور سخت جواب سنا تھا اور اب حضرت امام حسن کی رحلت پر وہی چال ابن عباس پر آزمائی اور کہا کہ اب تو تم سردار قوم قرار پاؤ گے جسپر ابن عباس نے کہا کہ ابو عبداللہ الحسین علیہ السلام باقی ہین۔

حسن کا مرثیہ۔

فضل ابن عباس نے حضرت امام حسن کا جو مرثیہ کہا اُسکا ترجمہ ہے کہ "آج کے دن ابن ہند حسن کی

رحلت سے اظہار نخوت مین بیخوف ہوگیا۔ انکے بعد معاویہ کو راحت ہوئی اور وہ جناب حوادثات زمانہ سے قبر مین مقیم ہوئے۔ اے ابن ہند تو بیخوف چراگاہ مین چر۔ حمار وحشی کا موٹا ہو جانا اُسکے اُچکنے کا سبب ہو جاتا ہے "۔

حسین مرثیہ کہتے ہین۔

اپنے بھائی کی لاش کو لحد مین رکھنے کے وقت حضرت امام حسین نے جو مرثیہ فرمایا اُسکے بعض اشعار کا ترجمہ یہ ہے :- " کیا مین اپنے سر مین تیل ڈالون یا میری مجلسین پاکیزہ ہون درانحالیکہ سر مبارک آپکا خاک آلودہ اور آپکے جسم کا لباس اُتارا ہوا ہو۔ دنیا کی کسی محبوب شئے سے کیا فائدہ اُٹھاؤن۔ مجھے وہ چیز محبوب ہے جو آپ سے قریب کرے۔ مین آپ پر برابر روتا رہونگا جب تک کہ کبوتری گونجے اور جب تک صبا اور باد جنوب چلے۔ جب تک میری آنکھ سے ایک قطرہ اشک نکلے۔ اور جب تک کہ جہانکے بڑے بڑے درختون مین کوئی ڈالی سرسبز ہو۔ لٹا ہوا وہ شخص نہین ہے جس کا مال لوٹ لیا جائے بلکہ وہی جو اپنے بھائی کو زیر خاک کرے "۔

علی کے دوست اور معاویہ

مجھے بالتفصیل یہ کہنا نہین ہے کہ معاویہ نے علی کے دوستون کو ذمہ سے بری کرنیکا اعلان کیا اور وہ تہمت گمان اور شبہہ پر قتل کئے گئے۔ ہاتھ پاؤن کاٹے اور آنکھین نکلوائی گئین نہ مجھے اسپر کسی بسط کی ضرورت ہے کہ معاویہ نے کس طرح فضائل علی کو روکا اور اُسکے مقابل کون سے لوگون کے لئے حدیثین گڑھوائین اور آخر مین یہ نتیجہ ہوا کہ دوستان علی کا قتل کرنا اور کرانا حصول تقرب کا ذریعہ بنگیا۔ یا حدیث سازی کا سلسلہ بڑی شد و مد سے جاری رہا اور کچھ دنون کے بعد یہ نوبت پہونچی کہ ایک مرد و بقول ابن ابی الحدید حجاج سے یہ کہہ سکتا " کہ ہم مین سے کوئی ایسا نہین ہے جس سے ابو تراب پر سب و شتم کرنے کو کہا جائے اور وہ اُسکے ساتھ اُنکے فرزند حسن و حسین اور اُنکی مان فاطمہ زہرا کو زائد نہ کرے "! مین نہایت مخصوص لوگون اور حالتون کے تذکرہ پر قناعت کرونگا۔

عدی بن حاتم ۔ سنہ ۴۱

ابن خلدون اگرچہ اس واقعہ کا کوئی زمانہ نہین لکھتا لیکن قیاس آسان ہے کہ وہ عام الجماعۃ کے قریب کا ہوگا وہ ایک روز عدی ابن حاتم امیر معاویہ کی صحبت مین بیٹھے ہوئے تھے امیر معاویہ نے از راہ مذاق امیر المومنین علی کے مصاحبت کی چٹکی لی (ہم وہ مصاحبت کی چٹکی لی " کا صحیح عربی فقرہ دیکھنا چاہئے) عدی نے ترش رو ہو کر کہا۔ واللہ وہ قلوب جس سے ہمنے تمسے عداوت کی تھی ہمارے سینون مین ہین اور بیشک وہ تلوارین جن سے ہم تمسے لڑے تھے ہمارے قبضہ مین ہین اگر تم ایک بالشت بھی بدعہدی

سے ہماری طرف بڑہو گے تو ہم بُرائی سے تمہاری طرف پانچ ہاتہہ بڑہینگے اور بلاشبہہ موت کا غرغرہ اور حالت نزع کا گھرہ ہمارے لئے آسان ہے بہ نسبت اسکے کہ ہم علی ابن ابیطالب کے حق مین کوئی کلمہ ناملائم سنین۔ اسے معاویہ تلوار کی بو سے تلوار اوٹھائی جاتی ہے۔ معاویہ نے یہ سنکر حاضرین سے مخاطب کرکے کہا یہ باتین نہایت صحیح ہین انکو لکہہ لو۔ پھر عدی کی طرف متوجہ ہوئے اور نہایت نرمی و ملاطفت سے گفتگو کرتے رہے۔" لیکن ۵۱ھ کے قریب جبکہ زیاد ابن ابیہ بصرہ اور کوفہ کا حاکم تھا اسنے عدی ابن حاتم کو (جو مسجد مین تہے) گرفتار کرلیا اور یہ دہمکی دی کہ الا کہ عبداللہ بن خلیفہ (رفیق حجر ابن عدی) کو حاضر کردیا اُسکا پتہ بتلاؤ۔ عدی ابن حاتم نے جواب دیا کیا مین اپنے چچا کے لڑکے کو حاضر کردوں کہ تو اُسے قتل کرڈالے واللہ اگر وہ میرے قدمون کے نیچے ہوتا تو مین انکو ہرگز نہ اُٹھاتا۔ زیاد نے جہلاکر انکو بھی قید کردیا۔ لوگون کو اِس سے ناراضی پیدا ہوئی۔ آپسمین صلاح مشورہ کرکے زیاد کے پاس پہونچے اور اُس سے کہا کہ بڑے غضب کی بات ہے کہ تو یہ فعل اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سردار طے کیساتھ کرتا ہے۔ زیاد نے بنظر اشتعال طبع عوام یہ کہہ کر چہوڑ دیا کہ اچہا مین عدی کو چھوڑے دیتا ہون۔ لیکن اِس شرط پر کہ یہہ اپنے چچازاد بھائی کو کوفہ سے نکال دے"۔

عمر ابن عاص اور مغیرہ ابن شعبہ کی سیاسی جنگ

معاویہ نے حصول اختیار کے بعد عبداللہ ابن عمر عاص کو کوفہ کی حکومت دی۔ یہ دیکھکر مغیرہ ابن شعبہ نے کہا۔ مصر مین ابن عاص اور کوفہ مین اُسکا لڑکا ہے" گویا اب شیر کے دو دانتون کے درمیان مین ہین"۔ امیر معاویہ نے عبداللہ کو معزول کرکے بجائے اُنکے مغیرہ کو مقرر کیا اسکی خبر عمر بن عاص کو پہونچی تو اونہون نے امیر معاویہ سے عرض کیا تمنے ایسے شخص کو کوفہ کا حاکم بنایا ہے جو مال کو ہڑپ کرجائیگا اور تم اُس سے کچہہ وصول نہ کرسکوگے مناسب یہ ہے کہ ایسے شخص کو تم اُسکے ساتہہ مامور کرو جس سے یہ ڈرے۔ چنانچہ امیر معاویہ نے مغیرہ کو نماز پڑہانے پر متعین کیا"۔

زیاد کو جسکو اُسکی مجہول النسبی کی وجہ سے "ابن ابیہ" یا ابن سمیہ (زیاد کی مان کا نام) کہتے تہے عبداللہ ابن عباس نے فارس کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اِسنے برابر عمدہ انتظام کیا۔ اور اسی زمانہ مین اسکی انتظامی قابلیت دیکھکر معاویہ نے اِسے اپنی طرف ملانا چاہا۔ اور زیاد کو جو خط لکھا اُسمین ظاہر کیا کہ تو ابوسفیان کے نطفہ سے ہے (ابن خلدون نے ابن اثیر اور عقد الفرید سے لکہا ہے کہ سمیہ

کسی ایرانی دہقان کی کنیز تھی جو حرث بن کندہ طبیب کو دیدی گئی اور کیونکر سمیہ کی آوارگی کی خبر سنکر اس نے اپنے غلام عبید کو دیدیا اور پھر کیونکر ابو سفیان ایک خمار کے پاس پہونچا اور سمیہ سے تعلق ہوا جن صورتوں کے بعد تصفیہ آسان نہین ہے کہ یہ کس کے نطفہ سے تھا" زیاد نے خط پڑھکر لوگونکو جمع کرکے خطبہ دیا جسمین امیر معاویہ کی دہمکی سے تعجب ظاہر کرتے ہوئے کہا تہا کہ معاویہ مجھے ڈرانا چاہتا ہے حالانکہ میرے اور اُنکے درمیان مین ابن عم رسول اللہ صلعم مع مہاجرین و انصار کے ہین۔

امیر المومنین علی ابن ابیطالب کو جب اس سے آگاہی ہوئی تو لکھہ بھیجا کہ مین نے تمکو والی مقرر کیا ہے اور میرے نزدیک تم اسکے سزاوار ہو اور ابو سفیان مین خباثت نفس اور ایک جہالت تھی جسکی میراث تمکو نہ ملنا چاہیے اور نہ تمہارا نسب اس سے ملحق ہونا مناسب ہے اور معاویہ انسان کے آگے پیچھے دائین بائین سے آتا ہے پس اُس سے احتراز کرو۔ پھر احتراز کرو" (ابن خلدون)

عبد اللہ ابن زیاد کیونکر قتل سے بچا۔

امیر المومنین کی شہادت کے بعد معاویہ نے کبھی زیاد کو بیت المال بھیجنے۔ کبھی حساب فہمی کے لئے اور کبھی یونہین طلب کیا لیکن زیاد برابر انکار کرتا رہا۔ یہانتک کہ بشر ابن ارطاۃ نے بصرہ مین اسکی اولاد پر قبضہ کر لیا جنمین عبد الرحمن۔ عباد اللہ اور عبید اللہ کا نام ہے۔ اور سبہون کے قتل کا قصد کیا۔ ابو بکرہ زیاد کے مادری بھائی نے (جسکے بشر ابن ارطاۃ کے ساتہہ سب علی کے معاملہ کو ہم لکھہ چکے) بشر سے کہا "تو نے انکو بغیر کسی جرم کے گرفتار کر لیا ہے حالانکہ امام حسن بن علی نے معاویہ سے مع ہمراہیان علی کے جس حیثیت سے ہے صلح کر لیا ہے تجھکو نہ انکے اور نہ انکے باپ کے گرفتار کرنیکا کوئی حق حاصل ہے" بشر نے مہلت دی۔ ابو بکرہ معاویہ کے پاس گئے۔ رہائی کا پروانہ لیا اور قتل مین ایک گھنٹہ باقی تہا کہ ابو بکرہ پہونچے اور رہا کرایا۔ مین نہین جانتا کہ ابو بکرہ کیا کرتے۔ اگر انھین معلوم ہوتا کہ جس عبید اللہ کو اونہون نے امیر المومنین کا دوست سمجھہ کر صلح حسن کے ایک دفعہ سے رہا کیا وہ کچھہ دن کے بعد کیا کرنیوالا تہا!

زیاد نے کچھہ مال عبد الرحمن ابو بکرہ کے پاس مانگار کھا تہا اور انہون نے اسے بصرہ کے قریب رکھا۔ معاویہ کو خبر ملی اور اس نے مغیرہ ابن شعبہ کو قبضہ کرنے کے لئے لکھا۔ مغیرہ نے عبد الرحمن سے کہا اگرچہ تمہارے باپ نے میرے ساتہہ برائی کی تھی لیکن تمہارے چچا نے میرے ساتھ سلوک کیا ہے یہکہکر عبد الرحمن کو لوٹادیا اور امیر معاویہ کے پاس ایک خط معذرت کا لکھہ بھیجا۔ بعد اسکے

خود حاضر ہوکر سمجھانے اور معذرت کرنے لگے۔ امیر معاویہ نے کہا جب سے فارس مین زیاد نے قیام کیا ہے اور میری طلبی پر نہین آیا ہے اُسوقت سے شب کو مجھے نیند نہین آتی۔ مغیرہ نے عرض کی زیاد کی حقیقت کیا ہے۔ امیر معاویہ بولے یہ نہ کہو وہ عرب کا ایک بڑا شخص ہے اس کے پاس فارس کا مال ہے۔ حیلہ سازی اور چال بازی مین اُسکو بڑی مہارت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اہلبیت مین سے کسی شخص کی وہ بیعت کرلے اور لڑائی پھر از سر نو چھڑ جائے" مغیرہ نے زیاد کے لانے کا وعدہ کیا۔ زیاد کے پاس گیا اور کہا "تمکو معلوم ہے کہ حسن بن علی نے انکی بیعت کرلی ہے حالانکہ یہی ایک شخص ایسے تھے کہ جو امیر معاویہ کی مخالفت کرسکتے تھے میرے نزدیک تم اپنی فکر کرلو اس سے پیشتر کہ معاویہ کو تمہاری پرواہ نہ باقی رہ جائے۔ زیاد بولا تم کچھ مجھے رائے دو۔ مغیرہ نے جواب دیا میرے نزدیک تم امیر معاویہ کے پاس چلے چلو اور مناسب یہ ہے کہ تم اپنے کو انکی ذات سے وابستہ کرکے واپس آجاؤ۔ زیاد نے اسکو قبول کرلیا" معاویہ کے پاس گیا" ایک لاکھ درہم پر مصالحت کرلی اور اجازت حاصل کرکے کوفہ مین آٹھہرا۔ مغیرہ ابن شعبہ زیاد کی کمال عزت و احترام کرتا تھا۔ پھر امیر معاویہ نے مغیرہ کو لکھ بھیجا کہ زیاد۔ حجر ابن عدی۔ سلیمان بن صرد۔ شیث بن ربعی۔ ابن الکوا۔ ابن الحمق کو بالالتزام نماز جماعت مین شریک کیا کرو"

علی کے دوست اور زیاد۔

۴۵ھ مین زیاد بصرہ کا گورنر مقرر ہوا اور ۵۰ھ کے قریب کوفہ بھی اسکے عمل مین شامل کیا گیا اور اسنے قاعدہ مقرر کیا کہ چھ مہینہ بصرہ اور چھ مہینہ کوفہ مین رہتا تھا۔ اعثم کوفی کے موافق کوفہ مین دوستداران علی کو گرفتار کرتا تھا۔ قتل کرتا تھا۔ ہاتھ پاؤن کٹواتا تھا اور آنکھین نکلوا لیتا تھا" بقول ابن خلدون عوفی ابن حصین کی گرفتاری اور قتل کے بعد عمارہ بن عقبہ بن ابی معیط نے عمرو بن الحمق کی چغلی کی کہ اسکے پاس شیعیان علی کا مجمع ہوتا ہے زیاد نے عمرو بن الحمق کو اس مجمع کرنے سے منع کردیا۔ اور "سمرہ ابن جندب جس کو بصرہ مین اسنے اپنا نائب بنایا تھا اسکی غیر حاضری مین خونریزی پر کمربستہ ہوگیا۔ بیشمار عورتون کو بیوہ اور بچون کو یتیم کردیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آٹھ ہزار آدمی اسکے ظلم کے ہاتھون موت کے گھاٹ اُتارے گئے"

بصرہ مین آٹھ ہزار کا قتل

حجر ابن عدی

اِسی مورخ کے موافق "مغیرہ ابن شعبہ نے یہ عادت اختیار کرلی تھی کہ اپنے زمانہ گورنری مین اکثر مجالس اور خطبون مین امیر المومنین علی پر تعریضین کرتا تھا اور امیر المومنین عثمان کی تعریف۔ حجر ابن عدی کو یہ امر شاق گذرتا تھا۔ بسا اوقات کھڑے ہوکر کہہ اُٹھتے تھے۔ خدا تم سے سمجھے تمہاری ہی ذات سے یہ سبب

کچھہ ہوا مین شہادت دیتا ہون کہ جسکی تم مذمت کررہے ہو وہ فضیلت کا مستحق ہے اور جسکی تم برائیاں
بیان کرتے ہو وہ مذمت کا مستحق ہے ...... اتفاق سے مغیرہ اپنے آخر زمانہ حکومت مین حسب عادت قدیم منبر
پر کھڑے ہوئے وہی کلمات کہہ رہے تھے حجر نے ایسا ڈانٹ کر کہا کہ کل مسجد والون نے سُنا ۔ اے شخص ہمارا روزینہ
جو ہے تو نے اُسکو کیون روک رکھا ہے ۔ اِس سے تجھکو کچھہ فائدہ نہ ہوگا ۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ
تو نے امیر المومنین کی سختی سے مذمت کرتے ہوئے صبح کی ...... الغرض مغیرہ بعد چندے مرگئے اور زیاد
بجائے اُنکے گورنر مقرر ہوکر کوفہ مین آیا ۔ اثنائے خطبہ مین امیر المومنین عثمان کی تعریف بیان کی اور اُنکے
قاتلین پر لعن کیا ۔ حجر نے حسب عادت قدیم جو کہتے تھے کہا ۔ زیاد خاموش ہوگیا اور بجائے اپنے عمر بن
حریث کو مقرر کرکے بصرہ واپس آیا ۔ بعد چندے یہ خبر پہونچی کہ حجر کے پاس شیعان علی کا مجمع ہوتا ہے اور وہ
لوگ امیر معاویہ پر لعن کرتے ہین اور نیز ان لوگون نے عمر ابن حریث کو کنکریان ماری تھین ۔ زیاد یہ سنتے ہی
کوفہ کو روانہ ہوا ۔ مسجد مین خطبہ دیا ۔ حجر بھی موجود تھے ۔ زیاد نے نہایت سختی سے اُنکو مخاطب کرکے کہا : ۔
لست بشئ ان لم امنع الکوفۃ من حجر واودعہ نکالاً لمن بعدہٗ بعد اسکے حجر کو بلا بھیجا ۔ حجر نے
آنے سے انکار کردیا تب زیاد نے شداد بن الہیثم ہلالی صاحب شرطہ کو چند لوگون کے ہمراہ حجر کے لانے کو بھیجا
حجر اور اُنکے ساتھیون نے اُنکو گالیان دین ۔ زیاد نے اہل کوفہ کو ایک جا کرکے دھمکایا ڈرایا ۔ لوگون نے
حجر سے علیحدگی و برات ظاہر کی زیاد نے کہا یون نہین تملوگون کے جو اعزہ و اقربا حجر کے پاس ہون اُنکو
تملوگ بلالو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ۔ حجر کے پاس سوائے اسکی قوم کے اور کوئی نہ رہگیا اُس وقت زیاد نے
شداد بن الہیثم کو حکم دیا کہ حجر کے پاس جاؤ اور اُسکو طوعاً و کرہاً جس طرح ممکن ہو حاضر لاؤ ۔ شداد گیا
حجر نے چلنے سے انکار کیا ۔ بحث چھڑی ۔ حجر نے بڑھکر اُسپر حملہ کردیا ۔ ابو العمرط کندی نے حجر سے کہا ۔ تمہاری
حمایت کو سوائے میری تلوار کے اور کوئی نہین ہے اور میری تلوار تمکو اِن لوگون سے نہ بچا سکیگی ۔ بہتر
یہ ہے کہ تم کندہ مین جاکر پناہ گزین ہوجاؤ ۔ اس وقت عمر ابن الحمق زخمی ہوئے اور سنبھلکر ازد مین پناہ
لی اور حجر مع ابو العمرط کے سوار ہوکر کندہ آئے ۔ زیاد نے مذحج و ہمدان کے قبیلون کو اُنکی گرفتاری
کے لئے بھیجا اور یہ ازد و ربیعہ وغیرہ قبائل مین پناہ لیتے رہے اور آخر مین محمد بن اشعث کے ذریعے یہ
طے پایا کہ زیاد حجر کو معاویہ کے پاس بھیجدے ۔ اور جب حجر آئے تو زیاد نے اُس کو قید کرکے اُسکے ہمراہیون کی
جستجو شروع کردی ۔ عمر ابن الحمق مع رفاعہ بن شداد کے موصل کیطرف بھاگ گیا اور ایک پہاڑ مین جاکر

محمد ابن اشعث ابن قیس کندی حجر کو زیاد کے پاس لایا ۔

چھپے رہا ان دونوں کا مقدمہ عامل موصل عبدالرحمن بن عثمان ثقفی ہمشیرہ زادہ امیر معاویہ معروف بہ ابن ام الحکم کے پاس بھیجدیا گیا۔ عبدالرحمن انکی تلاش میں نکلا رفاعہ تو ہاتھ نہ آیا لیکن عمر ابن الحمق کو گرفتار کر کے امیر معاویہ کی خدمت میں ایک اطلاعی عرضداشت بھیجی امیر معاویہ نے کہا کہ چونکہ اس نے امیر المومنین عثمان کو سات نیزے مارے تھے بس اسکے بھی اسیقدر نیزے مارے جائیں۔ غرض اول یا دوسرے ہی میں عمر ابن الحمق ؒ کہ بالعقیدہ کے موافق عمر ابن الحمق جس غار میں چھپے تھے اسمیں انھیں سانپ نے کاٹا اور جب سوار انھیں پا ہونچا تھا تب تو گوشت کا ٹکڑہ ہاتھ میں آجاتا تہا۔ انکا بند بند جدا کیا گیا اور سر انکی بیوہ کے پاس بھیجدیا گیا۔ سر دیکہکر بیگم نے معاویہ کو پیغام بھجوایا کہ "تونے اُسے قتل کیا جو نہ کسی کا دشمن تھا اور نہ جس سے کسی کو دشمنی تہی۔ وہ بہت دن تک تیرے خوف سے پوشیدہ رہا۔ تونے ایک پرہیزگار کو مارا اور اُسکا سر میرے پاس ہدیہ بھیجا۔ معاویہ نے اُنہیں بلوایا اور پوچھا:۔ تونے یہ پیغام بھیجا تہا۔ جواب دیا۔ ہاں بھیجے۔ نہ ہم انکار کرینگے اور نہ کوئی عذر کرنا چاہتے ہیں۔ معاویہ نے کہا۔ ہمارے ملک سے چلی جا۔ بیگم نے کہا۔ اچھا قسم خدا کی جلاوطن ہوتی ہوں اور اب اسے اپنا وطن نہ بناؤنگی اور نہ وہاں بات کرونگی۔ کیونکہ میری بیخوابی کو طول ہوگیا۔ میری عزت موجب خطر میں ہے۔ میرا قرض زیادہ ہوگیا بلا اسکے کہ کبھی خوشی کا منہ دیکھوں۔ یہ سنکر ابن ابی سرح نے کہا:۔ اس منافقہ کو اسکے شوہر کے پاس بھیجدو۔ ضعیفہ نے اسکی طرف دیکھا اور جواب دیا:۔ وہ منافق ہے جو جھوٹ بولتاہے اور بندگان خدا کو اذیت دیتاہے اور اُسکا کفر کتاب خدا میں مذکور ہے۔ اسکے بعد ضعیفہ دربار سے نکلوا دیگئی (ناسخ التواریخ)

"پھر زیاد نے ہمراہیان حجر کی جستجو کمال سرگرمی سے شروع کردی چنانچہ قبیصہ بن ضبیعہ عبسی کو امن حاصل کر کے حاضر کیا زیاد نے اُسکو بھی قید کردیا اور قیس بن عباد الشیبانی اپنے قوم کے ایک شخص کے ہمراہ آیا زیاد نے اُس سے امیر المومنین علیؑ کی بابت دریافت کیا قیس نے تعریف وتوصیف کی زیاد نے اسکو مار کر قید کرلیا... پھر حجر کے ہمراہیوں میں سے کریم بن عفیف خشعمی پیش کئے گئے۔ قصہ مختصر جب زیاد نے رفتہ رفتہ حجر کے ہمراہیوں میں سے بارہ آدمیونکو قید کرلیا تو سرداران اسباع عمر ابن حریث۔ خالد بن عرفطہ۔ قیس ابن ابوالید۔ ابو بردہ بن ابو موسیٰ کو بلایا اور ہمراہیان حجر وخود حجر کا مقدمہ پیش کیا انہوں نے شہادت دی کہ حجر نے لشکر مجتمع کیا اور امیر المومنین معاویہ کو گالیاں دیں اور انکو مخالفت جنگ لڑنے پر اُبھارا اور یہ زعم کیا کہ خلافت آل ابیطالب میں ہونی چاہیے اور نیز شہر میں بلوہ کیا اور امیر المومنین کے عامل کو نکال دیا اور علی ابن ابیطالب کی ہوا خواہی اور محبت ظاہر کرتے ہوئے انکے مخالفین سے

عمر ابن الحمق

ابن الحمق کا سر اُنکی بی بی

معاویہ اور عمر ابن الحمق کی بی بی

اور شہدا

ابن خلدون

حجر کے خلاف شہادت تیار کرایا جارہا ہے۔

استفسار کیا اور یہ لوگ جو اسکے ساتھ ہین اسکے لشکر کے سردار اور اُسکے مشیر ہین۔ زیاد نے اِن شہادتو
کے لینے کے بعد اور شہادتین طلب کین۔ چنانچہ اسحق و موسی پسران طلحہ بن عبداللہ۔ منذر بن الزبیر
عمارہ بن عتبہ بن ابی محیط۔ عمر ابن سعد ابن ابی وقاص وغیرہم نے شہادتین دین۔ انھین شہادتون
مین شریح بن الحرث و شریح بن ہانی کے نام بھی تھے۔ زیاد نے ایک عرضداشت مین اِن گواہون کے نام
لکھے اور وائل بن حجر الحضرمی و کثیر بن شہاب کو بلاکر حجر اور اُسکے ہمراہیونکو معہ عرضداشت امیر معاویہ
کی خدمت مین لیجانے کے لئے سپرد کیا۔ حجر ابن عدی کے ہمراہیون کے نام تھے۔ ارقم بن عبداللہ کندی
شریک بن شداد حضرمی۔ صیفی بن فضل شیبانی۔ قبیصہ بن ضبیعہ عبسی۔ کریم بن عفیف خثعمی۔ عاصم بن عوف
البجلی۔ ورقا بن سمی البجلی۔ کدام بن حیان العنزی۔ عبدالرحمن بن حسان۔ العنزی۔ محرز بن شہاب التمیمی
عبداللہ بن حویہ السعدی پھر زیاد نے اِن گیارہ آدمیون کے بعد سعد بن بکر سے عتبہ بن الاخنس اور
سعد بن نمران ہمدانی کو گرفتار کرکے امیر معاویہ کے پاس روانہ کیا۔ تھوڑی مسافت طے کی ہوگی کہ شریح
ابن ہانی آپہونچے اور ایک بند لفافہ مین امیر معاویہ کے نام کا خط وائل بن حجر کو دیکر واپس آئے۔
جس وقت یہ لوگ مرج عذرا (قریب دمشق) پہونچے وائل کثیر نے آگے بڑھکر امیر معاویہ سے ملاقات کی
واقعات بتلائے اور شریح کا خط دیا۔ امیر معاویہ نے کھولا۔ لکھا ہوا تھا کہ مجھے یہ خبر پہونچی ہے کہ زیاد نے میری
شہادت حجر کے مقدمہ مین لکھدی ہے۔ مین گواہی دیتا ہون کہ حجر اُن لوگون مین سے ہے جو نماز پڑھتے
ہین۔ زکوۃ دیتے ہین۔ عمرہ و حج ہمیشہ کرتے ہین۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور خون حرام و مال حرام
سے احتراز کرتے ہین پس اگر آپ چاہین تو اُنکو قتل کر ڈالین اور اگر مناسب سمجھین تو رہا کردین .....
بعد اسکے امیر معاویہ نے ہدیہ بن فیاض قضاعی۔ حصین بن عبداللہ کلابی۔ ابو شریف بدری کو حجر اور
اُسکے ہمراہیون کے قتل پر مامور کیا۔ پس یہ لوگ حجر کے پاس شام کے وقت آئے۔ اور کہا تم لوگ
اگر علی سے بیزاری ظاہر کرو اور اُن کو طعن و تشنیع سے یاد کرو تو ہم تمکو رہا کردینگے ورنہ قتل کر ڈالین گے
حجر اور اُسکے ہمراہیون نے اِس سے انکار کیا۔ تمام رات نمازین پڑھتے مغفرت کی دعائین مانگتے رہے۔
صبح ہوتے فیاض وغیرہ قتل کے لئے آگے بڑھے۔ حجر نے وضو کیا۔ نماز پڑھی پھر اُن لوگون سے مخاطب
ہوکر کہا واللہ مین نے اِس سے زیادہ چھوٹی نماز کوئی نہین پڑھی اگر مجھے یہ شبہہ نہ ہوتا کہ تم لوگ یہ سمجھوگے
کہ مین موت سے ڈر رہا ہون تو مین دیر تک نماز پڑھتا رہتا.... فیاض نے لپک کر حجر پر تلوار چلائی

رفقائے حجر کے نام

شریح ابن ہانی گواہونکی مرتبہ فہرست کی حقیقت کھولتے ہین۔

علی سے بیزاری قتل سے رہائی کی قیمت قرار دیجاتی ہے۔

حجر کا شجاعانہ ہوش شہدا۔

اور اُسکے ہمراہیون نے اُدہر دن پر دا کیا حجر کے ساتھ جو اس واقعہ مین راہی ملک بقا ہوئے اُنکے نام یہ تھے:-

شریک بن شداد - صیفی بن فضیل - قبیصہ بن ضبیعہ - محرز بن شہاب - کرام بن حبان قتل کرنے کے بعد فیاض نے اِن لوگون کو دفن کر دیا - اور عبد الرحمن بن حسان عنبری اور کریم بن عفیف خشعمی کو امیر معاویہ کے پاس لائے پہلے کریم پیش کئے گئے اِن سے کہا گیا کہ تم امیر المومنین علی سے استبرا کرو - کریم نے اِسکا کچھ جواب نہ دیا - سمرہ بن عبد اللہ خشعمی نے کھڑے ہو کر انکی سفارش کی - امیر معاویہ نے اس شرط پر منظور کر لیا کہ آیندہ یہہ کوفہ نہ جائین - غرض کریم رہا ہو کر موصل مین مقیم ہوئے - باقی رہے عبد الرحمن بن حسان اِن سے دریافت کیا گیا - تم علی کے بابت کیا کہتے ہو - جواب دیا مین اُنکو بہت اچھا اور نہایت افضل سمجھتا ہون - پھر استفسار کیا - عثمان کیسے تھے - جواب دیا سب کے پہلے جنہنے ظلم کا دروازہ کھولا اور حق کا دروازہ بند کیا - وہ یہی تھے - امیر معاویہ نے اُسکو زیاد کے پاس لوٹا دیا اور یہ کہلا بھیجا کہ اِس کو نہایت اذیت سے قتل کرنا - پس زیاد نے اِسکو زندہ دفن کر دیا"۔

مالک بن ہبیرہ سکونی نے حجر کی سفارش کی تھی لیکن امیر معاویہ نے جواب دیا وہ سردار ہے اگر مین اُسکو چھوڑ دونگا تو آیندہ خوف فساد کا ہے"۔ عبد الرحمن بن حرث نے جنہین حضرت عائشہ نے حجر کی گرفتاری کی خبر سنکر سفارش کے لیے بھیجا تھا اور بعد قتل حجر پہونچے معاویہ سے کہا "کیون معاویہ! حجر کے قتل کے وقت ابوسفیان کا حلم کہان غائب ہو گیا تھا - امیر معاویہ نے جواب دیا جہان تم جیسے قوم کے حلیم غائب ہو گئے تھے اور مجھکو تو ابن امیر ابن سمیہ نے آمادہ کیا تھا اس وجہ سے مین حجر کے قتل پر تل گیا"۔

حجر کیون شہید کئے گئے

ربیع بن حرث جو ولایت خراسان کے حاکم تھے حجر کے شہادت کی خبر سنکر کہنے لگے "عرب ہمیشہ حجر کے بعد سے یونہی قتل کیا جائیگا اگر وہ لوگ حجر کے قتل سے رُک جاتے تو اپنے کو اس قتل عام سے بچا لیتے لیکن اُنھون نے ایسا نہ کیا اور ذلیل ہو گئے"۔

شہادت حجر کے متعلق ایک سچا قول۔

صاحب روضۃ الصفا کہتا ہے:- "جس وقت اہل کوفہ نے سُنا کہ حجر اور اُنکے رفقا مارے گئے تو بہت ہی مضطرب ہوئے اور اُنکے اکثر مشاہیر مدینہ مین حاضر ہوئے اور حسین کی مجالست اختیار کی - والی مدینہ نے یہ خبر پا کر معاویہ کو اطلاع دی کہ کچھ اہل عراق مدینہ مین آئے ہین اور حسین کی پاس جایا کرتے ہین - مجھے انکو فتنہ کا اندیشہ ہے - معاویہ نے اِسکا جواب دیا کہ حسین سے کوئی تعرض نہ کرو کہ اُنھون نے ہم سے بیعت کی ہے

شہادت حجر اور اہل کوفہ

مروان کی اطلاع

اور ظن غالب ہے کہ وہ نقض عہد نہ کرینگے۔ اِسکے بعد حسین کو بھی خط لکھا کہ تمہارے متعلق مجھے کچھہ خبریں ملی ہین کہ جو آپکے لائق حال نہین ہے جسنے کسی سے بیعت کی اُسے مناسب ہے کہ وفا کرے ہمین اُمید ہے کہ جب تک ہماری جانب سے تمہین کوئی برائی نہ پہونچے مجھے بھی تمہاری طرف سے کوئی مکروہ امر واقع نہ ہو۔ مناسب یہ ہے کہ آپ سفہا کے کہنے پر عمل نہ کرو جو طالب فتنہ ہین۔ حسین نے جواب دیا کہ مین کسی طرح تیری مخالفت اور جنگ کی رغبت نہین رکھتا تو مطمئن رہ۔"

حسین کا جواب

اِسی مورخ کے موافق حجر کے خلاف گواہی دینے والون مین ابو موسی اور ابو ہریرہ کے نام بھی ہین دیگر یہ کہ زیاد نے محمد ابن اشعث کی معرفت حجر کو بلوایا۔ حجر اور ابن اشعث مین قرابت تھی لیکن ان دونون گفتگو قطع تھی۔ ناسخ التواریخ کچھہ اور کہتا ہے کہ:-

معاویہ نے ابن حکم کو مخصوص ہدایت کی کہ "جب تک حسین سلطنت سے متعرض نہونگے ہم اُن سے متعرض نہونگے اور جب تک اُنسے خطرہ ہو اپنے راز اُنپر ظاہر نہ کرو"۔ حسین کو لکھا کہ "اگر تم مجھسے انکار کروگے تو مین بھی انکار کرونگا اور نزدیکی اختیار کروگے تو مین قربت چاہونگا۔ اِس سے پرہیز کرو کہ شق امت یا فتنہ کے باعث ہو۔ تم نے لوگون کو اچھی طرح سمجھہ لیاہے اور امتحان کرلیا ہے۔ اپنی جگہہ قائم رہو" حسین نے جواب لکھا:-

مروان معاویہ اور حسین۔

"خط پہونچا۔ لکھا تہا کہ مین نے تیری مخالفت مین کچھہ کیا ہے جس کے علاوہ سے تجھے امید تھی ... یہ خوشامدی اور جھوٹے لوگون نے افترا کیا ہے۔ مین نہ تیری مخالفت پر آمادہ ہون اور نہ جنگ کا قصد رکھتا ہون ... آیا تو وہ شخص نہین ہے جسنے حجر کندی کو قتل کیا جو نماز گذار اور پرہیزگار تہا اور جو ظلم و بدعت کو پسند نہین کرتا تھا۔ اور جسے دین مین کسی کے سرزنش کی پرواہ نہ تھی۔ تو نے اُسے ظلم سے تباہ کیا بعد اسکے کہ قسمون سے عہد کو پختہ کیا تہا اور بغیر اسکے کہ اُس نے تیرے ملک مین کوئی فتنہ برپا کیا ہو۔ کیا تو وہ نہین ہے کہ جسنے عمر ابن الحمق کو جو بڑا عابد اور پرہیزگار تھا خط امان دینے کے بعد قتل کیا ... آیا تو وہ نہین ہے کہ زیاد ابن سمیہ کو جو ایک عبد ثقیف تہا بھائی کہا اگرچہ حکم رسول اسکے خلاف تہا تو نے اپنی مصلحت کے لحاظ سے سنت رسول کو دور پھینکدیا اور اُسے عراقین پر بھیجا۔ اُس نے مسلمانون کے پاؤن کاٹے اور درختون مین لٹکایا۔ گویا تو اِس امت سے نہ تھا۔ آیا تو وہ نہین ہے کہ زیاد ابن سمیہ نے تجھے لکھا کہ حضرمیین علی کے دین پر ہین اور تو نے اُسے حکم بھیجا کہ اُنمین سے ایک کو زندہ نہ چھوڑے۔ اُس نے سب کو قتل کیا۔ حالانکہ اسی دین کے لئے علی نے تجھے اور تیرے باپ کو دستخوش شمشیر بنایا تہا۔ آج تو نے خلافت کو غصب کیا ہے ورنہ تیری اور تیرے باپ کی

منزلت سوا تلوار کے دوسری نہ تھی۔ اور یہ جو تو نے لکہا ہے کہ اپنے دین اور امت کی فکر مین رہون اور فتنہ کھڑا نہ کرون تو مین اس امت مین کسی فتنہ کو تیری حکومت اور خلافت سے زیادہ تصور نہین کر سکتا اپنے نفس اور امت محمدی کے خیال سے اس سے اچھی کوئی بات مجھے معلوم نہین ہوتی کہ تجھسے جنگ کرون اگر تجھے شکست دی تو درگاہ خدا مین مجھے تقرب حاصل ہوگا سستی کرنے مین مجھے خدا سے طلب استغفار کرنا پڑے گی یہ جو تو نے لکہا ہے کہ اگر مین تجہسے انکار کرونگا تو تو بہی مجھسے انکار کرے گا اور اگر مین تجھسے عداوت کرونگا تو تو بہی مجھسے عداوت کرے گا۔ افسوس ہے تجھپر۔ یہ تیرا کیا خیال ہے۔ مجھے امید ہے کہ مکر کسی مخلوق کو نقصان نہین پہونچاتا مگر یہ کہ اُسیکے نفس کی طرف بازگشت کرتا ہے۔ تو جہل پر سوار اور نقض عہد پر حریص تہا خدا کی قسم تو نے کسی عہد کو وفا نہ کیا مسلمانون کو قتل کیا بعد اسکے کہ اُس نے وعدے کئے تہے اور بغیر اسکے کہ اُنہون نے تجہسے کوئی مناقشت کی ہو۔ انکا قصور بجز ہمارے فضایل اور عظیم حقوق کے کچہ نہ تہا۔ انہین تو نے اس خوف سے قتل کیا کہ اگر یہہ زندہ رہین تو تو خود نہ تباہ ہو جائے۔ جان اے معاویہ کہ قیامت ہوگی اور قصاص کا وقت قریب آرہا ہے۔ جان کہ کوئی گناہ صغیرہ و کبیرہ ایسا نہین ہے کہ جو کتاب خدا مین نہ لکہا ہو۔ خدا دیکہتا ہے کہ تو نے لوگون پر بہتان کیا۔ دوستان خدا کو تہمت لگائی بہترون کو قتل اور جلا وطن کیا اور لوگون سے بیعت کرائی۔ تو نے اپنا دین خراب اور رعیت کو پریشان کیا پارسا ون کو ڈرایا اِس لئے کہ آرزو کی گردن پر سوار ہو"۔

سنہ ۵۳ھ شروع ہوا تہا کہ زیاد کی اُنگلی مین ایک پہوڑا نکلا اور زہر پہیلنے لگا۔ اور ہاتہہ کٹنے کی صلاح ہوئی۔ لیکن وہ دشمن انسانیت جو ہزارون بندگان خدا کو معاویہ کے خوش کرنے اور اپنے کو اپنی جگہہ قائم رکہنے کے لئے بغیر کسی شکن کے قتل کر سکتا تہا خود "جبونت آگ اور آلۂ قطع پر نظر پڑی ڈر کر ہاتہہ کٹانے سے رک گیا"۔ اسی مرض نے زمانہ کو اُسکے وجود سے پاک کیا اور ضحاک ابن قیس کوفہ کا گورنر ہوا اور سنہ ۵۵ھ مین عبداللہ ابن زیاد بصرہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔

معاویہ اور شہداے احد کی قبرین۔

معاویہ کے دوران حکومت کا یہ واقعہ ہے کہ شہداے اُحد کی قبرین کہدوائی گئین جیسے مین مناہج النبوت سے نقل کرتا ہون اکثر قبور شہیدون کی اِس جہت سے مکشوف ہوئین کہ معاویہ ابو سفیان کے بیٹے نے اپنی امارت کے وقت مین ایک نہر کہدوائی اِس شہید مقدس کی راہ مین یعنی اس نہر کو ان شہیدونکی قبرون کی راہ سے روانہ کیا اور اکثر قبرین اِس سبب سے مکشوف ہوئین اور شہیدونکو قبرون سے باہر نکالا گیا تہین اور مدینہ کی تاریخ مین امام تاج الدین سبکی سے

شفا السقام سے لاتا ہے کہ جب معاویہ نے نہر نکالی اور حکم کیا شہیدون کے نکالنے کا اُنکی قبرون سے تب
مساحی سید الشہدا حمزہ بن عبد المطلب کے قدم کو پہونچے او۔ خون اُس سے جاری ہوا اور روایت کرتے
ہین کہ اُسکے عامل نے اُس نہر کے گڑہا کھدانے کے روز مدینہ مین منادی کی کہ نہر امیر المومنین کی آتی ہے جسکا
مردہ اُحد مین ہو سو آوے اور اُسے وہان سے اُکھاڑ کر دوسرے جگہہ لیجائے"

ولیعہدی یزید کی کوششونکی ابتدا مغیرہ یا عمر عاص کے دماغ سے۔

سنہ ۵۶ھ کے قریب سے ایک بڑے تغیر کی ابتدا ہو رہی تھی۔ روضة الصفا اور ابن خلدون کے موافق یہ مغیرہ
ابن شعبہ اور اعثم کوفی کے موافق عمر عاص تھا جسنے اس معاملہ کو شروع کیا اور ان دونون کا اس فتنہ کو اٹھا[نا]
کچھہ تو معاویہ کی خوشنودی اور میلان اور کچھہ اُموی خاندان کے اقتدار کے لحاظ سے اپنی قدردانی اور اقتدا[ر]
کو محفوظ کرنا تھا۔ ہوا یہ کہ مغیرہ نے ضعف کی وجہ سے استعفا دیا اور جب اسکے دوستون نے سنا تو کہا کہ "تمکو
امیر معاویہ نے نکال دیا ہے"۔ اِس سے مغیرہ کے دل کو ایک چوٹ سی لگی اور اُسیوقت سے بحالی کی فکر ہو گئی" سوچ

(ابن خلدون)
ابتدا ذاتی وجاہت سے تھی

غور مین ایک روز یزید کے پاس جا پہونچے اور اُس سے کہنے لگے۔ تم امیر معاویہ سے اپنی ولیعہدی کی بیعت
لینے کو کیون نہین کہتے کیونکہ اجل صحابہ اور سرداران و بزرگان قریش انتقال کر چکے ہین اب اُنکی اولادین باقی ہین
اور تم اُن لوگون سے رائے سیاست مین افضل ہو۔ میرے نزدیک امیر المومنین کو تمہاری ولیعہدی کی بیعت
لینے سے کوئی امر مانع نہ ہوگا" یزید نے مغیرہ کی تقریر کا معاویہ سے اعادہ کیا۔ معاویہ نے مغیرہ کو طلب کیا۔ اور
مغیرہ نے کہا "آپ اسکی ولیعہدی کی بیعت لوگون سے لیجئے آپکے بعد مسلمانون کا یہ ماوا اور ملجا ہوگا اور اُسمین
نہ کوئی فتنہ ہوگا اور نہ فساد مین اس کام کی انجام دہی کوفہ مین کافی ہونگا اور زیاد بصرہ مین اور ان دونون
شہرون کے بعد پھر کوئی ایسا شہر نہین ہے جو آپکے حکم سے مخالفت کرے۔ امیر معاویہ نے اس تقریر کو غور سے
سنکر مغیرہ کو بحالی کی سند دی اور دوبارہ کوفہ کی طرف واپس کیا اور یزید کی ولیعہدی کی بیعت کی کارروائی

مغیرہ وفد تیار کرتا ہے

کرنیکا حکم دیا۔ مغیرہ نے کوفہ مین پہونچکر ہوا خواہان دولت بنی امیہ سے اِسکا ذکر کیا۔ اِن لوگون نے بہ کمال خوشی
منظور کر لیا۔ مغیرہ نے اِنلوگون مین ایک گروہ کو بطور وفد اپنے لڑکے موسی کے ساتھ دار الخلافت دمشق کو
روانہ کیا۔ اہل وفد نے حاضر ہو کر ولیعہدی یزید کی بیعت کی درخواست پیش کی... بعد اسکے زیاد کو یہ کل حالات
لکھہ بھیجے اور اُس سے مشورہ طلب کیا۔ زیاد نے عبید بن کعب نمیری کو بلا کر کہا.... امیر المومنین نے مجھے یہ خط لکھا ہے
اور ولیعہدی یزید کے بابت مشورہ طلب کیا ہے اِس وجہ سے کہ لوگون کے نفرت سے وہ خائف ہین اور یہ چاہتے
ہین کہ لوگ اس امر مین اُنکی اطاعت کرین لیکن مسلمانون کا اِس امر پر راضی ہونا ایک امر اہم ہے۔ یزید تو

یزید کے متعلق زیاد کے خیالات۔

آوارگی بیہودگی۔ بدہ بازی۔ ناہلی ہے۔ میرے نزدیک تم امیر المومنین سے جاکر ملو اور یزید کے افعال سے مطلع کرو اور صاف صاف کہدو کہ یہ کام ہونا دشوار ہے"۔

لیکن جو کچھ زیاد کے نزدیک ناممکن تھا دوسرے ہوا خواہ کے نزدیک ایسا کہنا خلافت مصلحت تھا اس سے کہ "معاویہ کی ہر آئے سے مخالفت" "اور یزید کو بدخواہ بنانا" ہوتا اور تجویز کیا کہ یزید سے کہا جائے کہ "اگر تم مناسب سمجھو تو تم ان افعال و حرکات کو چھوڑ دو تاکہ لوگون کو قائل معقول کرنیکا موقع ملجائے اور جو تم چاہتے ہو وہ امر حاصل ہوجائے"۔ یہ رائے پاس ہوئی۔ اور معاویہ کو توقف کی صلاح دی گئی۔

معجب زیاد مرگیا تو امیر معاویہ نے یزید کی ولیعہدی کی بیعت لینے کا مصمم قصد کرکے کارروائی شروع کردی۔ پہلے عبداللہ ابن عمر کے پاس ایک ہزار درہم بطور نذر کے بھیجا۔ عبداللہ ابن عمر نے اسکو قبول کرلیا بعد اسکے ولیعہدی یزید کی بیعت کا تذکرہ کیا گیا۔ عبداللہ ابن عمر نے ارشاد کیا مین اپنے دین کو بعوض دنیا نہ فروخت کرونگا۔ یہ کہکر درہم واپس کردیے اور ولیعہدی یزید کی بیعت سے انکار کردیا۔

مروان ابن حکم اہل مدینہ سے ولیعہدی یزید کا مشورہ لیتا ہے۔

اسکے بعد معاویہ نے مروان حاکم مدینہ کو ولیعہدی کے متعلق لکھا اور کہا کہ اہل مدینہ کا خیال معلوم کرو۔ جواب گیا کہ "بہتر ہے امیر المومنین جسکو چاہیں اپنے لئے منتخب کرین"۔ اب جواب بھیجا گیا کہ یزید کو مین اپنے بعد ولیعہد کرتا ہون"۔ مروان نے ایسے اہل مدینہ سے کہا۔ یہ سنکر عبدالرحمن ابن ابی بکر نے کہا "واللہ! اے مروان تو جھوٹا ہے اور معاویہ بھی جھوٹ بولتا ہے۔ تم دونون نے امت محمد صلعم کے لئے کیا بہتری ڈھونڈھی ہے بلکہ تم خلافت کو حکومت ہرقلیہ بنانا چاہتے ہو کہ ایک ہرقل جب مرجائے تو اسکی جگہہ پر دوسرا ہرقل قایم ہو"۔ حسین ابن علی، عبداللہ ابن عمر، ابن زبیر نے اس کلام کی تائید کی۔ مروان نے معاویہ کو صورت حال کی خبر دی۔

حکومت عام خواہش دکھانے کیلئے وفود تیار کراتی ہے۔

اس وقت امیر معاویہ نے اپنے عمال و گورنرون کو لکھ بھیجا کہ "لوگ یزید کی ثنا و صفت لوگون مین بیان کرو اور اطراف و جوانب بلاد اسلامیہ سے یزید کی ولیعہدی کی درخواست پیش کرنیکی غرض سے وفود بھیجو"۔ وفود جمع ہوئے اور اب معاویہ نے "ضحاک بن قیس الفہری سے کہا کہ مین تمہیدا کچھ بیان کرونگا جس وقت مین تقریر کرکے خاموش ہوجاؤن۔ اس وقت تم اٹھکر ولیعہدی یزید کے بیعت کی تقریر کرنا اور لوگون کو اس امر پر ابھارنا"۔ ضحاک۔ عمر ابن سعید الاشدق وغیرہ نے دعوان دعار اسپچین دین اور "یزید بن المقنع عذری نے کھڑے ہوکر کہا (امیر معاویہ کی طرف اشارہ کرکے) یہ امیر المومنین ہین اگر یہ مرجائین تو (یزید کی طرف اشارہ کرکے) یہ امیر المومنین ہین اور جو شخص اس سے اختلاف کریگا تو (تلوار کی طرف اشارہ کرکے) یہ ہے۔

حکومت کے نزدیک خطیبوں کا سردار

امیر معاویہ نے یزید بن المقنع سے کہا بیٹھ جاؤ تم خطیبوں کے سردار ہو"

احنف ابن قیس کی تقریر سے رنگ بدل گیا۔

" احنف ابن قیس خاموش بیٹھے ہوئے تھے امیر معاویہ نے کہا تمہاری کیا رائے ہے۔ عرض کیا مجھے خوف ہے کہ میں جو کہونگا اُسکی تم تصدیق کروگے اور اللہ تعالےٰ کا خوف یہ ہے کہ وہ تکذیب کریگا۔ اے امیر المومنین تم یزید کے شبانہ روزی حالات سے بخوبی واقف ہو۔ اسکے ظاہر و باطن۔ آمد و رفت سے کمال حقہ آگاہ ہو اگر تم جانتے ہو کہ اسمین اللہ تعالیٰ اور امت محمد صلعم کی بہتری ہے تو کسی سے مشورہ نہ کرو اور اگر تم اسکے خلاف جانتے ہو تو دنیا کی زیادہ فکر نہ کرو سفر آخرت قریب ہے۔ باقی رہے ہم۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ آپ جو کچھہ کہین اُس کو بسر و چشم منظور کرلین ..... احنف کی تقریر لوگون مین پھیل گئی اور بظاہر یہ معلوم ہوا کہ اب یہ کام نہ ہوگا۔ لیکن امیر معاویہ برابر اپنی کوشش مین لگے رہے ہر شخص سے مدارت و سلوک کرتے رہے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی دنون کے بعد اہل عراق و شام کے اکثر آدمیون سے ولیعہدی یزید کی بیعت لے لی"۔

معاویہ مدینہ مین۔

"اہل عراق و شام سے ولیعہدی یزید کی بیعت لینے کے بعد امیر معاویہ ایک ہزار سوارونکی جمعیت سے مدینہ منورہ پہونچے حسین ابن علی۔ عبداللہ ابن زبیر۔ عبدالرحمن ابن ابی بکر۔ عبداللہ ابن عمر (رضی اللہ عنہم) اس خیال سے کہ امیر معاویہ ہمارے کہنے پر عملدرآمد نہ ہوگا مکہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ امیر معاویہ نے لوگونکو جمع کرکے خطبہ دیا۔ یزید کی تعریف کی اور یہ بیان کہ کوئی شخص اس سے زیادہ مستحق خلافت نہین ہے..... کسی نے اِس تقریر کا کچھہ جواب نہ دیا۔ امیر معاویہ منبر سے اُتر کر ام المومنین عائشہ کی خدمت مین گئے اور اس سے پیشتر انکو یہ معلوم ہوچکا تھا کہ حسین ابن علی اور ابن عمر (رضی اللہ عنہم) وغیرہ بخوف بیعت ولیعہدی یزید مکہ چلے گئے ہین۔ آپ نے ارشاد کیا مین نے سُنا ہے کہ تم نے اِنلوگون کو قتل کی دہمکی دی ہے۔ جواب دیا اے ام المومنین وہ لوگ مجھے یزید سے زیادہ عزیز ہین لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مین اس بیعت

ایک چھوٹا سا مسکین"

ناقص کردون جو ولیعہدی یزید پر مین نے لی ہے اور پوری ہوگئی ہے۔ اِس پر ام المومنین عائشہ خاموش ہو رہین"

سنہ ۵٦ھ
معاویہ مکہ مین

"امیر معاویہ تھوڑے دن مدینہ مین ٹھہر کر مکہ کو روانہ ہوئے۔ امیر معاویہ کی خبر آمد سنکر اہل مکہ ملنے کو اور حسین اور ابن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہا بھی یہ خیال کرکے کہ شاید معاویہ اپنے فعل سے نادم ہوکر آئے ہین ملنے کو گئے۔ معاویہ نے اپنی رعایتون کے ذکر کے بعد یزید کی ولیعہدی پیش کی اور ابن زبیر نے خلیفہ ثالث تک کے اصول انتخاب یا خلافت کا تذکرہ کیا۔" امیر معاویہ نے کہا تملوگ یہی کہتے جاؤ لیکن مین یزید کو ولیعہد

حق گوئی تلوار کی باڑھ کے نیچے۔

ضرور بناؤنگا۔ خدا کی قسم اگر کسی نے میری بات روکی تو خیر نہ ہوگی۔ یہ کہکر اپنے صاحب شرطہ کو بلا کر کہا کہ جو شخص میرے بیان کی تکذیب کرے اُسکی گردن فوراً اُڑا دینا۔ ابن علی۔ ابن عمر۔ ابن زبیر ابن ابی بکر رضی اللہ عنہم اُٹھکر باہر آئے۔ امیر معاویہ بھی اندر سے نکلکر ممبر پر چڑھ گئے اور حمد و ثنا کے بعد کہا۔ صاحبو! ابن علی ابن ابی بکر۔ ابن زبیر وغیرہم مسلمانون کے روحی پیشوا اور بہترین امت ہین۔ کوئی کام انکے بغیر مشورہ انجام کو نہین پہونچ سکتا۔ یہ لوگ ولیعہدی یزید پر راضی ہوگئے ہین اور بیعت کرلی ہے آؤ تملوگ بھی اللہ تعالیٰ کا نام لیکر بیعت کرلو۔ اہل مکہ چونکہ انھین لوگون کی بیعت کا انتظار کر رہے تھے یہ سُنتے ہی بیعت پر آمادہ ہوگئے"۔

فریب ظاہر ہوگیا

"اہل مکہ سے بیعت لیکر امیر معاویہ معہ ان بزرگون کے مدینہ پہونچے۔ اہل مدینہ ان لوگون سے ملنے کو آئے بسبیل تذکرہ کہا۔ تملوگ تو بیعت ہی کے خوف سے مکہ بھاگ گئے تھے یہ کیا معاملہ پیش آیا کہ یزید کی بیعت پر راضی ہوگئے۔ انلوگون نے کہا۔ واللہ ہمنے بیعت کی ہی نہین۔ پھر اہل مدینہ نے کہا تمنے معاویہ کو اس سے کیون نہ روکا۔ سبھون نے جواب دیا مسلمانون کی خونریزی کے خیال سے۔ بعد اسکے امیر معاویہ اہل مدینہ سے بھی بحکمت عملی بیعت لیکر شام کو روانہ ہوگئے"۔

مکہ مین حسین کا خطبہ

صاحب ناسخ التواریخ نے ۵۸ھ کے واقعات مین لکھا ہے کہ حضرت امام حسین نے ایام حج مین ایک خیمہ نصب فرمایا اور قریب ایک ہزار بنی ہاشم اور اصحاب جمع ہوئے۔ حضرت نے خطبہ فرمایا جسمین حمد اور نعت کے بعد ارشاد کیا کہ معاویہ نے ہمارے اور ہمارے دوستون کے ساتھ جو کچھ کیا اُسے تملوگون نے سنا اور دیکھا مین تم سے کچھ پوچھتا ہون اگر سچ ہو تو اُسکی تصدیق ورنہ تکذیب کرنا۔ اور اسے اپنے ذہن مین محفوظ رکھکر اپنے وطن مین بیان کرنا اور سننے والون سے کہنا کہ وہ دوسرون سے بیان کرین۔ ہمین خوف ہے کہ دین خدا ضائع ہوگا۔ اسکے بعد رسول کا جناب امیر کو اپنا بھائی فرمانا۔ مسجد کا دروازہ اُنکے لئے کُھلا رکھنا۔ بغض کا حسد کرنا۔ غدیر کی حدیث ہارون فرمانا۔ نصاریٰ نجران کے مباہلہ مین علی کو اپنا نفس فرمانا۔ خیبر مین کرار کہنا۔ سورہ برات حوالہ کرنا۔ یا علی انت منی و انا منک فرمانا۔ بیان کرنے کے بعد پوچھا کہ کیا رسول نے یہ حدیثین نہین فرمائین۔ کیا حضرت فاطمہ سے نہین کہا کہ تیرا شوہر خیر اہلبیت اقدمہم سلماً و اعظم حلماً و اکبر علم سے متصف ہے۔ رسول نے اپنے کو سید عالم اور علی کو سید عرب

فرمایا۔ فاطمہ کو سیدۃ النساء اہل الجنۃ اور ہملوگون کو سید شباب اہل الجنۃ نہین کہا۔ کیا تملوگون کو حدیث ثقلین یاد نہین ہے۔ سب نے تصدیق کی اور یہ احادیث اور موعظہ سنکر منغض سے متفرق ہوئے۔

روضۃ الصفا کے موافق سعید ابن عثمان نے خراسان کی امارت چاہی۔ معاویہ نے عذر کیا کہ عبد اللہ ابن زیاد وہان کا حاکم ہے۔ اسپر ابن عثمان کچھ گرم ہوئے اپنے باپ کے حقوق یاد دلائے آخر گورنری لے ہی کے چھوڑی۔

گبن نے ڈکلائین اینڈ فال آف رومن امپائر مین لکھا ہے کہ "حسین نے جنہین اپنے باپ کے تقوی کی طرح شجاعت ورثہ بھی ملا تھا مسیحیون کے خلاف قسطنطنیہ کے محاصرہ مین قابل تعریف خدمت ادا کی" اور مولف ہریف ہسٹری اف سارا سنس کہتا ہے کہ "حسین خلیفہ کی فوج کے ساتھ مسیحیون سے برابر جنگ کرتے رہے"۔

اعثم کوفی اور روضۃ الصفا کے موافق صلاح کی ابتدائی مدارج مین یزید حج کرنے آیا اور لوگون کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے بہت داد و دہش کی۔ لیکن جب معلوم ہوا کہ معاویہ یزید کو ولیعہد کرنا چاہتا ہے تو لوگون نے جو کچھ جی مین آیا کہا اور شعرا نے ہجو لکھی۔ اور جب مدینہ مین ابن حکم منبر پہ سے یزید کی تعریف کر رہا تھا عبد الرحمن ابن ابی بکر نے اُسے جھٹلایا اور ٹانگ پکڑکے اُتار لیا۔ بنی امیہ غصہ مین آگئے اور اُس وقت حضرت عایشہ آگئین اور مروان کو سخت سست کہا جس سے وہ خاموش ہوگیا۔

ابن ابی بکر اور مروان

روضۃ الصفا کے موافق مدینہ پہونچکر معاویہ نے حسین سے کہا کہ "تمہاری مثال اُس شخص کی ہے جسکا خون جوش مین آگیا ہو۔ خدا تمہارا خون بہائیگا"۔ اعثم کوفی کے موافق کہا کہ "مین تمہارے حسد اور عداوت کو جانتا ہون" اور حسین نے جواب دیا "چپ رہ اے معاویہ کہ ہم اسکے اہل نہین ہین"۔ معاویہ نے کہا "تم اسکے اور اس سے بدتر کے اہل ہو۔ تملوگ ایسی بات چاہتے تھے خدا جسکے خلاف چاہتا تھا"۔

اِنھین مورخین کے موافق معاویہ نے اپنی عام تقریر مین بیعت نہ کرنے والے لوگون کو ہر طرح کی دھمکیان دین۔ اور یہ سنکر عبد اللہ ابن عمرو غیرہا کہتے چلے گئے "وہ متکبر ہوا"۔ اسکے بعد کچھ دیر تک ابن عباس سے گرم و سرد گفتگو ہوئی اور بنی ہاشم کے وظائف جاری کرنے پر اُس وقت آمادہ نہین ہوا جب تک ابن عباس نے یہ دھمکی نہ دی کہ پھر ہم جو کچھ تمہارے متعلق جانتے ہین اُس سے لوگون کو مطلع کرنا شروع کرینگے۔ معاویہ اسکے بعد مکہ روانہ ہوا۔ اور حضرت عایشہ نے اپنے بھائی کے ظلمانہ موت کے عوض مین معاویہ کو قتل کرنے کی

دہمکی دی۔ کہ میں ہیو نحکران لوگوں سے خوش اخلاقی کا برتاؤ کیا اور کہا کہ "دول من چنان میخواست کہ شما نام خلافت بباد (یزید) بنہید و کار بدست شما باشد انچہ خواہید و مراد دل داشتہ میکنید"۔

مخالف ہیں۔ لیکن حسین نے اسے قبول نہ فرمایا۔ چند روز کے بعد حسین کو طلب کیا۔ زیر بحث گفتگو شروع کی اور اعثم کوفی کے موافق کہا "مین نے مدینہ کی بیعت کو ملتوی رکھا تھا اس لئے کہ مین جانتا تہا کہ یہ یزید کا گروہ اور اسکے اعزا بہت ہین اگر مین یزید سے کسی کو اچہا دیکہتا تو اسی کو منتخب کرتا۔ حسین نے جواب دیا کہ اے معاویہ یزید سے کسی بہتر شخص کو امورات خلافت کے لئے منتخب کر جو اسے انجام دے سکے اور جو اپنی ذات اور اپنے ماں باپ کی طرف سے بہتر ہو۔ معاویہ نے کہا کیا اس "کسی" سے تم اپنے کو مراد لیتے ہو۔ فرمایا اگر مین مراد لوں تو بعید نہیں ہے۔ معاویہ نے کہا اسمین شبہہ نہین کہ تم نسبا یزید سے اچہے ہو لیکن امورات خلافت کے لئے وہ تم سے اچہا ہے۔ حسین نے فرمایا۔ انصاف سے بات کر اے معاویہ۔ وہ کون ہے جو میرے نانا کی امت کے لئے مجھ سے بہتر ہو" کیونکہ مجھے اپنے نانا کی امت اپنی ذات سے زیادہ عزیز ہے"۔ معاویہ نے کہا۔ اے حسین واپس جاؤ۔ اپنی جان کو ڈہونتے رہو اور اہل شام سے پرحذر رہو"

حسین کو نانا کی امت اپنے نفس سے زیادہ عزیز تھی۔

اسکے بعد ان دونوں مورخین نے لکہا ہے کہ دوسرے دن معاویہ نے ان چاروں آدمیونکو بلایا اور خود منبر پر چڑھ کر کہا "مین بہت سی باتین سنتا ہوں لیکن اسے معتبر نہیں سمجہتا۔ مین نے سنا ہے کہ یہ چاروں بزرگوار یزید کی بیعت پر راضی نہیں ہیں اور بیعت نہیں کی مجھ کو تعجب ہوا اور ان بزرگ زادگان عرب کو اپنا خواص مجلس میں طلب کیا اور ان سے بیعت یزید کی گفتگو چہیڑی۔ انہوں نے لطف اور طوع و رغبت سے یزید سے بیعت کی ہے۔ یہ باتین میں نے انکے سامنے کہہ دیا ہوں اگر کسی کو شبہہ ہو تو تحقیق کرے کہ انہوں نے یزید کی بیعت کی ہے یا نہیں۔ اسکے بعد امرا اور معارف شام کو اشارہ کیا۔ یہ تلوارین کہینچکر کہڑے ہوئے اور کہا "کب تک تو ان چار شخصوں کی تعریف اور عزت کرے گا۔ اگر تو ہم ایسا عظیم نہیں ہے کہ تو ان سے خوف کرے۔ حکم دے سکا ابہی انکی گردنیں مارین اور تجہے اس دغدغے سے فراغت حاصل ہوجائے۔ یا یہ لوگ سب کے سامنے بیعت کرین یزید کے غلبہ کے لئے ان چار شخصونکی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ معاویہ نے خاموش کرایا" اور جب مجلس برخاست ہوئی تو لوگوں نے تردد اور حیرت ظاہر کیا اسپر حسین نے فرمایا "واسدہم نے سرا علانیتا کسی طرح یزید کی بیعت نہیں کی ہے۔ لیکن معاویہ نے ہم سب کو فریب دیا اور جو کچہ تم نے دیکہا اور

سنا اُس نے کیا اور ہا ہں شام نے اُسکے کہنے سے اس قدر غلو کیا اور تلواریں کھینچیں۔ البتہ ہم خاموش تھے۔ نہ تمنے کچھ پوچھا نہ ہمنے جواب دیا اور ہم تم دونوں حیرت میں رہ گئے۔ اصل واقعہ یہ ہے۔ لوگون کو اِس کرنے تعجب ہوا“۔

عبدالرحمن ابن خالد اور حضرت عائشہ کی موت کیونکر واقع ہوئی۔

چونکہ ہم معاویہ کے زمانہ امارت کے اختتام تک پہونچ گئے ہین ہم دو واقعات کو اور لکھنا چاہتے ہین جو روضۃ الصفا اور ابن خلدون مین بیان ہوا ہے کہ عبدالرحمن ابن خالد ابن ولید جنہون نے معاویہ کے حکم سے نواح روم مین قیام کیا تھا حمص مین واپس ائے۔ عبدالرحمن بہادر اور بالتدبیر تھے۔ یہان کے لوگ خالد ابن ولید کی کارگذاریونکی لحاظ سے انکی تعظیم کرتے تھے۔ اِس سے معاویہ خوف زدہ ہوا اور ابن آثال نصرانی سے کہا کہ اگر تو عبدالرحمن کو ہلاک کرڈالے تو تجھسے خراج نہ لیا جائیگا اور حمص کے خراج کا والی قرار دیا جائیگا۔ ابن آثال نے مسموم شربت سے ہلاک کیا۔ معاویہ نے وعدہ وفائی نہ کی۔ اور آخر مین عروہ ابن زبیر کے بھتیجے خالد ابن عبدالرحمن نے ابن اثال کو قتل کیا اور معاویہ نے انھین کچھ دنون قید مین رکھا۔ دوسرا واقعہ حضرت عائشہ کی رحلت کا ہے۔ ابن خلدون کہتا ہے ”آپ کو مروان اور اُسکے خاندان والون نے شہید کیا تھا اِس وجہسے کہ اُسکی مخالفت کرتی تھین۔ اِس نے دعوت کے بہانہ سے اپنے گھر بلایا اور پہلے ایک گڑھا عمیق کھود کر۔ نیزے تلوارین۔ چھریان وغیرہ رکھدی تھین اوپر سے ایک فرش بچھا دیا تھا۔ ام المومنین جب تشریف لائین تو انکو وہین بٹھلایا بیٹھنا تھا کہ نیچے گر پڑین عمر اور کمزور تھین ایسی چوٹ آئی کہ پھر اُس سے جانبر نہ ہوسکین“۔

معاویہ شام کی طرف واپس جارہا تھا کہ مقام ابوا کے ایک کنوین کے برے پانی سے بیمار ہوگیا اور شام پہونچتے پہونچتے نوبت غشی کی پہونچنے لگی۔ پریشان خوابی اور غشی سے چونک کر اکثر کہہ اُٹھتا تھا کہ ”کیا کیا مین نے اے حجر ابن عدی اور عمر ابن الحمق اور کیون اختلاف کیا مین نے تجھسے ای ابن ابوطالب اِس حالت مین یزید اُسکے پاس آیا اور کہا کہ ”میرے تجدید بیعت کے لئے کوشش کرو ورنہ خوف ہے کہ اگر لوگون نے مجدداً بیعت نہ کی تو آل ابوتراب سے مجھے رنج پہونچے“۔ دوسرے روز ضحاک ابن قیس اور مسلم ابن عقبہ نے یزید کی سفارش کرکے کہا ”ہم راضی نہین ہین کہ حکومت ابوسفیان کے خاندان سے آل ہوازن مین منتقل ہو“ اِسکے بعد بہت سے لوگون کو بلوایا اور سبھون نے یہی خواہش کی۔ معاویہ نے علامات شاہی حوالہ

کین اور عثمان کا خون آلود کرتہ پہنایا۔ ضحاک اور مسلم سے بیعت کرائی۔ اسکے بعد یزید مسجد مین آیا اور خطبہ پڑھا اور پھر معاویہ کے پاس واپس گیا۔ اِس وقت معاویہ نے یزید کو اپنے وصایا حوالہ کئے۔

اعثم کوفی کے موافق اسمین یہ مضمون بھی تھا کہ "خلیفہ مقتول کے وُرثا کو آل ابوتراب پر مقدم رکھنا اور بنی امیہ اور بنی عبدالشمس کو بنی ہاشم اور دوسرے لوگون پر حاکم مقرر کرنا۔ اپنے دوستون کے قاتلونکو اپنے پاس سے دور رکھنا۔ جس شخص پر یہ عہدنامہ پڑھا جائے وہ اپنے امیر یزید کی اطاعت کرے اور جو شخص بیچ یا انکار کرے یزید کو اختیار ہے کہ اُسپر تلوار کھیچے اور اُنھین قتل کرے جب تک کہ وہ اُسکی خلافت اور امارت کا اقرار نہ کرین اور مطیع نہ ہوجائین" ضحاک اور مسلم نے مجمع کو وصیت نامہ سُنا دیا۔

سنہ ۶۰ھ

بعض مورخین اور ابن خلدون نے بھی کہا ہے کہ "طبری نے ہاشم ہی سے روایت کی ہے کہ جب سنہ ۶۰ھ مین امیر معاویہ کا زمانہ وفات قریب آگیا اور اُس وقت یزید موجود نہ تھا تو امیر معاویہ نے ضحاک بن قیس فہری اور مسلم بن عقبہ المزنی کو بلاکر کہا میری وصیت یزید تک پہونچا دینا اور روضتہ الصفا کی ایک روایت کے موافق یزید "شکار چھوڑکر ملک کے شکار کو چلا" اسی مورخ کے موافق یزید نے اپنی تخت کی تقریر مین اہالیان فوج سے کہا کہ "عنقریب ہم مین اور ہمارے دشمنون مین جنگ ہوگی" اور فوج نے خدمت گذاری کا یقین دلایا۔

معاویہ کی موت کے وقت سرجون رومی میر منشی تھا۔ مدینہ مین ولید بن عتبہ بن ابی سفیان مکہ مین عمرو بن سعید بن العاص۔ بصرہ مین عبداللہ ابن زیاد۔ کوفہ مین نعمان ابن بشیر گورنر تھا۔

اِس باب کے متعلق سیاسی واقعات ہم لکھ چکے لیکن اپنے ہیرو کے متعلق ہمین بعض روایتین ابھی لکھنی ہین جنکا کوئی صحیح زمانہ معلوم نہین ہے لیکن جواب کے بعد نہین ہوسکتی تھین اس لئے ہم اس باب کو انکے لئے مختص کرتے ہین۔

حسنین کے متعلق روایتین

صحیح طریقہ وضو کی تعلیم

ایک روز حسنین ایک بوڑھے کے پاس سے گذرے جو غلط وضو کر رہا تھا یہ دیکھکر حسنین نے آپسمین گفتگو شروع کی اور ایک نے دوسرے سے کہا کہ تم اچھی طرح وضو کرنا نہین جانتے اور یہ کہتے ہوئے بوڑھے کے پاس آئے اور کہا "ایھا الشیخ" تو ہم دونون کے درمیان حکم ہوجا ہم مین ہر ایک

وضو کرتا ہے تو دیکھ کہ کون اچھا وضو کرتا ہے۔ اسکے بعد دونون صاحبون نے وضو کیا۔ بوڑھے نے جواب دیا آپ دونون حضرات اچھا وضو کرتے ہین۔ صرف مین نادان ہون اور اسوقت آپ دونون بزرگوارون سے سیکھ گیا اور توبہ کی آپکے ہاتھ پر بوجہ آپکی برکت اور شفقت کے جو آپ حضرات کو اپنے نانا کی اُمت پر ہے۔

ابن عمر عاص اور حسین۔

ایک دن عبداللہ ابن عمر عاص اور ابو سعید خدری چلے جاتے تھے کہ حسین سے ملاقات ہوگئی۔ ابن عاص نے کہا۔ جو شخص کہ اہل آسمان و زمین کے نزدیک محبوب ترین زمانہ کو دیکھنا چاہتا ہے وہ اِس جانے والے کو دیکھے۔ ابو سعید نے ابن عاص کو حسین کی خدمت مین پیش کیا۔ حسین نے فرمایا۔ تیرا خیال ہے کہ مین فاضل ترین زمانہ ہون۔ میرے پدر بزرگوار مجھسے افضل تھے لیکن صفین مین تو ہم دونون سے لڑا ابن عمر عاص نے کہا۔ یا ابن رسول اللہ معذرت چاہتا ہون۔ رسول اللہ نے اطاعت والدین کا حکم فرمایا ہے۔ فرمایا۔ عبداللہ! کیا تو نے حکم خدا نہین سُنا کہ اگر تیرے والدین تجھے میرا شریک اختیار کرنے کو کہین۔ جسے تو نہین جانتا۔ تو انکی اطاعت سے مُنھ پھیر لے۔ خود رسول کا حکم ہے:۔ انما الطاعتہ الطاعتہ المعروف لاطاعتہ المخلوق فی معصیت الخالق" (اطاعت کارہائے معروف و پسندیدہ مین چاہیے نہ کہ خدا کی معصیت کرنے کے لئے کسی مخلوق کی اطاعت کرے)

حسین کی میزبان بڑھیا۔

ایک مرتبہ حسین اور عبداللہ ابن جعفر حج کو تشریف لئے جاتے تھے اسباب پیچھے آرہا تھا کہ آنحضرات کو گرسنگی اور تشنگی طاری ہوئی۔ قریب کی گھاٹی مین انہین ایک خیمہ دکھائی دیا۔ اِسمین ایک بڑھیا تھی۔ اُن حضرات نے پانی مانگا۔ بڑھیا نے بکری کی طرف اشارہ کیا اور انلوگون نے دودھ دوھکر پیا۔ اب کچھ کھانے کو مانگا اور بڑھیا نے کہا کہ میرے پاس بجز بکری کے کچھ نہین ہے۔ بکری ذبح کی گئی بڑھیا نے پکایا۔ یہ لوگ سیر ہوئے اور چلتے وقت کہا کہ ہم قریش سے ہین اور حج کرنے جارہے ہین۔ واپسی کے وقت ہمسے ملنا کہ تجھ سے نیکی کرینگے۔ کچھ دنون کے بعد یہ عورت افلاس سے مجبور ہوکر مدینہ آئی حسن نے اسے دیکھا اور ایک ہزار بکریان اور ایک ہزار دینار عطا فرما کر حسین کے پاس بھجدیا۔ حسین کا عطیہ بھی اسکے برابر تھا اور انہون نے بھی عبداللہ ابن جعفر کے پاس بڑھا دیا۔ یہان بھی وہ ایسے ہی عطیہ سے

مسرور ہوئی۔

کنیز سے حسین پر کاسہ گر پڑا

حسینؑ ایک روز کھانا نوش فرما رہے تھے کہ ایک کنیز کے ہاتھ سے گرم کاسہ طعام حسینؑ کے چہرہ پر گر پڑا اور حسین نے اُسکی طرف دیکھا۔ اُسکے مُنھ سے نکلا۔

لونڈی نے کہا والکاظمین الغیظ فرمایا کظمت غیظی

" والعافین عن الناس " عفوت عنک

" واللہ یحب المحسنین " انت حرۃ لوجہ اللہ سبحانہ

محمد حنفیہ اور حسین

حضرت محمد حنفیہ اور حضرت امام حسین سے کسی وجہ سے کشیدگی ہوگئی۔ محمد حنفیہ نے حسین کو لکھا:۔ اے بھائی! میرے اور تمہارے پدر بزرگوار علی ابن ابیطالب ہیں اِس امر میں نہ تو میں تم سے افضل ہوں نہ تم مجھسے۔ تمہاری مادر گرامی فاطمہ زہرا رسول خدا کی بیٹی ہیں۔ اگر تمام روے زمین کے موافق سونا میری ماں کی ملک ہو تب بھی وہ تمہاری ماں کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ پس جب تم یہ خط پڑھو تو میرے پاس آؤ اور مجھے راضی کرو۔ کیونکہ تم بہ نسبت میرے احق بالفضل ہو۔ تمپر سلام ہو اور خدا کی رحمت اور اُسکی برکتیں نازل ہوں۔ حسین نے جونہیں خط ملاحظہ فرمایا محمد حنفیہ کی شیرین شکایت اور اُنکے خردانہ ناز تحکم کے موافق تشریف لے گئے اور منالیا۔

ایک کنیز کا تحفہ اور حسین کا جواب۔

کسی کنیز نے ایک مرتبہ شاخ ریحان کا گلدستہ پیشکش کیا حسین نے اُسے آزاد کردیا۔ کسی نے تحفہ کی بے حقیقتی اور آزادی کے بہبے نعم البدل پر اعتراض کیا۔ فرمایا۔ خدا فرماتا ہے اِذا حییتم بہ تحیۃ فحیو باحسن منھا او ردوھا (جب تمہیں کوئی تحفہ دے تو یا تو اُسے اُس سے اچھا تحفہ دو یا رد کردو)

اثنائے نماز میں سائل آیا

ایک روز حضرت امام حسین نماز پڑھتے تھے کہ کسی سائل نے آواز دی:۔ جسنے تم سے امید رکھی اور کُنڈی کھٹکھٹائی وہ محروم نہیں رہا۔ تم بخشش کرنے والے ہو۔ تمپر بھروسہ کیا جاتا ہے اور تمہارے باپ فاسقوں کو قتل کرنیوالے تھے۔ اگر وہ امر (اجرائے سلام) نہ ہوتا جو تمہارے اسلاف کرگئے تو جہنم ہمارے محیط ہوتی حسینؑ نے نماز ختم کی۔ کچھ عطا فرماتے وقت کہا۔ اِن درہموں کو لے اور معاف کر اور جان لے کہ میں تجھپر شفیق ہوں۔ اگر مجھے قدرت حاصل ہوتی تو میرا آسمان بخشش تجھپر منطبق ہوتا۔ لیکن حوادثات زمانہ تغیرات پیدا کرتے رہتے

ہین ابنائے زمان نے ہمارے حق کی رعایت نہ کی اور حقوق ہمارے تلف کئے اِس لئے اِتہہ ہمارا مال دنیا سے تہی ہے۔

محتاجون کے متعلق قول — آپ کا قول تھا کہ محتاج نے جب تم سے سوال کیا تو اُس نے تمہین اپنی آبرو حوالہ کردی اور کچھہ اکرام اپنی آبرو کا نہ کیا۔ لیکن تم اُسے محروم واپس کرکے اپنی آبرو زائل کرو اور اپنے چہرہ کی تکریم کرو۔

سایل کا روپیہ پرکھنا اور حسین کی تصدیق — حضرت نے ایک شخص کو ہزار دینار یا درہم عطا فرمائی۔ وہ شخص روپیہ کو پرکھنے لگا۔ حضرت کے خازن نے اُس سے کہا کہ کیا تو نے کوئی شئے فروخت کی ہے کہ روپیہ پرکھرلہے۔ حاضر جواب سایل نے کہا کہ ہان آبرو بیچی ہے حضرت نے فرمایا کہ تو نے سچ کہا اور ارشاد فرمایا کہ اسے تین ہزار درہم یا دینار دو ایک سوال کرنے کا ایک آبرو کے لئے ایک اس لئے کہ ہماری ہی پاس سوال کیلئے آیا۔

عرضی پڑھنے سے قبل حاجت روائی — ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت کو عرضی دی۔ حضرت نے فرمایا کہ قبل اسکے کہ تیرا رقعہ پڑہا جائے تیری حاجت روا ہے کسی نے کہا کہ کیون آپ نے رقعہ نہ پڑہا اور ایسا فرمایا۔ ارشاد کیا کہ حق تعالے مجھے سوال کرے گا کہ کیون خط پڑہنے تک اُسے انتظار مین رکھا۔

حسین کی تعداد حج — کہا گیا ہے کہ حضرت نے پیادہ پچیس حج کئے تھے۔ ایک مرتبہ پیادہ حج کو تشریف لئے جا رہے تھے کہ راستہ مین حاجیون کا اور قافلہ ملا۔ لوگ بوجہہ احترام اپنی سواریون سے اُتر گئے۔ لیکن پیدل چلنے مین تکلیف محسوس ہوئی۔ سعد ابن وقاص نے سوار ہوجانے کی گذارش کی کہ یہ لوگ آپ کے ادب کی وجہ سے سوار نہین ہوتے۔ یہ سُنکر حسین نے وہ راہ ترک کردی۔

ایک بدگو اور حسین — ایک روز حسین مدینہ کے باہر کہین تشریف لیجا رہے تھے کہ ایک شخص نے کسی سے انکے نسبت سوال کیا۔ جواب دیا گیا کہ یہ نواسہ رسول ہین۔ اُسنے کہا کیا یہ پسر علی ہین۔ جواب دیا گیا ہان۔ اب اسنے سبّ علی شروع کردی۔ حسین نے سُنا۔ مسکرائے اور فرمایا:۔ اے عزیز کیا صحرا نوردی سے تیرے دماغ مین خشکی آگئی ہے اگر ایسا ہے تو مین تیرا علاج کردون۔ اور اگر تیری بی بی نے تجھے ستایا ہے تو یہ روپیہ لے اور جا۔ کسی نے اوسکی گستاخی پر اوسے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ آپ نے روکا اور فرمایا ہم بڑے حلیم ہین۔ کوئی چیز ہمین غضبناک نہین کر سکتی۔

کسی موقع پر امام حسین تشریف رکھتے تھے کہ کسی شخص نے آپکی شان مین بے ادبی کی۔ حاضرین نے سزا دینا چاہی لیکن دیکھا کہ حسین کے چہرہ پر شکن تک نہین ہوا اور فرما رہے ہین۔ فرشتے اُس گھر مین نہین جاتے جہان کتا ہوتا ہے (آپنے غصہ کو کتے سے تشبیہہ دی ہے)۔

بے ادب کے ساتھ حلم

معاویہ نے مروان ابن حکم کو عبد اللہ ابن جعفر کے پاس اس لئے بہیجا کہ وہ ام کلثوم بنت عبد اللہ کی یزید کیلئے خواستگاری کرے۔ عبد اللہ نے حسین پر ٹالا۔ مروان حسین کے پاس آیا اور کہا کہ اگر ام کلثوم کا یزید سے عقد ہوجائے تو بہتر ہے اور معاویہ نے کہا ہے کہ جس قدر مہر ہوگا مین ادا کردونگا۔ آجکل اِن دونون خاندانون مین صلح ہے۔ اِس عقد کی وجہ سے یہ بات قایم رہیگی اور مین لکہونگا کہ عبد اللہ پر جس قدر قرض ہے وہ بھی ادا کیا جائے۔ اے حسین آپکو معلوم ہونا چاہئے کہ بہ نسبت یزید کے آپ کو اچھا سمجھنے والے کم ہین اور یزید کو نسبت آپکے اچھا سمجھنے والے زیادہ ہین اور بڑے تعجب کی بات ہوگی کہ یزید سے مہر طلب کیا جائے حالانکہ وہ ایسا شخص جسکا مثل وہمسر نہین۔ حسین نے فرمایا:—

ام کلثوم بنت عبد اللہ ابن جعفر کی یزید کے لیے خواستگاری اور حسین

شکر ہے اُس خدا کا جسنے مجھے اپنے نفس پر اختیار دیا۔ اپنے دین کے لئے پسند کیا اور اپنی مخلوقات مین بزرگی دی۔ تو نے کہا ہے کہ ام کلثوم کا باپ جس قدر مہر مانگے دونگا۔ میرا منشا تو یہ ہے کہ مین وہی طریقہ جاری رکھون جو رسول اللہ کی بیٹی بی بی اور دیگر اہلبیت کی عورتون کا مہر ہوا ہے۔ یعنی بارہ اوقیہ (چار سو اسی درہم) یہ جو کہا ہے کہ اُسکے باپ کا قرض بہی ادا کیا جائیگا۔ یہ بتا کہ کب ہمارے خاندان کے بیبون نے ہمارا قرض ادا کیا ہے۔ صلح کے بابت یہ سمجھ لے کہ ہم جو تملوگون سے مخالفت کرتے ہین تو یہ محض خوشنودی خدا کے لئے ہے۔ دنیا کے لئے ہم کبہی صلح نہین کرینگے۔ جب نسبی قرابت سے کچہہ فائدہ نہ ہوا تو سببی قرابت اور شادی بیاہ کب مصالحت کرا سکتے ہین۔ تو نے یہ جو کہا کہ تعجب ہوگا اگر یزید سے مہر طلب کیا جائے۔ تو اُسکی کیا ہستی ہے اُس سے اور اُسکے باپ دادا سے جو لوگ افضل تھے اُن لوگون نے تو دیا ہی ہے اور اُن سے مہر لیا گیا ہے۔ تو نے کہا ہے کہ یزید کا کوئی ہمسر نہین تو سمجھ لے کہ اُسکا وہ ہمسر ہے جو آج سے پہلے تھا اُسکی امارت نے اُسکی ہمسری مین کچہہ زیادتی نہین کی ہے۔ یہ جو کہا کہ آپ کو اچھا سمجھنے والے کم ہین تو کچہہ پرواہ نہین جاہل اُسے اور عاقل مجھے اچھا سمجھتے ہین۔ (اپنے مختار کی طرف متوجہ ہوکر) سب لوگ گواہ رہین کہ مین نے ام کلثوم بنت عبد اللہ کا عقد اُسکے چچازاد بھائی قثم ابن محمد ابن جعفر سے چار سو اسی درہم پر کیا اور اُنھین اپنی مدینہ والی زمین دی جسکی آٹھ ہزار اشرفیان سالانہ حاصل ہین یہ اُنکی

بسر اوقات کے لئے کافی ہوگی۔ مروان نے خفا ہو کر کہا۔ بنی ہاشم اپنی عداوت نہین چھوڑتی۔ آپ نے فرمایا۔ وہ واقعہ یاد نہین ہے کہ جب بھائی حسن نے عایشہ بنت عثمان سے عقد کی خواہش کی تو تم نے کہا کہ عایشہ کا عقد عبداللہ ابن زبیر سے ہوگا"

ارنیب بنت اسحق کا قصہ معہ تنقید مؤلف

ملا حسین الکاشفی کی روضۃ الشہدا مین ایک واقعہ ملتا ہے جسے نامون کے اختلاف کے ساتھ ابن قتیبہ نے کتاب الامامہ والسیاستہ مین تفصیل سے لکھا ہے جو اصلاح نمبر ۱ جلد ۱۵ مین بھی شائع ہوا۔ مین خلاصہ پیش کرونگا۔ روضۃ الشہدا مین میرے غور کے قابل صرف یہ عبارت ہے کہ "عداوت زمی یزید بہ دو سبب بود یکے آنکہ امام حسین از بیعت او اباکرد۔۔۔ دوم آنکہ عبداللہ زبیر زنے داشت کہ در آن عصر بحسن وجمال او نشان نمی داند وخبر خوبی او بہ یزید رسید۔ انواع حیلہا ساختند وتدبیر ہا پرداختند۔ ابن زبیر آن زن را بے جہت طلاق داد واز شام وکالت نامہ بہ ابی موسیٰ اشعری رسید کہ مطلقہ ابن زبیر را برائے وے بخواند"۔ ابو موسیٰ نے اُسے اپنا۔ یزید ابن عمر اور حسین کا پیغام دیا۔ اور جب مطلقہ ابن زبیر نے حسین کو پسند کیا تو "عداوت امام حسین در دل یزید زیادہ شد"۔

کتاب الامامہ مین ہے کہ یزید ارنیب بنت اسحق کی یاد مین بہت بیقرار تھا آخر اُسی حالت مین معاویہ کے پاس گیا۔ بہت سے شکوے شکایت آپس مین ہوئے۔ آخر مین باپ نے بیٹے کو صبر اور راز کے مخفی رکھنے کی تاکید کی اور اسکے بعد عبداللہ ابن سلام یعنی ارنیب کے شوہر کو جسے بصرہ کا حاکم مقرر کیا تھا دمشق مین طلب کیا اور ابو ہریرہ اور ابو دردا کو اس پیغام کے ساتھ عبداللہ کے پاس بھیجا کہ مین اُس سے اپنی لڑکی کا عقد کرنا چاہتا ہون اور ادھر اپنی لڑکی سے کہدیا کہ جب ابو دردا وغیرہ عبداللہ ابن سلام کا پیغام لائین تو اُسکے شرافت ونجابت کا اقرار کرنا اور ارنیب کا طلاق اپنے عقد کی شرط قرار دینا۔ ابو ہریرہ وغیرہ نے جب عبداللہ ابن سلام سے معاویہ کی خواہش بیان کی تو اُسنے بڑی خوشی سے انکو نکاح کر دینے کا وکیل بنایا۔ یہ لوگ بنت معاویہ کے پاس گئے۔ اُسنے سکھائی ہوئی باتین کہین۔ یہ لوگ پھر عبداللہ کے پاس آئے حال کہا اور اُنھون نے فوراً طلاق دیدیا۔ ابو ہریرہ اور ابو دردا گواہ ہوئے۔ اور جب ان دو معزز گواہون نے معاویہ کو طلاق ہوجانے کی اطلاع دی تو اب وہ بہت خفا ہوا اور کہا کہ اگر وہ جلدی نہ کرتا تو بہتر تہا۔ جاؤ پھر سمجھا جائیگا۔ لڑکی کو بھی ایسا ہی سمجھا دیا اور کہلوا بھی دیا کہ تحقیق کیجائیگی جلدی مناسب نہین ہے۔ اب معاویہ نے یزید کو صورت معاملہ کی خبر دی اور شام مین معاویہ کے حیلہ کی خبر مشہور ہوگئی۔ اور جب پھر ابن سلام نے

اپنے مذکر مشاطہ کو بھیجا تو جواب ملا کہ مشورہ میں کچھہ لوگ موافق ہین اور کچھہ ناموافق - یہ ہماری طبیعت کے موافق نہین ہے - یہ خبر بھی مشہور ہوئی اور لوگون نے کہا کہ کس قدر بُرا ہے وہ شخص جسے خدا بادشاہ بنائے اور اپنی رعایا کو اُسکے سپرد کرے وہ ایسا فریب اور دھوکا دے - جب عدّۃ کا زمانہ تمام ہوا تو معاویہ نے ابودردا کو عراق بھیجا کہ یزید کے لئے ارنیب کی خواستگاری کرے ابودردا سے عراق میں پہلے امام حسینؑ سے ملاقات ہوئی اور جب انکے ورود کی وجہ ظاہر ہوئی تو حسینؑ نے بھی انھین اپنا وکیل بنایا - ابودردا ارنیب کے پاس پہونچے اور دونون پیغام دیئے ارنیب نے بھی اپنے کو انکی بھائی کی بیٹی کہکر انھین اپنا وکیل بنایا اور صلاح پوچھی اور انھون نے مجبوراً کہا کہ " اے بیٹی فرزند رسول ہمکو زیادہ احب ہے کہ خود رسول اللہ کو دیکھا ہے کہ اُنکے لبون کو چوستے تھے لہذا تو بھی اپنا لب وہین رکھ جہان رسول اللہ لب رکھتے تھے " ارنیب نے منظور کیا - نکاح ہوا - معاویہ کو خبر ہوئی اور جھلاہٹ مین اپنے وکیل کو جو کچھ کہہ سکتا تھا کہا - عبداللہ ابن سلام نے اپنے زمانہ عقد مین ارنیب کو کچھہ موتی دیئے تھے - جب معاویہ کو اپنی کارروائیون مین ناکامی ہوئی تو ابن سلام کی طرف سے توجہ کم ہوگئی جسکا نتیجہ افلاس ہوا - ابن سلام عراق آیا - حسین سے ملاقات کی سارا قصہ بیان کیا حضرت نے سکوت فرمایا اور اسکے بعد ارنیب سے قصہ بیان کیا - اور فرمایا کہ وہ تمہارا مال ہے اگر اُسکی امانت ہو تو اُسے واپس کردو - ارنیب نے تصدیق کی - حضرت نے ابن سلام کو خبر دی اور ساتھہ ہی اجازت دی کہ وہ اپنے ہاتھہ سے اپنا مال لے لے - ابن سلام گیا ارنیب نے موتی سامنے رکھدیئے حسین باہر تشریف لے گئے ابن سلام نے چند موتی معاوضہ مین پیش کئے اور چیخ کر رونے لگے - حسین دونوکے رونے کی صدا سنکر اندر تشریف لائے اور فرمایا " ہم خدا کو گواہ کرتے ہین کہ ہمنے اِس عورت کو طلاق دیا اللہ خوب جانتا ہے کہ ہمنے بخیال حُسن وجمال عقد نہین کیا تھا بلکہ اِس خیال سے کہ وہ اصلی شوہر پر حلال ہو جائے - خداوندا تو ہمین اسکا اجر عطا کر - حضرت نے جو کچھہ مہر دیا تہا اُسمین سے باوجود ابن سلام کے اصرار کے کچھہ واپس نہ لیا - عدّہ تمام ہونے پر ابن سلام سے پھر عقد کیا - دونون نہایت خوشی و آرام سے رہنے لگے اور یزید محروم رہا "

بلاشبہہ مین سوچتا ہون کہ یہ شیکسپیر قابل کمیڈی ہے اور اِس قدر قانون طلاق کا لحاظ ہے جس قدر قصہ ہر طرح سچائی کا رنگ لئے ہونے ہے - اور حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی ایک امر ہے جس سے اُسکی سچائی مین اشتباہ ہوتا ہے - دوسری نہ دست یاب شبہہ ہے کہ معاویہ کے دوران حکومت مین جو لوگ بصرہ کے عامل مقرر کئے گئے

اُنکے نام مجھے یہ ملتے ہین۔ بشر ابن ارطاۃ۔ عبداللہ ابن عامر حرث بن عبداللہ ازدی۔ زیاد ابن سمیہ۔ عبداللہ ابن عمر غیلان اور عبداللہ ابن زیاد۔ عبداللہ ابن سلام کا کہین نام نہین ہے۔ ابن خلدون کے موافق ایک عبداللہ ابن سلام کا سنہ وفات ۴۳ھ ہے یعنی اگر یہ وہی ابن سلام تھے تو زیر بحث قصہ تک زندہ نہ رہے تھے۔ تیسرے دو مورخین کا مفید اختلاف۔ لیکن یہ سب باتین اس خیال کے سامنے بے حقیقت ہین کہ یہ یزید کے دل مین دشمنی پیدا ہونے کی ایک وجہ بتائی گئی ہے اور اسکی غرض یہ ہے کہ اُن فطری اور مسلسل اسباب کو آنکھ سے اوجھل کر دے۔ جو شہادت حسین پر منتہی ہو سکتے تھے۔ یزید کے گناہ کو اگر دھو نہ سکے تو کم سے کم عاشقانہ رقابت کا خیال دلاکر اُسکے جرم کو ہلکا کر دے۔ اور اس طرح حسینؑ کے کا عظیم کارنامون کو خفیف یا دوسرے رنگ مین دکھانے کے لیئے اگر کلی نہین تو جزی کامیابی ہو اور معاملہ صرف عورت کا رہجائے جیسا حقیقت مین ایک عیسائی نے مجھسے کہا۔ صحیح ہے کہ ایک سمجھدار کے لئے جسے واقعات سے واقفیت ہو یہ واقعہ باوجود صحیح ہونے کے بھی کسی طرح اُن وجوہات کے مقابل ہونیکا حوصلہ نہین رکھتا جو شہادت حسین پر منتہی ہوئے لیکن کسی زمانہ مین ایسے لوگون کی کمی نہین تھی جنکے کانون کی گہرائی کبھی یقین کرنے سے سیری ظاہر کرے یزید کے عداوت کی وجہ واقعہ کے صحت کی حالت مین بھی اپنے کو "وجہہ" ہونیکی منزلت سے گرادیتی ہے۔ جبکہ یزید کی تمام کارروائیان اور خیالات حسین کی حیات مین اور بعد کبھی اسسے عداوت کی وجہ ظاہر نہین کرتے نہ کوئی ہمعصر دیکھنے والا کہتا ہے اور ایسی صورت مین کہ کچھ دنون کے بعد حسین نے اپنی کریم النفسی سے شوہر اولی کی طرف واپس کر دیا۔ کوئی وجہ نہین ہے کہ حسین کے لئے تو وجہ ہوجائے اور ابن سلام انتقامی سلسلہ مین نہ آئے حالانکہ یزید نسبتاً کم خوف اور اندیشہ سے اُسے قتل کراکے اپنی خواہش پوری کر سکتا تھا حالانکہ یزید کے دوران حکومت مین کہین اسکا ذکر نہین ہے۔ شاید اُس متلاشی کی محنت بیکار نہ جائے جو یہ سمجھنے کی کوشش کرے کہ اس روایت کے راوی کس زمانہ تک پہونچتے ہین اور ابن قتیبہ نے خود کونسی کتابون سے یہ روایت پائی ہے۔ اور روایت کا ہموار سلسلہ کم سے کم واقعہ کا اُس قدر وزن قائم رکھیگا جسکا وہ شایان ہے۔

تلاوت قرآن کا طریقہ

"اسحق ابن عمار نے روایت کی ہے ابو عبداللہ علیہ السلام سے پوچھا مین نے یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ مین حافظ قرآن ہون تلاوت اسکی از روئے قرآن کردن یا از ظہر قلب فرمایا ازرو مصحف کیا نہین سنا تو نے کہ قرآن مین نظر کرنا عبادت ہے۔" (توضیح مجید فی تنقیح کلام اللہ الحمید)

کسی نے حضرت امام حسین سے پوچھا کہ روزہ کیوں واجب کیا گیا۔ فرمایا۔ اس لئے کہ "امیروں کو بھوک کا مزہ معلوم ہو کہ غریبوں پر رحم کریں"۔

وجوب روزہ کی وجہ

کتاب توحید ابن بابویہ میں ہے کہ راوی نے ابی عبد اللہ علیہ السلام سے سوال کیا کہ آیا خدا ہمیشہ مرید (ارادہ کرنیوالا) ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ مرید نہیں ہوتا ہے مگر یہ کہ مراد اُسکے ساتھ ہو بلکہ وہ ہمیشہ عالم اور قادر ہے۔

خدا مرید ہے یا عالم و قادر (توضیح....)

سید الشہدا نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا کہ "سب تعریفیں اُس خدا کے لئے زیبا ہیں جو کسی شئے سے موجود نہیں ہوا۔ حدوث اشیا اُسکے ازلی ہونے پر گواہی دینے والی ہیں۔ صنعت کی مضبوطی اُسکے نشان کے لئے کافی ہے"۔ دعائے عرفہ میں فرمایا "یا اللہ میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اور تیرے رب ہونے کی گواہی دیتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں۔ تیرے ہی طرف ہماری بازگشت ہے۔ تو نے ابتدا کی اپنے بخشش کی قبل اسکے کہ میں موجود تھا" (کفایۃ الموحدین)

حسین کے خطبہ کے بعض الفاظ میں اثبات وجود باری کے متعلق طریقہ استدلال۔

مفضل ابن شاذان سے روایت ہے کہ ابی عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم اصل ہیں ہر خیر کی اور ہر ایک نیکی ہماری فرع ہے۔ ازانجملہ توحید۔ صلوٰۃ۔ صیام۔ غصہ کا فرو کرنا۔ عفو۔ فقیر پر رحم۔ ہمسایہ کی مدارات۔ اور فضلا کا اقرار فضیلت ہے۔ اور ہمارا عدو اصل ہر شر ہے اور اُسکی فروع کل برائیاں ہیں۔ ازانجملہ جھوٹ۔ بدگوئی۔ بخل۔ قطع رحم۔ سود کھانا۔ بغیر حق کے یتیم کا مال لینا۔ خدا کے مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنا۔ ظاہر اور باطن فواحش کا مرتکب ہونا۔ ازانجملہ سرقہ۔ زنا۔ اور جو چیزیں کہ اِس قسم کی ہوں۔ وہ شخص جھوٹا ہے جو کہے کہ ہمارے ساتھ ہے درانحالیکہ وہ ہمارے غیر کی فرع سے تعلق رکھتا ہو" (توضیح....)

ہر خیر کی اصل

ابو بصیر نے حضرت ابو عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ خدا برائی کا حکم دیتا ہے اُس نے خدا کی تکذیب کی اور جو شخص کہتا ہے کہ خیر و شر خدا کی طرف سے ہے اُسنے خدا کی تکذیب کی (توضیح....)

خدا اور خیر و شر

ایک مرتبہ حسین کہیں تشریف لیجا رہے تھے راستہ میں دیکھا کہ بہت سے فقیر راستہ میں بیٹھے ہوئے کچھ کھا رہے ہیں۔ اُنلوگوں نے حسین کو بلایا۔ حسین کمال خلق سے اُنکے پاس بیٹھ گئے۔ اور فرمایا ان اللہ لا یحب المتکبرین پھر فرمایا قد اجبتکم فاجیبونی۔ اسکے بعد آپ سب کو اپنے دولتسرا لے گئے۔ اور سبھوں کے ساتھ رعایت کی۔

فقرا مدعو کرتے ہیں۔

صاحب جنات الخلود کے موافق حضرت کی کنیت میں ایک "ابو المساکین" بھی تھی اِس لئے کہ حضرت مساکین اور غربا پر بیحد لطف فرماتے تھے اور وظائف عطا کرتے تھے۔

حسین کا ایک لقب۔

پشت اقدس کے نشان کی واقعہ خوانی

بعد شہادت حضرت پشت اقدس پر نشان پائے گئے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے دریافت کیا گیا اور آپ نے فرمایا کہ یہ نشان اُن بار کے ہیں جسے پوشیدہ پشت پر رکھکر یتیموں اور بیوؤں کے گھروں پر پہونچاتے تھے۔ شاعر کہتا ہے:۔ وان ظہر اعد اللبن نیقلہ + سرا الی اھلہ مکسورا (وہ پشت اقدس جو فقرا کے لیے راتوں کو صدقات اُٹھاتی تھی ایک دن پامال سم اسپان تھی)۔

اُسامہ کا قرض ادا کرتے ہیں۔

اُسامہ ابن زید بیمار ہوگئے۔ حسین اُنکی عیادت کے لیے تشریف لیگئے۔ اُسامہ کی باتوں سے اُنکی پریشانی ظاہر ہوئی اور وجہ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اُنپر ساٹھ ہزار درہم قرض ہیں۔ فرمایا۔ ہم ادا کردینگے اُسامہ نے کہا ہمیں خوف ہے کہ آپ ہمارے مرنیکے بعد ادا کریں۔ یہ سُنکر حسینؑ نے اُسے فوراً ادا کردیا اور فرمایا۔ بادشاہوں کی خصلت میں سے سب سے زیادہ بُری اور ناقابل تعریف بات یہ ہے کہ وہ دشمن سے ڈریں غریبوں پر سخت دلی سے رحم نہ کریں اور بخل کریں۔

ایک اعرابی کا اثر حسین کی سخاوت سے۔

کسی اعرابی نے حسین کے سخاوت کی شہرت سُنی اور حاضر خدمت ہوا حسینؑ نے قنبر سے دریافت کیا کہ کچھ موجود ہے۔ کہا چار ہزار دینار موجود ہیں۔ فرمایا اُسے دیدو جو ہمسے زیادہ مستحق ہے۔ حضرت نے اپنے کو چھپا کر اپنے دست مبارک سے دیا۔ اور عذر کیا۔ اعرابی رونے لگا۔ حضرت نے سبب پوچھا تو کہا۔ میں تمہارے ایسے شخص پر روتا ہوں کہ تمہارے زیر خاک چھپنے پر یہ دست جود ناپید ہوجائیگا۔

معلم کی قدر دانی۔

عبدالرحمن ابن سلمی حسین کے بعض بچوں کے استاد تھے۔ ایک روز جب بچوں نے گھر آکر سبق سُنایا تو حسینؑ نے اُستاد کو ایک ہزار دینار اور حلہ عطا فرمایا۔ کسی نے زیادتی سخاوت پر اعتراض کیا تو فرمایا۔ "میری مختصر بخشش اُسکی کثیر عطا کے ہمپلہ نہیں ہے"۔

حسین اور خوف خدا

ایک مرتبہ حسینؑ پیادہ حج کرنے تشریف لیجارہے تھے اور سواری ساتھ تھی۔ کسی شخص نے کہا یا ابن رسول اللہ آپ بہت خوف خدا کرتے ہیں۔ فرمایا۔ قیامت میں وہ بیخوف نہیں ہے جو دنیا میں نہیں ڈرتا۔

قلت اولاد شغف عبادت سے۔

کسی شخص نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی قلت اولاد کے بارہ میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تعجب ہے کہ میں کیونکر پیدا ہوا اِس لیے کہ وہ جناب تو شب کو ہزار رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔

ایک غلام کیونکر حسین کی وساطت سے آزاد ہوا۔

حسینؑ فرماتے ہین کہ مین نے ایک مرتبہ ایک غلام کو کتے کے ساتھ کچھ کھاتے دیکھا۔ مینے اُس سے سبب پوچھا۔ اُس نے کہا یا ابن رسول اللہ مین ایک دردرسیدہ ہون۔ دل خوش کرنے کو اِس کتے کے ساتھ کھیل رہا ہون۔ حسین اُسے لئے ہوئے اُسکے آقا کے پاس گئے جو یہودی تہا۔ اور دو سو دینار زرہائے پیش کیا۔ یہودی نے کہا۔ آپکی تشریف آوری کے ضمن مین مینے اُسے آزاد کیا۔ اپنا ایک باغ اُسے دیا اور آپ کا روپیہ واپس کرتا ہون۔ حسین نے فرمایا مین روپیہ تجھے ہبہ کرتا ہون۔ یہودی نے قبول کیا لیکن روپیہ بھی غلام کو دیدیا۔ یہودی کی بی بی پر حسین کے رحم و عطا کا یہہ اثر ہوا کہ اِسنے اپنے شوہر کا مہر معاف کردیا۔ یہودی اور اُسکی بی بی مسلمان ہوئی اور شوہر نے اپنا مکان عورت کے نام ہبہ کردیا۔

بخشش موافق معرفت

ایک اعرابی حسینؑ کی خدمت مین حاضر ہوا اور کہا یا ابن رسول اللہ مین دیت کا ضامن ہوا ہون مجھے اِس قدر مرحمت فرمایئے۔ فرمایا۔ اے برادر اعرابی مین تجھسے تین سوال کرونگا اگر ۱/۳ بتایا تو ۱/۳ زر دیت اور ۲/۳ بتایا تو ۲/۳ اور ۳/۳ بتایا تو کل ادا کردونگا۔ اُسنے عرض کی یا ابن رسول اللہ آپ کا ایسا صاحب علم و شرف مجھسے پوچھے! فرمایا۔ میرے نانا رسول نے فرمایا ہے کہ بخشش معرفت کے موافق ہونی چاہیئے۔ اِسکے بعد پوچھا۔

افضل ترین اعمال کیا ہے؟ جواب دیا۔ اقرار توحید۔ پوچھا کونسی چیز انسان کو ہلاکت سے بچاتی ہے جواب دیا۔ خدا پر بھروسہ۔ پوچھا کس چیز سے انسان کی زینت ہے۔ جواب دیا علم سے جسکے حلم ملا ہو فرمایا۔ اگر یہ نہو تو۔ کہا۔ پھر مال اور مروت ہو۔ پوچھا اگر یہ بھی نہ ہو تو۔ کہا۔ تو فقر مین صبر ہونا چاہئے فرمایا۔ اگر اسپر بھی قدرت نہ ہو۔ کہا۔ تو ایسا شخص مستحق ہے کہ اُسپر بجلی گرے۔ حضرت ہنسے اور اعرابی کو ایک ہزار دینار اور ایک انگوٹھی عنایت کرکے فرمایا۔ ایک سے دیت ادا کر اور دوسرے کو نفقہ مین صرف کر۔

حسن کا ادب اور ایک فقرہ۔

حسین حسن کے سامنے ادب سے بات نہ کرتے تہے۔ ایکبار فرمایا۔ کاش اے بھائی آپکی زبان میری اور میرا قلب آپکا ہوتا۔

نانا کی انداز اور نقل و حرکت حسین کی وجیہی [illegible]

رسالہ البرہان بابت ماہ مارچ ۱۹۳۱ء مین "حلیہ مبارک آنحضرت" کے فاضل مضمون نگار مولوی خواجہ غلام حسنین صاحب پانی پتی نے تحریر فرمایا ہے کہ ہند ابن ابی ہالہ یعنی حضرت امام حسن علیہ السلام کے ماموں حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے

اور حضرت سُن رہے ہین"۔ جب یہ حدیث سُن چکے تو آپ فرماتے ہین کہ چندے روز تک مین نے اُسکا ذکر اپنے بھائی امام حسین سے نہ کیا۔ پھر جب مین نے اُن سے یہ حدیث بیان کی تو معلوم ہوا کہ وہ پہلے ہی اسکی تحقیق کر چکے ہے اور جو بات مین نے دریافت کی تھی وہ خود اُسکو دریافت کر چکے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے والد بزرگوار سے آنحضرت کے مدخل (گھر مین تشریف لانے) اور مخرج (گھر سے باہر تشریف لیجاتے) اور شکل (طرز روش) کا کُل حال دریافت کر لیا تہا۔ کوئی بات باقی نہ چھوڑی تھی"۔ اِسکے بعد فاضل مضمون نگار نے خود حضرت امام حسین سے روایت فرمائی ہے کہ وہ حضرت اپنے پدر بزرگوار سے آنحضرت کے مدخل مخرج اور مجلس کا حال دریافت فرماتے ہین اور جناب امیر ہر جگہہ کی حالت کو بہ تفصیل ارشاد فرماتے ہین۔

کبریا عزت

کسی نے حضرت کو کبر سے نسبت دی۔ فرمایا۔ کبر خدا کے لئے ہے جسکا کوئی شریک نہین۔ لیکن خدا فرماتا ہے کہ "عزت" مومنین اور رسول کے لئے ہے۔

مروان کو عملی دلیل دکھائی گئی۔

ایک دن مروان نے حضرت سے کہا کہ اگر فاطمہ (علیہا سلام) تمہارے لئے باعث فخر نہ ہوتین تو پھر تم کس سے فخر کرتے۔ حضرت نے ہاتھ بڑہا کر مروان کا ٹیٹوا پکڑا اور زمین دکھا کر فرمایا۔ اگر جواب ہوگیا ہو تو تصدیق کر۔

معاویہ کے دورہ کے زمانہ مین ایک سائل آیا اور اُسنے سوال کیا۔ معاویہ نے حسین سے صلاح کی اور آپنے سفارش کی۔ معاویہ نے کچھہ دیا اسپر اعرابی نے شعر پڑھے جو انکے ابائے طاہرین اور اُنکی مدح پر مشتمل تہے۔ اشعار سنکر معاویہ نے کہا کہ دیا مینے اور تو حسین کی تعریف کرتا ہے۔ اُس نے جواب دیا۔ تو نے اُنکا حق غصب کیا اور انکے سفارش سے بخشش کی۔

مروان ابن حکم نے اپنے دور حکومت مین فرزدق شاعر کو نکلوا دیا۔ جب یہ حسین کے پاس آیا تو آپنے اُسے چار ہزار دینار عطا فرمائی۔ جب مروان کو معلوم ہوا تو اُس نے آپ سے کہا۔ یا ابن رسول اللہ ایک دروغ گو شاعر کو اِس قدر عطا کی ضرورت نہ تھی۔ فرمایا۔ بہترین مال وہ ہے جسکے عطا سے عزت محفوظ رہے۔ رسول نے بھی عباس ابن مرداس کو اُسکی زبان سے محفوظ رہنے کے لئے کچھہ عطا فرمایا تھا۔

حضرت کا قول ہے کہ "دنیا کے لوگ مال کے بندے ہین اور دین اُنکی زبان پر ایک مہمل لفظ ہے جبتک دین سے اُنکی معاش حاصل ہے اُسوقت تک اُسکے گرد رہتے ہین مگر جب آزمایش کیلئے خالص کیجاتے ہین اُسوقت دین دار کم ہوجاتے ہین" (اخلاق حسینی)

روایت ہے کہ حضرت کے زمانہ مین مدینہ مین کوئی ایسا مسکین نہ تہا جسے حضرت سے وظیفہ ملتا ہو (بحار الانوار)

جناب امیر اور طاہرہ کے اوقاف اور حسین۔

حضرت امام حسن کی شہادت کے بعد حضرت امام حسین از روئے وصیت اُن اوقاف کے متولی ہوئے جو جناب امیر اور حضرت فاطمہ زہرا نے کئے تھے۔

انگوٹھی کا نقش

حضرت کی انگوٹھی پر نقش تھا کہ "ان اللہ بالغ امرہ (خدا اپنے حکم کا خود بجا لانے والا ہے) یا ثقتی باللہ (میرا بھروسہ خدا پر ہے)۔

عدد اولاد

بقولے چار لڑکے اور دو لڑکیاں۔ بقولے چھ لڑکے اور دو لڑکیاں۔ بقولے چھ لڑکے اور چار لڑکیاں علی اکبر۔ لیلے بنت عروہ سے۔ علی اوسط ملقب بہ امام زین العابدین شاہ زنان سے علی اصغر ماں کا نام معلوم نہیں۔ محمد۔ حال معلوم نہیں۔ جعفر اور عبداللہ۔ رباب بنت امرالقیس سے تھے۔ فاطمہ۔ ام اسحق سے۔ زینب۔ ماں کا نام معلوم نہیں۔ ایک اور لڑکی۔ ماں کا نام معلوم نہیں (جنات الخلود) تاریخ خمیس کے موافق حضرت کی اولاد کے نام علی اکبر۔ علی اصغر۔ جعفر۔ فاطمہ اور سکینہ ہیں۔ یہی مورخ ذخائر العقبےٰ سے چھ بیٹے تین بیٹیاں لکھتا ہے۔ علی اکبر۔ علی اصغر۔ علی زین العابدین۔ محمد۔ عبداللہ۔ جعفر۔ زینب۔ سکینہ۔ فاطمہ۔

زوجات

سوائے کنیزان خاصہ کے تمام عمر میں پانچ عقد کئے۔ شہربانو بنت یزد جرد۔ رباب بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود ثقفیہ۔ رباب بنت امرالقیس بن عدیہ کلبیہ ام اسحق بنت عبداللہ تمیمہ قضاعیہ (باپ کا نام معلوم نہیں (جنات الخلود)۔

باب ششم کا نشو

امیر شام جنگ کرنے کی غرض ظاہر کرتا ہے۔

اُن باتوں کے کہنے کے بعد جنکا گذشتہ ابواب سے تعلق تھا ہم اب اُسکے ایسے نشو پر پہونچے ہیں جسکی صورت حال ابن ابی الحدید کی اِس روایت سے بہت اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے جسے میں بحار سے نقل کرتا ہوں کہ معاویہ نے نخیلہ میں خطبہ دیا اور اُسمیں کہا "خدا کی قسم میں نے تم سے اس امر پر مقاتلہ نہیں کیا کہ تم نماز پڑھو اور نہ اِس لئے کہ روزہ رکھو اور نہ اِس لئے کہ تم حج کرو اور نہ اس لئے کہ زکوٰۃ دو کیونکہ یہ امور سب تم بجالاتے ہو۔ بلکہ میں نے تم سے اسلئے مقاتلہ کیا کہ تم پر امیر ہو جاؤں"۔ ابن خلدون اُسکے میں

بنی امیہ کے متعلق لکھتا ہے کہ "یہ وہ زمانہ تہا کہ لوگ شان نبوت اور خوارق کو بھلا کر قومی حمیت
اور غلبہ پر آپہنچے تھے اور یہ بات کل عرب اور مضر پر بنو امیہ کو حاصل تھی۔"

معاویہ کے پیشتر مصلحت کی مماثلت۔

کیا۔ اگر بنی امیہ کی جنگ اپنی امارت کے قبول کرانے کے لئے تھے اور رسومات دین کی بجاآوری کیلئے
نہ تھی تو مین غور کرتا ہون کہ معاویہ کے پیشتر و لوگون کے بعض افعال امورات شریعت کے قیام
کے لئے تھے؟ کیا وہ لوگ قتل نہین کئے گئے جنھین اصحاب رسول نے قتل ہونے کے قبل نماز پڑھتے
دیکھا اور اذان دیتے سُنا تھا۔ کیا مانعین زکوٰۃ اصولاً ادائے زکوٰۃ کے مخالف تھے اور شریعت
مین ترمیم کرنا چاہتے تھے؟ نہین وہ خود ساختہ امتیازہ کی مخالفت کر رہے تھے جسے نہ جمہور نے کسیکو
عطا کیا تہا اور نہ اُنکے مستند رہنما نے اُسے آیندہ کا امام قرار دیا تہا جسنے اس علم پر اُنکے قتل کرنیکے
لئے فوجین روانہ کی تھین کہ وہ "ہمین" خلیفہ تسلیم نہین کرتے ہین۔ اسی موقع پر علامہ سید رشید رضا

علامہ سید رشید رضا کی متعلق تقریر۔

اڈیٹر المنار کی تقریر کے ایک جزو کا پیوند لگانا چاہتا ہون جو اُنھون نے ندوہ سنہ ۱۲ کے جلسہ مین
فرمائی تھی۔ مجھے اُنکی تقریر کے موقع کا لحاظ ہے اور اُنکی احتیاط کا معترف ہون جہان وہ فرماتے
ہین "اگر ہم اس موقع پر خلفاء راشدین کی حکومت سے قطع نظر کرین کیونکہ وہ پیغمبر اسلام (علیہ الصلوٰۃ
والسلام) کے جانشین تھے اور اُن پر ہم دیگر حکومتون کو قیاس نہین کرسکتے تو کم سے کم بنی امیہ اور عباسیون کی
حکومتونکو تو پیش نظر لاسکتے ہین۔ بلاشبہ یہ دونون حکومتین قانون اور انتظام کے لحاظ سے رعایا پر
سب سے زیادہ مہربان اور فیاض تھین مگر دیکھو کہ اونھون نے اُن اشخاص کے ساتھ کیا جابرانہ برتاؤ
کیا جو اُنکے اقتدار کے مخالف تھے۔ یہانتک کہ اُنھون نے آل رسول (علیہ السلام) کو ذبح کرنے مین بھی دریغ
نہین کیا۔ وہ آل نبی مین سے جسکو جہان پاتے تھے اس وہم سے کہ مبادا وہ انکی حکومت مین خلل انداز ہون
بے تکلف قتل کر ڈالتے تھے۔" اس تقریر کے الفاظ "اگر" "کم سے کم" "آل نبی" "وہم" "مبادا"
"بے تکلف" اپنی آپ ہی شرح ہین۔

وہ کڑی جو بنی تمیم اور بنی امیہ کی مصلحت کو جوڑتی ہے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے مغیرہ ابن شعبہ کے متعلق یہ فرمانے کا موقع پایا تہا کہ "وہ اسلام کو ہلاک
کرتا رہا۔" ہمنے احتیاط کی ہے کہ مغیرہ ابن شعبہ کے اساس مصلحت کو لکھتے ہین۔ اور یہ دکھلاتے ہین
کہ وہ کونسے لوگ تھے جنھین اِن ذات شریف سے صلاحین لینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور وہ سچائی
جو اپنی صورت دکھانی تھی کہ اسکی یہی مثال ملتی کہ اور وہ کون تھا جسنے اسلام کے اس ہلاک کرنیوالے

کی صلاح قبول نہ کی۔ اگر مجبہتی مصلحت اور اتحاد غرض سے چشم پوشی بہی کیجائے تو یہ امر خیال کرنے کے قابل ہوگا کہ گذشتہ تین دور اور بنی امیہ کے حصول اختیار مین مغیرہ ابن شعبہ کی ذات نہ صرف جوڑنے والی کڑی ہتی بلکہ اسکی دونون مین شرکت ایک چیز تہی جو ان دونون حکومتون مین قوی مماثلت کے قرائن سے پُر ہتی۔ اور یہ تو صاف ظاہر ہے کہ قرون ثلاثہ کی مصلحت بنی امیہ کو وراثت مین ملی تہی۔

بنی امیہ کو قرون ثلاثہ کی مصلحت ورثہ مین ملی ہتی۔

مین نے کہا ہے کہ قرون ثلاثہ کی مصلحت بنی امیہ کو وراثت مین ملی تہی۔ یہ اس خیال سے ہے کہ اُس زمانہ مین جبکہ بنی ہاشم صاحب اختیار ہو جا سکتے بنی امیہ خاموش تہے اور بنی عدی یا تیم اسکے خلاف ایک مصلحت کے موجد ہوئے اور جب سے انہون نے بنی امیہ کو اسپنے لئے خریدا بنی امیہ اپنے اس اظہار خیال سے باز آئے کہ بنی عدی اور تیم قریش مین کوئی ذی اثر قبیلہ نہین ہے۔ بلکہ وہ اب بنی ہاشم کے خلاف انہین (عدی وتیم کو) اپنی جگہہ مضبوط کرنے لگے اور انہین (بنی امیہ کو) خود اپنے لئے کہڑے ہونیکی جگہہ ملگئی اور آئیندہ تجربہ نے بتایا کہ ہم بنی ہاشم کے دلنشین تقدس اور عظمت کے مقابل اگر ٹہہر سکتے ہین تو اُس مصلحت کی پیروی سے جو ہمارے بحال کرنے والے کر گئے۔ لازماً بنی امیہ جب تک بنی عدی اور تیم کے ماتحت رہے نہ انہین شہنشاہی کے بڑے مصالح خود گڑہنے پڑے اور نہ وہ بنی ہاشم کے متعلق مصلحت کی اُس صورت مین زیادہ پرجوش ہو سکے جس قدر موقع کی مصلحت کے لحاظ سے بنی عدی اور تیم نے سختی جائز رکہی تہی۔ بلکہ بنی ہاشم کی دفعتہً بے دست وپائی اور عدی وتیم کی قوت کے باوجود نامقبولیت کے خوف نے غیر محتاط سختی سے آپس مین ایک یہ سمجہوتہ کرا دیا کہ نہ تم ہمارے اختیار کے خلاف کوشش کرو اور نہ ہم تمہین آئیندہ کسی مزید آزمایش کی تکلیف دین۔ یہ مصلحت معاویہ کے زمانہ تک قایم رہی اگرچہ دور ثالث یعنی بنی امیہ کے عود اختیار سے جو کرخت تحرک ہو سکتا تہا اُسکا تذکرہ کیا گیا۔

قرون ثلثہ کی مصلحت بہی بنی امیہ کے جوش عداوت کا ورثہ تہی

لیکن یہ بہی کہا جا سکتا ہے کہ قرون ثلاثہ کی مصلحت ورثہ تہی بنی امیہ کے اُس جوش عداوت کا جو حصول اختیار کے لئے تہا۔ ممکن ہے کہ بنی امیہ کی عداوت مین جو انہین نبی برحق سے تہی مذہبی عنصر کا بہی کوئی جزو ہو لیکن بنی امیہ اور بنی ہاشم کی عداوت نبی عربی کی بعثت سے بہت قبل کی تہی جسمین مذہب کا کوئی جزو نہ تہا بلکہ اگر تہا تو نام اور نمود کا جسنے امیہ کی اولاد مین حسد پیدا کیا اور وہ برابر بنی ہاشم کی بیخ کنی مین مبتلا رہے۔ نہ بنی امیہ اسلام کے لئے اسلام لائے اور نہ کبہی اسلام کے سیاسی

اقتدار کی ذرا سی لغزش دیکھکر اُنہین طنز کرنے مین تکلف ہوا اور عثمان کے خلیفہ ہوتے ہی ابوسفیان
بقیع مین پہنچا جو اُسے کہنا تہا۔ یہ اُسکی تمام ساخت تمام فطرت اور تمام خیال کا ائینہ تہا۔ اور ہم ایک
موقع پر پہونچنے والے ہین جہان یہ کہا جائے گا کہ "بنی ہاشم نے ملک کے ساتھ کھیل کھیلا نہ کوئی خبر
آئی تہی نہ وحی نازل ہوئی تہی"۔ ہم مین سے بعض سوچ سکتے ہین کہ یہ ایک اظہار خیال ہے جس سے مذہب
کی جو سخت ترین احتیاط بلکہ دشمنی کے طنز سے دور کی گئی ہے لیکن کوئی کہہ سکتا ہے کہ سیاسی حیثیت سے
اسکی بے تمیزی ظاہر ہے جس مین اسکا لحاظ نہین کیا گیا کہ سننے والے کون تہے لیکن مین ان دونون
باتون سے الگ سونچتا ہون اور وہ یہ ہی کہ موقع آیا تہا جسمین لوگ اِس درجہ دینی حرارت سے خالی
ہوگئے تہے کہ وہ اپنے قومی مذہب کی ایسی سخت جھنجھوڑ پر بہی اپنے کو بے حس پاتے۔ یہ خالی ہونا ایک
دن کا کام نہ تہا انکا یہ حس اُس وقت ضائع نہین ہوا تہا جس وقت یہ انتہا پسند فقرہ کہا گیا بلکہ اُنکے
حس کا ضعف اُس وقت سے شروع ہوا تہا جس وقت سے اُنہون نے یا اُنکے اباو اجداد نے اسے
گوارا کر لیا تہا کہ اپنے ہر طرح کے محسن کے آخری فرض کے ادا کرنے کے قبل ہم اپنا موقع طے کر لین۔ نہ ہو کہ
اُسکے دفن کے ساتھ ہماری آرزو بہی دفن ہو جائین۔ اور کیا یہ اسکے قبل ہو سکتا تہا جب تک وہ اپنے
محسن کے اُن تمام اقوال کو جو عدم خودغرضی اور عدم موقع بینی کا سبق سکہاتے ہون اپنی توجہ اور طاقت
کے شایان نہ سمجہتے ہون جماعت انسانی کا کوئی عاجز اور دنی الطبع انسان ذلت کا پہلا بت نہین ہے
بلکہ وہ ایسے اتفاقات مین بسر کر چکا ہے کہ زمانہ نے اُسے اپنی قوتون کو اُس طرح صرف نہ کرنے دیا جس
طرح وہ پیدا ہوا تہا۔ اور جس طرح اُسکے نشو کا فطری اقتضا تہا۔ بلکہ وہ ایسے بوجہ سے دبا تہا کہ بلند نہ
سکتا اور اگر چلنے کی راہ بہی پاتا تو ایسے راستون سے جو اُس سے بہتر موقع کے کسی نفس کے لیے ذلت کی
انتہا ہوتی۔ تم چاہتے ہو کہ گلا ہوا بیج اچہا درخت اُگائے۔ اور شاید یہ بہی تمہارے مشاہدہ یا سمعی تجربہ
مین ہو کہ ضعیف البصر باپ کا فرزند بہی ضعیف البصر اور بہرہ باپ کا بیٹا بہی اکثر بہرا ہوا ہے یا بسا اوقات
بیٹا اپنے ماں باپ کے امراض وراثتاً پاتا ہے۔ تم نے کب خدا کا قانون یہ دیکہا ہے کہ لومڑی نے
شیر کا بچہ جنا ہو۔ ہمین اِس سے انکار نہین کرسکتا کہ اگر کسی شجاع قوم سے جرأت کا احساس دور کیا جاسکتا
ہے تو بودی قوم یا وہ جو جرأت کہو چکی ہے کیون نہ شجاع بنائی جاسکتی ہو۔

اور کیا یہ انسانی تجربہ مین ہے کہ کوئی شخص کسی امر مین فوراً انتہا پسند ہو جائے جب تک کچھ وقت

عداوت اور بے لحاظی کی انتہا۔

اسکے نشو پر نظر

اُسے ہٹاتا ہوا ایک جگہہ قایم نہ کر دے۔ وہ شخص جو یہ کہہ سکتا تہا کہ بنی ہاشم نے ملک کے ساتہہ کہیل کیا و تخت شاہی پر تہا اُس نے اپنے پہلے بادشاہ کے طرزِ عمل کو دیکہا تہا اور وہ روایتین اور ترکیبین سُنی اور دیکہی تہین جو اُسکے پیشروون نے اپنے کو اپنی جگہہ مضبوط کرنے کے لئے کی تہین اُسے یہ بہی علوم تہا کہ ذاتی منفعت یا احتیاط کی مصلحت نے لوگون کو بہی اپنی جگہہ پر رکھا اور اب نسبتاً اس آب و ہوا مین پرورش پلتے ہوئے اس قدر زیادہ زمانہ گذرا ہے کہ کسی مخالف احساس کے پیدا ہونیکی امید نہین ہے۔ یعنی اُسکی جرأت لوگون کے مردہ احساس پر مبنی تہی۔

اور اگر یہ انتہا پسندانہ بے تمیزی تہی تو اسکے قبل اعتدال کے زمانہ مین کیا ایسی باتین نہ گذری تہین جو ایک ذکی الحس کے لئے اینٹھنے کو ناکافی ہوتین م نام اور غرض بہول جاؤ اگر چاہو لیکن کون سے مراحل باقی بچے جو طے ہونے سے بچ رہے تہے۔

آج سے کچہہ ہی قبل تک ایسی صدا اُسکتی تہی کہ رسول۔ سیدۃ النسا اور ولایت مآب کے دفن مین شرکت نہ ہونے سے شرم اور انابت کی ویل سُنائی دے۔ اور لوگ سمجہین کہ علی اور فاطمہ نے ہمین شرکت تجہیز و تکفین کے قابل نہ سمجہا وہ اس لئے ہو کہ ہمنے اُنکے ساتہہ تجاہل جائز رکھا تہا یا اس لئے کہ ہم اُنکی کارگذاری کے دیکہنے مین اُلجہے ہوئے تہے جنہون نے دفن رسول پر بعض سرگرمیونکو مقدم رکھا۔ لیکن ہمارے زیر تبصرہ باب مین واقعات کا نشو اس طرح ہو رہا تہا کہ نبی کے نواسہ کا دفن ایک عبرت ناک تاریخی واقعہ ہو جاتا۔ اور اس سے کہین بڑہکر واقعات تو ابہی باقی ہین۔ صرف مدارج اور مراتب کو زیر نظر رکھو۔

علی و فاطمہ کا فرزند (جو انک لعلیٰ خلق عظیم کے مصداق کا فرزند تسلیم کیا جاتا اگر لڑکے سے مراد ذات و صفات کے فطری انتقال کا سلسلہ ہے۔ جو خود بہی اپنے خُلق کے لئے مشہور ہوتا) اُسکا قایمقام ہوا جسنے فرمایا تھا کہ مجہے صلح سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس سرچشمہ شرافت و تہذیب (حسن) نے اپنی عمر مین ایک مرتبہ جو سب سے سخت جملہ استعمال کیا وہ یہ تہا کہ وہ تیرے لئے میرے پاس بجز ذلت کے کچہہ نہین ہے"۔ لیکن رسول کا قایمقام اُس قوم کا امام ہوا جس سے اُسے شکایت تہی جسکے مثل متقدمین نے نہ دیکہا تہا اور متاخرین جیسا نہ دیکہین گے"۔ حسن نے اپنی آنکہون سے اس قوم کے بہت سے انداز دیکہے تہے اور وہ دیکہہ چکے تہے کہ اُسے اگر کچہہ پسند ہے تو روپیہ اور امتیاز اُسے کچہہ غم نہین ہے کہ تم بہ حیثیت رہنما ہونیکے

حسن اور اُنکا موقع

اپنی روش مین حق کی پیروی کر دیا حق کے خلاف جاو لیکن ہمارا شکم تمہاری آنکھوں سے او جھل نہو۔
حسن کو تجربہ تھا کہ کس طرح عین فتح کے وقت یہ لوگ پھر جا سکتے ہین بلکہ دشمن کو حوالہ کر دینے کی دہمکیان
دے سکتے ہین خوفناک ہوگا وہ وقت جب انکے ساتھ شکست ہو۔! پھر بھی یہ تو دور پہونچے ہوئے
زمانہ کا قصہ تہا حسن اپنے کو اُس وقت کو نسے عناصر مین گھرا ہوا دیکھتے تہے اور وہ کس درجہ امید
افزا یا ہمت شکن تھا۔ پُرانے دشمن نے قصہ حلکم کے بعد "بیعت خلافت" لی تہی یا کم سے کم جناب
امیر کی شہادت کی خبر سنکر اپنے کو "امیر المومنین" مشہور کیا۔ اپنی بیعت خلافت ہو رہی ہے۔
قیس ابن سعد جوش وفاداری مین بیعت کرتے وقت "قتال ملحدین" کی شرط کا عام مجمع مین نام
لیتے ہین۔ امام تفصیل کو احتیاط سے دور سمجھ کر روک دیتے ہین کہ "کتاب خدا وسنت رسول مین دیگر
شرائط بھی شامل ہین" یقیناً اس خیال سے کہ جب تک قیس کے علاوہ اور لوگون کا میلان اور آمادگی
ظاہر نہوئے اُسوقت تک ایسی کسی شرط کا اعلان مصلحت کے خلاف ہے۔ اِس سے ہم تیار دشمن کو
اور تیاری کا موقع دینگے بلکہ وہ ہماری تیاری کے قبل پیش قدمی کرسکتا ہے درانحالیکہ ہم اُسکے
دفاع تک کے لئے اپنے پاس سامان نہ دیکھین۔ اور قوم کے غیر قائم متانت اور ہلکے فیصلہ پر غور
کرو کہ اُسے یہ احتیاط اچھی معلوم نہین ہوتی۔ کیا اِس لئے کہ وہ جوش جنگ سے بھری ہوئی تہی؟
یہی تو نہ تہا۔ ایسے نہ صرف صفین کے بعد کی تاریخ۔ قوم کے موجودہ افراد کی ترکیب۔ حسن کے
ساتھ معاملت۔ اُنکا سوال۔ اُسکا جواب۔ حسن کا تصفیہ یہ سمجھائے بغیر نہین رہتا کہ قوم کے
قومی حس مین گھن لگ گیا تہا۔ غیرت اور حمیت کی جگہہ روپیہ اُسکی نگاہونکے سامنے تہا اور ذلیل
زندگی اُنھین میدان جنگ کی پُر افتخار موت سے زیادہ پسند آنے لگی تہی۔ حیات کا یہ نسخہ
قومی ہوش اور خصوصیات سے خارج ہوگیا تہا کہ "جنت تلوارون کے سایہ مین ہے"۔ قومی خیال
اور اعلیٰ حوصلون کا کوئی مرکز نہ رہا تہا۔ اور اپنے قومی وقار اور غرور کی قیمت بھول گئے تہے
کوئی چمکتی ہوئی چیز دکھا دو وہ اُسکے پیچھے ہین۔ کہین ظاہری شان کا ڈھیر ہو اور اُنکی حریص
زبان چاٹ لینے کو لٹکی ہے اور غلامانہ ذلیل انداز دوسے بلائین لے رہی ہین۔ کوئی اس قوم
سے پوچھتا کہ آخر وہ چاہتی کیا تہی کہ جب اُسے جنگ کے لئے بلایا جاتا تہا تو موت کا ایسا سکوت اُسکی
ہر سانس سے پیدا ہوتا تہا اور جب ملامت کے طنز سے کہا جاتا تہا کہ اگر تم جنگ کے لئے آمادہ نہیں

ہو تو مین تمہین ایسی بات پر مجبور نہین کرتا جس سے تمہین کراہت ہے تو وہ اُس بچھونے تک
کو لوٹ لیتے ہین جسپر اُنکا امام بیٹھا ہو۔ نتیجہ دونون کو معلوم تھا کہ جنگ کے وقت جنگ نہ کرنا
کیا معنی رکھتا ہے۔ اور اُس جواب کو سنو جو اُنھون نے دیا۔ کوئی تسکین نہین دیتا۔ کوئی
جان دینے والا دکھائی نہین دیتا۔ کوئی لفظ ایسا نہین سنائی دیتا جس مین ہمت کی گرمی
ہو۔ جواب یہ ہے کہ اُنکی آنکھین چیزین تلاش کرتی ہین جو وہ لیجا سکتے ہون۔ اُنھین یہ خیال نہین
ہوا کہ وہ یہ دیکھتے کہ ایسے وقت اپنے اقتدار کی حفاظت اور ذلت سے بچنے کے لئے ہمارے پاس
تلوار ہے یا نہین۔ اُنہین اقتدار اور ذلت سے کیا بحث تھی۔ اُنھین مال اور چیز کی ضرورت
تھی۔ اُنہون نے وہ بساط نہین کھینچی تھی جسپر رسول کا نواسہ بیٹھا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ دین کا
اقتدار ہم اُلٹ رہے ہین۔ کیون۔ اس لئے کہ کچھ پا جائین۔

حسن ایسے سمجھ رہے تھے۔ اُنکے لئے ذلت تھی۔ وہ اپنے کو ایسی قوم کا امام کہتے۔ کہان تھے وہ سپہ سالار
جو اِس ذلیل مواد کو سپاہیونکی فوج کہتا۔ کون ہے وہ جارح جو یہ سوال کرتا ہے کہ حسن نے جنگ کیون کی
مانا کہ قیس ابن سعد کے ماتحتی مین بارہ ہزار سپاہی تھے۔ اور دشمن کی فوج جو روانہ ہوئی ۶۰ ساٹھ ہزار
تھی۔ اور خبرین ہین کہ قیس محاصرہ مین آگئے تھے۔ انکا محاصرہ مین آجانا نہ انکی فوجی غلطی تھی اور نہ دشمن
کی کوئی تعریف۔ پھر بھی شجاعت اور وفاداری کے اس روشن چراغ نے اپنے گروہ اور اپنے وقار کو
محفوظ رکھا جو کسی کمزور دل یا حریص سے ہر طرح ممکن تھا کہ یا وہ دشمن کی کثرت اور یا دولت سے مرعوب
اور مغلوب ہو جاتا۔ کمزور طبیعت موقع بین مدبر ابن عباس اپنے کو اپنے قومی استقلال کے
درجہ سے گرا دیتا ہے لیکن مشہور انصاری اپنے عہد اور خلوص کو نہین بھولتا۔ یہ قیس کی ذات تھی
جسنے معاویہ پر اس درجہ اثر کیا کہ اُسنے باوجود اسکے کہ اُسکی فوج پانچ گنی زیادہ تھی اور مزید کمک کی
امید کرسکتا تھا۔ لیکن پھر بھی جنگ چھیڑنے کی جرأت نہ کی۔ بلکہ ایک دوسری فوج حسن کی طرف روانہ
کی۔ امید کیجا سکتی تھی کہ اگر بارہ ہزار سپاہی شام کے ساٹھ ہزار سپاہیونکو مستعد جنگ نہ کرسکتے تھے تو
امام کا اصل فوجی مرکز شام کی تمام فوجی قوت کا آسانی سے مقابلہ کرسکتا تھا اور چونکہ اسوقت تک
ایسے پُر زعم ملحدانہ خیالات پیدا ہوئے تھے کہ "خدا سب سے بڑے دستہ فوج کی طرف ہے" بلکہ کم من فئة قليلة
غلبت فئة كثيرة کو جانتے تھے غالب قرینہ تھا کہ امیر شام اپنے گھر کا راستہ آسانی سے لیتا۔ یہ سب

کچھ تخیلاً صحیح لیکن لوگ کہاں تھے جنہیں یہ یاد ہوتا۔ وہ تو ان خبروں کے سننے کے عادی ہو گئے تھے کہ امیر شام نے بغیر نکسیر پھوٹے یمن۔ عراق۔ بصرہ اور جزیرہ پر قبضہ کر لیا۔ نہ اُنھیں کروٹ لینے کی ضرورت تھی کہ ہم اپنے اُن مقامات کو محفوظ اور واپس کریں نہ اسکا غم تھا کہ ہم بقیہ کی فکر کریں وہ ابن عامر کی تقریر سنتے ہیں اور منتشر ہونا شروع ہوتے ہیں۔ یہانتک کہ امام مدائن کی واپسی پر مجبور ہوتے ہیں یہ دیکھنے کے لئے کہ ران میں نیزہ کا زخم کھانے کے بعد اگر ربیعہ اور ہمدان حفاظت کے لئے کھڑے نہ ہو جائیں تو آج ہی ہماری شہادت میں کوئی شبہہ نہیں۔

اور جب امیر شام جناب امیر کے متعدد دستوں کو پھلجھڑی چھوٹنے کا تماشہ دکھا سکتا تھا جس سے سفید اور زرد رنگ کے پھول گرتے وہ دیکھتے یا نہ دیکھتے تو اب تو معاویہ کو اپنی اِس مصلحت میں کافی تجربہ ہو چکا تھا اور بقول علامہ مجلسیؒ حضرت (حسن) کے ساتھ کوئی ایسا شخص کہ جسکے فریبوں سے حضرت مامون ہوں باقی نہ رہا مگر مخصوص شیعہ اُنکے پدر بزرگوار کے اور خود آنجناب کے اور وہ ایسے قلیل تھے کہ مقاومت لشکران شام کی نہ کر سکتے تھے"۔ اور اطمینان دیکھو امیر شام کا کہ اب اُسے ایسے صیغہ راز کے کاغذات کو چھپانے کی بھی ضرورت نہیں ہے جس میں لوگ حسن کو غفلت سے قتل کر ڈالنے یا سپرد کر دینے کو لکھتے ہیں اِس لئے کہ چھپانے کی تو اُسوقت ضرورت ہوتی ہے جس وقت یہ اندیشہ ہو کہ نہ چھپانے سے ہماری غرض میں کامیابی نہ ہوگی۔ اِسکے برعکس وہ لوگ معلوم نہ تھے جو حسن کی حفاظت کر سکتے۔ اب اسکے بعد ان بیوفائی کے اسناد کا حسن کے پاس بھیجنا کسی طرح معاویہ کی سیاسی غلطی نہ تھی بلکہ بجائے خود ایک سیاسی اقدام تھا جس سے حسنؑ میں یاس اور شبہہ پیدا کر سکتا۔

صلح حسن پر نظر۔

آب حسن کیا کر سکتے تھے؟ جہانتک واقعات کی بنا پر رائے قائم کیجا سکتی ہے حسن کے لئے دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ اپنے لامعلوم یا معلوم چند دستوں کے بھروسہ پر تلوار ہاتھ میں لیتے اور برابر جنگ کرتے رہتے یہانتک کہ یا تو انکا مختصر گروہ نیست و نابود ہو جاتا اور یا یہ معاویہ کو متواتر شکستیں دیکر ملک کا کوئی حصہ اپنے لئے مخصوص کر لیتے اور یا لڑتے لڑتے ایک لامعلوم طویل زمانہ کے بعد جبکہ حسن اور معاویہ ہوتے یا نہ ہوتے حسن کے قائمقام اپنے کو والی امر دیکھتے۔ لیکن اِن تمام باتونکا جواب کیا حسن کے اِس مخاطبہ میں نہیں ہے جو اہل عراق سے فرماتے ہیں جس سے صاف لفظوں کا حالت بیان کرنے کے لئے تلاش کرنا غیر ضروری ہے مگر معاویہ نے ایک امر پیش کیا ہے جسمیں تو عزت ہے اور انصاف

بس اگر تم موت پر راضی ہو تو ہم اِس امر کو قبول نہ کرین اور اُن سے اللہ تعالےٰ کے بھروسہ پر تیز تلوارون سے محاکمہ کرین اور اگر زندگی کو دوست رکھتے ہو تو ہم اُسکو قبول کرلین اور تمہارے لئے خوشنودی حاصل کرین"۔ قیاس نہین کیا جاسکتا کہ یہ ایک ایسا مجمع ہو جسمین تمامتر دوست یا تمامتر دشمن ہون۔ بلکہ کم ہی سہی لیکن کچھہ ایسے ہونگے جنہین انکے حقوق کی حمایت پسند ہوگی لیکن وہ اِس خیال سے کیون نہ ہو کہ زیادہ تر کو خاموش دیکھکر بولنے کی جرات نہ کرسکے کم سے کم اپنی خاموشی سے صلح اور جنگ کے مسئلہ کا فیصلہ کر رہے تھے۔ اور جو بولے بھی وہ یہ کہ "صلح قایم رکھے"۔ آگے بڑہو اور اُس شجاع افسر قیس ابن سعد کے مخاطبہ پر غور کرو جسکا جواب بھی یہ نہین دیا گیا کہ ہم لڑینگے بلکہ امام گمراہ کی اطاعت کرینگے۔ اِس لئے کہ بجائے قتل ہونے کے اپنے مال اور عیال کی محبت تھی۔ یہان قوم اپنی آزادی اور غلامی کا تصفیہ کر رہی تھی۔ یہان اب سوال کیا جاسکتا ہے کہ اگر حسن تلوار ہاتھہ مین لیتے تو کس قوم کے لئے۔ جو فتح کرتی کر پھر یہ قوم حکومت کرے یا اسکی ذلیل اولاد اپنے کو حکومت کا شایان قرار دے۔ جبکہ اولاد کے بزرگون سے سختیون کے مقابلہ کرنے کی قوت جاتی رہی تھی؛

صلح اور جنگ کا تصفیہ

آزادی اور غلامی کا تصفیہ

بے سود کوشش

دوسرا پہلو

اب مین اسکو دوسرے پہلو سے دیکھتا ہون اور وہ یہ تھا کہ کیون نہ حسن نے اپنے ممکن آدمیون کے اختیار پر قایم رہنے کی کوشش کی۔ لوگ اِس قابل ہوتے یا نہ ہوتے۔ اور رفتہ رفتہ وہ کوئی صورت ایسی پیدا کر دیتے جس سے دوران عمل کی کمی آیندہ پوری ہو جاتی۔ یہ طرز عمل بجائے اِسکے کہ رسول علی اور اُنکی اولاد سے چاہا جائے۔ دور الحاد کا طرز عمل ہوتا۔ یا زیر ذکر زمانہ مین معاویہ نے اپنے کو اِس قابل ثابت کیا۔ اسکا پہلا قدم یہ ہوتا کہ اپنے حصول اختیار کے لئے مخلوقات الٰہی بذر قربانی بنائی جاتی۔ سپاہیون کو قایم رکھنے کے لئے۔ صریح یا غیر صریح طریقون سے رعایا پر ہر طرح کا تشدد ہوتا اور محاصل کے لئے ایجاد اپنی خوفناک تراش خراش سے اُنکے سر پر سوار کیجاتی یا حصول زر کے لئے عام اِس سے کہ کوئی اپنے کو رعایا کہتا یا نہ کہتا اپنے تلوار کا خوفناک وزنی سایہ منوایا جاتا اور دھاک قایم رکھنے کے لئے طریقہ اختیار کئے جاتے جسے دیکھہ کر انسانیت الامان کی پُر درد لیکن بے سود صدائین دیتی رہتی۔ اپنے خلعت کش سپاہیونکو متاثر نہ ہونے دینے کے لئے کہانیان گڑہی جاتین۔ دور از راہ جواب دیئے جاتے۔ تجاہل آفرینی۔ ناحق کوشی۔ غلط اندازی۔ اد

حق کشی کا چرخہ چلتا رہتا اور مدبرین کو تسکین اس سے ہوتی کہ کم سے کم ہمارے ساتھہ دینے والے صاحب اغنیا
ہین جو بجائے خود ایک بڑی نعمت ہے۔ اور اُن برائیون سے محفوظ ہین جو محکومیت کا لازمی نتیجہ ہین مختصر
لفظون مین شارع اسلام اور اُسکے ذمہ دار شارحین کا یہ طرز عمل نہ تھا کہ برائیونکو قبول اور اُسپر عمل کرکے
اُس سے بھلائیون کے پیدا ہونے کی امید کیجائے۔ نشو صفات کا یہ نظریہ دہریت کے دور کا ہے۔ وہ ایسے کسی نظریہ
سے متاثر ہوا نہ ہو کہ انسان بالطبع گناہگار ہے۔ یا خدا کا اماج غضب ہے۔ یا پیدائشاً شور ہے۔ حسن۔ کل مولود
یولد علی الفطرۃ الاسلام کے قایل اور عامل تھے۔ زیر بحث مصالح فطرۃ اسلامی کے پا انداز نہین ہونے تھے
اسلام انسان کے احساس شرافت کے لئے ایک تحریک تھا دنی الطبع بنانے نہین آیا تھا۔ بغیر نظام سیاسی
کے وہ اپنا ایک عنصر کھوتا تہا لیکن اپنی اسپرٹ کے خلاف نظام سیاسی اختیار کرکے مذہب اور سیاست
دونون کے لئے مضر تھا۔

اب مین اسے قبول کئے لیتا ہون کہ حسن کو کچھہ آدمی ملتے۔ لیکن جو واقعات کہ بیان کئے گئے اور جس قدر
زمانہ سے کہ معاویہ کی زر پاشانہ ترکیبین چل رہی تہین اُس سے یہ قرینہ بہت کم ہے کہ زیادہ آدمی دستیاب
ہو سکتے۔ یعنی دشمن کے مقابلہ کے لئے جس قدر لوگ حسن کے ساتھہ ہوتے اُن سے کسی طرح زیادہ دیر تک مقاومت
کرنے اور فتح کی امید نہین کیجا سکتی تہی۔ اور اگر یہ قیاس نہ بہی کیا جائے کہ خلوص کے انتہائے جوش سے
یہ مختصر گروہ ساتھہ نہ بہی چہوڑتا تاہم اس خالص تخم کا فنا کر دینا کسی طرح ایک اصول انسانیت کے پیرو اور
صاحب شعور سپہ سالار کے نزدیک مناسب نہ تھا جبکہ آخری حجت باقی تہی۔ وہ حجت عزت سے
صلح تہی۔

کیا خالص تخم کا فنا کر دینا قرین مصلحت تہا

لیکن صلح پر نظر کرنے کے قبل ابہی زیر بحث مضمون پر کچھہ اور کہنا ہے اور وہ صلح کے خلاف بھین ہونیوالونکی
تعداد ہے یا انکا شمار انگلیون سے زیادہ نہ تہا۔ کیا حسن ان چند نفوس کے اعتبار پر صلح نہ کرتے ان کے
جسم کے تلوار اور نیزون کے لئے کافی ہوتے اور انکے تہوڑے سے اور رفقا شام کے ریلونکو کتنی دیر تک
روکتے۔ یہ بھولنا نہ ہوگا کہ قوم کے غرور اور آن کی یہ زندہ تصویرین جس قدر افسوس اور طنز پر مجبور
ہوئی تھین انمین سے ہر ایک کا جوش اپنی ذات کے اعتبار پر تھا۔ یہ اپنا فرض ادا کر رہے تھے۔ بڑا نا قدر
شناس ہوگا جو انکے جوش کو گستاخی کہے۔ یہ موقع کی گرمی کا جنون تہا۔ کاش ایسا جنون چند ہزار آدمیون

ہوتا! اور جہانتک مین سوچ سکتا ہون حسن کو بھی انکی وفاداری مین کوئی شبہہ نہ تھا۔ ایسے جوش کے وقت جبکہ ایک وفادار سپاہی جبید بن عمر الکندی کے ایک زخم کے متعلق سوال پیدا ہو جاتا ہے اور حجر کا یہ فقرہ کہ "کاش تو اور ہم اُس روز ہلاک ہو جاتے کہ یہ برادن نہ دیکھتے کہ دشمن کی مراد برآئی اور ہلوک دلتنگ اور غضبناک ہوئے۔ موت اِس زندگی سے کہین بہتر تہی" گزرتے ہوئے اختیار اور آزادی کا مرثیہ پڑھتا ہے۔ کیا اُس وقت حسن یہ نہین فرماتے کہ "حجر مجھے تمہاری شفقت اور اپنے بارہ مین تمہارا اعتقاد معلوم ہے" اور کہتے ہین کہ "مین نے تمہاری بہتری کے لئے صلح کی"۔ انہین سے ایک مسیب ابن نجبہ اسکا ذکر بھی زبان پر لاتا ہے کہ آپ نے چالیس ہزار سپاہیونکو بیکار سمجھا اور جب جواب سنتا ہے کہ "جسے معاویہ کے مقابلہ کے لئے بہیجا جاتا تھا اُس سے مل جاتے تہے۔۔۔ اگر ایسا نہ کرتا تو کیا کرتا" تو کوئی قابل اطمینان جواب نہین دے سکتا۔ اور قیس جو معاویہ سے کہہ سکتا کہ "مین نہین چاہتا تھا کہ مین زندہ رہون اور تو حکومت کرے" کیا اپنے جوش اور شجاعت کے باوجود اسکا موقع دیکھ رہا تہا کہ وہ حسن سے اُنکے تصفیہ کے خلاف جنگ کرنے کا اصرار کر سکتا۔ کیا ہوا حمران ابن ابان کے بصرہ پر حسن کے نام سے قبضہ کر لینے کا نتیجہ جنگ اور اُس کا کامیابی سے جاری رکھنا محض تنہا یا چند کا کام نہین ہے۔ اگر سپاہی بغیر سپہ سالار کے بیکار ہے تو سپہ سالار بغیر سپاہیونکے کیا کر سکتا ہے۔

کس حالت مین صلح کی۔

اب جبکہ حسن نے دیکہا تھا کہ زیادہ تر ایسے لوگ میرے گرد ہین جنہون نے "میرے باپ کو مارا۔ مجھے نیزہ مارا۔ میرا گھر لوٹا" اور مقتولین نہروان کا معاوضہ طلب کر رہے ہین اور "جو باقی ہین وہ خاذل ہین۔ اور بدلہ لینے والے ہین" اور "اگر مین معاویہ سے مقاتلہ کرون تو یہ لوگ میری گردن پکڑ کر مجھے معاویہ کے سپرد کر دینگے" تو آپ نے اپنے دوست نما دشمنون کو ترک کرکے اپنے دشمن سے عہد کیا۔ اِس لئے کہ "اگر مین معاویہ سے ایک عہد لے لون کہ مین اُسکے سبب سے اپنی خون ریزی کو روکون اور اُسکے سبب سے اپنے اہل مین امن سے رہون تو یہ امر بہتر ہے اِس سے کہ یہ لوگ مجھے قتل کرین" ونیز اسلئے کہ "اگر مین اُس سے صلح کرون اِس حال مین کہ میری عزت قائم رہے۔ یہ میرے نزدیک بہتر ہے اِس امر سے کہ وہ مجھے قتل کرے اُس حال مین کہ مین اُسکا اسیر ہون یا وہ منت رکھکر چھوڑ دے اور یہ امر باعث عار ہو بنی ہاشم کے لئے قیامت تک اور معاویہ اور اُسکی اولاد ہمیشہ احسان جتاتے اسکا ہمارے ہر زندہ اور مُردہ پر"۔

متذکرہ صدر فقرات مین حسن اپنی حالت کا اندازہ کر رہے ہین - اور دیکھ رہے ہین اگر یا تو میرے ہمراہی مجھے معاویہ کی خوشامد مین دشمن کے حوالہ کر دینگے اور یا مین کسی اسباب کے وجہ سے گرفتار ہو جاونگا - وہ مجھے گرفتاری کی حالت مین قتل کریگا یا گرفتاری کی حالت سے رہا کر دیگا - آخرالذکر صورت بنی ہاشم کی دائمی ذلت اور بنی امیہ کے دائمی افتخار کا ایک سبب ہو جائیگی - اس لئے صلح کر کے کیون نہ عزت قائم رکھی جائے - ظاہر ہے کہ موقع کے لحاظ سے اس سے بہتر کوئی تصفیہ نہین ہو سکتا تھا - معاویہ ضرور تمام ممالک اسلامی پر قابض ہو جاتا اور اسوقت جبکہ اپنی کوششون سے حاکم ہو جاتا بغیر اسکے کہ حسن نے کوئی رعایت کی ہوتی - تو اسوقت حسن کے پاس نہ کوئی رعایت باقی رہتی اور نہ قطعی مجبوری مین انکی صلح صلح کہی جاتی بلکہ وہ سیاسی مغلوبیت سمجھی جاتی اسوقت کی صلح کو معاویہ بہی یہی کہہ سکتا کہ "آزادونکی طرح امر خلافت مجھے حوالہ کر دیا ہے"۔ نظر برین اپنے اور قوم کے حقوق کو مدنظر رکھکر اس سے اچھی کوئی تدبیر نہین ہو سکتی تہی کہ شیشہ ساعت سے تمام بالو کے گر جانیکے قبل رہے سہے ذرات سے وقت کا اندازہ کیا جاتا - با عزت اور حفاظت کے لئے ممکن موافق شرائط لکہوائے جاتے - ابتک اگر جنگ کی قوت نہ تہی تو صلح کا اختیار تہا - ایک شکست کا ہو جانا جسکا موجودہ حالت کے لحاظ سے ہر طرح قرینہ تھا صلح کو بہی اختیار کے باہر کر دیتا - چونکہ اب تک لوگ جانتے تہے کہ قیس - حجر - ابن حمق - عدی - وغیرہ چند ایسے لوگ ہین جو قتل اور زہر سے بچ گئے ہین اور چونکہ یہ سرداران قبیلہ ہین جو کچہہ نہ کچہہ فوجین حسن کے لئے میدان مین لے آئینگے اور بنی ہاشم کے افراد جنگی نئی اپود تیار ہوئی ہے جوش شجاعت مین اس فوج کی روح اور استقامت ہونگے اس لئے یہ قیاس غلط نہین کیا جا سکتا تہا - باوجود اپنی تمام کوششون اور اسکے اثر کے علم کے بہی معاویہ ہوا سے نہ ڈرتا جب تک وہ اور اسکے بعد اموی اور عباسی عالمگیر بادشاہ گوشہ نشین امام کے تنہا وجود کو بہی اپنے لئے مخزن خطر سمجھتے تہے - یہ حسن کے لئے مفید تھا - اور اس سے اگر جنگ ممکن تہی تو عزت سے صلح ممکن تہی - سوال کیا جا سکتا ہے کہ فریقین مین جب نامساوی قوت تہی تو صلح قبول کرنے والے کمزور فریق کو کیا اعتبار تہا کہ زبردست فریق وفائے عہد کرے گا - کوئی اعتبار اور ذمہ داری نہ تہی بجز اسکے کہ اس صورت مین عہد کے اخلاقی اعتبار پر بہروسہ کیا جا سکتا بہ نسبت اس حالت کے جبکہ ظاہر ہے ظاہر مغلوب ہو کر شرائط قبول کئے جاتے - اب تک شرائط لکہوا بہی سکتے تہے - اسوقت محض شرائط قبول کرتے - یہ بہی صحیح کہ کوئی عہد عوام سیاست مین وزن نہین رکھتا جب تک قوت اسکی محافظ نہ ہو لیکن کیا تمہاری دانست مین اس …

اسوقت جنگ اختیار نہ تہی لیکن صلح تہی۔

نامساوی قوت اور اخلاقی اعتبار۔

عہد ہونا قطعاً نہ ہونیکے برابر ہے؟

ان تمام چشم کشا سامانون کی موجودگی مین شرایط صلح کو حتی الوسع اپنے موافق کرنے مین حسن نے ایسے مطمئن انداز اختیار کئے جسکی امید نہین کیجا سکتی تہی۔ اُنہون نے نہ صرف اپنے پدر بزرگوار کے اور اپنے دوستون کے لئے جو اطراف مملکت اسلام مین ہون عہد لیا بلکہ دس ادمیون کے متعلق بہی اِس عہد کے غیر موثر ہونے کو قبول نہ کیا یہانتک کہ ایک آدمی کو بہی جس سے انتقام لینے کے لئے معاویہ کا سینہ کہول رہا تہا ازروئے عہد معاویہ کے لئے نہ چہوڑا۔ اور بنی امیہ کے صاحب اختیار ہوتے ہوئے یہ امید کرنا کہ وہ جناب امیہ کے اسم مقدس سے انعام نہ لیتے ناممکن تہا پہر بہی یہ عہد مین داخل تہا اور اگرچہ قبول بہی کیا گیا تہا تاہم یہ استثناسب کو معلوم تہی کہ وہان احتیاط کیجائے جہان فرزند رسول موجود ہو۔!

حسن کا انداز

لیکن ہماری کتاب کی اصل غرض کے لحاظ سے سب سے مفید شرط یہ تہی کہ معاویہ کے بعد حسن یا حسین کا حق خلافت محفوظ کیا گیا تہا۔ سوچو اِس شرط کے مفید گہرے اثر کو کہ وہ دشمنان آل ہاشم جو انکے حقوق سے نہ صرف اعراض بلکہ تجاہل پیدا کرتے رہے اور ہمیشہ احتیاط کی کہ کسی عام مجمع مین ایسا کوئی اقرار نہ کرین جس سے لوگون کی انکے طرف توجہ ہو وہ آج انکے حق کو مُہر اور دستخط اور گواہی کے حوالہ کرتے ہین۔ اور کس وقت جبکہ لوگ یہ بہی دیکہہ اور سمجہہ لیتے ہین کہ یہ سب شرط قبول لیکن پہلے ہم حاکم ہولین۔ اِس سے حقیقی مقبولیت اور نامقبولیت کا اندازہ کرو سیاسی لحاظ تو ایک موقت اور گذرتے ہوئے لحاظ ہین۔ نہ صرف یہ بلکہ گویا معاویہ کے طرز عمل کو اُسکی حیات تک کے لئے اِس شرط سے گوارا کرلینا آیندہ اُسکی معلمت کے کسی سلسلہ کو منقطع کردینا تہا۔ اسکا اثر یہ تہا کہ معاویہ باوجود اپنے اختیار اور تدبیرون کے برسون کی بے کسل کاوش خصوصاً زرپاشی سے اِس قابل ہوسکا کہ وہ یزید کو اپنا ولی عہد قبول کرواسکتا۔ اور پہر بہی لوگ بہ استثنائے بنی امیہ اس اقدام سے بہیانک ہوتے رہتے۔ اور معاویہ کی دور ازراستی کارروائیونکو سمجہتے جاتے۔

ایک بے انتہا مفید دفعہ جسے واشنگٹن ارونگ شہادت حسن کی وجہ قرار دیتے ہین۔

ہاتہون سے گذرتے ہوئے اختیار کے اس زمانہ مین حسن کو انسانیت اخلاق اور احکام اسلامی بہی یاد دلادینے تہے اور مثالیہ حکومت یہی بتلاتے جاتے تہے جہان فرماتے ہین کہ ”اگر بندگان خدا کے ساتہہ اچہی زندگی بسر کرے، تو امارت سپرد کرودن اور اگر تو ”مسلمانون سے رعونت اور تکبر کریگا اور انصرام امورات موافق

کیا دیا اور کیا لیا

شروع نہ کریگا بلکہ اپنے مذاق کے موافق جاری کرے گا تو مین جہانتک ممکن ہوگا کوشش کرونگا جب تک خدا ہم میں اور تمہین فیصلہ نکرے" اہل عراق و حجاز کو کم سے کم اس سے محفوظ کرلیا کہ اپنے عامل قائم نہ کیے جاتے۔ یہ امورات تہے جو ایک مصلح بنی آدم اور اُسکے جانشین کے دیکھنے کے تہے جب تک لوگ اُسے اپنے امورات کے انصرام کا والی قرار دیے اور ایسی حالت مین بہی جبکہ لوگ اپنی حرکتون سے اپنے کو اس قابل نہین قرار دے رہے تہے کہ وہ ایسی ذمہ داری قبول کرتا۔ وہ اپنی حقیقی ذمہ داری کا لحاظ کرکے اِن اصول پر عمل کا عہد لیتا ہے اور اپنے کو حکومت سے اِس لئے علیحدہ کرلیتا ہے کہ دشمن اپنی جوش عناد کے ظاہر کرنے کے لئے جب کوئی مرکز نہ پائیگا تو اُسے رعایا کوئی بحث نہ ہوگی اور کشت وخون رفع ہوجائے گا درانحالیکہ لوگونکی موجودہ حالت سے تہوڑا سا کشت وخون کو گوارا نہی کرلی ایسی امید نہین پیدا کرتا کہ وہ اپنے پاؤن کھڑے ہونے کی اِس وقت باوجود صلاحیت رکھتے ہین یا رکھینگے۔

آخین یہ بہی کہہ دون کہ مورخین کے الفاظ "صلح" "تفویض امارت" اور "خلع" ہین کہین "بیعت" نہین ہے اور جن لوگون نے اپنی روش کی احتیاط سے اسے ضمن قرار دیا ہے یا ایک شرطیہ قرار دی ہے کہ معاویہ سنت خلفا پر عمل کرے اُنھون نے اپنے حافظ کی قوت کی تعریف کرانی نہین چاہی ہے۔ جب کہ بیشتر بیعت نہ کرنے اور علیحدہ رہنے کی مثالین گذر چکی ہین اور جبکہ اسوقت اِسکا بہی اسکا ذکر ہے کہ حسین نے بیعت نہین کی۔ امید کری جکا جی چاہے کہ جب جناب امیر اس شرط پر خلافت قبول نہین کرسکتے تہے تو کیا اُنکا فرزند سبکدوشی یا ترک امارت کے وقت دوسرے سے یہ شرط کرا سکتا تھا؟۔ بغیر شرط کے بہی معاویہ کو اِس سنت کی پیروی بغیر چارہ نہ تھا۔

عہدناموں کا اخلاقی اثر کب تک ہے۔

یہ دوسری بات بہی فراموشی کے قابل نہین ہے کہ یہ ایک عہد تھا جو دو آدمیون مین ہوا تھا یعنے اُسوقت یہ عہد عہد نہین ہے جس وقت فریقین مین سے کوئی خلاف ورزی کرے اور کسی شرط یا شرایط سے اعراض کرے دفعات مشروط تہی۔ عہد کی ادنیٰ خلاف ورزی اُسکی اخلاقی حالت سوخت کردیتی تہی یہ دوسری بات ہے کہ قوت کی عدم مساوات سے مضبوط فریق خلاف ورزی کے بعد بہی کمزور کے لئے یہ عہد قایم رکہنا اپنے مفید سمجھے یہ حالت عہد کی پابندی لازم نہین ٹہراتی بلکہ سیاسی مجبوری کے لحاظ سے اپنی آیندہ روش قائم کراتی ہے۔

ان تذکرون سے ہمین یہ دکھانا مقصود تھا کہ کس طرح بنی ہاشم کی قوت کا زوال ہوا۔ جہان مین بنی ہاشم کا لفظ استعمال کرتا ہون اُس سے میری غرض رسول کے بعد ذمہ دار آئمہ سے ہے جو علی اور فاطمہ سے ہون ورنہ غیر ذمہ دار بنی ہاشم کا خالصتًا سیاسی جد وجہد صدیون قایم رہا اور ملوک فاطمہ (مصر) نے صفحات تاریخ پر اپنا دائمی نقش چھوڑا۔

مجھے اس بہ کہ وسیع مفہوم سے کوئی بحث نہیں ہے۔ مین ماوراء الامامت شان سے بحث نہین کر رہا ہون باوجود اسکے کہ پانچ چھ مہینہ کی برائے نام حکومت کسی حاکم کی سوانح اور زمانہ حکومت کے لحاظ سے لحاظ سے کے قریب وقت بھی نہین ہے۔ تاہم خیال کیا جاسکتا ہے کہ حسن نے اپنے اختیار کو قربان کر کے اُن چنگاریون کو بجھا دیا جنین آتش افروزی کی پوری قوت تھی۔ بے سود کوشش کا نتیجہ غیب کے پردہ مین چھپا تھا لیکن اگر ظاہر اسباب سے نتائج اخذ کئے جاسکتے ہین تو شاید انسان سیاسی بنوت کی مدد لئے بغیر یہ کہنا ممکن ہے کہ بجز انسانی خون اور گوشت کی ارزانی کے اور کچھ نہ ہوتا۔ وقت نہ تھا کہ قربانی کسی نتیجہ کی امید دلاتی۔ اس لئے کہ معاویہ کی طرف سے لوگون مین کیسی ہی بے اعتباری کیون نہ ہو لیکن کچھ تو فائدہ تھا اور کچھ ابھی لوگون کو اسکا تجربہ نہ تھا کہ کسی عہدنامہ کا کیا نتیجہ ہوتا ہے جس سے نفاذ عہد کی امید رہتی۔ کچھ اس لئے کہ معاویہ پس پردہ معاملہ سے کام لینا تھا اور سرد مزاج تھین بیرحم تھا۔ اسوقت کسی خفیف کوشش کے معنی یہ ہوتے کہ دشمن اپنے جذبات انتقام کو رہا کر دیتا اور شاید پھر اسکے بعد اولاد رسول کا کوئی غیر مشروط دوست دنیا مین دکھائی نہ دیتا۔ صحیح ہے کہ زیاد اور اسکے نائب نے جو قتل عام کیا اُسکی مثال زمانہ مستعصم مین کہ جرہی کی لائی جاسکتی ہو لیکن غالبًا اسوقت کا تشدد زیادہ تر مشاہیر کے خلاف تھا اور اگرچہ معاویہ کی غرض اپنے احکام سے یہ کیون نہ ہو کہ علی اور فاطمہ کی اولاد کے دوست دنیا مین نہ دکھائی دین تاہم یہ نابودیت محض تلوار کے ذریعہ سے عمل مین نہین لائی گئی بلکہ لوگون کے خیال خریدنے یا انھین موجودہ نظام کے قبول کرانے کی بھی بڑی کوشش ہوئی اور اسوقت تقیہ کے زرین بلکہ فطری اصول نے لوگون کو ایک آڑ حوالہ کی یہ سوانح بھی نہ ملتا اگر جنگ سے لوگون مین عام مخالفت پیدا کر دیجاتی اُس وقت کا جوش انتقام اسوقت سے کہین زیادہ ہوتا۔

اب غالبًا مین اپنا خیال سمجھا سکا ہونگا کہ وقت ہوتا ہے جبکہ حکومت اور اختیار سے بہت سے کام ہوتے

ہین۔ یہ وقت تہا کہ برائے نام اختیار سے اِس لیے دست برداری کیجائے کہ دشمن کے جوش عداوت اور انتقام کا مزاج بدل دیا جائے۔ وہ کسی خلاف ورزی پر مستعد ہونے کے قبل ایک برائے نام رکاوٹ بہی دیکہے۔ یعنی اُسکا کوئی خیال سالم حیثیت سے نہین بلکہ فطری شکستگی کے بعد عمل کرے۔

اب ہر شخص کو بجائے خود تصفیہ کا موقع ہے کہ حسن کی ذات کا اِس ناچیز وقت مین محض سامنے آجانا تمامتر مفید ہوا یا نہین۔

صلح حسن کا تصفیہ معاویہ کی روش سے۔

آب مین صلح کے پہلو کے متعلق معاویہ کے طرز عمل سے حالت سمجہتا ہون جس سے یہ استنباط آسان ہو جائیگا کہ اگر حسن نے اسوقت صلح قبول کرنے کا تصفیہ نہ کیا ہوتا تو اتنا بہی موقع نہ رہتا۔ اور وہ یہ ہے کہ معاویہ نے خود سے صلح کی پیش قدمی کی ہو یا حسن نے مجہ اِس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ معاویہ تمام شرائط کو قبول کرلیتا بلکہ ایک سادہ کاغذ پر مُہر اور دستخط کرکے بہیجدیتا ہے کہ اپنے شرائط تحریر کردو۔ کسی کے نزدیک اُسکی اِس درجہ آمادگی اور عجلت عہد کے عدم وفا کا بین ثبوت ہوسکتی ہے۔ ایسا ہی ہو۔ لیکن عجلت اور آمادگی مین محض عدم وفا کا عنصر مضمر نہین ہوسکتا تہا بلکہ اِسمین خوف کا جزو بہی شامل تہا۔ اسلئے کہ اگر ایسا نہوتا اور معاویہ کو تمامتر اپنی فتح اور کامیابی ہی کی امید ہوتی تو اُسکے کوئی ایسی عجلت اُسکی لئے غیر فروری اور غیر مفید بے تمیزی ہوتی۔ جسمین وہ خواہ مخواہ عدم وفا کا شبہہ پیدا کرکے فریق ثانی کی طرف سے انقباض کا خوف کرتا۔ دوسرے لفظون مین کون ایسا ہوگا کہ فتح کی بیخوف حالت مین بجائے اِسکے کہ اپنی مرضی اور خواہشات قبول کروائے اُلٹے اپنے کو ایسے شرایط مین پہنسائے جسکی طرف سے کوئی بدعہدی سخت نامقبولیت کی محرک ہو۔ بلکہ اسکا حل کچہہ تو معاویہ کے ایسے مدبّر کے غیر قائم یقین یا شکی طبیعت مین ہے اور کچہہ حسن یعنی فرزند رسول اور علی کے مقابل شخصیت مین ہے جسکی طرف سے معاویہ کو ہمیشہ خوف ہوسکتا تہا کہ مبادا لوگون کی غفلت اور لاپروائی پر اعتقاد اور یقین غالب آجائے اور پہر وہ ایک مرکز پر جمع ہوکر ہماری طرف اُن شورو شر کے نہ دکہائی دین جس طرح صفین کے میدانون مین دکہائی دیتے تہے۔ دنیا بہر کے شرائط منظور اگر ہم مکمل اختیار قبول کرلئے جائین۔ یا شرایط کیسے ہی کیون نہ ہون اسکے مقابل کم مخدوش ہین کہ ہمارے خلاف ہیجان کا کوئی موقع پیدا ہو جائے اور امیدین التوا یا زوال کے آثار دکہائی دینے لگین۔

ایسا ہی ہو کہ بنی امیہ جنھین حصول امارت کا خواب دیکھتے ہوئے زمانہ گذرا تہا اور گویا کبھی اپنی کوششون سے بجز اسکے کہ باز آتے اور کوئی چارہ نہ تہا۔ اور پھر اتفاقات کی موافقت سے یہ دن نصیب ہو تاکہ اپنے بل کھڑے ہو کر جنگ آزمائیاں کرسکتے آج بغیر لڑے بھڑے حکومت کو اپنے طرف آتا ہوا دیکھکر منہ کے بل گر رہے تہے اور انکے ایسے حریص اور بندہ جاہ کے لئے یہ قیاس کے باہر تہا کہ کوئی ایسا بھی ہو سکتا ہے جو بغیر نکسیر پھوٹے حکومت حوالہ کردے سکتا ہے اور اِسی خیال سے امیر شام حسن سے کہتا ہے کہ "ابتدائے آفرینش سے کس نے ایسی شجاعت نہین کی۔ یہ جود و سخاوت خاندان بنی ہاشم کے لحاظ سے حیرت خیز نہین ہے" غلطی ہو گی اگر اس موقع پر یہ کہا جائے کہ امیر شام یہ فقرات کہہ رہا تہا یا خلیفہ رسول سے کہہ رہا تہا نہین۔ بلکہ بنی امیہ کی پستی طبیعت بنی ہاشم کے علوے نفس کے سامنے تہی۔ یہ بھی غلطی ہو گی اگر معاویہ کے ان فقرات کو مسخرانہ طنز کہا جائے۔ اِس لئے کہ معاویہ کے لئے افتخار کا کوئی موقع نہین تہا بلکہ افتخار تو ایثار اور تفویض مین ہے۔ معاویہ بھی خود اِسے "احسان" کہتا ہے۔ اب ہم ان حالتون کی طرف آتے ہین جسمین کوئی غیر شجاع دشمن اپنے شجاع دشمن کو قبضہ مین دیکھ کر جرأت نمایان کرتا ہے یا جیسے اختیارات کے سوء ہضم سے یہ مرض ہو جاتا ہے کہ سوتے جاگتے اپنی حکومت منوا تا رہا اور شریف دشمن کی شکستہ عظمت اُسکی اماج ذلت ہو۔

مشکل سے ابھی عہد نامہ کی سیاہی خشک ہوئی تہی کہ مشہور ماں کے بیٹے نے اپنی بچپن شرارت سے مجبور ہو کر ابن ابوسفیان کو صلاح دی کہ وہ حسن سے برسر منبر کہلوائے کہ "مجھے رغبت خلافت نہین ہے" اس سے کچھ تو لوگ اپنی امید انکو حسن کی طرف توڑ دینگے۔ اور کچھ اِس غرض سے کہ چونکہ حسن بہت صاحب حیا ہین تقریر مین لکنت ہونا یا ادا نہ کرسکنا موجب نقص ہوگا اور اِسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگون کی نگاہ مین حسن کی منزلت خفیف ہو جائیگی۔ پھر بھی معاویہ اِس سے رُک رہا تہا کہ لوگون کی خالص توجہ کو نواسۂ رسول کے ہاتھ مین دیدے۔ لیکن اِس لحاظ سے کہ شاید موقع کی مرعوبیت اور لحاظ یا مروت کی کمزوری حسن میرے خواہش کے موافق ہی کہین۔ یہی طے کیا کہ حسن کچھ کہین۔ لیکن واقعات اپنی حیرت خیز پر اثر رفتار اِس لئے اختیار کر رہے تہے کہ نواسہ رسول خلافت کے تخت سے اِس لئے ایک پاؤن اُتارے کہ دوسرا پاؤن منبر پر جا رہے جو اُسکا اصل مرکز حکومت ہو۔ موقع کی محدودیت کے باوجود رسول کے بعد یہ پہلا موقع تہا کہ اُنکا جانشین اُسوقت اُنکے منبر پر جاتا جس وقت اختیار اُنکے قبضہ مین نہ ہوتا لیکن

تخت کے بعد منبر پر

کسنے اندازہ کیا تہا کہ یہ آئمہ دنیا کے تمام اختیارات اور تخت منبر پر جانے کے لئے صدقے کرتے۔ وہ اپنے لئے تخت پر نہین جاتے تہے۔ اُنکا اصلی تخت انسانی دل اور دماغ تہا۔ لیکن اس لئے تخت پر گئے کہ وہ یہ بہی دکھادین کہ حقوق بشری کی اس کُرسی عدل کے ساتہہ حفاظت چاہئے۔ لوگ پیدا ہوئے جو اس سے بغاوت کرتے۔ یہانتک کہ دنیاوی تخت اِنکے قابل نہ رہ جاتا۔ اس لئے کہ لوگ بدل گئے تہے۔ اسکی مثال پاؤ گے جہان امام رابع ابن منبر کی صلاح کو رد کرینگے یا ابوسلمہ کا خلافت پیش کرنے والا خط بغیر ملاحظہ شمع مین جلا دیا جائیگا۔
مدبرین نے ایسا موقع بہی نہ آنے دیا تہا۔ آج اس لئے موقع دیا گیا ہے کہ وہ " لوگون کو اپنے احسان سے واقف کرین "! معاویہ پُرامید دست نگر بنا ہوا تھا اور حصول اختیار کے بعد ایک سیاسی فتح کے انتظار مین تھا۔ لیکن گذشتہ کی طرح اس موقع نے بہی ظاہر کر دیا کہ رسول کے بعد کسی مدبر نے آئمہ مین سے کسی پر سیاسی فتح حاصل نہین کی جہانتک اُنکی تنہا ذات کو تعلق تہا۔ بعیٖر یا دعسا آ کوئی بحث نہین ہے۔
گئے حسنؑ منبر پر۔ مشتاق لوگون کو مخاطب کیا۔ واقعات اور اُنکی سچائیون کے ذکر سے مخاطب کیا۔ کون تھا جو گذر ہوئے زمانہ کی باتون کا انکار کرتا۔ اور کس کی گردن کے ریشے اِس قدر سخت تہے کہ بار احسان سے اپنے کو جُھکا ہوا نہ دیکھتے جس وقت رسول کا نواسہ کہہ رہا تہا کہ " تم لوگ جانتے ہو کہ خدا نے تمہین گمراہی اور جہالت سے میرے نانا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بدولت آزاد کیا اور ذلت وخواری کے بعد تمہین عزیز کیا اور قلت کے بعد تمہین کثرت عطا کی " کوئی استفہام نہ تھا۔ لہجے کوئی رفتار بجز اِسکے نہین ہو سکتی کہ اقرار کرو کہ ایسا ہی ہے۔ شروع اُس مرکز سے کیا جسمین کسی کو مخالفت نہ ہو سکتی اور گویا موافق اور مخالف چند لمحون کے لئے کھینچ کر ایک نقطہ پر بغیر سوچے پہونچ جاتے۔ کوئی طبعی رفتار بجز اِسکے غیر فطری ہوتی۔ لیکن تقریر کی اس ابتدا اور اِن باتون کے ذکر تک کیا یہ غم انگیز طنز تہا جسے امام کی غیرت نے لفظون مین ظاہر کرنا پسند نہ کیا کہ :- تم اِس لئے آزاد ہوئے کہ ہمین گرفتار کرو اور ذلت وخواری سے عزیز ہو کر تمنے اپنے بلند کرنے والونکی اولاد کے لئے ذلت وخواری مہیا کرنا مناسب سمجہا۔ اور جب تمہاری حالت قلت سے کثرت مین بدل گئی تو تمنے یہ روش اختیار کی کہ رسول کے اولاد کی اور بنی ہاشم کی کثرت کو قلت سے بدلنے کی کوشش کرتے رہو۔ یا تم اپنی تمام جمعی۔ نظامی اور اخلاقی ترقی کا صلہ یہین یہ دیرہے ہو کہ اِن قوتون کو ہمارے خلاف صرف کر دو! (خاموشی بلکہ پرحجاب سکوت مجمع پر طاری رہا) اب فرمایا :- جانو! کہ معاویہ نے مجہہ سے ایک ایسے امر مین نزاع کی جو میرا حق تھا

اُسکا نہ تہا" اِسکے ساتہہ یہ فقرہ بہی ضم کرلو کہ معاویہ کی طرف مخاطب ہوکر کہتے ہین کہ "تیری وجہہ سے فساد اور خون ہوا" اور اِس وقت معاویہ کے موقع پر غور کرو۔ مدبرین۔ سپاہی۔ محدثین ٹہرتے ہوے غیدہ سلام کرنے والے خوشامدی۔ کون تہا جو نہ ہوگا۔ خصوصاً جبکہ مجمع صاحب اختیار کا مرکب کیا ہوا ہو۔ لیکن سر خرے سانس سے خالی رہے۔ سناٹا اُسوقت تک قائم رہا جب تک حسن نے سلسلہ کلام جاری نہ کیا اُس وقت ایسا ہوا ہوگا کہ علی و فاطمہ اور اُنکے حقوق کا دشمن سے دشمن یہ سنکر دل مین کہہ اُٹھا ہوکہ " بُرا کیا" بظاہر حسن نے یہی کہا تھا بلکہ میرے خیال مین احتیاط کی تہی کہ "حق" اور نزاع مین اپنا اور معاویہ کا نام لیتے۔ لیکن کیا حسن کی تقریر کا پیرایہ گذشتہ تاریخ پر تبصرہ نہ تھا۔ اور کیا یہ سالہ ھجرہ نہ تہا۔ یعنی رسول کو رحلت کئے ہوئے صرف تیس ۳۰ برس ہوئے تہے۔ یہ زمانہ تو ایسا نہ تھا جسمین شتبین زمین مین دفن ہوجاتین اور پہلے کے واقعات حافظہ کی تازگی کے زیادہ محتاج ہوتے۔ یا نسیان پیری اِس درجہ غالب ہوتا کہ اشارہ کی ادنے ٹہوکر سے کام نہ چلتا۔ نہین زمانہ کا پردہ ایسا گہرا نہ تھا جسین نگاہین پیر نہ سکتین اور خیال آتا کہ یہ تنہا معاویہ تو نہ تھا جسے حق کے نزاع مین اولیت کا امتیاز حاصل ہوا

جھنجھوڑنے اور رُلا دینے والی غیر ظاہر شکایت کے بعد جسکی متانت نے تقریر کو اور زیادہ صبر شکن بنا دیا تہا۔ تیسرا درجہ پھر احسان کا تہا۔ فرماتے ہین "مین نے صلاح امت پر غور کیا اور فتنہ کو منقطع کیا" اُسکی تشریح اِس طرح کی جاسکتی ہے کہ گویا فرمارہے تہے کہ جس وقت کوئی اِس اُدھیڑبن مین مبتلا تہا کہ کس طرح میرا حق ریلنے کے لئے مجھسے نزاع کرے مین سوچ رہا تہا کہ صلاح امت اِسمین ہے کہ مین اپنے حق پر قائم رہون یا اپنے حق کو معطل کردون۔ اور اگر کبہی وقت تہا کہ خلافت قبول کرتا تو اب وقت ہے کہ اُسے ترک کرون۔ اب بہی ممکن تہا کہ لوگون کا کچھ ہی میلان کیون نہ ہو لیکن ہم اپنے اختیار کے لئے کوشش کرین اور اگر ہمارے لوگ قتل ہون اور شکست ہو جب بہی ہمارا کوئی ذاتی نقصان نہین ہے اور اگر فتح ہوئی تو یہ تو عین خواہش کے موافق ہوگا۔ لیکن ہم سے فتنہ کی پرورش ممکن نہین ہے اور ہم اپنے حق اور حوصلونکی قربانی سے فتنہ کو منقطع کرتے ہین۔ صلاح امت ہمارے لئے مقدم ہے ہم دنیاوی اختیار کے مالک ہون یا نہ ہون۔

آگے بڑھتے ہین۔ اپنے ساتھ لوگون کے نزاعی اور وفاعی عہد کا ذکر کرکے لوگون کے متعلق کچھ در نہین فرماتے ساگرچہ ایسے ذلیل النفس لوگ جو ایسے اطاعت پر آمادہ نہ ہوتے تہے جو خود اُنکے لئے مفید ہوتی

اور حکومت کے امورات مین بدرجہ اولیٰ اُنکا حق قایم رکہتی اور وہ اسپر آمادہ ہوگئے تہے کہ ہم بنی امیہ کے دستنگر ہوکے رہین۔ اس قابل نہ تہے کہ اُنکا کوئی وقار قایم رہنے کے لیے اہتمام کیا جاتا لیکن اس معاملہ مین خاموشی کا لحاظ لوگون ہی تک محدود نہ تہا بلکہ علاوہ اس امر کے کہ اُنکے امام کچہہ دن کہے گئے ہین مصلحت کی نہایت کامل دور بینی اسمین تہی کہ دشمن کے مجمع مین اپنی نامزد جماعت کی تفریق اور پاشانی خیال کی ہوا تک زبان پر نہ آنے دین۔ جس سے کچہہ تو خود اپنی جماعت سوچے اور اُسمین اس شان سے پسندیدگی لحاظ پیدا ہو اور قوی تر مفید امر یہ تہا کہ ہم اپنی کمزوری ظاہر کرکے دشمن کے سامنے اپنی زبان سے اقرار نہ کرین جس سے دشمن کی جسارت زیادہ بے لحاظ نہ ہوجائے اور ابتک جتنا بھرم بنا ہوا ہے اور جس قدر بھی ایسے تلوار سے معاملہ پڑجانے کا خوف ہے جاتا رہے۔ ضرورت تہی کہ یہ اثر نہ صرف اسوقت قایم رکھا جائے جس سے شرائط صلح طے ہوجائین بلکہ حتی الوسع برابر جاری رہے۔ اور اگر کچہہ وجہ ظاہر فرمانا مناسب سمجہتے ہین تو صرف یہ قطع کن تصفیہ کہ "میری رائے بہ قرار پائی ہے کہ معاویہ سے صلح کرلون اور جو جنگ کہ واقع ہے اُسے قطع کرون اسلئے کہ لوگ قتل سے محفوظ رہین" اسے قوی تر الفاظ مین ظاہر کرتے ہین اور گویا ایک اصول تسلیم یا قایم کرتے ہین کہ "اُنکے خون کی حفاظت اس سے بہتر ہے کہ انکا خون بہایا جائے" اور یہ سب "تمہاری صلاح اور بقا کے لئے" اس تقریر مین یہ دیکہنے کی بات ہی ہے کہ امام محض اپنے جماعت کی بہبودی کا تذکرہ نہین کرتے بلکہ خون کی محافظت اور صلاح و بقا کی تعمیم فرماتے ہین۔ ذرا سلسلہ دیکہو۔ کبہی رسول حج اسلئے ملتوی کردیتے ہین کہ نوبت بہ جنگ نہ آئے۔ کبہی جناب امیر قصہ حکمین کی ظاہر لغویت اور اسلئے اپنے انکار کے باوجود کہتے ہین کہ "شاید ہم بقیہ دین و شریعت پر مجتمع ہوجائین" آج حسن تفویض امارت کرتے ہین اس لئے کہ اسوقت صلاح اور بقاء امت اسی مین ہو۔

معاویہ کا اضطراب تقریر کا اثر سمجہا جاتا ہے۔

امام اپنی تقریر مین یہانتک پہونچے تہے کہ عام مورخین کے موافق معاویہ نے حضرت کو بٹھالیا بقول روضۃ الصفا "بے طاقت" ہوگیا اور عمر عاص کی طرف سے دل مین کینہ پڑگیا۔ لیکن مورخین مین سے کسی نے اس مفید امر کے متعلق کوئی معلومات یا وجہ لاعلمی ظاہر نہ کی کہ سامعین پر کیا اثر پڑا۔ اسکے سمجہنے کے ذرائع مفقود ہین بجز اسکے کہ معاویہ کی بےچینی اور ابن عاص کی خجالت سے سمجہا جائے کہ کچہہ اور کہنا اُسکے لئے مفید نہ تہا۔ یا اُن تقریرون سے سمجہا جائے جو ابن عاص اور معاویہ نے کین اور دہمکیون سے کام لینا پڑا۔ اور چونکہ اپنی غرض خود رفتہ امید مین اس درجہ ناکامی ہوئی جس درجہ

کامیابی کی امید نہ کیجا سکتی تہی منتقمانہ بیقراری سے کہڑے ہوکر اپنے اختیارات کی تعلیان کرنا کوئی غیر معمولی بات نہ تہی۔ خصوصاً وہ جو ایک زمانہ کی جہد کے بعد آج اپنے کو تنہا صاحب حکومت دیکہتا ہے۔

عمر عاص کی تقریر

کہڑا ہوا ابن عاص اور حکمین کے متعلق اپنی کارروائیان بیان کین اور جناب امیر کا فقرہ حسن کے جواب کے لئے تجویز کیا کہ "حق اپنے مرکز مین قایم ہوا" اور حکومت کے وفادار خادم کی طرح بزرگانہ نصیحت بہی کردی کہ "تمکو گذشتہ نافرمانی اور عصیان کا موافقت اور اطاعت سے تدارک کرنا چاہئے"۔

معاویہ کی تقریر

آیا معاویہ اور اُسنے ابن عاص کا تعاقب کیا مخصوص بات یہ کہی کہ "ہماری دعوت عزیز ہوئی" دعوت کے معنی اُسوقت بہی اگر پلاؤ وقورمہ تہے تو اسمین کوئی شبہہ نہین۔ لیکن نہ یہان معاویہ اپنے دسترخوان کی تعریف کررہا تہا اور نہ اپنی دسترخوانی عادات کو چہپا رہا تہا بلکہ حقیقتاً آنکہون مین چہائی ہوئی دہول جہونک رہا تہا۔ وہ وقت پا رہا تہا کہ اپنی اور اپنی خاندانی کارروائیونکو "دعوت" اور آج کے موقع کے لحاظ سے اُسے "عزیز" کہے۔ یہ اُسکی اطمینان کی سانس تہی۔ وہ کسی قتل عام کو بہی تمام امن اور تہذیب وشایستگی کا تام حوالہ کرسکتا تہا۔ یا کسی انتہائی تشدد کو احسان سے موسوم کرسکتا تہا۔ بلکہ یہ بہی کراسکتا تہا کہ ظلم سہنے والے اُسے احسان کا اوتار رحم وکرم کا پتلہ اور انسانیت کا مجسمہ کہتے۔ یہان تو صرف اتنا ہی ہوا کہ چپکے سنتے رہے۔ لیکن بقول حسن گے گرفتار بندون کا علم ہی کیا"۔

مدبر معاویہ کا غیر مدبرانہ فقرہ

لیکن ابہی اس سے بہی زیادہ کچہ کہنا تہا اور وہ یہ تہا کہ "مین نے جو شرطین کی ہین انکا سرا میرے ہاتہہ مین ہے چاہون وفا کرون خواہ نہ کرون۔ تمہین اس سے کوئی مطلب نہین تمکو اطاعت سے کام رکہنا چاہئے"۔ اِس فقرہ کا اثر اس سے سمجہا جاسکیگا کہ یہ حسن کی تقریر اور اُسکے اثر کے بعد تہا۔ مشکل سے میری دانست مین مدبر معاویہ نے کبہی ایسا غیر مدبرانہ فقرہ کہا ہوگا۔ اسلئے کہ اگر وہ شرائط کی خلاف ورزی ہی پر آمادہ تہا تو اُسے بغیر کچہہ کہے بہی اختیار حاصل تہا۔ لیکن حق اور باطل روش کس طرح سمجہہ مین آتی۔ اِس سے معاویہ نے اپنا اعتبار کہو دیا۔ اور مشکل سے کوئی عہدنامہ اِس قدر قلیل الحیات ہوا ہو۔ معاویہ کی اس گفتگو کے معنی یہ تہے کہ اس عہد کے دوسرے فریق پر وہ حسن ہون حسین ہون انکے دوست ہون یا وہ تمام لوگ جو خلافت اسلامی مین تہے اور جنکے حقوق کے بارہ مین عہد کیا گیا تہا اب اپنے کسی طرز عمل مین کسی عہد کے پابند نہ تہے۔ اگر انہین ایسا کرنے کی قوت ہوتی۔ تاہم

معاویہ کی صلح کش تقریر کے بعد بہی حسن کے لئے کیا مناسب تہا۔

اپنی حالت کے اعتبار سے حسن اور اُنکی جماعت کے لئے یہی مناسب تہا کہ وہ خاموشی اختیار کرتے۔ اس لئے کہ معاویہ کی تقریر مین یہی فقرہ نہ تہا کہ "چاہے نہ کرون" بلکہ چاہے کرون" بھی تھا۔ اور "یہ چاہے کرون" حسن اور اُنکی جماعت کے لئے مفید تھا اور اِسی نتیجہ کے پیدا کرنے کے لئے اُنہین اپنی روش اختیار کرنی تہی۔ اسے مسیب ابن نجبہ کے سوالات کے بعد بھی حسنین کی روش نے ظاہر کردیا گفتگو کے بعد درمیانی وقفہ نے کب ایسی امید خیز حالت پیدا کی تہی کہ حسن اپنے تصفیہ پر قائم نہ رہتے۔

اُن تمام باتون مین جو اسوقت تک توہین یا تضحیک کے لئے کی گئی ہون۔ وہ صورت نئی تہی جو ارتحاج سے نقل کی گئی ہے۔ موجد مصلحت معاویہ نہ تہا بلکہ اجزائے حکومت نے اختراع کی تہی۔ نامونکی فہرست پر نگاہ ڈالنا صورت معاملہ کے سمجھنے کے لئے کافی ہوگا۔ چونکہ اِن لوگون کی دانست مین معاویہ کے اِطلاع اور شراکت بغیر کچھہ کرنا مناسب تہا لہذا اُس سے کہا گیا کہ وہ حسن اپنے باپ کی سیرت کو زندہ کیا ہے۔ لوگ اُنکے پیچھے ادب و اطاعت سے چلتے ہین اور اُنکی تصدیق کرتے ہین۔ اور یہ باتین اُنھین اُس چیز کی طرف لیجائیگی جو اِن سب سے زیادہ بلند ہے۔ تو انہین یہان بلا اور ہم لوگ کہین کہ تم دونون اس مرتبہ کمال پر پہونچنے سے قاصر ہو اور اُسکی ذلت کرین۔"

مجمع کی نوعیت

وہ مجمع جسمین عمر ابن عاص۔ مغیرہ ابن شعبہ۔ ولید اور عتبہ بن ابوسفیان ہون اور جسمین نہین معلوم کیون عمر ابن عثمان نے بہی شرکت پسند کی ہو۔ وہ کوئی بات کرین جو معاویہ کے دکھانے سنانے اور شرکت کے قابل ہو اور وہ اولاد رسول کے کسی قسم کی اذیت پر منتہی نہ ہو۔ عجب خیز ہوگا۔ اِس مجمع کا عل بہت سے عہدون پر مشتمل تہا۔ کچھہ تو یہ تمسخر پارٹی تہی۔ کچھہ حکومت کی خوشامد تہی کہ ہم سوتے جاگتے اُسکے فوائد سے غافل نہین ہین۔ کچھہ یہ قوم کی بے تومی یا عدم مرکزیت کا خود ساختہ کمیشن تہا۔ اِس مجمع کے لئے یہ عذر کی بات تہی کہ حسن اپنے پدر بزرگوار کی سیرت کو زندہ کرتے ہین۔ قیاس نہین کیا جاسکتا کہ معہ سیرتؑ کا محض اخلاقی مفہوم مدبرین کے لئے زیادہ غور کی بات تہی۔ لیکن با دمیائے رسول کی سیرت کا وہ حصہ جو قوم گری کے بہترین عناصر کا سانچہ تہا۔ مدبرین کے اختیاط کے قابل سمجہا گیا۔ انہین کب بھلا معلوم ہوسکتا تہا کہ کوئی انکے اختیار اور ثروت کے ذلیل اطمینان یا مضحک نمایش سے مرعوب نہ ہوتا۔ انھین گوشہ چشم عاریت بھی نہ دیتا اور اگر دیکہتا تو نجز نفرت او کسی چیز کا منتج نہ ہوتا۔ ایک کے لئے اختیار اور ثروت دنیا کا خدا تہا

تو دوسروں کے نزدیک شیطان کا بہترین آلہ تہا اگر اسمین شریفانہ اعتدال یا احتیاط کے ساتہہ خدا کی
قادر مطلقیت کا حس شامل ہو۔ اس مجمع کے افراد اپنے کو صاحب اختیار دیکہہ کر مضرت پہونچانے اور
توہین کرنے مین کسی چیز کو مانع نہ دیکہتے تہے اور اسپر خوش ہوتے تہے لیکن انکے امواج غضب انکی اس بڑہتی ہوئی
خوشی سے زیادہ مخلوقات کے روندنے کے لئے کوئی چیز نہین دیکہتے تہے۔ اور جس وقت مضرت پہونچانے والے
اپنی ایذا رسانی کی فہرست دیکہکر جہلاتے تہے اور گویا کہتے تہے کہ "یہ لوگ اب بہی سیدہے نہین ہوئے" تو
یہ لوگ اسی تسلیم و رضا سے اس فرعونیت کو برداشت کرتے تہے۔ نہ افلاس انہین انکے مکروں کی طرف
کہینچتا تہا اور نہ کوئی صبرشکن شرارت انہین اپنی جگہہ سے ہٹا ہوا دیکہتی تہی۔ اس لئے کہ لالچ اور
خوف کے تمام تنوعات سے انکے خصائل زیادہ وزنی تہے۔ یہ ان چیزونکی طرف تو اسوقت اڑتے پہرتے
جس وقت خود ہلکے ہو جاتے۔ اور جب مدبرین دیکہتے تہے کہ ہم اس قوم کے خصایل کو اسکے مرکز سے ہٹا کر اپنی
خواہش کے موافق نہین لاسکے تو آخری ذرائع سے انہین نیست و نابود کر دینے پر آمادہ ہوتے تہے۔ یہ
قتل اور زہر کے لئے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اگرچہ افلاس بہی جو ان حالتون کا نتیجہ ہے اپنے خوفناک
اثر سے انہین برائے نام سے زیادہ زندگی کے قابل نہین رکہتا۔
کیا معنی ہین حسن کی اس حالت کے کہ کبہی قلم اٹہانے پر مجبور ہوتے اور غیرت پہر با تہہ روک دیتی ہی
اور نہ صرف اس قوم کو اسکی شکایت تہی کہ کسی طرح حسن کا میلان ہماری طرف نہین ہے اور ہماری خو بو
سے متاثر نہین ہوتی اور وہ روش اختیار کی ہے جو انکے محسن اسلام پدر عالی مقدار نے رحلت رسول
کے بعد سے ایک زمانہ تک اختیار کی بلکہ انکے لئے اور زیادہ اینٹہنے کی بات یہ تہی کہ "وہ لوگ انکے پیچہے
ادب و اطاعت سے چلتے ہین اور انکی تصدیق کرتے ہین" یعنی بقائے صفات کا مدرسہ جاری ہی بغیر اسکے کہ
حکومت نے اپنی روش کا کوئی اُستاد مسلط کیا ہو۔
یہ سوچنے سمجہنے کے بعد قیاس آسان ہے کہ انکے دشمن وہ کسی زمانہ مین کیون نہ ہون جب دیکہتے تہے کہ
مضرت پہونچانے کی کوششین اس مفہوم مین بیکار گئین کہ وہ ہمارے سامنے نہ صرف نہین جہکے بلکہ اور
زیادہ سیدہے ہو گئے اور لوگون کے نگاہون اور زیادہ بلندی حاصل کی تو انہین یہ تسکین نہین حاصل
ہوتی تہی کہ ہمنے ایک بے ثروت اور بے اختیار کی گردن جہکادی بلکہ پیچ و تاب بڑہتا جاتا تہا۔
ظاہر ہے کہ سیرت کا زندہ کرنا۔ لوگون کا ادب و اطاعت پالینے کے بعد تصدیق یہ سب تمہید تہی اس حکم کی کیون خوف تہا۔

کہ "یہ باتیں اُنہیں اُس چیز کی طرف لیجائیگی جو ان سب سے زیادہ بلند ہے" مشکل سے سمجھ کہنے کی ضرورت ہے کہ وہ "وہ چیز" کیا تہی۔ کیا علم تعالی بنی امیہ کو اگر آئمہ مین تمام خوبیان ہوتین اور ساتھہ ہی بنی امیہ کو یقین بہی ہوتا کہ وہ کبہی خلیفہ ہونا پسند نہ کرینگے۔ بظاہر جس قدر باطن کا تجربہ کیا جاسکتا ہے جناب امیر کی خاموشانہ اور حسن کی مفوضانہ عالی ہمتی بنی امیہ کو یہ سمجہا دینے کے لیے کافی ہونی چاہئے تہی کہ ان نفوس قدسی کو خود کوئی خواہش حکومت نہیں ہے۔ لیکن کیا تجربہ تاریخی یہ نہیں بتاتا کہ حکومت کے ساتھہ رقابت کا وہم ایک جزو لاینفک ہے۔ یہ وہم کبہی سلطنت کو محفوظ رکھتا ہے اور کبہی یہ وہم نہ صرف دوسرون کو راستہ بتاتا ہے بلکہ ذمہ دارون کا غلو اکثر ایسی ناگوار حالتین پیدا کرتا ہے جسکے مقابل اظہار اعتبار کہین زیادہ نافع ہوتا۔ مین مدبرین کے اختیار تمیزی کو مقید نہین کرسکتا کہ کہان وہ اعتبار اور کہان وہم کا موقع دیکہین گے نہ اپنی تاریخ مین مجہے عام حالتون سے کوئی بحث ہے بلکہ مجہے تو یہ دکہانا ہے کہ یہ نفوس قدسی ایسے تمام توہمات کے امکان ہونے سے بالاتر تہے۔ گذشتہ تجربہ بتارہا تہا کہ امیرالمومنین علی ابن ابیطالب کی صلاح ابن الخطاب کے فاتحانہ یا انتظامی دور مین کہانتک موجود تہی۔ یا دور ثالث کے ویسے ہی نازک موقع پر اُنکی نیک نفسانہ صلاحون کا کیسا اثر تھا۔ یہ صلاحین علی کے ایسے قوی ذات سے نہین لیجاسکتی تہین جب تک اُنکی حیرت خیز دیانت کا یقین نہ ہوتا۔

مؤلف کے نزدیک صحیح قیاس۔

بنی امیہ کا کوئی وکیل کہہ سکتا ہے کہ مدبر کے لئے یہ حفاظت لازمی تہی کہ گو آل رسول کو اسکی رغبت نہ تہی کہ منصب خلافت کے حصول کیلئے خود سے کوئی صریح کوشش کرتے لیکن لوگون کی خواہشیں انہین مجبور کرسکتی تہی۔ مین فی نفسہ اس قیاس کو صحیح سمجہتا ہون۔ اور بنی امیہ کو اس خیال کی دولت مین چہوڑ دیتا ہون کہ وہ لوگون کو اُنکی فطری خواہش سے روک کر اپنے کو مسلط کرنا چاہتے تہے۔ یا اپنے اختراعات ظلم کے لئے قبل وقوع واقعہ مستعد ہوجاتے تہے۔ بلکہ اسکے قبل کہ کسی ایسی غرض یا اثر کا شائبہ پایا جائے یا اسکا قرینہ ہو۔ اور تاریخ کے لئے عبرت ہے کہ یہ احتیاط بہی بنی امیہ کو سیاسی یا اخلاقی حیثیت سے زندہ جاوید نہ بناسکے! بنی امیہ اپنی ظالمانہ روش کے فطری اقتضا مین زندہ جاوید ہین۔

بلائے گئے حسن اور اس سے زیادہ عبرتناک سلامتی اور بیخوفی کا اطمینان دلاتا تہا اور یہ جماعت موقع پا رہی تہی کہ یہ کہہ سکتی کہ بلانے سے ہماری غرض ہی یہ ہے کہ آپ اور آپکے باپ کے بارہ مین بدادبی کرین!

اور اپنے اظہار جبات کی وجہ بھی بتادین کہ آپ "اتنی طاقت نہین رکھتے کہ ہم پر عتاب کرسکین اور نہ اس استطاعت رکھتے ہین کہ ہماری تکذیب کرسکین" یقین کو اپنی حیرت سے شرم آتی ہے کہ اسمین کوئی ایسا خیال سماسکے کہ ایک وقت تھا جبمین لوگ آل رسالت پر اسلئے پیش پیش ہے کہ انکی ایسی توہین کیجائے کہ لونڈی غلام گھاتے رہین! اور توہین وہ لوگ کرین جن کے واقعات اور نام ونسب صیغہ راز مین نہین ہین۔

معلمت کہان ختم ہوئی

لیکن ایسی شرمناک کارروائیون سے بھی دشمنون کو تسکین نہ ہتی کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ ابھی ذات فنا نہین ہوئی۔ اور اب یہ حالت ہتی کہ فریدالدین عطار کا ہمہ تن حسن وہمہ خلق وہمہ حلم۔ ہمہ لطف وہمہ جود وہمہ علم۔ کبھی موصل جاتا ہے اور تین تین بار زہر دیا جاتا ہے لیکن مہلک ثابت نہین ہوتا پریشان اور مجبور ہوکر نانا کے مدینہ آتے ہین کہ یہان زہر آلود رطب کھلایا جائے۔ بیمار اور پھر پریشان ہوکر تبدیل آب وہوا کے لئے موصل جاتے ہین اِس لئے کہ پاؤن مین عصا کا زہر آلود لوہا چبھو دیا جائے آخری مرتبہ مدینہ آتے ہین اِس لئے کہ اِس مرتبہ ایسے زہر کو نوش فرمائین جو ہلاک کرنے مین کبھی خطا نہین کرتا۔ اور احتیاط یہ ہے کہ اگر ابن خالد غیر مسلم کے ہاتھ فنا کردیا جاتا ہے اِس لئے کہ شاید مسلمان کو مسلمان کے زہر دینے مین تردد ہوا اور راز فاش ہوجائے تو رومی الیسونیہ کی معرفت نواسہ رسول کو جام زہر پلانے کی رازدارانہ گفتگو شروع کیجاتی ہے۔ اور اگر باپ سے یہ کام لے سکتا ہے کہ شکست کو فتح سے بدل دینے مین مدد دے جس سے حکومت پر قائم ہوجائے تو بیٹے سے یہ کام انجام دلایا جاتا ہے کہ آئندہ کسی ایسے توہم کی گنجائش نہ رہے کہ ہم حکومت پر قائم نہ رہینگے۔ اور پھر مزید اہتمام یہ ہے کہ جعدہ بھی ٹھنڈی کردیجاتی ہے اِس لئے کہ راز حتی الوسع ظاہر نہ ہو۔

اِنکا بستر احتضار گہوارہ امن تہا۔

کرب اور نزع کے بستر پر اُسکے نواسہ کو دیکھو جو منافقین کے نام کو بتادینا اِس خیال سے گوارا نہین فرماتا کہ لوگ کہین گے کہ رسول نے اپنے اصحاب کو قتل کرنا شروع کیا۔ اُسکے فرزند کو دیکھو جو نصیحت کرتا ہے کہ دیکھو تم مسلمانون کے خون مین آلودہ نہ ہونا کہ دشمن بدلہ لیتا ہے اور اپنے چھوٹے بھائی سے جواب مین کہہ رہا ہے کہ اے حسین میرے بزرگ خاموش نہ تھے۔ دیکھو میرے لئے ایک چلو خون نہ گرے۔

تینون خیالات کی اہمیت اور حسن کا ہوش۔

اِس لحاظ امن اور انسانیت کی یہ آخری وصیت متذکرہ صدر دونون وصیتون کے موقع اور اہمیت کے درجہ کے لحاظ سے عدد آ تیسری تہی۔ ہر ایک کو اپنے آخری وقت رفع فساد اور قیام امن کی

وصیت ضروری تھی۔ لیکن حضرت امام حسن علیہ السلام کا نام نہ بتانا ایسے سچے ایثار نفس اور دور بینی کا ثبوت ہے جسکے مقابل بجز اُنکے پدر بزرگوار اور جد عالیمقدار کے اور کوئی مثال نہیں لائی جاسکتی۔ حضرت کو یہ معلوم تھا کہ جعدہ بنت اشعث نے ہمیں زہر دیا۔ حضرت کا یہ قیاس فرمانا کہ جعدہ کی یہ حرکت اپنی تجویز نہیں ہے بلکہ اُسکی صلاح ہے جسکے خیال میں مجھے زہر دیا جانا مفید ہے۔ کوئی عجب خیز بات نہیں ہے۔ اِسکے بعد یہ سوچنا کہ مجھے موصل میں کسکی تحریک سے زہر دیا گیا جو مراسلت (بقول روضہ الشہدا) حضرت کے ہاتھ لگی۔ کوئی بڑے غور کی چیز نہ تھی۔ حضرت کو یہ معلوم تھا کہ مدینہ میں بجز مروان ابن حکم کے اور کسی کو ابن ابو سفیان کی ایجنٹی کا فخر نہیں ہو سکتا۔ یہ سلسلہ اور اُسکی قوت ایک طرف تھی اور دوسری طرف حسین اور اُنکے چند رفقا تھے۔ اسوقت اگر جعدہ کا نام بتایا جاتا اور یہ سلسلہ عام طور سے ظاہر ہو جاتا تو محمد ابن اشعث اور اُسکے اہل قبیلہ۔ حاکم مدینہ۔ بنی امیہ اور سب سے زیادہ معاویہ مخالفت کے لئے تیار ہو جاتا۔ نواسہ رسول کے انتقام لینے کا جوش پیدا ہوتا یا نہ ہوتا لیکن یہ سب سے زیادہ واضح تھا کہ اسوقت ہم نام بتا کر اپنی اُس چھوٹی سی راسخ الاعتقاد جماعت کو قتل کرانے کے محرک ہو جائینگے جسے ہمنے صلح کرکے بچایا۔

توریت کتاب پیدائش کے ۲۴-۲۵-۳۵-۴۹ اور ۵۰ باب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ابراہیم اور آل ابراہیم کو اپنے خاندانی مقبرہ میں دفن ہونیکا خاص لحاظ تھا۔ نظر برین یہ قیاس کرنا آسان ہے کہ سرزمین عرب جو دیگر بنی اسرائیل کے عروج و زوال سے زیادہ متاثر نہ ہوئی تھی اور جہاں ابراہیم۔ اسماعیل اور ہاجرہ کے علامات کی حفاظت کی گئی تھی اور جہاں انکی اولاد اپنے اولین رسومات و خیالات پر زیادہ قائم تھی اُسے ابراہیم اور آل ابراہیم کے دفن کا یہ پسندیدہ طرز فراموش نہیں ہو سکتا تھا۔ اسپر حسن کی وصیت کا یہ ٹکڑا لکھنا ہے کہ "اگر میں شہید ہو جاؤں تو خانہ رسول میں دفن کرنا" اور اگرچہ حضرت کو بنت ابوبکر سے کہنے کی فرصت ہوئی تھی اور اُنھوں نے "اقرار کیا تھا"۔ لیکن پھر حضرت یہ بھی کہہ رہے تھے کہ ہمیں نہیں جانتا کہ یہ بات ہو بعد مرے"۔ اگر ایسا ہی ہو سکتا تو کیوں نہ حضرت فاطمہ اپنے پدر عالیمقدار کے پہلو میں دفن ہوتیں۔ خانہ رسول بنی ہاشم کے قبضہ میں نہ تھا۔ اور دفن یا عدم دفن سے ملکیت کا خیال مانع نہ تھا بلکہ جیسا کہ ہمارے زمانہ کے ایک قادیانی رسالہ خلافت راشدہ اور خود ابو حنیفہ اور فضال ابن حسن کے ایک مکالمے سے ظاہر ہے (دیکھو تہذیب المتین) اگر محض دفن کر دیا جانا افضیلت کا ایک جزو قرار دیا جا سکتا تھا تو ہماری تاریخ کے زمانہ میں کیا کچھ ممکن نہ تھا جبکہ خود عائشہ مع اپنے تمام حافظہ کے ذخیرہ کے موجود تھیں اور جس وقت حکومت

ہر طرح کی کارروائیاں آل رسول کی یاد فراموشی اور تخفیف منزلت بلکہ رسول سے انکی بے تعلقی ظاہر کرنیکے لئے اختیار کرتی تھی۔

نواسہ رسول کا جنازہ

اب عالم خیال میں ایک مظلوم کے جنازہ کے ساتھہ ساتھہ رسول کے روضہ مطہر تک چلو۔ جو مظلوم رسول کا نواسہ تھا۔ تم کیون چاہتے ہو کہ اِس جنازہ کے ساتھہ دفن کے لئے بہت سے آدمی ہوتے جبکہ رسول۔ علی اور فاطمہ زہرا کے دفن کی تاریخ لکھی جا چکی۔ بجز اسکے کہ جس قدر بنی ہاشم کی تعداد بڑہ گئی ہو۔ یا جس قدر دوست اس قدر بیخوف ہو گئے ہون کہ اُنہین اپنا پہچنوانا اور اُسکے نتائج بھگتنا زیادہ گوارا ہو بہ نسبت اسکے کہ اس یادگار رسول کے آخری فرض مین شریک نہ ہون اِس مقدس بوجھ اُٹھانے والون کے قلبی اثر کے علاوہ اُنکی افسردہ صورتین صاف اُس فکر اور خوف کو ظاہر کر رہی ہونگی جس کا اُنھین اب سامنا تھا جبکہ صلح نامہ کے ایک فریق سے زمانہ خالی ہو گیا اور جسکی محض وجود نے ظلم کی انتہا کو روک رکھا تھا۔ ہم نہین کہہ سکتے کہ جنازہ نے پہلے خانہ رسول کی زیارت کی یا پہلے مسلح گروہ سے ملاقات ہوئی۔ ہر شخص کو اختیار ہے اپنے تصفیہ کا کہ کبھی اونٹ کا سوار آج خچر پر سوار ہو سکتا تہا یا نہین اور وہ گفتگو ہو سکتی تہی یا نہین۔ لیکن اِس سے کسی کو انکار ممکن نہین کہ مروان ابن حکم کو خانہ رسول کے متعلق کسی کوشش تصفیہ اور ارادہ کا حق نہین ہو سکتا تہا۔ بنی امیہ کی بسر گروہی مروان موجودگی بلکہ اغوا تو ظاہر ترین بات ہے۔ اسوقت بنی ہاشم کے خونی غیظ کا قیاس آسان ہے۔ اور اگر یہ روکے نہ گئے ہوتے تو دفن کیلئے کچہہ شہیدونکی قبرین عدد مین زیادہ ہو جاتین لیکن غالباً بنی امیہ ایک بیکار ضد پر زیادہ جرأت اور ثبات قدم کی نظیر نہ دے سکتے۔ بنی ہاشم نے تصفیہ کیا کہ اگر کبھی تلوار کھینچے کا وقت ہی تو آج ہے لیکن ذمہ دار کان مین جنازہ سے صدا آرہی تہی کہ "میرے لئے ایک چلو خون نہ گرے۔" حسن نے خون کی قے کی تہی۔ اسوقت

حسن کا اصل مرثیہ۔

امن قائم رکھنے کا ذمہ دار خون کے گھونٹ پی کر بنی ہاشم سے کہہ رہا تھا کہ "میرے بھائی کی وصیت کو ضائع نہ کرو۔ اور اُنکا جنازہ بقیع کی طرف پھیرلے چلو" اُسوقت حسنؑ کی مظلومی کے اظہار مین حسین کے صبر اور حکم کی گرفتہ صدا سے زیادہ درد انگیز مرثیہ نہین کہا جا سکتا تھا۔ حسین نے نہ تیرون کے پہل کو جنازہ کی آرایش کا کوئی جزو قرار دیا تھا اور نہ سفید کفن پر سرخ دھبہ ڈالنا مسلمانون کا اصول ہے۔ بقیع کی طرف واپسی کے وقت تیرون کے پر صندوق کو ڈھانکتے تے اور شیر فاطمہ سے بنے ہوئے (اُسوقت سرد) خون کے اپلے گلابی دھبے کفن پر پڑے تھے! سچ کہا ابا ہریرہ نے کہ "یہ ظلم ہے کہ ابن رسول (رسول کے پہلو مین) دفن نہ کیا

جائے"۔ تو انھین یہ بھی یاد نہ تھا کہ حسن کے قاتلون کی فہرست بناتے لیکن وہ جنھین اولاد رسول کو بعد رحلت کے بعد بھی انھین لوگون کے خیال مین رسول سے علیحدہ رکھنا تھا وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کوئی بقیع مین کوئی نینوا مین کوئی مشہد مین دفن ہو۔

موت خبر تکبیر۔

امام کا علیل ہونا ایک خبر تھی جو امیر شام کو دیجاتی اور وہ اس قدر دلچسپی ظاہر کرتا کہ برابر خبر بھیجنے کی تاکید کرتا۔ اُسے اور کیا سننے کی بیچینی تھی بجز اسکے کہ زمانہ حسن سے خالی ہوگیا۔ خبر سُنی۔ تکبیر کہہ اٹھا۔ بلکہ چیخ اُٹھا۔ اِس طرح کہ اہل شام سنتے اور نادانستہ بلکہ تکبیر کی غرض اور مفہوم سے افادہ کرتے نانا نے تکبیر اِس لئے سکھائی تھی کہ نواسے کو زہر دیکر طنز سے تکبیر کہی جائے۔! اور اب کوئی سبب پوچھتا اور وہ لانبے اطمینان سے کہتا کہ "مرگئے حسن" اِس سے اُسکا "دل ٹھنڈا ہوگیا" اور پھر اسکے بعد ابھی اس ذلیل وحشیانہ تبسم اور طنز کی بھوک باقی تھی کہ "حسن سے تعجب ہے کہ ایک گھونٹ شہد اور پانی پیا اور مرگئے" ہم فضل ابن عباس نے مرثیہ مین معاویہ کی طبیعت کا صحیح نقشہ کھینچا ہے۔

جب معاویہ حسن کی حیات ہی مین عبد اللہ ابن جعفر مین حسنین کی تعظیم کے طعنہ سے خیال مخالفت پیدا کرنا چاہتا تھا جو خاندانی اختلاف پر منتہی ہو یا اگر یہ دام مین آجائین تو کہے کم بنی ہاشم کی سرداری بظاہر دو آدمیون مین تقسیم ہوجائے تو پھر حسن کے بعد کیون نہ یہ پر فریب سنجیدگی ابن عباس پر صرف کرتا کہ "اب تو تم سردار قوم قرار پاؤگے"۔ غالباً یہ چوتھی کوشش تھی جسمین حکومت بنی ہاشم کے کسی فرد کو قوم کا سردار قبول کرکے آل علی و فاطمہ کو پست کرنا چاہتی تھی۔ مغیرہ اب تک زندہ تھا اور اُسے اپنی ابتدائی آخری کوشش مین بھی ناکامیابی دیکھنی تھی۔

کب سے دوبارہ پرزے جدا کئے جانے لگے۔

اگرچہ حضرت امام حسن کی حیات ہی مین جناب امیر پر سب و شتم کیجاتی تھی لیکن حسن کی موجودگی ابھی اِس سے روکتی تھی کہ ایک ایک پرزہ جُدا کیا جائے۔ یعنی اُنکے صاحب اثر موید مین حقوق ختم کئے جائین جو بنی امیہ کی اطاعت پر خوشی سے آمادہ نہین تھے۔ جب زکواۃ نہ دینا خلیفہ قبول نہ کرنے کے ہم معنی اور جناب امیر کی تائید کا مرادف اور اِس لئے قتل کا مستوجب ہوسکتا تھا تو اسوقت تو ان لوگون کو ہٹانا تھا جو ایک عہد کے رو سے وظائف پاتے تھے اور یہ وظائف حکومت کے نزدیک اُنپر بہتر صرف کئے جاسکتے تھے جو حمایت پر آمادہ ہون۔ یہ عناصر تھے جنھین معاویہ اپنے آزادانہ نفاذ اختیار کی راہ مین حائل دیکھتا تھا۔ شاخین کاٹنا نئی شاخون کے نکلنے کا مقدمہ ہوتا اگرچہ اپنی جگہ

نیا پُرزہ

رکہی جاتی۔ دوست پھر پیدا ہو سکتے تھے لیکن کسی حسن کا پیدا ہونا محال تھا۔ اِس نے برسوں کی مسلسل کوشش کیگئی کہ کسی طرح نواسۂ رسول تمام ہو جائے۔ امید بر آئی۔

یہی کافی نہ تہا کہ مخدوش لوگ کم کئے جاتے بلکہ نئے دوست بہی پیدا کئے جاتے اس لئے زیاد کے ملانے کی کوشش کیگئی۔ اُسکی تیز فہمی اور انتظامی قابلیت کام لینے کی چیز تہی جس طرح اشعث ابن قیس کی سپاہیانہ کارگذاریاں اور اُسکا افسر قبیلہ ہونا اُسے دور اول مین قرابت کی قیمت سے خرید سکتا تہا اور آیندہ اُسے خود ابن ابو سفیان لاکہوں روپیہ دے سکتا تھا۔ زیاد کی طرف توجہ کی وجہ تسمیہ کی تاریخ تہی۔ امیر شام تو بہت کچہہ کر سکتا تہا اگر موقع چاہتا اِس وقت تو صرف بھائی ہی بنانا تھا۔ اِن کوششوں کے دوران مین عباد اللہ اور عبیداللہ ابن زیاد کو بسر ابن ارطاۃ نے گرفتار کر لیا۔ اور قتل کا قصد کیا لیکن ابوبکرہ نے صلح کا دفعہ یاد دلایا مزید کوشش یہ کی کہ معاویہ سے رہائی کا پروانہ لائے اور رہا کر دیا۔ کبہی کسی چہچی غرض نے اِس معاملہ سے زیادہ بُرا چولا نہیں بدلا اور نہ کبہی احسان کا بدلہ بدرجہا زیادہ ناشکری سے دیا گیا۔ کون وہ کور نمک ابن نمک حرام تھا جسنے آل رسالت کے نام مٹا دینے کا بیڑا اصرار ذمہ لیا۔ بجز اسی ابن زیاد کے۔

اِسی زمانہ مین مغیرہ ابن شعبہ کو زیاد کا ایک احسان اُتارنے کا موقع ملگیا اور اسنے اُس مال پر قبضہ نہیں کیا جو عبدالرحمن ابن ابوبکرہ کے پاس زیاد نے رکھوایا تھا۔ اور کہہ بھی دیا کہ "تمہارے باپ نے میرے ساتھ بُرائی (شہادت زنا) کی تہی لیکن تمہارے چچا نے میرے ساتھ سلوک (خلیفہ کے اشارہ پر جرم ثابت نہ کرنے والی شہادت دی) کیا تھا"۔ اور اِسکے بعد جب مغیرہ سے ابن ابو سفیان نے زیاد کو ملانے کی وجہ بہی ظاہر کر دی کہ "ایسا نہ ہو کہ وہ اہلبیت مین سے کسی شخص کی وہ بیعت کرے اور لڑائی پھر از سر نو چھڑ جائے" (مؤلف کے نزدیک امیر شام اسوقت خلیفہ اول کی زبان سے بول رہا تھا) اِس لئے اُسے شب کو نیند نہین آتی تہی۔ مغیرہ نے لانے کا وعدہ کیا۔ اِس سے زیادہ کسی کو حق بہی نہ ہو سکتا تھا۔ زیاد سے کہا یہ کہ "اپنی فکر کر لو اِس سے پیشتر کہ معاویہ کو تمہاری پرواہ نہ باقی رہے"۔ مغیرہ اُس سے کہہ رہا تہا جو ابو موسیٰ اور حضرت عمر کی گورنمنٹ کا سکرٹری رہ چکا تہا۔ مزید اہتمام یہ تہا کہ وہ "ایک لاکہ درہم پر مصالحت کے بعد چہوڑ نہ دیا گیا تھا بلکہ "عزت و احترام" ہوتا تھا اور "بالتزام جماعت مین شریک" کیا جاتا تہا یا دوسرے لفظوں مین مغیرہ کے مدرسہ کا شاگرد بنایا گیا تھا۔ اور جناب امیر کے

اس فقرہ کو بھلا دینے کے لئے تیار ہو رہا تہا کہ ابو سفیان مین خباثت نفس اور ایک جہالت تہی جسکی میراث تجہکو نہ ملنی چاہیئے" معاویہ جو کچھہ کہہ رہا تہا یہ رومیون کی اُس معلمت کی شاگردی تہی جو وہ یہود کے ساتھ کرتے تہے۔ جب یہود کا کوئی فرد اپنی بد قومی مین اس درجہ ترقی کر جاتا تہا کہ اُسے اپنی قوم کی خو بو سے مغائرت ہو جاتی تہی۔

اس درمیان مین بشر ابن ارطاۃ بصرہ مین اور مغیرہ کوفہ مین علی اور آل علی کے متعلق اپنی دل کے بھڑاس نکال رہا تہا۔ اور خود معاویہ نے عدی ابن حاتم سے اسلئے علی کی محبت پر مضحکہ شروع کیا کہ کوئی میدان نہ تھا جہان عدی کی تلوار جواب دیتی۔ پھر بھی عدی کی زبان تلوار سے زیادہ گہرا زخم لگانے کے قابل ثابت ہوی۔ معاویہ انکی تقریر سے سہم گیا۔ تقریر لکہوا لی۔ نرمی اور ملاطفت سے گفتگو شروع کی۔ ہم اُس وحشت کا قیاس نہین کر سکتے جو یہ سنکر لاحق ہوی ہوگی کہ "بلاشبہہ موت کا غرغرہ اور حالت نزع کا گھٹرہ ہمارے لئے آسان ہے بہ نسبت اسکے کہ ہم علی ابن ابیطالب کے حق مین کوئی کلمہ ناملائم سنین" سچ ہے کہ کسی چیز کے نسبت خلوص۔ محبت اور اعتقاد کی بہترین کسوٹی موت ہے۔ علی کی محبت اِسپر پوری سے زیادہ اُتری۔

یہود اور پیروان علیؑ

ہو سکتا ہے کہ یہود کو اپنی بقائے قومی کے جد وجہد مین دیگر اقوام پر افتخار کا موقع ہو لیکن پیروان علی کے مقابلہ مین یہ ادعا کوئی ترجیحی حق قائم نہ کر سکے گا۔ اِس لئے کہ یہود صدیون سے بننے کے بعد بگڑے اور اسکے بعد اُنھین اپنے زوال کے روکنے کی کوشش آسان تہی برخلاف پیروان علی کے جو اُسوقت سے بگڑے کہ اُنکے بننے کا زمانہ قابل شمار نہ تھا۔

زیاد کب گورنر مقرر کیا گیا۔

سنہ ۴۹ھ مین سبط اکبر نے رحلت فرمائی اور اُسوقت تک زیاد ابن ابیہ جس درجہ مسخ ہو چکا تھا وہ معاویہ کے اِس درجہ توجہ کے قابل تھا کہ اُسے بصرہ اور کوفہ کے دو مفید صوبے حوالہ کرتا۔ یعنی امیر شام کی یہ عنایتین زیاد کے اعمال کی قدردانی اور مزید ایسی ہی کارروائیون کے لئے ایک اشارہ تھا۔ اور خود اُسکی اثر کر سکتا تھا۔

سنہ ۵۱ھ مین اپنے بوڑہے صحابی (عدی) کو اِس لئے زیر حراست لے لیا کہ وہ عبد اللہ ابن خلیفہ طائی کو حاضر کرین۔ عبد اللہ حجر کے رفیق تہے اور حجر نہ صرف سردار قبیلہ تہے بلکہ حضرت امام حسن کی طرف سے فوجی بھرتی اور انتظام کے افسر تہے۔ اور مصالحت کے مخالف تہے۔ عدی نے اِسکی ذمہ داری نہین لی اسلئے کہ اُنھین خوف تھا کہ عبد اللہ قتل کر دیئے جائینگے زیاد نے کوئی اِنکار نہین کیا۔ یہ اُنکے قید کرنیکا ایک سبب ہو سکتا تھا۔ لیکن جب دیکہا کہ لوگون مین انکی صحابیت اور سرواسطے ہونے کی وجہ سے

برافروختگی سے تو انھین ایک شرط سے رہا کر دیا۔ لیکن کیا سب صحابی اور سردار سلطے تھے جو
نہ تھے اور اِس لئے اُنکے ہاتھ پاؤن۔ گردن زبان اور آنکھین۔ تلوار۔ نیزے اور رسیّون کی خوراک
تھین۔ سولیان درخت اور قید خانے انکی شہادت کے تماشائی تھے۔!
آسان تھا کہ ابی خیط کے رکنون سے کم درجہ کا بھی کوئی شخص علی کے کسی دوست کے متعلق کہتا کہ اُسکے گھر
"مجمع" ہوتا ہے اور یہ لفظ اِس قدر بھیانک صورت اختیار کرتا جو قتل کا فتویٰ دلا سکتا۔ اوفی ابن
حصین گرفتار اور قتل ہوئے۔ عمرابن الحمق کی تادیب ہوئی اور ایک روز جب زیاد کہہ رہا تھا جو کچھ بنی امیہ
کا وظیفہ تھا تو حجر نے روکا۔ زیاد خاموش رہا۔ بصرہ گیا اور عمرابن حریث کو کوفہ بھیجدیا۔ وہی ابن
حریث جسنے آٹھ ہزار آدمیونکو بصرہ مین قتل کر ڈالا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اِسے بھی حجر کے گرفتار کرنے کی
جرأت نہ ہوئی۔ زیاد پھر کوفہ آیا اور ایک دن اپنے صاحب شرطہ کو کچھ سپاہیون کے ساتھ حجر کی
گرفتاری کو بھیجا۔ لیکن وارنٹ عدم تعمیل واپس آیا۔ اب زیاد نے اُہل کوفہ کو اکٹھا کر کے دھمکایا "ڈرایا"
اور جب لوگون نے بے تعلقی کا اقرار کیا جسکے سوا چارہ نہ تھا تو اب زیاد نے صاحب شرطہ مین ہمت کے
کچھ اور قطرے ٹپکائے۔ لیکن ہمت کا مصرف کہان تھا جبکہ دوسری جانب مقابلہ کا سامان ہی نہ تھا۔ یہ
تمام الزام برہنہ ہوگئے کہ مجمع ہوتا ہے اور لشکر کشی کا سامان ہے وغیرہ وغیرہ جب صاحب شرطہ حجر کی
تنہا تلوار سے زخمی ہوکر گرا اور ابو العمرطہ کندی نے حجر سے کہا کہ "تمہاری حمایت کو سوا میری تلوار کے
اور کوئی تلوار نہین ہے اور میری تلوار تمکو انلوگون سے نہ بچا سکیگی،، ظاہر ہے کہ ابو العمر کا یہ کہنا یا عمرابن الحمق
کا حجر کی حفاظت مین زخمی ہونا عرب کے اِس مسلمہ قانون کی بنا پر تھا کہ اہل قبیلہ اپنے کسی فرد قبیلہ کی
حفاظت کرتے تھے حالانکہ اسوقت انکا قبیلہ ہی حفاظت کے لئے جمع نہ تھا۔ غالباً گرفتاری کے حکم کے
لئے ایسا ہی وقت مناسب سمجھا گیا ہو۔ حجر۔ رفاعہ ابن شداد اور عمرابن الحمق مختلف قبائل مین
پناہ لیتے ہے اور زیاد نے چند قبائل کو انکی گرفتاری کے لئے مخصوص کیا۔ یعنی ایک قبیلہ کو دوسرے
پر چھوڑ دیا۔ پھر بھی یہ لوگ گرفتار نہ ہوئے۔ لیکن جو کچھ قوت سے نہین ہو سکتا مکر سے آسان ہو جاتا
ہے۔ اگرچہ حجر کندہ کے رئیس تھے لیکن حکومت نے بھی کندہ مین ایک رئیس اپنا بنا لیا تھا اور یہ
کون تھا بجز مشہور باپ کے بیٹے کے۔ حجر نے اپنے کو محمد ابن اشعث کے حوالہ کر دیا۔ بارہ سردار اور
قید کئے گئے۔ مقدمہ پیش ہوا اور ہم تصفیہ نہین کر سکتے کہ جو الزامات اِن لوگون پر عاید کئے گئے وہ

فوجکشی کا بے بنیاد الزام برہنہ ہوگیا۔

ابن خلدون کے فلسفۂ تاریخ کے تجزیہ کا نتیجہ ہے یا اُسکے مترجم کی بیسوین صدی تک کی معلومات کا ہی کچھ حصہ ہے۔ لیکن بغیر کسی ادنےٰ کوشش کے مقدمہ کافی سے زیادہ سمجھ مین آجائیگا جب اسکے دو عنصر پر نظر ڈالی جائیگی۔ اول یہ کہ گواہی دینے والے۔ طلحہ۔ زبیر۔ ابن ابی معیط اور ابن ابی وقاص کے لڑکے تھے۔ اور ابو موسیٰ اور ابوہریرہ کے نام سے فہرست پر تقدس لیا گیا تھا۔ دوسرے شریح ابن ہانی کا نام گو اہو نین بغیر اُنکے علم و اطلاع کے لکھا گیا تھا جسکی اُنھین تردید کرنی پڑی۔ لیکن نوکجشی ہو یا معاویہ کی مذمت سب کچھ قابل معافی سمجھی گئی اگر یہ لوگ علیؑ سے بیزاری ظاہر کرین"۔ شجاع اور وفادار حجر اور اُن کے رفقائے اِس سے "انکار کردیا" حجر کی سپاہیانہ غیرت ہی کا جس یہ کہنے کا شایان تھا کہ "اگر مجھے یہ شبہہ نہ ہوتا کہ لوگ یہ سمجھینگے کہ مین موت سے ڈر رہا ہون تو مین دیر تک نماز پڑھتا رہتا" اور اسکے بعد حجر علیؑ کے وفادار خادم کی طرح علیؑ کے نام پر قربان ہوگیا۔ شریک۔ صیفی۔ قبیصہ۔ محرز۔ کرام۔ زندۂ جاوید ہوئے۔ اور عبدالرحمن بن حسان جنہون نے مخدوش دقیع کی صاف گوئی کی جرأت کرکے معاملہ کے سمجھنے کے لیے روشن تاریخ چھوڑ دی "زندہ دفن" کردیئے گئے۔ عمرابن الحمق کو یا نیزے مار کر شہید کیا یا دشمنون کے تعاقب مین ہلاک ہوئے۔ پھر بھی انکا سر معاویہ کے لئے اِس قدر قیمتی تھا کہ اُسے دیکھکر تسکین ہوئی۔

اِس طرح وہ جڑ اور شاخین نیست و نابود کردی گئین جنکا سرسبز رہنا معاویہ کو سوہان روح تھا اور جنکے ہوتے یہ حقیقتاً اپنے کو بادشاہ نہین سمجھ سکتا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنھین سے ہر ایک معاویہ کو اپنی تلوار سے قتل کرنا تلوار کی ذلت سمجھتا لیکن شاید اِس لئے قتل کرڈالا کہ خلق کو اُسکے سایہ سے محفوظ کردے۔ لیکن ابن ابوسفیان نے ایسے موقع پر احتیاط کی تھی کہ اُنکی تلوار کے سایہ کا ادب کرتا۔ اور آج جبکہ وہ عہد اور امن کے لحاظ سے بے تعلقی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور اپنی تلوارین اپنے ہاتھ سے رکھ چکے تھے وہ نقض عہد کے شکار اور انتقام کے مورد ہوئے۔ یعنی مرتب کرغیر منظم حق ر ردی پر غالب آگیا!

ان شہادتون کی خبر شکستگیٔ نفس موقع اور قومی طبائع کی بہترین معتوری کی تھی جبکہ ربیع بن حوشب نے کہا کہ عرب ہمیشہ حجر کے بعد سے یون ہی قتل کیا جائیگا۔ اگر وہ لوگ حجر کے قتل سے تنگ جاتے تو اپنے کو اِس قتل عام سے بچالیتے لیکن اُنھون نے ایسا نہ کیا اور ذلیل ہوگئے۔ ہو کہ یہ طنز یا مرثیہ سمجھا جائے یا ایک

اِس دل کے لوگ علیؑ پر قربان ہونے کے شایان تھے۔

ربیع بن حوشب کے فقرہ کے معنی۔

متاسفانہ تشنیع کی کیفیت ہو۔ لیکن یہی بس نہین تھا۔ بلکہ قومی خصائل کی تاریخ بیان کیجا رہی تھی جہان کوئی گروہ اِس درجہ ذلیل ہوگیا تھا کہ اپنے فطری سردار کے قتل کو ٹھنڈے دلون سے دیکھہ رہا تھا بلکہ اپنی بے تعلقانہ خاموشی اور خوشامد سے آسانیان پیدا کر رہا تھا۔ اِس سے اگر کسی افسر قوم کے ساتھ ایسی بے انصافانہ بیرحمی کیجا سکتی تہی تو غیر ممتاز عام کی حالت کا قیاس آسان ہے۔ قتل تہا بلکہ قوم کے خصائص کی زندگی یا موت کی کسوٹی تہی۔ اُنکہو نین ذلت اور نامردی یا خوشامد کی قدر نہین ہوسکتی ایسا ہونا قانون قدرت کا انکار ہوگا۔ اگرچہ مدبّرین کی زبان اقرار سے لتھڑی ہو سچّی عزت انفرادی خصائل کی قوت مین ہے اور جبکہ قوم کی قوم ایسے ہی افراد کا مجموعہ ہو۔

عمرابن حمق کی بی بی کے ساتھہ برتاؤ کے معنی۔

اور جب یہ ممکن ثابت ہوا تھا کہ نواسہ رسول سے مسخر کیا جاتا اور افسران قوم قتل کئے جاسکتے تو اِس سے کونسا امر مانع تھا کہ عمرابن الحمق کے بیگم کے ساتھ سخت کلامی نہ کیجاتی۔ اِس غیور بی بی نے اپنے کو عمرابن الحمق کی بی بی ثابت کیا۔ یہ خاتون نہ جزع و فزع کرتی ہے۔ نہ اِسمین خوف اور خوشامد کے آثار ہین بلکہ اپنے شہید شوہر کی تعریفین کرتی ہے اور کہتی ہے کہ تونے "اُسکا سر میرے پاس ہدیہ بھیجا"۔ عرب ہمیشہ اپنی عورتون کے احساسات کی عزت کرتا تھا اور اُسکی بہت کچھہ شجاعت اپنی عورتون کی وجہ سے تہی۔ عورت کی فریاد پر جان دینے کے لئے مستعد ہوجانا اور اُسکی مدد کرنا بہترین اصول شجاعت مین داخل تھا اور اسکا تو ذکر ہے عبث ہے کہ اسلام نے کیا سکھایا تھا۔ ایک شریف بی بی کو اُسکے بوڑھے شوہر کا سر تحفہ بھیجا گیا ہے اور وہ اصول کی خلاف ورزی پر اظہار حیرت سے جس سے غم علٰحدہ نہین ہوسکتا تھا شماتت کر رہی ہے۔ اُسے جلاوطنی کا حکم ہوتا ہے۔ وہ گویا پیشتر سے مستعد تھی اِس لئے کہ بیچاری کو طول ہوگیا تھا۔ عزت موقوف خطر مین تھی۔ قرض زیادہ ہوگیا تھا اور خوشی کا منھہ دیکھنا دور از حال تھا۔ لیکن جلاوطنی کے قبل ابہی باقی تھا کہ خائن وحی ہی کچھہ کہہ لیتا۔

حجر کی شہادت کا ہیجان (ابن خلدون)

حجر کی شہادت نے اِس قدر ہیجان پیدا کیا کہ مالک بن ہبیرہ سکونی نے اُنکی سفارش کی تہی لیکن معاویہ نے کہا کہ "وہ سردار ہے اگر مین اُسکو چھوڑ دونگا تو آیندہ خوف فساد کا ہے"۔ مالک نے گہر بیٹھہ کر اپنی قوم کو اکٹھا کیا اور حجر کو چھڑانے چلا۔ جب قاتل حجر قتل کرکے آرہا تھا تو مالک سے ملاقات ہوئی اور اُنھون نے حجر کا حال پوچھا۔ اُسنے واقعہ بیان کیا۔ "مالک کو اسکا یقین نہ ہوا"۔ سیدھے عذرا گئے وہان یقین ہوا بلوروں کو قاتلون کی گرفتاری کے لئے بھیجا لیکن وہ ہاتھہ نہ آئے اور معاویہ کو معلوم ہوا تو اُسنے کہا "یہ جوش تہا

جو اسکے دل مین بھرا ہوا تھا۔ مجھے امید ہے کہ وہ اب فرو ہو رہا ہوگا۔ رات ہوئی تو ایک ہزار درہم مالک کے پاس بھیجے۔ حضرت عائشہ نے بھی سفارش کے لئے آدمی بھیجا لیکن یہ بھی شہادت کے بعد پہونچا۔ کچھ طنزیہ کلام ہوئے آخر مین معاویہ نے کہا کہ "مجھکو اِس امر پر ابن سمیہ نے آمادہ کیا تھا" اہل کوفہ مین بھی کچھ ہیجان ہوا اور اکثر مشاہیر ترک وطن کرکے مدینہ آئے اور حضرت سبط اصغر کے پاس حاضر ہونے لگے۔

معاویہ کے خط کے معنی

جب مروان کو معلوم ہوا کہ کچھ اہل کوفہ مدینہ آئے ہین اور وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت مین حاضر ہوتے رہتے ہین تو اُسنے معاویہ کو خبر دی۔ معاویہ نے یہ خبر پاکر جو خط حضرت کو لکھا اُس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ مروان نے اپنے دماغ پر کس قدر زور دیا تھا۔ اِسمین سب سے زیادہ توجہ کے قابل یہ فقرہ ہے کہ "مجھے امید ہے کہ جب تک ہمارے جانب سے تمھین کوئی بُرائی نہ پہونچے تمھاری طرف سے بھی کوئی مکروہ امر واقع نہ ہو" اِس فقرہ مین معاویہ اپنی تقریر کے اُس موقع کو دھرا رہا تھا جو مصالحت کے بعد کی تھی کہ "جو شرطین مین نے کی ہین اُنکا سرا میرے ہاتھ مین ہے چاہوں وفا کرون خواہ نہ کرون تمھین اِس سے کوئی مطلب نہین تمکو اطاعت سے کام رکھنا چاہیے" یعنی معاویہ لوگون کے ساتھ اپنے کیسے ہی عمل کو قابل باز پرس نہ ٹھہرا رہا تھا بلکہ دوسرون کو اتحاد عمل سے روکتا تھا اور اُنھین انفرادی معاملت کا منظر رکھا تھا۔ دوسرے لفظون مین معاویہ کو اختیار تھا کہ وہ ایک ایک کو قتل اور ذہر کے لئے چُنتا جائے لیکن دوسرا اُسمین کوئی دخل نہ دے۔ دوسرے کے قتل کے وقت وہ اِس سے مطمئن رہے کہ ہم بچے ہین یہانتک کہ معاویہ کا وہم اُسے بھی درمیان سے چُن لے۔ ظاہر ہے کہ کوئی تنہا شخص سلطنت کے انتظام اور سامان کے مقابل مین کچھ نہین کرسکتا نہ کہ جب اُسے فوراً اپنے کو پنجۂ غضب مین گرفتار دیکھکر اپنی فکر کرنی پڑی۔ حسین کے جس قدر جواب ملتے ہون اُسمین مخصوص اور مشترک یہ ہے کہ "مین نہ تیری مخالفت پر آمادہ ہون اور نہ جنگ کی رغبت یا قصد رکھتا ہون" حسین نہ دوسرا اور نہ اِس سے اچھا جواب دیسکتے تھے۔

خود غرضیونکی جنگ اور نماز

اور جس زمانہ مین بنی امیہ اور اُنکے ہوا خواہ اسپر مستعد تھے کہ کس طرح صریح یا غیر صریح طریقہ سے آل ہاشم کو نقصان پہونچائین ابن عاص اور مغیرہ کے واقعات بھی کم دلچسپ نہین ہین کہ کبھی مغیرہ ابن عاص کے لڑکے کو کوفہ کا حاکم نہین دیکھ سکتا اور کبھی ابن عاص مغیرہ سے انتقام لیکر اسے بھی معزول کرا دیتا ہے۔ برابر کی چوٹ اور برابر کی جوڑ تھی۔ اِنکے طبائع کی واقعہ خوانی کے لئے اُنکے افعال کی مثالون سے زیادہ قوی زبان نہین پیدا کیجاسکتی۔ لیکن اِس موقع پر جہانتک شخصی فوائد کا تعلق ہے دونون اچھے رہے بُری

ولیعہدی یزید کے اثبات پر نظر۔

صرف ظاہر سہی۔

اگرچہ بنی ہاشم اور اُنکے ہر پیرو دن کے جدا کرنے کی یہ ضروری معنی نہیں ہوسکتے کہ یہ ولیعہدی یزید کے نتیجہ کے لئے سبب قرار دیا گیا تھا لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ازروئے عہدنامہ معاویہ کو اپنی حیات تک اپنے حاکم رہنے کا یقین تھا تو پھر اُن لوگون کے فنا کر دینے کا کیون اس قدر اہتمام تھا جو طبیعتاً اُنکی حکومت پر راضی نہ ہوسکتے تھے۔ عام حکومتون کا یہ اصول ہو یا نہ ہو لیکن کم سے کم معاویہ کا نہ تھا کہ سب میری حکومت پر خوشی سے راضی ہون۔ جبر ہی مین اُسے کیا کراہت تھی۔ برسون پہلے مغیرہ ابن شعبہ عثمان کے سامنے علی سے کہہ چکا تھا کہ "تم چاہو یا نہ چاہو تمہین محکوم رہنا ہوگا" اب رہا یہ وہم کہ باوجود پیرانہ سالی کے اُسے امید نہ تھی کہ وہ لوگ میری بقیہ عمر تک بھی مجھے حکومت کرنے دینگے۔ یہ قیاس معاویہ کے ایسے اندازہ کے آدمی کے لئے محال تھا۔ جو قوتون کی صحیح تشریح کرسکتا تھا۔ اُسے اپنی قوت معلوم تھی اُسے اُن لوگون کی قوت بھی معلوم تھی جو اُسکے مخالف ہوسکتے تھے وہ انہین جناب امیر کے مقابل لشکر آرائی کرچکا تھا اور اُسے بنی امیہ کی تائید کی آخر دم تک اسلئے امید تھی کہ اُنکا اور کہین گذر نہ تھا۔ اور اسلئے اب اس خوف کی گنجائش نہ تھی کہ ایک ادنے شکست کے بعد تخت اُلٹ جائیگا۔ ایسی صورتون مین بنی ہاشم کے دوستون کا کوئی خفیف ہیجان بھی امیر شام کی طرف سے ایسی سخت کارروائیون کا مقتضی نہین ہوسکتا تھا۔ جسمین دشمن کی معدومیت کے سوا چارہ نہ ہو۔ انتقام کا جوش بھی ہی سہی لیکن جو کچھ کیا گیا وہ بجز "اطاعت یا قتل" کے اور کوئی اصول نہین سمجھاتا تھا اور آیندہ ایک مستقل سلطنت کا سوداد تھا اور ایسا ہونا یا پیشتر سے اپنے اور اپنے خاندان کو مضبوط کرنے کے خیال سے تھا یا میدان صاف دیکھکر یہ خیال شدید ہوگیا۔

لیکن بات ایسی تھی جسے پہلے پہل خود منہہ سے نکالتے ڈرتا تہا۔ معاویہ کی خود تحریک ہو یا مغیرہ کے دل پر طعنے حکومت کی لہرا گئی ہو کہ اُسنے اپنے دوبارہ بحالی کے لئے یہ ترکیب نکالی کہ یزید کی ولیعہدی کا مسئلہ چھیڑ دے۔ بہرحال مسئلہ چھڑا۔ اس بنا پر کہ "اجل صحابہ اور سرداران و بزرگان قریش انتقال کرچکے ہین اور اس لئے ولیعہدی یزید کی بیعت لینے مین نہ کوئی فتنہ ہوگا اور نہ فساد" یہ آخری فقرہ قوم کی اخلاقی حالت کا آئینہ تھا کہ مسلط کردو جسے چاہو ہمین دیکھنے کا کوئی حق نہین ہے (اب رہگیا کوشش کرنے والا آدمی تو یہ بھی کہدیا کہ مین کوفہ مین اور زیاد بصرہ مین کام کریگا۔ اور اسکے بعد یہ بات بھی

بہت غور کی کہی کہ "اِن دونون شہرون کے بعد پھر کوئی ایسا شہر نہین ہے جو آپ کے علم کی مخالفت کرتے اس لئے کہ خلیفۂ ثانی کے وقت سے کوفہ اور بصرہ کی حیثیت نہ صرف بہ لحاظ شہریت کے بڑھ گئی تھی بلکہ فوجی عُنصر کی زیادتی نے اسے ایسا موقع دے رکھا تھا کہ مصلحت کے کسی اساس کے قبل اسپر نظر ڈالنا نہایت ضروری تھا۔ کوشش شروع ہوئی اور "ہواخواہان دولت بنی اُمیہ" سے ابتدا کی گئی۔ لیکن زیاد یزید کی حرکتون سے اُسکی ولیعہدی کی امید نہ کرسکتا تھا اور گو اگرچہ اسکا صلاح کار عبید بن کعب نمیری بھی نامقبولیت مین اسکا ہمخیال تہا لیکن صاف جواب دینے کی جرأت "معاویہ کی رائے کی مخالفت" اور یزید کو بدخواہ بنانے" کے خوف سے نہ کی بلکہ معاملہ کو سردست ملتوی رکہنے کی صلاح دی گئی۔ اور اِس طرح گویا پہلی کوشش کا زور ٹوٹ گیا یہانتک کہ زیاد سے زمانہ پاک ہوا۔

زیاد کے بعد کوشش کا دوسرا دور شروع ہوا۔ ابن عمر کے پاس ایک ہزار درہم بھیجے گئے جسے اُنہون نے قبول کرلیا لیکن ولیعہدی یزید کا تذکرہ سنکر واپس کردیا۔ مروان کو لکھا گیا۔ مروان نے لوگون کے سامنے تقریر کی اور جب یزید کا نام آیا تو عبدالرحمن ابن ابی بکر نے مروان اور معاویہ دونون پر گرمی ظاہر کی۔ بعض کے نزدیک ابن ابوبکر کا پنجہ مروان کی ٹانگ تک پہونچ گیا۔ بنی امیہ گرم ہوئے۔ یہانتک کہ حضرت عائشہ کو قیام امن کے لئے تشریف لانا پڑا۔ مروان نے معاویہ کو حالات کی اطلاع دی اور ابن ابوبکر کی درازی عمر اُنکی محافظ ہوئی۔

اِس سے زیادہ مشروطیت تاکار روائیان کی گئین وفود بھیجنے کے حکم نے گشت کی اور ہر صوبہ دار نے وفد تیار کئے اور وہ امیر شام کی دلی خواہش اپنی زبان سے بیان کرنے لگے۔ معاویہ کے خاص مقربین نے حاضرین اطراف کے سامنے اظہار اخلاص و وفا کی تقریرین کین اور سب سے زیادہ پرجوش کو خطیبون کے سردار کا خطاب دیا گیا۔ لیکن جس وقت یہ ہورہا تہا تجربہ کار احنف ابن قیس جسکا پیشتر تعارف کرایا گیا ہے اور جس سے ایک صلح کی حالت تہی۔ خاموش سنتا رہا۔ یہانتک کہ معاویہ نے اُسے چُپ نہ رہنے دیا۔ غالباً اِس امید سے کہ اسکا کہنا لحاظاً اُسکی وجاہت۔ سنجیدگی اور نیوٹرل حالت کے زیادہ اثر کرے گا لیکن جو کچھ اُس نے کہا اپنے موقع کا بہ نسبت معاویہ کے زیادہ لحاظ کیا۔ جو گویا معاویہ کی تمام کارروائیون کے ایک مرتبہ اور شکست کا باعث ہوا۔ یہانتک کہ زمانہ نے پھر ایسے مثال مین مدد کا اضافہ کیا کہ کیسا ہی مکروہ کام بھی مسلسل کوشش سے عنوان

موافق پورا ہو جاتا ہے۔

شیرین کلامی۔ مدارات۔ سلوک۔ دہمکی کام لائی جاتی رہی اور آخر مین ایک ہزار سوار ون سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ مین پُر امن داخلہ کی تیاری کی۔ وقت تہا کہ رسول مکہ معظمہ سے اِس لئے بتون کا تخلیہ کیتے تہے کہ اگر کعبہ مین اُنکا وجود رہا تو عقیدہ شرک کا مرکز مشرکین عرب کے خیال مین قائم رہیگا اب وقت تہا کہ حصول مدعا کے لئے اہل حرمین شریفین پر اپنے شان و شوکت سے مرعوب کیکے اثر ڈالا جاتا یعنی جس قدر بہی اُنہین مذہبی لطافت کے لحاظ سے یزید کے ایسے شخص کو ولیعہد قبول کرنے مین تردد ہوتا یہ بہی اِن سامانون کی وجہ سے دور کردیا جاتا۔ اور یہ سب اِس لئے کہ یہ دونون مرکز اسلام اگر اپنی روش انکار اور کراہت پر مُصر رہے تو خواہش کا نفاذ آسان نہ ہوگا اور یہ دونون مقدس مقامات مقامات مختلفہ پر اپنا اثر ڈالتے رہینگے۔ غالبًا یہ مثالین اُن مقدس مقامات کے متعلق ہمیشہ کے لئے ہماری چشم کشا ہو سکتی ہین۔

مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ مین معاویہ کے داخلہ کی وجہ

مدینہ پہونچکر معاویہ نے حضرت امام حسین سے مخاطب ہو کر جو کچھ کہا وہ ایک صریح دہمکی تھی اور یہ فقرہ نہین کہا جاسکتا تہا مگر اسکے بعد کہ وہ حاکم مدینہ کی بہیجی ہوئی خبرون سے خوب بہر جاتا کہ "تمہاری مثال اُس شخص کی ہے جس کا خون جوش مین آگیا ہو" اور پھر یہ جملہ بیشتر کی مثال دی ہوئی حالتون کیطرح اِس خوفناک انداز بیان سے تمام کیا گیا جسمین اپنے ارادونکے نفاذ کے لئے خدا کے نام کو کارکن قرار دے لیا جاتا تھا۔ یقینًا یہ کوسنا نہ تھا کہ "خدا تمہارے خون کو بہائیگا"۔ کوسنا تو کمزور ہے۔ اور "حسد و عداوت" کا الزام اس لئے دینے کی ضرورت تہی کہ کیون نہ تمنے ولیعہدی یزید کا تذکرہ سنتے ہی قبول کرلیا۔ سختی سے حسین نے جہڑکا لیکن اُسے پھر یہ کہنے کا موقع تہا کہ "تم اسکے اور اس سے بدتر کے اہل ہو" اور اتفاقات کی موافقت اِس کہنے سے مانع نہ تہی کہ "تم لوگ ایسی بات چاہتے تھے خدا جسکے خلاف چاہتا تھا"! پھر بھی مدینہ کی تمام تقریر اور دہمکی۔ یزید کی سخاوت وغیرہ کچھہ نہ کیا بلکہ اُلٹے شعرا نے ہجو کہی۔

ناممکن تھا کہ امیر شام کا ایسا سیاسی پیش بندی اور احتیاط کا آدمی مدینہ آتا اور حضرت عایشہ کی زیارت نہ کرتا خصوصًا اُنکی اُن قابلیتون کے علم پر جو اُن سے ظاہر ہو چکی تھین۔ اثنائے گفتگو مین حضرت عایشہ نے معاویہ کو اُسکی و ہکیون پر ملامت کی اور اُسنے جواب دیا کہ "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جبکہ

امیر شام کیون عایشہ کی خدمت مین حاضر ہوا اور اُنکی رحلت کی وجہ

اُس بیعت کو ناقص کردوں جو ولیعہدی یزید پر مین نے لی ہے۔" معاویہ نے ام المومنین کی زبانی سے مرحوم محمد ابن ابی بکر کے قصاص کا ذکر بھی سُنا۔ یہ گذشتہ کی تاریخ بتی کہ حضرت ام المومنین نے ابن زبیر کی محبت کا اکثر اظہار کیا اور یہ ابن زبیر بہت جلد خلافت کے قریب پہونچ جاتے اگر جمل مین فتح نصیب ہوئی ہو تی حکمرانی اور خلافت کے سودا انکے دل مین تہی اور خود معاویہ نے یزید کے نصائح مین خاص طور سے ابن زبیر پر نگاہ رکھنے کی وصیت کی بلکہ قتل کرڈالنے تک کی اجازت دی۔ ایسی صورت مین کہ وہی ابن زبیر اور وہی حضرت عایشہ زندہ تھین۔ اور وہ کچھ کہہ چکی تھین جو کہنا تھا یقین کرلے جسکا جی چاہے کہ حضرت عایشہ کا عبرتناک حادثہ محض مروان کا جوش انتقام تھا جسنے طلحہ کے بعد ام المومنین کو بھی فنا کر دیا اور پھر امیر شام اسکی کوئی بازپرس تک گوارا نہ کرے۔ ذاتی طور سے۔ اگر میری آنکھ سے زمانہ اور اور اُسوقت کا سیاسی پردہ اُٹھ بھی جائے تو میرا یقین بڑھ نہ جائیگا کہ حضرت عایشہ کی موت معاویہ کے حکم سے تھی۔ یہ ہونا خالد اور مغیرہ کا عزل۔ عبدالرحمن ابن خالد کا زہر دیا جانا یہ سب اس روح کی حرکت بتی کہ "ہمارے حوصلہ اور اختیار مین کوئی دخل دیتا ہے" جو دوسری شکل مین کم ذمہ دار و ن سے اُس طرح ظاہر ہوتی بتی جیسے مغیرہ اور ابن عاص کی آپس کی جنگ تھی۔ بہرحال حضرت عایشہ کا درمیان سے اِس طرح اُٹھا دیا جانا بنی امیہ کی ہمہ گیریت اور بے جنبش حالت کی مثال تھی اور وہ اب اس قابل ہوگئے تھے کہ اُس مصلحت کے تشخص کو فنا کرسکے جو آج اُنھین تخت پر لانے کے سبب ہوئی۔ یہ بنی تیم کا دیا ہوا سبق تہا جو اُنھون نے رسول کی احسان شناسی اور اہلبیت کے ساتھ طرز عمل سے دیا تہا۔

معاویہ کی فکر اور اُسکی وجہ۔

مدینہ کے سناٹے اور اِس خبر نے کہ حضرت امام حسین۔ ابن زبیر۔ ابن عمر۔ مکہ گئے ہین معاویہ کو متفکر کر دیا۔ تفکر کی وجہ ظاہر تہی۔ مکہ ایک مرتبہ ایک زبردست فوجی تیاری کا مرکز ہوچکا تہا۔ اور اِن افراد مین جو مکہ گئے تہے ہر فرد کم و بیش اِس درجہ اثر رکھتا تہا کہ کچھ جمعیت فراہم کرلے سکتا لیکن معاویہ کا یہ تفکر وہم ہی وہم تہا کسی نے سرّاً و علانیاً کوئی ایسا خیال ظاہر نہین کیا اور نہ کوئی ایسی کوشش ملتی کہ کسی ایسے خیال کی ترجمان ہوسکی۔ لیکن اگر "موقع بینی" کے مشہور مفہوم کا لحاظ کیا جائے تو یقیناً کسی ایسی کارروائی کے لیے جو معاویہ کے مخالفت مین کیجاسکتی اِس سے بہتر موقع ملنا دشوار تہا جبکہ معاویہ کے پاس صرف ایک ہزار سوار تھے اور جبکہ مکہ کا عامل قرشی

تھوڑے سے سپاہی مہیا کر سکتا۔ ابن زبیر نے یہ کیا لیکن اِس سے کم مناسب وقت کو منتخب کیا حسینؑ نے اسوقت کوئی ایسی کارروائی کی اور نہ اِس کے بعد کسی ایسی کارروائی کو پسند کیا جسکا ذکر آئیگا۔

امیر شام کی کارروائی جو کہ کے لحاظ سے اور زیادہ افسوسناک تھی

پہونچگیا امیر شام مکہ میں اور انلوگون سے ملاقات کیکے کوئی تذکرہ اپنی گذشتہ خواہش کا نہ کیا لیکن کچھ وقت کے بعد تذکرہ آیا اور اب گذشتہ مصلحت کی جسکی مثالین دیجا چکین۔ پھر تقلید کیگئی اور کہا گیا کہ "تم لوگ صرف برائے نام خلیفہ تو یزید کو قرار دے لو باقی تمام کام اپنی خواہش کے موافق کرو" مین تصفیہ نہین کر سکتا کہ معاویہ اِس شرط سے بیعت کرا کے انلوگون کی زبانین کاٹ رہا تھا یا سچ مچ ایک مشکل کارروائی کو آسان بنانے کے لئے دب رہا تھا۔ نہ مین یہ سوچ سکتا ہون کہ معاویہ اِس شخص کے بعد یہ امید کر سکتا تھا کہ حسینؑ ہمارا کہنا مان لینگے بلکہ اگر میرا استنباط غلط نہین ہے تو یہ انتخاب عثمانؓ حکم کی کارروائی کا کھیل تھا جو دوبارہ کھیلا گیا تھا جسکی اصلی غرض یہ تھی کہ سب نہین تو نصف نصف یا تین اور ایک بھی موافق اور مخالف ہوگئے تو وہی پیشگی فتوے مخالفین کے قتل یا تشدد کے لئے کام مین لایا جا سکیگا۔ حسینؑ نے تو رد ہی کیا لیکن بقیہ لوگ بھی راضی نہ ہوے۔ صرف خلیفہ مقتول کے ایک صاحبزادے صوبہ داری مین مگن تھے۔ اور اِس طرح وہ موقع ہاتھ نہ آیا کہ ان ذی اثر لوگون مین سے چند کو خرید کر آیندہ مخالفت کے توہم کو کم کردین۔

آخری ترکیب

لیکن اگر زمانہ مین ایسے لوگون کی مثالین ہین جنسے تقوے کبھی علیحدہ اور جنکی نیکیون کا ذخیرہ کبھی کم نہین ہوتا تو ایسی داغون کی مثالین کیون نہ ہون جو نا مقطوع النسل زریب کے رحم ہون خصوصاً جبکہ دنیاوی اقتدار انکا داہنا ہاتھ ہو۔ تم جان ہی کر کیا کروگے کہ تمہارے ساتھ فریب ہو رہا ہے جب کہ تمہین نشانہ بنے بغیر چارہ نہین۔ لیکن فریب جتنا بڑھتا جائیگا بقیہ نیکی اُتنی ہی گرانقدر ہوتی جائیگی۔ اِس مرتبہ یہ آخری ترکیب اپنے اظہار مطلب کے لئے نکالی گئی کہ اُنکے سر و نیز ننگی تلوارین کھچی رہین جنکے انکار کرنے کا شبہہ ہو۔ اور پھر اسکے بعد جس قدر دروغ بیانی مفید ہو اُسین کسی طرح تجل سے کام نہ لیا جائے۔

کیا کہنا ہے اُس زبان کی روانی کا جسپر نہ خدا کے خوف کا کوئی کھٹکا ہو۔ نہ اپنا نفس ملامت کرتا ہو نہ کوئی دنیاوی سزا کا خوف ہو اور نہ جسے مخلوقات کے واقف ہو جانے سے کوئی شرم آتی ہو۔

چلی زبان۔ کہا گیا کہ چارون حضرات کے متعلق خبرین مشہور ہین کہ وہ بیعت سے کنارہ ہین لیکن دریافت اور طلب کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ لطف۔ اطاعت اور رغبت سب کو بیعت یزید کے لئے صرف کرنا چاہتے ہین اور شبہہ ہو تو یہ لوگ بیٹھے تو ہی ہین پوچھ لو۔ یہ فقرہ سرون پر تلوارون کے چمکنے کا اشارہ تہا اور سپاہی کہہ رہے ہے کہ "انکا موقع ایسا عظیم نہین ہے کہ ان سے خوف کرے"

ہو سکتا ہے کہ یہ محض جھنکار ہو لیکن کاٹنے سے کونسا امر مانع تھا۔ جبکہ وہ انکے موقع کو عظیم نہین سمجھہ رہے تھے اور نہ انکے نزدیک "یزید کے غلبہ کے لئے اِن چار شخصونکی کوئی ضرورت تھی"۔

کتنا ہی وقت اِس تماشہ مین کیون نہ صرف ہوا ہو لیکن اِس آنکھون مین خاک ڈالنے سے ضرور کچھہ لوگون مین یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ امیر شام سچ کہہ رہا ہے بلکہ کم ہونگے جو اسے اس درجہ کا فریب سمجھتے ہون اور اظہار اطاعت کیا ہوگا۔ اور کون جانتا ہے کہ معاویہ کے دوبارہ مدینہ پہونچنے کے قبل یہ خبر پہونچ گئی ہو کہ اُن چارون آدمیونے بیعت کرلی اور جو لوگ انکی وجہ سے رُکے ہون وہ معاویہ کے پہونچتے ہی اب انکار بے سود سمجھکر راضی ہوگئے ہون۔

شہدائے اُحد کی لاشون سے انتقام۔

اور جب گذشتہ مظالم کی مثالین دیکھ چکی تھین تو یہ کیون باقی رہتا کہ وہ شہدائے راہ خدا۔ خصوصاً حضرت حمزہ جنہون نے احد مین اپنا خون بہا کر اسلام کے فہرست شہدا مین ہمیشہ قایم رہنے والا کارنامہ ثبت کیا تہا اُموی مظالم سے بچ جاتے اگر وہ نہ تھے تو اُنکی مقدس بوسیدہ ہڈیان ابھی انتقام کے لئے کام مین لائی جا سکتی تھین۔ قصور یہ تھا کہ یہ لوگ بنی امیہ کے ظاہری کفر کی حالت مین اُن سے بہادر سپاہی کی طرح لڑتے تھے۔ بنی امیہ کا آج ظاہری اسلام اُنھین اپنی شہادت کے وقت کی بوسیدہ لباس مین مجتمع نہین دیکھہ سکتا تہا۔ اسکے لئے اہتمام یہ کیا گیا تہا کہ عین اُسی راستہ سے نہر نکالی جاتی جہان یہ شہدا زندہ جاوید ہوئے تھے اور منادی کرائی جاتی کہ "جس کا مردہ اُحد مین ہو سو آوے اور اُسے وہان سے اُکھاڑ کر دوسری جگہہ لیجائے"۔ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کیا کچھہ بے ادبی نہ کیجاتی اگر زوج بتول نے اپنے قبر کے چھپانے کی وصیت نہ فرمائی ہوتی۔ اخیر حمزہ نے تو صرف ایک آدھ اعزائے معاویہ کو قتل کیا تہا زیادہ تر تو شیر خدا کے ہاتھون قتل ہوئے تھے۔

امیر شام کی موت

لیکن بے سود تو یہ کاوش نزدیک آ چکا تھا۔ بیمار ہوا اور دماغ یا ایجاد فریب کا کارخانہ متاثر

ہوا۔ سرسامی حالت مین کہا اُٹھتا تہا کہ "کیا کیا مین نے اے حجر ابن عدی اور عمر ابن الحمق اور کیون اختلاف کیا مین نے تجہسے اے ابن ابو طالب" اُسکی یہ حالت دیکھکر یزید اور بنی امیہ کا سرگرم مؤید ضحاک ابن قیس آیندہ موقع کے لئے متردد ہوا۔ اور چاہا کہ معاویہ کا دوبارہ اظہار ولیعہدی بلکہ خلافت کی بیعت آیندہ کے لئے مفید ہوگی۔ اور اس طرح نہ صرف اُسکی موجودگی جو اسباب "غلبہ" کا مالک ہے بلکہ ایک گذرے ہوئے حاکم کا فعل لوگون کو اپنی جگہہ رکھنے کا باعث ہوگا۔ علامات شاہی حوالہ کئے گئے۔ تخت نشینی کی تقریب ہوئی اور آیندہ کے لئے پیشتر کے تیار کردہ وصایا حوالہ کئے گئے۔

شہید اعظم حصہ اول کی غرض۔

یہان میری کتاب کا پہلا حصہ ختم ہوتا ہے جسمین مین متعلق چیزون کے ظلم سے متاثر ہونے کے واقعات کو دکھا رہا تھا۔ یہ اگرچہ مختلف نامون اور مختلف اغراض اور مختلف زمانہ کی کارروائیان ہون لیکن غالباً مین دکھا سکا ہونگا کہ یہ سب ایک غرض کے لئے تھا کہ "خلافت اور نبوت دونون ایک خاندان مین نہو" اور اسلئے بنی ہاشم اُنکے دوست اُنکی یاد دلانے والی چیزین اُنکے حقوق۔ اُنکے کارنامے۔ غرضکہ ایک جسم کے مشترک الحس اعنی نفس ناطقہ کے تابع تھے اور کمزور کرنیکی کوشش کیجاری تھی کبھی اس تشدد کا نرخ معتدل تھا اور کبھی حد اعتدال سے بڑھا ہوا تھا۔ اسنے ہمارے اس حصہ کتاب تک جو کچھہ کیا اُس سے سوچا جا سکتا ہے کہ اب کیا باقی تہا جو کیا جاتا۔ ہماری کتاب کا دوسرا حصہ وہ باتین دکھلانے والا ہے جو ابتک باقی تھین۔ یہ دوسرا حصہ نہین لکہا جا سکتا تھا اگر پہلا حصہ نہ لکہا گیا ہوتا۔ کیسے بغیر ایام طفولیت گذرے ہوئے کوئی انسان جوانی کی حد تک پہونچ سکتا ہے یا کیسے کوئی واقعہ بغیر اسباب مہیا ہوئے ہو جا سکتا ہے۔ دوسرے لفظون مین وہ اسباب ختم ہوئے جو شہادت حسین پر منتہی ہوتے اور اب شہادت حسین کے واقعات لکھے جائینگے۔ مین نے تمام شعار معلومات کو اس حصہ مین اِس لئے ختم کرنے کا اہتمام کیا کہ یہ باتین آیندہ کے تذکرہ کے سمجھنے مین مانع نہ ہون۔ میرے نزدیک حسین کے حیات کی فطری تقسیم ایک ولادت سے سنہ ۶۰ھ تک ہے۔ اور دوسری مدینہ کی جلاوطنی سے شہادت تک اور اسی بنیاد پر مین نے اپنی کتاب کے دو حصہ کئے۔

سنہ ۶۰ھ تک حسین کے واقعات پر تبصرہ اسی حصہ کتاب کا جزو ہے۔

ابتک مین نے حسین کے متعلق کچھہ کہنے سے عمداً احتیاط کی۔ اب موقع دیکھتا ہون کہ اسوقت تک اِس حصہ کتاب مین حسین کے متعلق جو کچھہ واقعات لکھے گئے ہین اور اُنھین دیگر متعلق واقعات سے جو ربط تھا اُسکا خلاصہ ایک باب مین پیش کرون کہ ایک مرتب صورت آگے کے واقعات کے سمجھنے مین معین ہو۔

باب ہفتم

حسینؑ

رجب ۶۰ھ تک

زمانہ ولادت کا گردوپیش

محض یہ کہنا کہ حسین ۴ھ ہجری میں پیدا ہوئے ۴ھ کا کوئی تعارف نہیں ہے بلکہ ایک گونگا بیان ہے ایسے یہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ یہ کوئی زمانہ تھا لیکن یہ زمانہ اور وقت کا ممتاز حصہ حسین کے خاندان کے لحاظ سے کسی اہمیت رکھتا تھا اور اُس خاندان کے گردوپیش واقعات سے اسکو کیا ربط تھا یہ سب کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ جس طرح یہ کہنا کہ حسین نبی عربی کے نواسہ تھے نسبی سلسلے کے علاوہ کوئی تعارف نہیں ہے۔

شرح

زمانہ کے لحاظ سے وہ زمانہ جسمین کچھہ دن پہلے ایک نبی کی بعثت ہوئی اور مدینہ طیبہ وہ مرکز ہوا جہاں سے ایک دین جو عالمگیر ہونے والا تھا پہلے عربی زبان بولنے اور سمجھنے والوں مین پھیلتا اور جس وقت مدینہ کے علاوہ مقامات جاہلیت کے اشتغال مین مصروف اور اخلاق کے ادنٰے ترین احساسات سے متاثر نہ تھے اور خدا کی زمین اور اُسکے قانون کو خوفناک صورت مین دکھا رہے تھے۔ مدینہ امن اور محبت کا گھر تھا اور جس وقت بیرونی مقامات اپنے قدیم معبودون کی ہیبت اور شیوخ قبائل کی متکبرانہ زیادتیون سے اپنے تشخص کو کھو بیٹھے تھے۔ مدینہ اخوت۔ مساوات اور آزادی کا سبق دے رہا تھا۔ نہ اُس فلسفہ اخلاق کے اُستاد کی طرح جس کا دل اور زبان اور عمل ایک دوسرے سے بے ربط ہے بلکہ آسان مختصر تعلیم اور متواتر عمل سے۔

قوت استقامت

اِس فضا مین بسر کرتے ہوئے مدینہ کو پورے چار برس گذرنے کے لئے چار پانچ مہینہ باقی تھے اُسکی قوت استقامت کا اندازہ اِس سے کافی حد تک نہیں ہو سکیگا کہ اُسے بدر۔ قینقاع اور نضیر مین بڑی فتح حاصل ہوئی تھی اور کچھہ سرایا کے لئے کامیابی کے ساتھ پیش قدمی کیجا سکتی تھی بلکہ اُحد کے فتح نہ ہونے یا فتح کے مائل بہ شکست ہو جانے نے بھی اُسکے نظام کے سنئے دور پر کوئی اثر نہ کیا تھا۔ نہ اُسکا نظام معاشرت

شکست ہوا۔ نہ آپس کے اعتبار اور محبت مین شکستگی ہوئی اور نہ اپنے رہنما پر بھروسہ مین کوئی جنبش پیدا ہوئی بلکہ ایسے وقت مین کہ اُنمین کے اکثر زخمی اور کسل مند تھے وہ پھر اپنے ہادی کے حکم اور منتظمانہ حکم پر خوشی سے مسلح ہوگئے۔ اس لئے کہ دشمن کے بارہ حملہ کی افواہ تھی۔ بہت ممکن ہے کہ اُنکی مستعدی کو اس خیال سے اور مدد ملی ہو کہ اُحد کی فتح کو ہاتھ سے کھو دینا اپنے ہادی کے ایک حکم کی تجاہل سے تھا۔

کیونکر متمدن بن گئے تھے

اس زمانہ مین وہ متمدن بنے تھے اور اُنکی عافیتون کے لطف لے رہے تھے نہ اس طرح کہ کسی نے اُنکے امورات انتظامی کا خود ٹھیکہ لیکر اُنھین احتیاط سے علیحدہ رکھا ہو اور اُنپر غفلت کی سی نیند طاری ہو۔ اور اس غفلت مین اُنکی عاملانہ توتین سلب ہوتی جارہی ہون بلکہ ایک نگاہ کے نیچے جو اُن سے کام لیتی تھی اور اُنھین اپنے امورات پر اپنے ہاتھ سے کئے دھرے کا اطمینان تھا۔ اور وہ اس نگاہ مین کہین سے حاکمانہ روکھاپن نہ پاتے تھے بلکہ پدرانہ صحیح شفقت سے کہین زیادہ عزیز تھی۔ نہ اُنمین تمدن کی حالت نے ایک دوسرے سے بے ہمدردانہ لاپروائی اور اصول منفعت کی خود غرضانہ روش پیدا کی تھی بلکہ اُنھین تو اگر کوئی سبق معلوم تھا تو آپس کے بھائی چارہ۔ محبت۔ لحاظ۔ حُسن ظن۔ درگذر اور اتحاد عمل کا اور اسمین ہر لحظہ ترقی ہورہی تھی اس لئے کہ ہادی انکی اُن اُمورات کی درستگی ہی کو اپنا فرض جانتا تھا۔ وہ خلق اللہ کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ انصار نہین بلکہ اہل مدینہ شہر ہی مین تو کہ رہے تھے کہ "اگر آپ کا وجود ہم مین نہ ہوتا تو ہم مین اور دوسرون مین فرق نہ ہوتا۔ ہم آپ کی وجہ سے معزز اور سرفراز ہوئے۔ ہماری خوبیان آپکے سبب سے ہین"۔

کیون اہل مکہ دشمن ہوگئے۔

یہ عظیم الشان ذات جسکے احسانات کی داستان انصار بیان کرتے تھے اور جو اُنکے نزدیک تمام اسباب ثروت سے زیادہ عزیز تھی ہر جگہ لطف الٰہی کا نمونہ اور دفع فساد کی تصویر تھی اہل مکہ نے اسکے احسانات کو اسلئے فراموش کیا کہ یہ اُنکے خیال کی پاشائی کو سمجھکر اُنکی غلطی اُنھین بتا رہا تھا اور ایک اصول پر چلانا چاہتا تھا۔ جو اُن تمام ضروریات پر حاوی ہوتا جسکی انسان کو دنیا مین ضرورت ہوتی ہے۔ یہ اسکے دشمنون کو اس لئے گوارا نہ تھا کہ اُنکے شخصی اختیارات ضائع ہو جاتے اور وہ اُسکو اپنا رہنما قرار دیتے۔ جسکے بزرگون سے سر آوردگی کی رقابت مین اسکے بزرگ مشہور ہو چکے تھے۔

تضاد

آزمالیا جس طرح آزمالیا لیکن اُنھون نے ہاشم۔ عبد المطلب اور عبد اللہ کے فرزند کو ہر روز زیادہ ہر دلعزیز اور اُسکی قابلیتون کو آزمایش کے بعد زیادہ روشن دیکھا۔ اُسکی موید من اللہ ضد دشمنون کی سختیون سے بڑہتی گئی۔ اور ابتدائے دعوت سے سنہ ہجرت تک یعنی تیرہ برس مین نہ صرف اُنھون نے یہ دیکھا کہ مکہ مین وہ اپنی صداقت کا تخم دلونمین مضبوط ہو گیا بلکہ اِسی زمانہ نے مدینہ کے زیادہ تر حصہ کو اُسکا بنالیا اگرچہ اُسکے جمال جہان آرا کی زیارت بھی معدودے چند کے سوا کسی نے نہ کی تھی لیکن جس حالت مین کہ نبی برحق کو اس تیرہ برس کے بعد اور چار برس سطے تھے کہ اپنے مشن کو پورا کرتا جائے اس سترہ برس مین دوسرے رُخ سے یہ خصوصیت تھی کہ اُسکے دشمن اُسکی بیخ کنی کے لئے مسلسل کوشان تھے۔ اور جس وقت ہر صبح و شام اس مقولہ کا ثبوت اور اُسکے جزم و استقلال کی مثال پائی جاتی تھی کہ "اگر قریش میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے پر ماہتاب کہدین جب بھی مین اپنے فرض سے باز نہ آؤنگا۔ بزرگ قریش اپنے تمسخر اور سنگ افگنی سے بڑھکر کبھی قتل کے لئے صلاحین کرتے تھے۔ کبھی غیر ملکی بادشاہون کے لئے سفارت مہیا کرتے تھے۔ کبھی حملہ کے لئے چھوٹی چھوٹی جماعتین تیار کرتے تھے۔ کبھی بڑے پیمانہ پر سامان کرتے تھے اور کبھی کوئی بزرگ قوم اپنے زیر اثر لوگون کو اس نئے دین کے پھیلنے نہ دینے کے لئے مرتے وقت وصیتین کرتا تھا۔ بدر کی شکست چونکہ پہلی بڑی شکست تھی اُسکے ساتھ ہی دشمنون کا ڈھیلا پڑ جانا ممکن نہ تھا وہ لڑتے رہے یہانتک کہ اُحد کے موقع نے اُنکی ٹوٹتی ہوئی ہمتین پھر جوڑ دین اور وہ نہ صرف رجیع وغیرہ مین نزاعی روش کی مثال دیئے گئے بلکہ اُنھون نے گویا ہم کو اُبھرنے پر مصمم کر دیا۔

یہان دو تھے اور کہان دو ایک تھے۔

اور جس وقت انیر و وا بر من اپنے اپنے کام مین زیرو کر زمانہ تک خود فروشانہ استقلال ظاہر کر رہے تھے نبی عربی کا کوئی واقعہ نگار فروگذاشت کا الزام قبول کئے بغیر اُنکی سوانح عمری نہین لکھہ سکتا تھا جب اُنکے نوجوان چچازاد بھائی کے خلوص۔ جانبازی۔ وجہہ حق کی مدد کے نقطے نہ دیتا۔ اور اس طرح گویا معلوم ہوتا تھا کہ عبد المطلب یعنی محافظ کعبہ کو حضرت عبد اللہ اور حضرت ابو طالب اس لئے عطا کئے گئے تھے کہ ان دونون بزرگوار کے مشہور عالم فرزند ایک دوسرے کی تقویت کے لئے دو رہین لیکن طریقہ حقہ کی اشاعت اور شناسائی کی کوششون مین ایک ہون کوئی اگر حکم دینے والا ہو تو دوسرا حکم کے ہر لفظ اور شائبہ کی اطاعت سے اطاعت کی کامل مثال دے۔ اور رسول کے مشہور ابنداء ساتھ

عرب کے خاص انتقام کے علم کے بعد علی کی کوشش کا درجہ

اور تکلیف دینے والوں کے مشہور مددگاروں کا اس حامی دین کے ہاتھوں سے سر کچلا جائے۔ علیؑ عربوں کے مزاج۔ رسم و رواج اور خیالات سے واقف تھے وہ سمجھ سکتے تھے کہ سردار ان قریش کا ہمارے ہاتھوں آج بالکل قتل ہونا کیا کچھ ہمارے اور ہمارے خاندان کے لئے کر سکتا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ عرب کے انتقام کا اثر بوسیدہ ہڈیوں تک پہونچتا ہے جو خیال حضرت آمنہ خاتون کی قبر کے متعلق دشمنوں نے ظاہر بھی کیا تھا۔ لیکن اس تمام علم کے ساتھ علی کو اپنے وجہ کی قیمت بھی معلوم تھی۔

علی اور انکی اولاد اُن بلاؤں میں مبتلا نہ ہوتی جسمین گرفتار ہوئی اگر ایک تیسری جماعت دفعتاً سامنے آ کر نئی امید کے بچے کھچے حوصلے اور گئی ہوئی قوت کو زندہ نہ کر دیتے بلکہ اپنا مددگار قرار دے لیتے لیکن علیؑ اس علم پر بھی کوشش کرنے کہ ہماری کوشش ہماری اور ہمارے اولاد کی یقینی تباہی ہے۔ اس لئے کہ وجہ بہت عظیم تھی۔ اُنکی کوشش کے اکثر مواقع ایسے تھے جسمین اس علم بغیر چارہ نہ تھا۔

آل ہاشم کے خاندانی محبت کی تاریخ

بیشک مثال ہے کہ حضرت ابوطالب کو اپنے بھائی حضرت عبد اللہ سے بڑی محبت تھی۔ لیکن میرے یقین میں ان دونوں بھائیوں کی محبت اُن اسباب محبت کے سامنے مثال میں نہیں لائے جاسکتے جو علیؑ اور رسولؐ میں واقع تھے۔ میری غرض تقابل نہیں ہے بلکہ سلسلہ ہے۔ اور جس طرح حضرت عبد اللہ اور حضرت آمنہ کی محبت موید بہ تاریخ ہے حضرت ابوطالب اور حضرت فاطمہ بنت اسد کی آپس کی محبت اور خوش وقتی کی مثال ملتی ہے۔ یہانتک کہ حضرت خدیجہ اور نبی برحق کے واقعات ایک دوسرے کی محبت اور مشکورانہ لحاظ کی ظاہر تصویر ہوتی ہیں۔

محبت لحاظ اور پاکیزگی کی یہ فضا تھی جسمین نبی عربی کی دختر نیک اختر پرورش پا رہی تھی۔ بڑے بوڑھوں میں حضرت ابوطالب زندہ تھے حضرت فاطمہ بنت اسد موجود تھیں۔ مادر گرامی تھیں جنہوں نے اپنی تمام ثروت امر حق کی اشاعت میں صرف کر دی تھی۔ اور سنہ یعنی حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ کی رحلت تک سن شریف پندرہ برس کا ہو چکا تھا۔ اپنے پدر عالی مقدار کے سرایہ حیرت افعال دیکھا اور سن رہی تھیں۔ خود اپنی تربیت میں اس درجہ کمال حاصل کر چکی تھیں کہ ہادی عالم تعظیم کیا کرتا۔ یہ بھی جانتی تھیں کہ علی نے میرے باپ کی خدمت اور جانبازی میں کیا کرنا چاہئے تھا جو نہیں کیا۔ بلکہ بستر خواب کی مشہور سرفروشی کے بعد مدینہ بجانے میں حضرت ذکیہ کی حفاظت کے لئے بھی علی کو تلوار سے مدد لینے کی ضرورت ہوئی تھی۔ یہانتک کہ سنہ میں مواقع نے ظاہرہ سے

عقد کے متعلق علی کا بچپن خیال ظاہر کر دیا جسکے سننے کے خود رسول مشتاق تھے اِس لئے کہ علی کے سوا فاطمہ کا کوئی کفو نہ تھا۔ ہاشم کے نسل کی یہ دو شاخیں پھر مل گئیں۔ چار ہزار مہاجر و انصار نے دعوت ولیمہ نوش کی اور رسول نے پاکیزگی نسل کی دعا دی علی کا مرثیہ اور خود علی و فاطمہ کے واقعات اُنکی محبت اور لحاظ کی زندہ تاریخ ہیں سنہ ۳ھ نہ گذرا تھا کہ سردار عرب کے فرزند اور ملکہ عرب کی یادگار کے گھر عقد کا نتیجہ ظاہر ہوا جسمیں نبی کی نگاہیں "اپنا حلم و وقار" پاتی تھیں۔ ابتک حضرت فاطمہ بنت اسد حیات تھیں کہ گودیوں میں کھلاتیں۔

۳ شعبان سنہ ۴ھ کے زمانے نے ایک حیرت خیز مولود کا استقبال کیا

واقعات اور جذبات کا یہ جزر و مد تھا کہ زمانہ ۳ر شعبان سنہ ۴ھ تک بڑھا اور مخلوقات الٰہی میں سے ایک حیرت خیز وجود کا استقبال کیا۔ مبارک ہے وہ مولود جسکے انتظار میں رحمۃ للعالمین بیں در گھر اہو۔ اضطراب اور بےچین اشتیاق کی ایک حالت تھی۔ بےچینی رفع ہوئی۔ رسول نے سجدہ کیا۔ لیکن اشتیاق اِس قدر بڑھ گیا کہ ابھی سجدہ سے سر نہیں اُٹھایا تھا کہ اسما کو پُکارا۔ پُکارا کہ "میری فرزند کو لا" غالباً اسوقت وہ معظمہ حیات نہ تھیں جنھیں رسول "امی بعد امی" فرماتے تھے ورنہ وہ خوشی خوشی اپنے فرزند کے فرزند کو رسول کی گود میں دیتیں جس طرح اپنے فرزند کو پہلے آمین کی پُرمحبت آغوش اور زبان کے حوالہ کیا تھا۔

رسول نے دیکھا۔

لائی اسما۔ چھوٹا چھوٹا ایک بچہ ریشمی کپڑے میں لپٹا ہوا۔ آنکھیں اُس چھوٹی سی ہیکل کے گرد پھریں قبل اسکے کہ سینہ مس کرتا اور نگاہوں نے بڑھکر اپنے میں اُتار لیا اِس سے پہلے کہ پہلو اپنی پُرلطف گرمی کی قلب کو خبر دیتا۔ رسول کے ہاتھ بڑھے اور گود میں لے لیا۔ لب اقدس ننھے ننھے کانوں کے قریب لے گئے اور خدا کا بزرگ نام اپنی صوت عظمت کے ساتھ بچہ کی قوت سماعت کے حوالہ کیا گیا۔ تکبیر۔ وہی تکبیر جو حسین کو شہید کرنے کے بعد کہی گئی تھی۔ مرف کہنے کا فرق تھا۔

رسول سے مشابہت

اِس بچہ نے جس کا نام رسول نے حسین رکھا رسول کی تصویر کو پورا کیا۔ روایتیں ہیں کہ حسن رسول کے نصف بالائے حصہ سے اور حسین نصف زیریں سے مشابہ تھے اگرچہ دیکھنے والوں کو شباہت میں قریب ہونے سے رسول یاد آجاتے تھے۔ اور خود طاہرہ کے شعر سے کہ انت شبیہ بابی + لست شبیہ بعلی ظاہر ہوتا ہے کہ حسین اشبہ برسول تھے۔

عقیقہ اور چاندی تصدق کرنا اظہار مسرت تھا لیکن خدا سے بندے کا اظہار خلوص نہ صرف قربانی کے

بشیکش سے ظاہر تھا بلکہ خیرات کرنے کے اصول سے حسین کسی نادار کو کچھ دینا یا حق المحنت ادا کرنا بھی تھا۔ ماں کی خوشوقتی اپنے پدر بزرگوار سے اپنے بچے کے لئے کچھ طلب کرتی ہے اور رسول اُسے اپنا جود و شجاعت عطا کرتے ہیں۔ "عطا" کے لفظ کا استعمال زیادہ جرح کا محتاج نہیں ہے بلکہ اُس موقع پر رسول کے فرمانے سے کہ میری شجاعت اور جود حسین میں ہے۔ سمجھا گیا کہ رسول نے یہ صفات اُسے عطا کیں۔ حالانکہ صفات ایسی چیز نہیں ہیں جو زبان اور الفاظ سے منتقل کیجا سکیں۔ لیکن میں اِس لفظ کو بھی قبول کرتا ہوں۔ اِس لئے کہ اگر جذبات اپنے نشو و ترقی کے لئے خارجی محرکات کے محتاج ہیں تو رسول کے فرمانے سے زیادہ حسین کے لئے کوئی قوی تر تحریک نہیں ہو سکتی تھی اور اِس طرح کسی صفت کی پرورش کی ایسی قوی زبان سے تحریک کسی طرح عطا سے کم نہ تھی۔

عطا کے لفظ میں قیافہ پسند۔ انتخاب۔ اور تحریک مضمر ہے۔

رسول کا یہ فرمانا اُس زمانہ میں تھا جسے ہم ہندوستانیوں کا مذاق چھٹی چلا کہتا ہے۔ علم قیافہ جاننے والوں اور قیافہ شناسوں کے لئے یہ حیرت اور دلچسپ غور کی بات ہوگی کہ اس مختصر عمر میں بچہ کے چہرہ پر جود و سخا کی تحریریں کس قدر قابل شناسائی حد تک واضح ہو سکتی ہیں درانحالیکہ نہ ابھی اُسکی آنکھیں اپنے حلقہ میں قایم ہوئی ہیں نہ ابھی گردن میں ایسی سختی آئی ہے کہ وہ دونوں شانوں پر سنبھل سکے اور نہ گرم و سرد ہوا نے چہرہ پر کوئی نقش ڈالا ہے یا رنگ میں پختگی آئی ہے۔ نہ کاسہ سر ابھی اس حد تک سخت ہوا ہے کہ اُسکے ٹکڑے آیندہ اپنی صورت میں بجز بسط کے اور کسی طرح کی تغیر کی محتاج نہ رہے ہوں۔ یہ سچ ہے کہ بچہ اپنے تمام سامانوں میں رحم مادر سے علیحدہ ہونے کے بعد وہی ہے جیسا اُسوقت جبکہ وہ سو برس کا ہو کر آغوش لحد میں واپس جاتا ہے۔ لیکن اِس تمام زمانہ میں اُسکے محرکات طبعی اسکے محتاج ہوتے ہیں کہ شناسائی کے قابل صورت اختیار کریں اور قیافہ میں اپنی تصویر کھینچیں۔ حسین کا قیافہ عجب خیز ہوگا کہ وہ چند دنوں کی عرصہ میں اپنے خصوصیات کے پہچنوانے قابل ہو گیا۔ اسی طرح رسول کی قیافہ شناسی حیرت خیز ہے کہ اُنہوں نے ایک نونہال بمچہ کی غیر منتظم آنکھہ اور قیافہ میں جسمیں سادگی کی گہرائی کے علاوہ کچھہ نہ ہونا چاہئے وہ جگہہ دریافت کرلی جہاں جود و شجاعت کے آثار تھے۔ گویا وہ اعضائے جسمانی کی طرح صاف صاف دیکھہ لینے کی کوئی چیز تھی۔ رسول کا یہ فرمانا محض خصایص قومی کے علم سے نہ تھا ورنہ اگر ایسا ہی ہوتا تو وہی الفاظ جو حسین کے لئے فرمائے تھے اپنے فرزند حسن کے لئے بھی کہتے۔

حسین کا قیافہ اور رسول

حسنین کو ہارون کے فرزندوں سے موسوم کرنیکا عکس۔

ہم پہلے اوراق مین اسپر نظر ڈال چکے ہین کہ سعد ابن ابی وقاص کی زبانی بیان کی ہوئی اس مسلمہ بین الفریقین حدیث کا کیا عکس ہو سکتا ہے جسمین رسول نے علی کو ہارون سے نسبت دی۔ اسکے بعد اب ہمین کہنا ہے کہ رسول کا حسنین کے نام کو ہارون کے فرزندون سے نسبت دینا بجز سلسلہ کے تحارف کے اور کوئی امر نہین ہے۔ یہ دونون حدیثین ایک دوسرے کی موید ہین اور زمانہ آیندہ پر کافی روشنی ڈالتی ہین کہ اس سے بجز وصایت کے کوئی اور نتیجہ اخذ کرنا مناسبت کے ساتھ ایک غیر متعلق کھیل ہے انمین سے کسی حدیث کا پہلے یا پیچھے بیان کیا جانا اصل خیال کی موجودگی پر کوئی اثر نہین ڈالتا۔

رسول اور حسنین کی ہر روایات محبت یا بزرگانہ محبت کے علاوہ کوئی تاریخی حیثیت رکھتی ہین۔

مبارز ۱۲ ۱۸ دکا

خیال کیا جاسکتا ہے کہ کسی بچے کے والدین یا اولیا کا صغر سنی خصوصاً زمانہ رضاعت مین محبت کا تذکرہ ایک بے سود بیان ہے اس لئے کہ ہر شخص جسے خدا نے اولاد عطا کی ہے وہ جانتا ہے کہ وہ بچہ کیونکر کھیلتا ہے اور بچے کیونکر کھیلتے ہین اور کیا بیان سے بالاتر لطف ہے جو بزرگون کو ان طفلانہ حرکتون اور غون غان مین حاصل ہوتا ہے لیکن حسنین کی طفلانہ ادائین اس نگاہ سے دیکھی جائین یا نہ جائین انکے اس زمانہ کی روایتونکو اس لحاظ سے امتیاز حاصل ہے کہ انکا بہلانے اور کھلانے والا رسول تھا بلکہ حقیقتاً جسنے ان بچون کے وہ رسومات بھی ادا کئے جو دوسرے گھرون مین والدین ادا کرتے اور موقع کے لحاظ سے رسول کی عنایات اور توجہ ایک ملکی اور مذہبی اثر رکھتی تھین جسے اصحاب دیکھتے تھے۔ اور اس طرح یہ واقعات اپنی بعض حیثیتون سے ایک تاریخی صورت رکھتے ہین۔ آیندہ واقعات نے اسکا ثبوت دیا کہ رسول کی محبت کے افعال لوگون کے حافظہ سے اس طرح خارج نہین ہوگئے تھے جس طرح اور بچون کے ساتھ طفلی مین بزرگون کی مہربانیان ایک وقت کی باتین سمجھ کر آیندہ یاد رکھنے کی چیزین نہین سمجھی جاتین بلکہ لوگون نے اسے اثر خیز تشریح سے یاد کیا اور یاد کروایا۔ حسین کی یہ ابتدا انکی انتہا سے تعلق رکھتی تھی۔ اور اسکے بعد سے آج تک وہ حسین کے واقعہ خوان ہون۔ قصیدہ گو ہون یا مرثیہ کہنے والے انمین سے کوئی بھی اسے بے ضرورت نہ سمجھ سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعات حسین کی سوانح عمری کے جزو لاینفک ہین۔

حسین کے متعلق رسول کا ارشاد اور اُسکا عکس

حسین کے متعلق اُس کے ارشادات پر اگر تھوڑی سی غور کی نظر ڈالی جائے جسکا ایک خطاب شافع روز جزا بھی ہے تو باوجود محبت کے اکثر فقرات سے ظاہر ہوگا کہ اس سے کچھ اور غرض بھی تھی مثلاً مجمع مین فرماتے ہین کہ حسین کے دوست اہل بہشت ہین۔ حسنین کو سید شباب اہل بہشت

فرماتے ہین۔ ارشاد کرتے ہین کہ جس نے اُنھین اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی۔ کہتے ہین کہ حسین مجھسے ہے اور مین حسین سے ہون۔ اصحاب موجود ہین اور چھوٹی چھوٹی بغلون مین ہاتھ ڈال کر اُٹھا لیتے ہین کھلی ہوئی کلیون کو جوش سے چوم لیتے ہین اور بھینچ لیتے ہین۔ شعرا رسول کے ارشاد کو نظم کر ڈالتے ہین اور لوگ اِس سے واقف ہوتے ہین۔ اِن تمام فقرات اور اُسکی ادائین محبت کی گھری لکیر ہے۔ لیکن دوستی دعائین اور دشمنی کے امتناعی فقرات۔ مجمع۔ شناسائی یہ اشارے ہین جو اسے واضح کرتے ہین کہ اِن بچون کے لئے رسول لوگون کے دل و دماغ مین کوئی جگہہ قائم کر رہے تھے۔

اِسموقع مین خصوصیت یہ ہے کہ ایک قوم کا ہر فرد کا حیثیت کا ہادی جو تمام اخلاقی مذہبی۔ سیاسی اور تمدنی اختیارات کا مرکز ہے ایک بچہ کے متعلق محبت چاہتا ہے۔ اب محبت کے معنی صاف ہو جاتے ہین وہ لوگون مین ایک قلبی وابستگی پیدا کرتا ہے۔ محبت کرو کے یہ معنی ہین کہ کسے کم دشمنی نہ کرو۔ لیکن وہ دشمنی سے باز رہنے کی بھی ہدایت کرکے محبت کی طرف بڑھاتا ہے۔ ایسے شخص کی کسی کے متعلق یہ کوششین اپنی آپ ترجمان ہین۔ محبت کی سفارش اُسکے لئے کیجاتی ہے جو محبت کے قابل ہو۔ یہان مرکز سفارش وہ ہے جسکی صفات کا نشو ونما ابھی نہین ہوا۔ اور اِس لئے بادی النظر مین "قابل" ہونے سے پہلے سفارش ہے۔ اسپر اعتراض کا موقع اُنکو حاصل تھا جو سفارش کے وقت موجود تھے نہ کہ ہمکو جو حسین کے صدیون بعد زندہ ہین۔ لیکن وہ جنکے آنکھون اور جنکے کانون سے رسول سفارش کر رہے تھے اُنھین اپنے تمام ظاہری اور باطنی حواس سے زیادہ رسول کے ارشاد پر اعتبار تھا اُنھین اِس سفارش اور اُسکے علاوہ اکثر غیر وقتی ہدایتون کے متعلق تجربہ ہوا کہ اُنکے ہادی کا اندازہ کبھی غلط نہین ہوا۔ اور نہ واقعات کا تاریخی مجموعہ حسین کے بعد لوگون سے یہ کہلوا سکتا تھا کہ رسول نے اپنی سفارش مین جلدی کی۔ عظیم الشان تھی وہ ذات جسکی تعریف اُسکے قاتل کرین اور احسان تھا اُس عالم محرکات انسانی کا جسنے ایک امام کی امامت کے زمانہ کے قبل اُسے پہچنوا کر مخلوقات کے لئے آسانی پیدا کی تھی۔

انا من الحسین کا مطلب اور اُسکے معنی

مین سوچتا ہون کہ رسول کا یہ فرمانا کہ "مین حسین سے ہون"۔ حسین کے ابتدائی زمانہ مین نہ تھا بلکہ رسول کے آخری زمانہ مین کہنا مناسب ہوگا جس وقت رسول کی کوئی اولاد باقی نہ تھی بجز حضرت فاطمہ زہرا کے اور اِس لئے اُسکے ظاہر معنی یہ ہے کہ میرا (یعنی محمد عربی ہاشمی کا بلحاظ نسب) نام حسین سے باقی رہیگا۔ لیکن اگر "مین" یعنی ذات مین منصب ہدایت کا خیال بھی مضمر تھا تو حسین اپنی زندگی

اور تعلیم اور عمل کے لحاظ سے ہدایت خلق کے قابل ٹھہرائے گئے تھے اور اِس طرح رسول کے منصب ہدایت نے حسین کی ذات سے اپنا تشخص قائم رکھا آگے چلکر حسین کے آخری واقعات نے رسول کے اس ارشاد مبین جو معنی پیدا کئے گئے اگرچہ وہ ایک مورخ کی نگاہ سے نشو واقعات تھے لیکن حسین کے طرزِ عمل کے قوت نے اس مفہوم ثانوی کو معنی اصلی قرار دیدیا۔ یعنی اپنے نانا کے دین کی اصلی صورت کو اپنے عمل۔ حق روی اور جزم و استقلال سے دکھاکر اُس بگاڑی ہوئی صورت کو بیچھنوا دیا۔ جسے لوگ اِس لئے اصلی صورت سمجھتے تھے کہ وہ صاحب اختیار لوگون کی بنائی ہوئی تھی اور اِس لئے وہ وقت نہ آنے دیا جسمین کوئی زمانہ مذہب کے حقیقی روح کی کامل فنا سمجھا جاتا۔ اور صورت معاملہ جیسی ہوگئی تھی اُسکے لحاظ سے جو بڑی اور اکیلی قربانی پُر مسرت شوق سے گوارا کی گئی اُسکے علاوہ کسی اور طرح ہمیشہ کی حد بندی ممکن نہ تھی دین کی لطافت کو اِس طرح قائم رکھنا رسول کی نام کی بے داغ روشنی کو قایم رکھنا تھا۔ یہ حسینؑ قایم رکھتے کیسے قتل ہو جاتے زین العابدین جب رسول کا نام رہنے والا تھا اور کیونکر دین کی لطافت ضائع ہوتی جب رسول کی شجاعت سے ممتاز ایک نفس دنیا مین موجود تھا!

سین کا گہوارہ اور ماں

ابھی ہم گہوارہ کے عمر سے آگے نہین بڑھے۔ کون جانے کہ اِن نفوس قدسی کی ضرورتون کی کمی کے باوجود طاہرہ خانہ داری کی مشقتون مین مشغول رہتی ہون اور حسین مان کی گود مین پہونچنے قبل مچلتے رہتے ہون۔ روایت ہے کہ جناب امیر نے حضرت ذکیہ سے خواہش کی تھی کہ وہ رسول سے ایک کنیز طلب کرین لیکن طلب کا وہ وقت بجائے کنیز کی عطا کے تسبیح فاطمہ کی تعلیم کے لئے مشہور ہے غالبًا یہ عقد کے ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے اور اگرچہ حضرت فضہ ہماری خاتون کی مشہور کنیز ہین لیکن ولادت حسین کے وقت اِنکا کہین تذکرہ نہین ہے۔ یہ بھی تذکرہ ہے کہ رسول حسین کے رونے کی صدا سنکر بیچین ہو جاتے تھے اور انکے اِس سوال کے معنی کہ کیا تم نہین جانتین کہ حسین کے رونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ یہ ہین کہ حسین کو بہلائے رہا کرو۔ صورت دوسری ہوتی ہوگی جسوقت زنان ہاشمی ہاتھ بٹانے کے لئے موجود رہتی ہونگی۔ یا ام ایمن اور اسما کچھ مدد دیتی ہونگی۔ بیچاری ام ایمن کی تو ایک مرتبہ اِس بات کی شکایت بھی کی گئی کہ اُنھون نے حسین کو رسول کی گود سے کسی قدر بے احتیاطی سے کھینچا تھا۔

کون اندازہ کر سکتا ہے سیدہ کی اُس تسکین اور خوشی کا جب وہ تم غلط کرنے کے لئے جھولے کے پاس کھڑی ہو جاتی ہونگی۔ مان اور اُسکی آنکھین بے کسل شوق سے تازہ بچہ پر گڑی رہتی ہونگی اور دیکھنے سے سیر ہونگی

بھیانک تکرار ذائقہ میں کوئی کمی کرتی ہوگی۔ بچہ متین آنکھوں اور سنجیدہ چہرہ سے انکی طرف دیکھتا ہوگا پیار کر مان کا تبسم چہرے سے چہرہ میں متعدی ہوکر وہ عالم پیدا کرتا ہوگا جو بچہ کی بھولی ہنسی کہی جائے۔ تبسم تھا کہ جنت کی فضا کا اک نمونہ تھا مجسم ہوگئی تھی یا بہار عالم فانی۔ اور مان دنیا کے تمام خوشیان اس ایک ادا پر صدقہ کرتی ہوگی۔ راتون کا جاگنا اور تمام تکلیفون کا علاج اس ایک نسخہ سے ہوجاتا ہوگا اور لوریان دینے میں نظر کے ساتھ دل بڑھتا ہوگا۔ اور حسین کے دل کے لئے یہی زمانہ ہوگا جبکہ وہ مان کے رحم و کرم نرمی۔ حلم اور پاکیزگی سے اثر لیتا ہوگا۔

ایک اندوہناک عکس

یہ وقت تھا جبکہ بتول عذرا کے ہاتھ حسین کی نرم گردن کو شانو نپر استوار کرتے تھے کون جانتا تھا کہ اس لئے کہ ایک دن اسکے خون سے بے حس اور بے اور اک فولاد رنگا جائے لیکن نہ اسکے قبل کہ وہی نرم گردن جو گہوارے میں ذکیہ کے دست اقدس کے سہارے پھرتی تھی ایک دن ایسی سخت ہوجائی کہ تیغ و خنجر شامی تلوار ون کا وزن اُسے جھکا نہ سکتا۔ فاطمہ کو اپنے محنتون کی داد ملی۔ ہمارا ہندوستانی شاعر بھی خون کے ذریعہ سے توارث صفات کا قائل ہے جہان وہ کہتا ہے کہ زیر خنجر بھی نہ تڑپا پسر شیر خدا یہ تکلف تو فقط فاطمہ کے شیر مین ہے؛

جھولے کے بعد

گود اور جھولے کی عمر اس طرح ختم ہوئی کہ حسین کبھی رسول کے دست اقدس پر اور کبھی شانے سے لگے ہین گھٹنیون چلنے کھڑے ہونے اور چلنے کی کوشش کے متعلق خبرین ہین کہ ڈگمگا ئینگے اور رسول پکار اٹھینگے کہ اے فاطمہ سنبھال لو حسین کو۔ لڑکھڑاتے ہوئے آہستہ آہستہ مسجد مین پہونچ جائینگے۔ رسول وعظ فرماتے ہونگے۔ دیکھیں گے اور اس خوف سے کہ مبادا گر کر بسورنے نہ لگیں منبر سے اتر آئینگے گود مین لین گے۔ حسین ہنستے ہوئے منہ کھول دینگے۔ رسول پیار کرینگے اور ساتھ ہی اپنے وفور محبت کا احساس کرکے لوگون سے کہین گے بلکہ اقرار کرینگے کہ ہم سے صبر نہ ہوسکا اور ہمنے اپنی تقریر ختم کر دی۔ رسول کے ازدیاد محبت پر کبھی کسی یہودی نے طعنہ بھی دیا اور آپ نے فرمایا کہ اگر تم خدا و رسول پر ایمان لاتے تو بچون کو موجب رحمت و راحت سمجھتے"

پاؤن مین کچھ اور قوت آئی اب کھڑے ہوسکتے ہین۔ مان کی محبت نے سرخ کرتا پہنا دیا ہے۔ نانا کے پاس چلے۔ کاندھا انتظار مین تھا۔ جھومنے لگے۔ رسول سونگھتے ہین اور فرماتے ہین کہ یہ میرا ریحان ہے ابھی حسین کو کیا فکر ہے کہ نانا کی محویت عبادت مین دخل نہ دین ممکن نہ تھا کہ یہ قریب پہونچین اور

گود پہلو شانہ اور پشت کو جولانگاہ نہ بنا دین۔ کوئی مرکب کی تعریف کرے لیکن رسول خود اس راکب کی
تعریف پر آمادہ ہو جائین۔

کم عمری کے واقعات کا اثر۔

ابھی برس ڈیڑھ برس کے ہوئے تھے اور اُس وقت تک یقیناً ان سے کچھ الفاظ زبان پر جاری
بھی کرا دیئے ہونگے۔ کہ غزوہ بنی مصطلق مین لشکر اسلام کو فتح حاصل ہوئی اور سنہ تمام نہ ہوا تھا کہ خندق کی
بڑی جنگ مین لشکر اسلام کے نازک حالت کو خدا نے اسقدر جلد فتح اور قوت سے بدل دیا کہ آیندہ
کے لئے رسول یہ اعلان فرما سکے کہ مشرکین اب پیش قدمی نہ کرینگے یہ اُنکے (قریش اور یہود) مجموعی کوشش
کی ناکامی تھی اور اُسکا اثر یاس ان سب پر طاری ہوتا تھا۔ حسین ابھی اس قابل نہ تھے کہ اس جنگ کے
بڑے نتائج سمجھ سکتے یا اس لڑائی کے مفید نکات کے احساس کے قابل ہوتے۔ لیکن ہوش کا سن آنیوالا
تھا۔ اسوقت بھی یہ جنگ بغیر اسکے کہ حسین کے بھولے دل پر اثر ڈالتی یون ہی نہ گذری بچے مانباپ اور
کھلانے والون کو چند مہینے کے بعد سے پہچاننے لگتے ہین جو اُنکے ہنسنے اُنکے ہمکنے اور گود مین قلقاریون سے
ظاہر ہے۔ وہ انجانے آدمیون یا پہچانے ہوئون کی صورت کے ذرا سے تغیر کو دیکھ کر نہ صرف بھیانک
ہوتے ہین بلکہ پاس تک نہین جاتے۔ حسین اپنے پدر بزرگوار کے صحیح و سالم چہرے کے دیکھنے کے
عادی تھے۔ ابھی۔ زخمی۔ خون آلود پٹی بندھا ہوا چہرہ اُنکے تجربہ کے باہر تھا۔ درد سر۔ چہرہ
کی زردی۔ اور بے چینی سے چہرے کے عالم اور تغیر کے خوگر نہ تھے۔ غالباً مین بچون کے مطالعہ حرکات مین
غلطی نہین کرتا کہ جناب امیر کے گھر سے زخم اور چہرے کے تغیر کو دیکھکر جناب امیر کے ہاتھ پھیلانے اور خود
گود مین جانیکی خواہش کے باوجود حسین گود مین نہ گئے ہون بھیانک ہو کر "اب (بابا)" کہا ہو اور
پھر رونے بھی لگے ہون۔ جب تک کئی مرتبہ کی کوشش یا چند دنون کی عادت نے بیخوف نہ کر دیا ہو

جنگ خندق مین باپکا زخم سر اور حسین۔

حسین کو ابھی معلوم نہ تھا کہ باپ کیسا زخم کھاتا کیسی عبادت تھی اور اسنے جو نتیجہ حاصل کیا اسکے لئے
وہ ایک سے زیادہ زخم خوشی سے کھا سکتے اور کھاتے۔ نہ اُنھین یہ معلوم تھا کہ یہ یا اسکے علاوہ زخم نے
علی کی ہمت۔ استقلال اور جرأت کی مدد مین کوئی ضعف نہین پیدا کیا تھا نہ اُنکے چہرے کے غیر فانی
تبسم نے اُن سے دوری اختیار کی تھی لیکن علی کی طبیعت کے سکون اور چہرہ کا اطمینان حسین کے
اثر پذیر نفس کے لئے ایک غیر فانی نقش تھا اور ہمت افزا فتح کا وقار طبیعت کو بلند کئے بغیر نہ رہ
سکتا تھا۔ اور اسلام کے یہ اوتار اپنی بلندی اور فخر کو انکساری اور تسلیم و رضا مین غرق کر دیتے تھے

انکے لئے یہ اُنکا خاصّہ تھا۔ ہمارے لئے اُنکا عمل بے اعتدالی اور تہی ظرفی سے بچنے کا نسخہ تھا۔ اور ابدالآباد تک غافلانہ تکبر کی نصیحت تھی۔ بلندی کا امتیاز قانون الٰہی کی امتیاز سے کیون بیہوش کر دے جسمین غفلت کے ساتھ خود بخود قدم پیچھے پڑنے لگتے ہین۔ یہ سنہ تمام نہ ہوا تھا کہ بنی قریظہ اور بنی سعد کی موقع بینی کو سزا دی گئی اور اِس سے حسین کے پدر بزرگوار کی بدولت مسلمانون کی مالی حالت مین کچھ اضافہ ہوا۔ سنہ ۶ یا حسین کی عمر کا دوسرا برس شروع ہو رہا تھا کہ ہر وقت آمادہ ضرر مشرکین کو حدیبیہ کی چھوٹی سی شکست کے بعد عہد کرنا پڑا جو اگرچہ رسول کی صلح پسندی کی بدولت برابر کا عہد تھا لیکن یہ اسلام کے لیے "فتح مبین" تھی۔ اِس لئے کہ اب مشرکین اپنے چھپے بچار رہے تھے ونیز اِس لئے کہ اب بہت سے لوگ اسلام مین داخل ہو رہے تھے۔ اِس عہد مین دوسری خصوصیت اِس لئے تھی کہ مشرکین کو کسی ایسے عہد پر اعتبار نہ تھا جو علی کے ہاتھ سے نہ لکھا جائے۔ وہ بپاس قرابت ہو۔ علی کی ذات کا اعتبار ہو یا رسول کے فوجی عنصر کا اقرار شریک کرنا ہو۔

حسین اب پورے ڈھائی برس اور حسن ساڑھے تین برس کے تھے کہ خیبر کے لئے فوجکشی کی گئی۔ ابتک یہ عمر بہت کچھ سمجھنے اور سمجھانے کی نہ تھی لیکن پاؤن پاؤن چلنے۔ تتلانے اور دیکھنے کی ضرور ہوتی۔ قوی الجثہ اور صحیح الحواس والدین کے بچے نہ صرف جلد بڑھتے ہین بلکہ اُنکا نشو ہوش بھی نسبتاً ناموافق حالتون کے بچون سے جلد ہوتا ہے۔ علی اور فاطمہ کے یہ بچے دیکھتے ہین کہ آتش مزاج گھوڑون کے پیچھے گھوڑی اور سوارون کے پیچھے ویسے ہی پُر دلولہ سوار بیٹھے ہین۔ پیادے اور اُنکی گھنی صفین دور تک پھیلی ہین۔ نیزون کا جنگل سوارونکی زین اور پیادون کے ہاتھون مین اُگ آیا ہے۔ نقل و حرکت سے تلوارونکی جوش خیز صدا نیامون سے بلند ہے۔ چہرون پر آگ کا غازہ ہے۔ پدر بزرگوار کامل سکون و وقار سے اسلام کا علم لئے ہین اگرچہ ہوا پھریرہ سے کھیل رہی ہے۔ اور یہ باتین مل جلکر ایک عالم پیدا کرتی ہین جو اثر کی ممتاز حیثیت رکھتی ہین۔ حسنین حیرت آلود چہرہ سے یہ دیکھکر نانا کے پاس دریافت حال کے لئے دوڑے ہونگے اور اسوقت انھین اِس ضد سے مشکل پڑ گئی ہوگی کہ ہمین کاندھے پر بٹھالو۔ اور رسول اِس طرح فوجی تیاری اور روانگی کا معائنہ کر رہے ہون کہ یہ لوگ آویزہ دوش ہون اور فوج نے اپنے ہادی اور قوم کو اِس صورت سے دیکھکر خوشی کے نعرہ بلند کئے ہون یا نعرہ تکبیر گونج اُٹھا ہو۔ اور حسنین اپنی اِس راحت جان نشست کی بلندی سے کبھی طفلانہ جھجک انکساری اور

دیکھنے۔ چلنے اور سوا
تتلانے کی عمر جنگ خیبر۔

حیرت کی پیش قدمی سے اسلام کے اس بڑھتی ہوئی فوجی قوت کو دیکھ رہے ہوں۔
بڑھ گیا لشکر اسلام یہانتک کہ شتاق دیکھنے والوں کی نگاہ سے آخری صف کی سپاہی اور بلند سے بلند نشان فوج اوجھل ہوگیا۔ دلچسپ ہوتی وہ تقریر اگر موجود ہوتی جس سے حضرت فاطمہ زہرا اپنے ان بچوں کو بہلاتی ہونگی جس وقت وہ نانا کے لئے مچلتے ہونگے یا کہتے ہونگے کہ ہمین بھی ہمراہ لیجاؤ۔ یا جب آپسمین بات کرتے ہونگے! طفلی کے بھولے سوال اور سادگی کی زیادتی آیندہ کے لئے ہونگی تیزی عقل اور نیک نفسی کے آثار ہین ہے۔ یہ وقت ہے کہ اگر بری طبیعتون سے دور رکھے جائین اور اچھے نفس سے مس ہوتے رہین تو آیندہ اُنکی اچھائی کے لئے پیشین گوئی کیجا سکتی ہے۔ اُنکے بھولے سوالات کا معقول جواب مفید ہوتا ہے اور اُنمین جاننے کی سرگرمی پیدا ہوتی رہتی ہے کسی طریقہ کی۔ پسند یا عدم پسند یہ بہترین وقت ہے اگر اُنھین راستہ بتایا جاتا رہے۔

حسنین کیا پوچھ سکتے بجز اسکے کہ باپ اور نانا کہان گئے ہین۔ اور ذکیہ کیا فرماتی ہونگی بجز اسکے کہ اسلام اور قوم کی عزت کی حفاظت کے لئے دشمنون کو دفع کرنے گئے ہین۔ فتح کی دعا کے لئے فرما کر اُنھین وہ مرکز بتاتی ہونگی جو وہان سے شروع ہوتا ہے۔ جہان سے انسان کے تمام ذرائع ختم ہوجاتے ہین۔ اور طریقہ بتانے کے لئے چھوٹے چھوٹے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کردیتی ہونگی اور کیا یہ بھی فرماتی ہونگی کہ جب تم بڑے ہوگے اور ایسا ہی وقت آئیگا تو تم بھی ہتیار سنبھال کر حفاظت اسلام کے لئے لڑنے جاؤگے اور بچے بے سوچے خوش خوش کہتے ہونگے کہ ہان جائینگے۔ اور ماں کا دل یہ سنکر آپ سے آپ بھر آتا ہوگا۔!

حسنین کی عمر ابھی فتح و شکست کے نتائج سمجھنے کی نہ تھی نہ ابھی یہ جانتے تھے کہ مخدوش موقع پر تنہا جرات کس درجہ دشوار چیز ہے۔ نہ اسکا اندازہ تھا کہ پدر بزرگوار کی کارگذاریون کے صلہ مین رسول کا استقبال۔ بغلگیر ہونا اور پیشانی پر بوسہ دینے کا طبعی ترجمہ کیا تھا لیکن یہ دیکھ سکتے تھے کہ لوگ اب کس طرح انکی تعظیم کرتے ہین اور یہ بھی دیکھتے ہونگے کہ یہ لوگ کیسے خوش خوش واپس آئے ہین۔ یہ سننے کے دن تو آنے والے تھے کہ اس واقعہ نے اسلام کو کس درجہ قوت دی۔ انکی اس عمر کا واقعہ ہے کہ بنی ہاشم خمس سے مخصوص کئے جاتے اور حضرت عثمان باوجود طلب اسمین شریک نہ کئے جاتے۔ اور ابھی حسین پورے تین برس کے نہ ہونے پائے تھے کہ فدک کا وثیقہ انکی مادر گرامی کے نام لکھا گیا۔

حسنین کے سوالات اور ماں کا جواب۔

نتیجہ نہ سمجھتے تھے لیکن کیا دیکھتے تھے۔

خمس اور فدک کا نام سنتے ہین اور شالی چچا کو پہچانتے ہین

ہستکے ساتوین برس انھین بحیثیت مدعی کے مدعا علیہ ابن ابو قحافہ کی عدالت مین جانا پڑیگا۔ اس جنگ نے بھی نہ صرف مسلمانون کے مالی حالت مین اضافہ کیا جو انکا مایہ حیات ہو سکتا تھا بلکہ مسلمانونکو آلات حرب بھی بہت سے ملے۔ حسین نے اسی زمانہ مین اپنے چچا حضرت جعفر ابن ابیطالب کو دیکھا جنکی صفات اور انکے آیندہ شجاعانہ کارروائیون کے سمجھنے کا زمانہ آنے والا تھا۔ اگرچہ حالات اسی وقت بہت کچھ سنے ہونگے۔

مضبوط کھڑے ہونے چلنے اور دوڑنے کی عمر

اِس طرح ہم حسین کے ساڑھے تین برس کی عمر تک پہونچ گئے اور عجب نہین ہے کہ حسنین کے آپس مین کشتی لڑنے کی روایت اِسی زمانہ سے متعلق ہو۔ یہ روایت اُس وقت کی ہے جس وقت حسین اپنے پیرون پر مضبوط کھڑے ہو سکتے تھے۔ اور اسکے بعد یہ روایت ہوگی کہ رسول کہین تشریف لیجاتے ہین اور حسین کو گھر کے باہر بچون کے ساتھ کھیلتا دیکھتے ہین۔ یعنی اب وہ گھر کے قریب قریب مقامات کے پہچاننے کے قابل ہو گئے تھے۔ رسول کا پیار سے دوڑنا کہتا ہے کہ اُنھون نے جس طرح کے مشغلہ مین حسین کو دیکھا تھا وہ قابل چشم نمائی نہ تھا۔ اس وقت کی صورت یہ تھی کہ رسول نے ایک ہاتھ پشت اور ایک تھڈی پر رکھکر سیدھا کر دیا تھا کہ طفلانہ ناز اُنھین بھاگنے نہ دیے۔ جس سے پیار کرنے مین ہرج واقع نہ ہو۔ اور یہ روایت اُس سے سن کی ترقی ہے کہ اب گھر یا گھر کے متصل نہ تھے بلکہ بنی جذعان مین چلے گئے۔ ہم نہین جانتے کہ اِس محلہ مین کون سے لوگ آباد تھے۔ جس سے یہ معلوم ہو سکتا کہ ابوذر دا سے

مضطربانہ تلاش۔

ٹھکانا معلوم کر کے لانے کے لئے رسول کا روانہ ہونا محض ماں کی تسکین اور بچے کے مضطرب نہ ہونے کے لئے تھا یا خود بھی اِس اضطراب سے تہا کہ مبادا وہ کسی دشمن خصوصاً کسی چھپے ہوئے یہودی کے ہاتھ مین نہ پڑ جائین جنکے متعلق وہ صحیح ہو یا غلط یہ الزام ہے کہ وہ غیر قوم بچون کو قربانی کے لئے گرفتار کر لیتے تھے اور روح نسل ہے۔ یہ خیال کہ یہ چار برس کے قریب کا بچہ اِس لئے گھر سے باہر نکل گیا تھا کہ بھوک نے رہنے نہ دیا تھا۔ اِسلئے کہ اِنکے گھرنے۔ حکومت اختیار مال اور فتح کو ذاتی آرام سے نسبت نہ دی تھی اور اِس بلند ترین درجہ پر تھے کہ اِس سے دوسرون کو راحت دین۔ اِنکے سوا تاریخ عالم مین کوئی دنیاوی یا روحانی رئیس نہ تھا جسکی خدا سے یہ دعا ہوتی کہ "ایک دن دے کہ تیرا شکر کرین اور ایک دن بھوکا رکھ کہ تجھسے طلب کرین"!

انکا خود پسند فقر مذاہب عالم کے رؤسائے روحانی سے اِس لئے ممتاز تھا کہ یہ تارک الدنیا اس مفہوم مین

ہوتے تھے کہ انھیں مقلدین کا اعتقاد نوالے دیا کرے۔ انھوں نے عالم اور اہل عالم کو اپنا باورچی خانہ اور باورچی نہ بنایا تھا۔ یہ سخت کراہت اور نفرت سے انکی طرف دیکھتے تھے جو جائز طریقہ سے حصول معاش تساہلی کرتے تھے بلکہ حصول معاش کی خود مثال دیتے تھے۔ اسی طرح وہ انکو بھی نفرت سے دیکھتے تھے جو اپنی شروت کو نسبتاً کم موقع مخلوق کے اماج رعونت بنانیکا ذریعہ سمجھتے تھے۔

حدیقہ بنی نجار کا مفید موقع

دوسرا موقع آیا اور اس مرتبہ حسین حدیقہ بنی نجار میں پہونچے۔ وہی محلہ جسنے سب سے پہلے مدینہ میں رسول کا استقبال کیا۔ نبی اللہ کے ساتھ نہ صرف اصحاب تھے بلکہ جناب امیر بھی تھے۔ کون جانے کہ اس مرتبہ گھر سے اتنی دیر غائب رہے ہوں کہ جناب فاطمہ زہرا کو گم ہو جانے کا اضطراب پیدا ہو گیا اور انکے رفع انتشار کے لیے جس قدر خود اپنے محبت سے رسول تشریف لے گئے ہوں۔ اور اس حالت نے نہ صرف جناب امیر بلکہ اصحاب کو بھی ساتھ کر دیا ہو۔ اس حالت کے معنی یہ ہیں کہ حسنین کے ساتھ رسول کے قلبی میلان کو اصحاب اس قدر جانتے تھے کہ مروت ہی سے سہی لیکن ساتھ رہنا انکی خوشنودی کا سبب سمجھتے تھے۔ اور حسنین کے متعلق رسول کے کسی اضطراب میں شرکت کرتے تھے۔ مل گئے حسنین اور سب سے پہلے جسنے گود میں اٹھا لیا رسول تھے اور دونوں کاندھوں پر دونوں صاحبزادوں کو بٹھا کے چلے۔ اصحاب سے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اسکی خواہش نہ کرتے کہ رسول کو سبکدوش کر دیں۔ حسنین نہ اترے

حسین کا احساس اور امتیاز۔

اب علی نے خواہش کی۔ لیکن حسنین نے رسول کو نہ چھوڑا اور جو جواب ملتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ہمیں نانا کا کاندھا زیادہ محبوب ہے" ہو سکتا ہے کہ "محبوب" کا لفظ کسی راوی کا ترجمہ جذبات ہو لیکن صحیح ہے۔ حسنین کا محض یہ کہنا کہ "ہم نانا کے کاندھے پر رہیں گے" یا کچھ نہ کہنا اور رسول کے کاندھے سے نہ اترنا بجز متذکرہ صدر خیال کے اور کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس روایت کی دلچسپی اپنے موجودہ درجہ پر نہ پہونچتی اگر علی نہ ہوتے یا ہوتے مگر انکی گود میں لے لینے کی خواہش نہ ہوتی تھا ایک قانون قدرت ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ بہ نسبت علی کے رسول میں محبت کا عنصر زیادہ ہے۔ اسکا معیار چھوٹے بچوں کا قلبی میلان ہے۔ وقت ہوتا ہے کہ علم نفس کے جاننے والے اور تجربہ کار جذبات شناس معاملات میں حکم قرار دیے جاتے ہیں لیکن ایسا بھی وقت ہوتا ہے جہاں ایسے بچے جنکے دل پر جذبات کے بہت سے نقوش نہیں ہیں کسی خاص جذبہ کے لئے اپنی فطری میلان سے صحیح کسوٹی ہو سکیں۔ یہی قانون تھا کہ ہمارا ہادی اپنے گہوارہ میں حضرت حلیمہ کو منتخب کرتا۔ اور یہہ

ہر اُس گھر میں سمجھا جا سکتا ہے جسے خداوند تعالیٰ نے بچوں سے مورد رحمت قرار دیا ہو۔ اکثر تو یہ دیکھا گیا ہے کہ باپ میں ماں سے زیادہ محبت ہے۔

اس لحاظ سے کہ بچوں کے تتلانے کا سن عموماً تین چار برس تک ہوتا ہے ہم اس روایت کے لیے بھی یہی زمانہ تجویز کرتے ہیں کہ رسول کو نماز کیلئے مستعد دیکھکر حسین بھی کھڑے ہوگئے اور تکبیر کا اعادہ کرنا چاہا۔ لیکن زبان سے صاف نہیں نکلتی۔ رسول دُہراتے جاتے ہیں یہانتک کہ ساتویں مرتبہ صاف اور صحیح ادا ہوئی۔ بڑا ہے وہ خدا جسکی بڑائی رسول نے حسین کو سکھائی ہو۔ اور بڑا تھا وہ خدا جسکے سوا حسین نے اپنے وقت میں کسی کی بڑائی کا اقرار نہ کیا۔ اِس وقت کی سکھائی ہوئی نماز حسین کو زیر خنجر بھی یاد تھی۔

۲۰ رمضان ۸ھ فتح مکہ اور حسین۔

حسین نے پانچویں برس میں قدم رکھا تھا کہ اسلام کے دائمی قیام کا واقعہ ظہور میں آیا۔ رسول مکہ میں داخل ہو رہے ہیں جو جگہہ رسول کو خدا کی زمینوں میں سب سے زیادہ پیاری تھی اور اور جہاں سے بہ جبر جلاوطن ہوئے تھے۔ ابوسفیان رسول کے جاہ و جلال سے کانپتا ہے اور سعد ابن عبادہ کے گرم لفظ سے تھرّا جاتا ہے۔ رسول نے علی کو نرمی سے داخل ہونے کا حکم دیا اور مزید تالیف کے لئے ابوسفیان یعنی معاویہ کے باپ اور یزید کے دادا کے گھر کو امان دی۔

بنی امیہ کے ساتھ رسول کا احسان۔

قریش آج مفتوحانہ شکستہ خاطری اور یاس سے رسول کے مُنھ کو دیکھ رہے تھے اور باوجود اپنی گذشتہ کارروائیوں کے اپنے کرم کرنے والے بھائی کے بیٹے سے بھلائی چاہ رہے تھے۔ رسول انھیں بھائی کہنے سے منع نہیں کرتے لیکن برادران یوسف کا استعارہ استعمال فرماتے ہیں اور اعلیٰ ترین کرم النفسی سے فرماتے ہیں کہ "جاؤ سب لوگ آزاد ہو"۔ اور یہ حیرت خیز اتفاق بھی اسکے بعد تھا کہ وہ جلاوطن جسے کوہ صفا کی چوٹیاں اپنے اعلان ہدایت میں پناہ نہ دے سکتیں آج انھیں پر جلوہ افروز ہوتا۔ انسانوں کی بسی ہوئی ندی پستی سے بلندی کی طرف جاتی اُس نے کہا نبی اللہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ کوہ صفا کا یہ دوسرا نظارہ تھا۔ ہم ایک تیسرے عبرتناک نظارہ پر بھی توجہ دلائیں گے۔

اگرچہ یہ کہیں مذکور نہیں ہے کہ حسین کہاں تھے لیکن یہ یقینی امر ہے کہ وہ بھی اسوقت اپنے نانا اور دادا کے قدیم وطن کو دیکھنے آئے تھے۔ انکی موجودگی اس خیال سے یقین ہو کر رسول اور جناب امیر تھے بلکہ اس وجہ سے کہ جناب فاطمہ زہرا بھی تشریف لائی تھیں۔ جنکی تشریف آوری اُس روایت سے معلوم

جبکہ حضرت ام ہانی اپنے برادر معظم کی پُرلطف شکایات کرنے گئی تھیں اور بھاوج نے انھیں شکایت پر ٹوکا جو تعلیمی انداز کی نرم تنبیہ کہی جائے۔ غالباً پہلا موقع تھا کہ حسین کسی فوج کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔ ایک آدھ چھوٹی لڑائی کا عالم اور گرم شور دیکھا یا قریب سے سُنا تھا اور کیا عجب ہے کہ اطاعت اور اظہار عقیدت کے عام ہیجان کو اس طرح دیکھا ہو کہ وہ اپنی مستند نشست پر ہون یا پہلو ون مین کھڑی ہون۔ حسین کے غم انگیز مستقبل کے لئے یہ واقعات ناقابل سہو تھے خصوصاً جبکہ یہ مکہ سے متعلق ہون!

یکم شوال ۸ھ

حنین اور طائف کی
معرکے سے بازگشت اور حسنین

حسین کی عمر مین چند دنون کا اور اضافہ ہوا تھا کہ حُنین کا مخدوش موقع آیا جبکی مخصوص صورت یہ تھی کہ مسلمانون کا خلوص سخت کسوٹی پر کسا گیا۔ مولفہ القلوب مین سے ابوسفیاںؓ مسلمانونکو منہزم دیکھ کر خوش ہو رہا تھا کہ "سحر کا خاتمہ ہو گیا"۔ اور شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ جسکا باپ اُحد مین مارا گیا تھا آج باوجود رسول کے ہمراہ جانے کے رسول سے انتقام لینے کے لئے بیچین ہو گیا تھا اور ان لوگون کی یہ حرکتین دیکھکر صفوان ابن امیہ یہ اصول تسلیم کر رہا تھا کہ میرے نزدیک یہ زیادہ عزیز ہے کہ میرا مربی کوئی قریشی ہو اس سے کہ ہوازن کے کسی شخص کے پالے پڑون" لیکن اولاد عبد المطلب موجود تھی انکی حیات مین رسول کے نزدیک کسی کو پہونچنے کی جرأت نہین ہو سکتی تہی۔ علی۔ جعفر۔ عقیل۔ عباس۔ قثم اور فضل ابن عباس ربیعہ۔ ابوسفیان بن حارث۔ عبداللہ ابن زبیر بن عبد المطلب موجود تھے۔ پیش و پس راست و چپ لگام اور رکاب تھامنے والے پروانے کی طرح شمع رسالت کے گرد پھر رہے تھے۔ اُسامہ ابن زید اور ایمن ابن ام ایمن بھی حق نمک ادا کر رہے تھے۔ اِن لوگون نے میدان جنگ کے مخدوش موقع کو چند لمحہ کے لئے اپنی آنکھون اور ہاتھون مین لے لیا تھا کہ عباس کے بلند آواز کی گرج سنائی دی اور "ایک سو انصار" پر اخلاص اطاعت سے "لبیک لبیک" کہتے ہوئے دوڑ پڑے۔ اب میدان جنگ کا رنگ بدل گیا یہان تک کہ تقسیم غنیمت کے وقت تو باستثنائے چند مقتولین کے وہ پوری بارہ ہزار کی جماعت تھی جو روانگی کے وقت تھی۔

اسکے بعد رسول نے مشرکین کے اُس گروہ کی طرف توجہ فرمائی جو غالباً سب سے قوی اور مخدوش تھا اور طائف کی طرف بھاگا تھا۔ یہان کی تمام مفید خدمتین علی کے حوالہ تھین اور کارگزاری کے بعد وہ ایسی اس حیثیت کی تہی کہ رسول علی کو دیکھ کر تکبیر کہہ اُٹھتے اور دیر تک بصیغہ راز گفتگو فرماتے۔

اِن تمام واقعات کے بعد رسول کا واپس تشریف لانا چاہتا ہے کہ رسول اپنی اُس بیٹی کو جسے سفر سے

واپس آکر پہلے دیکھنے جاتے تھے دیر تک دیکھتے رہے ہوں۔ نگاہ مین سب کچھ ہوگا لیکن کون تھا جو پہلی نگاہ کے تمام جذبات کی شرح کرسکتا۔ اشتیاق تھا۔ محبت تھی۔ خوفناک یادداشت کا گذرتا ہوا عکس تھا۔ خدا کے ادائے شکر کی آہستہ حرکت تھی۔ نتیجہ کی خوشی تھی۔ اور اب اُن سبکو اپنی آنکھون کے سامنے دیکھ رہے تھے جسکی سب سے زیادہ محبت ہی تھی لیکن سوچو اُسوقت کو جبکہ حسنین ہفتون کے چھوٹے ہوئے ناز بردار کے گذرے ہوئے خوف کی حالت کو سُنتے ہونگے اُنکے چھوٹے چھوٹے دل دھڑکتے ہونگے۔ خوف کی تاریکی اور سامنے موجود دیکھنے کی خوشی عالم پیدا کرتی ہوگی کہ کبھی چاند پر بادل آگیا ہے اور کبھی ہٹ گیا ہے۔ رسول کی نگاہ مین دیکھتی ہونگی اور یا تو ذکر سے احتیاط کی ہوگی یا بجلانے اور خوش کرنیکی فکر کی ہوگی۔ اور بچے اُس ذات کو ناشکستہ نظر اور مسلسل ہوش سے دیکھتے ہونگے جس کے لئے کوئی خوف خوف نہ تھا اور جو ایسے مخدوش حالتون مین اپنے عظیم الشان وجود کی طرف سے اپنی وجہ کے لئے بے پرواہ ہوجاتا تھا۔ اور پھر یہ بھی سُنتے ہونگے کہ ہمارے پدر بزرگوار نے ایسے وقت کیا کیا اور ساتھ ساتھ اپنے اور عزیز ونکی وفادارانہ جگری سے بھی خوش اور متاثر ہونگے۔ اور اِن خبرونمین حسین نے اپنی کھلائی ام ایمن کو اپنے بھائی کے غم مین افسردہ دیکھکر اثر لیا ہوگا۔

(جمادی الاول ۸ھ)
حضرت جعفر ابن ابیطالب کی شہادت اور آیندہ کا ایک اشارہ۔

یہ زمانہ خاندان رسالت کے لئے سخت غم کا تھا اِس لئے کہ امین کے ولی اور محافظ کے فرزند کا فرزند اسلام کے بڑے مددگار ونکی فہرست سے کم ہوگیا۔ میری غرض حضرت جعفر ابن ابیطالب سے ہے۔ ہم انکے قبل الاسلام خیالات کا کہین تذکرہ کرچکے ہین جس سے معلوم ہوگا کہ یہ اپنے خیالات اور خصائل مین کس درجہ قابل تعریف تھے۔ یہ پہلے نقیب تھے جس نے اصول اسلامی کی مادر الوطن نقابت کی اور اثر ڈالا۔ اور ایک زمانہ تک ہجرت اور جلاوطنی کی تکلیفین اُٹھاتے رہے۔ خیبر کی فتح کے بعد انکی واپسی ہوئی سول نے کہا ہے کہ مجھے نہین معلوم کہ مین خیبر کی فتح سے زیادہ مسرور ہوں یا جعفر کی واپسی پر۔ لیکن اُنھین دنیا مین زیادہ رہنا نہ تھا۔ بانوے نو دن اور گرم ریگستانون کی ہوا مین تھے اِس لئے راحت بھی کہ وہ ایک اعلیٰ اصول کا سالک ہے اور سیکڑون منزلین طے کرسکتا تھا بغیر اسکے کہ کہین راحت کی بگڑی ہوئی صورت بھی تسکین کے لئے ہو وہ اب اِس لئے بھیجے گئے تھے کہ اُسکی روح راحت ابدی کی وسیع فضا (جنت) مین طیران کرتی پھرے۔ جعفر سے زیادہ اسکا کون مستحق تھا خصوصاً جب مین سیکڑون اصلاب شامخہ اور ارحام مطہرہ کے نایاب موتی نے اپنی حیات دنیاوی اس طرح

جعفر کی ہو جسکی شجاعت اور استقلال کو دائمی ناز ہو تاریخ شجاعت مین اسلام کے لئے یہ واقعہ یا اتفاق
تھا جب اُسکا ایک فرد اُسکی روح کا ایسا مجسمہ ہو سکتا تھا۔ ایک ہاتھ کٹا۔ دوسرا بھی قطع ہوجانا
اور ان دونون سے خون کا پرنالہ بہنا نشان اسلام کی حفاظت مین ضعف نہین پیدا کرسکتا تھا۔
اے کاش حضرت فاطمہ بنت اسد ہوتین اور گرے ہوئے ہاتھ اور کٹے ہوئے ٹکڑے کو چوم لیتین
یہ حضرت جعفر کی بہترین داد اور حضرت فاطمہ بنت اسد کے شیر کا بہترین صلہ ہوتا۔ گھوڑا دشمنو نکی
سیکڑون تلوارون سے قیمہ ہو کر گر گیا۔ بیشمار تلوارین اس شیر پر اپنی بُرش آزما رہی ہین سر سے
پاؤن تک بہتے ہوئے خون نے اعضا کو چھپا لیا ہے لیکن شارع اسلام کے محافظ کا فرزند اس طرح
ٹھہرا ہے کہ اُسکے جسم کا ٹکڑے ہونا اُسکی روح پر کوئی صدمہ نہین پہونچا رہا ہے۔ جعفر کے خون سے
رنگے ہوئے علم کا پھریرا ابتک وجد کر رہا ہے کہ ہم ایسے ہاتھون ایسے شانون اور ایسے سینہ سے لپٹے
ہین۔ ہم تصفیہ نہین کر سکتے کہ یہ حالت دیکھکر حضرت فاطمہ بنت اسد پہلے روتین یا چیخ کر تعریف کرتین
اگرچہ اس تعریف سے زیادہ پُر درد مرثیہ نہ ہو سکتا۔ عالم شجاعت کا یہ نظارہ اور ارادہ کا یہ معجزہ
اُسوقت تک دکھائی دیا جب تک تلوار نے کمر سے دو ٹکڑے نہ کر دیا۔ کسی خاندان کسی قوم اور
کسی ملت کے لئے یہ کارنامہ ایسی جائداد نہین ہے جو تباہ ہو جائے۔ اسلام کی تاریخ اسی
خاندان کی تاریخ نے اس واقعہ کو دُہرایا ایسے وقت مین جبکہ مشکلین بحد چہار بڑھ گئی تھین۔

جعفر کی شہادت کا تعلیم الشان

بنی ہاشم کو جعفر کی شہادت کی خبر اس طرح معلوم ہوئی کہ رسول نے اولاد جعفر کو طلب کیا
اور سب کو پیار کرنا شروع کیا۔ اس طرح کہ آنکھون مین آنسو ڈبڈبا آئے تھے۔ اب حضرت فاطمہ زہرا بھی
چیخ کر رو رہی تھین۔ یہ وقت تھا کہ حسنین بسورتے ہوئے مان کو لپٹ جاتے اور حال پوچھتے اور اسوقت
انھین معلوم ہوتا کہ میرے چچا نے کس طرح شہادت پائی۔ حسین نے اپنے چچا کا کارنامہ شجاعت اپنی آنکھون
سے نہ دیکھا تھا لیکن کیا سُننے کے بھی قابل تھے جنکا بدلا آنیوالا تھا حسین جعفر ثانی یعنی حضرت عباس ابن علی نے
آپکے سامنے دُہرا دیا۔ یہ حسین بھی دیکھ رہے تھے۔ اسوقت ممکن نہ تھا کہ حسین اپنے چچا کو یاد نہ کرتے اور حسرت ہوتی
کہ کاش اسوقت چچا اپنے اس بھوکے پیاسے بھتیجے کا حواس اور استقلال دیکھتے۔

بنی خزیمہ

یہی زمانہ تھا جبکہ حسین رسول کو اس لئے غم و افسوس مین دیکھتے کہ اُنکے ایک آدمی نے اُنکے حکم کی
خلاف ورزی کرکے بدنام کرنا چاہا جسکا ہر طرح برا اثر پڑتا۔ اس لئے خلاف ورزی کی کہ اس وقت کچھ غنیمہ

حاصل تھا کہ ایام جاہلیت کا انتقام لے سکتا اور پھر حسنین نے یہ بھی دیکھا کہ اُنکے پدر عالی مقدار بھیجے گئے اور وہ اپنے طرز عمل سے رسول کی خوشنودی اور شکریے کے مستحق ہوسکے اِس لئے کہ نرمی اور ہمدردی سے مظلوم جماعت کی اشک شوئی کی تھی۔ یہ موقع تھا کہ بچے متضاد افعال سنتے اور خیال کرتے کہ انسان مین یہ جذبات بھی ہوسکتے ہین؛ اور اگر ایک سے انسانون کو یہ مصیبتین اُٹھانا پڑتی ہین تو دوسرے سے تلافی ہوتی ہے۔

متضاد باتین اور اُنکا اثر حسین کی سماعت

سنہ ۹ ھ

حسین پورے پانچ برس کے ہوچکے تھے کہ قبیلۂ طے پر مسلمانون کو تسلط حاصل ہوا۔ علی کی بدولت ہوا اور حسین! رسول نے دختر حاتم کے ساتھ جو برتاؤ کیا وہ حاتم کے شکاری بیٹے عدی کی اِس درجہ پسندیدگی کے قابل تھا کہ وہ شام سے آتا اور مسلمان ہوتا۔ حسین تصفیہ کرتے ہونگے کہ شریف قوم عورتون کے ساتھ اگرچہ وہ مفتوح ہون اور غیر مذہب کے کس طرح کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔

مثال جو شریفانہ برتاؤ کی تعلیم تھی۔

یہی زمانہ سریہ وادی الرمل کا تھا جسکی اہمیت بعض تجربہ کار افسرونکی ناکامی سے ظاہر تھی۔ جناب امیر کا عصابہ طلب کرنا بھی ایک نشانی سمجھی گئی تھی کہ صورت معاملہ کسی قدر سخت ہے۔ جناب امیر کو اپنی آنکھون کے سامنے عصابہ باندھے اور مسلح میدان جنگ کی طرف روانہ ہوتے دیکھکر طاہرہ کی آنکھون مین آنسو بھر آئے۔ کون جانے کہ حسین کس طرح دیکھ رہے تھے اور ماں کو چشم پُر آب دیکھکر سُرخ گھوڑے کے اگلے سمون سے لپٹ گئے تھے یا نہین جو روکنے کی طفلانہ کوشش سمجھی جائے۔ لیکن یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ پدر بزرگوار کو فاطمہ زہرا کے آنسو اور بہلوؤن کی بھولی صورتین اور باتین نہ روک سکین۔ کیا معلوم تھا علی اور فاطمہ کو کہ ایک دن آنے والا ہے کہ اُنکا حسین زخمون سے چور اِس طرح اپنے اہل وعیال کے سامنے آئیگا کہ پہچانا نہ جائے۔ اسوقت ایک جامہ کہنہ طلب کریگا اور اُسے اور چاک کر ڈالیگا۔!

وادی الرمل کا عصابہ اور کربلا کا کرتہ۔

اُسوقت سے جب سے حسین باپ اور نانا کو پہچاننے لگے ہون ابتک صورت حال یہ تھی کہ کسی موقع پر جبکہ ان بزرگوارون مین کوئی گھر سے باہر جاتا تھا دوسرے کا جانا ویسا ہی یقینی تھا لیکن تبوک مین بچون کو تسکین تھی کہ اگر نانا نہین ہین تو باپ ہین۔ نانا کے فرائض کے ساتھ ہین۔ اور عجب نہین ہو کہ لوگ بھی علی کی خوشنودی کے لئے بچون کے ساتھ زیادہ اظہار ارادت جائز سمجھتے ہون۔ اور پھر بچون نے یہ بھی دیکھا کہ دفعۃً پدر بزرگوار کچھ خاموش اور کبیدہ سے ہوگئے اور مدینہ سے چلے گئے لیکن پھر آگئے اور اب وہ پیشتر سے زیادہ مطمئن اور خوش تھے۔ مین نہین کہہ سکتا کہ جناب امیر نے اپنے

تبوک اور حسنین

فرزندون کو اس زمانہ مین اس درجہ ذی ہوش خیال کیا یا نہین کہ وہ بتا سکتے کہ انھین لوگون مین جو بہت اظہار اطاعت اور خلوص مین مبالغہ کرتے ہین کچہہ منافقین بھی ہین جو ظاہرِ دشمنون سے زیادہ مخدوش ہین۔ اور ہمارے یہان رہنے کی اغراض مین ایک یہ بھی ہے کہ ہم اُنکے حرکات و سکنات کو دیکھتے رہین۔

رسول کا تشریف لانا مسلمانون اور خصوصًا اہلبیت کے لیے سب سے زیادہ باعث مسرت تہا لیکن اس خوف سے مطلق خالی نہ تھا کہ دشمن ہر وقت تاک مین رہتے ہین کہ کسی طرح اُنکی ہلاکت کے باعث ہون۔ اسلیے مخلصین کے دلی اظہار عقیدت اور صحیح و سلامت واپسی پر خاموش شکریہ کی سنجیدگی اور بڑہادی ہوگی اور رسول نے حسنین کو پھر ایک مرتبہ اس طرح بہینچ کر سینے سے لگایا اور پیار کیا ہوگا جس طرح کوئی خطرہ کے بعد اپنے کو محفوظ دیکھکر فطرتًا اُنکی طرف اپنا قلبی میلان ظاہر کرتا ہے جو سب سے زیادہ محبوب ہوتے ہین رسول بچون سے زیادہ اور کسی پر توجہ نہین فرما سکتے تہے جنپر تعنیع کی کوئی چھینٹ نہین پڑی ہوتی کیا عجب کہ علاوہ رسول نے ان بچون کو منافقین کے نام بھی بتا کر انھین ہوشیار رہنے کی تاکید کی ہوگی۔

ابتدائی تعلیم کے آغاز کے آثار۔

مین سوچتا ہون کہ غالبًا یہی زمانہ ہو جس مین حسنین کی تعلیم کا آغاز کیا گیا ہو۔ اگرچہ اسکے باضابطہ آثار اور خبرین نہین ہین کہ کسی خاص وقت بسم اللہ کی گئی لیکن اِس غیر صریح اطلاع سے ہم کام لیتے ہین کہ رسول بچون کے طفلانہ حوصلہ ترجیح کا تصفیہ بجائے کشتی لڑنے کے وصلیان لکھوا کر کرنا چاہتے ہین۔ وصلیان لکھنے یعنی کتابت کے ابتدائی حالت سے تعلیمی ابتدا کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ رسول کی احادیث حصول علم کے متعلق جس قدر ہین اور خود جو کچہہ اُنکے اس عمل سے ظاہر ہے کہ وہ اسیران احد مین سے پڑہے لکھو نکو انصار کے بچون کی تعلیم کے لیے مقرر فرماتے ہین اِس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت نے اپنے محبوب نواسون کی تعلیم کو ضروری وقت سے زیادہ ملتوی نہ کیا ہوگا۔ اور چونکہ اسکا کہین اشارہ نہین ہے کہ کوئی شخص حسنین کا معلم مقرر تھا مین بجز اسکے تصفیہ نہین کرسکتا کہ خود جناب امیر نے انکی تعلیم ابتداءً اپنے ذمہ لی تہی جیسا اسکے بعد حسنین کے زمانہ شباب کے متعلق آتا ہے کہ جناب امیر نے تاویل قرآن خود تعلیم فرمائی۔

زمانہ رسول مین حسنین کی تعلیم کے آثار۔

حسنین کی تعظیم کا خیال لوگون مین کس درجہ ہوگا اسکا اندازہ اس روایت سے کیا جا سکیگا۔ کہ حسین گھوڑے پر سوار ہونا چاہتے ہین اور وہ رکاب تھام کر سوار کرنے کو اپنے لیے باعث افتخار سمجھتے ہین۔ اگرچہ وہ خود ہاشمی ہین۔

حسین کی طفلی اور ذہانت۔

حسین کے زمانہ طفلی کی ذہانت کے آثار مین جو روایت ملتی ہے وہ غالبًا اسی پانچ چھہ برس کے سن کی ہے اور وہ اپنی طفلی کی منطق مین اپنے کھیل کے فریق پر غالب تھے۔ ابو رافع جو حسین کی دلیل سے لڑکپن مین مغلوب ہو جاتے ہین آیندہ زمانہ مین حسین کے ناصح بناکر لائے گئے ہین جسپر ہم نظر کرینگے۔

مباہلہ مین حسنین کی روشن ہیئت۔

حسین نے چھٹے برس مین قدم رکھا تھا کہ رسول نے انھین رسمی طور پر مباہلہ مین شریک کیا۔ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہوگا یہ عالم جس وقت یہ پانچ نفوس قدسی خدائی فیصلہ کے لئے تیار ہو کر گئے ہونگے۔ انکا خدا پر بھروسہ۔ اپنی سچائی کا یقین۔ اپنے فتح کی امید۔ ایک شان رکھتی تھی جو فریق مخالف سے یہ کہلوا سکے کہ "مین چند آدمیون کے چہرے دیکھتا ہون کہ اگر وہ خدا سے پہاڑ کے ٹل جانے کی دعا کرین تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیگا"۔

مین سوچتا ہون کہ نصارائے نجران پر سب سے زیادہ دو بھولے بھولے۔ پیارے۔ ہنسین۔ معصوم بچون کی موجودگی سے اثر پڑا۔ میرے لئے یہ سوچنا ممکن نہین ہے کہ اسا قفہ جنکے طرز عمل کی تاریخ آج رشتیل پرس کی اماج ہے۔ وہ اِن معصومون کے سامنے کھڑے ہو سکتے تھے۔ اسکے بعد واقعًا مباہلہ ہوتا یا نہ ہوتا پنجتن پاک فتحیاب ہوگئے۔ فریق مخالف کا انکار اُسکی طبعی شکست تھی۔ وہ اِن نفوس قدسی کی عظمت اور جلالت کے مقابل کھڑے ہونے کا اپنے مین استقلال اور ارادہ نہ پاتے تھے۔ یہ موقع اُسی قدر قانون الٰہی کا اظہار تھا جس قدر اور صاف مواقع ہوتے ہین۔ کس مین ذرا سا حس ہو اور وہ نہین جانتا کہ ہم اپنے سے پست نفس کے سامنے اپنی نفس کی بلندی اور قوی کے سامنے اپنے نفس کی پستی کا احساس کرتے ہین اور بغیر اسکے کہ ان مین سے کوئی کچھہ کہے ایک قلبی تصفیہ ہو جایا کرتا ہے۔ اِس حالت کو خود جناب امیر نے ظاہر فرمایا ہے جبکہ کسی نے آپ سے سوال کیا کہ آپ اپنے ہمسرون پر کیسے غالب ہوئے۔ اور فرمایا کہ "مین کسی شخص سے ملاقی نہین ہوا مگر یہ کہ اُس نے اپنے نفس پر قبضہ دینے کے لیے میری اعانت کی"۔

حسین کاندھے پر سے اور وہ موقع نہ آیا کہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھہ بلند کرتے آنکھین آسمان کیطرف اٹھتین اور بے گناہ لب و زبان سے آمین کی صدا بلند ہوتی۔ خدا کے بلند کئے ہوئے یہ بندے واپس نہین ہو سکتے تھے مگر یہ کہ اپنے فتحیابی سے پاکیزگی کی عظمت اور اُسکی بلند کرنے والی لہرین محسوس کرتے کون روکنے والا تھا حسین کو کہ ذرا سا کاندھے پر تن نہ جاتے۔ اسکے بعد یہ کہنا ہے کہ نصرانیون کا حسین کی شرکت کے اِس موقع پر جو صلح کی وہ مسلمانون کے لئے مالی حیثیت سے مفید تھی۔

لڑکپن میں دوسروں کے لئے بھوک کا صحیح اندازہ

کب؟ نہیں معلوم۔ لیکن غالباً اسی سے کچھ قبل یا بعد کے زمانہ میں وہ واقعہ ہوا جو ھَلْ اَتٰی سے ممتاز کیا جاتا۔ اس لئے کہ نزول قرآن کا زمانہ تھا لامحالہ یہ حسین کی سات برس کی عمر تک کا ہوگا جسکی تصدیق حضرت فاطمہ کے اس لفظ سے بھی ہوتی ہے جہان آپ فرماتی ہین کہ "میرے بچے بھوکے ہین"۔ چھ یا سات برس کا سن اگرچہ اس پورے اندازہ کا نہو کہ دوسرون کی تکلیف کو اپنی فرحت پر مقدم رکھنا کس قدر بلند خیالی اور انسانیت کا اعلے درجہ ہے لیکن بھوک ایسی چیز ہے جو اپنی حالت سے بار بار اندازہ پر مُصر ہوتی ہے اور اس لئے بچے ایسے موقع پر حسین خود اپنے تجربہ سے اندازہ کرتا ہو بغیر حسّی عالم کے نزدیکے تہے موقع کی خصوصیت یہ تھی کہ اپنی تکلیف سے انکی لاپرواہی اس درجہ تھی کہ جون جون انکا امتحان بڑہتا جاتا تہا یہ امتحان دینے پر مُصر ہوتے جاتے تہے۔ ان مرجھائے ہوئے پھولون کو دیکھہ کر رسول چشم پُر آب ہوگئے۔ اور زبان مبارک پر جاری ہوا "واغوثاہ اھلبیت محمد یموتون جوعاً (الٰہی یہ درگاہ تیرے نبی کے اہل بیت بھوک سے مر رہے ہین)

آیہ تطہیر اور حسین سورۂ براءت اور حسین۔

یہ بندے تہے جنہین تطہیر کا یقین دلایا جاتا اور انکی آیندہ امتحان خیز تاریخ کبھی انکی تطہیر پر مشتبہ نہ ہوتی۔ اس موقع کی خصوصیت یہ بھی تہی کہ رسول یہ دعا بھی فرماتے کہ مین اُس سے جنگ کرونگا جو ان سے جنگ کریگا اور صلح کرونگا جو ان سے صلح کریگا اور دشمن ہونگا جو انکا دشمن ہوگا۔ ہم نہین جانتے کہ اس تمام موقع پر حسین سمجھے بیٹھے ہونگے یا نہین لیکن میرا طبعی تصفیہ یہ ہے کہ موقع کے نئے پن اور طفلانہ حیرت اور سفیر الٰہی کے نفس کی اُس سنجیدہ حالت نے جو دعا اور استقبال احکام کے وقت ہوتی تہی سبکو بے جنبش رکھا ہوگا۔

سورہ براءت کے پڑھنے کے لئے جسکی مختلف حیثیتون پر توجہ دلائی گئی جناب امیر کا تشریف لیجانا حسین کے لئے اس لحاظ سے بالکل نیا نہ ہوگا کہ ایک تو وہ خود کہہ چکے تھے دوسرے یہ بھی دیکھہ چکے تہے کہ پدر بزرگوار اکثر باہر بھیجے جاتے ہین اور اُنکی اس ناموجودگی مین یہ بھی دیکھتے تہے کہ کبھی رسول دعا فرماتے ہین کہ علی کی واپسی تک مجھے نہ اُٹھانا۔ کبھی خود استقبال کرکے لاتے ہین اور کبھی بھیجتے ہین لیکن فرماتے جاتے کہ مین غمگین ہون۔ اور اس طرح مفارقت پر صبر کرنیکی لڑکپن سے عادت ہوتی جاتی تھی اگرچہ یہ وقتی ہیون نہ ہو۔ ہم نہین کہہ سکتا کہ حسین کے نزدیک بھی یہ کوئی مخصوص بات تہی یا نہ تہی کہ اُن کے پدر بزرگوار کے قبل ایک بزرگ بھیجے گئے اور وہ بلالئے گئے اور اُنکے بعد جناب امیر بھیجے گئے۔ ممکن ہو کہ

صغر سنی نے اسکا زیادہ لحاظ نہ کیا ہو لیکن رسول کے کچھ ہی دن بعد حسین کو اسکے جو معاملت لاحق ہوئی تھی
اسکے اعتبار سے انھیں پچھلی حالتوں کا یاد آجانا بہت ممکن تھا۔ اور یہ بیس بھی مزید پیچ و تاب کی باعث
ہو سکتی تھی۔

یمن کی روانگی کا نظارہ اور حسین۔

وہ وقت آیا کہ حسینؑ اپنے پدر بزرگوار کو آخری سفارت کے لئے رسول کے حکم سے مستعد دیکھتے
اور اسکے لئے مستعد رہتے کہ وہ ایک لامعلوم زمانہ تک مدینہ واپس تشریف نہ لائینگے۔ موقع یہ تھا کہ اسوقت
جناب امیر کی ذات کئی منصب کا مرکز تھی وہ مدینے سے یمن بھیجے جا رہے تھے۔ درمیانی مقامات کا معائنہ
پیشتر بھیجے ہوئے افسر یعنی خالد ابن ولید سے حالات دریافت کرنا اور انکے ہمراہ لے لینا یا واپس کرنا
درصورت اہل یمن کی مخالفت کی آخری چارہ کے لئے مستعد رہنا۔ تبلیغ اسلام دینی امورات کی تعلیم
انپر حکومت یہ خدمتیں تھیں جو علی کے سپرد تھیں۔ بنو مبیب کے تصفیہ کے لئے علی کو اپنی تلوار دیکر
رخصت کیا تھا۔ بڑھتے ہوئے تلطف نے یمن بھیجتے وقت مزید نشانات امتیاز کو ضروری سمجھا۔ ضرورت
بھی تھی ایک بڑے اور زرخیز صوبہ پر حکومت کے لئے بھیجے تھے۔ خالدؓ علی کے پہونچنے کے قبل ان پر
اپنی توجہ اور محبت کی خبر پیشتر بھیجی ہوا اور ان تین سو سواروں کو جو ہمراہ رکاب جانیکے تھے
تیے اطاعت اور لحاظ کا اشارہ ہو کہ نشان مرتب کرنیکے علاوہ اپنے دست اقدس سے عمامہ باندھتے ہیں
اور دیکھکر کہتے ہیں کہ " اے علی میں تمہیں بھیجتا ہوں مگر تمہاری جدائی پر افسوس کرتا ہوں "۔ باوجودیکہ
بھیجتے ہیں جس سے معاملہ کی اہمیت ظاہر ہے۔ روانگی دیکھنے کے لئے کون نہ ہوگا جسے جناب امیر سے
محبت ہوگی۔ خاموشی اور اسمیں جذبات محبت کا تصادم۔ بےچینی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنا
اور پھر آنکھیں نیچی کر لینا۔ کچھ کہنے کا ارادہ اور پھر وفور جذبات سے گویائی کی کمی۔ سناٹا ہوں وزنی
سانس کی بے غم سنجیدگی۔ یہانتک کہ وہ صبر شکن موقع آگیا کہ دوامی نظر بندی سے پردہ پڑ جاتا۔
گھوڑوں کی صدا خاموش دیکھنے والوں کو چونکاتی یہ شاندار دستہ کچھ دیر کے لئے غم کا ایک
جلوس ہو جاتا اور چاہنے والے اسوقت تک کھڑے رہتے جب تک کہ اس جلوس کا آخری
نشان یا صدا کی خفیف آہٹ بھی ملتی۔ جلوس روانہ ہوتا اور قلبی تعلق رکھنے والے خاموش
دیکھتے رہجاتے۔ فرض !

حجۃ الوداع اور حسین

چند ماہ بھی نہ گذرے تھے کہ رسول کا حکمنامہ یمن پہونچا۔ رسول مدینے سے اور علی یمن سے چلے

مرکز ملاقات مکہ تھا۔ طاہرہ بھی تشریف لیگئی تھیں اور اس سے یقین کیا جا سکتا ہے کہ حسین بھی گئے تھے۔ اور اگر اسکے قبل شان سے روانہ ہوتے دیکھا تھا تو مکہ میں اسی شان سے داخلہ دیکھا ہوگا۔
اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ اس قدر مسلمان حج کرنے جمع ہوئے اور اس وجہ سے آخری بھی تھا کہ نبی اللہ نہ اسکے بعد تشریف لے گئے اور نہ اب تک اجتماع کے لئے اس قدر اہتمام کیا گیا تھا یہ موقع تھا جسے زمانہ اب نہ دیکھیگا اگرچہ اس سے بدرجہا زیادہ تعداد میں مسلمان حج کرنے ہر سال جاتے رہتے ہیں اور باوجود بعض دقتوں کے آمد و رفت کی سہولتیں تعداد میں اور اضافہ کرتی رہینگی۔
حسین نے یہ اثر خیز منظر دیکھا اور کیا عجب ہے کہ مسکرا کر پوچھا ہو کہ ”نانا یہ سب تمہاری امت ہی ہے؟“
حج ختم ہوا لوگ چلے اور متفرق ہونے کے قبل دوسرا منظر بھی ان مسلمانوں کو دیکھنا تھا۔ اس لئے کہ رسول خدا نے نقطہ توحید کو اپنی نگاہ کے تابع رکھنا چاہا۔ وہ کسی ایسی جگہ سے جہاں بہت سے راستے ہوں لوگوں کو اپنی خوشی سے منتشر نہیں ہونے دیتے بلکہ اسکا لحاظ فرماتے ہیں کہ انھیں ایک مرکز پر جمع کر کے کسی مادی اور خیالی افتراق کا موقع نہ دیں اور آج حسین ایک تماشہ دیکھتے ہیں جو اگر غیظ سے بڑھ گیا ہو تو تقاضائے سن کے لحاظ سے اور زیادہ دلکش ہو جاتا ہے۔ یہ علی کے لئے نیا نہ تھا۔ اس لئے کہ انھیں بھی رسول نے اپنے ”کنار و بغل“ میں پالا تھا اور زبان چوسائی تھی۔ لیکن حسین کی حیرت تبسم اور پر مسرت بچپنی معصومیت کے اندازہ کے باہر ہے جب وہ دیکھتے ہونگے کہ منبر ہے۔ نانا ہیں۔ اور لوگ ہیں۔ لیکن آج ہم نہیں بلکہ پدر بزرگوار رسول کے ہاتھوں پر بلند ہیں!
ہم نہیں کہہ سکتے کہ حسین اسوقت یا اسکے بعد کی مبارکبادوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہی ہو رہے تھے یا کبھی کبھی کسی کے پر تصنع تبسم اور اسکی تلخی کو بھی محسوس کرتے تھے۔ بچوں کو خیال ہی کیوں ہونے لگا کہ آدمی کا ظاہر و باطن ایک نہیں ہوا کرتا اور ہنسی کے نیچے زہر بھی بھرا رہتا ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر ایسی ہنسی حسین کی نگاہ کے نیچے آگئی ہوگی تو وہ بغیر چونکے نہ رہے ہونگے۔

وداعی حالت کا حسین پر اثر۔

نبی عربی کا حجۃ الوداع کے قبل اہتمام کرنا کہ ایک وداعی مجمع ہو۔ مجمع سے کچھ بھی دینا اور اسکے بعد بقیہ اسی قوسے دن کا طرز عمل اسی پر راز قانون کے اندر آتا ہے جس کا نام الہام یا وحی یا اسرار باطنی ہے کوئی بعید از قیاس امر نہیں ہے کہ رسول کے اس قلبی حالت نے بچوں پر اثر کیا ہو

وہ چُپ اور مغموم رہتے ہوں بغیر اسکے کہ اُنھیں وجہ معلوم ہو تو وہ والدین کی غمگین خاموشی سے
احتیاط کے باوجود اشارہ پاتے ہوں اور دل بھر آتا ہو اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہو کہ والدین
ان بچوں پر نظر گڑا دیتے ہوں اور ضبط کی کوشش کے قبل آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آتے
ہوں۔ بچے دیکھتے ہوں۔ دل میں کڑھ جاتے ہوں۔ انکی آنکھ میں بھی آنسو آجاتا ہو اور اب
ماں باپ انھیں زور سے لپٹا لیتے ہوں۔

ہادی کا آخری وقت اور حسنین۔

کچھ دنوں تو خوف کا وہم تھا لیکن سلہ ھ کا ماہ صفر ابھی ختم نہیں ہونے پایا تھا اور نہ
حسنین ابھی پورے سات برس کے ہوئے تھے کہ وہ دن آیا جسکا خوف تھا۔ ہادی عالم کو مرض موت
لاحق ہوا۔ محض علالت حیات کی امید منقطع نہیں کر دیتی۔ لیکن علالت میں دنوں کا گذرنا
اور مرض میں اضافہ اہل بیت رسالت کے افسردگی کو بڑھاتا جاتا ہوگا اور حسنین اپنے اوپر
نانا کے ہر وقت ہنستے ہوئے چہرہ اور لطف آمیز نگاہوں کو افسردہ اور ساکت پاتے ہونگے۔

ہادی عالم کی آخری دنوں کے متعلق ہم کافی سے زیادہ اشارے کر چکے کہ وہ انتشار آمیز تاسف
سے خالی نہ تھے۔ سیاسی پیش بندیوں کے سمجھنے کے لیے حسنین کی عمر بہت کم تھی۔ اُنکے سن کا
تقاضا یہ نہیں تھا کہ اُسکے اسباب نشو اور نتائج کو سمجھ سکتے اور اس لیے ہم محض یہ کہنا چاہتے کہ اگر حسنین کی
سماعت تک کسی یا چند کی خلاف ورزی کی خبر پہونچتی ہوگی تو وہ محض ایک انفرادی حیثیت کی بے طاعتی
سمجھتے ہونگے اور اُس سے اُس قدر رنجیدہ ہونگے جس قدر توجہ لڑکپن کا بیقرار خیال حوالہ کر سکتا ہے۔ اور
کچھ عجب نہیں ہے کہ اپنے اور اپنے والدین کے ساتھ رسول کی بڑھتی ہوئی توجہ کو دیکھکر ان بے طاعتی
کی مثالوں کو مطلق کسی توہم سے نہ دیکھتے ہوں۔

ہادی برحق کی علالت بڑھتی گئی اور غم کی موجیں اس قدر قوی ہو گئیں کہ پہلے طاہرہ کے صبر کو بہا
دیتیں۔ فطری تھا۔ کسے حق تھا کہ رسول پر فاطمہ کے پہلے کوئی روتا۔ کسکے گرم آنسو اس قابل تھے کہ ہادی
برحق کے رخساروں پر ٹپکتے۔ اور آنکھیں کھلوا سکتے۔ مہر شکن نگاہ لاڈلی بیٹی کی طرف اُٹھی اور ساتھ ہی
شدت ضعف اور جذبہ محبت سے تھرتھراتے ہوئے ہاتھ آخری مرتبہ اُٹھے کہ طاہرہ کے آنسو پونچھیں اور تسکین
دلانے کی یہ کوشش سیلاب اشک کو اور تیز کر دیتی۔

لیکن بیت کا یہ غم انگیز منظر آخری نہ تھا بلکہ اُنھیں بچوں کا بھولا پن کچھ اور اضافہ کرنے والا تھا۔ ہادی نے

آنکھین کھولتے ہی اپنے فرزندون کو طلب کیا۔ کئی روز کی شدید بیماری نے جس قدر خاموش کر دیا تھا اب اسوقت کی طلبی نے حسنین کو یہ خیال دلایا ہو کہ رسول کی ناشکستہ توجہ صحت سے پھر عود کر آئی یا بلانے کے لئے جانے والون کی افسردہ صورتین دیکھکر پہلا اثر خوف کا ہوا اور اسنے دوڑا دیا ہو۔ میرے نزدیک دوسری صورت زیادہ قریب الامکان ہے۔ آئے حسنین۔ اس لئے کہ رحمۃ للعالمین کی محبت سے بھرے ہوئے سینہ کی گرمی آخری مرتبہ محسوس کرین۔ رسول کی آنکھین کھلی تھین۔ ہاتھ پھیلے تھے اور سینہ لپٹا لینے کے لئے بیچین تھا۔ لپٹ گئے۔ رسول نے انکے بھولے رخسارو نیز لب اقدس سے محبت کی مُہر کی۔ ریحانتین کو سونگھا اور اسوقت بھی تعظیم احترام اور محبت کے باب مین اصحاب اور تمامی امت کو وصیت کی۔ حسین کی عمر اسکی کافی صلاحیت رکھتی تھی کہ رسول کی ان وصیتون کو جو اپنے متعلق تھی یاد رکھتے اور اُس وقت لوگون مین اپنا جو احترام تھا اُسکا امتیاز کر سکتے۔

وہ تمام نفوس جنھین رسول سے محبت تھی قریب تھے خوف اور اضطراب سے ناگزیر نتیجہ کے منتظر تھے جناب امیر کے سینہ مبارک یا زانوئے اقدس کو اسکا افتخار تھا کہ سر مطہر اُسپر رکھا تھا۔ علی چاہتے تھے کہ ہمیشہ ہمین یہ فخر اور راحت نصیب ہو لیکن مشیت ایزدی جاری ہونے والی تھی۔ رسول کے لب اطہر مین آخری جنبش ہوئی۔ "رفیق الاعلےٰ" کی خالص روحانی قربت کا شوق تھا جو اُنکے آخری سانس سے ظاہر تھا۔ ادھر اظہار شوق تمام ہوا اُدھر فاتح عرب کا صبر ختم ہوا۔ سر اقدس کا وزن اُٹھانے کی اب قوت نہ رہی۔ چیخ اُٹھے۔ عباس کو پکارا کہ "مین بیخود ہو رہا ہون میری خبر لے"۔ قیاس آسان ہے کہ اُس وقت نسبتاً کمزور دلون کی عترت طاہرہ اور بچے کیا کر رہے ہونگے اور کیا کہہ رہے ہونگے!

رحلت رسول کے بعد واقعات کیا پیدا ہوے اہلبیت کی طلبی جانب

لیکن انھین کیا معلوم تھا کہ ابھی رسول دفن نہ ہونے پائینگے اور نہ ہم رونے سے سیر ہونگے کہ ہم ایک مرتب جماعت کے قبضہ مین اس طرح آجائینگے کہ ہمارے حقوق۔ ہماری تعظیم اور ہمارا احترام ایک خواب کی بات ہو جائیگی اور دفعتہً یہ باتین اس طرح بھلا دیجائینگی کہ گویا ہمارے لئے کبھی نہ کہی گئی تھین بلکہ ہم سے چاہا جائیگا کہ ہم اس طرح اُنکی تعظیم و احترام کرین جنھین ہماری تعظیم و احترام کا حکم دیا گیا تھا۔ بچے بے خبر تھے عترت بے خبر تھین جناب امیر بے خبر تھے کہ طوفان کی دھیمی دھیمی آواز کان مین آنے لگی۔ میرے خیال مین تمام اُس مجمع نے جو اس وقت علی کے پاس دفن رسول کی فکر مین ہو کسی نئی متوحش خبر کے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہوگا حقیقت یہ ہے کہ قبول کیا جانا عجب خیز اعتقاد ہوتا۔ لیکن زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ انکو انھین بغیر چارہ

نہ ہوا اور اب سوچا جا سکتا ہے کہ انکے غم غصہ اور نفرت کا کیا درجہ ہوگا۔ خصوصاً جبکہ اُنھین دفعتاً
خیالات کا راستہ بدلنا تھا۔ ابھی جوش غم مین کمی نہ ہوئی تھی۔ آنسو بھی ابھی خشک نہ ہوئی تھی کہ وہ خبرین
سنتے ہین کہ مسند رسول کا انتظام رسول کے گھر سے کوسون دور کر لیا گیا بغیر اسکے کہ بنی ہاشم یا اہلبیت رسول
مین سے کوئی وہان موجود ہوتا۔ کوئی عجب نہین ہے اگر اہل ثقیفہ کی کارروائیونکی خبر نے اہل بیت اور
ہوا خواہان اہل بیت کے آنسو خشک کر دیے ہون اور وہ اپنے دماغون پر چوٹ کہانے کی جھنجھناہٹ
محسوس کرتے ہون۔ اور کچھہ دیر کے لئے گم ہو گئے ہون کہ ہم کیا کرین۔

بنی ہاشم انسانیت کے حقوق ادا کر رہے تھے کہ اُنھین عالم سیاست نے جھنجھوڑا۔ یہان عالم سیاست سے
میری غرض اُسکی نرم اور معمولی روش نہین ہے بلکہ وہ عالم جسمین رحم اور دل نہین ہوتا۔ جو جذبات
اور احساسات کو وہ کیسے ہی اعلےٰ کیون نہ ہون اپنی بعض ضروریات کے لئے اپنا دشمن سمجھکر
کچلنے سے بھی زیادہ کچلتا ہے۔ کون سوچ سکتا ہے اُس تکلیف کو جو جناب امیر کو ہوئی ہوگی۔ کون
کہہ سکتا ہے کہ جناب امیر ایک ہاتھہ سے رسول کی لاش تھامے ہون اور دوسرا ہاتھہ دفعتاً سر کیطرف بڑھا ہو۔
ہو۔ میرے آخری فقرہ کی غرض یہ نہین ہے کہ جناب امیر کا اسوقت یہی انداز تھا بلکہ مین سچ مچ انسانی
دماغ کی اضطراب۔ چکر اور بگڑتی ہوئی حالت سمجھا رہا ہون۔ جناب امیر اس سے بہت بلند تھے کہ
اُن سے اضطراب کی کوئی ظاہر حالت ایسے وقتون مین طاری ہوتی جسمین وہ ایک فریق اور دوسرا
انسان دوسرا فریق ہو جبکہ اُن جناب کے اس احساس کے متعلق اُنکا کسی موقع پر اظہار خیال پایا
جاتا ہے کہ "یہ امر مجھپر نہایت ہی دشوار ہے کہ کسی قسم کے اندوہ و ملال کی جھلک مجھمین نظر آئے تاکہ دشمن کو
شماتت کا موقع ملے یا دوست اُسکی حالت دیکھہ کر محزون ہو" یا چہرہ پر دیگر جذبات کے اثر کو اس فقرہ مین
ظاہر فرماتے ہین کہ "کسی شخص نے محبت و عداوت کو دل مین پوشیدہ نہین کیا مگر یہ کہ وہ اُسکی زبان۔
غفلتون۔ اور چہرہ کے صفحات مین ظاہر ہو گئی"۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ جناب امیر کس طرح کوشش کرتے ہونگے کہ میرے اثر غم سے میرے متعلقین محزون نہ ہون۔ یہ کوشش بجائے خود ایک مرثیہ ہی۔ دوسری
یہ بات ابھی باقی ہے کہ محض چہرہ سے ظاہر نہ ہو سکنا کیا اسکے لئے کافی ہے کہ قلب کی کسی کیفیت کا اثر دوسرے
قلب پر نہ ہو خصوصاً ایسی حالت مین جبکہ ایک یا چند ایک ہی جذبہ سے متاثر ہون۔ اور پھر کے گھڑی جناب
امیر اپنا اس جوش پر مُصر رہتے کہ ہمارے چہرہ سے آثار حزن تو ظاہر نہین ہین۔ قلب کی ذرا اسی نرمی جیسے کا

ریشونکی خفیف سا دھیلاپن اور اُسکا وہ عالم جو غم سے متاثر ہونا کہا جائے کافی تھا کہ دیکھنے والون کی آنکھون سے آنسوؤنکا مینہ برسا دیتا اور جناب امیر یا تو نگاہین نیچی کر لیتے یا اپنے چہرہ کو حد پر لانے کے منہ پھیر لیتے۔ آخر کون تھا جسکی طرف وکیہ دیکھتین اور ہمارے شہزادے اور شہزادیان کسے اپنا تسکین دینے والا سمجھتین۔

لیکن جناب امیر کا ضبط کرنا تو اس خیال سے تھا کہ میری افسردگی میرے متعلقین کو اور بےچین نہ کر دے۔ اُسکی غرض یہ نہ تھی کہ وہ لوگ بھی میری ہی طرح ضبط کرین۔ جناب فاطمہ زہرا کی یہ مشہور حالت سب کچھ کہتی ہے کہ اُن معصومہ کو رسول کے بعد اپنی رحلت تک کسی نے ہنستے نہ دیکھا۔ ہنستے نہ دیکھنے کے معنی یہ نہین ہین کہ کوئی اُنھین روتے دیکھتا لیکن یہ واقعہ ہے کہ وہ معظمہ اُسوقت تک سیر نہ ہوین جب تک اُنکی روح اقدس نے اُس عالم کی طرف ہجرت نہ کی جہان وہ اپنے پدر عالیمقدار کی روح مطہر سے قربت حاصل کرتی۔ ایک دریا تھا جو اُمنڈ رہا تھا ایک جوش تھا جسنے سکون پانے سے انکار کر دیا تھا۔ اور ایک متعدی درد تھا جسنے سننے والون کو اِس درجہ بےچین کیا کہ وہ جناب امیر سے درخواست کرتے کہ رونے کا وقت مقرر کیا جائے اور طہم من اللہ کی صاحبزادی اُنھین جواب دیتی کہ مجھے تم مین بہت دنون نہین رہنا ہے!

پھر بھی جناب امیر نے عموماً کیسا ہی ضبط کیون نہ کیا ہو اُنھون نے نظم و نثر مین وقت دفن اور بعد دفن جو کچھ فرمایا اُسکی خوبصورت شاعری (جذبات کی مصوری) اِس لیے بہت موثر ہے کہ وہ ایک ضابطہ کا اظہار خیال ہے۔ علی قبر کے پاس کھڑے ہین۔ صبر اور رونے کی متضاد حالتون پر اُنکا دماغ غور کر رہا ہے اور کہرہے ہین "صبر کرنا اچھی بات ہے مگر حضرت سے صبر کر لینا مدوح نہین ہے۔ جزع و فزع بیشک قبیح ہے مگر آپکے بچھڑنے کی مصیبت پر نہین۔ آپ کی مصیبت سے جو رنج و اندوہ ہے وہ نہایت بزرگ ہے۔ یہ رنج و اندوہ آپکی مصیبت سے پہلے حقیر تھا اور آپکی مصیبت کے بعد بھی حقیر سمجھا جائیگا" فرماتے ہین کہ "آپنے غیر کی مصیبت سے ہمین مطمئن کر دیا" اور باوجود اِن باتون کے اس اندوہناک استغنا کی یہی خبر ہے کہ جب جناب امیر اور طاہرہ "امام حسن اور امام حسین کے منہہ کی طرف نگاہ کرتے تھے تو اپنی تیمی اور اُنکی نامرادی پر" روتے تھے۔ حالت یہ تھی کہ بچون کا رونا صبر شکن تھا۔ نہ رونا اور گڑہنا یا سادے اور بھولے چہرہ سے دیکھنا اور زیادہ غم افزا تھا۔ وہ جلتے تھے کہ ایک پیاری چیز

حسنین کی نامرادی

کہو گئی ہے بغیر اسکے کہ اُسکے اظہار کے لئے منھ مین لفظ پاتے ہون۔ اُنکا دل کچھ ڈھونڈھتا تھا مگر پاتے نہ تہے۔

خلاء اور اُسکا احساس

آپ ذرا اُس تاریکی پر توجہ کیجائے جیسے علی فرماتے ہین کہ "چھاگئی تاریکی اُنکے (رسول) انتقال کے بعد" یا جیسا حضرت طاہرہ فرماتی ہین کہ "وہ منبر جسپر آپ (رسول) تشریف رکھتے تہے تاریکی نے اُسے ڈھانپ لیا" اور دیکھین کہ حسین کی "نامرادی" یا اُنکی مادر گرامی کے اس خیال کو کہ "آپکے بعد ہم ضعیف و حقیر ہو گئے۔ لوگون نے منھ پھیر لئے۔ آپکی زندگی مین ہم خلایق کے نزدیک معظم و مکرم تہے" کس درجہ تعلق ہے۔ سوچئے کوئی اگر سونچ سکے کہ کسی کے بچے یہ دیکھتے ہون کہ سیکڑون آدمی حملہ آورونکے جوش سے ہمارے گھر کیطرف آرہے ہین۔ اپنی مان سے کسی کی یہ دہمکی سُنی ہو کہ ہم گھر پھونک ڈالین گے۔ اسوقت یہی دیکھا ہو کہ آگ اور لکڑی موجود ہے۔ محاصرہ اور اطاعت کرنے کا شور سُنا ہو اور پھر وہ یہ نہ سمجھتے ہون کہ ہم خطرہ مین ہین اور سبسے زیادہ افسوسناک یہ امر ہو کہ آج اُنکے یہ انداز دیکھتے ہون جو کل تک تہے اور جنہین آنکھین چار کرنے کی جرأت نہ تہی اور جن سے نانا نے تعظیم و احترام کی وصیت کی تہی۔ یہ حالت ایسی ہولی کہ قنفذ یعنی حملہ آورون مین کا ایک سپاہی رو دیتا اور بچے سہم نہ جاتے۔ اور مانکے سینہ مین اپنے منھ نہ چھپاتے؟ یہ مین تو ایسا نہین ہے جنہین بچے محبت اور غصہ کی نگاہین نہ پہچان سکتے ہون۔ اُنھون نے اطاعت کرنے والی صورتین دیکھی تھین اور یہ حالت اسوقت کی صورت خوب سمجھا سکتی تہی۔ وہ یہی دیکھ رہے تہے کہ اسوقت والدین کے بشرے ویسے بشاش نہین ہین جیسے اصحاب کی حاضری کے وقت ہوا کرتے تہے اور یہ اُنکے خوف زدہ کرنے کیلئے بہت کافی تھا۔ کچھ بعید نہین ہے کہ حیرت اور خوف سے اسوقت پوچھا ہو کہ امان کیا یہ میرے نانا کی امت نہین ہے؟ اسنے پوچھو تو کہ کیا ہماری ہی احترام کے لئے کل وصیت نہین کی گئی ہے۔ ام الفضل سے پوچھتے ہونگے کہ دای تم نہین یہ شعر پڑھکر کھلاتی تھین کہ یا ابن رسول اللہ یا ابن کثیر الجاہ ۔ آج ہمارا جاہ کہان ہے؟ تمہاری یہ دعا کہ "خدا تمہین مصیبتون سے پناہ مین رکھے" قبول نہین ہوئی؟ اور یہ سنکر مان اور دای کے لب جواب نہ دیتے بلکہ آنکھون مین آنسو ڈہلکتا ہوا دکھائی دیتا ہو۔

پہونکا پہلا اندوہناک اتفاق

حملہ آورون اور دہمکانے والون کا واپس جانا کوئی تسکین نہ تہی بلکہ حسنین دیکھ رہے تہے کہ اب وہ ہمارے سامنے نہین ہے جو نانا کے بعد ہماری پناہ ہے۔ مین سونچتا ہون کہ اگر رسول کے بعد کبھی جناب

فاطمہ زہرا کے آنسو تھمے تھے تو اِس وقت اور غالباً اس سے زیادہ اُنکے روحانی تکلیف کا دوسرا وقت نہیں تھا جب وہ دیکھتی تھیں کہ علی مرتضیٰ اُن لوگوں کے پاس گئے ہیں جو ہیں اپنی حاصل کردہ اختیارات مرعوب کرنا چاہتے ہیں۔ اُن سے یہ بات چھپی نہ رہ سکتی تھی کہ بیعت نہ کرنے سے قتل کی دھمکی دی گئی۔ اور خود یہ بھی خبر ہے کہ حسنین کو کوئی درشت خو شخص راستہ میں ملا اور اُنھیں الزام دیا کہ تم جاسوسی کرنے گئے تھے۔ بچے کرخت انداز اور درشت چہرہ کو پہلی مرتبہ دیکھتے اور غالباً گھبرا کر شکایت کرتے۔ اور جناب امیر کچھ نہ کرسکتے اِس لئے کہ اُنھیں تنہا اُس تنہا شخص سے جواب طلب کرنے کا اختیار نہ ہوتا کیونکہ وہ حکومت کی حمایت کے لحاظ سے حکومت کو اپنی مدد کے لئے بلا سکتا۔

تنگیٔ معیشت۔

مجھے اسمین کوئی شبہ نہیں کہ جناب امیر کے دیوان کے وہ اشعار جنمین آپ افلاس اور تنگیٔ معیشت کا تذکرہ کرتے ہیں وہ متعلقاً بعد رسول زمانہ سے تعلق رکھتا ہے جیسا طاہرہ کا یہ فقرہ کہ میرے فرزندونکا قوت و معیشت بھی لے لیگئی۔ کون قیاس کرسکتا ہے ان سرچشمہ شرافت نفوس کی دشواریوں کا جنھوں نے اپنے حکومت و اختیار کو خلق اللہ کے راحت و آرام کے لئے اِس طرح صرف کیا کہ اپنے کو مفلس ترین فرد عالم کی حیثیت میں ڈالا جس سے وہ غریب کی حالت کے اندازہ اور صحیح ہمدردی کے قابل ہوں۔ اُنھوں نے اپنے شرعی حصہ غنیمت یا محاصل کو تو کیا معنی خود اپنی کسی جائداد کی آمدنی کو بھی زیادہ تر غربا کے لئے صرف کردیا۔ اب وہ دیکھتے ہیں کہ ہم بے اختیار ہیں اور قبل اسکے کہ ہم نے زمانہ اختیار میں آئندہ بسر اوقات کا بے اختیاری کی حالت میں خیال کیا ہو بے اختیاری نے ہمیں بغیر کسی ذریعہ کے چھوڑ دیا اور زمین کا وہ ٹکڑا جو ہمارے کام آتا اُسے حکومت نے اپنے "اختیار" کی دلیل سے ہم سے چھین لیا۔

اب بظاہر اگر کوئی صورت تھی تو یہ کہ علی اپنے اور فاطمہ اپنے حقوق سے دست بردار ہوتیں اور حکومت کی پرورش کو تسلیم کرکے رفاقت کا اعلان کیا ہوتا۔ لیکن علی و فاطمہ سے یہ ممکن ہو یا نہ ہو خود حکومت کی سیاسی بے اعتباری فوری اعتبار کی متحمل نہ ہوتی۔ ان باتوں کے لحاظ سے ہم کوئی تصفیہ نہیں کرسکتے مگر اس وقت انکے بسر اوقات کا ایک خاص ذریعہ رہ گیا تھا جبکہ فدک ان سے لے لیا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب خدیجہ نے و نیز جناب امیر نے اپنی زمینداری اور باغ کو اپنے بعد وقف کیا جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ جناب امیر اور خدیجہ کو حضرت ابو طالب اور رسالت مآب کی خاندانی جائداد سے کچھ حصہ ملا۔ اِس صورت میں اگرچہ فاقہ اور اس سے بچنے کے لئے شدید محنت کا غالباً موقع نہ ہو لیکن مقدار

نہین معلوم اور گذشتہ فقرات کے بنا پر خیال ہوتا ہے کہ انکی آمدنی اِس قدر کافی نہ تھی کہ وہ بغیر فدک کے محاصل کے بسر اوقات کرنے کو کافی ہوتی۔

اللہ کی شان تھی کہ جناب امیر اور طاہرہ مع حسنین اور ام ایمن کے ابن ابو قحافہ کے پاس بحیثیت مدعی کے جاتے اور اتفاقات کا نا منصفانہ انتقام تھا کہ یہ دیکھتے کہ ضرور نہین ہے کہ انصاف اور سیاست ساتھ ساتھ چلے یہ واپس آتے اور حسنین کے چھوٹے چھوٹے دلونپر چوٹ لگتی وہ دیکھتے یا نہ دیکھتے انکا دماغ جو اطاعت اور اظہار اخلاص کا عادی تھا گذرے ہوئے دو تین دنون سے دیکھتا کہ ہماری آن چوٹ کھا رہی ہے اور زمانہ ہمین پست حالتی کی طرف کھینچ رہا ہے! ہم نہین جانتے کہ جناب امیر اور ذکیہ نے حسنین کو کس طرح سمجھایا اور چپ کر دیا ہوگا جب بچے۔ اپنی گذشتہ شان اور وقار کے فطری اثر سے انکو جو آج چہرہ پر حاکمانہ رد کھاین اوٹھے تھے۔ دیکھکر کہتے ہونگے کہ یہ تو وہی ہین جنکے جز سے ہر وقت اظہار عجز و انکسار مین جھکے رہتے تھے" آج آپ انھین کچھ کیون نہین کہتے!

رسول کی رحلت کے ساتوین دن یعنی بیعت کی یورش کے بعد طاہرہ کا اشتیاق زیارت مین گھر سے شب کو باہر نکلنا اب تک لوگون مین اِس آزادانہ فوری لحاظ کا سبب ہو سکا کہ اہل مدینہ راستون کے چراغ گل کر دیتے اور انصار و مہاجرین کی عورتین اپنے حلقہ مین لے لیتین۔ یہ حسنین کے دیکھنے اور یاد رکھنے کی چیز اُس قدر نہ تھی جس قدر ہمارے دونون شہزادیون حضرت زینب اور کلثوم کے نہ بھولنے کی چیز تھی!

باوجود اِس بڑے نقصان کے جو حسنین کو ہادی عالم کی رحلت سے ہوا تھا۔ ابتک وہ عظیم الشان ذات باقی تھی جو نبی برحق کی پوری شرح کہی جائے۔ عرب کا ہادی اول اب نہ تھا لیکن فاتح عرب کی ذات مین وہ صحیح چربہ تھا جو رسول کو یاد دلائے۔ اور محبت کا دوسرا مجسمہ طاہرہ کی ذات مین موجود تھا۔ لیکن افسوس رسول کی رحلت کے بعد کوئی دن نہ گذرتا تھا جو اِس خوف اور یقین مین اضافہ نہ کرے کہ "ماں" بھی ہمکو چھوڑا چاہتی ہین۔ شاید بچے نہ سمجھتے ہون۔ لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ اِس پُر غم خوف کے آثار جناب امیر کے دل اور قلب مین نہ تھے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ جناب فاطمہ زہرا کی مایوس شکستگی نے بچون کے چہرہ پر انہ وہناک غم نقش نہ کر دیا ہو۔

اس طرح دن گذرتے تھے۔ اُسکی رحلت کو جسکی نظر اور سایہ مین سات آٹھ برس کی عمر ہوئی تھی ستائیس دن پورے نہ ہوسکے تھے کہ ماں کو اُسی حالت مین دیکھا جسمین نانا کو مفارقت کے بارہ دن قبل دیکھا تھا۔

انصاف یا سیاست

ایک حالت جسے ہماری شہزادیاں بھولی ہونگی۔

حسنین کیلئے ابتک دو ذات باقی تھین۔

ماں کی وہی حالت جو نانا کی تھی

بچوں کے لئے ملالت اب کوئی نئی بات نہ تھی اور اُسکا جو خوف طاری تھا کیا عجب ہے کہ اندیشہ خیز یقین کی صورت ابتدا ہی میں اختیار کرتا جاتا ہو خصوصاً جبکہ وہ ماں کی بے کسل محبت اور توجہ میں ملالت کو راہ پاتے دیکھتے ہوں جسوقت ملالت کا آغاز ہوا تھا کہ اُسمیں کوئی کمی نہ ہوئی۔ کیونکر کمی ہوتی جبکہ درمیان میں اور اُسکے قبل ایسے اسباب پیدا ہوئے تھے کہ اُسکی شدید ضرب گرا دیتی اور حیات معرضِ خطر میں گرفتار ہو جاتی۔ یہ حالت تھی بلکہ یوں کہنا ہوگا کہ وہ دن بہت قریب تھا کہ طاہرہ بھی اپنے پدر بزرگوار سے جا ملتیں کہ بچوں نے آج پھر دیکھا کہ دو آدمی اُس طرح مادر گرامی سے عذر خواہی کر رہے ہیں جس طرح وہ حیات رسول میں اظہار اخلاص و ادب کو جائز رکھتے تھے۔ میں امید نہیں کرتا کہ حسنین انکی عذر خواہی کے درجہ پر غور کی ضرورت سمجھتے ہونگے یا اُنھوں نے خیال کیا ہوگا کہ وہ اپنی گذشتہ نامقبولیت کا علاج کرنے آئے ہیں بلکہ بچے تو اسپر خوش ہو رہے ہونگے کہ اسوقت کا صاحبِ اختیار اپنی مشغولیتوں کے باوجود ہمارے در پر چلا آیا اور یہ بھی دیکھتے ہونگے کہ مادر گرامی کے لہجہ اور شانِ خطاب میں کوئی لغزش نہیں۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ بچے اسوقت کے مشہور مکالمہ کو کبھی بھول سکتے تھے۔ اور نہ چند روز کے بعد وہ اُس گفتگو کو بھول سکتے تھے جو حضرت فاطمہ نے انصار و مہاجرین کی عورتوں سے کی۔ نہ یہ حافظہ سے خارج ہونیوالی بات تھی کہ اسکے بعد مہاجرین و انصار دارالشرف پر حاضر ہو کر عذر خواہی کرتے ہیں۔ یہ وقت تھے جسمیں ان مرجھائے ہوئے دلوں کی طبعی عظمت نے اپنے وقار کی لطیف لہر سے ذرا سی تسکین پائی۔

بنت رسولؐ کے تکلمات لہجہ اور مضمون و ادا میں حسین۔

اپنی رحلت کے ایک آدھ دن یا چند ساعت قبل سیدہ نے اپنے کو اس سے تسکین دی تھی کہ بچوں کے لئے کھانا تیار کرا دیں۔ نہلا دیں اور سر میں کنگھی کر دیں۔ آخری وقت اِن افعالِ محبت کا محرک ایک خواب تھا جس سے جناب فاطمہ کو یقین تھا کہ وقت قریب ہے کہ ہم اپنے پدر بزرگوار سے ملاقات کریں۔

ماں اپنے بچوں کا آخر تک لحاظ کرتی ہے۔

غم کا طوفان اِس سے زیادہ بے رحم تھا کہ وہ بچوں کی بھولی صورت اور جناب امیر کی تنہائی سے متاثر ہوتا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ سیدہ نے اپنی آخری وقت اِسکا لحاظ رکھا تھا کہ بچے زیادہ تر اُنکی آخری تسکین یعنی روضہ رسول پر رہیں سیدہ کے ضعف اور نقاہت کی انتہا ہو گئی اور جناب امیر پر وہ حالت طاری ہوئی کہ بند قبا کھولتے اور عمامہ سر مبارک سے اُتارتے ہوئے سر پیٹتے بیٹھ جاتے ہیں لیکن باوجود بولنے کی طاقت نہ ہونے کے ذکیہ کی آنکھوں میں آنسو کا ایک قطرہ اِس فقرہ کے ترجمہ کے لئے تھا کہ روتی ہوں اُن ظلموں پر جو میرے بعد تم پر ہونگے۔" اور دوسرا یہ بھولی نہ جانیوالی

وصیت بھی کی حسنین سے بلند آواز سے نہ بولنا کہ وہ شکستہ خاطر اور مضطرب ہو جاوینگے" یا "میرے بچے میرے بعد میری ملاقات کے مشتاق اور بیقرار ہونگے انھیں تسلی دینا کہ مجھ سے جدا ہوتے ہیں"

اسکے بعد غالباً جناب امیر مسجد میں اور بیچ کہیں اور تھے کہ اسماء کو "الصلوٰۃ یا بنت رسول اللہ" کا جواب ملا حسنین پہونچ گئے۔ بیچ ماں سو رہی ہے۔ پوچھا۔ اور پکارا لیکن جواب نہ پایا رسول کے ان خوبصورت کھلونوں کو زمین پر لوٹتے دیکھا۔ تڑپنے اور چیخنے سے تسکین نہ ہوئی۔ چھوٹے بچوں کو یقین نہ تھا کہ موت ماں کو بولنے نہ دیگی۔ چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے اُن قدموں کو تھام لیا جنھیں موت نے سرد اور خاکستری بنا دیا تھا۔ چومنے لگے۔ کہہ رہے تھے "اماں ہم تمہارے فرزند حسین ہیں کچھہ بولو" لیکن افسوس موت میں یہ قوت نہ تھی کہ وہ اِس طفلانہ ناز محبت کا جواب دلا سکتی۔ ماں کی خاموشی ویسی ہی ناشکستہ رہی۔ چہرہ اور تمام اعضا کے رگ و ریشے نے پھیلنے سے انکار کیا جو زندگی میں اسکا اشارہ ہوتا کہ آؤ گود میں آجاؤ۔ بچے ماں کے اِس خلاف امید سرد مہری پر اور گھبرائے اور اب شاید انھیں اسکا یقین آنے لگا کہ ماں اب نہ بولیگی۔ اِسنے بید کی طرح تھرتھرا دیا اور ناقابل بیان خوف نے اپنی آخری امید کی طرف دوڑا دیا۔ سر کے بال جنھیں کچھہ دیر پہلے ماں نے کنگھی کی تھی گرد آلود تھے۔ آنکھیں لال اور اشک آلود۔ چہرہ تمتایا ہوا تھا۔ آواز میں غم کا بے تصنع آہنگ تھا کہ مسجد کے قریب پہونچے۔ کچھہ ضرور نہ تھا کہ حسنین اس دل شکن خبر کو اپنی زبان سے ادا کرتے۔ انھیں روتے اور اس صورت سے گھبراتے اور دوڑتے ہوئے آتے دیکھنا کافی تھا کہ جناب امیر کو سب کچھہ سمجھا دیتا اور حقیقت امر کی بتا دینے والی چوٹ لگتی۔ کوئی تھا جو پوچھتا کہ "اے فرزندان رسول خدا تمہاری آنکھوں کو نہ رُلائی کیا رسول کی جگہہ خالی دیکھکر تم پر رقت طاری ہوئی ہے" اور حسین سسکتے اور باپ کو دیکھتے ہوئے کہتے کہ "ہماری ماں نے رحلت کی" اور یہ سُنکر وہ سر جسے ابن عبد ود کی تلوار کا زخم نہ جھکا سکتا۔ جھکتا یہانتک کہ زمین نے اُسے سنبھالتی۔

ماں کی وداعی زیارت

اگرچہ ماں کی محبت آلود آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور تسکین دہ الفاظ معدوم ہو گئے تھے تاہم ایک بیچ ماں کو دیکھ رہے تھے لیکن وداعی زیارت کا وقت قریب آیا جبکے بعد حضرت فاطمہ زہرا کا روئے مبارک چادر سے چھپا دیا جاتا۔ کون اُس بے تصنع اور بھولے جوش گریہ کا نقشہ کھینچ سکتا ہے جسمیں سب بچے مشغول تھے جنھیں کوئی سینہ اور سر آغوش پر لوٹ رہا تھا اور کوئی ہاتھ پاؤں اور پیشانی کو چوم رہا تھا۔ درد انگیز چیخ تھی

اور اُسمین یہ الفاظ سمجھ مین آتے ہین کہ " اے نانا جب آپ ہمارے جد بزرگوار کی خدمت مین پہونچین تو ہماری جانب سے سلام پہونچا دیجئیگا " جناب امیر زیادہ دیر تک اس روح فرسا نظارہ کی تاب نہ لاسکے بڑھے اور بغیر اس بیدردی کے چارہ نہ ہوا کہ چھوٹے چھوٹے رونیوالون کو لاش سے ہٹاتے کہ غش نہ کھا جائین !

ہم یہ فقرہ کسی موقع پر لکھہ چکے ہین کہ " جب تک فاطمہ اُنکے (علی) پہلو مین ہین ہم مجبور نہ کرسکینگے " اب اسکے بعد جناب امیر مجبور کئے گئے ہون یا نہ کئے گئے ہون کم سے کم اُنکا موقع اس درجہ کمزور تھا کہ مجبور کئے جاسکتے۔ ظاہر ہے کہ موقع کی یہ کمزوری اسوجہ سے تھی کہ دختر رسول کی قوی الاثر ذات اب نہ تھی۔

کبھی نا شائستہ حال ہوگا تھا۔

اس غم کے متعلق جناب امیر کے خیالات اور مورخین کے اشارہ جو مناسب موقع ملتے ہین لکھے گئے۔ حالت یہ تھی کہ جناب امیر گوشہ نشین تھے اور کسی سے ملاقات نہ کرتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ حسنین نے موقع کے رد و بدل کا احساس اس سے زیادہ کبھی نہ کیا ہوگا۔ اسلئے کہ بچے تو سادگی۔ صاف دلی۔ محبت اور سیدھی سیدھی باتین جانتے ہین۔ کشیدگی۔ دورنگی۔ قلب و زبان کی ناموافقت۔ کیا جانین یا کیسے سمجھ جائین کہ دنیا مین ایسے بھی ہوتے ہین جو اُسوقت تک سلام فروش ہین جب تک اُنھین امید اور نفع ہے ورنہ اُن سے زیادہ تکلیف دہ علیحدہ کوئی نہین ہے۔ وہ کیسے سمجھتے کہ کبھی کے جھکنے والے اسوقت کیون آنکھین چُراتے ہین اور اپنے چہرہ بچاتے ہین اور عجب نہین کہ اب گستاخانہ اور پُر توہین انداز اختیار کرتے ہون۔ بجے انھین ہم شناسا لہجہ مین پکارتے ہون اور وہ منھ بنا کر ہٹ جاتے ہون۔

جناب امیر کی گوشہ نشینی و حسنین کا مطالعہ۔

اسکے بعد کا زمانہ بظاہر خلافت کی طرف سے جناب امیر کے لئے نزاعی نہ تھا بلکہ ایک ملتوفانہ حالت تھی۔ خلافت اپنے کو اپنی جگہہ اپنے نقطۂ نگاہ سے مضبوط کر رہی تھی۔ یہ استحکام اگرچہ جناب امیر کے موقع کو اس حقی مین کمزور کر رہا تھا کہ انکے پاس کوئی ویسی چاشنی نہ تھی جیسی خلافت کے پاس لوگونکی دلچسپی کے لئے مہیا ہوسکتی تھی اور جناب امیر متاسف ہوسکتے تھے جیسا کہ ہوے کہ قوم اپنے خصائص کا پوست اُتار کر آہستہ آہستہ ایک لباس پہن رہی ہے جس سے کچھہ زمانہ کے بعد پہچانے نہ جاسکی لیکن اس لحاظ سے کہ اسوقت وہ قوم کی درستگی اور حفظ خصائل کے ذمہ دار نہ تھے اُنھین بجز ذاتی تاسف کے دخل کا کوئی حق حاصل نہ تھا۔ اُنکی یہ بڑی خاموشی کبھی کبھی اس طرح ٹوٹتی تھی کہ وہ بعض مواقع پر اپنے کو ایسے امورات کے لئے حکومت کو قرض دیتے تھے جہان وہ سمجھتے تھے کہ ایسا کرنا ہمارے خیال لازم دین کی روح کے منافی نہ ہوگا

بلکہ نظام قومی کے لئے مفید ہے۔ وہ ناموافقت ظاہر کرتے تھے جہان انھین ایساکرنا مستحسن معلوم ہوتا تھا مثلاً قتل مانعین ذکوۃ جناب امیر کی یہ روش حسنین کے مطالعہ بغیر نہ گذر سکتی تھی۔ انھین انفرادی رای کے وثوق۔ اپنے وقار کے اعتبار۔ اعتبار اور حقیقی ادب اور اطاعت کا راز۔ سمجھ مین آتا تھا۔ وہ اپنے پدر بزرگوا کے طرز عمل کو دیکھتے تھے اور چونکہ انکا موقع ایسا نہ تھا کہ وہ متضاد اثر سے متاثر ہوتے۔ جناب امیر کی ہر روش ہر خیال۔ ہر ادا حسنین کی جزو عادت ہوتی جاتی تھی۔

بچون کی حیرت مشہور اور تجربہ کی عام چیز ہے۔ یہ سنکر کہ لشکر روانہ ہو رہے ہین وہ دیکھتے ہونگے اور اگر پوچھتے ہونگے کہ یہ لوگ کہان جا رہے ہیں اور آپ کیون نہین جاتے اور اگر جواب پاتے ہونگے کہ یہ لشکر اُن سے جنگ کے لئے جاتا ہے جو ہمارے حامی حقوق ہین اور صاحب اختیار لوگون کی اطاعت اور جیب گرم کرنے سے انکار کرتے ہین۔ فرماتے ہونگے کہ ہم اسلئے نہین جاتے کہ اپنے بھائیون سے لڑنا کیسا اور حکومت ایسے موقع پر ہمین فوج کیون دینے لگی جس سے اُسکا موقع مخدوش ہو جائے۔ ہم نہین کہہ سکتے کہ حسنین نے یہ سوال کیا ہوگا یا نہین کہ پھر آپ مانعین ذکوۃ کی مدد کیجئے اور اُسوقت بجز اسکے اور کیا جواب دیا ہوگا کہ ہم حتی الوسع امت رسول کے قتال مین شریک نہین ہونا چاہتے۔ اِس طرح زمانہ گذرا ہوگا۔ مال اور قیدیون کا آنا مدینہ مین مشہور ہوا ہوگا اور حسنین اُن گرفتارون کو رحم اور ہمدردی کی نگاہ سے دیکھتے ہونگے جو خلافت کے تسلیم نہ کرنے اور اہل بیت رسول کی پیروی کے ادعا مین گرفتار ہوے ہونگے۔

عناصر جو حسنین کے ہوش کو مدد دیتے ہین۔

صحیح ہے کہ ابتک حسنین بہت کم سن تھے اور ہم اس ادعائے صریح کا موقع نہین دیکھتے جس سے یہ کہہ سکین کہ ان تمام واقعات کے پہلو کے متعلق حسنین استنباط اور استخراج کی پوری استعداد رکھتے تھے۔ لیکن یہ بغیر کہے نہین رہ سکتے کہ آٹھوان برس بھی ایسا ہی نہ تھا جسکے اقتضا کے اعتبار سے یہ کہنے کی گنجایش ہو کہ واقعات کا نظارہ کسی طرح نقص کا تابع تھا بلکہ سچ تو یون ہے کہ حسین نے جس فضا مین پرورش پائی تھی وہ اس درجہ ہوش پرور تھی جس سے یہ امید کی جا سکتی کہ جو کچھ دیکھتے تھے وہ سالم حیثیت سے انکے حافظہ مین محفوظ ہوتا جاتا تھا۔ اور اِن سے جو کچھ نتیجہ نکلتا تھا اسکا طول و عرض کتنا ہی کم کیون نہ ہو لیکن وہ صحیح ہوتا تھا۔ اسکے لئے یہ باتین معین تھین۔ حائیشہ طفلانہ حیرت کا استفہام اور جناب امیر کی موجودگی۔ یعنی اگر حسین نے واقعات کو اپنی آنکھون سے دیکھا اور جناب امیر سے سوال کیا تو کم سے کم اصل واقعہ یاد رہا اور اگر سوال کیا تو واقعہ کے اُس قدر نتیجہ یا پس و پیش کے سمجھنے مین مدد ملی۔ جس قدر شرح جناب امیر نے مناسب سمجھی۔ یہ امورات مورخین کے صحیح استنباط سے

تاریخ کی خاموشی

ہندوستوں ثبوت کی طرح حسنین ہوتے اگر پچھوں کے سوالات موجود ہوتے یا انکے متعلق جناب امیر کے جواب ملتے۔ ہاں البتہ حسنین کے اسوقت کی روشن خیال اور انکے درجے کے سمجھنے میں مدد ملتی۔ لیکن ظاہر ہے کہ رسول کے بعد حسنین جو واقعات دیکھ رہے تھے اور انکے متعلق فطرتاً انکے جو سوالات یا جواب ہو سکتے تھے وہ ایسے نہ تھے جو عام موقع پر ہوتے یا جناب امیر اُسے ہر ایک سے کہتے پھرتے۔ اور چونکہ زمانہ ایسا تھا حسین اہلبیت بہت کم لوگوں پر اپنے راز کے متعلق اعتبار کر سکتے تھے اس لیئے یہ امید کرنا کہ اور لوگوں سے کیوں معلوم نہ ہوا عبث ہے۔

حسینؑ کے نوین برس خلافت کا دوسرا دور۔

اس طرح یہ زمانہ گذرا اور حسینؑ نو برس کے ہوئے۔ اُنھیں معلوم ہوا کہ مرکز خلافت بدلا۔ شاید اُن واقعات کی بنا پر جو حسین کو معلوم ہوں یا جنکی دھندلی یاد باقی ہو حسنین کو بھی یہ امید ہو کہ ہمارے پدر بزرگوار نانا کی امت کے عنانگیر ہوں اور اس خبر کے مشہور ہونے کے ساتھ کہ کوئی دوسرا حاکم ہوا جناب امیر اور بنی ہاشم کے بشرون نے حسین کو اس موقع کی مایوسی سمجھا دی ہو۔

اس دوسرے دورنے بھی جناب امیر کے متوقعانہ حالت میں کوئی زیادہ نازک موقع نہ پیدا کیا اگرچہ اسوقت کے مرکز خلافت کی گذشتہ گرمی طبیعت سے اسکا خوف ہونا ممکن تھا بلکہ اسکے برخلاف اس لحاظ سے کہ امور آشتی ملکی اور انتظامی کی اہمیت بڑھتی جاتی تھی خلافت کو نازک ملی موقع پر جناب امیر کی صلاح پر عمل کیے بغیر چارہ نہ ہوا۔

خلافت کے موقع کے اعتبار سے جناب امیر کا ایثار اُنکے فنا فی القوم ہونے کی بہترین دلیل ہو اور فرق اسلامی کے لیے ہمیشہ کی ایک نصیحت ہے کہ کہاں وہ باوجود اختلافات کے دینی اور ملی موقع پر اپنے کو متحد دکھا سکتے ہیں۔ اور بلکہ کام کر سکتے ہیں۔

ابن عمر کا ایک فقرہ

اِس زمانے کے واقعات میں اس خیال کے نشو ونما کا ثبوت ملا کر وہ مساوات جو اسلام سے سکھائی تھی خاندان رسالت پر انکے استقلال کا ادعا ہوتا۔ اگرچہ دوسرے کے مقابلہ میں اس اصل کی کوئی باز پرس نہ کیجاتی یہ خیال خلیفہ زادے سے ظاہر ہوئی اور غالباً انھیں سے اسلئے ظاہر ہوئی کہ وہ اپنے باپ کو خلیفہ دیکھتے تھے اور تقسیم غنیمت کے وقت کہہ رہے تھے کہ "حسن وحسین دو لڑکے تھے جو مدینہ کی گلیوں میں کھیلتے پھرتے تھے"۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں مساوات کی مخالفت کر رہا ہوں بلکہ بجائے عادلانہ مساوات کے نہ برتے جانے کی شکایت ہے کہ کیوں حضرت عایشہ کے بہت وظیفے اور پھر کسی سے پر اعتراض نہیں ہوا۔ ہاں۔ میں یہ بھی کہہ رہا ہوں کہ مساوات پسندی کے معنی احسان فراموشی نہیں ہیں۔ اور سچ پوچھو تو میرے نزدیک نہ یہ ادعائی مساوات

موقع تھا نہ نقابت احسان شناسی کا۔ بلکہ اس موقع کی روح یہ ہے کہ خاندان رسالت کے ساتھ حقوق کا لحاظ آنکھ سے دیکھنے کی چیز ہوتی اور اعتراض کیا جاتا۔ یہ میرے قیاس کے باہر ہے کہ حسین نے اسے محسوس نہ کیا ہو۔

حسین کا خلیفہ ثانی سے منبر پر خطاب قبل بلوغ تھا۔

کس سن اور موقع پر یا کس سن میں حسین نے خلیفہ دوم کو مخاطب کیا جس وقت وہ منبر پر تھے۔ نہیں معلوم ہیں اس روایت میں علامہ سیوطی کے اجتہاد کی بنا پر آگے بڑھتا ہوں۔ اسکے سمجھنے کے لئے موقع اور الفاظ کے علاوہ اور کسی چیز سے مدد نہیں مل سکتی۔ الفاظ کہتے ہیں کہ وہ واعظ کو پہچانتے ہیں۔ منبر کو پہچانتے ہیں۔ اپنے باپ کے منصب اور حقوق سے واقف ہوگئے ہیں۔ کون جانے کہ حسین نے کتنے دیر سنا۔ سننے کے بعد انزل عن منبر ابی کہنے میں کتنی دیر لگی اور کہنے یا نہ کہنے کا تصفیہ ارادہ کی کس قدر جنگ کے بعد ہوا۔ لہجہ اور الفاظ کہتے ہیں کہ حسین کو اپنے الفاظ کے نتیجہ کا ملکی احساس نہ تھا۔ لیکن اگر مجھے حسین کی اسوقت تک کی حیات سے تصفیہ کرنا ہو تو کہوں گا کہ ایسے واقعات حسین کی کبھی ہوش نہ بیہوشی میں گذرے تھے جس سے امید کیجائے کہ وہ جانتے ہوں اور باوجود اسکے انکا جوش انکے اسوقت کے ضبط سے بڑھ گیا۔ یہ موقع بھی تصفیہ میں آسانی پیدا کرتا اگر یہ معلوم ہوتا کہ واعظ کا بحث کیا تھا اور تقریر کے کس خاص موقع پر حسین سے ٹوکے بغیر نہ رہا گیا۔ لیکن مورخین نے واقعہ کے اس مفید کڑی کو کھو دیا۔ غالباً اسلئے کہ حسین کی طفلانہ جھلاہت اور ابن الخطاب کی بزرگانہ بردباری کے علاوہ اور کسی پہلو کا دکھانا انکے نزدیک غیر مفید تھا۔ حکومت کا یہ سوال توجہ کے قابل ہے کہ "یہ تمہیں کس نے سکھایا ہے" جو کچھ بھی ہو الفاظ آمد شباب کی بو دے رہے ہیں اور باوجودیکہ سرزمین عرب خط استوا کے قریب ہے۔ جہاں معتدل یا سرد ملکوں سے بہ نسبت جلد بلوغ ہوتا ہے۔ میں گیارہ یا بارہ برس سے زیادہ عمر کا تصفیہ نہیں کر سکتا۔

سن کے سمجھنے میں ترتیب دیوان کے واقعہ سے مدد

عمر کا یہ تصفیہ اس لحاظ سے بھی ہے کہ ترتیب دیوان کا قصہ ۲۰ھ میں بتایا گیا ہے جسکے اعتبار سے حسین اسوقت سات یا گیارہ برس کے تھے اور چونکہ خلیفہ نے حسین کے وظیفہ میں لحاظ کیا تھا طبعی لحاظ یہ چاہتا ہے کہ حسین اسکے بعد درشتی سے پیش نہ آ سکتے۔ لیکن میرا یہ قطعی تصفیہ نہیں ہے۔ حالت اسکے بالعکس بھی ہو سکتی تھی اسلئے کہ ترتیب دیوان میں حسین کا حصہ کوئی ایسی رشوت نہ تھی کہ وہ کچھ کہہ نہ سکتے۔ لیکن اگر طبعی لحاظ حسین کے آئندہ خاموشی کا باعث ہو سکتا تھا تو میرے خیال میں یہ روایت بھی قصہ منبر کے بعد کی ہے کہ "کیا ہمارے سر کے بال تمہارے ہی اگائے ہوئے ہیں" لیکن ابھی سیاسی نقد نگاہ یہی ہے جو اسکا موید ہے کہ

خلیفہ کی خاموشی الفاظ سے بے پردہ سیاسی موقع سے۔

حضرت منبر ترتیب دیوان اور متذکرہ بالا روایت کے پہلے کا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگرچہ حسین بہت کم سن تھے
اور انھین نہ خود کوئی اختیار تھا نہ انکے پدر بزرگوار کا ایسا موقع تہا کہ لوگ خوشامد مین ساتھ دیتے تاہم
ایک کم سن بچہ کا جو رسول کا نواسہ بھی ہو بھری محفل مین یہ کڑوا فقرہ منھ سے نکالنا کہ میرے باپ کے منبر سے
اُترو آؤ ایک ایسی بڑی حرکت قلوب مین پیدا کر سکتا تھا جو خلافت کے مفید نہ ہوتی۔ خلافت کی طرف سے کوئی
چشم نمائی نامقبولیت کی محرک ہوتی کیونکہ کوئی دلیل حسین کے قول کے رد مین نہ لائی جاسکتی۔ اس لئے بجز
اسکے کوئی مصلحت نہ تھی کہ ہنستے ہوئے چہرے سے انصاف پسندانہ اقرار کیا جاتا کہ ہان تمہارے باپ کا منبر ہے
جس سے لوگون مین تردید کے لئے مستعد ہو جانیکی حرکت نہ ہوتی بلکہ خلافت کی انصاف پسندی انھین
اپنی جگہہ رکھتی۔ اور چونکہ اس فقرے نے یہ سمجھا دیا تھا کہ یہ بچہ کس طرح کا بیخوف صاف گو ہے اسلئے ضرورت
ہوئی کہ اُسکی دلجوئی اور خاموشی کے لئے ہمیشہ توجہ اور لحاظ سے کام لیا جائے جس سے لوگون مین مقبولیت
بھی پیدا ہوتی جائے۔ اور کبھی انھین حقیقت امر کا بے نقاب احساس ہو۔

حسین کے الفاظ اور جناب امیر۔

حسین کے اِس کہنے سے جناب امیر کا موقع نازک ہو گیا تہا۔ خیالات اور الفاظ بے لگام ہو جاسکتے تھے۔
اسلئے کہ سننے والون مین ہر شخص خلیفہ کا ایسا مخاطرہ برداشت نہ تہا۔ نہ یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ہر شخص حسین کا
ساتھ دیتا وہ کیسا ہی سچ کیون نہ کہتے ہوتے بلکہ کم ہی سہی لیکن حکومت کے ساتھی بے سمجھے ہوئے حمایت مین
اپنی آواز بلند کر سکتے تھے۔ موقع کی بے لطفی کو جناب امیر کی چشم نمائی نے دفع کیا ہوگا اور شاید اسکے بعد
حسین کو اسکی نصیحت کی گئی ہو کہ اگرچہ سچی بات کہنا تعریف کا مستحق ہے لیکن ایسا بھی موقع ہوتا ہے کہ
قطعاً خاموشی قرین مصلحت ہوتی ہے اور پھر اسکے بعد حسین کی بے تکلف صاف گوئی پر انھین پیار بھی
کر لیا ہو۔ خدا ہی جانتا ہے کہ مکہ مین معاویہ کے اِس تقریر پر کہ حسین نے مجھسے بیعت کی حسین کا خاموش رہنا
اسوقت کی تعلیم سے متاثر تھا یا نہ تھا۔

حسین اور شہربانو۔

زمانہ گذرتا گیا یہانتک کہ حسین کی عمر کے اُس مشہور حصہ تک پہونچا جسمین اتفاقات نے انھین اور
یزدجرد کی لڑکی کو یکجا کیا۔ تعجب خیز موقع اور حیرت انگیز پسند کا حسن اتفاق تہا۔ شہربانو خاندان
کسریٰ کی یادگار نہ ہوتی اگر بنی ہاشم کے علاوہ کسی کو چنتی۔ اسوقت اسیر سہی لیکن اسیری نے شاہانہ
پسند مین فرق نہ کیا تہا۔ بلند نظری اسیر نہ ہوئی تھی۔ مغرور آن دار دل سینہ مین تھا۔ اور نگاہ
مین وہ ملکہ تھا جو بہترین شے کے علاوہ کسی پر ٹہرتی نہ تھی۔ یہ استعداد دوسرے مین مقابل موجود

امتیاز اور انتخاب کر سکتی تہی۔ بلند شاندار بشرہ کہ بیچانتا جسپر شرافت اور نجابت کی تحریرین ہون عجب چیزنکی
چیز نہین ہی جانکے مٹنے کے لئے صدیون کی ظلم۔ افلاس اور بلا زی پستی مین رہنے اور یہانتک منتقل ہو جانیکی
ضرورت ہے کہ اُسے طبعًا قبول ہی کرلے یہانتک کہ ذلت کو ذلت نہ سمجھے کے دن ہو گئے کہ شہر بانو ملکہ فارس نہ رہی
تہی لیکن ابہی اسکے دن ہوئے تہے کہ حسین شاہزادے نہ تہے۔

شہر بانو کا دربار مین داخلہ۔

موقع کا خیال کرو کہ ایک قوم فتح کی خوشخبری اور مفتوحہ اسباب کی نادر چیزین دیکہنے کی مشتاق ہے جنمین مقروضہ
کسریٰ کی ایک شاہزادی ہی ہے۔ داخل ہوتی ہے۔ اُسکی نگاہین مجبور ہین کہ موجودہ منظر دیکہین۔ شاہانہ نامرادی
اور ناشکستہ تحکم سے مجمع کو دیکہتی ہے لیکن فطرت نے اسکی ساتہہ آنانی نرمی اور حُسن کی لطافت حلاکی ہے
جیسے زیورات اور لباس نے اور زیادہ دلکش بنا لیا ہے۔ اور ان سب کے باوجود وہ موقع بہی عین حقیقت سے
جس سے مایوسی اور دل شکستگی کے نقش کا چہرہ پر نہ ہونا ممکن نہ تہا۔ شہر بانو کے داخل ہوتے ہی مجمع مین
ایک قلبی حرکت کا ہونا فطری تہا لیکن اس عبرت خیز منظر سے متاثر ہونا بہی ویسا ہی فطری تہا۔ اس نے
کچہہ کو خاموش کر دیا ہوگا۔ کچہہ نے اپنے افتخار کے نمامی جوش کو روکا ہوگا اور کچہہ عملی ہمدردی سے
اظہار پر آمادہ ہو گئے ہونگے۔ ہم نہین جانتے کہ کسی کی ہمدردی کی لہرین اور قیافہ اسوقت ان جذبات کا
اس قوت سے مظہر تہا یا نہ تہا جو شہر بانو کو متوجہ کر سکتا اور وہ اسکی گرفت کرتین۔ ہم نہین جانتے کہ ہاشم
ابن عتبہ ہون یا احنف ابن قیس اُنہون نے ان شاہی اُسراے اہلبیت نبوت کے حسن صفات اور نام کا
تعارف کرایا یا نہین جو اسوقت مدد دیتا۔ لیکن وقت آ رہا تہا۔ کہ دماغی حرکات کا مسئلہ حل ہوتا اور آیندہ
واقعات اُسکی شرح ہوتے۔

خلیفہ کا حکم اور شہر بانو۔

وہ مہلک حکم صادر ہوا جس سے دربار کے کسی خادم کو یہ آزادی حاصل ہوئی کہ وہ شہر بانو کے جسم سے آخری
علامات شاہی کو دور کر دیتا۔ اور ہرا مجمع اسے دیکہتا۔ شہر بانو کی گردن جُہکی لیکن تعمیل حکم کرنے والے کو
قریب دیکہکر پہر اٹہی اور بلند ہوئی۔ شریفانہ آن مدد کرآئی اور اپنے گرفتار ہاتہون کی کمزور قوت یا کمزور
ہاتہونکی گرفتار قوت سے سینہ پر "دو ہتہڑ" مارا۔ ایران کی شرافت یہ آخری لڑائی لڑ رہی تہی۔ کسی شریف
اور شجاعت سے متاثر دل کیلئے اس سے زیادہ اندوہناک منظر ممکن نہ تہا۔ لیکن افسوس ہے موقع کی تحکمانہ
برہمی اور افتخار کے عدم اعتدال پر جسنے شریف قیدی کے حس کا احساس نہ کیا۔ اور "عمر رضی اللہ عنہ" غیظ
و غضب مین آئے اور کوڑا اُس ملکہ کے سر پر تازیانہ بلند کئے ہوئے منتظر حکم کے تہے اور وہ رو رہی تہی۔

اندوہناک خاموشی اور جناب امیر کی صدا۔

اس سناٹے اور قیدیوں کی ہچکی کے کسی وقفہ میں ایک آواز بلند ہوئی جو کہہ رہی تھی کہ "عمرؓ غصہ کرو" لوگ غافل ہوئے اور ہر ایک کے دل سے تسکین کی ٹھنڈی سانس نکلی جب نقیب حکمت سے رسول کی یہ حدیث سنی کہ "جو عزیز ورئیس قوم کہ ذلیل و خوار ہو جائے اور جو غنی و تونگر کسی قوم کا محتاج و نادار ہو جائے تو انپر رحم کرو" ہم نہیں جانتے کہ بھولے ہوئے رحمۃ للعالمین کے صدائے بازگشت اور موقع کی افسردگی نے "رحم" کے لفظ کو یاد دلا کر کتنوں کو چشم پُرآب کر دیا ہوگا۔ لیکن ہم سوچتے ہیں کہ شہربانو کے لئے اشہد ان محمد الرسول اللہ کہنے کا دوسرا وقت نہیں ہو سکتا۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ملا۔ ہوش آگیا اور شہربانو نے جناب امیر کو دیکھا۔ اب مخصوص توجہ کے بعد اسوقت کے جذبات کا صاف پڑھ لینا آسان سے بھی زیادہ سہل تھا۔ پہلی نظر کے بعد اپنے شرافت اور عزت کے وکیل کو پھر دیکھنا استغاثہ تھا۔

دوسرا رنگ

جناب امیر کی تقریر سننے مجمع کا اب رنگ دیکھئے اور شہربانو پر نگاہ جمائے میں جس قدر عرصہ ہوا ہو لیکن خلافت کی نگاہ اب موقع کو علی کی تقریر سے متاثر ہو کر دیکھ رہی تھی اور اب یہ تماشہ دیکھا کہ فارس کی شاہزادی شاہ کونین کے نواسہ کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اُس فراست سے جسکی معنی سمجھنے میں کوئی غور کی مشقت نہ ہو خلیفہ بھی اسکے معنی "التفات" ہی سمجھے۔ جس وقت شہربانو کی نگاہ نے اس سبزۂ آغاز کو دیکھا وہی وقت اُنکی حقیقی اسیری کا تھا اسلئے کہ لوگوں میں از روئے صباحت و وجاہت کے حسین سے کوئی بہتر نہ تھا۔ ایک کھلتا ہوا پھول جو اپنی فطری تازگی اور اپنے خاندانی خصوصیات کی روشن تحریروں کے ساتھ نرمی سے اپنی اصل کی سایہ میں اُگا ہوا تھا جس کی بیخبری شباب کی لطافت اور آتی ہوئے جوانی کی گوارا سختی کے ساتھ غزالانہ حیرت سے شہربانو سے کہا کہ ہمیں دیکھو اور شریفانہ بلند بشرہ کی ہمدردی نے شاہزادی کو اسیری کا آشناوانہ جوش و ولولہ وہ کچھ دیکے لئے بھول گئی کہ ہم کہاں ہیں۔ کھوئی ہوئی چیز ملگئی تھی۔ لبوں پہ حرکت نہ تھی۔ دل تھا جو کہ رہا تھا کہ کیا ہمیں اپنی کنیزی میں قبول کروگے؟ آنکھیں جذبات کی ترجمان تھیں۔ اور دل ہی تھا جو معنی کی حرکت کا احساس کر رہا تھا۔

مذکرہ صدر طبعی حالت کے استنباط کے عناصر

بجز حسین کی موجودگی کے اُنکے قیافہ کی کسی شان۔ انداز کی کوئی صورت اور الفاظ کی کسی روش وہ آگاہی ہمیں علم نہیں۔ اسلئے ہم کسی استنباط کی جرأت نہیں کرتے۔ ہم ابتک جو کچھ دیکھ سمجھے تھے جناب امیر کی موجودگی اور اظہار خیال۔ خلیفہ کے فقرات۔ شہربانو کے انداز موقع کی مناسبت اور عجم کی فوری شان تھی جسکی تاریخی حیثیت باب سیوم میں دکھائی گئی ہے۔

مصلحت جہل

اب بیٹی انکی آمد کی نزاکت۔ اُسکی سیاسی شان۔ جناب امیر کے خفرات کی قوت اور شہر بانو کے میلان وغیرہ پر نہ زیادہ دور سوچا جاسکے یہ کہنا خلیفہ کے ساتھ انصاف ہوگا کہ انہوں نے چند لمحہ پیشتر کی روش کو ایسے طرز عمل سے بدلا جو مقبولیت کا باعث ہوگا۔ اگر حاضرا وقت مطمئن "شکر گذار اور منت پذیر" ہو سکتے تھے" تو جناب امیر خوش تھے کہ بہت کی لڑکی بیبی وکالت سے موجودہ اسیری سے اس درجہ بلند ہو سکی کہ اب میری بہو ہے۔ کیا اسوقت ظاہر ہیاد آئی ہوگی کہ بیٹیاں تو اپنی بہو دیکھتیں۔ جو ادھر حسین تو اب خلیفہ کا " ہدیہ اور تحفہ" لئے ہوئے جا رہے تھے۔

پس ماندہ اسباب شاہی

حضرت شہر بانو کے محافظین نے اس شرط پر اپنے کو ہاشم کے حوالہ کیا تھا کہ اُنھیں امان دیجائیگی۔ اس شاہی گروہ کے پاس ابتک بہت سامان امارت اور خدام اور کنیزیں تھیں انصاف یہ چاہتا ہے کہ انکے ساتھ اسیران جنگ کا برتاؤ نہ کیا جاتا اور انکے جان مال اور عزت و آبرو دار الحرب کے اصول کے ماتحت نہ ہوتے ان واقعات کے بنا پر انکے داخلہ دربار میں جس قدر بے عنوانی ابتداءً ہوئی ہو آخر میں ایسا ہونا ممکن تھا کہ یہ لوگ ہمراہ اسے اور موقع میں آزاد رکھے جاتے اگرچہ اسکے لئے جناب امیر کو وکالت کی ضرورت ہوتی۔ اور ایسا ہونیکے بعد کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ تمام اسباب جو شہر بانو سے متعلق تھا وہ انکے حوالہ نہ کیا جاتا اسلئے کہ یہ غنیمت میں داخل تھا۔ میں سوچتا ہوں کہ ایسا ہی ہوا اور روضۃ الشہدا کی یہ روایت مبنی بر واقعات ہے کہ حضرت

کنیزوں کی آزادی کے معنی

شہر بانو نے اپنی سو کنیزوں میں سے پچاس کنیزیں اپنی کنیزی کے دوسرے دن آزاد کردیں۔ پچاس کنیزوں کی آزادی بجائے خود ایک شاہانہ بلند حوصلگی ہے۔ لیکن یہ محض شاہانہ بلند حوصلگی نہ تھی جس سے شہر بانو نے ایسا کیا۔ بلکہ ایک "تڑپ" جو اپنے شاہانہ ننگ و احتشام کے آئندہ خواب دیکھنے کی بھی امید نہیں کرسکتے اپنے بچے ہوؤں کی خوشی آئندہ علامات کو خود سے دور کر رہی ہے۔ وہ اپنے کو اپنی موجودہ حالت کے موافق بنا رہی ہے۔ ایسا کرنا قیاس کے اندر نہ تھا جب تک اسمیں وہ کیفیت نہ پیدا ہوئی جسے "خوشی" اور اطمینان کہتے ہیں۔ اور اسلام کی تاریخ میں غلام یا کنیز کی آزادی اظہار شکر اور امتنان کے علاوہ کوئی معنی نہیں رکھتی۔ حضرت شہر بانو کی پسند جیسا کہ ابتدا انکی کنیزوں کی آزادی عملی مسرت کا ضمیمہ تھا۔ انکی اسیری کے اتفاقات اور گذشتہ کی افسوسناک یاد کے لحاظ سے انکی موجودہ حالت کے علاوہ انکے تسکین کا اس سے زیادہ کوئی حل نہیں ہو سکتا تھا۔ حسین انکی تسکین۔ حسین انکے وقار اور حسین انکی راحت تھے۔ وہ پہلے نہ ہوئی تھیں بلکہ ہوئی تھیں کہ شائستہ ہونگی حسین کسی افسوسناک ابتدا کی ایسی انتہا ہو۔

خوشگوار تعلقات کی کافی مثال۔

اگرچہ ہمیں اسکے بعد حضرت شہربانو اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے آپس کے تعلقات کی خبریں نہیں معلوم ہیں لیکن شیرین کی روایت اِس تصفیہ کے لیے بہت کافی ہے کہ یہ تعلقات نہایت خوشگوار تھی۔ یہ روایت بتاتی ہے کہ یہ لوگ کس درجہ ذکی الحس تھے۔ کس درجہ ایک دوسرے کی خاطر کا لحاظ تھا۔ اور کس درجہ حضرت شہربانو حسین کی خاطر اور اطاعت کو اپنے خیال کی حد تک بجالاتی تھیں۔

دنیاوی اور روحانی شہنشاہی کا فرزند۔

حضرت شہربانو کے واقعات ہمارے لئے اِسوجہسے اور توجہ کے قابل ہیں کہ انھیں کو یہ افتخار حاصل ہوا کہ انکے بطن سے ۳۸ھ میں امام چہارم کی ولادت ہوئی۔ وہ امام جنکے سر یہ حیرت صبر نے حسین کے صابرانہ زمین کو کربلا سے کوفہ۔ کوفہ سے دمشق اور دمشق سے مدینہ تک پورا کیا اور تمام عمر صبر اور برداشت کی زندہ تصویر بنے رہے۔ امام چہارم کو نہ صرف اپنے پدر بزرگوار کی صفات بلکہ اپنی مادر گرامی کی اسیری کے اتفاقات کا بھی ورثہ ملا۔

اُنیسواں برس۔

خلافت کے اِس دور کے اختتام یعنی ذی الحجہ ۲۳ھ تک حسین کا سن اقدس اُنیس برس کئی مہینہ کا تھا۔ اسمیں جس قدر واقعات گذرے وہ نہ صرف حسین کے ہوش کے زمانہ کے تھے بلکہ وہ اب اُن تمام قوتوں کے مالک تھے جس سے کوئی واقعات کو دیکھتا اور اُس سے نتائج اخذ کرتا ہے۔ اور یہ زمانہ صریحاً حسین کا وہ زمانہ تھا جسمیں اُنھیں گذرے ہوئے واقعات جو کہ ہوش کے زمانہ کے تھے بتلائے جاتے اور وہ موجودہ کے تقابل سے ہر ایک کو سمجھ لیتے۔

دور ثانی کی خصوصیات اور حسین۔

یہ زمانہ مسلمانوں کی ملکی فتوحات اور اُسکے لازمی مشغولیتوں کا وقت تھا اگرچہ خود اسمیں ہمیں ایسے واقعات نہیں معلوم جسمیں حسین کی کوئی عملی شرکت ہو لیکن چونکہ یہ خبریں ہیں کہ جناب امیر سے شام اور فارس کی فوجی صلاحیں۔ زمینوں کی پیمائش۔ محاصل کی تقرری۔ تعین سنہ۔ مناسب قابلیتوں کے آدمیوں کا انتخاب۔ مقدمات کا فیصلہ متعلق ہوگیا تھا۔ ناممکن تھا کہ یہ امورات اور انکے اصول حسین کے دیکھنے ہوئے حسین اسوقت کے جنگی شوروں میں شریک نہ بھی ہوں لیکن ناممکن تھا کہ فاتح عرب کی جنگی خصوصیات نے حسین میں ایک سخت جاگتا ہوا جوش نہ پیدا کیا ہوتا۔

اور گو کہ زمانہ تھا جسمیں خلافت کی کوئی توجہ اسکے ساتھہ عادت کی جاتی لیکن کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ جو اپنے باپ کا منصب جانتا تھا وہ منصب اور حقوق نہ پہچانتا ہوتا یا یہ نہ جانتا کہ یہ میرے نانا کی ہے جو سمجھ رہی ہے کہ وہ اِس وقت ہماری نگرانی سے مستغنی ہے۔ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ وہ مسلمانوں کی

طرح فہرست مین ہوتا اور یہ نہ سوچتا کہ رسول نے جو کچھہ ہمارا حصہ قرار دیا تھا وہ اُس سے الگ تھا جو اس وقت حکومت نے مناسب سمجھا ہے۔

حسین کے لاحظ کی چیزین فتوحات کے شور کے پیچھے تھین۔

لیکن حسین کے دیکھنے اور سمجھنے کے لیے اِس سے بڑے مسائل تھے کہ اُنھین کوئی فوجی عہدہ ملا یا نہین یا وہ خمس کے حقدار سمجھے گئے یا نہین۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ بغیر حسین کی توجہ کے نہین گذرے اِس لیے کہ اسکے متعلق اُنکے پدر بزرگوار کے خیالات ہین کہ وہ کیا دیکھہ رہے تھے۔ میری غرض فتوحات کے شور کے پیچھے قوم اپنے بعض خیالات اور احساسات سے اِس قابل ہوئی تھی کہ بڑھ سکتے۔ بڑھنے کی یہ قابلیت اُس تعلیم کا ورثہ تھا جو اُنھین ہادی برحق سے ملا تھا اُسنے اُنھین اسقدر مالک نہین دیئے تھے جس قدر قومی صفات کے عناصر عطا کئے تھے۔ اب قوم ملک مین ڈوب گئی تھی اور یہ دیکھنے والا نہ تھا کہ تم صفات قومی کو زیادہ کرتے جاتے ہو یا کھوتے جاتے ہو۔ مدبرین زیادہ سے زیادہ مفتوحہ ممالک کے سنبھالنے کی فکر مین تھے لیکن قومی ڈھانچہ جو اسکا کوئی محافظ نہ تھا اور جس جس طرح مشغولیتین بڑھتی جاتی تھین اگرچہ صفات قومیت کی فہرستین بڑھتی جاتی تھین لیکن یہ نئے اسباب اُسے گھٹاتے جاتے تھے۔

حصول علم کے ذرایع

مجھے اسکا بھی لحاظ ہے کہ ممکن ہے کہ شباب نے باریک سیاسی مسائل مین اُلجھنا گوارا نہ کیا ہوا ور اس سے واقعات کا تمامتر سمجھنا اور اخذ نتائج اپنی کوشش سے نہ ہو بلکہ صرف اُسی قدر ہو جس قدر جناب امیر کے اشارون سے ممکن تھا یا جہانتک دور دور سے نظر جا پڑی تھی لیکن بہت جلد زمانہ آنے والا تھا جو بڑی قوت سے ترجمہ کرتا اور اُسوقت لوگون کے واقعات گویا ہوئے بغیر نہ رہتے۔ اسوقت اگر باریک نگاہ کے محتاج اسباب تھے تو اُسوقت ظاہر نتائج تھے۔ اکثر مواقع کے متعلق حسین کے خیالات کا موجود نہ ہونا کچھہ تو اسوجہ سے ہو کہ کوئی اُنکے ہمراہ تھا۔ الفاظ اور خیال کا ضبط کرنیوالا نہ تھا اور کچھہ اگلے وقت کے اس اصول کی بنا پر کہ افسر خاندان کے ہوتے ہوئے ماتحت متعلقین معاملات مین ذمہ دار نہ سمجھے جاتے تھے۔ حسین کا یہ موقع اُنکی عمر کے چھیالیس برس تک رہا۔ لیکن اس عالم اسباب مین اپنے گرد و پیش کے واقعات کے جاننے کا ہمیشہ یہی ذریعہ نہ تھا کہ کوئی ہر امر مین دخیل بھی ہوتا ہے بلکہ کچھہ تو بزرگون کی تعلیم۔ کچھہ اُنکی نگرانی کے اثر۔ کچھہ اُنکی پیروی کچھہ مستند سمجھا ہوون کے طرز عمل اور گرد و پیش کی فضا کی نوعیت۔ اور پھر اسکے بعد اپنی موجودہ قابلیتون سے اُسکا دیکھنا اور سننا تھا۔

مین اُسپر کوئی بحث نہین کرنا چاہتا کہ آیا زیر ذکر سایہ مین رہنا زیادہ مفید ہے یا ہر امر کا خود فیصلہ کرنا اور دخیل ہوتے رہنا۔ میرا قصیدہ ہے کہ وہ لوگ جنھین فطرت نے یہ صحیح قابلیتین عطا کی ہین کہ وہ جتنی بات خود پیش آنے والے واقعات کا تصفیہ کرتے رہین اُنھین سبھی باتون سے اپنے فیصلہ پر زیادہ اعتبار ہوتا ہے اور ۔۔ اُنمین رفتہ رفتہ ایک استعداد کا نشو ہوتا ہے جو آیندہ صحیح تصفیہ مین مدد دیتی ہین لیکن بیچارہ انسان اپنے فخر کے وقتون مین یہی کیون نہ سوچے کہ اُسکی سانس کے اشارہ پر زمانہ چل رہا ہے لیکن اکثر وقت آتا ہے جسمین اُسے ہوش آتا ہے کہ ہماری سانس ضیق مین مبتلا ہو سکتی ہے اور ہم سانس لینا چاہتے ہین اور نہین لے سکتے اور جس وقت ہم داہنا ہاتھ دیکھ رہے ہین ہمین یہ ہوش نہ تھا کہ بایان ہاتھ بھی ہے۔ اُسکا محدود ہوش اُسے اُس سے زیادہ گرا دیتا ہے جس قدر وہ خود ہی مبتلا ہو سکا تھا۔ کتنی باتین وہ خود سے سوچ سکیگا اور کہانتک۔ وہ گذشتہ کے تجربے سے اپنے کو مستغنی سمجھیگا کہ آیندہ ہر قدم پر ٹھوکر نہ کھائے۔ ہمارے زمانہ کی مثالین یہ بتاتی ہین کہ وہ جو پرانی تعلیم کے اثر سے نئے زمانہ کی روش سے واقف ہوئے وہ اُن سے اچھے رہے جو زمانہ گذشتہ کی سہولت مین گرفتار رہے اور وہ اُن سے بھی عقلی اعتدال کے دائرہ مین رہے جنھون نے ہر قسم کے اثر سے خارج ہو کر ہر جگہ اپنے اجتہاد سے کام لینے کو بہتر سمجھا۔ نتیجہ یہ ہے کہ ابتدائی عمر کے بڑے حصہ تک مناسب اور محتاط تعلیم کنندہ اثر رہتا اگرچہ اسمین کسی طرح کی آزادانہ جنبش نہ آیندہ کے لئے بندش کا ایک مرکز حوالہ کرتا ہے جسکے بعد ہم ہر ہوا کے ساتھ اُڑتے نہ پھرین۔ اور خیالات اور انکے اثر کے حدود سے واقف ہو جائین۔ اس سے ہمارے فاعل مختار انسان ہونے مین کوئی ضعف لاحق نہین ہوتا۔ اگرچہ حسین کی عمر کے بڑے حصہ تک ہمین معلوم نہ ہو سکا ہو کہ حسین کے خیالات کی رفتار کیا تھی لیکن یہ معلوم ہے کہ اُنکے آبائو طاہرین کے خیالات اور عمل کیا تھے اور اس فضا سے جو اثر حسین کے خیالات اور عمل پر پڑ سکتا تھا وہ اس قدر اطمینان خیز ہے کہ اُسکی موجودگی مین ہر موقع پر حسین کے خیالات کا موجود نہ ہونا کوئی کمی نہین ہے۔

اُن ضمنی باتون مین جسپر نظر کرنا مناسب خیال ہین یہ واقعہ حسین کیلئے کم افسوس کا نہ ہوگا جب اُنھین معلوم ہوگا کہ میرے نانا کا یادگار درخت کٹوا دیا گیا۔ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ہر وہ چیز جو نانا کو یاد دلاتی حسین کو عزیز ہوگی اسکے علاوہ احادیث کے متعلق اُنکو ان نے خلیفہ کا خیال سنا ہوگا اور بہت کم قرینہ ہے کہ اُنھون نے اس حکمت کو پسند نہ کی ہوگی جیسا کہ ہم لکھ چکے ہین جیسے خلیفہ نے ظاہر کیا تھا۔ اُنھین کعبہ کے متعلق حضرت عمرؓ کا خیال معلوم ہوا ہوگا اور

ایکی یاد دلانے والی چیزین دیکھ ہاتھ سے علاحدہ حسینؓ نا

بھی اپنے پدر بزرگوار کا جواب سُنا ہوگا - اور یہ بھی اُن سے چھپا نہ ہوگا کہ خلیفہ کیسے مال کا کچھ صرف چاہتے ہین جنھے علی مرتضیٰ نے اپنی حیثیت سے قایم رکھنے کی صلاح دی - اور حسین نے یہ بھی سنا ہوگا کہ خلیفہ نے کسی غرض سے کیون نہ کہا ہو کہ "اگر ہم تمکو اس چیز سے جسکا تم پہچانتے ہو اُس شئے کی طرف پھیرین جسکے تم منکر ہو تو تم کیا کروگے" اور اُنکے پدر گوار نے بہ قوت و پُرجوش اور صحیح جواب دیا کہ "اگر تو توبہ کرے تو تیری توبہ قبول کرینگے" - اور اس سوال پر کہ "اگر نہ مانین" تو فرمایا کہ "گردن مارینگے" - ظاہر ہے کہ اس طرح کی جرأت اُسوقت صرف خلفا پر [illegible] ہی میں تھی - وہ اپنے جواب کے وقت سوال کرنے والے کی قوت جانتے تھے اور وہ اپنے جواب اور مسلمانون کے تائید کی بھی قوت جانتے تھے لیکن یہ ایسی بات نہ تھی جسے اور مسلمان نہ سمجھتے ہوتے صرف وہ اخلاقی جرأت اور لوگون مین نہ تھی جو سید العرب مین تھی - باپ کے طبیعت کی یہ جھلک بیٹے کے پسند کی چیز تھی اور وہ سمجھ سکتے تھے کہ اگر ہم دوسرے کو ایسی غلط راہی سے روکنے کے لئے قتل کی دھمکی دے سکتے ہین تو ہمین بھی اس تصمیم کے لئے جان دینا ہو سکتا ہے -

اور باوجود خلیفہ کی اُن تمام شیرین توجہ کے جنکی مثالین حسنین کے متعلق ملتی ہون - ایسے خیالات ہمیشہ کی حد بندی کرنے کے لئے کافی تھے جو ابن عباس سے مکالمہ مین حضرت عمر سے ظاہر ہوے - اسکے بعد قریش اور اُنکے گذشتہ اور موجودہ سرگروہ کی روش سمجھنے مین یا یہ سمجھنے مین حسین کی عمر کو دشواری نہ ہونا چاہیے کہ ہمارے ساتھ کہانتک بے غرض اور حقوق شناسانہ رعایت ہے - اِسی طرح کسی ہاشمی سے یہ امید کرنا کہ وہ بنی امیہ کی اُن کارروائیون کو بھول گیا جو اسلام کے انسداد اور ہادی کی ایذا دہی کے متعلق اُنسے سرزد ہوئین اُنکے سیاسی اور قومی حس کو قبل از وقت مردہ تصور کرنا ہوگا قومی حافظہ انفرادی حافظہ سے زیادہ دیرپا ہوا کرتا ہے - درانحالیکہ متواتر تعیس نے زخم کو ہرا رکھا تھا - اور نہ وہ حیرت انگیز اتفاقات اُنسے پوشیدہ رہ سکتے تھے جس سے شام کا صوبہ بنی امیہ کی نوآبادی اور ایک خود مختار صوبہ کے حیثیت خیال کرتا جاتا تھا - یا جس حیثیت سے وہ رسول کے بعد سے گذشتہ نظام مین دخیل دکھائی دیتے تھے - اور جب بنی امیہ کے ایسے گروہ کی شرکت اور اُنکا اقتدار حکومت نے گوارا کر لیا تھا تو ایسی ہی روش کے وہ عامل بھی اس دور کی فہرست مین کیونکر دکھائی نہ دیتے جو آیندہ بنی ہاشم کے سخت حریف و دشمن ثابت ہوئے - انھین نہ صرف حسین نے اسوقت دیکھا بلکہ اسکے بعد بھی اور پھر انھین اپنے زمانہ اقتدار مین برسر حکومت پایا - اور انھین اکثر کو اپنے آخر زمانہ مین اپنے قتل پر اس طرح مستعد دیکھا کہ گویا وہ امیہ ایک زندہ نسخہ تھے اور یا

وگ جنھین بغیر ایسے چارہ نہ تھا۔

لکے نزدیک کوئی اونے لحاظ کی بات نہ تھی - اُنکی مثال اُس گورکن کی تھی جو قبر کھودتے وقت گاتا ہے یا اُس جلاد
کی ایسی تھی جو خوش خوش اپنے مکروہ کام میں اسلئے جلدی کرتا ہو کہ کچھ انعام کی امید رکھتا ہے۔

خلیفۂ ثانی کا بنا کردہ اصول انتخاب اور حکم

اِس دورِ حکومت کا آخری تماشہ قریب آگیا جسنے خواہی نہ خواہی خلافت بنی امیہ کو سپرد کردی - اسکا ذکر کیا گیا
کہ بنی امیہ کی جماعت اور اُنکے افراد جو معاملات میں غور کی قابلیت رکھتے تھے حصولِ اقتدار کے لئے بے کسل
کوششوں میں مصروف تھے۔ وہ اپنی جماعت کو تعلیم دے رہے تھے اور ذمہ دار مدبرین اپنی مصلحت طے کر رہے تھے
کہ ہمیں کیا کرنا ہوگا۔ انھیں اپنی آیندہ کامیابی اور طرزِ عمل کے درست کرنے میں خلیفہ کے انتخاب سے پوری مدد
ملی تھی بلکہ یون کہنا چاہئے کہ حصولِ اقتدار کے جزوِ اعظم کا تصفیہ اُنکے موافق ہو چکا تھا صرف وہ طریقہ اور
موقع باقی تھا جس سے یہ بغیر کسی شورش کے عالم دکھائی دینے لگیں - اِسکے مقابل ہمیں یہ تذکرہ نہیں ہے کہ
بنی ہاشم مجموعاً یا منفرداً اپنے لئے کوئی کوشش کر رہے تھے - بلکہ اگر کچھ تذکرہ ہے تو صرف اُس تصفیہ کا جو
بنی ہاشم کے دو بزرگ یعنی عباس اور جناب امیر نے طریقہ انتخاب کو سنکر اپنی جگہہ کیا تھا۔ اور یہ حالت بجائے خود
اِسکا تصفیہ ہے کہ آیندہ اپنے موافق کوئی امید کرنا اُنکے نزدیک بے سود تھا۔ اِس سے حسنین کی روش
سمجھ میں آجاتی ہے۔ بہت ممکن تھا کہ بنی ہاشم کے اُبھرتے ہوئے نوجوان "امید" کے فریب دہ منظر کو نظرِ ظاہر
ہوئے تکلف شوق سے دیکھ رہے ہوں۔ اور ایک مرتبہ امید کا پیدا ہو جانا اُن خواب کی مادّی تعبیر کا خاکہ کھینچے
بغیر نہ رہا ہو جو یہ دیکھتے ہوں۔ اُنکی بھولی ہوئی قوتیں عود کر آئی ہوں اُنکا سینہ تنگی کرنے لگا ہو اور رگیں گرم
خون کے غیر معمولی ہیجان سے پھٹی جاتی ہوں۔ ہو سکتا تھا کہ اُنکا ایسا کوئی جوش مجذوش ہوتا لیکن علی اور عباس
کے سکون نے اِنھیں غیر متحرک رکھا اور یہ منشرح طبیعت کے صحیح ایمانداری سے صورتِ معاملہ کو دیکھتے رہے۔
موقع کا علم اور تجربہ حسنین کے توجہ کی چیز تھی -

دو آتشہ نظام

نتیجہ سامنے آیا مجھے یقین ہے کہ بنی ہاشم کو اِسوجہ سے اسکی پوری چوٹ نہ لگی ہوگی کہ وہ ایسے دو اور دو
چار کی طرح جانتے تھے۔ لیکن اب اُنھیں اپنا تلخ موقع اس وجہ سے اور زیادہ نازک معلوم ہوتا ہوگا کہ اب وہ
صاحب اختیار ہیں جنکی مصلحت دو آتشہ ہو جانے کی وجہ سے یہ صورت اختیار کریگی کہ اُنکے ہوتے ہوئے ہم قطعاً
نہ ہوں۔ پہلی حکومتیں محض سیاسی موقع کے لحاظ سے مشتبہ تھیں اب نہ صرف سیاسی موقع ہے بلکہ گذشتہ
عداوتوں کا پُرجوش انتقام بھی ہے۔ آخری صورت بنی ہاشم کے لئے عثمان کے زمانہ میں الفاظ اور انداز کی
دھمکیوں اور توہین سے بڑھکر خون کی حد تک نہ پہونچی جسے معاویہ کے زمانہ میں اُسکی احتیاط کی وجہ سے زہر کا

بھیس بدلا اور آخر میں احتیاط کو اختیار کی موجودگی میں کمزوری سمجھ کر تلوار کھینچی گئی اسنے شورش پیدا کی اور
پھر آیندہ کے صاحب اختیار لوگوں سے زہر کی مصلحت کی طرف عود کیا۔

ابو سفیان کی بے باکانہ رجز کا حسین پر اثر۔

بنی حکومت شروع ہوئی۔ جب ایک شخص کے حاکم ہونیکے قبل لوگ اس لیے اُسکا ساتھ دے سکتے تھے
کہ وہ ہمارے حقوق کا لحاظ کریگا تو قیاس آسان ہے کہ اسکے بعد ان لوگوں کے انداز کس درجہ برداشت کے
باہر ہوگئے ہونگے۔ مثال خلافت کے اعلان کے بعد ہی ملی۔ اور تعجب خیز اتفاق یہ تھا کہ حسین اسکی تلخی کو پہلا
محسوس کرنے اور وہ بھی ابوسفیان کی زبان سے۔ اُموی ابوسفیان کا جوش شاعرانہ حُسن بیان اختیار
کرلیتا ہے جو منتقمانہ تلخی کو اور بڑھا دیتا ہے جب وہ حسین کو بنی ہاشم کے مقبرہ میں لیجا کر مُردوں کو آواز دیتا
ہے۔ ابوسفیان رجز پڑھ رہا تھا۔ بنی امیہ کے فتح کی گیت گا رہا تھا۔ اور مُردوں پر طنز کر رہا تھا۔ شرم
نے اُسے تفاخر کی دیوانگی سے مستثنیٰ نہ کیا تھا۔ حسین ابھی پورے بیس برس کے نہ ہوئے تھے۔ اُنھیں
ساتھ لانا۔ ایسی باتیں سُنانا جو بنی امیہ کا عین خواب اور بنی ہاشم کے لئے اُنکی روش کا غلط مفہوم
تھا کہ وہ ملک کے لئے مقابلہ کرتے تھے۔ حسین کے لئے چیلنج تھا۔ عجب نہیں ہے کہ اس نے ایک نوجوان
کے خون میں اس درجہ جوش پیدا کر دیا ہو کہ اُسنے اپنے توہین کرنے والے کے ان الفاظ کو اُسکے زندگی کے
دوامی الفاظ قرار دیدینے کی آمادگی کی ہو۔ خیریت ہوئی کہ نعمان ابن بشیر موجود تھا اور اُسنے نازک
موقع کو دور رکھا۔ کیسے ہو سکتا تھا کہ ابوسفیان یہ سوچکر نہ بلبلا ہوتا کہ کُل بنی ہاشم اس مقبرہ میں نہیں
ہیں اور کیسے حسین واپس ہوسکتے تھے بغیر اسکا تکلیف دہ اندازہ کئے ہوئے کہ بنی امیہ اپنی عداوتوں کو
نہ صرف نہیں بھولے ہیں بلکہ اب موقع نے اُنھیں ایذا رسانی پر مستعد کیا ہے درانحالیکہ ہم میں ابھی
مقابلہ کی قوت نہیں ہے۔ لیکن موقع کی عبرتناک پیشین بینی یہ ہے کہ آج اگر ابوسفیان حسین سے یہ فقرہ
کہہ سکتا تھا تو وہ آنیوالے تھے کہ ابوسفیان کا پوتا حسین کے سر مبارک سے قریب قریب یہی الفاظ کہتا۔

حسین کی سیاسی تعلیم

اب تک اگر یہ سوچا ہی جاسکتا ہو کہ گروہ بیش کے سیاسی مسائل حسین کی خاص توجہ کے اندر نہ تھے تو ابوسفیان
کی تمسخر ظریفانہ بجز اس تیور اسکا پیچ و تاب پیدا کئے ہوئے نہ رہ سکتی تھی جو حسین کو موجودہ مواقع کے دیکھنے
کے لئے ہمہ تن ہوش نہ بنا دیتا۔ عالم سیاسیات بادی النظر میں روکھا، غیر ظاہر اور بے لطف ہے لیکن سلیم توجہ
ہوجانے کے بعد یہ ویسا بے مزہ نہیں رہتا بلکہ مسئلہ کی وسعت کے لحاظ سے دلچسپی بڑھتی جاتی ہے۔ عام اس سے کہ
یہ توجہ نظریات سے بڑھکر عملیات میں داخل ہونے کا موقع پائے یا نہ پائے۔ یا پھر وہ روش جو علم کے اندر

ہو پسندیدگی سے تعلق رکھتی ہو یا نہ ہو۔ مثالین گذرین جو اسکا تصفیہ کرسکین کہ حسین بہت سریع الفہم اور ذکی الحس
تھے اور ان مثالونکی ناموجودگی بھی اِس امر کے سمجھنے مین مانع نہ ہوگی کہ انکا خاصہ مسائل سیاسی سے دلچسپی لینے
کی قابلیت رکھتا تھا یا نہ تھا جب اُنکے خاندان اور اُن لوگون کی کافی سے زیادہ مثالین ہین جنکی عقلی دور عمل کی
فضا حسین کے گرد محیط تھی۔ اور جب اِسکی مثالین نہین ہین کہ وہ اپنے خاندانی درجہ عقلی سے علیحدہ ہوگئے تھے
بلکہ اسکے واضح اشارے ہین کہ وہ گذشتہ تجربہ سے پورے واقف تھے اور اس طرح اُسپر عمل کرتے تھے جو سمجھا ہوا
عمل کہا جائے۔ یہ باتین اِس امر کے سمجھنے مین معین ہین کہ حسین کے نظری سیاسی تعلیم کی ابتدا بہتر ہوئی زمانے
کے ساتھ ہوئی۔ اور انکا آیندہ بھی اس لئے خوش نصیب تھا کہ وہ ہمیشہ تجربہ کار نگاہ کے سایہ مین تھے جس نے
قوم کی درستی اور اُسکی ضروریات مین اُس قدر حصہ لیا تھا جس قدر اسوقت تک ممکن تھا اِس لئے یہ اندیشہ
بھی نہ تھا کہ حسین اپنے کسی غور اور نتیجہ مین کسی سے اصلاح کی امید نہ کرسکتے تھے۔ آگے وقت آنے والا ہے کہ
حسین اپنے پدر بزرگوار کے خالصاً سیاسی خطبات سُنتے اور عملی شرکت کرتے۔ اِسکے علاوہ حسین کی سیاسی تعلیم کے
دوسرے رفیق حسن تھے جنکی سلیم الطبعی کی مثال دیجاتی ہے۔ ممکن نہ تھا کہ حسین اپنے برادر بزرگوار کے
تصفیہ کے اثر سے متاثر نہ ہوتے اور اسکی مثالین ہین کہ وہ اُنکے آخر دم تک متاثر رہے اور اُنکے بعد بھی اُنکے
احکام کی بجاآوری سے اعراض نہین کیا۔

ابن عوف سے علی کے الفاظ اور حسین۔

یہ الفاظ حسین کی حد سماعت کے باہر نہ تھے جو جناب امیر نے ابن عوف سے اُنکی منصرمی کے وقت کہے
تھے یا جس سے عثمان کے انتخاب کے بعد مخاطب کیا تھا۔ اسمین عثمان کے منتخب کرنیکی غرض اور وجہ بتائی تھی
اس سے ایسے انتخاب کی وقعت اور مصلحت چھپی نہ رہ سکتی تھی نہ یہہ غیر ظاہر تھا کہ پھر ایک جماعت مسلط
ہے جو ہمارے لحاظ کو ہمیشہ دور ہٹانے کا خاص اہتمام کرتی رہتی ہے لیکن حسین نے اپنے پدر بزرگوار سے
یہ بھی سُنا تھا کہ "مین تسلیم کرتا ہون جب تک امور مسلمین سلامت رہین اور اُسکے ایام خلافت مین کُھلم کُھلا
ظلم و جور نہ ہو گو مجھپر ظلم و ستم ہوتے رہین" کون جانتا تھا کہ جناب امیر کا اپنے موقع کے لحاظ سے یہ فرمانا
آیندہ کے لئے حسین کے عمل کرنیکا ایک اصول ہو جائیگا! کسے حق تھا کہ وہ حسین سے توقع وہ جناب امیر کی
مصلحت کا محافظ اور پیرو ہوسکتا۔

بنی امیہ کی بڑھتی ہوئی قوت اور بنی ہاشم۔

وہ تمام باتین ہونے لگین جنھون نے ابن عفان کو داخلی و خارجی نامقبولیت مین مبتلا کیا۔ یقیناً بنی ہاشم
بنی امیہ کی بڑھتی ہوئی قوت کو ٹھنڈے دل سے نہ دیکھ رہے ہونگے اور اُنکا خوف بڑھتا جاتا ہوگا اس لئے

عالمگیری سے یہ نتیجہ نکالتا کہ جہاں اثر ضائع اور دم توڑتا جاتا ہے بعد اسکی جگہ ہم سے اُن لوگون کی عداوت
بڑھتی جاتی ہے جنھون نے ہمین بنی امیہ کی زبان سے سُنا ہے۔ بنی ہاشم کے لئے کوئی غور طلب بات نہ تھی
اور یہ عمل اُن تمام ممالک مین جاری تھا جو فتح ہوتے جاتے تھے اور جنھین اسلام کی واقفیت اُسوقت سے
شروع ہوئی جب بنی ہاشم اور اہل بیت امورات اسلامی کی ذمہ دار نگرانی سے دست بردار
کر دیئے گئے تھے۔

دیکھنے کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہے کہ کوئی شخص مستوجب سزا ہوتا لیکن بعض حیثیت کی رعایتین
نفاذ حکم شرع سے زیادہ مفید سمجھی جاتین۔ دیکھئے کہ وہ لوگ امت رسول کے عنانگیر ہین جنکا کسی جماعت
انسانی مین ہونا انگشت نمائی کے لئے کافی ہے لیکن دم نہ مار سکتے۔ دیکھیے کہ خلاف ورزیان ہین اور اُسپر طرہ
یہ ہے کہ تحکم اور عزم کے علاوہ اور کسی دلیل نے اُسکے اثر کو کم نہین کیا ہے اور اُسکے بعد یہ بھی دیکھیے کہ دنیا
مین ایسے لوگ بھی ہین جنکی غرض حیات بجز اسکے اور کچھ سمجھ مین نہین آئی کہ وہ اختیار کی کریہہ ترین باتوں
آمنا و صدقنا کے علاوہ کچھ کہنا نہ جانین اور اس طرح نہ صرف اپنے کو ذلیل کرتے رہین بلکہ ذلت اور مجبوری
کو آیندہ کے لئے قوم کا شعار قرار دین۔ وہ سب کچھ صحیح جو صاحب اختیار کرے اور وہ سب کچھ غلط
جو بے اختیار سے سرزد ہو۔ کوئی نکتہ چینی وہ کیسی ہی صحیح اور کیسی ہی عام اور خفیف کیون نہ ہو جو
قوم کو متنبہ کرے اِن خوشامدیون کے پُر حیرت اور دہکی دینے والی نفرت آلود نگاہ کی آماج اور کیسی ہی
رکیک اور جماعت انسانی کے لئے مُضر روش جو مرکز اقتدار سے سرزد ہوئی ہو تو تعریفون سے زمین اور آسمان
سر پر اُٹھا لینے کی شایان قرار دی جاتی رہی۔

ہوتا رہا جو کچھ ہونا تھا یہان تک کہ اسکی باری آئی کہ مصلحت کے اس پہلو پر قناعت نہ کیجائے کہ اپنی
قوت دینے والی اور موافق چیزون کو بلند کرتے جانا اپنے ناموافق چیزون کو تجاہل اور پستی کی طرف
خود بخود دبانا ہے بلکہ اب اسکا بھی موقع دیکھا کہ اپنی چیزون کو بلند کرنے کے ساتھ اپنے ناموافق چیزون کو
سختی سے دبانے کا بھی ویسا ہی اہتمام کیا جائے۔ کرتی خلافت جو کچھ چاہتی لیکن۔ افسوسناک یہ ہے کہ وہ
اسکے اپنے احکام کی بے پرستش روش کے منافی سمجھنے لگی کہ کوئی عمار ابوذر یا ابن مسعود اپنے مین یہ
جرأت پاتا کہ وہ سوال کرنے اور ملی حقوق کی حفاظت کا اپنے لفظون مین ادعا پیدا کرتا۔ اور وہ
بے مہار غصہ سے مستلم کر دیا جاتا۔ کون سوچ سکتا ہے کہ حسین اپنے نانا کے ان ممتاز خادمون کو ذلت

وتوہین مین مبتلا دیکھتے اور اُسکے تمام خاندان مین ایک شخص بھی ایسا پیدا نہ ہوتا۔ لیکن جو کچھ بھی ہوتا انھین یہ دیکھنا تھا کہ ایسا بھی ممکن ہے کہ خلافت اگر خالد۔ مغیرہ اور ابن عمر کو رہا کرے اِس لئے کہ یہ لوگ خلافت کے مویدتھے تو ان بوڑھونکو وہ رسول کے کیسے ہی معتمد صحابی کیون نہ ہون کہ خت باز پرس کی مستوجب قرار دے۔ کیونکہ یہ خالصتاً اصول اسلامی اور خلق اللہ کے موید تھے۔ یہ مثالین ایسی نہ تھین کہ جو حسین کے مستقبل روش پر بغیر گہرا نشان ڈالے گذر جاتین۔

خلق اللہ کی بلند ہوتی ہوئی صدا اور حسین

اور جب انھین اُن تمام باتون کے دیکھنے اور سمجھنے بغیر چارہ نہ تھا جکا نہ ہونا انھین پسند ہوتا اسی دور ان مین وہ خلق اللہ کی صدا کے مدارج دیکھتے جو کبھی۔ پست۔ معتدل اور بلند ہوتی جاتی کبھی مختصر اور ناقابل فہم رہتی لیکن رفتہ رفتہ متحد مخصوص اور پُر عظمت ہوجاتی اور آخر مین اُسکا پُر اصرار استقلال انتہائی دہمکی سے کم نہ ہوتا وہ سنتے کہ وفود آرہے ہین جو اصلاح کی استدعا کر رہے ہین وہ ان وفود کے ساتھ برتاؤ اُنکے ممتاز افراد کے ساتھ نہ صرف اجزائے حکومت بلکہ مرکز حکومت کا سلوک دیکھتے اور سمجھتے کہ عالم سیاسی ایک حالت پیدا کرتا ہے جسکے معنی یہ ہوسکتے ہین کہ اعتبار اور اطمینان دلانا صرف دفع الوقتی کا نام ہے۔ اور سمجھتے کہ نظام حکومت خاص امت کو اس کی اجازت نہین کرتا کہ وہ عامہ ناس کے کسی اختیار کو تسلیم کرے اگرچہ وہ کسی ایسے کے نزدیک جسے اس نظام سے تعلق نہ ہو کیسا ہے حق پرستانہ ادعا کیون نہ ہو۔ اور اگرچہ حکومت کیلئے اپنے اختیار کی اس وہمی دست برداری کا نتیجہ کچھ ہی کیون نہ ہوگا وہ بہت سے اختیارات سے بہ جبر دست بردار کیجائے۔ حقیقتاً زمانہ آئندہ نے اس مسئلہ کو حل کیا کہ حکومت کی اس روش کو حسین کس درجہ ناپسند کرتے تھے۔

علی کی حالت اور حسین

یہ حالتین اگرچہ اسکی محتاج نہ تھین کہ کوئی اور زیادہ تجربہ کار اپنے خیال اور اضافے حسین کے اخذ نتائج مین سہولت پیدا کرتا لیکن جناب امیر کے خیالات اور روش حسین کے آنکھون کے سامنے تھی اور یہ عجب خیرہ کنندہ نظارہ تھا کہ کبھی انکی مسلح پر حکومت آشتی ہے اور ایسے گوارا نہین کرتی کہ کوئی بے غرض مصلح ایسی بات کہے جو ہماری روش کے خلاف ہوا گرچہ وہ مفید ہی کیون نہ ہو کبھی پھر امت رسول کے صدا انکی قوت سے دیتی ہے اور جناب امیر کو مدد کے لئے پکارتی ہے اور پھر دم لینے کے بعد بے پروا ہوجاتی ہے غرضکہ ایک حالت تماشے کی تھی جسے حسین کبھی امت رسول انھین اپنی طرف کھینچتی ہے اور کبھی خلافت اُنکے سایہ مین پناہ لیتی ہے۔ یہ سب کے معلوم ہے کہ امت رسول کیون کھینچی تھی اور خلافت کیون مدد کے لئے پکارتی تھی۔ کسی تنہا شخص پر دو متضاد جماعتون کے اعتبار کا اس سے بڑا معجزہ تلاش کرنا بیکار ہے۔

کیا تھا بجز علی کی بے نفسی - بے غرضی - حق روی اور اصلاح کی سچی خواہش کے جو لوگوں کو ایک قومی مخدوش موقع پر ان کے قریب کھینچتی تھی - انکے پاس دونوں کی اصلاح اور تمادی جنگ کے روکنے کے لئے فقط تھے وہ نہ خلافت اور نہ ملتجیان اصلاح کے کیمپ میں تھے بلکہ خدا کے اُس حصہ زمین پر کھڑے تھے جہاں اُنکے پاؤں تھے ایک شمع تھی جو نہ صرف خود روشن تھی بلکہ تاریکی بھی دور کر رہی تھی - مشکل وقت تھا آل ہاشم کے لئے جس سخت امتحان میں اُنھوں نے اپنے بہترین قومی خصوصیات کو جسپر نبوت کا گہرا عکس تھا موافق اور مخالف دونوں کے نزدیک خالص دکھایا -

اور پھر اسی زمانہ میں انکے لئے یہ بھی کہا جاتا کہ تمکو جلا وطن کرنا چاہیے اور یہ صاف بخوف جواب دیے - کبھی معاویہ ابن ابو سفیان انکے قتل کی صلاح دیتا اور کبھی یہ دیکھتے کہ حکومت ہماری مدد اور وساطت کو اپنی محفوظ رہنے کے لئے استعمال کرتی ہے جسکے بعد حکومت کا اپنے وعدوں کو پورا نہ کرنا ہماری وساطت کی وجہ سے لوگونکو بدظن کر سکتا ہے اور اس سے علیحدگی اختیار کرتے لیکن جس جس طرح حکومت اور خلائق کو وساطت کے اعتبار کی ضرورت بڑھتی یہ اسیقدر زیادہ کھینچے جاتے - یہ حالت کشمکش کی ضرور تھی لیکن اپنے بچانے اور اس تسکین کی ضرورت تھی کہ ہماری روش کسی کے نزدیک قابل اعتراض نہیں ہے بلکہ ہر ایک کو ہمپر بھروسہ ہے - اسلئے کہ ہمنے حق اور عدل کو اپنے سامنے رکھا ہے - کون کہتا کہ اس لحاظ سے شریفانہ تنفر کا ہونا قابل اعتراض ہوتا - ہونا فطری تھا -

خلق اللہ کے میلان سے بنی ہاشم کا نازک ترین موقع -

بہت ممکن ہے کہ بنی ہاشم کے نوجوانوں کے لئے یہ وقت اس لئے اور نازک ہو کہ وہ خلق اللہ میں اپنی طرف فطری میلان دیکھ رہے تھے - اُنکے حوصلوں کا جوش اس قدر سخت ہو سکتا تھا کہ اُسکے روکنے کے لئے احتیاط کو دشواری ہوتی - وہ اپنی موقع بینی کو اپنی جائز سیاسی حق طلبی کہتے - لیکن انکے لئے بڑی دشواری یہ تھی کہ وہ جسے سب سے زیادہ سیاسی اور روحانی حق تھا وہ علیحدگی کی مثالیں دیتا آتا تھا - اور اپنے اعلیٰ احساسات سے کیسی ہی جائز حق طلبی کو اعتنا کے قابل نہ سمجھتا تھا - جب تک خلق اللہ خود اسکی خواہش نہ کرے کہ تم ہمارے عنانگیر ہو - ہم اس سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ غیر ذمہ دار بنی ہاشم کے لئے یہ صابرانہ روش شیریں نہ ہو سکتی ہو - لیکن حسین کے فرائض اُنھیں بجز اسکے اور کسی خیال کی جرات نہ دلا سکتے تھے کہ اپنے پدر بزرگوار کو حقیقت سے حقیقت میں اپنا امام سمجھیں - اور ہمیں کوئی شبہ نہیں کہ حسین کی عقل اور تربیت کے ساتھ اُنکا پاکیزہ نفس اس روش کو بجز استحسان کے اور کسی نظر سے نہ دیکھ سکتا تھا -

خلیفہ کے آخری استغاثہ پر اپنے اُس ہمدردانہ حس سے جو ہر مجبور کی مدد کے لئے آمادہ کر دیتا تھا۔ جناب امیر نے اُسوقت بھی جس طرح کی مدد دی وہ اسکا ثبوت ہے کہ ہر موقع کے لئے جناب امیر کی تیز نظر کیسا بہترین حل تلاش کر لیتی تھی۔ حل یہ تھا کہ رسول کے نواسونکو حفاظت کے لئے بھیجتے۔ ظاہر ہے کہ یہ مدد کسی دستہ فوج سے زیادہ موثر تھی اگرچہ بڑی مخدوش بھی تھی۔ جسکا اثر ظاہر ہوا کہ باوجود اُس جوش کے جو لوگون مین تھا اور باوجود اسکے کہ اس حالت مین لوگون نے یہ نہ دیکھا ہو کہ کون دار الامارت کی حفاظت کر رہا ہے اور اس یورش مین کسی طرح انھین کوئی زخم لگا ہو یا کسی دور کے رہنے والے کی نادانستہ اور ناشناسانہ حرکت ہو تاہم کوئی شخص یا اشخاص اصل دروازہ سے دار الامارت مین داخل نہ ہو سکے۔ لیکن ایک وقت مین ان نوجوانون کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ ایسی حالت مین چارون طرف کی حفاظت کر سکتے جبکہ ہر طرف سے محاصرہ کرنے والون کا دباؤ پڑ رہا تھا۔ ہوا جو کچھ ہونا تھا اور مجھے یقین ہے کہ حسنین نے اپنے اس فرض کو جسمین غالباً پہلے پہل تلوار اُٹھائی تھی اچھی طرح انجام دیا۔ اور وہ ایک برافروختہ گروہ کے حملہ کو ثابت قدمی سے برداشت کر گئے۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ حسنین کا فرض محض حفاظت اور دفاع تھا خود حملہ کرنا نہ تھا۔ ایسا کرنا موجودہ موقع کے لحاظ سے فوجی بیقاعدگی ہوتی۔

عثمان کے بعد پھر بھی ابھی یہ اصل سوال طے نہ ہوا تھا کہ آیندہ کے لئے امت رسول کا عنانگیر کون ہو؟ اس ہیبتناک سنانے مین پیشتر کا خلیفہ ساز گروہ سانس لینے سے ڈر رہا تھا۔

عثمان کی رحلت کے بعد بھی آل ہاشم کی خاموشی

بنی ہاشم خاموش تھے اس لئے کہ علی اپنی پر وقار کنارہ کشی کو حرکت سے بدلنا نہین چاہتے تھے۔ بنی ہاشم کے لئے اپنے رہنما کی یہ روش بیچینی خیز ہو سکتی تھی۔ بہت ممکن ہے کہ نوجوان یہ سوچ رہے ہون کہ جناب امیر کیا چاہتے ہیں کہ ایسے وقت جبکہ اُنکے خلیفہ تسلیم کرنے مین عذر کی خفیف صدا بھی نہین ہے وہ اس طرح خاموش ہین۔ اور اُسوقت تو اُنکے بے صبری کی انتہا نہ ہوگی جب وہ پے در پے وفود کو خلافت کے پیشکش کے لئے آتے دیکھتے ہونگے اور انکار سنکر واپس جاتے ہونگے۔ پہاڑ گھڑیان گذر رہی تھین۔ دن گذرا۔ رات گذری کئی دن اور راتین گذرین مگر علی ہین کہ اپنے انکار مین کوئی نرمی نہین کرتے۔ بہت سے نہ ہونگے جو یہ سوچے ہونگے کہ علی نے ہمارے پیشکش کو اتفاقی پیشکش نہ سمجھ دیا۔ بعض کا پیشکش رکھا پیشکش کی حیثیت نہ تھی بلکہ وہ حیثیت قبولیت پر منتقل ہو گئی بعض نہ رہے۔ اگر نہ رہے بلکہ تمام افراد کے مسلسل وفود نے اصرار کو سلسلہ بلکہ ایک سیلاب عظیم بنا دیا جو حقیقی جمہوریت اور قومی خواہش کہی جا سکے۔ قومی ہم آہنگی دیکھ بھی چکی کہ منفق علیہ

جسم معہ پوری ہیکل نہین ہے جس سے نظام قومی درست سمجھا جائے بلکہ وہ ایک ذات کو اب اُسکی پوری
شان سے دیکھ رہی تہی جو اپنی رائی پہ اعتبار کی تنہا مثال ہے رہی تہی اور پیروی کے شرائط کر رہی
تھی اور کے آدمی تھے جو اسکا لطف اُٹھاتے کہ علی نے ذمہ داری کے اقرار سے پہلے قومی سانچے کے درستی
کی ابتدا کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اختلاف کی ناموجودگی کے ساتھہ قومی ہم آہنگی کے علاوہ اب اور کوئی بات
علی کو ذمہ داری کے موقع پر نہ دیکھہ سکتی تھی۔

امیر المومنین کی بیعت کے وقت بنی ہاشم کی طبعی کیفیت اور حسین کے دیکھنے کا تماشہ

بنی ہاشم کی اُسوقت کیا حالت تہی جس وقت جناب امیر مسجد مین اظہار قبولیت کے لئے تشریف
لیجا رہے تھے جو گرفتار آزاد ہو رہے تھے۔ مظلوم قوم صاحب اختیار ہو رہی تہی۔ مفلوج اعضا مین حرکت
پیدا ہو رہی تہی۔ تمام وہ قوائے لطیف جنکا حس عالم خواب کی باتین تھین بیدار ہو رہے تہے۔ خلق اللہ
سمجھہ رہی تہی کہ "منہاج النبوہ" کا دوسرا دور شروع ہوا۔ راستون مین بچون۔ بوڑھون۔ لڑکیون اور جوانون کا
جو یا بجر ہا تھا۔ ایک دوسرے پہ بھیرا یا پڑتا تھا کہ کسی طرح امیر المومنین کے دست اقدس کو چوم لین۔ بے اصول
حوصلہ مند سوچ رہے تہے کہ ہم کس طرح علی کے خیالات مین دخیل ہو جائین۔ دشمن مخالفت کا مرکز تلاش کر رہے تھے
اور علی سوچ رہے تہے کہ کس طرح "بدعتون کو متغیر" اور اُن شاہراہون کو جو متروک اور ناپیدا ہو گئی ہین"
روشن کر دین۔ یہ تماشہ تھا جو حسین کے ہوش اور آنکھون کے سامنے گذر رہا تھا۔ حسین اسوقت اکتیس برس
چار مہینہ کے تہے۔ اور پھر اب شاہزادے تہے اگرچہ اُنھین اسکے دنیاوی مفہوم سے کراہت ہو۔

پرانے مخالفین کے بپھرنے کا وقت۔

نہ صرف یہ وقت تھا کہ وہ لوگ جو طبعاً جناب امیر کی ولایت کے قائل تہے بشاش بشاش حاضر ہوتے اور
اطمینان سے سانس لیتے بلکہ وہ بھی جنہین کسی دور حکومت سے کوئی خاص تعلق نہ تھا اس وقت کچھ ایسے ہی تہے
جنھون نے نہ صرف بیعت سے انکار کیا بلکہ انکو ایسی جگہہ رہنا بھی گوارا نہ ہوا جہان علی کی حکومت ہو۔ یہ کوئی
آسمان سے ٹپکے ہوئے لوگ نہ تہے بلکہ وہ جو ایک زمانہ سے اپنی روش اپنا خیال اور میلان صاف ظاہر
کرتے آتے تھے۔ انہین کے اکثر وہ تہے جنکے دل مین زمانہ رسول مین علی کے عروج کا حسد اور دشمنی سرزد ہی تھی
بلکہ ایک زمانہ تک وہ علی کو بے دست و پا بھی دیکھہ چکے تھے اور اُسی کل کے پرزے تھے جنہنے علی کو اختیار
علیحدہ رکھا اب پھر وہ حالت تحیر کے عالم مین دیکھہ رہے تہے کہ ہم وہ کچھہ دیکھہ رہے ہین جسکے دیکھنے کی اب
کوئی امید نہ تھی۔ اور انھین کے اکثر اسکے بعد اسپر آمادہ ہوئے کہ ہم اس عالم کے نہ دیکھنے کے لئے بزور شمشیر
مساعی کرنے مین دریغ نہ کرین۔

اگر یہ قیاس کیا جا سکے کہ حسین اسکے لیے بیچین تھے کہ کسی طرح اُنکے پدر بزرگوار اُنکے جد عالیمقدار کی مسند پر جلوس فرمائیں تو اُن حالتوں کی موجودگی سے جناب امیر کے تردد کا سمجھ لینا جنکا اشارہ کیا گیا اُنکے لیے کوئی بڑی بات نہ تھی۔ لیکن موقع ایسا نہ تھا جس طرح خواہی نخواہی بہت سی باتیں انسان کے آنکھ اور کان کے سامنے سے گذر جاتی ہیں۔ بلکہ اِن واقعات کا شمار خصلت گری اور تصفیہ سازی کے اُن آلات میں تھا جنھیں گہرا اثر ڈالنے میں فطری مہارت ہے۔ میرا تصفیہ ہے کہ امید خیز ابتدا اور گئی ہوئی چیز کے حاصل ہو جانے سے جو کچھ وقتی ہیجان ہوا وہ نہ صرف انکی قوت دار عالی ظرفی سے پست ہوا بلکہ پیش نظر مخالف عناصر نے بھی دبایا اور اِن دونوں متضاد قوتوں نے انھیں اپنی جگہہ اس طرح رکھا کہ گویا کوئی نئی بات ہی نہ تھی اور وے اپنی موجودہ ذمہ داریوں کو بے جذبہ احتیاط سے ادا کرنے لگے۔

سچے دوست اور اُنکا اخلاص چھپنے کی چیز نہیں ہوا کرتی اور اِس لیے ہم امید کرتے ہیں کہ وہ تمام لوگ جنھیں ہم گذشتہ واقعات کے ضمن میں دکھلائے ہیں حسین سے شرف تعارف حاصل کر چکے تھے میں بھول نہیں سکتا ہوں کہ مثال ہے کہ حسین کسی یا چند اصحاب کو "چچا" کہتے تھے۔ اور یہ بھی صاف ہے کہ حسین جنھیں ہم عمر فرماتے تھے وہ قریش کے بڑے (وہ بنیادی مفہوم میں) لوگوں میں نہ تھے اُنھیں ایسا کہنا یا بنی ہاشم میں سے کسی کو اِس طرح پکارنا قبیلہ یا خاندان کے مراسم کے لحاظ سے ہوتا۔ بلکہ وہ عرب بھی نہ ہوتا۔ مثلاً سلمان یا کوئی غیر ممتاز ابنا کا جیسے مقداد۔ اِس لیے کہ یہ "فرزند اسلام" تھے اور اس لیے کہ یہ اسلام کے اوتار میں اِس طرح جذب ہو گئے تھے جس سے انھیں اُسکے مظہر ہونیکا امتیاز حاصل ہوتا اور نہ بحیثیت ایسے مورخ کے جسے زیادہ تر نشو صفات کے آثار اور گرد و پیش کی حالتوں سے بحث ہے۔ میں اسے فروگذاشت کر سکتا ہوں کہ حسین کے خیالات اور عادات اُن تمام تجربے بوڑھوں کے پاکیزگی خیال۔ پاکیزگی عمل۔ صدق۔ توکل بخدا۔ استقلال۔ شجاعت۔ ایثار نفس۔ وغیرہ سے متاثر نہ ہوتے۔ یا انکی موجودگی اور نگاہیں حسین کو اپنی احتیاط۔ حفاظت اور ارتقا کا خیال نہ دلاتیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سب آخری بہ یادگار کا زیادہ موقع حسین کے لیے اپنے پدر بزرگوار کے زمانہ خلافت سے شروع ہوتا تھا۔ اس لیے کہ خلافت میں ممتاز افراد عالم کو اپنے گرد جمع کر سکتی تھی "توریث صفات" اور "تقلید" دونوں حسین کے لیے ایسی تھی جس حد تک پاکیزگی خیال کا ہمارے عالم میں قیاس ممکن ہے۔

ابھی زمانے کے واقعات میں جناب امیر کا عادلانہ برتاؤ دوستوں و دشمنوں سے ہر گذرنے والے کو ان باتوں کی

حسین پر انکا اثر جو جناب امیر کے وفادار دوست یا علی کی پسند کے قابل تھے

شورشوں میں جناب امیر کی متانت کو حسین دیکھتے

جیسے حسین دیکھتے۔ اور خصوصاً تردد خیز حالتوں میں جناب امیر کا اپنی جگہ قایم رہنا اور اس طرح قدم اٹھانا کہ گویا ان تمام شورشوں میں انکی کوئی نوبت نہ تھی کہ جناب امیر کے افعال و خیال اور الفاظ میں کوئی اپنی تحریک پیدا کر سکے دیکھنے والے کے لیے پوری مثال سادگی ہے۔ اسی طرح معاملات کا انکے سامنے آنا اور آنکے متعلق حکم جو عین حقیقت امر کی وضاحت ہوں تو حسین کے لیے آگے کو اسقدر سبق آموز اور طول نظر کے ترقی کی بہترین تحریک تھی کہ اس طرح معاملات پر غور اور تصفیہ کیا جا سکتا ہے۔

جنگ جمل میں حضرت عایشہ کا موقع حسین کے گذشتہ کا واقعہ خوان تھا۔

واقعہ جمل میں کچھ خفا تو نہ تھا۔ لیکن اتنا تو تھا جتنا شخص زیادہ تعارف جانے والے میں بھی مستغرق نہ حالت پیدا کر سکتا تھا اور اگر ہم یہ قیاس کر سکیں کہ انھیں قریب یہ دیکھنے کا وقت حسین کے لیے سات برس کی عمر تک تھا تو کچھ توجہ کی یاد کچھ خاندانی حیثیت کی اطلاعیابی کچھ درمیانی کسی موقع پر کوئی مفید خبر اور پھر اسوقت کی پُرجوش تیاری اور کچھ اعراض خارج۔ کمی ہوش کی ان باتوں کو بھی روشن کر دے سکتی تھیں جو مفصل ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس موقع کا علم جسمیں مخصوص ذات حضرت عایشہ کی ہو ان تمام مواقع اور ضمنی حالات کی آگاہی بغیر نہیں گذر سکتی تھی جسکا موجودہ حالت ایک فطری نتیجہ تھی۔

اور باوجود اُن باتوں کے جو اپنی روشن خیالی اور جماعت کے لیے پریشان کن نظر آتیں حسین کو واقعات کے اس مذاق کا بھی علم ہوتا کہ ہماری ناموافق جماعتیں کیونکر مال کے لیے آپس میں جنگ کرتی ہیں کبھی آپس میں عدم اتفاق کی بنا پر کشیدگی ہوتی ہے اور کبھی شرکت جنگ کے لیے ہر جماعت اپنا آدمی پیش کرتی ہے جو فتح کے بعد والی امر قرار دیا جائے۔ اسوی دور میں حضرت عایشہ کا کمی اختیار اسکی ظاہر پیشگوئی تھی کہ امیر شام انھیں حصول اختیار کی کوشش میں مدد دیتا۔ انھیں صاف اختیار کر دیا ہے کہ اپنی جگہ پر گروہ کو دخل دے تھا۔ انکی شرکت جنگی دیکھنے نافع تھی اسکا وقت گذر چکا تھا۔ اور اس خیال میں اسوی گروہ کہاں تک اور مدد دی کہ ابن عثمان کا فتح کے بعد والی امر قرار دیا جانا اصحاب جمل کے نزدیک مناسب تھا۔

جناب امیر کی صلح پسندانہ روش اور حسین۔

نہ یہ حسین کے نہ دیکھنے کی چیز تھی کہ کس طرح جناب امیر اطمینان شکن خبر کو اطمینان سے سنتے ہیں اور گو [illegible] اخلاق فضیلت میں [illegible] لاتے ہیں۔ اہل کوفہ کی [illegible] سے اور انھیں پہلے اپنے قبضہ میں لانے کی کوشش کرتے ہیں [illegible] وجود قابل اعتبار [illegible] کی موجودگی کے انکا نظم [illegible] کرتے ہیں کہ [illegible] پہلے [illegible] اس کوشش کے [illegible] امام حسین کی [illegible] اور [illegible] قوت [illegible] مخالف گروہ باوجود [illegible] مسلمانوں کے ساتھ [illegible] بلکہ وہ [illegible] یقین [illegible] کہ اسنے

کوئی دلیل نہین سمجھا سکتی جب تک وہ ہین صاحب اختیار دیکھ رہا ہے۔

اپنا اختیار گذشتہ کی ڈھندلی یاد کچھ دشمن کر رہا تھا۔

اور پھر ساتھ ہی ساتھ آج یہ ڈھندلی یاد تھی کہ کس طرح رسول کا لشکر دشمنان دین سے جہاد کرنے جاتا تھا اور ہم اُنکے کاندھے پر بیٹھکر دیکھتے تھے کہ پدر بزرگوار اسلام کا نشان لے جا رہے ہین۔ آج دیکھ رہے ہین کہ محمد حنفیہ یا خود امیرالمومنین علمدار لشکر ہین ہم افسر میمنہ ہین اور آج نظام اسلام کو اپنی حد پر قایم رکھنے کے لے کوشش کرنے والون کے ایک ہین۔ ہر فوجی پڑاؤ پر نواح کے لوگ اظہار اطاعت اور شرکت کے لئے حاضر ہوتے ہین اور امیرالمومنین اُنھین جنگ اور اُسکے خوفناک نتایج سے حتی الوسع دور رکھتے ہین۔

جناب امیر کے فوجی نصائح اور حسین۔

اور پھر یہ بھی دیکھا کہ دلیل اور بحث کا موقع گذرا۔ صفون مین موت طلب سناٹا چھایا امیرالمومنین اپنے غیر جنگی لباس مین صف سے باہر نکلے اِس لئے کہ دشمن کے سب بہادر سپاہی سے بات کرین۔ پھر بھی خون بہا نہ رکا۔ دشمن نے ابتدا کی۔ اپنے سپاہی زخمی ہوئے اور وہ دشمن سے جنگ کرنیکی اجازت طلب کرنے لگے۔ اور اب امیرالمومنین نے انکے چھوٹے بھائی بیس بائیس برس کے اُبھرتے ہوئے نوجوان محمد حنفیہ کو حملہ کرنیکا حکم دیا اور یہ ہدایت کی کہ "بیٹا پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائین سر بہ فلک چوٹیان سرک جائین مگر تو اپنے مقام سے نہ ہٹنا اپنے سر کو عاریتہً خدا کے حوالہ کر۔ اپنے قدمونکو زمین گاڑدے۔ اس قوم کے منتہے پر نظر کر۔ بیشک فتح و نصرت خدا کی جانب سے ہے" حسین اپنے پدر بزرگوار کے پہلو سے یہ الفاظ سن رہے تھے۔

محمد حنفیہ کی جنگ کا منظر اور حسین۔

ہم اُسوقت کا نقشہ کھینچنے اور حسین کے جذبات کی مصوری کے لئے اپنے لفظ یا ترکیب الفاظ کو ناکافی پاتے ہین جسوقت شیر کا فرزند اپنے اور دشمن کی فوج کے درمیانی میدان کو طے کر رہا تھا یا جس وقت اُسکی تلوار کسی اجل رسیدہ پر پہلے پڑی۔ حسین کے متعلق تو یہ خبرین بھی ہین کہ وہ افریقہ اور طبرستان کی مہمات مین شریک ہوئے محمد ابن حنفیہ کا غالبًا یہ پہلا موقع تھا۔ پھر بھی اُنھون نے نہایت بے جگری اور جوانمردی سے اپنے پہلے مشغلہ کو انجام دیا۔ اور اس سے زیادہ دشوار ہے میرے لئے یہ بیان کرنا کہ حسین کس طرح اسکا تماشا کر رہے تھے کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کو میدان جنگ مین جاتے ہوئے کس آنکھ اور دل سے دیکھتا ہے اور اُسکے جذبات کی کیا کیفیت ہوتی ہے اور آیا کچھ ایسے دل بھی ہوتے ہین جو کسی اعلے خیال اور وجہ کے لئے ان جذبات سے بے پرواہ ہوتے جاتے ہین۔ اور پھر محمد ابن حنفیہ کی واپسی پر جناب امیر کی آنکھون نے کس طرح اُنکا استقبال کیا نہین معلوم جناب امیر کی فوجی ترتیب کے لحاظ سے یہ ممکن تھا یا نہ تھا کہ حسین اُنھین بغلگیر کر سکتے۔ اور پھر اسکے بعد اگر اب تک اپنے پدر بزرگوار کو جنگ کرتے نہ دیکھا تھا تو اس وقت دیکھا۔ جیسے منھ مین زبان ہے

شیر خدا کی جنگ کا منظر اور حسین۔

جناب امیر کے اعضاء۔ بشرہ اور نفس کی اُس قوت کا نقشہ کھینچ سکے جو دشمن کو مرعوب کر دیتا تھا لیکن آنکھ دیکھ سکتی تھی اور بیان نہ ہو سکنے والی حالت سمجھ مین آسکتی تھی۔ حسین اب سمجھ سکتے ہین کہ جد بزرگوار کے سامنے کی لڑائیون مین میرا باپ کس طرح لڑتا تھا جس وقت اُنکا تمام فرض یہ تھا کہ لڑتے۔ اس وقت تو خود حکم دینا اور حکم کی ذمہ داریان بھی تھین۔

جنگ کی مختلف حالتین اور حسین۔

تنور جنگ گرم اور ٹھنڈا ہوا۔ ترتیب لشکر۔ تعبیہ۔ لڑوانا۔ لڑنا۔ فتح و شکست۔ فاتح اور مفتوح کی حالت غرضکہ جنگ کے تمام تنوعات آنکھ کے سامنے سے گذرے۔ دوست۔ دشمن۔ سمجھے ہوے اور نا سمجھ جوش کو دیکھا۔ اور پھر دنیا کی وہ شریف ترین ٹھنڈی سانس سنی جو مقتولین کے ملاحظہ کے وقت جناب امیر کے مُنھ سے برآمد ہوئی۔ اور آخر مین یہ بھی دیکھا کہ رحمۃ للعالمین کا جانشین اُمرائے جنگ کے علاوہ مخصوص مخالفین کے ساتھ کیا برتاؤ کرتا ہے۔

جمل کی فتح کے بعد حسین کی امید۔

مین بے تردد سوچتا ہون کہ جنگ جمل کے اختتام پر حسین اس عام خیال مین شریک ہونگے کہ خدا کی حکومت اب پائدار ہوگی اور خدا کے سفیر کا جانشین حدود خداوندی کے قایم کرنے مین کامیاب ہوگا۔ اسلئے کہ یہ ایک زبردست مخالفت تھی جو صاحب اثر لوگون کے ذریعہ سے ہوئی تھی اور جناب امیر نے اسے نہایت کم وقت اور عدم تیاری کے عالم مین تار و برباد کیا۔ نہ مین یہ سوچ سکتا ہون کہ جناب امیر کو ایسی ہی امید نہ ہوگی۔ لیکن جناب امیر اپنی امید مین محتاط تھے۔ اس لئے کہ جناب امیر نے بہت کچھ دیکھا تھا جو حسین نے نہ دیکھا تھا۔ نیز اس وجہ سے کہ حسین اس وقت ذمہ دار نہ تھے علی ابن ابیطالب علیہ السلام ذمہ دار تھے۔

کوفہ مین حسین شاہزادہ کی حیثیت سے داخل ہوتے ہین

جناب امیر کے لشکر مین کوفہ کے اکثر مجاہدین تھے۔ جمل کی فتح کے بعد کوفہ مین جناب امیر کی تشریف آوری سے اہل لشکر اور اہل کوفہ خوش ہوئے اور خوبی سے جناب امیر کا استقبال کیا۔ اس طرح حسین اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ اُس شہر مین بحیثیت شاہزادے کے داخل ہوئے جسے اُنکی آیندہ حیات یا حیات کے بعد سے عبرت خیز تعلق ہے۔ اور چونکہ کوفہ مین ایک غیر محدود وقت کے لئے قیام تھا مین تعریف کرتا ہون کہ حضرت زینب اور ام کلثوم بالخصوص اور دیگر بنی ہاشم نے بالعموم اسے اپنا گھر بنایا جنمین مین خصوصیت سے اولاد جعفر و عقیل کا نام لیتا ہون جنھین جناب امیر کی دامادی کا شرف حاصل تھا۔

کوفہ کا قصر امارت اور حسین۔

یہ معلوم ہے کہ جناب امیر نے قصر امارت مین سکونت اختیار نہ کی۔ ظاہر ہے کہ یہ فعل جناب امیر کے اُس حس تقوی کی بنا پر تھا جس سے وہ جناب دنیاوی تلذذ کے کسی مفہوم سے اپنے کو آلودہ نہیں کر

تھے لیکن واقعات کی فطری روش تقسیم مین کچھ ذرات عادت مستمرہ سے الگ شامل کرتے ہونگے اگر یہ کہا جائے کہ زمانۂ آیندہ کے بہبود و اتفاقات کے علم نے انھین اسکے انتخاب سے باز رکھا۔ اور ایک گونہ کی حالت جو لی جو غیر فطری نہین کہی جا سکتی اگر یہ سوچا جائے کہ علی کا قلب مستقبل زمانہ آیندہ کے متعلق بعض امور یا محسوس کرتا تھا جسکے معنی صاف ہون یا نہ ہون لیکن افسردگی سے یہ تصفیہ کر رہا تھا کہ نہ رہو یہان۔ کیا ضرور ہے کہ کوئی کمال لگا ہی کچھ مین آ جائے۔ زمانہ بہترین شارح ہے!

قصر امارت مین نہ رہنے کی احتیاط لوگون اور خصوصاً بنی ہاشم کے لیے جنکے دن امید اور حوصلے کے تھے ایک تنبیہ تھی کہ اپنی جگہ پہچانو۔ اسے اگر بنی ہاشم کے طرز عمل کو درمیانی زمانہ نے مبہم بھی کر دیا ہو تو اپنے افسر خاندان اور امام کی تین روش نے انھین پھر سنبھال دیا۔ لیکن رہنا یا نہ رہنا اسکا مانع نہ تھا کہ بعض امور بات وہان نہ ہوا کرتا۔ قصر امارت خلافت کی ضرورتون مین آیا علی ابن ابیطالب کے لیے نہ تھا۔ اس طرح حسین نے اپنی حیات مین نہ صرف اس جگہ کو دیکھا بلکہ حکم کے تابع پایا۔ جیسے آیندہ زمانہ مین معلق انکا سر مبارک دیکھنے والا تھا۔

خطبات نہج البلاغہ اور حسینؑ۔

اس طرح ہم حسین کی حیات کے اس زمانہ تک پہونچ گئے جسمین ان حیرت خیز خیالات کا اظہار ہوا جو اب اسلام کی خوش نصیبی سے خطبات نہج البلاغہ کے نام سے ہمارے پاس موجود ہے جنکی ہم دین شرح اور مطالب علامہ سید رضی۔ علامہ ابن ابی الحدید اور علامہ ابن میثم بحرانی کو تسکین ہوتی۔ اور جو کتاب شیعہ کے بعد در [illegible] بڑی سمجھی جاتی۔ لیکن اسلام کے ان مشہور محسن علماء کا فقیہ ان سے جنہون نے [illegible] پایا تھا جنکے خاموش [illegible] کا سمجھنا ہر ایک کے تمیز۔ درجہ معلومات اور بلندی خیالات پر موقوف تھا۔ وہ یقین کے ساتھ یہ طے نہین کر سکتے تھے کہ حکیم اسلام کے انداز کسی مخصوص نقطہ یا فقرے کے کیا معنی سمجھا ہے۔ انھین یہ فوقیت تھی کہ آواز کی گرمی اور لہجہ کی راستی سے سمجھتے اور روئے مبارک کا فوری عکس خیالات کو روشن کر جاتا۔ بیت معاشی [illegible] ایسے مین جنکے متعلق واضح تاریخ نہین کہی گئی جنکا اس وقت جاننا آسان تھا۔ لیکن حسین اس زمانہ مین تھے۔ علی کے زیر تعلیم رہنے کا فخر تھا۔ الفاظ اور فقرات کو اپنے کانون سے سنا اور انداز بیان کو اپنی آنکھون سے دیکھا تھا۔ اور تقریر کا وہ اثر پایا جو کی وہ ادا جو کبھی سننے والے کے ذہن سے محو نہ ہو سکتی حسین کا غیر فانی خزانہ تھی۔

لیکن یہ فخر ہے کہنا کہ حسین نے خطبات نہج البلاغہ کو سنا تھا یہ کہنے کے لیے کافی نہین ہے کہ حسین نے کیا

سنا تھا یہ ایک بہت بڑا مضمون مطلوب ہے جسکی میں یہاں جرأت نہیں کرسکتا بلکہ حافظہ سے چند مضامین کے نام
لیتا ہون جس سے یہ سمجھا جائے کہ کس حیثیت کے مضامین حسین کے اس دور تعلیمی پر موشح تھے۔ مقولے۔
توحید و رسالت۔ اسلام۔ حیات بعد الموت۔ عبادت۔ انسانی ذمہ داری۔ حقوق اور فرائض
دنیا اپنے ہر پہلو سے۔ امید اور عقل۔ سچائی اور نجات۔ حسد اور صحت۔ وجہ خلقت۔ عورت۔ مرد انسان
کی کمزوریوں پر نظر۔ رحم اور درگذر۔ مذاہب کی حالت۔ حدوث و قدم۔ تکوین خلقت۔ نفی رویت۔ قومی
ترقی اور زوال کے اسباب۔ مثالیہ حکومت۔ جابر بادشاہوں کا طرز عمل۔ بہبودی عام۔ رعایا اور بادشاہ
طریقہ خراج صدقات و زکوٰۃ کے حکم۔ دیوانی۔ اور قومی عہدوں کے متعلق ہدایتیں۔ ذوقی۔ مجاہدہ نفس۔ فرشتے۔
قرآن۔ غرضکہ اتنی باتیں جسکی صحیح فہرست اُس وقت دیکھا سکتی ہے جب بعض مضامین کی فہرست بنانے کے لئے
کتاب دیکھی جائے۔ اور کوئی تعجب نہیں ہے کہ کثرت کار کی وجہ سے باوجود ابو رافع کی موجودگی اور خود واقعات
تحریر فرمانے کے اسکا موقع آتا ہو کہ مفید احکام خود حسین سے بھی لکھوائے جاتے ہوں۔ نہ حسین اُس محاورۂ خط و کتابت
سے ناواقف تھے جو جناب امیر اور معاویہ میں ایک زمانہ تک جاری رہیں۔ اسکے علاوہ نہج البلاغہ بجائے خود اُس
زمانہ کا فلسفہ تاریخ ہے جس سے نہ صرف بہت سی باتوں کے اسباب و نتائج سمجھ میں آتے ہیں بلکہ اکثر واقعات
اس وضاحت سے معلوم ہوتے ہیں جس کے بعد تسکین کی کمی نہیں رہتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ زیر ذکر واقعہ کا نقشہ
آنکھوں کے سامنے رکھ دیا گیا ہے۔ تو اگر ابتک بھی اس قیاس کی گنجائش ہو کہ کچھ واقعات تھے جو اپنی پوری حیثیت
سے حسین کے علم کے باہر تھے تو ان تقریروں کے بعد انکے علم کے اندر تھے۔ اور جن استعارات کو ہم اُس وقت
تاریخی تشریح کے نہ ہونے یا اس طرح زمانہ کے گذر جانے سے نہیں سمجھ سکتے قرب زمان نے اسے حسین کو پوری
طرح سمجھا دیا ہوگا۔

جناب امیر کی چند سالہ حکومت کا اثر۔

اس زمانہ میں جناب امیر کو اسقدر مہلت ملی کہ وہ یہ استغنائے شام اُن تمام صوبجات پر عامل روانہ
فرماسکے جہاں وہ اب تک خانگی سخت مشغولیت کی وجہ سے نہ بھیج سکتے تھے۔ یہ استحکام کا ایک فطری اقدام تھا
اور انھیں دنوں کی تھوڑی سی مہلت میں بغیر کسی فروگذاشت کے جس قدر کام ہو سکے اُسنے جناب امیر کی روش
خیال کے اس قدر نقش بٹھا دیئے جنکا فنا کر دینا اُموی اور عباسی حکومتوں کے لئے ناممکن ہوا۔ اور پھر کچھ زمانہ
کے بعد ملوک و بالمر اور خلفاء فاطمیہ کے زمانہ نے پھر اسمین ایک حیات کی سی کیفیت پیدا کر دی۔ یقیناً ہم ان
باتوں کے متعلق جنمیں سے چند کے اوپر نام لئے گئے نہیں بیان کر سکتے ہیں کہ نفس رسول کا کیا خیال تھا اگر ایسا وقت

تہ آگیا جسمین اُنھین بغیر کسی سیاسی احتیاط کا دباؤ محسوس کئے ہوئے کچھ کہتا نہ ملتا۔ علی کی روش نے جیسے سخت امتحان دے وہ اپنی قوی لنفسی کا بہترین ثبوت ہے۔ ایک نظام جو تین چار برس قایم رہا۔ ایک ذات کی بدولت تہا۔ وہ حیات کے ایسے قوی عناصر سے مرکب تہا جسے صدیان متغیر نہ کرسکتین! اس قوت کیوجہ اُسنے بلاشبہ رسول کی حیات کے اُس زمانہ مین قایم ہو جکی تہی جسمین علی کو حصول تعلیم اور اظہار صفات کا موقع ملا تہا۔

معاویہ کا تدبر اور علی

عمّال اپنے اپنے عمل پر جارہے تہے اور ادہر جناب امیر یہ خبرین بہی سُن رہے تہے کہ ابن ابوسفیان کس تاک مین ہے۔ معاویہ کیسا ہی مدبر اور لوگون کے نگاہ مین اپنے خاندانی قدامت کے لحاظ سے کیسا ہی اثر کیون نہ رکھتا ہو لیکن وہ اپنے تمام تدبر اور وقار مین علی کے سامنے بے پردہ کھڑا رہتا۔ علی اُسے ابتدائی زمانہ سے اسوقت تک ہر صورت اور خیال مین دیکھہ چکے تہے۔ اُنکے نزدیک اُسکی تمام سیاسی چالین ایسا فریب تہین "جو بچون کے دودھ چھڑانے وقت کیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہین کہ اُسکا کوئی فریب مجھسے پوشیدہ نہین ہی بلکہ کہتے ہین کہ "اگر مکاری بے عقلمندی اور سیاسی تدبیر بہی جاسکے تو مین مدبر ترین مردم ہوتا" تو کیسی ہی خبر کا آتا کہ معاویہ مخالفت۔ تیاری اور جنگ کے لئے سامان کر رہا ہے علی کے نزدیک کوئی ایسی خبر نہ تہی جو اُسکے تحیر کی باعث ہوتی۔ معاویہ وہی تہا جسے آج سے تیس برس قبل لڑتے دیکہا تہا۔ علی وہی ہے جسنے اُسکے گہر کو صاف کر دیا تہا۔ بنی امیہ اُسوقت کفر کی حفاظت اور اپنے اظہار اقتدار کے لئے لڑ رہے تہے۔ آج حفاظت کفر کا اعلان ممکن نہ تہا۔ تدبیر بالضد نہین ہوسکتی تہی تدبیر بالمثل ہوسکتی تہی۔ لیکن اصل وجہ یعنی اپنے اقتدار کی حفاظت اور بنی ہاشم کو صاحب اقتدار نہ دیکہہ سکنا ویسی ہی تہی۔ علی آج بہی حفاظت اسلام کر رہے تہے لیکن کفر کے مقابلہ مین نہین بلکہ اُس سے مضر تر دشمن سے۔ جو علی الاعلان اصول اسلامی کی مخالفت نہین کرسکتا تہا بلکہ جو اپنے طرز عمل کو جو ایک معاملہ تاریخی ہے بلحاظ ایک بڑی جماعت کے سیاسی حاکم ہونے کے صریحًا یا غیر صریحًا اسلام کا قایمقام سمجہاتا تہا۔ اور اتفاقات نے عوام الناس کو بہی ایسا ہی سمجہا یا تہا۔ اُسکا مذہب ہمارے زمانہ کے دور الحاد کی سیاست تہی اُسکا ایمان اختیار تہا اور اُسکے اصول وہ تہے جس سے وہ کسی طرح اپنی جگہہ مضبوط رہ سکے اور چونکہ اسکی مثالین گذر چکی تہین کہ کوئی راست گو نکتہ چین صاف گوئی کی جرات پیدا نہ کرسکا ہوا دیکہتا اور چونکہ زمانہ حق پسندی کی قوت کو اپنے بعد اور مدت کے لحاظ و نیز اُن نسلون کی کمی معلومات کی وجہ سے کمزور کرتا جاتا تہا جنہون نے تغیرات نہ

دیکھتے تھا دبے ہوئے لوگ خوف سے اصل واقعات ودیعت نہ کرتے تھے یہ امید موہوم ہوتی جاتی تھی کہ
اس مخوف تاریکی میں کسی طرح کسی خفیف روشنی سے کوئی شگاف ہو سکے۔ کسی کا شریعت اسلامی کا پابند
ہونا اسکی تلوار سے محفوظ ہونیکا پروانہ نہ تھا جب تک وہ اظہار اطاعت میں بھی سرگرم نہ ہو جس طرح
شریعت اسلامی کا پابند ہونا اور زکوٰۃ نہ دینا یہ سیاسی فتوے شائع کرسکتا تھا کہ اُنسے قتال جائز ہے
اُنکے نزدیک لوگون کا حق یہ نہ تھا کہ کچھہ دخل دے سکین بلکہ دیکھین کہ کیا کیا گیا اور بس۔ اُسکے عمال
اور اہل شورے کی فہرست دی گئی جس سے سمجھا جاسکے کہ یہہ لوگ کس قوم کے تھے اور انکی مصلحت کا شعار کیا
ہوسکتا تھا۔ اور اگر کبھی آیندہ جمہور نما کارروائی بھی کیگئی تو ایسی جسپر استبداد کو ناز ہو۔ جس سے بڑہکر
خلق اللہ کو غیر فطری صدائے چیخنا نہین سکہایا جاسکتا اور نہ کبھی وہ جسپر لوگون کو بھروسہ ہو کہ ہمارا
حاکم ہونے کی وجہہ سے ہمین اچھی راہ چلائیگا اِس سے بڑہکر اپنی ذاتی رائے کے لحاظ سے لوگون کو
غلط راہ لیجا سکتا ہے۔ نہ اِس سے زیادہ خلق اللہ کے اعتبار اور بول نہ سکنے والے ناسمجھون کے
ساتھہ مہیب کھیل کھیلا جاسکتا ہے۔

تو معاویہ کے دور حکومت سے امید کرنا کہ وہ ارسطو کے مثالیہ حکومت کا نمایندہ ہوتا امید کو فریب
دینا ہے۔ جسمین اگلے زمانہ کا وہ فلسفی اسٹیٹ کو وہ مرکز سمجھتا ہے جہان انسان کی غرض خلقت تکمیل
کو پہونچتی ہے اور اسٹیٹ مجموعہ ہے اُن تمام تحرک کا جسمین انسان کو اپنے قوائے ذہنی اور خارجی
استعمال کا موقع ملتا ہے اور اسٹیٹ ذمہ دار ہوتی ہے کہ وہ عامہ ناس کی بہبودی کی فکر کرے۔ ہم
نہین جانتے کہ علامہ ابن خلدون جن سے بڑہکر ابن ابوسفیان کا بجاٹ تلاش کرنا اُنکے ساتھہ ناانصافی
ہے اپنے اس دعوے کو معاویہ کے لیے کسوٹی قرار دینگے یا نہین کہ "امام ایسا شخص ہونا چاہیے جو جمہور کے
حقوق کا لحاظ کرے اور جسکے لئے نیکی کی راہین آسان کردے خواہ وہ ذمی ہو یا مسلمان" مین کیسے
انکار کرون کہ مسلمانون کے لیے نیکی کی راہین آسان کی ہون یا نہ کی ہون کم سے کم ذمیون کے لئے اِس قدر
آسان کردی تھی کہ وہ کسی مسلمان کو زہر دیکر اپنے عقائد سے آخرت کی بڑی نیکی اور دنیا مین حاکم اسلام
کے مردم شناس خوداسے ناشناس نہ ہوتا۔ اور اس طرح امام اپنے ایک مقدوش ناثر دار شخص کو وہ مرکے
کیلئے ذمی کو بھی اپنے مشورہ مین شریک کرتا ہے۔ بلکہ اُسکے چلکر وہ عورتون کے حقوق کو بھی بیسوین صدی
سے اس قدر نمایان حیثیت سے تسلیم کرتا ہے کہ ذمیہ کو بھی شریک کر کے اُسکے نواسے کو زہر دینے کے لئے

کام مین لاتا ہے جس نے علاوہ ارسطو اور افلاطون کے نظریات کو اس طرح دکھایا جمہوریت کا بہترین
قوم گرجیت کئے بغیر نہین رہ سکتا جس وقت وہ اپنی سیاسی احتیاط اور تعصب سے پاک
ہوتا ہے۔

جناب امیر بنی امیہ کی روش اور اُسکے ممتاز افراد کو نہ صرف اُنکے قبل الاسلام کارروائیون سے جانتے
تھے بلکہ اپنی خلافت کے قبل اُنھین بہت موقع ملا تھا کہ انتشار کی حالت مین بنی امیہ کا طاقت پاتے دیکھین اور
اونکے طریقہ حکومت سے خلق اللہ کی بے اختیار چیخ بھی سنتے۔ اور اپنے حاکم ہونے پر یہ دیکھنا تھا کہ اب
شام اُنکا مرکز ہوا ہے۔ جناب امیر کا پہلے یہ موقع تھا کہ وہ خاموش دیکھتے لیکن اب خلق اللہ کی جمہور نے
اُنھین اپنا امام تجویز کیا تھا اور اب اُنھین احساس تھا کہ ہم علاوہ سردار مین۔ اور اسلئے کہ ہم مثالیہ حکومت
کا تذکرہ کر رہے ہین۔ ہمارا یہ چاہتا کہ ہم جناب امیر کے مثالیہ حکومت کو کچھ پیش کرین یہ سمجھانے کا ایک ذریعہ
ہوتا کہ جناب امیر اس دور سیاسی کو گوارا نہین کر سکتے تھے جسکا خوف تھا۔ اور خود بھی ایک نظام حکومت
کو نافذ کرنا چاہتے تھے جو اپنی اسپرٹ اور عمل مین قطعاً دوسرے مرکز پر تھا۔ طوالت کا خوف ہمین زیادہ حکایت
اور مقابلہ یا شرح کی اجازت نہین دیتا۔

مین ایک بیس بائیس صفحات کے فرمان کا محض نام پیش کرتا ہون اور بیسوین صدی کے سخت ترین بڑے
سیاسی نقاد کو مدعو کرتا ہون کہ وہ امام اول کے مشہورہ ہدایات پر حملہ کا کوئی جوف تلاش کرے۔
اے کاش کہ مسلمان ہمیشہ اسپر عمل کرتے اور اے کاش کہ دنیا کی وہ قومین جنہین اختیارات ودیعت کئے گئے ہین
اُسکی اسپرٹ سے فائدہ اُٹھاتین۔ اے کاش کوئی مسلمان ایسا نہ ہو جو اس خطبہ کا اصل یا ترجمہ پڑھ سکتا
ہو اور نہ پڑھے اگر وہ تمام خطبات نہین پڑھ سکتا۔ میری غرض اُن وصایا سے ہے جو جناب امیر نے مالک اشتر
کو حاکم مصر مقرر کرنے وقت کئے تھے۔ اس وصیت کا وقت بعد جنگ صفین ہے جب بظاہر یہ امید تھی
کہ اب اندرونی اصلاحات مین مشغول ہو سکین گے اور وصیت اُس شخص کو کی گئی ہے جسکے سیاسی خیالات
ہم گذشتہ ابواب مین لکھ چکے اور جسکی جنگی کارروائیون کے متعلق ہم بہت کچھ لکھ چکے ہین۔
کوئی کہیگا کہ حسین کے سوانح نویس کو مثالیہ حکومت کے نظام اور کسی نظام حکومت کی تفصیلی شاہرہ سے کیا
تعلق شیعون کی کارروائیون سے کیا بحث ہے ہمارا خیال کہ وہ مثالیہ حکومت حسین کا نصب العین بھی تھا ہو
شاید اردو نہ تھا لیکن اُنکے پدر بزرگوار کے خوب تجربہ اور علم تاریخ الٰہی کا نتیجہ ہے جو اونکے خطبہ

مصر کا حاکم مقرر کرنے کے وقت مالک اشتر کو جناب امیر کی ہدایات۔

نگرانی کا اظہار تھا جسمین چند اہل جاہ اور ثروت منظور نظر قرار نہین دیئے گئے تھے اور عامہ ناس کی وزنی لاش اپنی جگہہ نہین چھوڑ دی گئی تھی جسکا ثقل قومی اعضاءین التیام نہ پیدا کرسکے بلکہ دبتا جائے اور معاشرتی طبقات پیدا ہوتے جائین بلکہ یہ سُننا تھا کہ" عوام الناس کا غضب خواص کی خوشنودی کو باطل کرتا ہے اور خاص لوگوں کا خشم عوام کی خوشنودی کے ساتھ بخشا جاسکتا ہے" یا سُن رہے تھے کہ قوت اور طاقت عامہ ناس مین ہے"۔ نظام ایک نا ہموار قومی جمعیت کے ہموار کرنے کے لیئے یا پست بلند کئے جاسکتے ہین یا بلند پست کئے جاسکتے ہین۔ شق اول جہان رعایا کے قابل ہمدردی طبقہ کی دستگیری ہے وہان شق ثانی مصالح کے لحاظ سے کیسی ہی مفید کیون نہ ہو نا انصافی سے خالی نہین ہے۔ بنی امیہ اور وہ جن سے انھون نے امورات سیاسی مین سبق لیا تھا بلند کو بلند کرتے تھے اور پست کو اپنی جگہہ چھوڑ دیتے تھے جسکا نتیجہ قومی معاشرت کے لحاظ سے ایک بدنما افتراق تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ صاحب اثر واقف اور شریک تھے عامہ ناس جاہل اور بے اثر رہتے تھے۔ یہ قومی عناصر کے قوی کرنیکا اصول نہ تھا بلکہ قومی ناہمواری بڑھتی جاتی تھی۔ فطری انفرادی عروج و زوال سے اجزا علیحدہ ہوتے جاتے تھے جس سے ایک قوم سیاسی عدم مساوات کی بدولت اپنے ٹکڑے کرتی جاتی تھی۔ حکومت ایک متوازن تھی آلہ انجاد نہ تھی۔ اِسکے برخلاف اسلام پست کو بلند کرتا تھا اور بلند کی بلندی سے کوئی تعرض نہ کرتا تھا جس سے کسی کو کوئی منصفانہ اعتراض کی گنجایش نہ تھی۔ حسین کا موقع چاہتا تھا کہ وہ اس سے واقف ہوتے کہ چرواہا بھیڑون کے کھانیکے لئے نہین ہے بلکہ اُنکی ہر طرح کی حفاظت کے لئے ہے۔ اِسلئے نہین ہے کہ اُنکا رزق کھا جائے بلکہ اُنکی آسودگی کی فکر کرے۔ حسین کو رومی اور ایرانی نظام حکومت اور ایک ایسے نظام کو سمجھنا اور فرق کرنا تھا جو ملہم من اللہ کا جاری کردہ قانون یا اُسکے احکام کی روح سے متاثر تھا جسے جناب امیر نے فرصت پاتے ہی جاری کیا اور جس سے مغائر نظام کے نفاذ سے اسکے پیشرو خوش نہ تھے۔ پڑھو اور تمیز اثر ہوگا کہ خدا کے سفیر کا شاگرد بول رہا ہے۔ اسلام بول رہا ہے۔ خدا کا نمایندہ حکومت۔ حکومت اور مخلوقات کے فرائض بیان کر رہا ہے۔ جناب امیر کا یہ نظام تھا جسکے علاوہ حسین کی پسند کے لئے کوئی موجود کرنا مغالطہ کی سب سے بھدی کوشش ہوگی۔ یہ نہ صرف حسین کے گھر کا شائع کردہ اصول تھا بلکہ اُنھین ایسے نظام حکومت مین بسر کرنیکا بھی موقع ملا۔

آیندہ کے سیاسی موقع کا انعکاس۔

حسین کو جناب امیر کے بعد بہت کچھ دیکھنا تھا جس سے بڑھکر اُنکے لئے کوئی روح فرسا اور نفرت خیز منظر تلاش کرنا بے سود ہوگا۔ بلکہ حسین کے اتفاقی یا ارادی نظام تربیت سے عدم تالیف کی مثال

ہوگی۔ آگے موقع آنے والا ہے جہاں شاید بعض کے موافق حسین پر سلطنت طلبی کا خیال عاید کیا جاسکے اور ہمیشہ کے لیے اسے منظور کر لینے پر یہ سوال پر لطف ہوگا کہ تو پھر حسین کی نگاہ مین کونسا مثالیہ حکومت ہوسکتا تھا؟ اور اس صورت مین بھی یہ کوشش مدوح تھی یا نہ تھی۔ حالانکہ یہ زبردست سوال اسکے پیچھے رہیگا کہ آیا اپنے موجودہ سامان کے لحاظ سے حسین کے لیے بجز اپنے قربانی کے یہ سوچنا ممکن تھا یا نہ تھا کہ اس سے ہمین کوئی نفع ہوگا یا نہین بلکہ اسکے بعد بھی یہ قربانی رہے گی۔ قربانی کے حقیقی مفہوم مین۔

یہ تو ناظرین کے بطور خود تصفیہ کی چیز ہوگی کہ حسین اپنے غیر کے نظام حکومت سے اب سے متنفر ہونے لگے اور کون کونسی حالتون نے نفرت کے مدارج مین ترقی دی۔ اس وقت تو مثالیہ حکومت کے ضمن میں ہمین یہ کہنا ہے کہ یہ ہونیوالا نہ تھا کہ علی کا عامل اپنے امام کے وصایا کے ساتھ اسپے عمل پر پہونچتے ہی پاتا جہ جائیکہ وہ اس مرکز سے حکومت شروع کرتا اور اسکی باضابطہ اطلاع ان مضامین کے متعلق پالی جاتی۔ زہر کے ایک قطرے نے عالم سیاست کے اس پر امید تجربہ کا موقع آنے دیا اور لازماً اسکے اقتصادی نتایج نہ دکھائی دیئے۔ حسین اس سے واقف ہو۔ حسین زہر دینے والے اسکی غرض اور خیال کو جانتے تھے بلکہ اسکے باپ کے بے احتیاط جوش کو دیکھ چکے تھے۔

لیکن ایسے تو ابھی دیر تھی کہ حسین اپنے علم اور ارادہ کے ساتھ کھڑے ہوتے ابھی تو انہین یہ دیکھنا تھا کہ میرے پدر بزرگوار اپنی ذمہ داری کے فرض کے ادا کرنے کے لئے مستعد ہو رہے ہین اور اپنے ایسے دشمنون کے مقابلہ مین جنگی روش نصف صدی کے تجربہ پہ اُتر چکی ہے نہ صرف بوجہ احتیاط سے کام لے رہے ہین بلکہ اُنکے کسی فعل کی نیت بجز اصلاح۔ عدم تفرقہ اور پابندی احکام الٰہی کے کچھ اور نہ تھی۔

حسین اپنی قوت کا اعادہ [illegible] کرتے ہین۔

سوتہ اور حران مین مالک اشتر کی کارروائیان اپنے دشمن کے مقابلہ مین سنیںین۔ جو گویا تمہید تھی صفین کے خبر آرمائی کی۔ اپنے پدر بزرگوار کو اپنے مختلف عمال کے پاس فرامین ارسال فرماتے دیکھا اور یہ سلسلہ دیکھتے ہے کہ مختلف مقامات کے حکام فوج اور سامانون کے ساتھ پہونچنے لگے۔ پھر جوش فوج کا ابتہاج۔ اخلاص پسند افسرون کا شاندار معائنہ۔ تجربہ کار سپہ سالارون کی [illegible]

اور انتظام اور ہر سب کا امیر المومنین کے سامنے اس طرح جھکنا اور اطاعت کرنی وہ ناقابل سہو طلبی شان جو خوف اور تحواہ سے ممتاز ہو ایک ایسا منظر تھا جسے دنیا نے بہت نہیں دیکھا ہے۔ میرے پاس اس استنباط کی وجہ نہیں ہے کہ موسی۔ یوشع اور داؤد کو ایسا پر اخلاص منظر کبھی دکھائی دیا اگرچہ وہ فوجوں کے افسر رہے۔

مقدمہ فوج کو تجربہ کار افسرونکی ماتحتی میں روانہ ہوتے دیکھا اور دشمن کے مقدمہ کی شکست کی خبر سنی راستہ میں فوج فوج لوگونکو استقبال کیلیے حاضر ہوتے دیکھا۔ یہانتک کہ پانی کے اس جسم بسیط کے پاس پہونچے جسکا نام فرات تھا۔ اور جسکی نرم اور صاف لہرین نینوہ کے ریگستانی ساحل کو ٹھکرا تی اور عجیب صدا پیدا کرتے ہوئی اس وقت کے تھکے ہوئے سپاہیونکا آرام دہ استقبال کرری تھیں۔ فوجی افسر جانکا کوچ اور کسل مند سفر کے بعد ایسے موقع پر اپنے بچون پر سے نظامی تربیت کی نگاہ اٹھا لیتے ہیں۔ دم لینے دیا جاتا ہے اور پیاسے سپاہیونمین ٹھنڈے پانی کا ایک گھونٹ پھر حواس پیدا کر دیتا ہے۔ سپاہیون کے بے قاعدہ جھنڈ لب ساحل پر پہونچتے ہین اور اطمینان سے فطرت کی فیاضی کا لطف اٹھاتے ہین۔ ٹھنڈی۔ لطیف۔ کھیلتی ہوئی ہوا جان ڈالتی ہے اور خود بخود ایک سکون کا سناٹا چھا جاتا ہے۔

فرات کے دو منظر اور حسین۔

کون جانتا ہے کہ اسوقت کہین ساحل پر پہونچکر جناب امیر نے گھوڑے کی لگام روک لی ہو۔ حسین بغل مین موجود ہون اور ٹھنڈی ہوا کے ایک موج کے لئے بند قبا کھول دئیے ہون خاموش کچھ دیر گرد پیش کے منظر دیکھتے رہی ہون اور گھوڑے کنوتیان بدل رہے ہون۔ کون جانتا ہے کہ یہ وہی جگہ ہو جس سے حسین کے آخری وقت کو تعلق تھا اور وہ ایک جم غفیر سے جنگ کر کے بڑھتی ہوئی پیاس مین یہان پہونچے۔ اسی گھوڑے کی لگام ڈھیلی کر دی اور بند قبا کھول دیئے۔

کنار فرات کے ذبیحے متعلق مختلف زمانونکے مماثل خواب اور ملتے ہوئے الفاظ۔

کونسا موقع ہے جسکے بعد جناب امیر کے خواب کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ خواب حسین دکھائی دیتا ہے کہ کھجور کے درختون کی شاخین زمین پر اپنے سر پٹک رہی ہین۔ میدان مین خون جوش مار رہا ہے۔ اور حسین اسمین غوطے کھا رہے ہین۔ آہ پھر نائب رسول اس یقین کی حد تک متاثر ہے کہ حسین کو طلب فرمایا ہے۔ صبر اور ثابت قدمی کی نصیحت کرتا ہے اور مصیبتون کے لیے تیار رہنے کی ہدایت فرماتا ہے۔ ہم کیون حیرت زدہ ہون اور تخیل کی جولانگاہ مین کھو جائین جب یرمیاہ ۴۶ باب کی دسوین آیت

لکھتی ہے کہ "خداوند رب الافواج کے لیئے اُتر کی سرزمین مین دریائے فرات کے کنارہ ذبیحہ مقرر ہے"
یا مکاشفات یوحنا مین "بّرہ" اور اُسکی معصومی و اُسکی صفات اور حقوق کا تذکرہ ہے۔ کیا حق تھا توریت
اور انجیل کے اوصیا کو جو قرآن کے نبی کے وصی کو نہ ہوسکتا اور ایسے ہی مکاشفات اُسے نہ ہوتے۔ اگر یہ
تینون باتین کسی کے تحیرت خیز مناسبت تاریخی رکھتی ہین اور تین پیشگوئیونکے اکثر الفاظ ملتے ہین تو وہ محض
حسین کی شہادت ہے۔ یرمیاہ کا زمانہ دور تھا یوحنا کا زمانہ دور تھا اگر اُنسے سوال بھی کیا جاتا تو وہ
صحیح جواب نہ دے سکتے تھے لیکن زیر ذکر زمانہ تھا کہ یرمیاہ کے "ذبیحہ" اور یوحنا کے "برّہ" کو "یدالله" اپنی
ہتھیلی کی سایہ مین لے لیتا اور فرماسکتا کہ دیکھو خدا کے حقیقی تخت کا مالک میرا یہ فرزند ہے!

ہم بعض سلسلہ خیال کی وضاحت کے لیئے ابراہیم اور اسمعیل کے قصہ کا اپنے "ہدایت نامہ" سے ترجمہ
پیش کرتے ہین کہ "اے فرزند مین خواب مین دیکھتا ہون کہ مین تجھکو ذبح کر رہا ہون پس تو سوچ کہ تیرا دل
کیا کہتا ہے۔ کہا۔ اے باپ! جو کچھ تمکو حکم دیا جاتا ہے کرو۔ تم دیکھوگے کہ انشاءالله مین اسکو برداشت
کرونگا۔ پس جب دونون راضی ہوگئے اور (ابراہیم نے اسمعیل کو) ماتھے کے بل لٹایا تو ہمنے اُسے پکارا کہ اے
ابراہیم تونے اپنے خواب کو سچ کر دکھلایا۔ بیشک ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہین احسان کرنے والونکو۔ بلاشبہہ
یہ تو بہت ہی سخت امتحان ہے۔ اور ہمنے اسے ایک بڑی قربانی کے بدلے بچالیا۔ اور اُسکو پیچھے آنیوالون
مین چھوڑا۔"

"و یا بنیّ انی اریٰ فی المنام ... وترکنا علیہ فی الآخرین"
(والصافات)

کون جانتا تھا کہ ابراہیم کا رویائے صادقہ ایک آگ ہوگی جسکی چنگاریان مختلف نفوس مذکرہ سے نکلینگی
شواہد النبوۃ مین حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ اُنھون نے جناب رسالتمآب کو متغیر اور پریشان دیکھا اور
حضرت ام سلمہ کے سوال پر فرمایا کہ "امشب مرا بہ موضعے بردند از عراق کہ آنرا کربلا گویند و جائے قتل حسین
رضی الله عنہ و جماعتے از فرزندان مین نمودند"۔ رسول الله کے اس رنج کو بھی دیکھینگے کہ اُنکے ممبر پر بندر چڑھ
آئے ہین۔ مکاشفات ہونگے اور حسین کی رسول کے زمانہ کی مختصر حیات کئی مرتبہ شہادت کے پیشگوئی کا مرکز
ہو جائیگی۔ جناب امیر ٹھیک اُسی جگہہ فطرت کے لامعلوم ذرائع سے ایسے اشارے پائینگے جس سے کچھ زمانہ
بعد کا آنے والا واقعہ اُنکی نگاہونکے سامنے پھر جائیگا اور وہ ابراہیم کے فرزند کو آئندہ ذبح عظیم کے لیئے تیار
کرینگے جو آخر مین کے لیئے اُٹھا رکھا گیا تھا۔ طبعاً جناب امیر اور ابراہیم کے جذبات محبت اور اثر مین یکسانی تھی:
فرزند حضرت ابراہیم نے سخت امتحان دیا لیکن آخر مین خوش ہوئے۔ مولانا علی ابن ابی طالب کی بھی یہی کیفیت

نہ تھی جو زائل ہو جاتی۔ کیونکہ شخص، زمانہ اور مقام معلوم تھا۔ باپ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اور ذبیحہ کے
سر اقدس پر دست شفقت پھیر رہا تھا۔

یہ بھی اتفاق تھا کہ شام کا لشکر فرات پر قبضہ کر لیتا اور جناب امیر کے افسران لشکر پہلی مرتبہ یہ سنکر کہ "جنہوں نے
چالیس روز تک عثمان کو پانی نہ دیا یہ لوگ مستحق عذاب ہیں"

بنی امیہ سے نہر فرات کا چھینا جانا اور حسین

آج بزور شمشیر پانی کو اپنے قبضہ میں لاتے اور پھر جناب امیر کے بشری حق شناسی اور رحم سے دشمن
کو محروم نہ رکھتے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ فرات پر قبضہ کرنیکی جنگ میں حسین شریک تھے یا نہ تھے۔ صاحب ناسخ کے
نزدیک گھاٹ چھیننے والی فوج کے افسر حسین تھے۔ لیکن شریک جنگ نہیں تھے تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ غور سے
دیکھتے نہ ہوں۔

میدان جنگ میں باپ و بھائی کی بعض مثالیں اور حسین۔

یہ بھی ہونے والا تھا کہ جناب امیر عرب کے رسم کے لحاظ سے محرم میں جنگ ملتوی رکھتے۔ اور اس زمانہ
کے ختم ہونے کے بعد حسین سواران میمنہ کی افسری میں اپنے برادر معظم کے شریک رکھے جاتے۔ کسی موقع پر دیکھے
کو اُنکے برادر معظم سے کسی سیاسی فریب کی باتیں کی گئی ہیں اور اُنکے جواب سے قوت حاصل کرتے۔ ملاحظہ
فرمائے کہ امیر شام ابن عمرو اور اُنکے خاندان کو کسی کام میں لایا۔ لیکن سب سے دلچسپ مطالعہ کی چیز جناب امیر تھے۔
جنکی ایک شان یہ بھی تھی کہ مرتے اور مرتے ہوئے کی کس درجہ دلدہی اور سرفرازی فرماتے ہیں۔ حسین کو سخت
ترین موقع پر یہ فرض ادا کرنا تھا۔

صفین میں حسین کی جنگی شان۔

باوجودیکہ اسکی تفصیلی خبر نہیں ہے کہ حسین صفین میں کیونکر لڑے۔ اور اُنکی شرکت جنگی حیثیت سے کوئی نمایاں
شان رکھتی تھی یا نہیں لیکن مالک اشتر کی تعریف کا موجود ہونا اسکی بہترین سند ہے کہ صفین کی جنگ بھی ایسی تھی
جسکا تذکرہ یہ وحید عصر شجاع اپنے رجز میں شامل کر لیتا۔

صفین کا تغیر اور حسین

کسنے خواب دیکھا تھا کہ بنی ہاشم اور اُنکے ہوا خواہوں کے بڑھے ہوئے دل۔ اُنکی فاتحانہ شان۔ اور آئندہ
کے درستی انتظام کی امیدیں دفعۃً یاس کی سخت اور خلاف امید چوٹ کھائیں گے۔ ایسی چوٹ جسکے بعد پھر نہ
سنبھل سکتے۔ اسکے بعد حسین سے اُنکی آنکھیں نہیں۔ قصہ قرآن تھا۔ حکمین تھے اور اُنکی ضمنی کارروائیاں تغییر
کچھ دیر قبل کے مطیع سپاہی اور لوگ تھے جو سخت دشمن سے زیادہ مضر ثابت ہوئے۔ اسکے بعد قیاس آسان ہے کہ
فریب میں آنے والے اور فریب دینے والوں سے حسین کا تنفر کس درجہ کا ہوگا۔

جناب امیر کوفہ واپس تشریف لائے۔ اسکا شکر کرتے ہوئے کہ وہ گذشتہ امتحانوں میں حق سے نہیں ہٹے اور

حسین کو ذمہ داری کا احساس

اس وقت تھا کہ علی کی اولاد جناب امیر کے وداع کا پہلا جانگداز پیغام سن رہی تھی کہ وہ جناب اپنی اولاد کے لئے آیندہ کا انتظام فرما رہے تھے اور وصیتیں کر رہے تھے۔ اور یہیں پر تو یہ وصیت الٰہیہ کے اس فقرے کہ "اگر حسن کو کوئی حادثہ پیش آئے اور حسین زندہ ہو تو اسکے بعد وہ اس حکم کے ساتھ قیام کرے" حسین، آیندہ بعض ذمہ داریوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے صورت پذیر ہوتے دیکھ رہے تھے۔

جناب امیر کی اپنے فرزندوں کی تعلیم پر توجہ اور حسین

اور اگرچہ جناب امیر اپنی وصایا میں خاندان کے آیندہ ذمہ دار کو مخاطب فرما رہے تھے لیکن یہ قیاس نہیں ہو سکتا کہ اُنھوں نے اپنی دوسری اولاد خصوصاً حسین کو اس سے علیحدہ رکھا ہو کیونکہ حسنین کی عمر میں کوئی زیادہ فرق نہ تھا۔ جس سے قیاس کیا جا سکتا کہ حسین اس قدر چھوٹے تھے کہ اپنے بڑے بھائی کی تعلیم سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ روایتیں تو چھ سات مہینہ کا فرق بتاتی ہیں مگر برس ڈیڑھ برس کا فرق بھی کوئی فرق نہ ہوتا۔ اس بنا پر یہ صاف ہے کہ جناب امیر حسن کی طرح تمام اولاد خصوصاً حسین کے لئے فرماتے ہیں: "کہ تیرے ہر کام میں ہر جگہ پر میں نے اپنی توجہ کو لازم سمجھا جیسا ایک شفیق باپ کا فرض ہے۔ میں نے تیرے کام کے موافق تیرے ادب سکھانے کا عزم بالجزم کر لیا تھا کہ جب تو نوجوان ہو، صاحب نیت سلیم ہو اور ایک صاف و شفاف نفس کا مالک ہو تو تجھے کتاب اللہ عزوجل کی تعلیم دوں اُسکی تاویل پر عبور کرا دوں۔ اسلام کے طریقے اور اُسکے حلال و حرام تجھے سکھا دوں اور اس تعلیم کے غیر کی طرف تجھے تجاوز نہ کرنے دوں۔ پھر مجھے خوف ہوا کہ مبادا تجھپر وہ علوم و معارف مشتبہ ہو جائیں جنمیں لوگوں نے اپنی نفسانی خواہشوں اور فاسد رایوں کی سبب سے اختلاف کیا ہے اور وہ اُنپر مشتبہ ہو گئے ہیں۔ پس میں نے اسکو مضبوط و مستحکم کر دیا۔ اس لئے کہ تجھے آگاہ کر دینا میرے نزدیک اس سے محبوب تر تھا کہ میں تجھے ایسے امر کے حوالہ کر دوں جس میں تیری ہلاکت سے بیخوف نہیں ہوں"

جماعت کی ابتری کا نظارہ اور حسین۔

حکمین کی کارروائی کے بعد جناب امیر کو یہ فرماتے سنا کہ "دونوں نے راہ حق اور امت سے علیحدہ رہ کر پس اس حکم و فیصلے سے اللہ اور اُسکا رسول اور صلحائے امت بری ہیں لہٰذا تم لوگ شام پر حملہ کرنیکی تیاری کرو"۔ خوارج کا انقلاب طبیعت اور ناشنوی اور اپنی فوج اور قیام کی خود بارہ فتح دیکھی اور پھر یہ حیرت خیز تماشہ دیکھا کہ جو ہی شام پر کوچ کرنے کے لئے مستعد مہیا ہو گئے اور عذر بیان کرنیکا وکیل اشعث ابن قیس قرار دیا گیا۔

انفرادی عزم اور حسین

اسکے بعد تو گویا قوم کا ایک مستند مرض ہو گیا تھا۔ ان خبروں سے پڑھتا گیا کہ امیر شام نے

سرحدی مقامات اور اندرونی شہروں پر چھاپے مارے لیکن کوئی جناب امیر کی ملامتوں نصیحتوں اور انجام نمائی سے اس طرح متاثر نہ ہوا کہ شام کے ایسے حملے ہمیشہ کے لئے روک دیئے جاتے جنمیں سب سے زیادہ افسوسناک نتیجہ یہ تھا کہ محمد ابن ابی بکر شہید ہو گئے اور انھیں واقعات میں یہ بھی دیکھا کہ جناب امیر نے ہیت یا انبار کی طرف تنہا روانہ ہونے کا عزم ظاہر فرمایا۔ یہ صورت اس تعلیمی قابلیت سے پر تھی کہ انسان اپنے فرائض کے انجام کے لئے اپنا انفرادی عزم ظاہر کر سکتا ہے اگرچہ وہ اس حیثیت سے زیادہ مفید نہ ہو کہ تنہا کے عزم سے زیادہ کاربراری نہیں ہو سکتی۔ لیکن کسی نتیجہ کا موافق ہونا یا نہ ہونا اپنی ذمہ داری سے بری نہیں کر سکتا۔ جناب امیر کا یہ عظیم الشان عزم حسین کے ناقابل مثال ارادے کا پیشرو تھا۔

دشمن کی بعض حرکتوں کا معائنہ۔

اگر اپنی روش کی پختگی تجربہ سے ثابت ہوئی تھی تو لوگوں کے عدم اطاعت کے نتائج بھی دیکھتے تھے دشمن کے فریب جور رشوت۔ سازش اور زہر کی شکل میں ظاہر ہوتے تھے کوئی پوشیدہ خبر نہ تھی لیکن یہ واقعات بھی تجربہ میں آنے والے تھے کہ دشمن باوجود انکار اسلام نہ کر سکنے کے حاجیوں کے محافظ سپاہیوں کو قتل کر سکتا ہے اور لوگوں کو فریضہ حج سے اس لئے مانع ہو سکتا ہے کہ اسکی سیاسی شہرت کے لئے مفید ہے۔ اور سب پر طرہ یہ تھا کہ ایسے وقتوں میں مدینہ کی وقتی گورنری کی موقع کو ابو ہریرہ ضائع نہ جانے دے سکتے تھے اگرچہ وہ ابن ابوسفیان کے ہاتھ سے ملا ہو جسکی قبضہ کی دلیل یہ تھی کہ اب تک وہب ابن مسعود فوج لیکر جناب امیر کی طرف سے نہ پہونچے تھے۔

ارادہ کا استقلال اور حسین کا فوجی عہدہ

ہوتا جو کچھ ہوتا لیکن جناب امیر اپنی جگہ پر موجود تھے۔ شورشیں اور انکا مجموعہ ایسا نہ تھا جو جناب امیر کے سکون اور اطمینان پر اس قدر اثر کر سکتا کہ وہ اپنے عزم سے باز آتے۔ نہروان کی جمع کی ہوئی فوج عذر کر چکی تھی تو کیا۔ درمیانی خلاف ورزیاں اور تساہلی ظاہر ہو چکی تھی ہوئی لیکن انھیں وقتوں میں جناب امیر نے یہی کیا کہ لشکر میں ابو ایوب اور قیس ابن سعد کے ایسے معتبر افسروں کے علاوہ دس ہزار فوج اپنے فرزند حسین کی ماتحتی میں نامزد کر سکتے۔ نہ اسکے تھیں کہ حسین جمل۔ صفین اور نہروان کے معرکہ دیکھ چکے ہوتے اور انمیں شرکت کی ہوتی۔ اے کاش یہ فوج روانہ ہو جاتی کہ اسلام بعد کے برے دن نہ دیکھتا!

. . . .

سپہ آرائی کا دن نہ آیا۔ زہر آلود تلوار حائل ہو گئی جو ملک اور عورت نے تیار کی تھی۔ حسنین کے علم تھا

جناب امیر کی حالت زخمداری۔ الفاظ عمل اور حسین۔

یہ بھی آتا تھا کہ انسان اپنے ملعون ارادے کے اجرا کے لئے نماز کی مشغولیت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔
اور وہ غفلت میں شہید کیا جا سکتا ہے جبکہ میدان جنگ میں شہید نہ ہونے پر شجاعت روتی۔ حسین
اسوقت پہونچے جبکہ مصلے، صحن مسجد اور محراب شہید کے خون سے مقدس ہو چکے تھے۔ اور باپ کے
سر سے خون کی چادر نے چہرہ اقدس کو پہچاننے کے قابل نہ رکھا۔ لباس رنگین ہو چکا تھا۔ لیکن حسین کے
سننے کی بات یہ تھی کہ ادھر تلوار مغز سر پر پہونچی اور ادھر زبان نے "فزت برب الکعبۃ" کہا۔ اور
مراسم دین کے اجرا کا یہ لحاظ دیکھنا تھا کہ حسن کو نماز تمام کرنیکا حکم دیا جاتا!

شدید ضرب اور اسکا ضمنی کرب ہوتا۔ ہوتا۔ لیکن علی ہوتے اور وہ اپنے فرض کو دوسرے وقت
کے لیے اٹھا رکھتے یہ ناممکن تھا۔ قاتل آتا ہے اور خدا کے رحم و کرم کا مجسمہ اسکے ساتھ برتاؤ سے
خلق خدا کو حیرت زدہ کرتا ہے وہی جو جمل میں حالت جنگ میں پیاس کے وقت شہد کا شربت
پی رہا تھا اور اسپر متاسف تھا کہ دشمن بھی پیاسا ہوگا وقت تھا کہ "اپنی ذات اور اپنے گروہ
کی اصلاح تمام روزہ و نماز سے افضل" بتائی جاتی۔ اور کہا جاتا کہ "اے اولاد عبد المطلب!
میں تمہیں ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ تم مسلمانوں کے خون میں سر سے پاؤں تک رنگین ہوتے پھرو ....."
فرماتے کہ "سچی باتوں پر زبان کھلے" یا "ظالم کے دشمن رہنا اور مظلوم کے مددگار"

... جیسے حسین کو حسین بنایا تھا۔

حسین کے لئے اپنے پدر بزرگوار کی شہادت قریب قریب ویسی تھی جیسے جناب امیر کے لئے رسول کی رحلت
تھی۔ حسین پر اپنے جد بزرگوار اور عالی مقدار کا جیسا اور جس درجہ اثر پڑا وہ ہوش کی کیسی ہی کمی کے
زمانہ کا کیوں نہ ہو لیکن کسی طرح تھوڑا نہیں سمجھا جا سکتا۔ لیکن ابتدا سے آج تک جبکہ حسین چھتیس برس
کے ہو چکے تھے انکی خصائل سازی زیادہ تر علی کی آنکھ۔ علی کی زبان اور علی کی موجودگی اور انکے واقعات
سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ نہ رہا جسنے حسین کو حسین بنایا تھا!

جناب امیر اور حسین کی حالتوں میں ایک فرق یہ تھا کہ رسول کے بعد جناب امیر کو امید تھی اور دفعتہ
یاس دکھائی دی۔ پھر بھی تشدد کا مسلسل نظام درست نہ ہوا تھا۔ لیکن حسین تک پہونچتے پہونچتے زمانہ
نے تجربے سے مدد کی تھی اور اب دشمن "رہنے دو" پر عمل کرنے کے لئے آمادہ نہ تھا بلکہ رہنے دینا اپنی سیاسی حیات کیلئے
مخدوش سمجھا تھا۔ منازعت کا سلسلہ جاری تھا اور صفات قومی کے وہ تغیرات دیکھ چکے تھے اور دیکھ رہے
تھے جو کسی طرح امید افزا نہ تھے۔ قوم اب حیات سے ہر طرح جینے کی ذلتوں پر آمادہ تھی موت سے پر عزت

حیات خریدنے پر آمادہ تھی۔ اُسکی کار کنی کی قابلیت پر تساہلی کا فالج گرا تھا۔ اور وہ اپنے سے انکار کر رہی تھی۔

صحیح ہے کہ مسیب ابن نجبہ۔ حجر ابن عدی اور قیس ابن سعد کے ایسے چند جانباز دوستوں کی نگاہ میں ہزار بلکہ اُس سے زیادہ مسلح سپاہی دکھائی دے رہے تھے لیکن اُنکی غیرت اور اخلاص کا جوش حالت کے سمجھنے میں مبالغہ کر رہا تھا۔ وہ بیکار فوج کو باکار سمجھنے کی امید کر رہے تھے۔

ترغیب جہاد پر آمادہ نہ ہونا اُلٹے عذر ڈھونڈھتے رہنا اور بات بات پر بگڑنا قوم کی حالت کو اچھی طرح سمجھا رہا تھا اور وہ جو قومی حیات کے سر پر تھا اُسے ایسے مواد سے بہتری کی امید اور دشمن سے مقابلہ کرنیکا عزم کرنا خودکشی سے بہتر نہ معلوم ہوتا تھا۔ جو قوم اپنے رہنما کو لوٹ سکتی تھی اور اُسے زخمی کر سکتی تھی کہ آیندہ وہ نہ رہے جو ہمیں کچھ حکم دے سکے وہ اِس قابل نہ تھی کہ اُسکے بھروسہ پر قومی دشمن کے مقابلہ میں تلوار سے فیصلہ کا ارادہ کیا جا سکتا۔ مختصر یہ کہ حسن کا زمانہ اور اُسکے تمام اتفاقات جنکی ضروری حیثیتوں سے کافی بحث کیجا چکی۔ اسکا بہترین نمونہ تھا کہ کیونکر کوئی قوم اپنے ہاتھ سے اپنے اختیار اور آزادی اور صفات قومی کو تباہ کرنے کے لیے آخری ضرب لگاتی ہے اور بقول تاریخ خمیس اسکا یقین تھا کہ "یہ لشکر غالب آئیگا" جسنے حسن کو ایسی افسری سے دست بردار ہونے پر مصمم کر دیا اِس لحاظ سے کہ امیر المومنین نے قوم کی امامت اُسکی امید اطاعت اور پیروی کے خیال سے اپنے ذمہ لی تھی جبکہ وہ خود ہم آوازی سے ایسا کہہ چکے تھے۔ اسکا یقین ہے کہ مسلسل خلاف ورزیاں رہنے کی صورت میں امیر المومنین بھی دست بردار ہو جاتے بلکہ اُنہوں نے اِن لفظوں سے ابتدا بھی کر دی تھی کہ "میں اِس بات کو دوست رکھتا تھا کہ تمہیں نہ دیکھوں اور تمہیں نہ پہچانوں"۔ یہ حالتیں حسین کے لیے پُر غور تجربہ کی چیز تھیں۔ آیندہ حالتیں بتائینگی کہ اسکا حسین پر کیا اثر تھا۔

> صلح کے متعلق حسن اور حسین کے خیال میں تناقض نہ تھا بلکہ موقع کا فرق تھا۔

لیکن صلح کے وقت حسین کے بعض الفاظ اور انداز ہیں جس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ اُنکا تصفیہ مذکورہ صدر خیال سے الگ تھا یا مختصر لفظوں میں وہ اُس سے الگ سوچتے تھے جو کچھ بظاہر حسن نے تصفیہ کیا تھا۔ باوجود ایسی مختصر خبروں کے جنپر حتمی تصفیہ نہ کیا جا سکے ہمیں اسکے قبول کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے کہ حسین وہی کچھ سوچتے تھے جیسا قیس ابن سعد۔ مسیب۔ عبید بن عمر۔ حجر یا سفیان ابن لیلی کا خیال تھا۔ ہے جب ہوتا کہ حسین یا ایسے چند لوگوں کا ایسا خیال بے وجہ نہ ہوتا اور اُس وقت میں یہ تصفیہ کرنا کہ قوم میں ایک شخص بھی باقی نہ رہا تھا

اپنے قومی وقار کے حفاظت کا خیال ہوتا اور گذرتی ہوئی سیاسی حیات پر ٹھنڈی سانس لیتا۔ لیکن کسی
ایسے معترض کی غلطی وہان سے چھپی ہے وہ حسن اور حسین کی تصفیہ مین تناقض خیال کرتا ہے۔ وہ تناقض کے
نہ صرف درجہ مفہوم مین مبالغہ کرتا ہے بلکہ وہ انفرادی فرائض کو بھی بھول جاتا ہے۔ حسین ہون یا چند
مخلصین یہ عامہ مسلمین کی طرح ایک حیثیت رکھتے تھے جنھین اپنے اخلاص۔ ارادے اور جوش کے ظاہر
کرنے سے کوئی امر مانع نہ تھا۔ لیکن حسن کی حیثیت بہ لحاظ ذمہ دار امام ہونے کے دوسری تھی۔ انھین زیر نظر
امورات کا تصفیہ چند پرجوش مخلصین کے اظہار ارادت پر کرنا ممکن تھا۔ اور ناممکن تھا کہ وہ بقیہ قوم کی
تساہلی اور بیکاری کا لحاظ نہ کرتے۔ کون سوچ سکتا ہے کہ حسن کے تمام خیال اور امیدین یہ نہ تھا کہ اے کاش
تمام قوم اس وقت ان چند مخلصین کی غیرت قومی کی مظہر ہوتی۔ اب یہ تصفیہ آسان ہے کہ چند آدمیون کے
اعتبار اور بھروسہ پر وہ صلح نہ کرتے یا اپنی اس حالت پر قیام کرنا قطعاً بے سود سمجھکر چند مفید شرائط کی
اخلاقی قوت پر اعتبار کرکے صلح کرتے۔ سیاسی اقتدار کا قایم رکھنا چند آدمیون اور فوج کی بے قوتی سے
ممکن نہین ہے۔ خصوصاً جبکہ قوم سے اپنے سیاسی حیات کا حس جاتا رہا ہو۔

ان صورتون کے لحاظ سے جنھین حسن نے صلح کی کون کہہ سکتا ہے کہ خود حسن کو اس صلح سے ویسی ہی
"کراہت" نہ تھی جیسی حسین کو تھی۔ لیکن جسوقت موقع یہ تھا کہ حسین بحیثیت جماعت قومی کے ایک فرد ہوتے
کے اپنی کراہت اور صلح سے ناخوشی ظاہر کرسکتے تھے حسن کی مصلحت کی روح یہ تھی کہ ہم اس ناگزیر موقع
سے اظہار کراہت کرکے اس صلح کے اُس قدر اثر کو بھی کھو نہ دین جو چند روز کے بعد دشمن کے جبر سے
حاصل ہوا اور پھر زبانی باتون کا بھی موقع نہ [illegible]۔ حسن کا کوئی اظہار کراہت اقدام
صلح کی آپ ہی تردید تھی درانحالیکہ عدم صلح مین قومی حقوق کی حفاظت کا کوئی سامان نہ تھا اسقدر
بھی نہ تھا جیسا اس صلح کے بعد ہو۔ یہان وہی کراہت جس کا ظاہر کرنا حسین کا فرض تھا۔ حسن کیلئے ظاہر کرنا
فرض تھا۔ کراہت دونون مین قدر مشترک تھی۔

کوئی اور آگے بڑھ سکتا ہے کہ بہ لحاظ اسکے کہ حسن نے ایک امر کیا تھا کسی طرح مناسب تھا کہ حسین اظہار
کراہت بھی جائز رکھتے۔ ایسا سوچنے والے نے اسپر غور نہین کیا کہ صلح کا اخلاقی اثر صلح کے اعلان کیساتھ
اور بس اور اسکے ساتھ ختم ہو گیا جب معاویہ نے کہا کہ صلح کا عہد میرا میرے ہاتھ مین ہے اُسپر وفا کرون یا
نہ کرون۔ تب حسین کی کراہت اس اعلان کے یقیناً بعد تھی۔ اسکے بعد نہ صرف حسین بلکہ کسی کا اظہار کراہت

حق تھا۔ حسن بھی اظہار کراہت کرتے اگر کرسکتے۔ صلح حدیبیہ اسوقت تک تھی جب تک شرائط پر عملدرآمد
تھا۔ صفین اور حکمین کا مجوزہ اس وقت تک نافذ رہتا جب کوئی تصفیہ ہوتا جسپر فریقین عمل کرسکتے۔
اگر نقض عہد پر رسول فتح مکہ اور جناب امیر دوبارہ توجنگشی کے سامان کرسکتے تھے تو حسن بھی نقض عہد کے بعد
توجنگشی کرتے اگر کرسکتے۔

نہ کسی کا آمادہ ہوکر جنگ کرنا انفرادی حیثیت سے امام کی خلاف ہوسکتا۔ اسلئے کہ انھون وجہ ظاہر کرکے
کہ ہم تمہاری جانوں کی حفاظت کیلئے صلح کرتے ہیں ہر شخص کو اپنی جگہہ سوچنے کا موقع دیا تھا کہ اگر تم جان کی حفاظت
ضروری نہیں سمجھتے تو تمہیں اختیار ہے۔ اس طرح کسی کا کسی اہتمام سے جنگ کرنا عمومیت صلح کی اس وقت تک
نفی نہ کرتا جب تک خود حسن شرکت جنگ نہ کرتے۔ اور اس طرح اسکے بعد بھی وہ شرائط صلح کی نفاذ پر زور دیسکتے
تھے۔ باوجود ایسی صورت کے وہ حسن کی خوشنودی کے لحاظ سے ہو یا اپنی کراہت سے باوجود حسن کے تصفیہ
کی خجلی کے طبعی اقرار پر ہو۔ حسین کسی ایسے امر پر آمادہ نہ ہوئے جو حسن کے تصفیہ کے خلاف روش
کہی جاسکتی۔

ابن اثیر کے اس فقرہ میں کہ " اپنے باپ کی تکذیب اور معاویہ کی تصدیق نہ کیجئے " اگر تکذیب
اور تصدیق کے الفاظ حسین کے استعمال کردہ الفاظ نہیں ہیں بلکہ کسی قریب المفہوم لفظ کو مورخ نے انکے
اسلئے قائمقام قرار دیئے ہیں کہ حسین کی مخالفت ظاہر کریں تو زیادہ بحث کی چیز نہیں ہے لیکن اگر بفرض
محال یہی الفاظ استعمال کئے گئے تو یہ فقرہ غالبًا جوش کی پہلی لہر کا تھا جس میں حق سے یہ کہہ رہے ہیں کہ اپنے پدر
بزرگوار کی اس روش کے خلاف نہ کیجئے کہ وہ برابر معاویہ سے جنگ کرتے رہے اور انھوں نے اسکی امارت کی
تصدیق نہیں کی۔ جو آپ کررہے ہیں۔ لیکن اسکے بعد ہی موقع کی حقیقت سامنے آگئی اور اب حسین کا تصفیہ اکلی
خاموشی سے ظاہر تھا۔ اگرچہ حسین سے اس فقرہ کا جواب بھی دیا گیا کہ " تم نے اس صورت سے معاویہ کو حکومت
سپرد کردی جو وجہ تمہارے پدر بزرگوار کو واقعی تھی اس سے بیشتر کے زمانہ میں وہ حسین رہتے ہوئے حسن کے
پاس سکتے ہیں لیکن بچتے ہوئے باہر آئے۔

یہانتک جو کچھ میں کہہ رہا تھا اس امر کے تسلیم کرنے پر تھا کہ حضرت امام حسین اپنے برادر معظم کی معاہدے کے تصفیہ
میں ہر جہت ناخوش ہے کہ صلحنامہ کہلانے اور پر نافذ نہ ہے۔ لیکن اگر روضۃ الصفا پر اعتبار کیا جائے جسکے میں
بھی کچھ زیادہ تر مطابق واقعہ سمجھتا ہوں تو حسین کی روش میں حسن کے تصفیہ سے کوئی اختلاف نہیں

دکھلائی دیتا۔ کہ علی ابن بشر وجہ مصالحت یا شرائط سننے کے بعد حسین کے پاس جاتا ہے اور انھیں بیان کرتا ہے
اور حسین مدبرانہ خشک مزاجی سے فرماتے ہیں کہ " ابو محمد (حسنؑ) نے جو کچھ فرمایا وہ حق اور مطابق صدق ہے
جبتک معاویہ زندہ ہے اب بجز اسکے کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہر شخص اپنے گھر میں بیٹھا رہے " اس جگہ ہمکو
ان فقرات میں کوئی ایسے انداز نہیں معلوم ہوتے جیسے کوئی خورد اپنے کسی بزرگ کے ہر فعل کو تسلیم و رضا سے
دیکھتا ہو۔ بلکہ حضرت امام حسن کی تقریر پوری آنکھ سے دیکھی گئی ہے۔ اور تقریر کے پڑلنے حوالے
" حق " اور جن وجوہات پر صلح کی ضرورت محسوس ہوئی وہ " مطابق صدق " لکھے گئے ہیں۔ اور چونکہ
شرایط کے بموجب معاویہ کے بعد خلافت حسن یا حسین کی طرف عود کرتی تھی ونیز ایسی وجہ سے کہ اسکے
بعد لوگ پھر ایسا کچھ سوچ سکتے تھے جو بنی ہاشم کی طرف میلان کہا جائے اس صورت میں زیادہ
مناسب یہ سمجھا گیا کہ اسوقت اپنی بے تو لی اس فقرہ میں چھپائی جائے کہ " جبتک معاویہ زندہ
ہے .... " یعنے معاویہ کے ایسے صاحب اثر اور سیاسی تفنن کے آدمی کے برسر حکومت نہ ہونے کے
بعد اگر خلاف ورزی ہوئی تو اسکے بعد دیکھا جائیگا۔ یہ بجائے خود جس قدر پابندی عہد بھی تھی اسی قدر
مدبرانہ انتظار تھا اور چونکہ اپنے صلح کے اقدام اور اپنے بے مثل ایثار سے لوگوں کی توجہ اپنی
طرف مائل کر چکے تھے اور اپنی روش سمجھا چکے تھے۔ زیادہ قرینہ تھا کہ زمانہ انتظار انکے لئے مفید ہوتا
اور یہ زمانہ اعتراف انکے دوست تیار کرتا۔ معاویہ بھی ایسے سمجھتا تھا اور پوری سیاسی بے اعتباری
سے آیندہ اپنے خیال کے لئے برسوں راستہ تیار کرتا رہا۔ لیکن اسوقت تک پہلا قدم نہیں اٹھا سکتا تھا
جبتک حسن دنیا میں موجود تھے۔

حسینؑ سے معاویہ کی طلب بیعت اور بھائی کے متعلق جواب کا بیان۔

حسنؑ۔ یعنی خود اور امام حسینؑ نے بھی بیعت نہ کی۔ معاویہ نے حسین سے بیعت کرانی چاہی
انکار عجب خیز نہ تھا ورنہ معاویہ نے اصرار مناسب سمجھا جیسا معاویہ کے بیشتر جناب امیر اور اکثر لوگوں سے
بیعت کا اصرار ضروری نہ سمجھا گیا تھا۔ اور اگرچہ یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جو لوگوں کو معلوم نہ ہوتی لیکن
کسی ذمہ دار زبان سے اسکی وجہ جس قوت سے بیان ہوئی تھی ویسی اس وقت ہوئی اسلئے کہ موقع
ملا تھا کہ وجہ ظاہر کیجاتی۔ حسنؑ نے فرمایا " اے معاویہ حسین کو بیعت کے لئے مجبور نہ کر۔ اسلئے کہ انکے
نزدیک قتل ہو جانا تیری بیعت کرنے سے بہتر ہے۔ تو انھیں قتل نہیں کر سکتا جب تک انکے اہل بیت کو قتل
نہ کرے۔ اور اہل بیت قتل نہیں ہو سکتے جبتک انکے دوست قتل نہ ہوں۔ معاملہ طول کھینچیگا " یہ

معترضین اور لوگوں کی عام غلطی۔

نہ صرف اس وجہ سے قابل اعتنا ہے کہ ایک بھائی اپنے بھائی کا خاصہ بیان کر رہا ہے بلکہ اس وجہ سے بھی کہ یہ اس قدر مطابق واقعہ تھا کہ معاویہ اسی پر عمل کرنے کو بیعت کے تشدد سے زیادہ محفوظ مصلحت سمجھتا۔

یہ حالتیں بتاتی ہیں کہ حسین معاویہ کی بیعت کو کیا سمجھتے تھے۔ انکا یہ "کیا سمجھنا" سوال پیدا کرتا ہے کہ کیوں ایسا سمجھتے تھے جو اسکا جواب ہے کہ اس لئے کہ وہ اپنے کو اس سے بالاتر سمجھتے تھے کہ ایسے لوگوں سے بیعت یا اطاعت اور موافقت کا عہد کریں جنہیں وہ اچھی طرح سے پہچانتے تھے۔ و نیز اس لئے کہ انھیں اپنے پدر بزرگوار کے طرز عمل اور تعلیم سے اسکے علاوہ اور کچھ نہ کرنا چاہئے تھا جو کیا۔ حسن یا حسین کا بیعت کرنا اپنے پدر بزرگوار کی تکذیب اور معاویہ کی تصدیق ہوتی۔ وہ لوگ اپنی اس ظاہر غلطی پر پھر غور کرینگے جو یہ سمجھتے ہیں کہ بیعت نہ کرا سکنے کے معنی یہ ہیں کہ تو پھر خود بیعت کی ہوگی۔ یا ترک امامت کے معنی یہ ہیں کہ جب وہ ایک ایسی چیز پر اختیار نہ رکھ سکے جسپر قابض رہنے کیلئے ایک جماعت کی پیروی اور اطاعت ضروری ہے تو وہ اپنے نفس پر قابو اور امتیاز حق و باطل بھی نہ کر سکے جس کے لئے اپنے سوا کسی خارجی مدد کی ضرورت نہ تھی۔

نہ بیعت کرنے کے معنی یہ ہے کہ وہ مخالفت پر آمادہ تھے۔ مخالفت پر آمادہ ہونیکے لئے جن باتوں کی ضرورت ہوتی ہے اگر وہ موجود ہوتی تو آج تفویض امامت کا موقع نہ آتا۔ اور اسکے بعد بھی اگر انکے لئے ایسے موقع پیدا ہوتے جس سے کامیاب مقابلہ کی امید کیجا سکتی تاہم محض سامانوں کی موجودگی انہیں مقابلہ پر آمادہ نہ کرتی جب تک یہ نہ سمجھتے کہ خلق اللہ کے فائدہ کے لحاظ سے قتل اور خون کے لئے آمادہ ہونا مناسب ہے یا نہیں اور انکے بعد لوگوں میں امر حق پر قائم رہنے کی صلاحیت ہے یا نہیں یہ امورات تھے جنکے لئے بھی انھیں اپنے پدر بزرگوار کے طرز عمل سے کافی مثال مل چکی تھی۔ اس لئے انکی موجودہ روش یہ تھی کہ تم حکومت کرتے ہو کرو۔ لیکن ہماری روش کی جیسے موافقت اور تصدیق نہ چاہو۔ ہم الگ تھلگ رہیں گے اور اگر ہم پر کچھ لازم ہے تو یہ کہ ہم مخالفت نہ کریں۔ یہ صورت اسوقت تک چلی جسکی طرف ہم رفتہ رفتہ بڑھ رہے ہیں۔

اہلبیت رسالت کے چند پرجوش دوست جو اپنے موقع کی حقیقت کو اب تک نہ سمجھے ہوں انکے لئے اہلبیت کی روش ایک آئینہ تھی۔ آسانی سے ان لوگوں نے معاویہ کی حکومت سے انکار کیا اور آسانی سے اپنے وعدے [illegible] گویا وہ یہ سمجھے تھے کہ معاویہ اس لئے مستولی ہے کہ ایک قوم اسکا ساتھ دے رہی ہے [illegible] دست بردار کر [illegible] اور آل رسول کو صاحب اختیار کرنیکے لئے ایک قوم کے حمایت اور ضمنی قربانیوں کی ضرورت ہے۔ وہ سمجھے تھے

کہ صدہا دو عمل کی مطابقت بغیر حجۃ کی امید کرنا غلطی ہے۔

چند نام امراء کے کاموں کا اثر۔

ترک امارت کے بعد ایسے لوگوں کو حاکم پاتے ہوئے جنکے نام بشر ابن ارطاۃ۔ عبد اللہ ابن عامر گر زیاد ابن زیاد مروان ابن حکم۔ غیرہ ابن عاص وغیرہ ہوں۔ یہ امید کرنا کہ وہ جناب امیر اور بنی ہاشم کو اچھے ناموں یاد کرتے ان افراد کی ساتھ بے قدر فی ہوگی جنکے سوابق کے تذکرے ہم کرتے آئے ہیں کہ اتفاقات کون سے تھے جن میں انکی پرورش ہوتے رہے اور پھر اسوقت کس قطب آسیا کے گرد یہ صدقے ہو رہے تھے۔ ایسا آدمی ایسے وقت کیونکر کسی صوبہ اور مشہور شہر کی حکومت کیلئے منتخب ہوسکتا تھا جو آل ہاشم کی عداوت اور اسباب عداوت میں ممتاز نہ ہوتا کہ اسکے ذریعہ سے وہ مٹانے اور مٹانے والے اصول جاری کئے جائیں۔ حقیقتاً ایک زمانہ تک بنی امیہ اور بنی عباس کی سیاست کا اصل اصول ہے یہ تھا کہ وہ کس کس طرح آل ہاشم کا نام مٹا سکتے ہیں۔ کہیں مسلمان ہوں حین اور مدبرین جو چاہیں لیکن مسلمانوں کے صفات قومی کے مٹانے والے اسباب ایسے ہی دو رہے جنہوں نے اقتدار کی حفاظت میں ان نفوس کو مٹا دیا جو اسلام اور تعلیم اسلامی کی زندہ تصویریں تھیں اور جو تمام خواہشات کے مقابلہ میں خود دنیا میں ہوں محض اپنی ذات اور عمل سے بہترین تعلیم دے سکتے تھے۔ انکا ضائع جانا ان سٹوں کا گرنا تھا جو قوم گرتے تھے۔ انکے بعد قومی لامرکزیت کا دکھائی دینا یا بقیہ قوم میں صفات اسلامی کا نہ پایا جاسکنا متعلق حیرت خیز نہیں ہے۔ اور پھر یزید کی بدی تلاش کرنا اس سے زیادہ بے سود۔

حسن ہے اور حسین یہ سب سنتا تھا حسین تھے اور وہ اپنے برادر عالی مقدار سے ذکر کرتے تھے ان بد امیروں کا وجود شخصوں کے ہاتھوں ستائے تمام انکے ذکر اور انکی فضیلت اور حقوق کے خلاف جاری تھیں۔ ان حالتوں کے متعلق خیال کیا جاسکتا ہے کہ حسین کا موقع اپنے پدر بزرگوار سے زیادہ نازک تھا۔ یہ دونوں پیغمبر اور رسول تھے اور وہ دونوں آخری اور انکے بیشتر کے سربرآوردہ لوگ تھے جو اپنے صحبتوں میں انھیں اپنے طلب کرتے تھے کہ انکی قدر نہیں کرتیں اسلئے کہ انکے خلاف انھیں کچھ بھی کی قوت تھیں اور کوئی یہ دعوے کر سکتا کہ ہم انھیں بیعت کرتے ہیں کہ تو ہمارا امام اور غلام خلیفہ ہے۔ اور کبھی مدینہ ہی سے تاریخ اسلامی کا مستند مردود جو افراد کو جمع کرتا تھا حسین سے پوچھنے کی جرأت کر سکا کہ اگر حضرت فاطمہ علیہا السلام تمہارے لئے باعث فخر نہ ہوتیں تو پھر کس بات پر فخر کرتے۔ حسین کا ہاتھ آہستہ سے بڑھکر مروان کی گردن پر قبضہ کر لیتا۔ اسقدر دبتے تھے کہ ان کو چھوڑ دیتے تھے۔ اور ابھی پیک ملنے سے وقت نہ ہوئی تھی کہ اسے تصدیق بغیر چارہ نہ ہوا۔

یہ عمر رسیدہ کو حسنین خبر دی کہ حضرت سیدۃ النساء جہاں سے پہنا دی تھی۔ یہ ظاہر معاویہ

رسول اختیار اور حسن کی بے اختیاری پر تسکین ہو جانی چاہیے تھی کہ وہ اپنی گذشتہ بے عنوانیوں میں ایک
ایسے اور اسلامی گناہ سے نا قابل معافی گناہ کا اضافہ کرتا۔ ایسا سوچنا اس حد بندی کا دعویٰ ہوگا۔
انسان کہاں تک گناہ کر سکتا ہے۔ یا سیاسی بے مہار خوف کو حسن ظن کی لگام دینی ہوگی۔ یا کہنا ہوگا کہ ہند
اور ابو سفیان کے بیٹے کے دل سے انتقام کی کد کدی جاتی رہی تھی۔ کیس یہ دنیا میں حسن اس درجہ بار ہوئے
تھے کہ وہ چھ چھ مرتبہ زہر دینے کی مسلسل کوشش کرتا۔ اور کسکے اختیار میں مدینہ اور موصل وغیرہ تھے کہ نواسہ
رسول ایک جگہ سے دوسری جگہ اس لئے تشریف لیجاتا کہ دوسری جگہ بھی زہر کی تلخی محسوس کرتا۔ کیوں نہ
کو حسن سے ایسی محبت ہوگئی تھی کہ وہ ساتھ ساتھ پھرتا تھا۔ کیا حسین ان تمام دلخراش واقعات سے بیخبر
رہ سکتے تھے۔ کیا وہ اسکی غرض سے ناواقف رہ سکتے تھے؟ خصوصاً ایسی حالت میں کہ جسکو زہر دینے کے مسلسل
کوشش کیجاتی ہوں وہ حسن ہوں۔!

بفرض محال یہ مروان ہی تھا جسنے حضرت عائشہ کی موت کا سامان مہیا کیا۔ بفرض محال یہ مروان ہی
تھا جو ہر جگہ ایسا آدمی ڈھونڈھتا پھرا جو چند روپیہ کے لئے نواسہ رسول کو زہر دینے کے لئے آمادہ ہوتا اگرچہ
حسن اسکی گورنری کے رقیب تھے لیکن پھر معاویہ نے اس سے کہیں کوئی باز پرس کی؟ یا ہم اسکی
اسوقت تک امید نا میں جب تک کہ کوئی مصنف یا مترجم کسی کتاب میں اس قدر اضافہ کا اہتمام نہ کرے کہ
امیر معاویہ کے حکم سے مروان ابن حکم کو اسّی دُرّے مارے گئے۔ یا چوکے کئے مدبر معاویہ کہ کسی ایسے آدمی کو
جو مستوجب قتل ہوتا اس الزام سے قتل کیا کہ اسنے زہر دینے میں سازش کی تھی۔ تو مدبر مورخین تالیاں
بجانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔ اور اسوقت ایک صحیح نتیجہ مشتبہ ضرور ہو جاتا۔

ایسا نہ ہونیکی صورت میں مروان کا اطلاع دہی کا اہتمام۔ خبر بھیجے رہنے کی ہدایت اور ایسی لائینی تکبیر جو
دور دور سنائی دیتی بادی النظر میں بھی سیاسی تنگ ظرفی ہے۔ اور پھر استنباط کے لئے تو جگہ ہی باقی
نہیں ہے جبکہ اسکے ظاہر الفاظ ہیں کہ "دل ٹھنڈا ہو گیا" ابن عباس کی نگاہوں کو معاویہ خوش معلوم ہوتے
ہیں" اور آپس میں طنز کی باتیں ہوتی ہیں۔ نہیں تو اس سے عجب ہے کہ ایسے مفید سیاسی امورات آج بھی
معلوم ہوگئے۔ یقیناً اس غرہ کے بدولت کہ کوئی بہلا کرے گا۔ جعدہ۔ ایسونیہ اور مروان کی آپس کی
مشاورت۔ جعدہ کا مروان کے پاس بھاگ جانا اور پھر شام روانہ کیا جانا۔ اسکے لئے کافی تھی کہ بہر زمانہ
بغیر کسی ظاہری اقرار کے بھی صحیح استنباط کیا جاسکتا۔ جیسا کہ ہوا نہ کہ جب معاویہ کا افسانہ سے

اپنے ہاتھ سے پردہ ہٹا دیا تھا۔

حسین کا اندوہناک موقع۔

بنی ہاشم اور خصوصاً حسین کے اس جا لگاہ غم کا خیال کرو کہ انھون نے فوراً مجرم افراد کو جان لیا ہو یا واقعات کے منظر ہونے مین کچھ دیر لگی ہو لیکن انگلی نہ اٹھا سکتے ہون۔ ایسے وقت مین محض بات سے کچھ کہنا نہ صرف بیہودہ بلکہ مہلک تھا۔ حسن سے بہتر موجودہ حالت کا جاننے والا دوسرا نہ تھا اور انھون نے وہی کیا جو انھین بحیثیت ایک خیراندیش کے کرنا چاہیے تھا۔

حسین کے صبر اور تصفیہ کی پہلی بڑی مثال۔

مین سمجھتا ہون کہ صبر کی پہلی سخت جھپٹ حسین کو اسوقت اٹھانی پڑی جب انھون نے لوگون کو مانع دفن دیکھا اور ساتھہ ہی بھائی کی وصیت یاد آئی۔ اس تصفیہ کی دشواری کا احساس کیجئے کہ وصیت کی ناموجودگی مین حسین کیا کرتے۔ وقت کی جوش خیز حالت اس جواب کا جواز چاہتی ہے کہ حسین جنگ کرتے۔ لیکن اب حسین کی ذمہ داری یہ بھی چاہتی ہے کہ وہ یہ سوچے کہ اسکا وقت آیا ہے یا نہین کہ اپنی تھوڑی سی راسخ الاعتقاد جماعت موقع پر قربان کر دیجائے۔ قربانی نہین کیگئی غالباً وصیت نے بھی ایسے روکا۔ اور جب قاتلون سے جنگ نہین کر سکتے تھے تو دفن نہ کرنے دینے والون کا تو نسبتاً کم قصور تھا۔ اور بنی امیہ ور بنی کندہ کے علاوہ بنی تمیم کو بھی مخالفت کے لئے للکارنا تھا۔ حسین کے ذمہ داری کی ابتدا اپنی جوش خیز نوعیت کے لحاظ سے جیسی صبر شکن تھی حسینؑ کا صبر اور انکے تصفیہ کی پختگی ویسے ہی حیرت خیز تھی!

ہم پیشتر صلح حسنؑ پر بحث کرتے ہوئے کہین یہ خیال ظاہر کر چکے ہین کہ معاویہ کی صلح کے لیے پیش قدمی اس خوف سے خالی نہ تھی کہ مبادا ایسا نہ ہونے کی صورت مین ایک سخت جنگ کے اتفاقات جمع ہو جائین۔ ظاہر ہے کہ یہ خوف حسن کی ذات کی وجہ سے تھا۔ فضل ابن عباس نہایت سمجھے ہوئے اور موقع پر روشنی ڈالنے والے خیالات ظاہر کرتے ہین جہان وہ مرثیہ کہتے ہین کہ "آج کے دن ابن ہند حسنؑ کی رحلت سے اظہار نخوت مین بیخوف ہو گیا" اب بیخوفی کی وجہ ظاہر ہے۔ اسلئے کہ وہ ذات جو ہر حیثیت سے چند روز پیشتر منصب امامت کی مرکز تھی طبعاً خلق اللہ کی نگاہ مین بے عنوانیون کے متعلق سوال اور کسی انداز کے اختیار کرنیکا حق رکھتی تھی اور اسمین قابلیت تھی کہ وہ منتشر قوت کو تنگ آ کر جنگ آمد کے لحاظ سے جمع کرنے کی کوشش کرتی۔ ایسی کوئی کوشش انکے لئے بہ مقابل کسی دوسرے کے زیادہ آسان تھی۔ یہ طبعی امر ہے حسین کو حسن کے برابر رسول کے بعد کی سیاسی وستعمالی کے لحاظ سے اس نے سامنا نہ تھا کہ حسن خلیفہ ہو چکے تھے حسین کو محض حق تھا اور

یہ تو خیال ایک ایسا عنصر تھا جس سے بمقابلہ حسین ؓ کے معاویہ کو مفید استحصال کا زیادہ موقع تھا۔

حسین فطری شاعر تھے

حسین ؓ فطرتاً شاعر تھے۔ جنھیں اپنے اظہار خیال کے لئے آمد دا اور خوبصورتی ڈھونڈھنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ صاف اور غیر آلودہ تقنع تصویر کھینچتے تھے۔ جذبات کی مصوری ایسی فطری طرح موثر ہوتی تھی جسکے سمجھنے میں شبہ نہ ہو۔ الفاظ کے ساتھ دماغ وہ کیفیت محسوس کرتا ہے اور وہ صورت سامنے موجود ہو جاتی ہے جسکے دکھانے کا ارادہ کیا گیا ہے۔ مرثیہ ہے۔ قبر میں لاش آکر سجائی اور کہنے جاتے ہیں۔ شروع کرتے ہیں کہ "کیا میں اپنے سر میں تیل ڈالوں یا میری مجلسیں پاکیزہ ہوں در حالیکہ سر مبارک آپکا خاک آلودہ اور آپ کے جسم کا لباس اٹھا ہوا ہو" حسرت۔ دل برخاستگی اور یاس کا اظہار اس استفہام سے زیادہ نہیں ہو سکتا تھا جیسا "کیا" سے ابتدا کرنے سے ہوا۔ اسکی آنکھ ان اُس تمام سامان راحت کو ڈھانکے ہے جو ایک انسان کو اپنی حیات میں بستر دیتے ہیں اور اسے غم آلود کر دیا ہے۔ طرز ادا نے غم کی جھوٹ کا اثر دور دور تک پہونچا دیا ہے۔ حیات کی آرائشوں اور موجودہ حالت کا مقابلہ کیا ہے جو حیرت خیز ہے اور ساتھ ہی ساتھ اظہار ادب اور محبت کی لپک نے اسے اور درد انگیز کر دیا ہے اور متانت میں کرختگی کی ہوا لگنے نہیں پائی ہے۔ فرماتے ہیں

دنیا کی کسی محبوب شئے سے کیا فائدہ اٹھاؤں مجھے وہ چیز محبوب ہے جو آپ سے قریب کرے" چیز وہی یا موت سے پہلے تباہی کا سایہ پڑ گیا۔ ہیچ ہو گئیں جب تمسا محبوب نہ رہا۔ تم دور ہو گئے دل کہتا ہے کہ تم سے قریب ہو جاتیں ذو محبت یہ ہے کہ وہ تمام چیزیں جو تم سے نزدیک کریں محبوب ہیں۔ مرثیہ یہ ہے کہ قربت زمانہ حیات کی نہیں ہے بلکہ موت سے قربت کی آرزو ہے۔ فرماتے ہیں:۔

میں آپ پر برابر روتا رہونگا جب تک کہ کبوتری گونجے جب تک صبا اور باد جنوب چلے جب تک کہ جھاڑ کے پشت پشتہ درختوں میں کوئی ڈالی سرسبز ہو۔ یہاں حسین فطرت کے شاعر ہیں۔ وہ فطرت کی ان چیزوں کو اپنے غم کا گہوارہ قرار دیتے ہیں۔ ان چیزوں کو اپنے سلسلۂ غم کے تازہ کرنے کی علامت قرار دیتے ہیں۔ کبوتر کی گونج اسکی بے آرامی اور عالم خوش فہمی کا بیان ہے۔ اسکی غمزدانہ ادا اسکی حرکت طبعی سمجھی جاتی ہے کہ وہ خوش ہے اسکی امیدیں آسرت سے آگے اور غالباً غم زدہ ہیں۔ اسکا پھیرنا جس سے وہ اپنے خانوادے سے سے پاتا ہے کسی ذی روح سے دنیا کی خوشی کے عالم کو چھین لیتا ہے جو طبعی احساس کے لحاظ سے کہ وہ

فطرت کا یہ پرلطف تماشہ - یہ غم غلط کرنے والا منظر - یہ خوشی کا شعور حسین کے لیے اپنے غم کے یاد دلانے کا
ایک ذریعہ ہے - اسی طرح پر معتدل اور گرم ملک کے لیے صبا اور باد جنوب کے چلنے کا موسم اور اسکا ایک
جھونکا روح افزا ہوتا ہے - خصوصاً عرب جہان زیادہ تر وقتوں میں سموم چلتی ہو - اور جہان نایابی آب
کے کمی کی وجہ ہو - غالباً حسین باد صبا اور باد جنوب کے چلنے یا ڈالیوں کے سرسبز ہونے سے زمانہ سابق کی
عشرت یاد دلاتے ہیں - ٹھنڈی ہوا کی شمیم نازک خامی سے سبز ڈالیاں جھوم رہی ہیں - سبزیوں کا استنشا
عام وقتوں میں دماغ کو تھپکیاں دیتی ہے - سرسبز شاخیں آنکھوں کو خنکی اور فرحت دیتی ہیں لیکن ان
کو حسین محرک غم قرار دیتے ہیں - اس لیے کہ یہ چیزیں انکی حقیقی عید پر خزاں کے چھا جانے کی یاد دلانیوالی
خصیص ہیں - اور پھر ان سب کے بعد سخت ترین مرثیہ یہ ہے جہاں وہ صورتیں دکھائی ہیں - توت اس سے
اگلی ہے کہ استعارہ سے کام نہیں لیا ہے بلکہ صاف صاف کہا ہے کہ لٹنا ہوا وہ شخص نہیں ہے جسکا مال
لوٹ لیا جائے بلکہ وہ ہے جو اپنے بھائی کو زیر خاک کرے" - کوئی لفظ ان الفاظ سے زیادہ اس عالم
حزن میں نہیں ہو سکتا جو "لٹا ہوا" مال سے نہیں بلکہ "جو اپنے بھائی کو زیر خاک کرے"
سے مترشح ہے -

حسینؑ نے اکثر اشعار فرمائے ہیں خصوصاً ان وقتوں میں جس وقت لطافت خیال کی موزونیت کے
انسان میں حواس نہ ہونا چاہیے - نہیں معلوم ایسے وقتوں میں حسین کے خیالات کی تعریف کیجائے یا انکے
ہوش کی - ہم اس مضمون کو اسپر ختم کرتے ہیں کہ حسین میں ایسی قابلیت شاعری کا ہونا اس وجہ سے بھی عجب خیز
نہیں ہے کہ انکی مادر عالی مقدار اور پدر بزرگوار کے اشعار اور انکے خیالات کی نفاست ایک مسلّمہ
اور مشہور امر ہے -

رحلت حسنؑ سے حسینؑ کا نقصان -

حسین کے افسردہ چہرے اور انکے غم و غصہ کا نقشہ کھینچنا لفظوں کے امکان سے باہر ہے - وہ اُن
حسن کو دفن کر رہے تھے جو بنت فاطمہ و علی کے فرزند تھے - وہ اُن حسنؑ کو دفن کر رہے تھے جو ایک زمانہ دراز
تھے - وہ اپنے بھائی کو دفن کر رہے تھے - وہ اُس کو جس سے اس وقت تک کے رفیق اور دوست کو دفن کر رہے
تھے اور سب کے آخر میں وہ اپنی سیاسی پناہ کو دفن کر رہے تھے -

حسین کی تنہائی کا وقت شہرت اور قدرت -

تنہائی - بیکسی - بے اختیاری اور مظلومیت تو انکے عکس میں کچھ نہ تھا لیکن کچھ تھا بھی اور وہ
یہ تھا کہ بچپن کے دوست عجلت میں اب صرف حسین کو دیکھ رہے تھے - یہ بقیہ آس سب کے

جو اِن نفوس قدسی مین تھا۔ اِس لحاظ سے حسین کی ذات کوئی ایسا امر کو نہ ہو سکتی تھی جو عدم شناسائی
اور عدم شہرت کی وجہ سے کم موثر ہوتی۔ یہ تو ثابت ہے کہ رسول نے اہل مدینہ اور مدینہ آنے والون کو
حسنین سے اسطرح شناسا کر دیا تھا کہ عدم شناسائی کا کوئی عذر مستوجب سماعت نہین ہو سکتا۔ یہ
ہوا کہ اسوقت تک ایک پشت سمجھدار اور ایک قریب بلوغ تیار ہو گئی ہو اور ان اتفاقات کا جو زنگ تھا
اُسنے اُنکے متعلق روایات کو حافظہ کے قریب تر رکھا ہو لیکن ادھر کے چار پانچ برس اس طرح کے نہ گذرے
تھے کہ حسنین ایسے موقع پر نہ ہوتے کہ کوئی نہ دیکھ سکتا۔ جناب امیر کے خلیفہ ہوتے ہوئے کون تھا جو اِن
شاہزادون کو نہ پہچانتا اور پھر جمل کے مشہور میدان مین اور مدینہ سے صفین تک کے کوچ اور اسکے مشہور
میدانون مین کونسی جگہہ تھی جہان حسین نہ تھے اور جہان ہزار ہزار آدمی انھین نہ دیکھ رہے تھے۔
ممکن ہے کہ اِن لاکھون دیکھنے والون مین سے ہر ایک کو حسین سے شرف تعارف حاصل نہ ہوا ہو اور یہ لوگ ذات
کے اثر کی کیفیت محسوس نہ کرتے ہون جو تعارف اور قربت سے حاصل ہوتا ہے لیکن اتنا سب سے بتا دیا گیا تھا
یہ تھا کہ یہ فرزند رسول تھے اور بس اسکے بعد انکا شرف و فضیلت پوشیدہ رہنے کی چیز نہ تھی۔ کون جانتا ہے
کہ حسین کے اس شناسائی اور آنے والے سفر سے خدا کو کچھ کام لینا تھا۔ بعید خیال بھی لیکن ہر جاننے والے
شخص مین یہ خیال موجود تھا کہ حسین کا حق معاویہ کے مرجانے کے بعد انکی طرف عود کریگا۔ نہ صلح حسن کے
بعد حسین کے بیعت نہ کرنے کی شہرت ایسی تھی جس سے انکی طرف نگاہین نہ اٹھتین۔ وہ اتنا لیکن اسکے آثار
ہین کہ اکثر مشاہیر حسین کی خدمت مین اسکے بعد حاضر ہوئے اور کچھ عجب نہین ہے کہ انھون نے حسین کو اپنی
آخری امید قرار دیا ہو۔ اور سب کا آخری حسن کے دفن کی مظلومانہ شان اور حسین کا یہ ہوش عبا برانے
مصلحت بغیر اسکے کہ لوگونکی ہمدردی انکی طرف منعطف کرتا اور وہ حسین جو اپنا ناموہ [illegible] رہنا چاہتے ہے ہون
نہین گذر سکتا تھا۔

ابو مخنف۔ عدی ابن حاتم اور حجر ابن عدی وغیرہ کی ہمراہ ان انکا معاویہ اور مغیرہ سے گفتگو
اور یہ گفتگو حسن کے زمانہ حیات کی بات تھی اور اگرچہ زیادہ تر سنہ ۵۱ سے ۵۳ تک ہوا اور کوفہ کا گورنر
رہا [illegible] بصرہ۔ کوفہ اور حضرموت مین شیعیان علی کا بڑی تعداد مین قتل عام ہوا لیکن
غالب قرینہ ہے کہ گو بعض غیر مشہور اشخاص [illegible] حسن کی حیات تک مین قتل کی گئی ہو لیکن
قتل عام [illegible] ظاہر زیادہ تر امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد وقوع مین آئی۔

کونسی مصلحت قوت کے ساتھ ظاہر ہوتی جاتی

اسلئے کہ ان متواتر واقعات کے متعلق حضرت امام حسین علیہ السلام اور معاویہ کی خط و کتابت کا نشان ملتا ہے یہ مراسلت بجائے حسین کے حسن کے نام سے ہوتی اگر وہ جناب حیات ہوتے۔

یزید کا نام اور اسکی سلطنت اس بات کا آئینہ تھی کہ حکومت کے لئے اہل بیت کے دوستوں کا زندہ رہنا برداشت کے باہر تھا۔ عہد اور وعدہ وفا کے قابل نہ تھا۔ ایک سردار قوم درمیان سے چن لیا جاتا تھا اور بقیہ اسکے منتظر رہتے تھے کہ دیکھیں موت اب کسکے نام قرعہ ڈالتی ہے۔ یہ حالت ہر ایسے شخص کے لئے تشویش اور مارے جانے کو جائز کئے ہوے رہی تھی عام اس سے کہ کوئی ارادہ یا نہ ارادہ تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ حالت نہوتی اگر قوم اسکے پہلے موت سے اسوقت کی حیات خرید لیتی۔ اسوقت لوگو حسین مارے جانے کے قبل مرجانے کا ارادہ نہ پایا جاتا کچھ عجب خبر نہ تھا عزم کی قابلیت فنا ہو گئی تھی۔ ظاہر کا یہ سلسلہ حسین کے نہ بولنے والے ارادے کے نیچے ہی میں ہوگا۔ اور تمام حالتیں حسین کے عزم شہادت کا گہوارہ کہی جائینگی۔

[حسین کے عزم شہادت کا گہوارہ]

پھر یہی نام لیے کو ایسی حالتیں حسین کے مدعی کے ساتھ بہت برتاؤ پر لوگ اظہار ناخوشی کرتے۔ جبر کو گرفتار دیکھکر پھر انکی کوشش اور شہادت کے بعد لوگ حسین سے شکایت کرتے اور بقیہ شاہد حسین کے پاس آتے۔ یہ تمام امتحان استقلال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی کیونکہ اگر حسین اجتماعی قوت اور ناقابل تغیر ارادہ ہوتا تو یہ حالت اپنی تاریخ کچھ اور لکھواتی کروٹ بدلنا خواب کی مشتبہ حالت سے زیادہ کچھ نہیں ہر چہ جائیکہ وہ ہوش اور کروٹ ہونے کا عالم کہا جائے۔

[بے قوت ہیجان]

حسین خاموش تھے۔ ذمہ دار آدمی کی خاموشی اور عمل کی حالتیں پر غور مطالعہ کی چیزیں ہیں کہ کب تک وہ چپ رہتے تھے اور کب انہی آواز بلند کرتے تھے یہ حرکت کرتے تھے۔ جناب امیر کو صد اہل کی ہم آہنگی اور پر استقلال عزم دیکھے بغیر خلافت منظور نہ کر سکتے تھے تو حسن کب بغیر ایسی حالت کے خلیفہ رہنا پسند کر سکتے تھے۔ یا پھر ایسی حالت کا نا موجود کی میں حسین کیونکر کوئی ایسا ارادہ کر سکتے تھے جنمیں حسین اور عام ناس کے اشتراک کی ضرورت ہو۔ اگر ایسا ہی تھا کہ انفرادی شہادت عزم کا وقت آگیا تھا تو اسکا اختیار تیزی اس شخص کے لئے جب جو چپ بیٹھا ہوتا اور بہانے میں کی یہ بات مہلک انتخاب تیزی کے صرف کا یہ وقت تھا یا وہ جبکہ حسین سے چھپا۔ جسکا ذکر آ رہا ہے۔

[ذمہ دار آدمی کے چپ رہنے اور بولنے کا مطالعہ]

حسین جیسے مطلقا خاموشی کا کیا ہی ارادہ کیوں نہ ہوتا۔ لیکن وہ خاموش نہ بیٹھے گئے۔ حکومت کی وہ آنکھ جو مدینہ میں تھی انکو بیٹھا تک کرنے کے لئے نہ جانے کا فی تھا کہ لوگ معہ شاہد حسین کے پاس آ رہے

[حسین چپ نہیں رہنے دیئے جاتے۔]

ہین۔ آپ عمرو اور فزاری سردارون پر ظلم کی شکایت کرسکتے ہین۔ مروان نے معاویہ کو "فتنہ کے اندیشہ" سے
مطلع کیا۔ معاویہ نے حسین کو لکھا اور اُن خبرون کو اُنکے "لایق حال" نہ سمجھا۔ وفائے عہد (؟) کی امید
اور نصیحت کی۔ اور گویا ایک نیا سمجھوتہ پیش کیا کہ "جب تک ہماری جانب سے تمھین کوئی برائی نہ پہونچے
مجھے بھی تمھاری طرف سے کوئی امر مکروہ واقع نہ ہو"۔ یہ عہد اسلئے قابل لحاظ نہ رہگیا تھا کہ معاویہ اور حسین
کی قابلیت فلاح برابر نہ تھی۔ اسکا فائدہ عدم مساوات قوت کے لحاظ سے تمامتر معاویہ کے لئے تھا۔ وہ
ہر وقت اختیار رکھتا تھا کہ کوئی نزاعی روش اختیار کرتا اور حسین دفعتہً ایک قوت دار مخالفت دیکھکر
مقابلہ کی قوت نہ پاتے۔ معاویہ کی مسلسل روش نے اُنکے ایسے کسی وعدہ کو قابل اعتبار نہ رکھا تھا بجز
اسکے کہ کمزور سے بجز چارہ نہ دیکھتا کہ بیچ تمیرا اعتبار ہے کیونکہ ایسا نہ کہنے کی صورت مین قوی دشمن کا
زبانی اقرار بھی ہو رہ جاتا۔ مقتولین کی مجبور ہمدردی کے متعلق معاویہ کے "سفہا" اور "طالب فتنہ"
کہنے مین بجے اختیار کے انھون الفاظ کے مسخ ہونے اور خیال کے ناجائز ولادت کے علاوہ کچھ نہین

حسین کے الفاظ اور انکا عکس۔

دکھائی دیتا۔ حسین کا جواب مختصر اور صاف ہے کہ "مین کسی طرح تیری مخالفت اور جنگ کی رغبت نہین کرتا
تو مطمئن رہ"۔ اسمین بجز "مخالفت" "رغبت" اور "مطمئن" کے الفاظ ہی نہین ہین جو غور طلب ہون۔
مخالفت نہ ہونے کے معنی موافق ہونا نہین ہے۔ "رغبت" کا استعمال ظاہرا اختیار سے جو اپنی بے قوتی کا عکس ہو
والے۔ اور "مطمئن" کرنے سے مخالفت کے عملی تحریک کو ملتوی کرنے کی کوشش کی ہے

مفصل جواب پر نظر

اب مین حسین کے اس مختصر جواب کے علاوہ تاریخ التواریخ کے طویل جواب پر نظر ڈالتا ہون۔ یہ خط ایک
تنقیدی حیثیت کا جواب ہے۔ شروع ہی مین ناسخ نے ترجمہ کیا ہے کہ اس خبر کو "جھوٹے اور خوشامدی لوگون سے
افترا کیا ہے" "من از تو در مخالفت رستم فتنہ در محاربت" جسکے معنی یہ ہونگے کہ مین تجھسے حالت مخالفت
یا جنگ مین نہین ہون۔ اسکے بعد صاف لفظون مین حجر اور ابن الحمق پر ظلم کا تذکرہ کیا جسکی مخصوص بات
یہ تھی کہ "بجز اسکے کہ اُنھون نے تیرے ملک مین کوئی فتنہ برپا کیا ہو" مجھا اسمین شبہہ نہین ہے کہ وعدہ امن کے بعد
بھی قتل ہوا و اگر غیر صحیح طور سے حسین یہ کہ رہے تھے کہ "تیرے ساتھ بھی تیرے کسی عہد پر کیا اعتبار ہے۔ اسکے بعد
زیاد کے مظالم اور خلاف اسلام کارروائیان یاد دلانے کے بعد فرمایا "گویا تو اس امت مین نہ تھا" اسکا صحیح
مفہوم تو غالبا یہ ہے کہ تو بحیثیت حاکم ہونیکے ایسے حکم دیرہا تھا کہ گویا تو مسلمان نہ تھا اور نتیجہ اسکی نگرانی کا مسلمانون
ملکون المنافیہ طریقون سے شہید کئے جا رہے تھے۔ یہ قیاس اُنکے اس عبارت سے صاف ہو جاتا ہے کہ

"حالانکہ ابھی جو ہونے کے لئے علیؑ نے سمجھا اور تیرے باپ کو دستخوش شمشیر بنایا"۔ جماعت اسلامی اس بیدردی
سے تباہ کیجا رہی ہے کہ گویا اس جماعت کے ہتیا کرنے کی کوئی کوشش ہی نہ کرنی پڑی تھی۔ اور موقع کا منتظر
یا اس غداری و اقتدار خواہی میں ادا ہو گیا تو امیہ کا باپ جو جماعت اسلامی کی ترتیب میں داخل تھا اور جس
علی نے ہی دستخوش شمشیر بنایا ہے تیرا بیٹا اسی بنی ہوئی حالت کو بگاڑ رہا ہے" کیونکہ تو نے غصب خلافت
کیا ہے" کون کہہ سکتا ہے کہ ان تمام خیالات میں اظہار تأسف کا حسین سے زیادہ کسی کو حق تھا۔ وہ دیکھ
رہے تھے کہ اُنکے جد بزرگوار کے تیار کئے ہوئے بہترین نمونے برباد کئے جا رہے ہیں اور پھر سیاسی تعلق کا
دباؤ اُن سے ایسا جواب چاہتا تھا جو حالات کی سلامت روی کا اقرار ہو۔ حسین اپنی خیر خواہی وہ وقت
اطمینان دلا سکتے تھے لیکن اُنکی حق گوئی سے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ ایک قابل اعتراض حالت کو سیاسی دباؤ
کی وجہ سے ناقابل اعتراض کہہ سکتے۔ خصوصاً جبکہ وہ کچھ کہنے کیلئے مجبور کئے جا رہے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ
جماعت کی جماعت ظلم کی اُن ایجادوں سے تباہ کر دی گئی جسے اسلام نے ممنوع قرار دیا تھا اور پھر اُنھیں
اسکی بابت دھمکیاں دی جا رہی تھیں کہ تم چپ اور بیحرکت نہیں ہو۔

باوجود اسکے کہ ان الفاظ اور خیالات جیسے اسوقت ناسخ التواریخ کے علاوہ میں اور کہیں سے نہیں
معلوم لیکن ذاتی طور سے مجھے اسکے ماننے میں کوئی عذر نہیں ہے اگر موجودہ حالات اور واقعات کا لحاظ
ہونے والا کوئی خیال اور وہ الفاظ طرز بیان۔ انعکاس ہو۔ لہجہ اور اسکا خاصہ کہنے والے کے خیالات
کا تعارف۔ کوئی معیار قرار دیا جا سکتا ہے تو نہ صرف [illegible] صاف گوئی بلکہ یہ الفاظ بھی کہ "تمہا
لکھا ہے کہ اپنے دین کی فکر میں رہو اور فتنہ کو برانہ کرو میں تو اس امت میں کسی فتنہ کو تیری حکومت
اور خلافت سے زیادہ تصور نہیں کر سکتا۔ اپنے نفس اور امت محمدی کے خیال سے اس سے اچھی کوئی
بات مجھے نہیں معلوم ہوتی کہ تجھ سے جنگ کروں [illegible] اسوقت مجبور کئے جانے پر ایسا نہ کہنا
کے مصلحت کی کامیابی [illegible] اور سمجھا تھا یہ شخص کا مرا سرا اُسکی [illegible] ترقی ہو رہا ہوتا
[illegible] اس جواب کا یہ اثر ہوا کہ معاویہ کو اپنی تمام کارروائیوں میں اب پیش نظر رہتا ہوگا کہ
کوئی دیکھ رہا ہے۔ اگرچہ وہ کیسا ہی بے قوت ہو۔

[illegible] خلافت [illegible]
[illegible]

بیخ کیا تھا۔ اسلام ہمیشہ کے دشمنوں کے ہاتھوں جاہلیت کی طرف بڑھائی جا رہی تھی اور مسلمان ان خلاف
انسانیت اقدامات کے شکار ہوتے رہے ہیں۔ اور معاویہ کے لئے الزام کے جواب میں نہایت بلیغ فقرہ ارشاد فرمایا
ہے کہ "کسی مخلوق کو نقصان نہیں پہونچایا مگر یہ کہ اس کے نفس کی طرف بازگشت کرتا ہے"۔ یہاں حسین اس طرح
نقصان کو نقصان نفس سمجھتے ہیں جو کسی کے ممکن یا ارادہ اختراع سے کسی کو پہونچا ہو۔ بلکہ حقیقی نقصان اُسے سمجھتے
ہیں جس کو پہونچا جسے کہ کیا تھا۔ مطابق واقعہ تیز فقرہ تحریر فرماتے ہیں کہ "تو جہل پر سوار تھا اور نقض عہد پر حریص
ہوا"۔ سبھی تمہاری شامیین اور مقتولین کا ذکر کر کے "ان کا قصور بجز یہ کے فضائل اور تعظیم حقوق کے کچھ نہ تھا۔
انہیں تو نے اس خوف سے قتل کیا کہ اگر یہ زندہ رہیں تو تو خود تباہ نہ ہو جائے" شاید ہی واقعات کا خلاصہ اس سے
بہتر کیا جا سکتا ہو یا ان کی حقیقت اور ظالمانہ غرض اس سے بہتر لفظوں میں سمجھائی جا سکتی ہو۔ اس کے بعد
حسین اپنے حقیقی منصب کے لحاظ سے عذاب خدا سے ڈراتے ہیں۔ رعیت کے پریشانی کا تذکرہ کرتے ہیں اور
فرماتے ہیں کہ تو نے "پارساؤں کو ڈرایا کہ آدمی کی گردن پر سوار ہو" کیسے ممکن تھا کہ وہ جو اپنے کو خلیفۃ المسلمین
کہتا ہے وہ کسی حج کے خلاف حق امورات میں مصروف ہو سکتا جب تک اُن کی زبانیں خوف سے بند کر دی جاتیں
جو اعتراض کر سکتے۔

تیر اور تلوار سے مرنے والے مر چکے تھے۔ اب گھر سے مارے جانے کے قابل لوگ رہ گئے تھے کہ مدبرین کہے جا سکیں
چونکہ اکابرین قریش مر چکے ہیں۔ ولیعہدی یزید کا اہتمام کیا جائے اس لئے کہ اب کوئی فتنہ یا فساد نہ ہوگا۔ شام موافق
تھا۔ عراق معترضین سے پاک کر دیا گیا تھا۔ حجاز یعنی اسلامیت کا گہوارہ اور دینی روایات کا مولد کیونکر نظرانداز
کیا جاتا۔ خصوصاً جبکہ چار صاحب اثر لوگوں کی ناموافقت کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔

بعض کے موافق مدینہ میں معاویہ کے آنے کی خبر سنتے ہی چاروں حضرات مکہ چلے گئے لیکن میں ان مورخین کے
قول کو زیادہ معتبر کرتا ہوں جنکے نزدیک یہ لوگ مدینہ میں تھے اور معاویہ سے گفتگو کے بعد مکہ روانہ ہوئے۔ ان کا
اور جب ہونا ہی ہے دہکیاں اور خطرات سننے کے بعد تھا کہ "خدا تمہارا خون بہائیگا" پھر بھی حسین نے معاویہ کے
حسد اور عداوت ان کے الفاظ مختصر انکی نا فیدہ کے خلاف واضح بتائی تھی کہ "چپ رہو ہم ان کے اہل نہیں تھے
اور ان کے کہا کہ تم ان کے اور اصل میں نہ تو کسے ان ہو" لوگ ایسی بات چاہتے تھے جو خدا کے خلاف چاہتا تھا"
ہو سکے بخیر خالی رہتے چکے ہیں کہ معاویہ کو ایسی عادت ہو گئی تھی کہ پھر ایسی سختی کو برداشت اور انکی جماعت
کسی قدر یہ جماعت سے مباشر رہتے۔ خدا لکھ ان سے کہو اگر وہ چاہے یہ سکی غرض کچھ تو یہ ہو سکی ان کو

اپنے دور حیں لوگون کیا اپنی عقیدت بنائین اور کچھ ذریعہ نقص کی تسکین مقصود تھی۔ ویسے ملکی یہ بات تو ہے اسے بات جو اُنکے خلاف کی یا کہی جاتے مگر مین باندھ لیجاتی تھی اور کسی طرح اسمین خدمت سے تعبیر رضا حسین نہ پڑا جاتا تھا۔ اِس تمام گفتگو کے بعد جس سے خوب کہلی ہوئی ہی یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ منکرین بیعت حضرات اب مدینہ سے روانہ ہوئے ہون سب سے بڑا امیر شام ہو منکر ہو سکتا تھا۔ غلطی کی وجہ ظاہر تھی۔ اسلئے کہ حضرت عائشہ نے بہی یہی ظاہر کیا کہ " تمنے اُن لوگونکو قتل کی دہمکی دی ہے " اور جب یہ دہمکی دیجا چکی تہی تو دہمکیان سننے والے جانتے ہے کہ درصورت موافقت نہ کرینگے یا قتل ہونا گوارا کرتے اور یا کوئی ایسی فکر کرتے جس سے وہان دہمکیون سے محفوظ ہو جاتے۔ کوئی تہا نہ تھا۔ چاہتے تھے سب صاحب اختیار تھے۔

مکہ کی روانگی سے منکرین بیعت یزید کی کیا غرض تھی

میرے نزدیک عبداللہ ابن زبیر کا بغرض حفاظت مکہ تشریف لیجانا مدینہ میں رہنے سے بہتر مصلحت تھی نہ محض اس لحاظ سے کہ حضرت عائشہ مدینہ مین موجود تھین بلکہ اسوجہ سے بہی کہ وہ عامہ ناس پر اپنے وقار کو ابہی اِس قدر مسلم الثبوت سمجہتی تھین جس سے وہ معاویہ کو محمد ابن ابی بکر کے طلب قصاص مین قتل کی دہمکی دے سکتین۔ اُنکی یہ روش بہی ہر طرح مناسب تہی کہ اُنہون نے اِن چارون حضرات کے متعلق معاویہ سے اُسکے الفاظ کی بازپرس کی۔ اور معاویہ کا جواب کہتاہے کہ اُسے اپنی غرض کی تکمیل کے لئے کسی بہی بات کے کرنے سے کوئی تردد نہ تہا۔

لیکن مکہ ابن زبیر اور ابن ابوبکر کا مکہ جانا دشمن کے خیال کے دو جگہہ تقسیم کرنیکے لئے تھا کہ اگر وہ مدینہ مین حضرت عائشہ سے پیش آمدین قابل اعتراض ثابت ہو تو ہم مکہ مین فکر کر سکین اور اگر وہ مکہ میں ہمکو ہمارے ساتھہ کوئی نا ملایم برتاؤ کرے تو حضرت عائشہ مدینہ مین رہین تو ہم پہلے خیال کو واپس لین گے۔ ابن عمر اور حسین کا موقع ایسا نہ تھا جیسا ان دونون حضرات کا۔ اِس لئے کہ انکا حضرت عائشہ کا ایسا کوئی زبردست مددگار نہ تہا۔ موقع نہ ہوسکنے کے علاوہ ہم یقین کرلیتے ہین۔ کہ ابن عمر خلافت کے حوصلون سے پاک اور الگ آدمی نہ تہے۔ حسین ایسی کسی کوشش مین جو حضرت عائشہ کی مرکزیت سے شروع ہوتی غالباً کوئی حصہ نہ لیتے اسلئے کہ اُنھین سب بہتر تجربہ تھا کہ حضرت عائشہ کو ابن زبیر کے خلیفہ بنانے کا کسقدر حوصلہ ہے۔ ہر صورت مین ایسی کسی کوشش اور کامیابی کا نتیجہ ابن زبیر کا خلیفہ ہونا ہوتا۔ حسین اہل مکہ کے چند بندہ گوہر جب کہ اپنے بزور شمشیر معاملہ نہیں کر سکتے تہے تو استخلاف کے لیے جگہہ خالی نہیں ہے کہ وہ اور وہ ان کا حوصلہ پورا

مکہ مین حسین کا موقع

کرسکنے کا موقع ملاقات کے خوف سے اٹھا دیا تھا۔ [illegible] یہ سخت مصیبت ہے کہ حسین کا گزر شریف لیجانا محض
شر اور مخالفت کی غرض سے تھا۔ جیسا کہ بعد میں انہوں نے ایسا ہی کیا۔ لیکن غالباً اُنکا آئندہ موقع اسی وقت
کا تھا اگر اسوقت بھی اُن پر بیعت یا قتل کا زور ڈالا جاتا جیسا اسکے بعد ہوا۔

معاویہ اور مکہ کی یادداشت۔

معاویہ کے تنگ کرنے کے لئے اور کوئی چارہ نہ تھا بجز اسکے کہ وہ کر جاتا۔ یقیناً واسطے کہ وہ یاد کرتا کہ جو شخص حضرت
ابوسفیان میں داخل ہوگا اُسے امن ملیگا۔ خاص اس جگہ کی زیارت کرنے جارہا تھا جہاں حیوانات اور نباتات قتل جائز
نہیں ہو بلکہ ان لوگوں کی آزادی نفس کو قتل کرنے جارہا تھا جو اسے کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتے تھے جنکے ساتھ
سے خود انکے باپ اور ماموؤں کو سرد کر رکھا تھا اور اسوقت خلاف تھا۔ اور اس کیفیت لطف کے محسوس
کرنیکے لئے جو ایک اموی کو اس خیال میں حاصل تھا کہ لشکر کی جد و جہد کے بعد آج ہم بے دھڑک فتح
وطن میں شاہی داخلہ دیکھ اور دکھا سکے۔ داخل ہوا۔ مگر یہ بیعت سے ملاقات ہوئی۔ ایک طرف سے اطاعت
دوسری طرف سے انکار ہوا۔ اور معاویہ نے کہا" خدا کی قسم اگر کسی نے میری بات رد کی تو خیر نہ ہوگی"
باغ سبز بھی دکھلایا۔ تحائف بھیجے۔ لیکن حسین سے دور تھا کہ وہ اس رشوت پر نظر ڈالتے۔ بلکہ گفتگو میں
حسین نے امور خلافت کے لئے کسی بہتر شخص کو منتخب کرنیکی صلاح دی اور معاویہ نے پوچھا کیا تم اس سے
اپنے کو مراد لیتے ہو تو فرمایا کہ اگر میں کہوں تو بیجا نہیں ہے" اور پھر فرمایا کہ تمہارا کون ہے جو میرے نانا کی امت
سے بہتر ہو" یا فرمایا کہ "جو اپنے نانا کی امت اپنی ذات سے زیادہ عزیز ہو"۔ پہلا فقرہ میں صدق ہے دوسرے کو
آئندہ واقعات نے ثابت کیا کہ امت رسول کا دینی مفاد اور خصائل کی عظمت قائم رکھنے کے لئے حسین نے اپنے
عزیزوں اور انکے جانوں کی بھی بات ختم حسین کو عزیز نہیں کوئی پرواہ نہ کی۔

پہلا جو لب کچھ حسین نے صرف اس تعلیمی استفادہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو جہات خلافت کی انجام دہی کے متعلق
حسین یا سلف حاصل تھا بلکہ اپنے فطری حق کو بھی ظاہر کرتے تھے اور یہ باتیں ایسے کافی ہونی چاہئیں تھیں کہ امت
محمدی انکی خلافت پر راضی ہو جاتی۔ لیکن اب جو [illegible] کہ جانشین اسی شام کے اپنے جان کو [illegible] ہوا
سرور علم جیسا کی [illegible] کہ وہ سب [illegible] میں [illegible] کرسکے کہ حضرت امام حسین نے معاویہ کے افعال
کے متعلق [illegible] کا اظہار دیا۔

مکہ کی سیاسی نقل

معاویہ کے لئے یہ سادہ جانشین کم [illegible] کو [illegible] اپنی [illegible] تھی۔ مدینہ کی طرح اگر مکہ
فتح کرکے منبر پر چڑھ جا [illegible] تھا [illegible] کہ لوگوں [illegible] جواب نہ دیا [illegible] آپ [illegible] کی

تا یش ہی مقصود نہ تہی بلکہ "اپ مصاحب شرط کو پکار کر کہا کہ جو شخص میرے بیان کی تکذیب کرے اُسکی گردن فوراً اُڑا دینا" مقدار نقل اسکے بعد شروع ہوئی جسمین خون کا حق تھا۔ کمال ہوشمندی سے اِن چارون کا ذکر کے بیعت نہ کرنے کے واقعہ کو نا قابل اعتبار افواہ کہا۔ "انھین بزرگ زادگان عرب۔ اخیار مسلمین۔ مسلمانون کے سردار پیشوا وغیرہ کہہ" "جنکے مشورہ بغیر کوئی کام انجام کو نہین پہونچ سکتا" اور اب خدا ہی اطمینان سے انکے بیعت کرنے کا اعلان کیا اور سب پر طرہ یہ تھا کہ "یہ باتین مین انکے سامنے کہرہا ہون کہ اگر کسی کو شبہ ہو تو تحقیق کرلے کہ انھون نے یزید کی بیعت کی ہے یا نہین" کوئی عجب نہین ہے کہ لوگ حیرت مین ڈوب گئے ہون اور ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے ہون وہ اپنے مین یا بہ آن شور اشوری یا بے خودی کا عالم محسوس کرتے ہون۔ اُنکی نگاہ مین ان لوگون کے انکار کی وقعت گھٹ گئی ہو اور سوچنے کے لئے آمادہ ہوگئے ہون کہ تو سرچشم شاہی غضب کے ایک کیون ہون۔ مجھے شک نہین ہے کہ لوگون نے معاویہ کے کہنے کو سچ سمجہا۔ موقع کی بے تکلف دروغگوئی نے ہر لفظ کو سچا دکھایا۔ ایسے افسوسناک موقع پر جبکہ سچا فروغ ہو رہی تہی تیرہ وانست مین مذاق کی فقر غیر موجود نہ تھا۔ حسین کی جھلاہٹ اور تنفر۔ لوگون کی حیرت اور حقارت سے دیکھنا۔ مقرر کے اعتبار آمیز وضعی الفاظ اور اعتبار کے دہچکے پڑنے کے لئے قتل پر تیار رہنا۔ ان تمام باتون مین تلخ ہنسی کی جگہہ تہی۔ لیکن لفظون مین بیان کرنا جس قدر وقت کا محتاج ہو بسرعت خیال و نظر سے اسکا اندازہ نہین ہوسکتا۔ یہ کل حالتین اس قدر جلد گذر رہین ہونگی وقفہ نہ کہا جاسکے بلکہ حقیقتاً وقفہ کا نہ ہونا ہی معاویہ کے لئے مفید تھا۔ اُسکی تقریر کے بعد لوگ حیرت سے چونکے نہ تھے کہ منتظر حکم وفادار جلاد اشارہ پاگئے اور تلوارین کھینچکر انکے سرون پر کھڑے ہوگئے جنسے انکار کا اندیشہ تھا۔

معاویہ کی تقریر کے عجب خیز مضمون کے بعد اُس سے کسی طرح کم موثر سپاہیون کا انداز نہ تھا۔ کوئی تھا جو اپنے پہلے سلسلہ خیال کو قائم رکہتا اور اس نئی تماشہ کو دیکھنے نہ لگتا۔ معاویہ کی تقریر اگر ایک لمحہ بھر بھی لوگون کو رامی کرنے کا تھا تو بھی سپاہیون کو اُس وقت تلوار اور خوف سے دور کردیا تھا سپاہیون کی انداز کے اعتبار سے کسی طرح بڑی نہ تہی نہ انکے الفاظ بیکار تھے۔ الفاظ سپاہیون کے نہ تھے وہ نقل تھے اُسکے مصنف نہ تھے۔ اُن سے ایسے انعکاس سے کیا بحث جو اصلیت کے چہرہ دکھلانے کیلئے اُنکے پیش کیا گیا ہو۔ اِن الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ سپاہی معاویہ کی تقریر کے ایک ایک لفظ کو ایک تدبیر کی طرح تول رہے ہین اور مجبہ سے ہین کہ معاویہ اُنکے تعریف کررہا ہے کہ اُن چارون آدمیون کے مرتبے

عظیم کہتا ہے۔ عظیم کہتا خوف پیدا کرتا ہے اور وہ خوف قتل یا سب کے سامنے بیعت کرنے سے اور پیدا ہو سکتا ہے۔ اور گویا مگر کہہ اٹھتے ہیں کہ اب تک تو ان چار شخصوں کی تعریف اور عزت کرتا تھا۔ انکا صرف ایسا عظیم نہیں ہے کہ تو ان سے خوف کرے"۔ بظاہر یہ ایک مخلصانہ تنقید تھی یا شاید مؤلف الفاروق کے لفظوں میں یا استعارۃً تمام حالت بیان کی جائے کہ ہم اسکا بھی اندازہ کر سکو گے کہ حضرت ... کے عہد میں لوگ کس دلیری اور بے باکی سے اپنے خیالات ظاہر کرتے تھے۔ اور زیادہ تر اسوجہ سے کہ حضرت .... آزادی اور حق گوئی کو قوم میں پھیلانا چاہتے تھے" !

(ناظر کا جی چاہے تو نقطوں کی جگہ معاویہ کا نام لکھ دے۔)

معاویہ کے لحاظ سے تدبیر یہ تھا کہ بوسہ چند بیانیہ بہ دشنام چند کے اصول پر مصلحت تیار کی گئی تھی اور وہ اخیار مسلمین کے اعتبار سے مرثیہ یہ تھا کہ حکومت خود میٹھی میٹھی بات کر کے اپنے دست و بازو سے ایسا کچھ کہلواتی تھی جو انکی شان کے خلاف تھا اور اس سے یہ سمجھاتی تھی کہ دیکھو یا تم میرے قدر شناسی پر مائل ہو اور یا اسپر راضی ہو جو میرے خیرخواہ چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ نرم گرم باتیں ایک ہی نتیجہ کے لئے تھیں۔

انکے بعد شدہ تدبیروں میں یہ بھی داخل تھا کہ معاویہ ان اہل شرطہ کو "خاموش" کراتا۔ یہ ٹکڑا بھی نہایت خوب تھا اس لئے کہ سر حکومت نہ صرف عام حاضرین بلکہ منکرین بیعت پر بھی اپنی ختم نہ ہونے والی عنایت کا اثر ڈال رہا تھا اور پھر کیا ان دھمکیوں کے علاوہ قتل کرا دینے سے کوئی مزید فائدہ مقصود تھا؟ نہیں۔ بلکہ مضر ہو سکتا تھا۔ اور یہ غرض حاصل ہوئی تھی کہ "لوگ بیعت پر آمادہ ہو گئے" پھر کیوں اس وقت تک کی مفید مصلحت سے اعراض کیا جاتا کہ بہ جبر بیعت لیجاتی یا بیعت اور قتل کے علاوہ تیسری صورت نہ ہوتی۔

حسین سے معاویہ کے اعلان متعلق سوال اور انکا جواب۔

یہ حقیقت کش نقل جیسے مورخ یا مترجم ابن خلدون "حکمت عملی" کہتا ہے ختم ہوئی۔ اب وہ فطری موقع آیا کہ عام لوگ ان چاروں حضرات خصوصاً حسین سے انکی روش اور معاویہ کے اعلان کے متعلق سوال کرتے۔ حسین نے اسکا جواب دیا: "واللہ ہمنے تو اعلانیاً کسی طرح یزید کی بیعت نہیں کی ہے۔ لیکن معاویہ نے ہم سب کو فریب دیا اور جو کچھ تمنے دیکھا اور سنا اُسنے کیا۔ اور اہل شام نے اُسکے کہنے سے اس قدر غلو کیا اور تلواریں کھینچیں البتہ ہم خاموش رہے۔ تمنے کچھ پوچھا نہ ہمنے جواب دیا" اور ایسے لوگوں نے کہا کہ پھر آپنے معاویہ کو اس سے کیوں نہ روکا" ؟ جواب دیا "مسلمانوں کی خونریزی کے خیال سے" تو مجھکو اس کہنے سے تعجب ہوا۔ سوال یہ ہے کہ ایسے موقع پر حسین کا خاموش رہنا مناسب تھا یا نہیں۔ خاموش رہنے کے خلاف جو کچھ کہا

حسین کی روش کے متعلق سوال اور جواب

جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ باوجود اس قدرت کے کہ وہ لوگوں کو لب بستہ کئے بیٹھا تھا جب سے زبیر بن آئے بیٹھے
کہ وہ خاموش نہ رہنے کی صورت میں قتل کر ڈالے جاتے۔ یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ آیا ایک شخص کے لئے یہ زیبا ہے
کہ وہ اپنے کو صرف ہلاکت میں گرفتار کرے یا زبیر بن آنے دے میں اس سے انکار کروں گا۔ یہ مدعا اعلیٰ ہو کر
زبیر بن آنے دینے کیلئے کوشش کرے اگرچہ ایسا کرنا اپنے کو ہلاکت ہی گرفتار کرا دینا کیوں نہ ہو۔ نہ ایسا
تھا کہ حسین نے زبیر بن آنے دینے کی کوشش نہ کی۔ خود حسین موقع پر نہ تھے۔ لیکن کچھ ضرور نہ تھا کہ اسی وقت
مطلع کرتے۔ جبکہ اسوقت خاموش رہ کر نہ صرف اپنی جان بچا سکتے تھے بلکہ اسکا بھی یقین تھا کہ تھوڑی دیر کے
بعد ہم لوگوں کو اصل حقیقت سے مطلع کر سکیں گے اور اسوقت اسکا اس سے زیادہ اثر ہوگا جیسا اسوقت ہوتا۔
اسلئے کہ اسوقت تو یہ بھی یقینی تھا کہ ہم انکار اور اسکی وجوہات بیان کر سکیں گے اور بہت ممکن تھا کہ جلد ہی
ہی تلوار اپنا کام کر چکی ہوتی اور وہ مفید اطلاع بھی ختم ہو جاتی جو در صورت حیات لوگوں کے حوالے کی جا سکتی
تھی اور لوگ ایسے جرائم زبیر سے متنفر ہو سکتے تھے۔ جیسا اطلاع کے بعد ہوئے۔ اسوقت ظاہر کر دینے کی
صورت میں دوسرا نقصان یہ تھا کہ شاید کچھ لوگ اور انکار کرتے اور وہ بھی تلوار کے نذر ہوتے بلکہ گیہوں
کے ساتھ گھن بھی پس جاتا۔ آخر یہ سب کیوں کیا جاتا جب کچھ دیر کے بعد بغیر کسی خونریزی کے یہ نتیجہ حاصل
ہو سکتا تھا۔

دوسرے پہلو سے جواب کے لئے حسین کو نہ معاویہ نے ذمہ دار بنایا تھا اور نہ لوگوں نے بلکہ لوگ ایسے
تھے جنہیں در صورت اشتباہ حسین سے پوچھنے کا حق نہ تھا۔ حسین خود سے جواب دینے کے ذمہ دار نہ تھے۔ حسین
موقع ابن مریم کا ایسا نہ تھا کہ پائی لیٹ کے اس سوال کے جواب کے وہ ذمہ دار تھے کہ تو ہی وہ ہے جو اپنے
کو یہود کا بادشاہ کہتا ہے؟ اور یہ جواب دیتے ہیں کہ "تو کہتا ہے" اگر سننے والے ایسے ہی خوش اعتقاد
ہوتے کہ ہر پوچھنے والے کے پیچھے دوڑ جاتے تھے درحالیکہ کسوٹی آنکھوں کے سامنے تھی تو کیا امید تھی کہ انکا انکار
لوگوں پر کچھ اثر کرتا جو محض پوچھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے بلکہ دوسرے کو اپنے قتل کے اقدام پر
آمادہ کرتے تھے۔

نیز کیا وہ تمام لوگ جو یہاں موجود تھے حسین کی بیعت میں تھے جو بکار استخلاف چند سب تھے
جو معاویہ کی بیعت میں تھے۔ یعنی ایسے لوگ جو [illegible] شخص کی حکومت پیدا [illegible]
جنہیں [illegible] حسین کو کیا امید تھی کہ [illegible] معاویہ جیسی باتوں کی طرف [illegible]

مائل ہوسکتے۔ اور کیا یقین تھا حسین کو کہ میرا ایسے محدود قلیل وقت اپنی زبان کو قابو میں رکھنا اس قدر نتیجہ
ہوگا کہ لوگ ایک بے کام سے رُک جائینگے؟ کچھ نہ تھا۔

پھر بھی حسین کا جواب کہ "منتے کچھ پوچھا نہ میں نے جواب دیا" سمجھاتا ہے کہ اگر لوگ پوچھتے تو حسین
اپنے اُس اعلیٰ احساس سے جو اُنہیں تھا۔ جواب دینا اپنے اوپر فرض کر لیتے اگرچہ مخلوقات الٰہی کو خون بہنے سے
بچانے کی کوشش میں اُسی وقت شہید ہی کیوں نہ ہو جاتے۔ بے کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ فقرات حسین کے
مصمم ارادہ کو سمجھا دیتے ہیں۔

میں سوچتا ہوں کہ ایسے موقع پر حسین کا خاموشی کا تصفیہ کسی طرح اُس پر آزمائش تصفیہ سے کم نہ تھا
کہ بھائی کو بزور شمشیر روضۂ رسول میں دفن کریں یا واپس جائیں۔ حسین نے یہاں بھی دکھلایا کہ اُنھیں اپنے
اوپر کس درجہ قابو حاصل تھا اور یہی موقع تھا کہ حسین نے اپنے پیشرو بزرگوں کی طرح مسلمانوں کے
خون کو بچایا۔

تقیہ کا مسئلہ بین الفریقین ہو گیا۔

میں ضمناً یہ بھی سوچتا ہوں کہ حسین کے ساتھ ابن ابوبکر۔ ابن عمر۔ ابن زبیر کی خاموشی سے تقیہ کا
غالباً یہ بہترین مثال مسلّمہ بین الفریقین قرار پائی۔ (تقیہ موقت ہے نہ کہ غیر موقت)

بعض باتیں جو حسین کے تجربہ میں آئیں۔

یہ بھی حسین کے علم میں آنے والا تھا کہ حضرت عائشہ کی ضعیف العمری اُنھیں دشمنوں کے خلاف انتقامیہ
ارادوں سے باز نہ رکھی اور کیوں۔ وہ جانتے کہ شہدائے اُحد اپنے افتخار کے اُس خوابگاہ میں آرام نہ
کر سکتے جسے اُنہوں نے اپنی زندگی کی قیمت اور سرفروشی کے حق سے حاصل کیا تھا۔

مکہ میں حسین کا ایک کلام

ممکن ہے کہ مکہ تشریف لانے کا بھی زمانہ ہو جبکہ معاویہ کے آنے کے قبل حسین نے اُن کوششوں اور
اور اُنکے اثر کو دیکھکر جو حکومت کی طرف سے جاری تھیں اسکی ضرورت دیکھی ہو کہ وہ ایک مرتبہ اُس
مجمع کو جو اُنکے پاس ہو وہ احادیث رسول یاد دلادیں جو اُنکے پدر بزرگوار۔ نامدار اور خود اپنے اور
اپنے برادر عالی مقدار کے لئے تھیں۔ مجمع کی تعداد ایک ہزار کہی گئی ہے۔ حسین نے خطبہ فرمایا اور اُن
باتوں کو یاد دلایا جو معاویہ کی طرف سے اُنکے اور اُنکے دوستوں کے متعلق سرزد ہوئی تھیں۔ حالات کا بھی
اندازہ اِس فقرہ سے کیا جا سکیگا کہ "جسمیں دین خدا کے ضائع ہونیکا خوف ہے" اسکی تاکید فرمائی کہ جو کچھ
میں کہتا ہوں اُسے اپنے وطنوں میں جاکر لوگوں سے کہنا اور اسے محفوظ کر لینا۔ ظاہر ہے کہ یہ کوشش اِس لئے
کی گئی تھی کہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ امر اُن مسلسل تحریروں سے شاید نہ مٹ جائیں جو حکومت کی طرف

ہاتھ اور زبان سے ہو رہی ہے۔ نہایت ضروری تھا کہ جس وقت ممالک اسلامیہ کے تمام منبرون سے علی پر سب وشتم ہو رہی تھی وہ باتین یاد دلائی جاتین جو اس مظلوم کے متعلق شارع اسلام فرما گیا تھا۔

ان کل باتون کے یاد دلانے پر حسین سے ایک بھی کسی مسلمان کے لئے باعث ناز ہوتی۔ حاضرین نے ارشاد نبوی کی تصدیق کی اور سب لوگ منے سے متفرق ہو گئے۔ یہ جماعت اگرچہ عدد اً کچھ بہت زیادہ نہ تھی جسکا دشمنون سے مقابلہ کیا جاسکتا لیکن اگر حسین انمین اپنی سرگرمی پہونچا سکے اور وہ لوگ بھی موقع کے لحاظ سے اپنی ذمہ داری محسوس کرسکے ہون تو کوئی شبہ نہین کہ انمین آل نبی کے حفظ عزت کا مصمم ارادہ پیدا ہو گیا ہو اور دین خدا کے ضائع نہ ہونے پر ہر شخص بجائے خود آمادہ ہو گیا ہو۔ جہانتک اُسکے حلقۂ اثر مین ممکن ہو حسین کا یہ ہوش اور جوش مسلمانون کے لئے ابد الآباد تک کے لئے نصیحت ہے۔

دونون سیحی مورخین نے جنہون نے یہ لکھا ہے کہ حسین معاویہ کی فوجون کے ساتھ رہے یا قسطنطنیہ کے محاصرہ مین شرکت کی کوئی سند نہین دی۔ یہ ایک واقعہ ہے جسکا بطلان اس سے بہتر طریقہ سے ہو سکتا ہے کہ معاویہ کی جو روش حسنین کے ساتھ تھی وہ ہرگز اسکی مقتضی نہ تھی کہ وہ معاویہ کی معرفت ایسے کسی کام کو طیباً قبول کرتے۔ جبکہ خود حسن کے متعلق اسکا پتہ چلتا ہے کہ معاویہ نے خوارج کے خروج پر اسکی خواہش کی کہ وہ ان سے جنگ کرین اور اُنھون نے اسے منظور نہ کیا۔ قسطنطنیہ کی فوجکشی سنہ کا واقعہ ہے یعنی جبکہ چند روز ہوئے تھے کہ حضرت امام حسنؑ کا واقعہ پیش آیا تھا اور جس زمانہ سے بیعت یزید کا مسئلہ چھڑا ہوا تھا۔ ایسے زمانہ مین نہ معاویہ کی مصلحت اسکی مقتضی ہو سکتی تھی کہ وہ کوئی فوج حسین کے حوالہ کرتا اور نہ حسین پر فراموشی اس قدر غالب آسکتی تھی کہ وہ شامی لشکر اور خصوصاً اُسکے افسرون کے ساتھ ساتھ جاتے۔ مورخین خصوصاً ابن خلدون نے ابن عباس۔ ابن زبیر ابو ایوب انصاری اور ابن عامر کا نام لیا ہے لیکن کہین حسین کا نام نہین ہے۔ کم قیاس ہے کہ مورخین انلوگون اور اکثر افسران فوج کا نام لیتے اور حسین کے نام کو فراموش کرسکتے اگر وہ شریک ہوتے۔

اموی لشکر کے ساتھ حسین کے تشریف لیجانیکا عدم امکان۔

اب تک ہم جن واقعات پر نظر کر رہے تھے وہ اس درجہ مختلف خاصیت اور نوعیت کے تھے جنمین سے اگر ہر ایک پر خصوصیت سے توجہ دلائی جاتی تو یقیناً سلسلہ بیان بے لطف ہو جاتا اور ناظرین کو حافظہ مدد نہ کرتا کہ بڑے بڑے مضامین اور بعض غیر صریح اشارون سے کہانتک متعلق اثر ڈالتا ہماری غرض کے اندر جو واقعات مین کچھ ایسے تھے جو حسین کے علم و تجربہ مین قبولیت سے آسکتے اور کچھ اسے جنا مقبول اور اُن سے

اسوقت تک کے مذکورہ واقعات اور حسین۔

دو رہنے کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ طبیعتین تھین جنمین سے بعض ایسی تھین جنمین اصول خیر کا بہترین پرتو تھا اور
ایسے نفس بھی تھے جنکا سایہ کانپ جانیکے لئے کافی ہوتا۔ اصول تھے۔ مختلف مفہوم کے جو اپنے محور پر دورہ
کر رہے تھے اسمین ایک نتیجہ کے لئے نشو ہو رہا تھا اور ہر ایک کا کمہار اپنے مثالیہ پر صورتین تیار کر رہا تھا
انکے ضمنی اثر تھے اور وہ واقعات کی صورت اور جماعت انسانی کے اظہار حال کی زبان مین ظاہر ہو رہے
تھے۔ کبہی اخلاقی قوت تھی جسنے معاشرت اور سیاست کو اپنے زیر سایہ رکھا تھا اور کبہی سیاست تھی جو
اپنی قوت کا رجز پڑھ رہے تھے اور اپنے لئے تمام اصول کو اپنا بارکش بنا لیا تھا۔ محکوم اصول تیز دہار کے
نیچے رقص بسمل مین مبتلا تھے اور زبان نہ تھی۔ دل تھے لیکن قوت نہ تھی۔ آنکہین تھین لیکن تیزی ضائع ہو گئی
تھی۔ منتشر آلی تھین اور برابر نہ دیکھ سکتی تھین۔

یہ تمام حالتین مؤلف نے اگر وضاحت سے نہین تو مختصر اشارون سے اس لئے دکہلائی تھین کہ انکے نزدیک
حسین کے واقعات اور سوانح سے انھین کسی طرح کا تعلق تھا۔ انمین اجک زیادہ تر اسی نوعیت کی تھین
جنمین صریح یا غیر صریح عکس ڈالنا تھا اور کم حالتین ایسی تھین جو خود حسین کی ذات سے ظاہر ہوئی تھین
کم ظاہر ہونا اس وجہ سے تھا کہ سنہ ۶۰ تک حسین کا موقع خود مختارانہ نہ تہا اور نہ واقعات کی روش انکے ساتھ
ویسی تھی جس زیادتی کے ساتھ جناب امیر کے لئے رہی۔ یہ باب جو محض اسلئے تہا کہ حسین اور انکی حیات پر عکس
اور انکی حیات پر عکس ڈالنے والے واقعات اس طرح دکھائی جائین جس سے حسین کا نفس۔ انکی تربیت اور علم
و تجربہ سے انکی ساخت سمجھی جاسکے ختم ہوا۔ اور یہ اہتمام اسلئے کیا گیا کہ سنہ ۶۰ کے بعد چند روز کے واقعات کا
تصفیہ بغیر اسکا خیال کئے نہ کیا جاسکے کہ اتفاقات نے ایسے اور اسقدر مختلف نوعیت کے واقعات کی حسین کو
تعلیم دی تہی جس سے بڑہکر شاید ہی کسی کو موقع مل سکتا ہو اور چونکہ سمجھنے کی ضرورت کے موافق کہا جا چکا کہ
حسین کس قدر سریع الفہم اور ذکی الحس تھے۔ یہ قیاس کرنے کی گنجائش نہ رہی کہ واقعات تو انکی حیات مین بہت
ہوئے لیکن وہ انکے ہوش کے اندر نہ ائے۔ بلکہ اس طرح آئے کہ ہوش کو بجز عمل کے چارہ نہ تھا۔ مختصر لفظونمین
یہ تھے حسین جو اس دن کے لئے یعنی ان تو توان اور علم و تجربہ کے ساتھ تیار اور کھڑے ہوئے جنکا ذکر کیا
جانے والا ہے۔

اس باب مین جو کچھ باقی ہے وہ حسین کے علم ذکاوت۔ نفسی عزم۔ بخشش تہذیب۔ شائستگی۔ خودداری
اور اخلاقی عظمت کی چمک ہے۔ انکی شان ہے کہ وہ کس طرح مخلوقات الہی کے لطیف احساسات کا لحاظ

حسین کے متعلق روایات کی شرح۔

کرتے تھے اور انھین وہ کھانا نہین چاہتے تھے۔ انکی قدر دانی علم اور اعلے خیالی کی وجہ اور اسکی کوشش
کہ وہ کس طرح اچھی باتون پر انگلی رکھکر انھین ترقی دیا چاہتے تھے۔ دوسرے لفظون مین یہ وہ باتین ہین جنکی نسبت
اپنی جگہ یقین ہے کہ کوئی خارجی اثر سے نسبت نہین ہے۔ یہ بجائے خود وہ فروعی اخلاق ہین جو حسین کی
طبیعت کے مختلف پہلو صفائی اور سادگی سے سمجھ مین آجاتے ہین۔ بغیر اسکے کہ اسپر کوئی حاشیہ آرائی
کی ہو۔

لطافت الفاظ اور حسن تعلیم

ہم نہین کہہ سکتے کہ اس روایت کو کون سے وقت سے نسبت ہو۔ ان حسین ایک بڈھے وضو کرنے والے
کی غلطی بتانے کے لئے لطافت الفاظ کا اہتمام کیا گیا۔ اس سے یہ نہین کہا کہ تم غلطی کرتے ہو بلکہ صحیح طریقہ اُسے
دکھا دیا۔ بڈھے نے انکے حسن تعلیم کی داد دی۔

حسین اور عمر عاص کے فرزند مین پر لطف مذاق

جو غرض بھی ہو جس سے ابن عمر عاص نے حسین کے لئے محبوب اور فاضل ترین زمانہ کے الفاظ استعمال
کئے لیکن حسین کو موقع ملگیا کہ وہ انکے الفاظ اور خیال و عمل کی عدم مطابقت پر اُنسے پوچھ سکے۔ مین سوچتا ہون کہ اگر
عبد اللہ کے الفاظ مین طنز تھا تو خود حسین نہایت گوارا تلخی سے اُنکے تیر کو اسکی طرف اسیطرح پھیر دیا جیسے
واپس کرسکتے تھے کہ بڑا قدر دان فضل سمجھکر تو مجھے افضل سمجھ گیا۔ اور اگر عبد اللہ یہی بات از روی اخلاص ادا
کر رہا تھا تو یقیناً اُسے اس بے خیالی کی سزا ملی کہ وہ پیشتر کیا کرچکا تھا اور گویا حسین اُسے انابت کی طرف لاے
تھے۔ چوٹ کھانے اور جسم کرنے کے بعد عبد اللہ نے معذرت کی لیکن پھر سنبھلا اور گذشتہ لغزش سے
دامن بچانے کے لئے اُسے اس دلیل تک ایک پردہ ملگیا کہ رسول نے اطاعت والدین کا حکم دیا ہے۔ ممکن ہے حسین جانتا
ہو کہ اُسے مجبوراً اپنے اس دلیل کو صحیح سمجھا یا تھا یا بلا ارادہ مغالطہ کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ ایک جواب تھا
حسین سمجھتے تھے غلط جگہ منطبق کی گئی تھی۔ لیکن عبد اللہ کا مقابل کوئی ایسا نہ تھا جسے اپنے کسی ممتاز بزرگ سے
محض نسبی سلسلہ کا واسطہ ہو اور بس۔ حسین اپنے جد بزرگوار کے صفات اور خیالات کے عکس تھے بلکہ فرزند تھے۔
حسین نے اپنے جواب مین پہلے قرآن شریف سے ایک دیکھا سوال پیش کیا جسمین اسکی مثال تھی کہ والدین کی
پیروی سے انحراف ہو سکتا ہے جو شرعی ہے۔ اور پھر اسکی تصدیق کے لئے اطاعت رسول مین ایک حدیث
ذکر کی ایسے امور جو خدا کے اطاعت سے منحرف کرے۔

یہ مکالمہ حسین کی تندہ دانی اور نکتہ رسی کا اچھا نمونہ ہے حسین کو قرآن شریف اور اقوال رسول پر
کس قدر عبور تھا۔ تجربہ [illegible] ہوتا ہے کہ انکے صرف مسائل ہو شان نقلی کی جاسکے بلکہ جیسا حضرت اور حسین

مذہب سے علاقہ نہیں رہا ہے۔ عبداللہ نے اپنی ذمہ داری دوسرے کے سپرد کرنے میں اپنی پناہ سمجھی تھی لیکن
حسین اسے جنجھوڑتے ہیں کہ خدا اور رسول نے تجھے اپنی ذمہ داری سے معذور نہیں کر دیا تھا۔ یہ اشارہ سے
حسین گذشتہ کو روشن کرتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ ہوش سے گرد و پیش کے اثرات میں محض مقلد نہ تھے بلکہ موافقت
یا مخالفت کرتے تھے اپنی ذمہ داری کے احساس سے۔ اور اس مکالمہ کا دوسرا مذاق یہ ہے کہ اگر حرماں کا
تقشف علی پر غالب آیا تو بیٹے کی ریش کب حسین پر کوئی اثر کر سکتی تھی۔

سادی زندگی اور احسان کا صلہ

اس روایت میں اس زمانہ کی سادی اور بے تکلف زندگی کا نقشہ ہے کہ حج کرنے چلے جا رہے ہیں سامان سے تنگ
بڑھے آئے ہیں کہ بھوک پیاس معلوم ہوئی۔ ایک جھونپڑا دکھائی دیا چلے گئے۔ پانی مانگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہ ہو کے
ان مقامات میں تھی جہاں کوئی چشمہ یا کنواں قریب نہ تھا۔ دودھ دوہنے کی اجازت ملی اور ان لوگوں نے دودھ پیا پیاس
بجھائی اور سیر چشم بڑھیا نے یہ بھی گوارا کر لیا کہ اسکی بکری اس اتفاقی ضیافت میں صرف ہو جائے۔ ان لوگوں نے
اپنا نام و نشان نہ بتایا بجز اسکے کہ ہم لوگ قریش سے ہیں ہم سے مدینہ میں ملاقات کرنا۔ غالباً اسلئے کہ ہمیں پہچان کر بڑھیا
کو ہماری ضیافت اور خاطر داری میں اپنی بساط سے زیادہ اہتمام کرنا پڑے اور کمی اسباب اسے اندوہناک کرے۔
بڑھیا کو تنگی معیشت نے کچھ دنوں کے بعد مجبور کیا کہ وہ اپنی موجودہ پناہ سے نکل پڑی۔ اسکا فکر میں باہر نکلنا افلاس
کی دوری کا سبب ہو گیا اور حسن نے بڑھیا کو پہچان کر اس قدر دیا جسکا وہ خواب نہ دیکھ سکتی تھی۔ حسین اور
عبداللہ ابن جعفر نے سبط اکبر کی تقلید کی اور شاید اسکے بعد بقیہ عمر بڑھیا آل ہاشم کے سخی اور خدمت شناس ہاتھوں کی
مدد سے فکر رزق کے مشقت سے بے پروا ہو گئی۔

معافی اور وقت کی کیفیت

ہر شخص جانتا ہے کہ اگلے زمانہ میں آقا کو اپنے غلام اور کنیز پر کس درجہ قدرت حاصل تھی۔ اور نہ وہ برتاؤ لا معلوم
ہیں جو روم۔ یونان۔ ایران۔ مصر۔ بابل وغیرہ میں ان مجبور ذی روحوں کے ساتھ ہوتا تھا۔ اسلام نے انکی حالت کا
مطالعہ کیا اور انکے ساتھ جس رحم و انسانیت کے برتاؤ کو اصول قرار دیا۔ اس سے انکار کرنا اسکو بھول جانا
ہوگا کہ اسوقت کے غلام اپنی غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتے تھے۔ میرے خیال میں ابھی دنیا نے حقیقی تہذیب اور
شائستگی میں اتنی ترقی نہیں کی ہے کہ وہ اسپر اعتراض کر سکے کہ اسلام نے غلامی کو قطعاً ممنوع کیوں قرار نہیں دیا۔
تہذیب اور شائستگی کی حقیقی ترقی اسلام کی ایک صورت ہوگی اور اسوقت اُنکے اور متعصبانہ روش کے الزام
خود ساقط ہو جائینگے۔ کیونکہ یہ حقوق تھے جو انھیں دے دیئے گئے تھے اور کون سا انعام اور احسان تھا جو ان سے
اُٹھا رکھا جاتا تھا۔ اسلام کے ذمہ دار ہادیوں کی نہ صرف مثالیں ہیں بلکہ اسکی بھی کہ عاقبت نا اندیشی بھی اسے

سبق حاصل کیا۔ یہ بات دوسری ہے کہ اسلام پر اعتراض کرتے وقت اُسکے برتاؤ فراموش کرکے اپنے برتاؤ جو غلامونکے
ساتھ ہے پیش نظر رکھکر اسلام پر اعتراض کیا جائے۔ ہمارے زمانہ کے متکلمین اسلام نے اسپر بحث کی ہے اور مین اس موقع
اس سے زیادہ کہنا نہین چاہتا بلکہ ذمہ دار بادی کے حلم اور آزاد کرنیکا بہانہ ڈھونڈھنے کی مثال دیتا ہون کہ ایسے
موقع پر جبکہ اپنی اور اپنے کپڑونکی شان سے خود ہی مرعوب ہوجانے والے نہین معلوم غیظ و غضب کا کیا اہتمام
کرتے دیکھو حسین کیا کرتے ہین۔ کھانا کھارہے ہین یا کھلانے کا تہیہ ہے کنیز لائی ہے کہ کسی وجہ سے کاسہ اُسکے ہاتھ سے
چھوٹ پڑا۔ حسین کی نگاہ اُسپر اٹھ گئی۔ اور کنیز کے الفاظ کہتے ہین کہ وہ تمام روح و جسم سے تھرا گئی۔ لیکن اس نے
صحیح اور حسین کے دلپسند الفاظ مین (آیہ قرآنی) معافی کا استغاثہ کیا اور ابھی اتنا ہی منھ سے نکلا تھا کہ "وہ
لوگ جو غصہ فرو کرتے ہین" کہ غالباً حسین نے اُسکی خوف زدہ حالت دیکھ کر اسکا انتظار نہ کیا کہ وہ فقرہ تمام کرتی
اور جلدی سے کہدیا کہ "مین نے اپنا غصہ فرو کیا" اب اُسکی جان مین جان آئی اور اُسنے بعد کا فقرہ کہا کہ "اور جو
لوگون کو معاف کرتے ہین" فرمایا "مین نے تجھے معاف کیا" معافی کی خوشخبری سُنکر اُسنے تیسرا ٹکڑا بھی ادا کردیا
کہ "خدا احسان کرنے والون کو دوست رکھتا ہے" اور اب حسین نے اُسی بے جنبش حالت بلکہ بڑھتے ہوئے رحم
وکرم سے فرمایا کہ "مین نے تجھے خدا وند تعالےٰ کی راہ مین آزاد کیا" بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ چار سو درہم بھی
عطا کئے۔

مارکس ڈاڈز ڈاکٹر آف ڈیوی نی ٹی۔ مصنف "محمد۔ بدھ اینڈ کرائسٹ" زیر نظر روایت کے ذکر کے قبل
کہتے ہین :۔ "مذہب کا اثر سمجھنے کے لئے انفرادی مزاج کا بھی ضرور لحاظ کرنا ہوگا۔ ہم خونخوار خالد کو اسلامی اثر کا
نمونہ اُسی طرح کم قبول کرینگے جس طرح شریف النفس حسین کو" اس کتاب کے قابل مصنف کی روش اسلام اور بانی
شارع کے سمجھنے کے لئے ویسی ہی دور افتادہ اور دور افگن ہے جیسے کسی رقیب مذہب کے روشن سارہ وحامی سے امید ہو سکتی
ہے اور جو خصوصاً بالعموم مسیحی مصنفین نے اختیار کی ہے۔ مسیحیت کے طریقۂ اشاعت کی تاریخ جاننے والونکو لئے یہ روش عجیب خیز ہو سکتی
قابل مصنف اُنکے سامنے لکچر دے رہا ہے جنمین جیسا خود اُسنے حوالہ دیا ہے کہ "خود تعلیم یافتہ" اسلام کے متعلق اُس سے
زیادہ نہین جانتے کہ ترک تعدد ازدواج کے مرتکب ہوتے ہین" یا بہتیرے اس علم پر قانع ہین کہ اسکی (اسلام کی) ابتدا محمد سے
ہوئی یہ اپنے مقلدین کو تعدد ازدواج پر برانگیختہ کرتا اور قدریہ بنا دیتا ہے اور مسلمان شراب سے نفرت
کرتے ہین"، مسیحیت کا لکچر دیتے وقت ڈاکٹر آف ڈیوی نی ٹی سے امید کرنا کہ اسلامی خوبی کے ذکر کے وقت وہ
الیا ڈھیلا ہوگا کہ ایسی جماعت کو یہ سمجھنے دے کہ اسلام نے ایسی خصائل سازی کی دور از حال تھا۔ بلکہ وہ قابل
تعریف صنعت سے توڑ مروڑ کر دو متضاد حالتین ایک ہی سانس مین پیش کرتا ہے جنمین ایک اگرچہ لفظاً منہ ہے تو

دوسری ”خونخواری“ اُسکے لحاظ سے ویسی ہی درجہ کی کریہہ ہے۔ یہ ویسی ہی متناقض مثالین ہین جیسے
ایک کان سے صلح اور دوسرے سے ساس ہونکے توڑانے کا اعلان ہو۔ حالانکہ اسلام خونخواری کو منع اور
عفو کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن قابل لکچرر انفرادی مزاج کے حوالہ کرکے دونون کو اسلام چھاڑ دیتا ہے۔ نہ
صاف صاف یہ سمجھنے دیتا ہے کہ انفرادی مزاج کی تربیت کے لئے مذہب کی ضرورت اُسکے نزدیک ہے یا
نہین۔ یا وہ مذہب کو اُسکے خالص اصول سے سمجھا چاہتا ہے۔ اُسے حقیقتاً کراہت کے ذکر سے بحث نہ ہوتی
اگر نیک نفسی کو اسلامی اثر سے دور رکھنے کا اہتمام مد نظر نہ ہوتا۔ وہ برائی کے ساتھ بھلائی کو بھی معیار سے
خارج کرکے اپنی منصفانہ روش کا اقرار لیا چاہتا ہے۔

مجھے کوئی شبہہ نہین کہ وہ اس موقع پر روکھی عالمانہ اور عقلی روش پسند کرتا ہے جہان وہ ”انفرادی مزاج“
کو مذہب کے اثر کے سمجھنے مین کامل خودمختاری عطا کرتا ہے۔ نہ مین غلامی کا محرک ہون لیکن یہ سوال لطف سے
خالی نہ ہوگا کہ اگر ابن مریم کا رحم حلم اور محبت جسکی روایتین ہم تک اُنکی زبانی پہونچی ہین جنمین سے اکثر نے اُنہین
دیکھا نہ تھا نہ کوئی سلسلہ روایات تھا اور سب پر طرہ یہ ہے کہ واقعات کے لئے الہام کی مدد لینے کی ضرورت ہوئی
ہے۔ اگر اُنکے اصول سے خارج کرکے انفرادی مزاج کے حوالہ کر دیا جائے تو مسیحیت کہان رہتی ہے۔ نہ مسیحیت کے
لئے میرے نزدیک یہ انصاف ہوگا اگر یہ پسند حتی مثال مین پیش کیجائے کہ اُسنے جوڈا اسقریوط بنائے۔ یا جیسا خود
مصنف نے کہا ہے کہ ”بدنام اور عیاش مزاج قبطی راہبون سے مسیحیت کا اندازہ کرنا بے انصافی ہوگی“ نہ مجھے کوئی
غم ہوگا اگر مسیحیت مذہب کو انفرادی خصائل کی درستی کے لئے نمونہ اور آلہ نہ قرار دے۔ انفرادی خصائل کی
آزادی سوخت نہین ہوتی اگر وہ مذہب کے کسی اصول کو پسند کرتا ہے اور نہ مذہب انفرادی مزاج کی قابل تعریف
خوبی کے اعتراف سے باز رہتا ہے اگرچہ وہ خوبی بظاہر کسی مذہب کے اثر سے پیدا نہ ہوئی ہو۔ اور یہ بھی دیکھنا ہوگا
کہ یہ مزاج کس سلسلہ سے متاثر ہوا۔ اور اگر انفرادی مزاج قابل تعریف ہے اور مذہب کے اصول کو پسند کرتا ہے تو
گویا ایک دوسرے کے مداح ہین۔ جماعت انسانی مین بلاقید مذہب بھی اچھے اور برے خصائل کے لوگ پائے جاسکتے
ہین۔ اگرچہ اس حالت مین پابندی اخلاق اُسکے لئے محض پسند کرنے یا نہ کرنے کی چیز ہو گی درانحالیکہ مذہب کی
پابندی نہ صرف انفرادی مزاج درست کرسکتی ہے جس سے وہ پابند اخلاق ہو بلکہ اسکے علاوہ پابندی اخلاق کو
پیروی مذہب سے اور زیادہ روحانی سند عطا کرتی ہے۔ یہ عام حالت اُنکے مقابل نہین کیجاسکتی جو خود مدار ان مذہب
ہون۔ اور جنکی ہر روش مین یہ قوت ہو کہ قوم اُسے اپنے لئے نمونہ قرار دے۔ محسنین اسلام کے اُس سلسلہ مین تو

جو اسلام کے ذمہ دار بنائے گئے اور جنکا ظاہر فعل اسلامی روشنی سے دیکھا جاتا تھا اسلئے انھین بھی اپنے صفات
مین اسلامی دائرے علیحدگی کے عقلی یا انفرادی مزاج کے حوالے کر دینا انکے واقعات سے منحرف و الگ ہوگی۔ انکے
علاوہ حسین کی انفرادی مزاج کا اسوقت سے جب سے کہ وہ ہم مادرین تھے۔ اور اسوقت تک جبکہ انکے نام و
وعقول کا یہ شمال ظاہر ہو چکی اسلام اور شرع کے زیر اثر نشو ہوا تھا۔ خالد اپنی حیات کے زیادہ حصہ تک
اس اثر مین نہ تھے اور اگرچہ وہ مسلمان ہوئے مگر انھون نے اس احتیاط سے تعلیم اسلامی کی پیروی نہ کی جس سے
انکا انفرادی مزاج اسلامی تعلیم کا نمونہ کہا جاسکتا بلکہ وہ اپنی پہلی روش پر قایم رہا۔ بلکہ واقعہ بنی خزیمہ مین
رسول نے یہ کہکر کہ "خالد نے جو کچھ کیا مین اُس سے راضی نہ تھا" اس جگہ انگلی رکھدی جہان کوئی انفرادی
مزاج پیروی اسلام سے علیحدہ رہا۔

اس سب کا نتیجہ یہ ہے کہ انفرادی مزاج جو کچھ کرتا ہے مذہب اُن تمام حرکات کے متعلق کچھ حکم دیتا ہے اگر وہ
انفرادی مزاج حلقہ مذہب مین بھی داخل ہے تو اُنکے افعال اُس مذہب کے معیار حکم سے دیکھے جاینگے یا مذہب
اپنے اصول سے دیکھا جائیگا اور عمل سے بچا جائیگا۔ اور چونکہ حسین سے جو عفو و حلم ظاہر ہوا وہ تعلیم اسلامی
اثر سے ہے اور چونکہ خود حسین اُن لوگون مین سے ایک تھے جو تعلیم اسلامی کے نمونے تھے اور چونکہ وہ خود ہمیشہ اسلامی
اثر مین رہے اسلئے اُنھین اسلامی اثر کے بچنے مین نہ قبول کرنا کسی مذہب کی خوبیون سے عارفانہ تجاہل
ہوگا اور یہ موقع تو وہ تھا جہان حسین آیۂ قرآنی سے متاثر ہوئے تھے۔ ایک انفرادی مزاج مذہب کی ایک اعلی
ٹیکنکس کو قبول کر رہا تھا۔

پُرلطف کشیدگی اور صلح۔

نہین معلوم کیا وجہ ہوئی جس سے یہ روایت تیار ہوئی کہ حسین اور محمد حنفیہ مین کشیدگی ہوگئی۔ ہوتی یہ ہوتا
ہے۔ خصوصاً اعزا مین اور چھیڑ یا شکایت کا کرو تار اُسوقت تک بڑھتا جاتا ہے جبتک وہ [illegible]
دل سے اُنکے دور کر دینے کا ارادہ اور پیش قدمی نہ کیجائے۔ زیر ذکر حالت کچھ ایسی معلوم نہین ہوتی جسمین
کشیدگی زیادہ ہوتی جاتی اور موافقت کا کوئی راستہ نہ ہوتا۔ اس روایت مین لطف یہ ہے کہ تحریک صلح محمد ابن
حنفیہ کرتے ہین اور تحریک موافقت حسین سے چاہتے ہین۔ اسمین انصاف تھا اور دونون حضرات کی بات برابر
رہنے سے کسی کی آن کو ٹھیس پہونچنے کا بھی موقع نہ تھا۔ لیکن چونکہ منانے کی ذمہ داری حسین کے حوالہ کیگئی
تھی اسلئے ایک نہایت خوبصورت وجہ بھی لکھی تھی کہ "تم احق بالفضل ہو" اور یہ اسوجہ سے کہ اگرچہ پدری
سلسلہ سے ہم تم برابر ہین لیکن مادری سلسلہ سے تم اشرف ہو۔ مقلین کا یہ شیرین لحاظ حسین کے ایسے دل کا اثر

چاہتا تھا کہ وہ اس خسروانہ ناز و نعم کی فضا میں کشیدگی پیدا نہ ہونے دے۔

کنیز کا تحفہ اور طبائع کا عمل

ایک کنیز اپنے مالک کو تحفہ دیتی ہے۔ یہ حالت میرے نزدیک بیحد قابل رحم اور غم آلود ہے۔ ایک دست نگر
اُسے کچھ پیشکش کر رہا ہے جو اُسکا سہارا ہے۔ غالباً وہی یا اُسکی کوئی دوسری صورت تحفہ میں دیتا ہے جو اُسے
ملا کبھی تھی۔ اپنے اور اپنے تحفہ کے حقیر موقع کو دیکھتا ہے لیکن پھر چاہتا ہی ہے کہ پیش کرے۔ اس موقع میں
مساوات کی ایک غیر چھپی ہوئی صورت ہے۔ اب امید ہے۔ بیم ہے۔ چہرے کے رنگ بدلے ہوئے ہیں۔ عجز ہے
دل ہے جو ٹوٹ جائے اور قوی ہونے میں تھرا رہا ہے۔ نہیں معلوم مالک ہمارا دل رکھے یا نہ رکھے۔ ظاہر کہ حسنِ
لحاظ سے مالک کی ہمراہ اسکے لئے یہ ایک نازک اور محتاط موقع ہے۔ حسین الفقر و فخری کے فرزند تھے
جسے اپنے خاندان سمیت بالا رادہ اس حالت کا مطالعہ اور اندازہ کیا تھا۔ حسین اُسکے فرزند تھے جنکے
احکام طبایع انسانی کے کامل ملاحظہ اور گہرے مطالعہ پر مبنی تھے۔ حسین کی سریع الفہمی۔ احساس شناسی اور
رحم کے سمجھنے کے لئے اسکے بعد کسی مثال کی ضرورت نہیں ہے کہ ہاتھ گلدستہ کی طرف بڑھ رہا تھا اور زبان
مبارک آزادی کا حکم سنا رہی تھی۔ کنیز کی خوشی تو جانے دو۔ موقع ایسا تھا کہ دیکھنے والا چونک پڑا اور
کہہ اُٹھا کہ تحفہ اور جواب میں کوئی نسبت نہیں ہے۔ ایک بے حقیقت شے ایسے انعام کی مستوجب نہیں ہو
یہاں حسین اور اُنکا غیر ملاحظہ ہے۔ دونوں نے ایک حالت کو ایک وقت دیکھا تھا۔ ایک محض ریحان کا منظر
اور چند پتیاں دیکھتا ہے حسین اسکے پیچھے ایک کچھلا ہوا دل دیکھتے ہیں۔ جسکا مرجھانا اور ہرا ہونا حسین کے
انداز اور جواب پر موقوف تھا۔ خوش کرنے کے لئے کافی تھا کہ قبول کر لیتے۔ اور بس۔ معترض خوش ہو جاتا
اور شاید ایک آدھ مرتبہ خود بھی گلدستہ پر اپنی ناک رگڑ لیتا اور اظہار اطمینان و خوشنودی کے لئے بنتا
جیسا وہ بن سکتا اور غالباً ادھر ادھر دیکھتا کہ کوئی قدردان ہے یا نہیں۔ حسین کا علوی نفس یہ تھا کہ
جیسا اُنھوں نے قرآن مجید کی آیت میں ظاہر فرمایا۔ حکم عام تھا۔ یہاں اگر رد کرتے تو دل شکستگی ہوتی۔
صرف کرتے تو تعمیل ارشاد قرآنی کی حسین کے نزدیک اُس سے بہتر صورت نہ تھی جو کی۔ مثال میں آیہ قرآنی وہ
پیش کیا جسمیں عبدیت یا غیر عبدیت کی کوئی قید نہیں ہے۔

ہو سکتا ہے کہ سائل اپنے نے مہربان کرنے کو تعریفیں کر رہا ہو۔ لیکن اُسکا کہنا کہ جیسے تجھ سے امید رکھی وہ محروم
نہیں ہوا۔ یا تم پر اعتماد کیا جاتا ہے یا تمہارے پدر بزرگوار نے فاسقوں کو قتل اور اجرائے احکام میں جوش
و سرگرمی ظاہر کی۔ یہ سب گذری ہوئی باتوں کو یاد کرتا تھا جس نے خلق کو اُن بد اعمالیوں سے محفوظ رکھا تھا

کوشش کی جسکا نتیجہ مغفرت کی دشواریاں ہیں۔ ایسی ایک طرح کی عبادت (نماز) ختم کی تھی کہ حاجت برآری کی دوسری عبادت میں مشغول ہوگئے۔ اظہار انکساری کے ساتھہ معافی کی خواہش بھی ختم کردی اور چونکہ سائل کی پس بینی خیال دلاسکتی تھی کہ اُسے حسین کی دنیاوی حالت کے سمجھنے میں واقعہ سے زیادہ مبالغہ ہوسکتا ہے اِس لئے یہ بھی فرمادیا کہ میری شفقت میں کمی نہیں ہے لیکن تغیرات زمانہ کی وجہ سے مال کی کمی ہے۔ میں اور زیادہ بخشش کرتا اگر مجھے قدرت ہوتی۔

بخشش اور عذر۔

سوال اور عطا کی حالتوں کو جیر کر حسینؑ نے دکھادیا جسوقت سوال کی حالت کو آبرو حوالہ کرنا یا دوسرے لفظوں میں آبرو کا اکرام نہ کرنا فرمایا ہے۔ اور یہ فرماکر سائل کو محروم واپس کرکے اپنی آبرو زائل نکرو' ایک نہایت لطیف جزر ومد نقشہ کھینچا ہے۔ محروم واپس کرنا دوسرے کی اس حالت کے ساتھہ ہمدردی نہیں ہے جسمیں وہ اسپر مجبور ہوا کہ وہ سوال اپنے کو تمہارے سامنے بےعزت کرتا۔ اُسے تم سے امید تھی۔ تمہارا انکار اُس اعتماد کا بُطلان ہے جو کسی کو تم سے تھا۔ دراصل ایک ہمدردی کرنا اپنے "چہرہ کی تکریم" بھی ہوتی۔ لطیف خیال ہے جو لطیف لفظوں میں ادا کیا گیا ہے جسکے پشت پر ہدایت ہے۔

سوال اور عطا کا نقش

آپ نے نہ صرف بہت سے حج کئے بلکہ پیدل تشریف لے گئے۔ حاجیوں کا قافلہ ملگیا۔ اسمیں پہچاننے والے لوگ بھی تھے جسمیں سب سے مشہور سعد ابن ابی وقاص تھے (یہ واقعہ ۵۵ھ کے قبل کا ہے اسلئے کہ سعد نے اسی سنہ میں انتقال کیا) یہ تعظیماً اپنی سواری سے اُتر پڑے اس لئے کہ معلم حج کا فرزند سواری پر نہ تھا۔ ممکن ہے کہ جاننے والوں کو دیکھکر نہ پہچاننے والے بھی پہچان گئے ہوں اور تھوڑی دیر میں قافلہ کا قافلہ اپنی سواریوں سے اُتر گیا ہو۔ ممکن ہے کہ قافلہ کے ساتھہ مریض اور ضعیف ہوں یا لوگ ہوں جنمیں اگرچہ کسی قسم کا ضعف لاحق نہ ہو مگر ثروت اور آرام طلبی کا مرض لاحق ہوگیا ہو اور اب اُتنے دھوپ میں تھوڑی دیر پیدل نہ چلا جاتا ہو۔ سعد ضعیف آدمی تھے۔ جناب امیرؑ سے بھی ایک آدھ برس عمر میں زیادہ تھے۔ انھوں نے نواسہ رسول سے سوار ہوجانے کی گذارش کی۔ یہ درخواست حسین کو سمجھانے دینے کیلئے کافی تھی کہ یہ یا اور چند لوگ پیادہ چلنے سے متاذی ہورہے ہیں۔ حسین کو کب گوارا تھا کہ کسی کو اُنکی وجہ سے کوئی تکلیف ہوتی لیکن چونکہ حسینؑ پیدل تشریف لیجارہے تھے اور اس حالت میں لوگوں کو سوار ہونے میں تکلف ہوتا آپ نے وہ راہ ترک کردی اور دوسرے راستہ سے تشریف لیگئے۔

دوسروں کے لحاظ کو اپنی تکلیف سے راحت دی۔

ایسا ہی موقع ایک مرتبہ آیا کہ سواری آگے آگے جارہی تھی اور خود پیدل تشریف لیجاتے تھے کسی نے کہا کہ آپ خدا کا بہت خوف کرتے ہیں اور آپ کا جواب بتاتا ہے کہ سزا و جزا کا کس درجہ اثر تھا۔ ایسے خاصان خدا کا مالک یوم الدین

حسینؑ کا اثر کا اثر۔

درگاہ مین عجز و انکسار مذہب کے خلوص اور قوت واثر کی نوعیت سمجھاتا ہے۔

قدرت کے وقت اپنے اوپر اختیار اور درگذر

مجھے ایسی نصیحتین سُن لینے مین کوئی عذر نہین ہے کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی سامنے کردو نہ مجھے رشی گوتم کی کسی ایسی تعلیم سے جو نکتا ہے کہ تمام جذبات کو فنا کرو کیونکہ بہت سی بڑی مثالونمین چند خوشنما اگرچہ ناقابل عمل نصیحتون کا ہونا نفع اور ضرر کی درمیانی حالت مین ہے۔ کم سے کم انھین جذبات کے لگام دینے کے لئے کام مین لانا مفید ہوسکتا ہے۔ میرے لئے یقین کے اسباب نہین ہے کہ ابن مریم اپنے کو اپنی نصیحت کا مثالیہ ثابت کرسکے اور نہ مثالین ہین کہ رشی گوتم کے لئے ایسا موقع آیا اور اُنھین جذبات کی کوئی حرکت محسوس نہ ہوئی دوسرونکو قربانی اور قتل سے منع کرنا اور خود گوشت کھانا کچھ عملاً بہت حوصلا افزا نہین ہے۔ یہ خبر تو ہے کہ ستوّل پورنا گوتم بدھ کے سامنے اقرار کرتا ہے کہ وہ سرون پرانتھ کے وحشیون کے ظلم اور سختی کو محبت اور درگذر سے دیکھے گا لیکن اُسکے بعد محبت اور درگذر کے واقعات نہین ہین جنسے خیال اور عمل کی تطبیق سمجھی جاسکے۔

اسکے علاوہ محبت اور درگذر کا صحیح اندازہ اُسوقت کیا جاسکے گا جب یہ سمجھا جاسکے کہ اسکے خلاف بھی کچھ کرنیکی قوت تھی ورنہ گرفتار بندون کے حلم کی تعریف سے بہتر نہ ہوگی۔ بقول حضرت امام حسینؑ "سب سے بڑھکر معاف کرنے والا وہ ہے جو اپنے قابو کے وقت معاف کرے" یہ باتین علاوہ اس لحاظ کے ہونگی کہ کیون جذبات ہمیشہ بُری ہی نظر سے دیکھے جائین بلکہ حقیقتاً جذبات کا محافظ اور مناسب مصرف ہماری عملی نہ کہ خیالی دنیا کے لئے زیادہ تر قابل قبول ہے۔ میرے نزدیک کنگفوزی کا خیال بہ نسبت مسیح اور بدھ کے زیادہ تر اس دنیا کا خیال ہے اور اسلام کے تصفیہ اور طرز عمل سے قریبی مناسبت ہے۔ ان چند تمہیدی سطرون سے ہماری غرض اس روایت کی شرح ہے کہ ایسی حالت مین جبکہ حسین اسکے لئے مطلق تیار نہ تھے کہ کوئی اُنکی شان مین پرامرار اور دل آزار گستاخی کیا چاہتا ہے دفعتہً ایک شخص سامنے آتا ہے اور انھین پہچاننے کے بعد انھین اور انکے پدر بزرگوار کو بُرا بھلا کہنا شروع کرتا ہے۔ حسینؑ سُنتے رہے۔ انداز۔ آواز اور الفاظ مین کوئی تغیر دکھائی نہ دیا۔ یہانتک کہ بدگو کا مُنھ تھکا اور چُپ ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام دور ان مین حسین کی نگاہین اُسپر تھین "مُسکرا رہے تھے"۔ نظر اور تبسم کے نیچے وہ چمک تھی جو حقیقت حال کے سمجھنے کے لئے متحرک ہوتی ہے اور اپنے سایہ سے چیزون کو روشن کردیتی ہے۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ بھرا ہوا بدگو اپنے جوش مین اُس وقت تک بکتا رہا جب تک اُس نے غور سے حسین کا چہرہ اقدس نہ دیکھا اور اُسکے بعد اُسے اپنے الفاظ کی کراہت سے زیادہ حسین کے انداز نے شرمندہ کرکے چُپ کردیا۔ کب اُسے امید ہوگی کہ کوئی بُرے الفاظ ان اچھے انداز سے سُنے گا اور خیال بھی نہ ہوگا

کہ اگر اسکے بعد جواب دیگا تو اُس سے رحم - درگذر - اور محبت کی طرح پیش آئینگے۔ بلکہ احسان اور انعام کا امیدوار
کرتا ہوگا۔ اُسے "عزیزم" کے لفظ سے مخاطب فرماتے ہیں۔ دماغ کے علاج کرا دینے کا امیدوار کرتے ہیں یا نقد روپیہ
دیتے ہیں اگر مزاج کا عدم اعتدال بی بی کے ستانے سے پیدا ہوگیا ہو۔ حسین کے جواب میں مزاح ہے اور یہ اُنکو مزاج
کی اُس وقت کی صحیح صورت دکھا دیتا ہے۔ بدگوئی گستاخی رفقا کو برافروختہ کرتی ہے۔ سزا دینے پر آمادہ
ہوتے ہیں لیکن حسین اپنا حلم یاد دلاتے اور تسکین دے دیتے ہیں کہ "کوئی چیز ہمیں جنبش نہیں دے سکتی"
اللہ اکبر!

(رام کرشن پرم ہنس نے اپنے امریکا کے سلسلہ لکچر میں اس حالت کا ذکر کیا ہے جسکی سنسکرت اصطلاح تیرجانظہ
کیلئے ثقیل تھی۔ قابل لکچرر نے بھی وہ ظرف نہیں دکھایا جسمیں یہ حالت پائی گئی ہو)۔

ایسے زمانہ میں جبکہ آل عبا کی توہین کے علاوہ حکومت اور اُسکے روشناسوں کو دین و دنیا میں کوئی دوسرا
کام ہی نہ رہ گیا تھا کچھ عجب نہیں ہے اگر ایسے موقع آ جایا کرتے ہوں کہ کوئی اسلام فراموش اُنکے مُنہ پر انھیں
کچھ کہکر اپنی جرأت آزمائی چاہتا ہو۔ یہ دوسری مثال بھی متذکرہ صدر مبارک کے تابع ہے کہ سب و شتم
دوسرے موقع پر حسین کے چہرہ مبارک پر کوئی شکن نہیں دکھائی دیتی اور آپ اُن کو جو سزا دینا چاہتے تھے ان الفاظ سے
منع فرماتے ہیں کہ "فرشتے اُس گھر میں نہیں جاتے جہاں کُتا ہوتا ہے"! اس سے اور کیا سمجھ میں آتا ہے بجز اسکے کہ
غصہ وہ ذریعہ ہے جو اعتدال طبیعت کو جو بجائے خود رحمت خدا ہے اور جو حالت مزید رحمتوں کی مستوجب
ہو سکتی ہے۔ دور کر کے غیر مفید رجعت کا باعث ہوتا ہے۔ اور اُتنی دیر تک خدا کی مزید رحمتوں سے محروم رکھتا ہے

خواہش عقد کے معنی

پیشتر اسکے اشارے کیے جا چکے ہیں کہ کس طرح عباس ابن عباس اور عبداللہ ابن جعفر کو اپنا کر کے بنی ہاشم کی
معاشرتی سیاست یا سیاست منزل میں رخنہ اندازی کی کوشش کی جا چکی تھی۔ اس مرتبہ اس اقدام سے کہ ام کلثوم
بنت عبداللہ کی خواہش کیجائے کسی قدر زیادہ جرأت سے ایک صلح پسندانہ صورت اختیار کی گئی تھی۔ مضمون سفارش
ضمنی گفتگو۔ لہجہ اور انداز سب پر شیرینی کی دبیز تہ جمانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ مروان وکیل تھا۔ عبداللہ ابن جعفر نے
پھر پوری وفاداری کا ثبوت دیا اور اس معاملہ کو حسین پر محوّل کر دیا۔ مروان نے کُل باتیں سوچ سمجھ کر اُگل دیں۔
عقد ہو جانے کو بہتر کہا۔ معاویہ کو ادائی مہر کا (جسقدر بھی) ذمہ دار قرار دیا۔ خاندانوں کی موجودہ صلح اور آئندہ
امید صلح کا الیقین دلایا۔ عبداللہ کے قرضہ ادا کرنے کی امید دلائی اور کسی قدر تنبیہ کی شان سے کہا کہ "اے حسین آپکو
معلوم ہونا چاہیے کہ بہ نسبت یزید کے آپکو اچھا سمجھنے والے کم ہیں اور بہ نسبت آپکے یزید کو اچھا سمجھنے والے زیادہ ہیں

اپنا طریقہ رسول اور اُنکے انتظار جواب کی صورت مجھ سے پوشیدہ نہین ہے۔ نواسہ رسول سنتا رہا۔ حسین کس طرح مشتعل ہے اور اُسوقت اُنکی طبیعت کی صورت کیا تھی۔ یہ میرے نزدیک اُنکے ابتدائی فقرہ کی چھوٹ سے صاف ظاہر ہے جہان وہ جواب شروع فرماتے ہین اور معلوم ہوتا ہے کہ جواب کے لئے بیچین ہین کہ وہ جلد گفتگو ختم کرے۔ ابتدا یہی کہ "درست ہے اُس خدا کا جس نے ہمین اپنے لئے اختیار کیا اور اپنی مخلوقات مین ہمین بزرگی دی" یزید بادشاہ تھا وہ یہ سمجھتا تھا کہ اگر ہم بنی ہاشم سے شادی بیاہ کے مراسم قایم کرنے کی خواہش کرینگے تو وہ خوش ہونگے اور اپنی بڑائی سمجھینگے۔ حسین کے جواب کی ابتدا ظاہر کرتی ہے کہ وہ جسکے خاندان کو خدا نے اپنا وکیل قرار دیا ہو جو مخلوقات پر فضیلت کی ایک دلیل ہو وہ کسی صاحب اختیار کے اظہار وابستگی کو اپنے لئے کوئی منزلت نہین سمجھ سکتا۔ اِسے مشکورانہ سلسلہ مین اپنی دوسری ذاتی اور خاندانی وجاہت کا نام لیتے ہین کہ "خدا نے ہمین اپنے دین کے لئے پسند فرمایا" وہی بات جسکے مٹانے کے لئے حکومت کے تمام سامان صرف ہو رہے تھے۔ ایک آگ جسکے بجھانے کے لئے کبھی اُسکے آثار پر نہر کاٹ کرلائی جاتی تھی اور کبھی ٹھنڈا فولاد استعمال کیا جاتا تھا۔ اور کبھی خنک مزاجی کی تدبیرین سوچی جاتی تھین۔ اور یہ فقرہ تھا جسکا عامۂ مسلمین تو انکار کر ہی نہین سکتے تھے لیکن معاویہ بھی مع اپنی حکومت کے انکے زیر سایہ آجاتا تھا اور اگر احسان شناسی سے نہین تو کم سے کم مسلمانون مین نامقبولیت کے خوف سے انکار نہ کر سکتا۔ اسی طرح یہ فقرہ تھا جسمین حسین اظہار شکر فرما رہے ہین کہ خدا نے انکو اور اُنکے آبائے کرام کو خلق مین چُن لیا۔ ظاہر ہے کہ یہ فقرے اظہار شکر مین کہتے ہین۔ سچے اور عین واقعہ کی زبان ہین لیکن دو سطر پر تو حسین ایسی شان پر کھڑے ہو کر بول رہے تھے جو بڑی سے بڑی بادشاہی کو نصیب نہین ہوئی اور بادشاہون نے اسی مین اپنی تسکین پائی کہ وہ اپنے کو مذہب کا بھی رکن اعلیٰ قرار دین حسینؑ کا انداز بیان بھی طوکانہ تھا جسکی شان مین اُنکے دبدبہ کا کہین سے کوئی جھکا نہین ہے۔ ساتھ ہی ساتھ دنیاوی سامان ایک طرف تھے جسکے مقابلہ مین حسینؑ اپنے تنہا نفس کے اختیار اور پسند کا تشخص قایم کر رہے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ ابتدائی فقرات کی آمد ہی سے مروان کے کانون مین کھلبلی پیدا ہو گئی ہو گی۔ لیکن تفصیلی جواب ابھی باقی تھا اور جواب کو ایک خاص مضمون سے تعلق تھا۔

مروان نے کسی قدر سخیانہ شان سے کہا کہ "جس قدر مہر ہو گا معاویہ ادا کریگا۔ حسین نے فرمایا "میرا منشا یہ ہے کہ مین وہی طریقہ جاری رکھون جو رسول اللہ کی بیٹی۔ بی بی اور دیگر اہلبیت کی عورتون کا مہر ہوا ہے" یہان بھی شاہانہ عنایات کے مقابلہ مین حسینؑ نے اصول اسلامی اور سنت رسول کا وقار قایم کیا ہے۔ اور اسکے فرض سے

متعلق فرمایا ہے یہ بتا کر کہ ہمارے خاندان کی بیبیون نے ہمارا قرض ادا کیا ہے" ہم اس فقرہ مین بھی طنز معلوم ہوتا ہے لیکن مثال معلوم نہ ہونیکی وجہ سے ہم تصدیق نہین کر سکتے۔ صلح کے جواب مین حسین وہی فرماتے ہین جو اُنکے پدر بزرگوار فرما چکے تھے "سمجھ لے کہ ہم جو تم لوگون سے مخالفت کرتے ہین تو محض خوشنودی خدا کے لئے ہے۔ دنیا کے لئے ہم کبھی صلح نہ کرینگے" اِس جواب مین حسین نہ صرف حقیقت امر کو واضح فرما رہے ہین۔ بلکہ بنی امیہ کے اُس جوش انتقام پر پانی ڈالنے کی کوشش کر رہے ہین جو اُنھین اپنے مقتولین بدر و احد وغیرہ کے متعلق تھا۔ یہ لڑائیان جو وجہ اسلام کے لیے ہوین اور جنھین حکم اور خوشنودی خدا کے لئے جناب امیر نے کوشش فرمائی کسی انتقامی جذبہ سے نہ تھی اور اب چونکہ بنی امیہ کو نہ صرف ادعا اسلام بلکہ خلافت اسلامی کے جہانگیری کا دعوی تھا اُنھین اس معاملہ کو کوئی قومی عداوت نہ سمجھنا چاہئے تھا۔ اسی فقرہ مین حسین ایسے کسی خیال کی بھی تردید کر رہے ہین جو نئی نسلون یا خود فراموش بوڑہون مین پیدا ہو گئی ہو کہ حسین یا اُنکے مقدس پیشرو بنی امیہ سے حصول اختیار کی رقابت سے جنگ کر رہے تھے یا اسوقت اُنکی کنارہ کشی گذشتہ اسباب مخالفت سے تھی۔ وجہ مخالفت اگر پہلے یہ تھی کہ بنی امیہ بلحاظ کفر تھے تو اسوقت اپنی روش اور خصائل کے اعتبار سے ایسے نہ تھے جو مسلمانون کے امام کہے جا سکتے یا جوہر اسلام اُنکے ہاتھون مین اپنی بہیت کے محفوظ رہ سکتا۔ اور چونکہ بنی امیہ مین اپنے گذشتہ خاصیت کے لحاظ سے کوئی تغیر نہ ہوا تھا بلکہ حصول اختیار کے حوصلے۔ اور نفاذ اختیار کے مظالم نے اُنھین اور مہیب دکھانا شروع کیا تھا یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ ہادی برحق کا سلسلہ اُس صلح کی کسی پیش آمد کا خیر مقدم کر سکتا جبکی موجودہ صورت یہ ہوتی کہ ہمارے انعام و اکرام پر شکریہ ادا کرتے رہو اور ہماری کیسی ہی روش پر آنکھ نہ اُٹھاؤ۔ ہوتا کہ حسین یا اُنکے مقدس پیشرو عام حالتون مین خاموش رہتے لیکن یہ نہین ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے کو موافق دکھا کر بنی امیہ یا اُنکے پیشروؤنکو سند عطا کرتے۔

صحیح فرمایا حسین نے کہ جب نسبی قرابت سے کچھ فائدہ نہ ہوا تو سببی قرابت اور شادی بیاہ کب مصالحت کرا سکتے ہین" اسمین مروان اور معاویہ کی دلیل گذشتہ تجربہ سے کاٹ رہے تھے اور اُسے آیندہ کے لئے طریقہ روش قرار دے رہے تھے۔ نسبی سلسلہ کے باوجود یہ ہوا کہ ایک کو دوسرے کا طرز عمل مختلف اغراض اور نقطہ خیال سے پسند نہ آیا اور جب گذشتہ سلسلہ غیر مفید ہوا تو عارضی سبب صلح کی قوی امید نہین دلا سکتا تھا۔ اسکے علاوہ تاریخ سیاست مین بھی یہ کوئی مفید نسخہ صلح ثابت نہین ہوا۔ بلکہ اکثر اُلٹا موافقت ہوا ہے۔ مزید برآن بنی امیہ اور بنی ہاشم کی تاریخ ایسی واقع ہوئی تھی کہ بنی امیہ کو بنی ہاشم کی صداقت کا یقین تھا اگرچہ اُنکے عمل کو اپنے لیے پسند نہ کرتے تھے اس لئے کہ اسمین امتیاز اور نفع نہ تھا۔ لیکن بنی ہاشم کو بنی امیہ کی صداقت اور عمل دونون پر اعتماد نہ تھا۔ اسلئے

کہ غالباً انھین کسی ایسے شخص سے نفرت تھی جو خلاف راستی کارروائیون سے حاصل ہو۔ نظر برآین گذشتہ تجربہ کچھ ایسا
کیون نہ کہتا بنی ہاشم کو اسکا کیا اعتبار تھا کہ بنی امیہ کا یہ اقدام صلح ایماندارانہ اقدام صلح ہے اور اپنی کسی غرض کے
پورا کرنے کے لیے نہیں ہے۔ کچھ نہ تھا۔ بلکہ اسکے برخلاف موجودہ صورت واقعات یہ کہہ رہی تھی کہ بنی امیہ اس
قرابت کی سلسلہ جنبانی سے سیاسی تقویت حاصل کر رہے ہین جو آیندہ اس کام مین لائی جاسکی کہ کوئی نامور
ہاشمی اور آسانی سے زہر یا تلوار کے حوالہ کیا جاسکے۔ حضرت عبداللہ ابن جعفر سے قطع نظر کرکے حضرت جعفر ابن
ابیطالب کا درجہ اسلام مین غیر معمولی تھا اور اسلئے ایسے صاحب اثر کے حاصل کرنے کیلئے اہتمام کی طرح اہتمام کیا
جارہا تھا۔ کیون؟ اسلئے کہ پنجتن مین کا پانچوان دبایا جاسکے!

اور جس طرح تعیین مہر کے متعلق حسین شارع علیہ السلام کے صاف اور قابل عمل (بلکہ اسوقت تک کے بعض
غیر مرقوم کے لحاظ سے غیر مؤثر) طریقہ کو اپنی پسند سے قوت دے رہے تھے اسی طرح اسکے نسبت "طلب مہر" کے دوسرے
قاعدہ کو بھی امارت یا غربت کے لحاظ سے کوئی امتیاز نہین دے رہے تھے۔ بلکہ یعنی بہ امامت استحباب کو اس فقرہ
چہرہ لگ رہے ہیں کہ تم اسکی کیا ہستی ہے اُس سے اور اسکے باپ دادا سے جو لوگ افضل تھے اُنلوگون نے تو دیا ہی ہے
اور اُنسے مہر لیا گیا ہے۔" حسین نے یہان مساوات شرع قائم رکھی۔ غربت اور امارت کے لیے دو حالت پسند نہین فرمائی
نہ امارت کو شرع پر غالب آنے دیا یا شرع کو امارت کے ہاتھ بیع نہین کر دیا۔

مروان کا تمام لہجہ تقریر کی اُس شان کا نمونہ تھا جس طرح عموماً شادی بیاہ کی گفتگو مین ایک فریق دوسرے پر
اپنی وجاہت قائم کرنیکی مبالغہ آمیز کوشش کیا کرتا ہے۔ اور اسوقت اہتمام مین اور زیادہ جد و جہد اسلئے تھی کہ
گفتگو بڑی ناک والے بنی ہاشم سے تھی۔ جنہون نے قبل الاسلام بھی کسیکو اپنی نسب شرافت اور وجاہت کے
مقابل نہین سمجھا۔ اسی لحاظ سے مروان نے کہا تھا کہ "وہ (یزید) ایسا شخص ہے جسکا مثل تو ہمسر نہین ہے" جسے
غالباً اسی طرح کہ گویا انھین زبان سے ادا کرنا بھی خفیف معلوم ہوتا ہے۔ قاطع لہجہ مین جواب دیا کہ "اسکا وہ ہمسر ہے جو
آج سے پہلے تھا۔ اسکی امارت نے اسکی ہمسری مین کچھ زیادتی نہین کی" زیادتی نہ کرنا کی چیتین تھے لیکن وہ کبھی ہمسر
دیکھا جاتا تھا اس موقع پر لفظ کا جواب اُسی لفظ سے دیا گیا ہے اس لئے حسین کے فرمانے کے معنی یہ ہے کہ آپ مقابل
سمجھتے تھے جو امامت کی وجہ سے آج ہمسر نہین سمجھے گئے تو وہی ہے جو کبھی تھا۔ شخص تو کوئی نہین مثل ہے

غالباً مروان کی تمام تقریر مین سب سے زیادہ مدبرانہ فقرہ یہ تھا کہ یزید کو بہ نسبت آپکے اچھا سمجھنے والے زیادہ ہین
اس فقرہ کے بہت سے فقرات ابتک جرح و تنقید کے حوالہ ہو چکے ہین جسمین ایسی غیر واقع دکھلیان دی گئی ہین کہ

صورت حال کے خلاف کیون کسی خیال پڑتے ہو درانحالیکہ تمہارا ساتھ دینے والے مدد آبہت کم ہین۔ اور جب
ہم ایسی کوششون مین کامیاب ہوسکے کہ تمہارے قسمی ذاتی اور صفاتی لحاظ کے باوجود ہم ایسی جماعت تیار کرسکین جو
یزید کو بہتر سمجھنے لگے تو ہمارا نا ممکن ہمارے لئے ممکن اور تمہارا ممکن تمہارے لئے نا ممکن ہوگیا ہے اور اب تمہارا رشتہ
بجز غیر مفید یاس کے اور کیا رہ گیا ہے۔ اب اگر تمہارے لئے کوئی امید ہے تو یہ کہ ہمارا ساتھ دو اور ہمارے
اعمال کی رفاقت کرو۔ قیاس کے قابل ہے کہ یہ تمام انعکاس حسین کے لئے دلخراش تھے۔ موقع کی حقیقت تھی
جسمین سو مین سو آدمی ناموافقت بے سود سمجھتے۔ اگرچہ انھین طبعاً گوارا نہ ہوتا اور اگرچہ ایسا کرنے مین وہ
اپنا تشخص کھو بیٹھتے۔ اور یہ اس ہولناک ظاہری وجہ سے کہ جب لوگونکو ہماری وقعت فراموش ہوگئی تو اب ہم

تشخص کی دو صورتین

اپنے تشخص کے محافظ کب تک رہین گے اور یہ ہمارا تشخص ہی کس کام کا۔ یعنی ہمارا تشخص اور عامہ ناس کی قدر دانی
دو مرادف حالتین ہین۔

لیکن اگر وجوہات ہوسکتے ہین جن سے عامہ ناس یزید کی بہتری کے مقر ہوسکے اور ایسی کوئی حالت تشخص کے
تحفظ کی تسکین ہو تو بہتر ہوگا کہ تشخص کا لفظ ایسے برے مفہوم مین استعمال ہو۔ ورنہ مثالونکی کمی نہ ہوگی جسمین
ایسے لوگ جنکا پیشہ ہے اخلاقی خلاف ورزی ہر ایک جماعت بلکہ ہر جگہہ کی ایسی ہر طائفہ کے نزدیک اپنے تشخص کے
لحاظ سے بڑے بڑے معلم اخلاق اور عالم کے مقابلہ مین زیادہ وقیع ہین۔ تشخص کوئی تشخص ہی نہین ہے اگر وہ
اپنی حقیقی صفات کے علم پر مبنی نہ ہو۔ اور جسے اپنے ذات و صفات پر اعتبار ہو۔ وہ اسکا محتاج نہین ہے کہ
لوگ ہماری قدر کرین تو ہماری صفت صفت ہے ورنہ وہ کوئی چیز ہی نہین ہے۔ ہر زمانے مین ایسے لوگ ہوتے
ہین جو تشخص کی وجاہت حکومت کے انداز نظر مین دیکھا کرتے ہین حالانکہ حکومت کے انداز نظر کچھ ضرور
نہین ہے کہ اخلاقی احساسات پر مبنی ہون۔ اور وہ شخص جو اپنے تشخص کا اندازہ لوگون کے اس معیار سے دیکھتا
ہے وہ حقیقتاً اپنے کو انسے بہتر ثابت نہین کر رہا ہے۔ ایک اگر صفت شناسی کے لئے ایسے کا محتاج ہے جسکے
نزدیک اکثر عیب مفید ہین تو دوسرا خود اپنے کو نہین پہچانتا اور اپنی حقیقت کو انسے پوچھتا ہے جو حقیقت کے
اہل نہین ہین۔

حسین اس سے بالاتر تھے کہ وہ کسی ایسے فقرے سے کہ "یزید کو بہ نسبت انکے اچھا سمجھنے والے زیادہ ہین" متاثر
ہوتے۔ یا انھین اسکی زیادہ فکر ہوتی کہ چونکہ ہمین اچھا سمجھنے والے کم ہین ہم بھی اپنے اچھا سمجھا جانے کے لئے
ویسی ہی کوششین کرین جیسے یزید کے لئے کی گئی ہین۔ حسین دونون طرح کے سمجھنے والون کو خوب سمجھتے تھے۔

اور وہ اپنے کو بھی سمجھتے تھے۔ اِس سے مروان کے تمام مدبرانہ فقرات نے حسین کی نگاہ مین اپنا تشخص ٹھیک نہین کیا تھا کہ وہ مروان کے پیشکش کو شوق کی نگاہ سے دیکھتے اور اپنے وقار کی زیادتی بنی اُمیہ کی موافقت مین تلاش کرتے حسین کا تشخص اُنکی صفات اُنکے علم اور اُسکے اعتبار پر تھا۔ وہ اسے ذلت سمجھتے تھے کہ ہم بنی امیہ کے ہاتھ سے کوئی عزت چاہین جسے لوگ بھی عزت سمجھین۔ اِسے حسینؑ اپنے وقار کے اطمینان سے بہترین واقعہ خوان الفاظ مین ادا کیا کہ "جاہل اُسے اور عاقل مجھے اچھا سمجھتے ہین"۔

باوجود ان تمام جواب کے عبداللہ ابن جعفر اور حسین کے سمجھنے کا ایک موقع یہ بھی تھا کہ مروان کی وکالت کا قبول کرنا عبداللہ ابن جعفر کے لئے امیدافزا تھا جسے حسین نے اِس قوت سے رد کردیا۔ اور چونکہ ابن جعفر نے معاملہ کو حسین ہی کے حوالہ کردیا تھا انکی ذمہ داری بڑھ گئی تھی۔ اِس لئے حسینؑ اپنی اِس تجویز کے ساتھ کہ ام کلثوم کا عقد قسم ابن محمد ابن جعفر سے ہو ساتھ ہی اپنے مختار کو حکم دیا کہ انکے بسر اوقات کے لئے حسین کی مملوکہ زمین دیدی جائے جسکی آمدنی کافی سے زیادہ تھی۔ اگرچہ اپنی آن کی جائز حفاظت اور سخاوت ناقابل اعتراض ہے لیکن ہمارے اوپر کے ریمارک کی مثال ابھی موجود ہے کہ مروان بھن گیا اور کہنے لگا کہ "بنی ہاشم اپنی عداوت نہین چھوڑتے" دوستی تو اُسکے نزدیک یہ ہوتی کہ بنی ہاشم ہربات پر سر تسلیم خم کئے رہتے۔ لیکن مروان کی سفارت کی ناکامی کے لئے مین غالب (بہت بے آبرو ہوکر تیرے کوچہ سے ہم نکلے) یا عرفی (بشوق آمدہ بودم ہمہ حرمان رفتم) کے مصرعہ مین پسند کا تصفیہ نہین کرسکتا مگر یہ خالصًا سیاسی اقدام تھا تو مین غالب کے مصرعہ کو مناسب سمجھونگا۔

حسینؑ کے اِس تشخص کو کچھ عجب نہین ہے کہ نہ سمجھنے والے جنہین کبر اور خودداری مین تمیز نہ تھا کبر سے منسوب کرتے ہوں اور حضرت اُنھین سمجھاتے ہوں کہ "کبر خدا کے لئے ہے جسکا کوئی شریک نہین ہے۔ لیکن "عزت" مومنین کے لئے ہے" اور سچ تو یہ ہے کہ وہ جنکا خطاب ابوالساکین ہو جنکا غربا کے ساتھ رحم وکرم اور متعلقین کے ساتھ عفو اور درگذر لاجواب شانون کا ذخیرہ ہو اُسکے نسبت کبر کا خیال کرنا احساس شناسی سے دور افتادگی ہے۔ مثالین جو کچھ سمجھاتی ہین وہ یہ ہے کہ حسین غربا اور مجبور لوگون پر بیحد شفیق تھے لیکن وہ جو خودبینی کو اپنی شان سمجھتے تھے اور حسین سے اُسکی قدردانی چاہتے تھے وہ حسین کو سرو کا سا سیدھا اور بے لوچ پاتے تھے۔ اور جس جس طرح خود بین اینٹھتے جاتے تھے حسین کا اثر وقار سکون بڑھتا جاتا تھا بلکہ شاید نظر اور چہرہ کے عکس مین حقارت کا جزو شامل ہوتا جاتا ہو۔ یہ سب اسلئے کہ بھولے ہوئے اوچھے طبیعت کے لوگ اعتدال کی طرف عود کرین۔ اِسکے بعد عود کرنے والے یا تو حسین کو نرم ہوتا ہوا دیکھکر مطمئن ہوجاتے تھے یا جب اعتدالی طبیعت کو اپنی شان

کبر سے عشین کو نسبت دینا طبیعت کے اعلےٰ شان کی ناشناسی سے تھا۔

سمجھتے تھے یہ کو اپنی سطح پر نہ پاکر تشنج میں مبتلا ہو جاتے تھے اور انتقام کے لیے حسین کو کیسے نسبت وقتیہ زیادہ جو ایسے جلنے کے علاوہ اور کسی خوش ادائی کے مرتکب ہو سکتے تھے .. اپنے کو بھول کر حسین کی خودداری میں قابل اعتراض کہہ دیکھ لیتے تھے۔

جو کچھ میں اوپر کہہ رہا تھا اُسکے سمجھنے کے لیے حسین کے خیالات اور بھی ہیں۔ مثلاً جو کچھ آپ اُسامہ ابن زید کے ادائے قرض کے وقت فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کی خصلت میں سب سے زیادہ بُری اور ناقابل تعریف بات یہ ہے کہ وہ دشمن سے ڈریں اور غریبوں پر سخت دلی سے رحم نہ کریں" میں سمجھتا ہوں کہ "دشمن سے ڈریں" وہ مقابل۔ کسی طرح کے مقابل سے۔ کسی طرح کا دنیا ہے۔ حسین ذی اقتدار لوگوں کی شان سے اثر لینا معیوب سمجھتے تھے لیکن اِس بے اثری کو اگر وہ غرباء کے ساتھ بیرحمی ہو تو اُسے سخت دلی سے فرماتے تھے۔

ہر شخص جسے اسلامی تاریخ سے رغبت ہے جانتا ہے کہ زید اور اُسامہ ابن زید کو خاندان رسالت سے کیا نسبت تھی۔ پھر بھی واقعات کی یہ صورت ہونے والی تھی کہ جناب امیر کے استقرار خلافت کے وقت اُسامہ متخلفین بیعت میں کے ایک ہوتے۔ غالباً انکا تخلف نیوٹرل رہنے سے زیادہ نہ تھا اسلئے کہ اصحاب جمل و صفین میں انکا نام نہیں دکھائی دیتا۔ پھر بھی انکے موقع کے آدمی سے خاندان رسالت کے اقتدار کے وقت کوئی دوری کشیدگی بھی حیرت خیز تھی۔ اِسکی وجہ غالباً اسلام کا وہ برتاؤ تھا جسنے عطائے حقوق میں انسان اور انسان میں کوئی فرق نہیں کیا تھا اور چونکہ زید اور اُسامہ پر رسول کی توجہ اِس سے بھی آگے بڑھی ہوئی تھی اسلئے اُسامہ ایاز قدر خود نشناس سے آگے بڑھ گئے تھے۔ اسپر وہ حالتیں اور تازیانہ ہو گئی تھیں جسنے "ہم کیوں نہ ہوں" ایک زندہ اصول قرار دے رکھا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ کب اُنھوں نے صورت حال کو تسلیم کیا اور کب انکے تعلقات سمجھوتے کی حد تک قائم ہوئے۔ لیکن باوجود اس کے حسین کا عیادت کے لیے تشریف لیجانا جو زندگی ہی میں اُسامہ کے بار کو ہلکا کر دینا کہتا ہے کہ حسین اُس سلسلۂ عنایت کو فراموش نہیں کرنا چاہتے تھے جو کسی وابستہ خاندان کے ساتھ تھی۔

حسین کا خاصہ تھا اُنھیں ہر پیش اُفتادہ حالت کے سمجھنے پر آمادہ کر دیتا تھا اور اُنکی وہ ہمدردی جو خلق اللہ خصوصاً غرباء کے لیے تھی غالباً اُسوقت رحم اور غیر متمادی تھا ہوں سے اُن فقیروں کو دیکھنے لگے جو بیٹھے ہوئے اپنی بھوک دور کر رہے تھے اور حسین کے اُن اندازنے غالباً بے سروسامانوں کو یہ جرأت دلائی کہ وہ قریب بلا لیتے ہم نہیں کہہ سکتے کہ سوسائٹی۔ فیشن سے غربت کا نام لینا ذلت اور غربت کا اندازہ اور ذکر ویسی ہی شان کے خلاف

اُسامہ کے وہی انداز جو رسول کے سامنے تھے حسین کی وہی حمایت جو رسول کی تھی۔

فقرا کا حسین کو دعا دینا۔ غربا کے ساتھ حسین کے نرم برتاؤ کی وجہ سے تھا۔

ضمیر کا ذرہ ذرہ سب سامان مخیر دم چھپا ہوا اٹھا نہیں ہے - اگر تھا تو اسکا اثر حسین پر نہ تھا اور وہ جناب اپنے جد بزرگوار کی اُسی نصیحت سے متاثر تھے کہ غربت سرایت نہیں کر جاتی - اُنکے نزدیک غربت اور امارت ایک اتفاقی چیز تھی جو وجہ انسانی پر اثر نہیں کرتی - نہ اُسے جماعت کا وہ گروہ قرار دیتی ہو - یہ ہو گیا نیک نفس رحیم اور رحمۃ للعالمین کا فرزند اور غالباً اسکا یقین کر کے کہ اب فقرا کو تسکین ہو گئی اور وہ ہمارا اُٹھو جانا تکلیف کے ساتھ محسوس نہ کرینگے اس طرح اُٹھے کہ اُنھیں بھی اپنے ساتھ اپنے گھر لیگئے اور احسان فرمایا - جسکے خیال مین ساتھ لے جانا بھی کسی احسان کرنے کی آن سے نہ تھا بلکہ فقیرون کے خوشگوار وقت کی یاد کو رفاقت سے دیرپا کرنا تھا -

حسین کو پہچانو کہ کہان تھے اور کس طرح تھے جب اعرابی کو اُسکی امید سے بدرجہا زیادہ عطا فرماتے ہین اس طرح کہ سامنے نہیں آتے ہین بلکہ صرف ہاتھ بڑھا دیا ہے جسمین تھیلی ہے - خود پس پردہ ہین اور عذر کر رہے ہین وقت ہوتا ہے کہ پردہ چھپاتا ہے یہ وقت تھا کہ پردہ حسین کو ظاہر کر رہا تھا - حسین کی یہ غیرت شرح سے بالاتر ہے جہان وہ اپنا چہرہ اور آنکھین سائل کے سامنے نہیں کرتے - کیا اس لئے کہ وہ سوال کرنے والے کی خفت نہ دیکھین - یا اس لئے کہ وہ امید برآنے کے بعد اظہار تشکر مین بھر نہ آئے - حسین کسی کے ایک درد انگیز عالم اور اپنی ذاتی تسکین کے نظارہ سے اپنے کو کھینچ رہے تھے !

حسین کی روحانی زیارت -

بادی النظر مین یہ ایک روایت ہے - لیکن حسین کے نفس کے شارح اور اُنکے معنوی مورخ کے لئے یہ چھوٹی سی روایت گوکہ واقعات کی تمام سوانح عمری سے زیادہ روشن تاریخ ہے - یہ واقعہ ہے کہ حسین آج ہمارے سامنے اسوقت اُس طرح نہیں ہین جیسے اپنے اس انداز سخا کے وقت تھے - لیکن کون ایسی بیہوش اور تاریک نظر ہوگی جو ایسے واقعات کو پڑھیگی اور حسین کا اُس وقت کا نقشہ اُسکے سامنے نہ پھر جائیگا - یہ نقشہ ایسے جسم اور روح سے کھینچا ہے جسے زمانہ اور اُسکے تغیرات مٹا نہیں سکتے - اُس وقت تک نہیں جب تک کہ حرف کاغذ کے کسی ٹکڑے پر بولین گے یا یہ واقعہ انسانی حافظہ سے منتقل ہوتا ہوا آخری انسان تک پہونچیگا - اور برابر اُسوقت تک حسین اپنی صورت اور اسکے ضمنی اثر سے مخلوقات الٰہی کو دکھائی دینگے - روایت یہین ختم نہیں ہو گئی بلکہ سائل اعرابی کے رحیمارک نے اسمین تھوڑا سا درد اور شامل کر دیا - اُسے حسین کی بے نفسانہ عنایت نے رُلا دیا - مشکور حاجتمند" ایسے شخص کے زیر خاک چھپنے " اور دست جود کے ناپید ہو جانے " کا پیشتر سے مرثیہ کہہ رہا تھا - اُسکے نزدیک اپنے احساس کے سمجھانے کا یہ بہترین طریقہ تھا - اور شاید بہترین فطری تعریف بھی تھی -

دور کردہ جماعت پر حسین کی نظر۔

یہ دوسری روایت بھی کم موثر نہین ہے کہ حسین ایک انسان کو کتے کے ساتھ اس طرح کچھ کھاتے اور کھیلتے دیکھتے ہین کہ گویا وہ کسی آدمی یا کسی بچہ کے ساتھ خوش فعلی کر رہا تھا۔ فوراً حسین کو خیال ہوا ہوگا کہ کیا اسے آدمیون سے نفرت ہے۔ کیا کوئی آدمی اسے جی بہلانے کو نہین ملتا۔ اُسکے چہرہ پر افسردگی اور مایوسی دیکھکر اُسکی حالت اور موقع سمجھ گئے۔ اُسکے لئے سُنت کے بُرے لفظ استعمال نہ کئے۔ دور نہ ہٹے۔ اُسکی حالت خود اُسی سے پوچھا جواب یہ تھا کہ مین ایک درد رسیدہ ہون۔ دل خوش کرنے کو اِس کتے کے ساتھ کھیل رہا ہون۔ مواقع ہوتے ہین کہ انسان کو انسانون سے نفرت ہو جاتی ہے لیکن یہ موقع تھا کہ انسانون نے ایک انسان کو جماعت کے میل جول سے دور ڈال دیا تھا اسلئے کہ اُسکا موقع اچھا نہ تھا۔ لیکن فطرت نے اُسے اپنے رحمت کی سعادت سے دور نہین کیا تھا۔ اسمین میل جول کی خواہش تھی اور دُکھ سُکھ کا احساس تھا اگر آدمی اُسکے غم غلط کرنیکے قابل نہ تہا تو جانور تھا اُسکی نگاہ مین آدمیون سے جانور اسوقت بہتر ہوگا۔ حسین کی ایک نگاہ سمجھ گئی۔ دل نے اثر لیا۔ رُک گئے۔ ہمدردی کی۔ اپنے باپ اور نانا کے سچے فرزند کی طرح سفارش اور آزادی لانیکے لئے اُسکے آقا کے پاس چلے۔ انکی بے غرض عنایت اور حقوق عباد کے لحاظ نے جو اثر کیا وہ کسی شرح کا محتاج نہین ہے۔

طریقہ سخا کی جدت اور تفریح۔

اِس روایت مین طریقہ سخا کی جدت ہے کہ سائل سے چند سوالات کئے جاتے ہین۔ یہان بھی مجھے تھوڑا سا مزاح معلوم ہوتا ہے۔ ہادی برحق بھی اپنی افسردگی کے وقت ایک بے وقوف کریہہ منظر اعرابی کو تلاش فرمایا کرتا تھا جسکی مضحک صورت۔ انداز۔ اور گفتگو سے تھوڑی سی تفریح ہو جاتی تھی۔ حسین اعرابی کی مضحک گھبراہٹ دیکھنا چاہتے ہین یا اُسے اپنے سوالات کے جواب۔ تاکہ اُسکا مشتری بنانا چاہتے ہین۔ چند سوالات ہین لیکن نہایت مفید خصوصاً ایسی حالت مین جبکہ حصول علم کی آسانیان نہ تھین اور جبکہ ریگستانی اور پہاڑی مقامونین کوئی اُستاد نہ جایا کرتا تھا۔ ایسے موقع کو حسین کیون ضائع کرتے۔ پہلے ہی فرمایا کہ "بخشش موافق معرفت ہونی چاہئے" پہلے کچھ سیکھو اسکے بعد انعام چاہو۔ تعلیمی سوال شروع کئے۔ اور فاضل ترین اعمال پوچھا۔ جواب ملا کہ اقرار توحید۔ توحید جو بہت کچھ پرستی اور اوہام باطلہ سے بچاتی ہے خصوصاً صحرا نشین جہان سادہ مزاج مخلوق کو شاعرانہ وحشت اعتقاد کی بہت گنجائش ہے ایک خدا جو نہ اونگھتا ہے نہ سوتا ہے جو ہر جگہ ہے جو تمام بندون کے افعال دیکھتا ہے اور جو اعرابی کے صحرائی جھونپڑے اور اُسکے اونٹ کے گلہ سے دور نہین ہے۔ اور جو افضل اعتقاد کہ

خدا ہی جانے کہ برادر اعرابی کو توحید کے افضل ترین اعمال ہونے کی شرح بھی معلوم تھی یا نہ تھی لیکن حسین کیوں
اُنکے معدے سے زیادہ خوراک دیتے جب اصل بات پیٹ مین اُتر پڑی تھی۔ اور اس طرح یقین تھی کہ وہ کسی طرح
مشرک نہ ہوگا یعنی اسلامیت کی پہلی زبردست اصلیت اُسمین موجود ہے۔ کہدیا کہ بھئی تم نے جواب دی چکے
یعنی تصدیق سے اُسے اپنے خیال مین راسخ کر دیا۔ غریب ڈر رہا ہوگا کہ پاس بھی ہوتے ہین یا نہین اور پاس فیل جاتا
جہنم مین تم تو اُسے انعام کا ہوتا۔ اب تو ذرا ٹھنڈا ہو کر جواب کے لئے مستعد ہوا ہوگا۔ اب پوچھا۔ ”کونسی
چیز انسان کو ہلاکت سے بچاتی ہے“ یہ پہیلی ٹیڑہی تھی۔ لیکن برادر اعرابی نے سوچ ساچ کی تڑی بگی بات
کہدی کہ ”خدا پر بھروسہ“ دہریت اور لاادریت کی بے اعتباری۔ بےقناعتی اور اُن سب ناکام کوششوں کا خیال
کرو جسمین خدا پر بھروسہ نہ کرنے سے انسان مبتلا ہوتا ہے۔ خدا پر بھروسہ کے معنی جگنا تھ جی (ہندوؤنکے اوتار کا
ایک بُت جسکے ہاتھ پاؤن کٹے ہوتے ہین) بنجانا نہین ہے۔ بھروسہ کے معنی قوائے تجربہ اور اعضائے جسمانی کا
تعطل نہین نہ کوشش سے باز آنا مقصود ہے بلکہ بھروسہ خدا کی شان ربوبیت کا ایک طبعی اطمینان ہے اور نتیجے کے
موافق ہونے یا نہ ہونے مین تسلیم و رضا کا اظہار ہے۔ اور ساتھ ہی اُسکی تائید کی امید ہے۔ ذرا سی دعا اور
اُسکی کامیابی یا ناکامی خدا کے وجود یا عدم وجود کا معیار نہین قرار دیجاتی۔ الٹمیٹم نہین دیا جاتا کہ اگر ہمارے
موافق مزاج بات نہ ہوئی تو ہم تیرا انکار کرینگے بلکہ غم و اندوہ آتا ہے اور دیکھتا ہے کہ ہم ایسے مخلوق کے
پاس آئے ہین جو اپنی ہستی ہم سے منوانا چاہتا ہے بجائے اسکے کہ ہم اُس پر غالب آجائین۔ اِس لئے کہ وہ مخلوق۔
خدا کے انصاف پر راضی اور اُسکے ارادے پر شاکر ہے۔ جنبش اُس سے ساقط ہو گئی ہے وہ اب اپنی ٹکنیا سے اوڑا
اوڑا نہین پھرتا بلکہ ایک زبردست مرکز سے بندھا ہے یہ اُسکی طبیعت اور خیال کا اعتدال ہے اور یہ حالت ہلاکت
سے بچانے والی ہے۔ برادر اعرابی دو حصہ پا گئے۔

تیسرا سوال ہوا کہ ”کس چیز سے انسان کی زینت ہے“ ہم ہوتے تو بیساختہ سنت زمانہ کے لحاظ سے جبا عمامہ
ٹائی کالر۔ کٹ۔ مفلر وغیرہ وغیرہ کہدیتے۔ پسند کرنا دوسرے کے اختیار کی چیز ہی۔ لیکن جاہل عرب نے بھی جیسے
اختلاف مذاق کیا غالباً اُسکے نزدیک مستند بن الفریقین تہا کہ آدمی نے جتنے ہتھیار بنائی ہین چیتھڑون نے آدمی نہین بنایا
جواب دیا کہ ”علم سے جسمین حلم ملا ہو“ ہمکو ذرا سی وجہ شبہہ کی ہو تو ہم انکار کر جائین کہ جاہل بدوی یہ نہین کہہ سکتا تھا مگر
عالمانہ مذاق تھی ہی نہین بلکہ حلم سے علم کا مزاج درست کرنے سے کیا بحث۔ بہرحال اُسکا ذاتی یقین ہو سنی ہوئی بات ہو یا
کسی بڑے عالم جسین ہی نے بتا دیا ہو بات اچھی تھی۔ لیکن حالت استثنا چاہتی تھی۔ اِسلئے کہ علم بغیر حلم اور حلم بغیر

علم ہو سکتا ہے۔ یہ ناقص صورت تھی یا یہ دونوں حالتیں عموماً نہیں پائی جا سکتی تھیں اور اس طرح یہ مخصوص
لوگوں کے زینت کا ایک ذریعہ ہوتا۔ یہ کمزوری ایسی تھی جو فوراً حسین کے سامنے آجاتی اور وہ سوال کر بیٹھے کہ اگر
یہ نہو تو جو اعرابی دوسری مرکب صفت مالداری کے ساتھ مروت کو پیش کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت بھی شبہ
کے اعتراض سے خالی نہ تھی۔ پھر وہی سوال کیا گیا اور اب اعرابی نے فقر کے ساتھ صبر کی قید لگائی۔ انسانی حیات
کی تین واضح صورتوں کی مثالیں دیجا چکی تھیں جن سے انسان کی زینت ہو سکتی ہے۔ اعرابی کا ہر جواب اچھا
تھا لیکن پہلی حالت پر اگر حسین قناعت کرتے تو وہ اور حالتیں ظاہر نہ ہوتیں اور بغیر ٹوکے خاموشی بھی غیر
مفید تھی۔ کون جانے کہ حسین اُسے جیتے رہے ہوں۔ اور آخر مرتبہ وہ جھنجلا ہی گیا لیکن آخری جواب بھی کم قوت
دار نہ تھا کہ اگر یہ صورتیں نہ ہوں تو کسی کے زندہ رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ حسین ہنس دیئے اور نہ صرف
زر دیت ادا کیا بلکہ اُسکے نفقہ کا بھی لحاظ فرمایا۔ اب برادر اعرابی غالباً فاتحانہ شان سے رخصت ہو گیا۔

حسین ایک قوت دار زبان خریدتے ہیں۔

اس روایت میں کہ حسین نے فرزدق کو کچھ عطا فرمایا درانحالیکہ مروان نے اُسے نکلوا دیا تھا عطا فرمانا خالصتاً
زینت سخا سے نہ تھا بلکہ ایک قوت دار زبان کا خریدنا تھا۔ زیر غور زمانہ کوئی مشہور شاعر ہمارے زمانہ کے کسی مشہور
اخبار کے اڈیٹر سے غالباً اثر میں کم نہ تھا بلکہ خصوصیات زمانہ زیادتی کا حکم لگا سکتی ہیں۔ حسین اُسے "عزت
محفوظ" رکھنے کے لحاظ سے خرید رہے تھے اور اسکے لئے اُنکے پاس اپنے جد بزرگوار کی مثال تھی۔ عزت محفوظ
رکھنے کا خیال نہ صرف شعرائے عرب کی ہجاگوئی کے لحاظ سے تھا بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ اگر کوئی آزاد شاعر بنی امیہ
کا بندہ ہو جاتا تو غلط خیالی پھیلانے میں اور زیادہ اثر کرتا۔ اب چونکہ وہ بنی امیہ سے برافروختہ ہو کر آیا تھا
قرین مصلحت تھا کہ وہ سنبھالا جاتا۔ آیندہ ذکر آئیگا کہ فرزدق خبر دینے کے کام آیا بلکہ ہشام ابن عبد الملک کے
حج کرنے کے زمانہ میں اُسنے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی شان میں جس موقع پر فی البدیہہ قصیدہ
(ہذا الذی یعرف البطحا وطاتہ + والبیت یعرفہ والحل والحرم) کہا اُسنے بڑا اثر کیا۔

وجوب صوم کی وجہ اور اُسکا فلسفہ۔

وجوب صوم کی وجہ بیان فرمانا کہ "امیروں کو بھوک کا مزہ معلوم ہو کہ غریبوں پر رحم کریں" اپنے دین کے
ایک حکم کی عام فہم تفسیر تھی۔ یہ شرح خود حسین کے رحم پسند اور غریب پرور نفس کی شرح ہے۔ حسین اس سے
زیادہ شرح فرما سکتے تھے شاید اسی وقت کی ہو لیکن ہم تک صرف اسی قدر پہونچی۔ ظاہر ہے کہ اسمیں حسین نے
صوم کی وہ وجہ بیان فرماتے ہیں جسکا فائدہ خود صائم کے لئے بجز صواب عطا کے اور کچھ نہیں ہے بلکہ فائدہ
اور وکالت زیادہ تر غربا کی ہے۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ سوال کرنے والا ذی مقدرت تھا لیکن بخیل تھا جیسے عموماً

رحم کے تعلیم کی ضرورت تھی۔ یہ نکتہ صاف ہو جاتا اگر سائل کا نام اور خصلت معلوم ہو سکتی۔ میں اس خیال سے خالی نہیں ہوں کہ اِسمیں تعلیمی حیثیت کا طنز بھی ہو۔

حسین کی قدر دانی علم نہ صرف اِس سے معلوم ہوتی ہے کہ اپنے بچوں کے معلم کو بہت کچھ عطا کیا بلکہ اُس سے زیادہ اِس سے کہ اپنی کثیر عطا کو معلم کی کثیر عطا (تعلیم) کے ہم پلہ نہ سمجھا۔ اُسکے نواسے جو پڑھے لکھے اسیران جنگ کو آزاد معلم بنا دیتا تھا یا اُسکے فرزند سے جو "پوچھ لو قبل اسکے کہ مجھ نہ پاؤ" فرما سکتا تھا ایسا خیال ظاہر ہونا مطلق حیرت خیز نہ تھا۔

متکلمین میں اسپر تھوڑی دردسری نہیں ہوئی ہے کہ ارادہ خدا حادث ہے یا قدیم ہے۔ اشاعرہ قدامت کے قائل ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر ارادہ خدا علم خدا ہے تو اسکی صفت ذات ہے اور یہ قدیم ہے لیکن عموماً بلکہ اجماعاً پیروان آل رسالت اِسکے قائل ہیں کہ ارادہ خدا حادث ہے۔ وہ ہمیشہ اور تمام باتوں کے متعلق ارادہ نہیں کیا کرتا کیونکہ اگر خدا ہر امر میں مرید (ارادہ کرنے والا) ہوتا تو تمام برائیاں یا کافر کا کفر بھی ارادہ خدا سے ہوتا اور اِس طرح کفر مراد خدا ہوتا۔ پیروان آل رسالت حُسن اور قُبح عقلی کے قائل ہیں۔ ظاہر میں بھی ارادہ ایک صفت فعلی ہے۔ حسینؑ نہایت فلسفیانہ احتیاط سے اُسے "عالم اور قادر" فرماتے ہیں۔ یعنے وہ چیزوں کو جانتا ہے اور ارادہ کی قدرت رکھتا ہے۔ علم شے ارادہ شے نہیں ہے۔ اب وہ کس امر کا ارادہ کرتا ہے یا کسی کا ارادہ نہیں کرتا اِسی کا تصفیہ ہر چیز کی موجودہ صورت پر کیا جائیگا۔

ناظرہ پر زور دیا

باوجود اسکے کہ اسحق ابن عمار حافظ قرآن تھے لیکن حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام نے اُنھیں اپنے حافظہ سے پڑھنے کی اجازت نہ دی بلکہ لکھے ہوئے کے پڑھنے کا حکم دیا اور یہ حدیث یاد دلائی کہ "قرآن کا دیکھنا عبادت ہے" یہ حدیث یا حدیث کا یاد دلانا دونوں کا مفہوم ایک تھا اور وہ یہ کہ حافظہ اصل کتاب سے بے پرواہ نہ کردے۔ دوسرے لفظوں میں کتاب کی مرکزیت کو نقص لحاظ سے بچایا تھا۔ اگرچہ جناب امیر ملوکانہ شان کے باوجود قرآن کی اظہار عظمت کے لیے اُسے حکم بنانے کے لیے جنگی صف کے بیچ میں لاسکتے تھے تو حسین کیونکر اُسکے احترام کے لحاظ کو مخصوص نہ بناتے۔ یہ تھے جنھوں نے ہر طرح قرآن۔ نفس قرآن کی صحیح حفاظت اور شرح کی اور اُسپر عمل کیا۔

خطبہ کی مختصر شرح

حسین اُس خدا کی تعریف کرتے ہیں جو کسی شے سے موجود نہیں ہوا جو قائم بالذات ہے جو علت العلل ہے۔ چیزاور صورتیں نمودار اور فنا ہوتی ہیں اور یہ سب گویا اپنے مسبب کے ازلی ہونے کی گواہی دیتی جاتی ہیں خلق شدہ چیزوں میں صنعت کا نمونہ دکھائی دیتا ہے اور یہ سب اپنے صانع کا نشان دیتے ہیں۔ حسینؑ اپنے خدا کو

صفت ربوبیت سے یاد کرتے ہین۔ اور اسی خدا کی طرف واپسی کا اقرار بھی کرتے ہین اور دعا اور اظہار شکر
کو نہایت خوبصورت اور تصور خیز فقرہ مین ادا کرتے ہین کہ "تو نے ابتدا کی اپنی بخشش کی قبل اسکے کہ مین موجود
تھا" یہ الفاظ اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن ماہرین فلسفہ جانتے ہین کہ اسمین وجود باری تعالے کے استنباط کے کئی
طریقون کا ذکر ہے مجھے اسکی تفصیل غیر ضروری ہے مجھے تو یہ کہنا ہے کہ ایک نگاہ ہے جو عالم اور اسکے تغیرات
و تنوعات پر غور کر رہی ہے ایک ذات جو فطرت کے قوانین مین بیہوش نہین کھڑی ہے بلکہ کچھ دیکھ رہی ہے
اور جو کچھ دیکھتی ہے اُس سے کچھ استدلال کر رہی ہے۔ علت دیکھ رہی ہے۔ معلول دیکھ رہی ہے۔ صنعت کی
اسمین مضبوطی کی شان ہے جو بغیر شعور نہین ہو سکتی۔ کچھ غیر مدرک الات ہین جنمین کوئی چیز کام کر رہی ہے
دو نوعیت کی چیزین حیرت خیز امتزاج کا نمونہ ہین ایک وقت تھا کہ یہ امتزاج نہ تھا۔ اِس وقت ہی اور
پھر نہ ہوگا لیکن یہ قانون برابر عمل کرتا رہیگا۔ تماشہ کا ختم ہونا تماشہ گر کا ختم ہونا نہین ہے بلکہ اسقدر تماشے
ہین جسکی ایک کنہ دریافت کرنا مزید کنہ کے دریافت ہونے کا مقدمہ ہے۔ جس طرح کا بھی ہو اِن چیزون مین
حدوث ظاہر ہے۔ اِن چیزونکی علت فاعلی ایسی حدوث پسند نہین ہو سکتی وہ انسے الگ ہے وہ کسی چیز سے
موجود نہین ہوئی۔ اب یہ نگاہ اپنی علت فاعلی کو پہچان کر اُسکی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ اور دیکھتی ہے کہ
کہ وہ ہمارا پالنے والا بھی ہے۔ محبت کا ہیجان ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی ابتدا کے بعد انتہا بھی دکھائی دیتی ہے۔ ابتدا
کی پرورش بازگشت کے اقرار سے اپنے کو آیندہ رحمت کا امیدوار بناتی ہے۔ اسلئے کہ ہم نے اپنی وجود کے لئے کوئی
حق قائم نہ کیا تھا اور پھر بھی تو نے ہمارے موجود ہونے کے قبل اپنی رحمت کو مہیا کر دیا تو بڑا منعم ہے۔ تو جانتا ہے کہ
ہمکو اپنے موجود ہونے پر کونسی چیزونکی ضرورت ہوگی۔ تیرے شعور نے ہمین ہماری بیہوشی مین تنہا نہ چھوڑا نہ اسکا انتظار
کیا کہ ہمین مانگنے کے قابل ہوتا تو تو دیتا تو ہم تیرے طرف اپنی بازگشت کے اقرار سے کیون مطمئن نہون۔

خدا کو خیر و شر سے نسبت دیے جانے کی شرح۔

میری دانست مین شر کو خدا سے منسوب کرنا اہرمن کے قائل ہونے سے کسی طرح بہتر نہین ہے۔ یا ایک ہی خدا کو
شر کے ساتھ خیر کا خالق قرار دینا ایزد اور اہرمن کو مخلوط کر دینا ہے۔ خدا خیر محض ہے اُس نے خیر اور شر کا کہین
دو ڈھیر نہین لگا دیا ہے۔ خدا کے قانون کی موافقت خیر اور اُسکی مخالفت شر ہے۔ خیر اور شر دو حالتین ہین جنکے
حُسن اور قبح کے سمجھنے کا معیار عقل ہے۔ نہ خیر اور شر یا حُسن اور قبح کا سمجھنا محض مذہب پر موقوف ہے بلکہ خیر اور شر
یا حُسن و قبح کے وہ بھی قایل ہین جو مذہب کی پیروی نہین کرتے۔ انسان کا خاصہ اخلاقی اُسے بُری باتون سے متنفر
کرتا ہے اور بھلی باتون سے مطمئن کرتا ہے۔ وہ جو بُرائی کا مرتکب ہوتا ہے اُسے اچھائی سمجھکر نہین بلکہ بُرائی کو

برائی ہی کہتا ہے اگرچہ وہ مرتکب ہوا ہو۔ اور اگرچہ وہ کسی ایسی حالت مین ہو جسکی کوئی برائی سوسائٹی کے
نزدیک خود مرض وجملہ مرض راد واست ہی کیون نہ ہو تاہم انفرادی ضمیر غیر جنگی سے نہین رہتا اگر حس فنا نہین
ہوگیا ہے۔ یہ صورتین تعیین خیال کے رو سے جو اسوقت کے پہلے اور اسوقت کے بعد رہینگے جسکے نسبت حسین سے
سوال کیا گیا حسین کے زمانہ کی خصوصیت یہ تہی کہ اسوقت تک حکومت کا نشین ہوگیا تھا کہ وہ جو کچہ کرے اور لوگون
پر اسکا کیسا ہی اثر کیون نہ پڑتا ہو لیکن آسانی سے یہ کہدیا جائے کہ آدمی کیا کرتا ہے خدا ہی کے نزدیک تم اس برائی
کے مستحق تہے اگر خدا کو منظور نہ ہوتا تو بہلا ممکن تھا کہ تم اس بلا مین رہتے اور کوئی تمہارے ساتھ کچہ کرسکتا۔ کیا کرتا کوئی
مغالطہ سمجہکر جبکہ مغالطہ کی حفاظت کے لیئے تلوار تہی۔ ہوتا جو کچہ بہی ہوتا لیکن جب حسین سے پوچہا جاچکا تھا تو وہ اس
قوت دار اور صاف جواب دینے کے لئے اپنے منصب کے لحاظ سے مجبور تہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ خدا برائی کا حکم دیتا ہے
اُسنے خدا کی تکذیب کی۔ یہ ذات خداوندی سے بعید ہے۔ ساتھ ہی یہ بہی فرمایا کہ "جو شخص کہتا ہے کہ خیر و شر خدا کیطرف
سے ہے اُسنے خدا کی تکذیب کی" سچ مچ خدا کی تکذیب ہے۔ اسلئے کہ کیا خداوند تعالی نے اپنے بندونکو ایک صاحب
ارادہ نفس اور حق و باطل کا تمیز نہین عطا کیا ہے کہ وہ اپنے لئے اپنی راہ اختیار کرلے۔؟

بلند ادعا جو موئید بہ تاریخ ہو

یہ ہے جنہین اسکا ادعا ہو سکتا تھا کہ ہم اصل ہین (حرف) ہر خیر کی۔ اور ہر اور نیکی ہماری فرع ہے" اور جب یہ کہہ سکتے تہے تو
یہ دوسرا فقرہ اسکا دوسرا پہلو ہے کہ "ہمارا دشمن اصل ہر شر ہے اور اسکی فروع کل برائیان ہین" انکی تاریخ یہ کہتی ہے
کہ یہ بجز واقعہ کے اور کچہ نہین کہ رہے تہے۔ حسین ہی تو تہے جو معاویہ کو چیلنج دے رہے تہے کہ اگر یزید کو میری برائیان معلوم
ہون تو وہ بلا تردد بیان کرے۔ ایسے پاک۔ ایسے خاص۔ ایسے طاہر اگر معصوم من الخطا سمجہے جاتے ہین تو یہ کوئی ادعائے
اعتقادی نہین ہے بلکہ انکے روزمرہ کی کہانی ہے انکا روز مرہ ایک دن۔ ایک مہینہ ایک برس ایک صدی نہین بلکہ
صدیون اس طرح گذرا کہ انہین اپنے نیک نامی کے قائم رہنے کی امید نہ ہونی چاہیئے تہی۔ کیا یہ حالت اس خیال کی
گنجایش رکہتی ہے کہ وہ شمع کیا بجہے جسے روشن خدا کرے۔ بجہانے کی تو اتنی کوشش ہوئی جس قدر ہو سکتی ہے لیکن نہین
بجہی اور اسکا نور اب تک ہے جسمین زردی نہین آئی۔ زندہ ہے اور حیات بخشی کی قابلیت رکہتی ہے صرف شرط
یہ ہے کہ "خیر کی فرع سے تعلق رکہتا ہو"۔ مین نہین سونچتا کہ مذہب کے کسی پیرو کو اپنے امام کی علویت اور مجسمہ خیر ادعائے
سے بہتر کیا رواج ہو سکتا ہے۔ بانیان مذاہب گذرے اور ایک اصول کی بنیاد ڈال گئے۔ وہ گذر گئے انکی ذات فراموش
ہوگئی اصول رہگیا جو زمانہ کے ہاتہون متغیر ہوتا رہا لیکن اُسی دین پر جسکے متعلق مشیت ایزدی مقتضی ہوئی تہی کہ
وہ غبار حوادث کے طالب علم اور اسکی اولاد امجاد کے ہاتہون شائع ہوتا ان نفوس قدسی کا یہ وہ گہرا نقش ہے کہ اصول

ذات سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں اپنے اصول مذہب کے مرکز اشاعت سے جو ذاتی
محبت کا جوش ہے اُسکا دوسرے مذہب میں تلاش کرنا تاریخ کو پھر سے لکھنا ہے۔

اپنی کتاب کے اِس حصہ میں ہم وہ سب کہہ چکے جسکا ہماری دانست میں کہنا ضروری تھا اگرچہ طوالت کے لحاظ سے
ہمنے بہت کچھ علحدہ کر دیا جو لکھا تھا۔ اے کاش کہ یہ طویل داستانیں اور اُنکا ضمنی عکس یہ کام دے سکا ہو کہ ایام
تاریخ کی روشنی کا رُخ حسین کی ذات اقدس کا تعارف کرا رہا ہو۔ داستانیں داستان فہمی کیلئے نہ تھیں بلکہ حسین
فہمی کے لئے۔ ہماری آخری چھوٹی چھوٹی روایتیں وہ تھیں جو حسین سے درجہ ثانوی کا تعلق نہ رکھتی تھیں۔ کسی
بزرگ کے موجود اثر یا اور کسی طرح کے اثر کا اظہار نہ تھا بلکہ جو کچھ تھا اُس سے حسین اُس طرح ظاہر ہو رہے تھے جیسے
وہ اُس وقت تھے۔ اور وہ اپنے نشو صفات میں اِس حد تک پہونچ چکے تھے کہ اپنے کو ہر خیر کی اصل اور ہر نیکی کو
اپنی فرع فرما سکتے۔ یعنی نیکیاں اُنکے لئے اب تقلیدی اور تعلیمی حیثیت سے بڑھکر میں اُنکا خاصہ ہو گئی تھیں ہمارا
دوسرا حصہ جن واقعات کو دکھلانے والا ہے وہ حسینؑ کے اُس ادعا کا ثبوت ہوگا کہ حقیقتاً برائی کے مثل بھی
کسی خیال کی طرف اُنکا قدم اُٹھنا اُنکے لیے محال تھا۔ اور اُن صبر شکن اور جانکاہ حالتوں میں جو حسینؑ کے
پہلے اور حسین کے بعد کسی کے لئے نہیں ہوئیں! اور جو واقعات سامنے آئے وہ ایسے نہ تھے جنکے متعلق حسینؑ
کا علم۔ تجربہ اور خاصۂ تصفیہ کی غلطی کرا سکتا۔

حصہ اوّل تمام شد